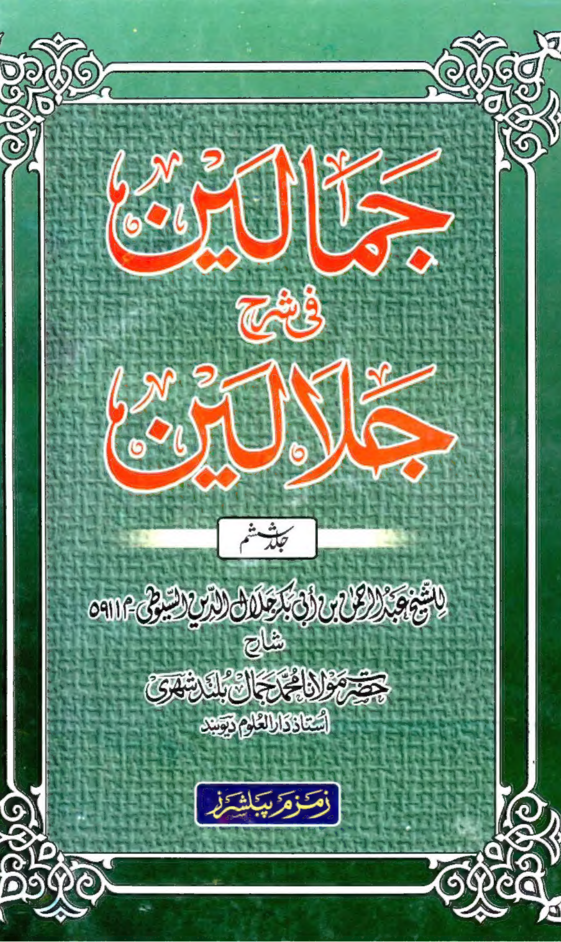


جمالین
فی شرح
جلالین
جلد ششم
للشیخ عبدالرحمن بن ابی بکر جلال الدین السیوطی ۹۱۱ھ
شارح
حضرت مولانا محمد جمال بلندشہری
اُستاذ دارالعلوم دیوبند
زمزم پبلشرز

جدید نظر ثانی شدہ ایڈیشن

جمالین

فی شرح

جلالین



للشیخ عبد الرحمٰن بن أبی بکر جلال الدین السیوطی م ۹۱۱ھ

شارح

حضرت مولانا محمد جمال بلند شہری

اُستاذ دار العلوم دیوبند

ناشر

زمزم پبلشرز

نزد مقدس مسجد، اُردو بازار، کراچی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب کا نام ـــــ جمالین فی شرح جلالین جلد ششم

تاریخ اشاعت ـــــ فروری ۲۰۱۰ء

باہتمام ـــــ احباب زمزم پبلشرز

ناشر ـــــ زمزم پبلشرز کراچی

شاہ زیب سینٹر نزد مقدس مسجد، اُردو بازار کراچی

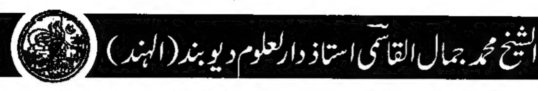
فون: 021-32760374

فیکس: 021-32725673

ای میل: zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ: zamzampublishers.com

ملنے کے دیگر پتے



MAULANA MOHD. JAMAL QASMI
(PROF.)

DARUL ULOOM DEOBAND
DISTT. SAHARANPUR (U.P) INDIA
PIN 247554 PHONE. 01338-224147
Mob. 9412848280

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جمالین شرح اردو جلالین کے حقوق اشاعت وطباعت باہمی ایک
معاہدہ کے تحت پاکستان میں مولانا محمد رفیق بن عبد المجید مالک
زمزم پبلشر کراچی کو دیدیے گئے ہیں، لہذا پاکستان میں کوئی شخص
یا ادارہ جمالین کے کل یا جزء کی اشاعت وطباعت کا مجاز نہ ہوگا
بصورت دیگر ادارہ زمزم کو قانونی چارہ جوئی کا اختیار ہوگا

محمد جمال قاسمی
استاذ دارالعلوم دیوبند الہند
۱۸ دسمبر سنہ ۲۰۰۴ء ۶ ۔ ۱۱ ۔ سنہ ۱۴۲۵ھ

فہرست مضامین جلد ششم

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست نقشہ جات

آغازِ سخن وکلماتِ تشکر

الحمد للہ کہ جمالین شرح اردو جلالین نصف ثانی کی چھٹی اور آخری جلد جو کہ سورۂ احقاف سے سورۂ ناس تک مع سورۂ فاتحہ پانچ پاروں پر مشتمل ہے، منظر عام پر آرہی ہے، مولائے کریم کا یہ محض کرم وفضل ہی ہے کہ چھ ماہ کی قلیل مدت میں تقریباً سوا سات سو صفحات پر مشتمل چھٹی جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے، نصف ثانی کی دو جلدیں چہارم وپنجم شائع ہو کر علمی حلقوں میں قبول عام حاصل کر چکی ہیں۔

جلالین کی تشریح کرتے وقت اس بات کا بطور خاص خیال رکھا گیا ہے کہ جلالین کا کوئی مقام تشنہ کام نہ رہ جائے، مشکل اور پیچیدہ ترکیبوں کو بطور خاص حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، لغات کو مستند اور معتبر کتابوں کی مدد سے حل کیا گیا ہے، جا بجا قرآنی تاریخ کے رنگین اور سادہ نقشے دیئے گئے ہیں تاکہ معلوم ذہنی اور موجود خارجی میں مطابقت کے ذریعہ علی وجہ البصیرت استفادہ کیا جاسکے، جلد چہارم کا پہلا ایڈیشن تقریباً ختم ہو رہا ہے، تصحیح واصلاح کے بعد اس کو دوبارہ شائع کیا جارہا ہے، چوتھی جلد میں بھی حسب موقع قرآنی تاریخی رنگین اور سادہ نقشوں کا اضافہ کر دیا گیا ہے؛ تاکہ یکسانیت باقی رہ سکے۔

انشاء اللہ العزیز جلالین کے نصف اول کی پانچ پاروں پر مشتمل پہلی جلد چھ ماہ میں امید ہے کہ منظر عام پر آجائے گی، اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ اس کارِ عظیم کے انجام دینے کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے۔ (آمین)

فقط والسلام

احقر محمد جمال سیفی
استاذ دار العلوم دیو بند
فون: 01338-224147



سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ وَثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ الاقُلْ اَرَأَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الاٰية والا فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُوْلُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ الاٰية والَّا وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ الثَلَاث اٰياتٍ وهي اربع او خمس وثلثون آية.

سورۂ احقاف مکی ہے، سوائے قُلْ اَرَأَيْتُمْ (الآية) اورسوائے فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ (الآية) اورسوائے وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ کے (تین آیتیں) اور یہ ۳۴ یا ۳۵ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ حٰمٓ ۝ اللّٰه اَعْلَمُ بمُرادِه به تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ القُران مُبْتَدأٌ مِنَ اللّٰهِ خبرُهُ الْعَزِيْزِ فی مُلكِهِ الْحَكِيْمِ ۝ فی صُنعِه مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا خلقًا بِالْحَقِّ لِيدُلَّ عَلٰی قُدرَتِنا وَوَحدانِيَّتِنا وَاَجَلٍ مُّسَمًّى اِلٰی فَنائِهِما يومَ القِيٰمَةِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا خُوِّفُوا به مِن العَذابِ مُعْرِضُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اَخبِرُوْني مَّا تَدْعُوْنَ تَعبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اى الاَصنامِ مَفعُولٌ اوّلٌ اَرُوْنِيْ اَخبِرُوْني تاكِيدٌ مَاذَا خَلَقُوْا مَفعُولٌ ثان مِنَ الْاَرْضِ بيانُ ما اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ مُشارَكَةٌ فِي خلقِ السَّمٰوٰتِ مَعَ اللّٰهِ وأم بمعنی هَمزةِ الاِنكارِ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مُنزَلٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ القُرانِ اَوْ اَثٰرَةٍ بَقِيَّةٍ مِّنْ عِلْمٍ يُؤثَرُ عن الاَوّلين بصحّة دَعْواكُم في عِبادةِ الاَصنامِ اَنَّها تقرِّبُكم اِلَی اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فی دَعْواكم وَمَنْ استِفهامٌ بمعنی النَّفْي اى لا اَحَدَ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا يَعبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اى غيره مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وهُمْ الاَصنامُ لا يُجِيبُونَ عابِدِيهم الٰی شَیْءٍ يَسْأَلُوْنَه اَبَدًا وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ عِبادَتِهم غٰفِلُوْنَ ۝ لِاَنَّهم جَمادٌ لا يَعقِلُونَ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا اى الاصنامُ لَهُمْ لِعابِدِيهم اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ بِعِبادةِ عابِدِيهم

كٰفِرِيْنَ⑥ جاحدين **وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ** اى اهلِ مكة **اٰيٰتُنَا** القراٰنُ **بَيِّنٰتٍ** ظاهراتٍ حالٌ **قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** منهم **لِلْحَقِّ** اى القراٰن **لَمَّا جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ**⑦ بَيِّنٌ ظَاهِرٌ **اَمْ** بمعنى بل وهمزة الانكارِ **يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ** اى القراٰن **قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ** فرضًا **فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ** من عذابه **شَيْئًا** اى لا تقدِرُونَ على دفعه عنّى اذا عذبنى الله **هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ** تقولُوْنَ فى القراٰن **كَفٰى بِهٖ** تعالى **شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَهُوَ الْغَفُوْرُ** لِمَنْ تاب **الرَّحِيْمُ**⑧ به فلم يُعاجِلْكُمْ بالعُقُوبة **قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا** بديعًا **مِّنَ الرُّسُلِ** اى اوّل مُرسلٍ قَدْ سبق مِثْلِىْ قَبْلى كثيرٌ منهم فكيف تُكذِّبُوْنَنِى **وَمَا اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ** فى الدُّنيا أَأُخرَجُ مِنْ بَلَدى ام أُقتَلُ كما فُعِل بالانبياء قبلى او تُرمَوْنَ بالحجارة ام يُخسَفُ بكم كالمُكذِّبِين قبلكم **اِنْ** ما **اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ** اى القراٰن ولا ابتدعُ من عِندِى شيئًا **وَمَا اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ**⑨ بَيِّنُ الاِنذار **قُلْ اَرَءَيْتُمْ** اخبرونى ماذا حالُكم **اِنْ كَانَ** اى القراٰنُ **مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ** جُملَةٌ حالِيَّةٌ **وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ** هو عبدُ اللهِ بنُ سلام **عَلٰى مِثْلِهٖ** اى عليه اى انّهٗ من عند الله **فَاٰمَنَ** الشاهدُ **وَاسْتَكْبَرْتُمْ** تكبرتم عن الايمان وجوابُ الشَّرطِ بمَا عُطِفَ عليه اَلَسْتُم ظالمِين دَلَّ عليه **اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ**⑩ ع

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، حٰمٓ اس سے اپنی مراد کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، کتاب یعنی قرآن کا نازل کرنا اپنی ملک میں غالب اپنی صنعت میں حکمت والے (خدا) کی طرف سے ہے (الکتاب) مبتداء، اور مِنَ اللّٰه اس کی خبر ہے، ہم نے آسمانوں اور زمین اور اس کے درمیان کی تمام چیزوں کو حکمت کے ساتھ اور ایک مقررہ مدت (تک) کے لئے پیدا کیا ہے یعنی قیامت کے دن ان کے فنا ہونے تک کے لئے، تا کہ ہماری قدرت اور ہماری وحدانیت پر دلالت کرے اور کافر لوگ جس چیز سے ڈرائے جاتے ہیں (یعنی) جس عذاب سے خوف دلائے جاتے ہیں اس سے منہ موڑ لیتے ہیں، آپ کہئے، بھلا دیکھو تو جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو بندگی کرتے ہو، یعنی بتوں کی، مجھے بتاؤ کہ انہوں نے زمین کا کونسا حصہ پیدا کیا ہے ما، تَدْعُوْنَ کا مفعول اول ہے اَرُوْنِی بمعنی اَخْبِرُوْنِیْ (اَرَاَیْتُم) کی تاکید ہے (مَاذَا خَلَقُوْا) مفعول ثانی ہے (مِنَ الْاَرْضِ) ما کا بیان ہے، یا آسمانوں کی پیدائش میں ان کو اللہ کے ساتھ مشارکت ہے ما استفہام انکاری کے معنی میں ہے میرے پاس کوئی کتاب جو اس قرآن سے پہلے نازل کی گئی ہو لاؤ یا کوئی اور منقول مضمون جو تمہاری بت پرستی کے دعویٰ کی صحت میں اسلاف سے منقول چلا آیا ہو کہ یہ بت تم کو اللہ کا مقرب بنا دیں گے اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو اور اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا؟ استفہام بمعنی نفی ہے یعنی کوئی نہیں جو اللہ کے سوا ایسوں کو پکارے یعنی بندگی کرے جو تا قیامت اس کی دعاء قبول نہ کرسکیں، اور وہ بت ہیں، اپنی عبادت کرنے والوں کے کسی سوال کا کبھی بھی جواب نہیں دے سکتے، بلکہ وہ تو ان کی پکار بندگی سے بے خبر محض ہیں، اس لئے کہ وہ تو جمادِ لایعقل ہیں اور جب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو یہ بت ان کے یعنی اپنی بندگی

کرنے والوں کے دشمن ہوں گے، اور ان کی یعنی اپنی عبادت کرنے والوں کی عبادت ہی کا انکار کر بیٹھیں گے، اور جب انہیں یعنی اہل مکہ کو ہماری واضح آیتیں یعنی قرآن پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان میں کے منکرین حق یعنی منکرین قرآن سچی بات کو جبکہ ان کے پاس آچکی کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادو ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو تو اس (رسول) نے خود گھڑ لیا ہے؟ اَمْ بمعنی بل ہے اور ہمزہ انکار کا ہے، آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر بالفرض میں نے اس کو گھڑ لیا ہے تو تم مجھے خدا کے عذاب سے ذرا بھی نہیں بچا سکتے، یعنی جب اللہ مجھے عذاب دینے پر آئے تو تم اس عذاب کو مجھ سے دفع نہیں کر سکتے، قرآن کے بارے میں جو باتیں تم بناتے ہو وہ اسے خوب جانتا ہے، میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لئے وہی کافی ہے جس نے توبہ کی وہ اسے بڑا معاف کرنے والا ہے وہ اس پر بڑا رحم کرنے والا ہے اسی وجہ سے وہ تمہاری سزا میں جلدی نہیں کرتا آپ کہئے کہ میں کوئی نرالا رسول تو ہوں نہیں یعنی پہلا (رسول تو ہوں نہیں) مجھ سے پہلے میرے جیسے بہت سے رسول گذر چکے ہیں تو تم میری تکذیب کس بنیاد پر کرتے ہو؟ اور میں نہیں جانتا کہ (کل) میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ دنیا میں کیا معاملہ کیا جائے گا آیا میں اپنے شہر سے نکالا جاؤں گا یا قتل کیا جاؤں گا؟ جیسا کہ مجھ سے پہلے انبیائے کے ساتھ کیا گیا، یا تم پر پتھر برسائے جائیں گے یا تم سے پہلے مکذبین کے مانند تم زمین دوز کر دیئے جاؤ گے میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے اور میں تو ایک صاف صاف ڈرانے (خبردار) کرنے والے کے سوا کچھ نہیں ہوں آپ کہہ دیجئے کہ تم مجھ کو یہ بتلا دو کہ اگر یہ قرآن منجانب اللہ ہوا اور تم نے اس کا انکار کر دیا، تو تمہارا کیا انجام ہوگا؟ (وَكَفَرْتُمْ بِهٖ) جملہ حالیہ ہے، اور اس جیسے کلام پر تو ایک بنی اسرائیل کا گواہ اور وہ عبداللہ بن سلام ہے شہادت بھی دے چکا ہے یعنی اس بات پر کہ یہ (قرآن) منجانب اللہ ہے اور وہ شاہد ایمان لے آیا اور تم گھمنڈ میں پڑے رہے یعنی ایمان کے مقابلہ میں تکبر کرتے رہے اور شرط کا مع اس پر معطوف کے جواب اَلَسْتُمْ ظالمین ہے، جس پر اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي القَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ دلالت کر رہا ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: اَحْقَاف، حَقْفٌ کی جمع ہے، حَقْفٌ ریت کے اس ٹیلے کو کہتے ہیں جو مستطیل اور مرتفع اور قدرے منحنی ہو اور احقاف یمن میں ایک وادی کا نام بھی ہے، قوم عاد کا مرکزی مقام احقاف تھا، یہ حضر موت کے شمال میں اس طرح واقع ہے کہ اس کے مشرق میں عمان اور شمال میں ربع خالی واقع ہے جسے صحرائے اعظم الدنیا بھی کہا جاتا ہے قدیم زمانہ میں حضر موت اور نجران کے درمیانی حصہ میں عادِ ارم یعنی عادِ اولیٰ کا مشہور قبیلہ آباد تھا، جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی نافرمانی کی پاداش میں آندھی کا عذاب بھیج کر نیست و نابود کر دیا تھا، عبدالوہاب نجار نے قصص الانبیاء میں ص ۱۰۱ پر تصریح کی ہے کہ مجھ سے سید عبداللہ بن احمد بن عمر بن یحییٰ علوی نے جو حضر موت کے باشندے ہیں بیان کیا کہ وہ ایک جماعت کے ساتھ ان ہلاک شدہ قوموں کے قدیم مساکن کی کھوج میں حضر موت کے شمالی میدان میں قیام پذیر رہے کافی تلاش و کوشش کے بعد ٹیلوں کی کھدائی میں سنگ مرمر کے کچھ برتن دستیاب

ہوئے جن پر خط مسماری میں کچھ کندہ تھا لیکن افسوس کہ سرمایہ کی کمی کے باعث اس مہم سے دست بردار ہونا پڑا۔

(لغات القرآن)

قَوْلُهٗ: اِلَّا بِالحَقِّ بِالحَقِّ سے پہلے خَلْقًا محذوف مان کر مفسر علام نے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ بالحقِّ متلبسًا کے متعلق ہو کر خلقًا مصدر محذوف کی صفت ہے، تقدیر عبارت یہ ہے الا خلقًا مُتَلَبِّسًا بالحقِّ.

قَوْلُهٗ: واَجَلٍ مُسَمًّى واؤ عاطفہ ہے، اَجَلٍ کا عطف اَلْحَقِّ پر ہے ای بِحقٍّ و باَجَلٍ مُسَمًّى یعنی ہم نے آسمانوں اور زمین کو برحق اور تعیینِ مدت کے ساتھ پیدا کیا ہے یعنی ان کی فنا کا ایک دن متعین ہے اور وہ قیامت کا دن ہے، کلام میں مضاف محذوف ہے ای وَاِلَّا بتعیینِ اجلٍ مسمّی.

قَوْلُهٗ: وَالَّذین کفرُوا موصول صلہ سے مل کر مبتداء اور مُعْرِضُوْنَ اس کی خبر ہے اور عَمَّا اُنْذِرُوْا، مُعْرِضُوْنَ کے متعلق ہے، ما اسم موصول ہے مُعْرِضُوْنَ جملہ ہو کر صلہ ہے، عائد محذوف ہے جس کی طرف مفسر علام نے بہٖ مقدر مان کر اشارہ کر دیا ہے۔

قَوْلُهٗ: عَمَّآ اُنْذِرُوْا میں مَا موصولہ اور مصدریہ دونوں ہو سکتا ہے، موصولہ ہونے کی صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی عَنْ عَذَابِ الَّذِی اُنْذِرُوْهُ مُعْرِضُوْنَ.

قَوْلُهٗ: قُلْ اَرَاَیْتُمْ مَّا تدعونَ مِن دُوْنِ اللّٰہِ بقول شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اَرَءَیْتُمْ بمعنی اَخْبِرُوْنِی اور تَدْعُوْنَ بمعنی تَعْبُدونَ ہے ای اَخْبِرُوْنِیْ مَا تَعْبُدُوْنَ مِن دُوْنِ اللّٰہِ مِنَ الْاَصنام مَاتَدْعونَ، اَرَءَیْتُمْ کا مفعول اول ہے اور مَا ذَا خَلَقُوْا جملہ ہو کر قائم مقام مفعول ثانی کے ہے، یہ بھی احتمال ہے کہ اَرُوْنِیْ، اَرَءَیْتُمْ کی تاکید ہو اور معنی میں اخبرونی کے ہو، اس صورت میں یہ باب تنازع فعلان سے ہوگا، اس لئے کہ اَرَءَیْتُمْ اور اَرُوْنی دونوں مفعول ثانی کے طالب ہیں مفعول اول دونوں کے پاس موجود ہے مَا تَعْبُدُوْنَ، اَرَءَیْتُمْ کا مفعول اول ہے اور اَرُوْنی میں یا اَرُونی کا مفعول اول ہے اور مَاذا خَلَقُوا متنازع فیہ ہے، دونوں افعال اس کو اپنا مفعول ثانی بنانا چاہتے ہیں، بصریین کے مذہب کے مطابق فعل ثانی کو عمل دیکر فعل اول کا مفعول ثانی محذوف مانا جائے گا۔

قَوْلُهٗ: مُشَارِكٌ فِی الخَلْقِ، مشارک بمعنی مشارکت ہے اگر مفسر علام رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی مشارک کے بجائے مشارکۃ فرماتے تو زیادہ واضح ہوتا موجودہ نسخہ میں مشارکۃ ہے۔

قَوْلُهٗ: اِیْتُوْنِیْ یہ جملہ بھی منجملہ قُل کے مقولہ میں سے ہے اور اِیْتُوْنِیْ امر تعجیز و تبکیت کیلئے ہے اَرُوْنِیْ سے دلیل عقلی کے فقدان کی طرف اشارہ کرنے کے بعد اِیْتُوْنِیْ بکتٰبٍ الخ سے دلیل نقلی کے فقدان کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُهٗ: مِن قبلِ ھذا یہ بکتابٍ کی صفت ہے جو مطلق ہے منزل ہو یا غیر منزل، ای ایتونی بکتابٍ کائنٍ مِنْ قبلُ مگر مفسر علام نے ابوالبقاء کی اتباع میں مِنْ قبل کا متعلق خاص یعنی منزل محذوف مانا ہے مگر مطلق رکھنا زیادہ بہتر ہے ای کائنٍ من قبلِ ھٰذا۔ (جمل)

قَوْلُہٗ: أثَارَةٍ بقيةٍ، بَقِيَّةٍ کا اضافہ بیان معنی کے لئے ہے اَثَارَة، غَوَايَة وضَلَالة کے وزن پر مصدر ہے اور یہ عرب کے قول سَـمَنَتُ النَّاقَةَ على اَثَارَةٍ مِن لحمٍ، اى على بقيةٍ منه سے مشتق ہے، اور بعض حضرات نے اَثَارة کے معنی روایة اور علامة کے بھی بیان کئے، خلاصہ یہ کہ اہل لغت کے اَثَارَة میں تین قول ہیں ① الأثارة بمعنی بقية یہ اَثَرْتُ الشيء اثارةً سے مشتق ہے، کانّها بقية تخرجُ فتستثارُ ② الاَثَارة، مِنَ الاَثرِ، اى الرواية والنقل ③ مِنَ الأثرِ، بمعنی العلامة (اعراب القرآن) مراد وہ علوم ہیں جو اسلاف سے سینہ بسینہ منقول چلے آتے ہوں۔

قَوْلُہٗ: مِنْ قَبْلِ هٰذا، کائن محذوف کے متعلق ہو کر بکتابٍ کی صفت ہے اور بـكتابٍ ايتونى کے متعلق ہے اور اَثَارَةٍ کتابٍ پر معطوف ہے۔

قَوْلُہٗ: اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ شرط ہے اس کی جزاء فأتونى محذوف ہے اور صَادِقِيْنَ كنتم کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: مَـنْ لَا يَسْتَجِيْبُ الخ مَنْ نکرہ موصوفہ بھی ہوسکتا ہے مابعد کا جملہ اس کی صفت ہوگا، تقدیر عبارت ہوگی مَنْ اَضَلُّ مِنْ شَخْصٍ يَعْبُدُ شَيْئًا لَا يُجِيْبُهٗ: اور موصولہ بھی ہوسکتا ہے اس صورت میں مابعد کا جملہ اس کا صلہ ہوگا، تقدیر عبارت یہ ہوگی مَنْ اَضَلُّ مِنْ شَخْصٍ يَعْبُدُ الشيء الَّذِىْ لَا يُجِيْبُهٗ وَلَا يَنْفَعُهٗ فى الدنيا وَلَا فِى الآخرة.

قَوْلُہٗ: مَنْ لَا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ جملہ ہو کر يَدْعوا کا مفعول بہ ہے۔

قَوْلُہٗ: الـى يـومِ القِيامَةِ یہ لَا يَسْتَـجِيْبُ کی غایت ہے، جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے بعد استجابة ہوگی، بایں طور کہ غایت مغیا میں داخل نہ ہو، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہاں بیان غایت سے تابید مراد ہے اور غایت مغیا میں داخل ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول وَاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِى الى يومِ الدِّين.

قَوْلُہٗ: لِاَنَّهُمْ جَمَادٌ لا يَعْقِلُوْنَ، غافلون کی تفسیر لأنهم جَمادٌ الخ سے کر کے اشارہ کردیا کہ غفلت سے عدم فہم مراد ہے نہ کہ بے توجہی (وهـم عـن دعائهم غافلون) میں اول هم ضمیر اصنام کی طرف اور ثانی هم عابدین اصنام کی طرف راجع ہے، دونوں ضمیروں کو جمع لانا معنی مَنْ کی رعایت کی وجہ سے ہے اصنام کے لئے ذوی العقول کی جمع اس لئے لائے ہیں کہ مشرکین کا یہ اعتقاد تھا کہ اصنام سمجھتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا یہ وضـع الاسم الظاهر موضع الضمير کے قبیل سے ہے، اس لئے کہ قالوا کہنا کافی تھا مگر اہل مکہ کی صفت کفر کو بیان کرنے کے لئے اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھ دیا۔

قَوْلُہٗ: لَمَّا جاءَ هم، قَالَ کا ظرف ہے اور هٰذا سِحرٌ مُبِيْنٌ مقولہ ہے۔

قَوْلُہٗ: تُفِيْضُوْنَ، اِفَاضَة سے جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے تم گھستے ہو اس کا استعمال جب پانی، آنسو، وغیرہ کے لئے ہوتا ہے، تو بہنے، جاری ہونے کے معنی ہوتے ہیں، لیکن جب کلام کے متعلق استعمال ہوتا ہے تو باتوں میں غور و خوض کرنے اور کہنے سننے اور نکتہ چینی کرنے کے معنی میں آتا ہے، یہاں اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

قَوْلُہٗ: بِدْعًا بدیعًا، بِدعًا مصدر بھی ہوسکتا ہے مگر اس صورت میں مضاف محذوف ہوگا ای ذابدعٍ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بدعًا بدیعًا کے معنی میں صیغہ صفت ہو جیسے خِف بمعنی خفیف بِدْعٌ بمعنی بَدِیعٌ انوکھا، نرالا۔

قَوْلُہٗ: وَمَا اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ پہلا ما نافیہ ہے، ثانی ما استفہامیہ مبتداء اور مابعد اس کی خبر، یہ ما، اَدْرِیْ کو عمل سے مانع ہے اس کا مابعد قائم مقام دو مفعولوں کے ہے۔

قَوْلُہٗ: مَا اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ یہ حصر حقیقی نہیں ہے کہ اعتراض ہو کہ آپ بشیر بھی ہیں پھر یہ نذیر میں حصر کیسا؟ جواب یہ ہے کہ یہ حصر اضافی ہے یعنی میرا ڈرانا اور آگاہ کرنا، اللہ ہی کی طرف سے ہے خود میری طرف سے کچھ نہیں ہے جیسا کہ آپ لوگوں کا خیال ہے۔

قَوْلُہٗ: اَرَاَیْتُمْ اِنْ کَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ وکفرتم بہٖ جملہ اَرَاَیْتُمْ الخ قول کا مقولہ ہے اَرَاَیْتُمْ کے دونوں مفعول محذوف ہیں، تقدیر عبارت یہ ہے اَخْبِرُوْنِیْ مَاذَا حَالُکُمْ اِنْ کَانَ مِنْ عند اللّٰہ وکفرتُمْ بہٖ شرط اور اس پر معطوف کا جواب محذوف ہے، جس کی طرف علامہ محلی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اَلَسْتُمْ ظالمین مقدر مان کر اشارہ کردیا ہے، جواب شرط کی مذکورہ تقدیر زمخشری کے قول کے مطابق ہے مگر اس پر ابوحیان نے رد کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر زمخشری کی بیان کردہ تقدیر مان لی جائے تو پھر فاء کا لانا ضروری ہے اس لیے کہ جملہ استفہامیہ جب جواب شرط واقع ہوتا ہے تو اس پر فاء لازم ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ دیگر حضرات نے فقد ظلمتم جواب شرط محذوف مانا ہے۔ (اعراب القرآن)

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

اس سورت کا نام احقاف ہے، احقاف حِقْفٌ کی جمع ہے، ریت کے بلند مستطیل خم دار ٹیلے کو کہتے ہیں، یہ نام آیت ۲۱ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَہٗ بِالْاَحْقَافِ سے ماخوذ ہے، یہ قوم عاد کا مرکزی مقام تھا، یہ حضر موت کے شمال میں اس طرح واقع ہے کہ اس کے مشرق میں عمان اور شمال میں ربع خالی ہے جسے صحراء اعظم الدنیا بھی کہا جاتا ہے، ربع خالی گو آبادی کے لائق نہیں تاہم اس کے اطراف میں کہیں کہیں آبادی کے قابل کچھ زمین ہے، خصوصاً اس حصہ میں جو حضر موت سے نجران تک پھیلا ہوا ہے، قدیم زمانہ میں اسی حضر موت اور نجران کے درمیانی حصہ میں عادِ ارم کا مشہور قبیلہ آباد تھا، جس کو خدا نے ان کی نافرمانیوں کی پاداش میں آندھی کا عذاب بھیج کر نیست و نابود کردیا تھا۔ (لغات القرآن)

نَوْٹ: حال ہی میں ۱۹۹۲ء میں کھدائی کے دوران قوم عاد و ثمود کے مکانوں کے کھنڈرات اور بنیادیں ظاہر ہوئی ہیں جو کہ تصویر میں صاف نظر آرہی ہیں۔ (قوم عاد و ثمود کے خرابات کا نقشہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)۔

❁❁❁❁❁

(صحرائے احقاف کا نقشہ ملاحظہ فرمائیے)



حٰمٓ حروف متشابہات میں سے واجب الاعتقاد قابل السکوت ہے، اس کتاب کا نزول اللہ زبردست اور دانا کی طرف سے ہے، اور واقعی حقیقت یہ ہے کہ یہ نظام کائنات بے مقصد کھلونا نہیں، بلکہ با مقصد ایک حکیمانہ نظام ہے، نیز کائنات کا موجودہ نظام دائمی اور ابدی نہیں ہے بلکہ اس کی ایک خاص عمر مقرر ہے جس کے خاتمے پر اس کو لازماً درہم برہم ہوجانا ہے اسی کو آخرت کہتے ہیں، اور خدا کی عدالت کے لئے بھی ایک طے شدہ وقت ہے جس کے آنے پر وہ ضرور قائم ہونی ہے، لیکن یہ کافر لوگ اس حقیقت سے منہ موڑے ہوئے ہیں، انہیں اس بات کی کوئی فکر نہیں ہے کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے جب انہیں اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہوگی۔

قُلْ اَرَاَیْتُمْ مَا تَدْعُوْنَ اے نبی ان سے کہہ دو کہ کبھی تم نے آنکھیں کھول کر دیکھا بھی اور کبھی تم نے غور کیا بھی کہ یہ ہستیاں ہیں کیا؟ جنہیں تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو یہ تمہارے احساس ذمہ داری کی فقدان کی وجہ سے ہے، جس کی وجہ سے بے سوچے سمجھے ایک نہایت ہی غیر معقول عقیدے سے چمٹے ہوئے ہو۔

مذکورہ آیات میں مشرکین کے دعوائے شرک کو باطل کرنے کے لئے ان سے ان کے دعوے پر دلیل کا مطالبہ کیا گیا ہے، اس لئے کہ کوئی دعویٰ بغیر شہادت اور دلیل کے عقلاً یا شرعاً قابل قبول نہیں ہوتا، دلائل کی جتنی قسمیں ہوسکتی ہیں سب کو اس میں جمع کردیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ تمہارے دعوے پر کسی قسم کی دلیل موجود نہیں اس لئے اس بے دلیل دعوے پر قائم رہنا گمراہی ہے اس آیت میں دلائل کی تین قسمیں کی گئی ہیں، ایک عقلی دلیل جس کی نفی کے لئے فرمایا اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ دلیل کی دوسری قسم نقلی ہے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں دلیل نقلی وہی معتبر ہوسکتی ہے جو خود حق تعالیٰ کی طرف سے آئی ہو جیسے آسمانی کتابیں قرآن، توریت، انجیل وغیرہ، اِیْتُوْنِیْ بِکِتٰبٍ مِنْ قَبْلِ هٰذَا میں اسی دلیل نقلی کے مطالبہ کی طرف اشارہ ہے، اَوْ اَثٰرَةٍ میں دلیل نقلی سے انبیاء سابقین کے وہ اقوال اور روایات مراد ہیں جو بعد کی نسلوں تک سینہ بسینہ کسی قابل اعتماد ذریعہ سے پہنچے ہوں، یہ دلیل نقلی کی دوسری قسم ہے، ان تینوں ذرائع سے جو کچھ بھی انسان کو پہنچا ہے اس میں کہیں بھی شرک کا شائبہ تک موجود نہیں ہے، تمام کتب آسمانی وہی توحید پیش کرتی ہیں جس کی طرف قرآن دعوت دے رہا ہے، علوم اولین کے جتنے نقوش بھی بچے کچھے موجود ہیں ان میں بھی کہیں اس امر کی شہادت نہیں ملتی کہ کسی نبی یا ولی نے کبھی لوگوں کو خدا کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے کی تعلیم دی ہو۔ اَثارة من علم سے علم الاولین مراد ہے، جو قابل اعتماد سند کے ساتھ بعد والوں تک پہنچے ہوں، ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ اَثارة من علم سے علم الاولین مراد ہے، اور فرّاء اور مبرّد نے کہا ہے ما یؤثر من کتب الاولین مراد ہے۔ (فتح القدیر)

وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ کانوا لهم اَعْداء مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن اصنام، عابدین اصنام کے دشمن ہوجائیں گے اور بعض حضرات نے کانوا کی ضمیر کو عابدین کی طرف لوٹایا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول و اللّٰه ربنا ما کُنَّا مُشرکین میں ہے، مگر اول راجح ہے، غرضیکہ روز قیامت عابدین و معبودین ایک دوسرے پر لعنت ملامت کریں گے، یہ لعنت ملامت اور اظہار بیزاری یا تو حقیقۃً ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اصنام حجر یہ وغیرہ میں حیات پیدا فرمادیں گے، اور بعض حضرات نے لسان حال سے لعنت

ملامت اور اظہار براءت مراد لیا ہے، رہے ملائکہ اور مسیح علیہ السلام وعزیر علیہ السلام تو لسان مقال سے اظہار بیزاری کریں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تَبَرَّ اْنَا اِلَیْكَ مَا کَانُوْا اِیَّانَا یَعْبُدُوْنَ. (فتح القدیر)

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ اٰیٰتُنَا (الآیة) اور جب ان کو واضح اور صاف صاف قرآنی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو یہ منکرین حق سنتے ہی بغیر غور وفکر کے کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادو ہے، مطلب یہ ہے کہ جب قرآن کی آیات کفار کے سامنے پڑھی جاتی تھیں تو وہ صاف محسوس کرتے تھے کہ اس کلام کی شان انسانی کلام سے بدر جہا بلند ہے، ان کے شاعر، کسی خطیب، کسی ادیب کے کلام کو بھی قرآن کی بے مثال فصاحت وبلاغت اس کی وجد آفرینی، اس کے بلند اور پاکیزہ مضامین اور دلوں کو نرمادینے اور گرمادینے والے انداز بیان سے کوئی مناسبت نہ تھی، اور سب سے بڑی بات یہ کہ خود آنحضرت ﷺ کے اپنے کلام کی شان بھی وہ نہ تھی جو خدا کے کلام میں نظر آتی تھی، آپ ﷺ کی زبان اور قرآن کی زبان میں نمایاں اور بین فرق تھا، یہ چیز ان کے سامنے حق کو بالکل بے نقاب کر کے لے آتی تھی، مگر وہ چونکہ اپنے کفر پر اڑے رہنے کا فیصلہ کر چکے تھے اس لئے اس صریح علامت کو دیکھ کر سیدھی طرح اس کلام کو کلام الٰہی مان لینے کے بجائے یہ بات بناتے تھے کہ یہ کوئی جادو کا کرشمہ ہے، مگر ان کا یہ خیال اس لئے غلط تھا کہ جادو سے تو وہ خود بھی واقف تھے اگر قرآن کوئی جادوئی کلام تھا تو وہ بھی جادو کے ذریعہ ایسا کلام لا کر پیش کر کے قرآن کے چیلنج فاتوا بسورة من مثلہ کو قبول کر سکتے تھے مگر حقیقت کچھ اور تھی جس کو وہ خوب سمجھتے تھے مگر زبان سے اقرار نہیں کرتے تھے۔

وھو الغفور الرحیم مطلب یہ ہے کہ فی الواقع یہ اللہ کا رحم اور درگذر ہی ہے کہ جس کی وجہ سے یہ منکرین زمین میں سانس لے رہے ہیں جنہیں خدا کے کلام کو افتراء قرار دینے میں کوئی باک اور شرم نہیں، ورنہ کوئی بے رحم سخت گیر خدا اس کائنات کا مالک ہوتا تو ایسی جسارتیں کرنے والوں کو ایک سانس کے بعد دوسرا سانس لینا نصیب نہ ہوتا۔

دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے، اے ظالمو! اب بھی اس ہٹ دھرمی اور ازلی رویتے سے باز آجاؤ تو خدا کی رحمت کا دروازہ تمہارے لئے کھلا ہوا ہے اور جو کچھ تم نے اب تک کیا ہے وہ معاف ہوسکتا ہے۔

قُلْ مَا کُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ یہ دراصل مشرکین مکہ کے واہی اور لچر شبہات کا جواب ہے، اس ارشاد کا پس منظر یہ ہے کہ جب نبی ﷺ نے نبوت کا دعویٰ پیش کیا اور خود کو خدا کا نمائندہ بتایا تو مکہ کے لوگ طرح طرح کی باتیں بنانے لگے، ان کا کہنا تھا کہ یہ کیسا رسول ہے جو بال بچے رکھتا ہے، بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، کھاتا پیتا ہے، غرضیکہ عام انسانوں کی طرح زندگی بسر کرتا ہے، آخر اس میں وہ نرالی بات کیا ہے، جس میں یہ عام انسانوں سے مختلف ہو اور ہم یہ سمجھیں کہ خاص طور پر اس شخص کو خدا نے اپنا رسول اور نمائندہ بنا کر بھیجا ہے؟ اور وہ یہ بھی کہتے تھے کہ اگر خدا نے اس شخص کو اپنا رسول بنایا ہوتا تو اس کی اردلی میں کوئی فرشتہ بھیجتا جو پیش پیش یہ اعلان کرتا چلتا کہ یہ خدا کا رسول ہے، اور ہر اس شخص پر عذاب کا کوڑا برسا دیتا جو اس کی شان میں ذرا سی بھی گستاخی کر بیٹھتا، یہ آخر کیسے ہوسکتا ہے، کہ خدا کسی کو اپنا رسول مقرر کرے اور پھر اسے یوں ہی مکہ کی گلیوں میں پھرنے اور ہر طرح کی زیادتیاں سہنے کیلئے بے سہارا چھوڑ دے اور کچھ نہیں تو کم از کم یہی ہوتا کہ خدا اپنے رسول کے لئے ایک شاندار محل اور یک لہلہاتا باغ پیدا کر دیتا، ان سب باتوں کے علاوہ مشرکین مکہ آئے دن آپ سے طرح طرح کے معجزات

کا مطالبہ کرتے رہتے تھے، اور غیب کی باتیں پوچھتے تھے، ان کے خیال میں کسی کا رسول خدا ہونا یہ معنی رکھتا تھا کہ وہ فوق البشری طاقتوں کا مالک ہو اس کے اشارے پر پہاڑ ٹل جائیں، بہتے دریا رک جائیں اور ایک اشارہ سے ریگزار کشت زار میں تبدیل ہو جائیں، نیز اس کو ماکانَ وما یکونُ کا علم ہو۔

یہی وہ باتیں ہیں جن کا جواب ان فقروں میں دیا گیا ہے، ان میں کے ہر فقرہ میں معانی کی ایک دنیا پوشیدہ ہے، فرمایا ان سے کہو میں کوئی نرالا رسول تو ہوں نہیں یعنی میرا رسول بنایا جانا دنیا کی تاریخ میں کوئی پہلا واقعہ تو ہے نہیں کہ تمہیں یہ سمجھنے میں پریشانی ہو کہ رسول کیسا ہوتا ہے؟ اور کیسا نہیں ہوتا، مجھ سے پہلے بہت سے رسول آچکے ہیں اور میں ان سے مختلف نہیں ہوں، آخر دنیا میں کب کوئی ایسا رسول آیا ہے کہ جو کھانا پیتا نہ ہو یا عام انسانوں کی طرح زندگی بسر نہ کرتا ہو؟ یا کس رسول کے ساتھ کوئی فرشتہ اترا، جو اس کی رسالت کا اعلان کرتا ہو اور اس کے آگے آگے ہاتھ میں کوڑا لئے پھرتا ہو؟ اور کونسا رسول ایسا گذرا ہے کہ جو اپنے اختیار سے کوئی معجزہ دکھا سکتا ہو یا اپنے علم سے سب کچھ جانتا ہو، پھر یہ نرالے معیار میرے ہی رسالت کو پرکھنے کے لئے کہاں سے لئے چلے آرہے ہو۔

وَمَا اَدْرِیْ ما یُفْعَلُ بی وَلَا بکم اس کے بعد فرمایا کہ ان کے جواب میں کہو، میں نہیں جانتا کہ کل میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور تمہارے ساتھ کیا؟ میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھے بھیجی جاتی ہے یعنی میں عالم الغیب نہیں ہوں کہ ماضی حال واستقبال سب مجھ پر روشن ہوں اور دنیا کی ہر چیز کا مجھے علم ہو، تمہارا مستقبل تو درکنار مجھے تو اپنا مستقبل بھی معلوم نہیں کہ دنیا میں میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے، آیا مجھے قتل کیا جائے گا یا اپنی موت مروں گا، یا مجھے مکہ سے نکالا جائے گا یا مکہ میں رہنے دیا جائے گا، بعض حضرات نے اس آیت کا تعلق دنیاوی امور سے کیا ہے مگر مفسرین کی ایک بڑی تعداد دنیا وآخرت دونوں سے متعلق مانتی ہے یعنی دنیا وآخرت کے امور پر آپ کو جو آگاہی اور واقفیت تھی وہ بذریعہ وحی ہی تھی۔

فوائد عثمانی میں مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رَحِمَکَاللّٰهُ تَعَالیٰ اس آیت کے فوائد میں لکھتے ہیں کہ مجھے اس سے کچھ سروکار نہیں کہ میرے کام کا آخری نتیجہ کیا ہوتا ہے، میرے ساتھ اللہ کیا معاملہ کرے گا، اور تمہارے ساتھ کیا؟ نہ میں اس وقت پوری تفصیل اپنے اور تمہارے انجام کے متعلق بتلا سکتا ہوں کہ دنیا وآخرت میں کیا کیا صورتیں پیش آئیں گی، ہاں ایک بات کہتا ہوں کی میرا کام صرف وحی الٰہی کا اتباع اور حکم خداوندی کا امتثال کرنا اور کفر وعصیان کے تحت اور خطرناک نتائج سے خوب کھول کر آگاہ کر دینا ہے آگے چل کر دنیا وآخرت میں میرے اور تمہارے ساتھ کیا کچھ پیش آئے گا، اس کی تمام تفصیلات فی الحال میں نہیں جانتا اور نہ اس بحث میں پڑنے سے مجھے کچھ مطلب، بندہ کا کام نتیجہ سے قطع نظر کرکے مالک کے احکام کی تعمیل کرنا ہے اور بس۔

(فوائد عثمانی)

قُلْ اَرَاَیْتُمْ اِنْ کَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ کَفَرْتُمْ بِهٖ (الآیۃ) کَانَ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ رسول کی طرف راجع ہو اور کَفَرْتُمْ بِهٖ اور وَشَهِدَ شَاهِدٌ تقدیر قد کے ساتھ حال ہیں۔

اس زمانہ میں عرب کے جاہل مشرکین بنی اسرائیل کے علم وفضل سے مرعوب تھے، جب آپ ﷺ کی نبوت کا چرچا ہوا تو مشرکین نے اس باب میں علماء بنی اسرائیل کا عندیہ لینا چاہا، مقصد یہ تھا کہ وہ لوگ آپ کی تکذیب کر دیں تو کہنے کو ایک بات

ہاتھ آ جائے کہ دیکھو اہلِ علم اور اہل کتاب بھی ان کی باتوں کو جھوٹا کہتے ہیں، مگر اس مقصد میں مشرکین ہمیشہ ناکام رہے، خدا تعالیٰ نے ان ہی بنی اسرائیل کی زبانوں سے حضور کی تصدیق و تائید کرائی نہ صرف اتنی بات سے کہ وہ لوگ بھی قرآن کی طرح تورات کو آسمانی کتاب اور آنحضرت ﷺ کی طرح حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیغمبر کہتے تھے اس طرح آپ ﷺ کا دعوائے رسالت اور قرآن کی وحی کوئی انوکھی چیز نہیں رہی بلکہ اس طرح کہ بعض علماء یہود نے صریحاً اقرار کیا اور گواہی دی کہ بیشک ہمارے یہاں ایک عظیم الشان رسول اور کتاب کے آنے کی خبر دی گئی ہے اور یہ رسول وہی معلوم ہوتا ہے اور یہ کتاب اسی طرح کی ہے جس کی خبر دی گئی تھی، علماء یہود کی شہادتیں دراصل ان پیشین گوئیوں پر مبنی تھیں جو ہزار ہا تحریف و تبدیل کے باوجود آج بھی تورات وغیرہ میں موجود چلی آرہی ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل کا سب سے بڑا گواہ یعنی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہزاروں سال پہلے خود گواہی دے چکا ہے، کہ بنی اسرائیل کے اقارب اور بھائیوں (بنی اسماعیل) میں سے اسی کے مثل ایک رسول آنے والا ہے، اِنا اَرْسَلْنا اِلیکم رسولاً شَاھِدًا علیکم کما اَرْسَلْنَا اِلی فرعونَ رسُولاً (المزمل: رکوع ۱) یہی سبب تھا کہ بعض منصف اور حق پرست احبار یہود مثلاً عبداللہ بن سلام وغیرہ حضور کا چہرۂ انور دیکھتے ہی اسلام لے آئے اور بول اٹھے اِنَّ ھذا الوجہ لیس بوجہ کاذب یہ چہرہ جھوٹے کا نہیں ہوسکتا، پھر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس چیز پر ہزاروں سال پہلے ایمان رکھیں اور علماء یہود اس کی صداقت کی گواہی دیں ان سب شہادتوں کے باوجود تم اپنی شیخی اور غرور سے اس کو قبول نہ کرو تو سمجھ لو اس سے بڑھ کر ظلم اور گناہ کیا ہوگا۔ (فوائد عثمانی ملخصًا)

یہاں ''شاہد'' سے کون مراد ہے؟

مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے اس گواہ سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام کو لیا ہے جو مدینہ طیبہ کے مشہور یہودی عالم تھے اور ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے تھے یہ واقعہ چونکہ مدینہ منورہ میں پیش آیا اس لئے ان مفسرین کا قول یہ ہے کہ یہ آیت مدنی ہے اس تفسیر کی بنیاد حضرت سعد بن ابی وقاص کا یہ بیان ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام کے بارے میں نازل ہوئی تھی (بخاری، مسلم وغیرہما) (واخرج الترمذی وابن جریر وابن مردویہ عن عبد اللّٰہ بن سلام قال نزل فی آیاتٌ من کتاب اللّٰہ، نزلت فی وشھدَ شاھد من بنی اسرائیل). (فتح القدیر شوکانی ملخصًا)

اور اسی بناء پر ابن عباس، مجاہد، قتادہ، ضحاک، ابن سیرین، حسن بصری، ابن زید اور عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے متعدد اکابر مفسرین نے اس تفسیر کو قبول کیا ہے، مگر دوسری طرف، عکرمہ اور شعبی اور مسروق کہتے ہیں کہ یہ آیت عبداللہ بن سلام کے بارے میں نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ پوری سورت مکی ہے اور ابن جریر طبری نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اوپر کلام کا پورا سلسلہ مشرکین مکہ کو مخاطب کرتے ہوئے چلا آرہا ہے، اور آگے بھی سارا خطاب ان ہی سے ہے، اس سیاق وسباق میں یکا یک مدینہ میں نازل ہونے والی آیت کا آجانا قابل تصور نہیں ہے بعد کے جن مفسرین نے اس دوسرے قول کو قبول کیا ہے وہ حضرت سعد بن ابی وقاص کی روایت کو رد نہیں کرتے بلکہ ان کا خیال یہ ہے کہ یہ آیت چونکہ عبداللہ بن سلام کے ایمان لانے پر بھی

چسپاں ہوتی ہے، اس صورت میں یہ آیت پیشین گوئی کے طور پر ہو جائے گی۔

اس آیت کے الفاظ میں کسی خاص عالم بنی اسرائیل کا نام نہیں لیا گیا، اور نہ یہ متعین کیا گیا کہ یہ شہادت اس آیت کے نزول سے پہلے لوگوں کے سامنے آچکی ہے یا آئندہ آنے والی ہے بلکہ ایک جملہ شرطیہ کے طور پر فرمایا ہے کہ اگر ماضی میں یا بالفعل یا آئندہ ایسا ہو جائے تو تمہیں اپنی فکر کرنا چاہئے کہ تم عذاب سے کیسے بچو گے، اس لئے آیت کا مفہوم سمجھنا اس پر موقوف نہیں کہ علماء بنی اسرائیل میں سے کس کو "شاہد" کا مصداق قرار دیا جائے، بلکہ جتنے حضرات بنی اسرائیل میں سے اسلام میں داخل ہوئے جن میں حضرت عبداللہ بن سلام زیادہ معروف ہیں وہ سب ہی اس میں داخل ہیں اگر چہ حضرت عبداللہ بن سلام کا ایمان لانا اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مدینہ منورہ میں ہوا ہو، اور یہ پوری سورت مکی ہے۔ (ابن کثیر بحواله معارف القرآن)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اى فى حَقِهم لَوْ كَانَ الايمانُ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا اى القائلُونَ بِهٖ اى بالقُراٰن فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اى القراٰنُ اِفْكٌ كَذِبٌ قَدِيْمٌ ﴿١١﴾ وَمِنْ قَبْلِهٖ اى القُراٰن كِتٰبُ مُوْسٰٓى اى التورٰةُ اِمَامًا وَّرَحْمَةً لِلمُؤمِنِيْنَ به حالان وَهٰذَا اى القراٰنُ كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِلكُتُبِ قبلَه لِّسَانًا عَرَبِيًّا حالٌ مِنَ الضَّمِيرِ فِي مُصَدِّق لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مُشركِي مَكَّةَ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٢﴾ لِلمُؤمِنِيْنَ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا على الطَّاعةِ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿١٣﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا حالٌ جَزَآءً منصُوبٌ على المَصدَرِ بفعلِه المقدرِ اى يُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا وفى قراءةٍ اِحْسَانًا اى اَمرناهُ اَن يُحسِنَ اِلَيهِمَا فَنَصبُ اِحسَانًا على المَصدرِ بفِعلِه المُقدَّرِ ومثلُه حُسنًا حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا اى على مَشقَّةٍ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ مِنَ الرِّضاعِ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا سِتَّةُ اَشهُرٍ اَقَلُّ مُدَّةِ الحَمْلِ والبَاقِي اَكثَرُ مُدَّةِ الرِّضَاعِ وقِيلَ اِنْ حَمَلَتْ به سِتَّةً او تِسعَةً اَرضَعَتْهُ البَاقِي حَتّٰٓى غايةٌ لِجُملَةٍ مُقدَّرَةٍ اى وعَاشَ حَتّٰى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ هُوَ كَمالُ قُوَّتِه وعَقلِه ورَأيِه اَقَلُّه ثَلاثٌ وَثَلٰثُونَ سَنَةً وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً اى تَمامَها وهُوَ اَكثَرُ الاَشُدِّ قَالَ رَبِّ اِلَى اٰخِرِه نَزَلَ فِي ابي بَكرِ ن الصِّدِّيقِ لَمَّا بَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً بعد سَنَتَيْنِ مِنْ مَبعَثِ النبي صلى الله عليه وسلم اٰمَنَ به ثُمَّ اٰمَنَ اَبَوَاهُ ثُمَّ اِبنُهُ عَبدُ الرَّحمٰنِ وابنُ عبدِ الرَّحمٰنِ اَبُو عَتيقٍ اَوْزِعْنِيْٓ اَلهِمْنِي اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ بها عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وهي التَّوحِيدُ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ فاَعتَقَ تِسعَةً مِنَ المُؤمِنِيْنَ يُعَذَّبُوْنَ فِي اللهِ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ فكُلُّهُم مُؤمِنُونَ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٥﴾ اُولٰٓئِكَ اى قائلُوا هذا القولِ ابوبكرٍ وغيرُه الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ بمعنى حَسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ حالٌ اى كائِنِيْنَ فِي جُملَتِهم وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿١٦﴾ فى قولِه تعالى وعَدَ اللهُ المُؤمِنِيْنَ وَالمُؤمِنَاتِ جَنّٰتٍ وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ وفى قراءةٍ بالاِفرادِ اُرِيدَ به الجنسُ

أُفٍّ بكسر الفاء وفتحها بمعنى مصدر اي نتنًا وقبحًا لَّكُمَآ اتضجر منكما أَتَعِدَانِنِيٓ وفي قراءة بالادغام أَنْ أُخْرَجَ من القبر وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُونُ الامم مِن قَبْلِى ولم تخرج من القبور وَهُمَا يَسْتَغِيثَانِ اللَّهَ يسألانه الغوث برجوعه ويقولان ان لم ترجع وَيْلَكَ اى هلاكك بمعنى هلكت ءَامِنْ بالبعث إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ به حَقٌّ فَيَقُولُ مَا هٰذَآ اى القول بالبعث إِلَّآ أَسٰطِيرُ الْأَوَّلِينَ ⑰ اكاذيبهم أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ حَقَّ وجب عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ بالعذاب فِىٓ أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ إِنَّهُمْ كَانُوا خٰسِرِينَ ⑱ وَلِكُلٍّ من جنس المؤمن والكافر دَرَجٰتٌ فدرجاتُ المؤمن في الجنة عاليةٌ ودرجاتُ الكافر في النار سافلةٌ مِّمَّا عَمِلُوا اى المؤمنون من الطاعات والكافرون من المعاصي وَلِيُوَفِّيَهُمْ اى الله وفي قراءةٍ بالنون أَعْمٰلَهُمْ اى جزاءها وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ⑲ شيئًا يُنقص للمؤمنين ويُزادُ للكفار وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ بأن تُكشف لهم يُقالُ لهم أَذْهَبْتُمْ بهمزةٍ وبهمزتين وبهمزةٍ ومدةٍ وبهما وتسهيل الثانية طَيِّبٰتِكُمْ باشتغالكم بلذاتكم فِى حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُم تمتعتم بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ اى الهوان بِمَا كُنتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ تتكبرون فِى الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنتُمْ تَفْسُقُونَ ⑳ به وتُعذَّبُونَ بها.

ع ۲

ترجمہ: اور کافروں نے ایمان والوں کے بارے میں کہا اگر یہ ایمان کوئی بہتر چیز ہوتی تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے سبقت کرنے نہ پاتے اور چونکہ ان کہنے والوں نے اس قرآن سے ہدایت نہیں پائی پس اب یہ کہہ دیں گے کہ یہ یعنی قرآن قدیمی جھوٹ ہے حالانکہ اس سے یعنی قرآن سے پہلے موسیٰ کی کتاب یعنی تورات اس پر ایمان لانے والوں کے لئے پیشوا اور رحمت تھی (اماماً اور رحمة) دونوں (کائن من کتاب موسیٰ سے) حال ہیں، یہ قرآن عربی زبان کی کتاب ہے ماقبل کی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے مصدق کی ضمیر سے حال ہے تاکہ ظالموں یعنی مشرکین مکہ کو ڈرائے اور مومنین کے لئے بشارت ہو بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر طاعت پر جمے رہے تو نہ تو ان کو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے یہ تو اہل جنت ہیں جو ہمیشہ اسی میں رہیں گے (خالدین) حال ہے ان اعمال کے صلے میں جو وہ کیا کرتے تھے جزاءً اپنے فعل مقدر سے مصدریت کی بناء پر منصوب ہے اَیْ یُجْزَوْنَ جَزَاءً ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے ایک قراءت میں اِحْسَانًا ہے، یعنی ہم نے اس کو حکم دیا ہے کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرے، اِحْسَانًا اپنے فعل مقدر سے مصدریت کی وجہ سے منصوب ہے اور اسی طرح حُسْنًا اس کی ماں نے اس کو بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت کے ساتھ اس کو جنا اس کو پیٹ میں رکھنا اور دودھ چھڑانا تیس مہینہ (میں پورا ہوتا) ہے چھ ماہ اقل مدت حمل ہے اور باقی رضاعت کی اکثر مدت ہے، کہا گیا ہے اگر بچے سے چھ ماہ یا نو ماہ حاملہ رہی تو باقی ایام بچے کو دودھ پلائے یہاں تک کہ جب وہ اپنی جوانی کو حتی جملہ مقدرہ کی غایت

ہے ای عـاش حتّی اور اَشُـدّ اس کی قوت وعقل ورائے کا کمال ہے اور اس کی اقل مدت تینتیس سال ہے اور چالیس سال کی عمر کو پہنچا اور وہ پختگی کی اکثر مدت ہے تو اس نے کہا: اے میرے پروردگار! الخ (یہ آیت) حضرت ابوبکر صدیق کی شان میں نازل ہوئی جبکہ وہ آپ ﷺ کی بعثت کے دو سال بعد چالیس سال کی عمر کو پہنچے، آپ ﷺ پر ایمان لائے پھر آپ کے والدین ایمان لائے پھر آپ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن اور عبدالرحمٰن کے بیٹے ابوعتیق ایمان لائے تو مجھے توفیق دے مجھے الہام فرما میں تیری اس نعمت کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر انعام فرمائی اور وہ توحید ہے اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جن سے تو خوش ہو جائے چنانچہ نو ایسے مومن غلاموں کو آزاد کیا جن کو راہ خدا میں ایذا دی جارہی تھی، اور مجھے میری اولاد سے راحت پہنچا چنانچہ وہ سب کے سب ایمان لائے، اور میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں، یہی ہیں وہ لوگ اس قول کے کہنے والے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ ہیں جن کے نیک اعمال کو ہم قبول کر لیتے ہیں اَحْسَن بمعنی حَسَنَ ہے، اور جن کے بداعمال سے درگذر کر دیتے ہیں، حال یہ ہے کہ یہ اہل جنت سے ہوں گے (فی اصحٰب الجنة) حال ہے ای کائن من جملة اهل الجنة اس سچے وعدہ کے مطابق جو ان سے کیا گیا تھا (اور وہ وعدہ) اللہ تعالیٰ کے قول وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنّٰتٍ میں کیا ہے، اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا: اُف! تنگ کر دیا تم نے اور ایک قراءت میں افراد کے ساتھ ہے اس سے جنس کا ارادہ کیا گیا ہے اُفٍ فاء کے کسرہ اور فتح کے ساتھ، مصدر کے معنی میں ہے، تمہارے لئے بدبو اور خرابی ہے میں تم سے تنگ آگیا ہوں تم مجھ سے یہ کہتے رہتے ہو اور ایک قراءت میں اَتَـعِـدَانِّـی ادغام کے ساتھ ہے، کہ میں قبر سے نکالا جاؤں گا حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی امتیں گذر چکی ہیں اور وہ قبروں سے نہیں نکالی گئیں، اور وہ دونوں (یعنی والدین) اللہ سے فریاد کرتے ہیں (یعنی) اس کے (ایمان کی طرف) رجوع کرنے کی دعاء کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر تو نہ لوٹے گا تو تیرا ستیاناس ہوگا هَلَا کَكَ بمعنی هَلَکْتَ ہے، بعث بعد الموت پر ایمان لے آ، بے شک اللہ کا بعث کا وعدہ حق ہے تو وہ جواب دیتا ہے کہ یہ یعنی بعث بعد الموت کی باتیں تو محض افسانے ہیں یعنی جھوٹی باتیں ہیں، یہ وہ لوگ ہیں کہ جن پر ان سے پہلے امم سابقہ پر جنات سے ہوں یا انسانوں سے عذاب کا وعدہ صادق آچکا، بے شک یہ زیاں کاروں میں سے تھے جنس کافر اور مومن میں سے ہر ایک کے لئے اپنے اپنے اعمال کے مطابق درجات ملیں گے بایں طور کہ مومنین کے درجات جنت عالیہ میں ہوں گے اور کافروں کے جہنم میں درجات سافلہ ہوں گے، یعنی مومنین نے جو فرمانبرداری کے کام کئے اور کافروں نے معصیت کے کام کئے، تاکہ وہ یعنی اللہ انہیں ان کے اعمال کا بدلہ دے اور ایک قراءت میں نون کے ساتھ ہے تاکہ ہم ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیں اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہ کیا جائے گا کہ مومنین کے (نیک اعمال) کم کر دیئے جائیں، اور کافروں کے (برے اعمال) میں اضافہ کر دیا جائے، اور جس دن کافر آگ کے سامنے لائے جائیں گے، اس طریقہ پر کہ ان کے سامنے سے جہنم کے پردے ہٹا دیئے جائیں گے، ان سے کہا جائے گا تم نے اپنی نیکیاں اپنی لذتوں میں مشغول ہو کر دنیا

ہی میں برباد کردیں ایک ہمزہ کے ساتھ اور دو (محقق) ہمزوں کے ساتھ اور ایک ہمزہ اور مد کے ساتھ، اور دونوں کے ساتھ مع ثانی (ہمزہ) کی تسہیل کے اور تم ان سے فائدہ اٹھا چکے پس آج تم کو ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی، هُون بمعنی هوان ہے، اس باعث کہ تم دنیا میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس باعث بھی کہ تم حکم عدولی کیا کرتے تھے اور اسی کا جہنم کے ذریعہ تم کو عذاب دیا جائے گا۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُهُ: لَوْ كَانَ خَيْرًا، لَو حرف شرط ہے كَانَ خَيْرًا جملہ ہو کر شرط اور مَا سَبَقُوْنَا جملہ ہو کر جزاء، شرط وجزاء مل کر قَالَ کا مقولہ۔

قَوْلُهُ: وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا به، اِذْ کا عامل محذوف ہے، اى ظَهَرَ عِنَادهم اِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا به، اِذ میں فَسَيَقُوْلُوْنَ کا عامل بنا دو وجہ سے درست نہیں ہے، اول تو اس لئے کہ دونوں کے زمانے مختلف ہیں، اِذْ ماضی کے لئے ہے اور فَسَيَقُوْلُوْنَ استقبال کے لئے، دوسری وجہ یہ ہے کہ فاء اپنے مابعد کو ماقبل میں عمل کرنے سے مانع ہے۔

قَوْلُهُ: مِنْ قَبْلِهٖ كتابُ موسى، مِنْ قَبْلِهٖ كائنٌ کے متعلق ہو کر خبر مقدم ہے اور كِتَابُ مُوْسٰى مبتداء مؤخر ہے، جملہ حال ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے۔

قَوْلُهُ: اِمَامًا ورحمةً دونوں خبر مقدم كائنٌ کی ضمیر سے حال ہیں، اور ابوعبید نے جَعَلْنَاهُ محذوف کا مفعول ہونیکی وجہ سے منصوب قرار دیا ہے۔ (فتح القدير، شوكاني)

قَوْلُهُ: لِسَانًا عَرَبِيًّا موصوف صفت سے مل کر مُصَدِّقٌ کی ضمیر سے حال ہیں، اور مصدق کی ضمیر کتابُ کی طرف راجع ہے۔

قَوْلُهُ: لِيُنْذِرَ، مُصَدِّقٌ کے متعلق ہے۔

قَوْلُهُ: اى عَلىٰ مشقّةٍ اس سے مفسر علام نے اشارہ کر دیا کہ كُرْهًا بنزع الخافض منصوب ہے اصل میں عَلیٰ كُرْهٍ تھا، اور بعض نے حال کی وجہ سے منصوب کہا ہے اى ذاتَ كُرْهٍ اور بعض نے مصدر محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب کہا ہے، اى حَمْلًا كُرْهًا.

قَوْلُهُ: ثلثون شَهْرًا کلام میں حذف ہے اى مدة حملهٖ و فِصَالِهٖ ثلثُون شهرًا.

قَوْلُهُ: فى اَصحاب الجنة یہ كائن محذوف کے متعلق ہو کر عَنْهُمْ کی ضمیر سے حال ہے كَمَا اَشَارَ اِلَيْهِ الشارح اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ عرب کا مقولہ ہے "اَكْرَمَنِى الْاَمِيْرُ فِى اَصْحَابِهٖ" اى فى جملتِهِمْ اور بعض حضرات نے فى بمعنی مع لیا، اى مع اصحاب الجنة، اور دیگر حضرات نے مبتداء محذوف کی خبر قرار دیا ہے اى هم فى اَصْحَابِ الجنة.

قَوْلُهُ: وَعْدَ الصِّدقِ، وَعْدًا فعل مقدر کا مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اى وَعَدَهُمُ اللّٰهُ وَعْدَ الصدق.

قَوْلُهُ: وفی قراءۃ بالإفراد یعنی ہشام کی قراءت میں لِوَالِدَیْهِ کے بجائے لِوَالِدِہٖ ہے، مراد جنس والد ہے جو معنی میں جمع کے ہے۔

قَوْلُهُ: اُفٍ کسرہ تنوین اور بغیر تنوین کے اور فتحہ بغیر تنوین کے اُفَ، اَفَّ یَؤُفُّ اَفًّا سے مصدر ہے بمعنی نَتْنًا و قُبْحًا کرخی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے کہا ہے یہ اَفَّ یؤُف کا مصدر ہے اور تَبًّا و قبحًا کے معنی میں ہے اُفٍ میں تین احتمال ہیں۔ ① مصدر ② اسم صوت ③ اسم فعل۔ مفسر علام نے ان میں سے دو کی طرف اشارہ کیا ہے، بمعنی مصدر سے اول کی طرف اور أَتضجّرُ سے ثانی کی طرف، گویا کہ مفسر علام نے اشارہ کر دیا کہ دونوں تفسیریں جائز ہیں، اُفٍ ہر قسم کے میل کچیل کو کہتے ہیں جیسے ناخن کا تراشہ وغیرہ، اور اسی اعتبار سے کسی چیز کے متعلق گندگی اور نفرت کے اظہار کے لئے اس کا استعمال ہوتا ہے، فتح القدیر میں قاضی شوکانی سورۂ اسراء میں تحریر فرماتے ہیں، اصمعی کا بیان ہے کہ اُف کان کا میل ہے اور تُف ناخن کا، کسی چیز سے گھن ظاہر کرنے کے لئے اُف کہا جاتا ہے، چنانچہ اس معنی میں اس کثرت سے استعمال کیا گیا کہ ہر اذیت رساں چیز کے بارے میں عرب اس کا استعمال کرنے لگے، ثعلب سے ابن عربی نے روایت کیا ہے کہ اَفَفٌ جو کہ اُفٍ کی اصل ہے اس کے معنی جی گھٹنا، تنگ دل ہونا ہیں، زجاج نے اس کے معنی بدبو بتائے ہیں۔ (لغات القرآن)

قَوْلُهُ: هَلَاكَكَ، وَیْلَكَ کی تفسیر هَلَاكَكَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ وَیْلَكَ اپنے ہم معنی فعل مقدر سے منصوب ہے اور وہ هَلَكَ ہے، اس لئے کہ وَیْلٌ کا فعل نہیں آتا اور معنی میں هَلَكْتَ کے ہے جو بظاہر بد دعاء ہے مگر بد دعاء مراد نہیں ہے بلکہ اظہار ناگواری اور تحریض علی الایمان ہے نہ کہ حقیقۃً ہلاکت، جیسے ماں اپنے بیٹے سے کہہ دیتی ہے، تو مرے ایسا مت کر، یا تیرا ستیاناس ہو، وَیْلَكَ کے معنی فارسی میں، وائے برتو، کے ہیں یعنی تیرے اوپر افسوس۔

قَوْلُهُ: درجات کلام میں تغلیب ہے ورنہ تو جہنم کے درجات کو درکات کہا جاتا ہے۔

قَوْلُهُ: یَوْمَ یُعْرَضُ، یَوْمَ فعل مقدر، یقال لهم سے منصوب ہے۔

قَوْلُهُ: اَذْهَبْتُمْ اکثر کے نزدیک ایک ہمزہ کے ساتھ ہے یعنی ہمزۂ استفہام کے بغیر اور دو ہمزوں کے ساتھ کہ دونوں محققہ ہوں اور ایک ہمزہ اور مد کے ساتھ یہ ہشام کے نزدیک ہے، دو ہمزوں کے ساتھ مگر دوسرے میں تسہیل بغیر مد کے یہ ابن کثیر کے نزدیک ہے۔

قَوْلُهُ: بغیر حقٍّ یہ تَسْتَكْبِرُوْنَ کی صفت کاشفہ ہے اس لئے کہ تکبر ناحق ہی ہوتا ہے۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

شانِ نزول:

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا ابن منذر نے عون بن ابی شداد سے روایت کیا ہے کہ عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ بن الخطاب کی زنیرہ نام کی ایک باندی تھی، جو حضرت عمر سے پہلے ایمان لائی تھی، حضرت عمر اس کے ایمان لانے پر اس کو زدو

کوب کرتے تھے، اور کفار کہا کرتے تھے کہ اگر محمد ﷺ کی دعوت میں کوئی خیر ہوتی تو زنیرہ اس کو قبول کرنے میں ہم سے سبقت نہ کرتی، اسی واقعہ کے سلسلہ میں مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی) ابوالمتوکل نے کہا ہے کہ قریش نے یہ بات اس وقت کہی تھی کہ جب ابوذر اور قبیلۂ غفار ایمان لایا تھا، اور ثعلبی نے کہا ہے کہ جب عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی ایمان لائے تھے تو یہود نے یہ بات کہی تھی، مگر اس صورت میں لازم آتا ہے کہ آیت مدنی ہو، حالانکہ پوری سورت مکی ہے اسی وجہ سے، اس آیت کو مستثنیات میں شمار کیا ہے۔ (روح المعانی)

قریش کا عوام الناس کو بہکانے کا ہتھکنڈہ:

قریشی سردار عوام الناس کو نبی کریم ﷺ کے خلاف بہکانے اور دین حنیف سے برگشتہ کرنے کیلئے جو ہتھکنڈے اور تدابیر استعمال کرتے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اگر یہ قرآن برحق ہوتا اور محمد ﷺ کی دعوت صحیح ہوتی تو قوم کے سردار اور شیوخ اور معززین آگے بڑھ کر اس کو قبول کرتے، آخر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ چند ناتجربہ کار لڑکے اور چند ادنیٰ درجہ کے غلام تو ایک بات کو مان لیں اور قوم کے بڑے بڑے لوگ جو دانا اور جہاندیدہ ہیں اور جن کی عقل و تدبیر پر قوم آج تک اعتماد کرتی رہی ہے اس کو رد کردیں، اس پُرفریب استدلال سے وہ عوام کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ اس نئی دعوت میں ضرور کچھ خرابی ہے اسی لیے تو قوم کے اکابر اس کو نہیں مان رہے ہیں لہٰذا تم لوگ بھی اس سے دور رہو۔

تکبر اور غرور، عقل کو بھی مسخ کردیتا ہے:

لَوْ کَانَ خَیْرًا مَّا سَبَقُوْنَا اِلَیْہِ متکبر آدمی اپنی عقل اور اپنے عمل کو معیار حسن و قبح و خیر و شر سمجھنے لگتا ہے جو چیز اس کو پسند نہ ہو خواہ دوسرے لوگ اس کو کتنا ہی پسند کرتے ہوں یہ ان کو بے وقوف سمجھتا ہے، حالانکہ خود بے وقوف ہے کفار کے غرور و تکبر کا اس آیت میں بیان ہے کہ اسلام اور ایمان ان کو چونکہ پسند نہیں تھا تو دوسرے لوگ جو ایمان کے دلدادہ اور فریفتہ تھے ان کو یہ کہتے تھے کہ اگر یہ ایمان کوئی اچھی چیز ہوتی تو سب سے پہلے ہمیں پسند آتی ان غریبوں فقیروں مسکینوں اور غلاموں کی پسند کا کیا اعتبار۔

خلاصہ یہ کہ ان لوگوں نے خود کو حق و باطل کا معیار قرار دے رکھا ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جس ہدایت کو وہ قبول نہ کریں وہ ضرور ضلالت اور گمراہی ہونی چاہئے، لیکن یہ لوگ اس ہدایت کو نیا جھوٹ کہنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے بلکہ قدیم اور پرانا جھوٹ کہتے تھے، کیونکہ اس سے پہلے انبیاء علیہم السلام یہی پیش کرتے رہے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک وہ سب لوگ بھی دانائی سے محروم تھے جو ہزاروں برس سے ان حقائق کو پیش کرتے اور مانتے چلے آرہے ہیں اور تمام دانائی صرف ان کے حصہ میں آگئی ہے۔

وَمِنْ قَبْلِہٖ کِتٰبُ مُوْسٰی اِمَامًا وَّرَحْمَةً اس جملہ کا مقصد ایک تو مَا کُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ کا ثبوت فراہم کرنا ہے کہ آپ کوئی انوکھے اور نرالے رسول نہیں اور قرآن کوئی انوکھی کتاب نہیں کہ ان پر ایمان لانے میں لوگوں کو اشکال ہو بلکہ آپ سے پہلے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام رسول ہوکر آچکے ہیں اور ان پر تورات نازل ہوچکی ہے جس کو یہ کفار، یہود، نصاریٰ سب تسلیم کرتے ہیں، دوسرے سابق میں جو شَھِدَ شَاھِدٌ آیا ہے اس کی بھی تقویت ہوگئی، کیونکہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور تورات خود قرآن اور رسول

کریم ﷺ کی حقانیت کے شاہد ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ (الآیۃ) اَلَّذِیْنَ قالوا (تا) اسْتَقَامُوْا معطوف، معطوف علیہ سے مل کر انّ کا اسم ہے اور فَلَا خَوْفٌ علیھم الخ اِنَّ کی خبر ہے اسم موصول چونکہ متضمن بمعنی شرط ہے اس لئے فَلَا خوفٌ الخ متضمن بمعنی جزاء ہے جس کی وجہ سے خبر پر فاء زائدہ داخل ہے ثُمَّ حرف عطف ترتیب رتبی کو بیان کرنے کے لئے ہے یعنی اول توحید کا اقرار و اعتقاد ضروری ہے اس لئے کہ توحید کے بغیر کوئی عمل معتبر و مقبول نہیں ہوتا قالوا رَبُّنَا اللّٰہ کا مطلب ہے توحید کا اقرار کرنا اور ثم استقاموا کا مطلب ہے اس پر تا مرگ قائم رہنا اور توحید کے مقتضیات پر مکمل طور پر عمل کرنا۔

استقامت علی التوحید کا مفہوم:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا قَدْ قالَھا الناسُ ثُمَّ کَفَرَ اکثرھم فمن ماتَ علَیْھا فھُوَ مِمَّنْ اسْتَقَامَ بہت سے لوگوں نے اللہ کو اپنا رب کہا مگر ان سے اکثر کافر ہوگئے، ثابت قدم وہ شخص ہے جو مرتے دم تک اسی عقیدہ پر جما رہا (ابن جریر، نسائی) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استقامت کی تشریح اس طرح فرمائی ہے لَمْ یُشْرِکُوا باللّٰہِ شیئًا لَمْ یَلْتَفِتُوْا الی اِلٰہٍ غَیْرِہٖ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا اس کے سوا کسی دوسرے معبود کی طرف توجہ نہ کی۔ (ابن جریر)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استقامت کی تشریح اس طرح فرمائی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روز منبر پر یہ آیت تلاوت فرمائی، اور فرمایا خدا کی قسم استقامت اختیار کرنے والے وہ ہیں جو اللہ کی اطاعت پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہے، لومڑی کی طرح اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر دوڑتے نہ پھرے۔ (ابن جریر) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ثابت قدم وہ شخص ہے جس نے اپنے عمل کو اللہ کے لئے خالص کرلیا۔ (کشاف) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استقامت کی تشریح یہ فرمائی ہے، فرماتے ہیں: ثابت قدم وہ ہے جو اللہ کے عائد کردہ فرائض فرمانبرداری کے ساتھ ادا کرتا رہا۔ (کشاف)

آیت مذکورہ میں ایمان و استقامت پر یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کو نہ آئندہ کسی تکلیف کا خوف ہوگا نہ ماضی کی تکلیف پر رنج و افسوس رہے گا، اس کے بعد کی آیت میں اس بے نظیر راحت کے دائمی اور غیر منقطع ہونے کی بشارت دی گئی ہے، اس کے بعد کی چار آیتوں میں انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکیدی ہدایت دی گئی ہے۔

وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ اِحْسَانًا لفظِ وصیت خاص تاکیدی حکم کے لئے استعمال ہوتا ہے اور احسان و حُسن دونوں حسن سلوک کے معنی میں ہیں جس میں خدمت و اطاعت بھی داخل ہے اور تعظیم و تکریم بھی۔

مذکورہ آیت اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اگرچہ اولاد کو ماں اور باپ دونوں ہی کی خدمت کرنی چاہئے لیکن ماں کا حق اپنی اہمیت میں اس بناء پر زیادہ ہے کہ وہ اولاد کے لئے بہ نسبت باپ کے زیادہ تکلیف اٹھاتی ہے، یہی بات اس حدیث سے معلوم ہوتی ہے جو تھوڑے تھوڑے لفظی اختلاف کے ساتھ، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی وغیرہ میں وارد ہوئی ہے۔

مذکورہ چار آیتوں میں اصل مضمون انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کرنا ہے، ضمناً دوسری تعلیمات بھی زیر بحث آگئی ہیں۔

والدہ کی خدمت کی زیادہ تاکید کیوں؟

خدمت اگر چہ دونوں ہی کی کرنی چاہئے مگر چونکہ والدہ بچے کے لئے زیادہ تکلیف اٹھاتی ہے اس لئے اس کی خدمت کی اہمیت اور تاکید زیادہ ہے، ایک صحابی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے حضور ﷺ سے پوچھا: کس کا حق خدمت مجھ پر زیادہ ہے؟ فرمایا صل اُمَّكَ ثُمَّ اُمَّكَ ثُمَّ اُمَّكَ ثُمَّ اَبَاكَ ثُمَّ اَدْنَاكَ فادناكَ (مظہری) تیری ماں کا پھر پوچھا اس کے بعد کس کا؟ فرمایا تیری ماں کا، پھر پوچھا پھر کس کا؟ فرمایا تیری ماں کا، جب چوتھی مرتبہ پوچھا پھر کس کا؟ آپ نے فرمایا: تیرے باپ کا آپ ﷺ کا فرمان ٹھیک اس آیت کی ترجمانی ہے، کیونکہ آیت میں بھی ماں کے تہرے حق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے: ① اس کی ماں نے مشقت اٹھا کر پیٹ میں رکھا ② مشقت اٹھا کر ہی اس کو جنا ③ اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس ماہ لگے۔

شانِ نزول:

بعض روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ آیات حضرت ابوبکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی شان میں نازل ہوئی ہیں اخرج ابن عساکر من طریق الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس قال نزل (ووصینا الانسان بوالدیه (الی یوعدون) فی ابی بکر الصدیق اسی بناء پر تفسیر مظہری میں وَوَصَّیْنَا الانسانَ کے الف لام کو عہد کا قرار دے کر اس سے مراد ابوبکر صدیق لئے ہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ اگر چہ کسی آیت کا سبب نزول کوئی خاص فرد یا خاص واقعہ ہو، مگر حکم سب کے لئے عام ہوتا ہے، اگر آیت کو تعلیم عام کے لئے قرار دیا جائے تو اس صورت میں بھی صدیق اکبر اس تعلیم کے پہلے مصداق قرار پائیں گے، جوان ہونے اور چالیس سال عمر ہونے کے بعد کی تخصیصات جو ان آیات میں مذکور ہیں بطور تمثیل کے ہوں گے۔ (معارف)

حَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا اس جملہ میں بھی ماں کی مشقت کا بیان ہے کہ بچے کے حمل اور وضع حمل کی مشقت کے بعد بھی ماں کو محنت و مشقت سے فراغت نہیں ملتی کیونکہ اس کے بعد بچے کی غذا بھی قدرت نے ماں کی چھاتیوں میں اتاری ہے، آیت میں ارشاد فرمایا کہ بچہ کا حمل اور دودھ چھڑانا تیس مہینہ میں ہے، حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ حمل کی مدت کم سے کم چھ ماہ ہے، اس لئے کہ قرآن کریم نے اکثر مدت رضاعت دو سال کامل متعین فرما دیے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے والوالدات یُرضِعنَ اولادَهُنَّ حَولَینِ کَامِلَینِ اور یہاں حمل اور رضاعت دونوں کی مدت تیس ماہ قرار دی گئی ہے، تو رضاعت کے دو سال یعنی ۲۴ مہینے نکلنے کے بعد چھ ماہ ہی باقی رہتے ہیں جس کو حمل کی کم از کم مدت قرار دیا گیا ہے۔

(معارف)

اس آیت اور سورۂ لقمان کی آیت ۱۴ اور سورۂ بقرہ کی آیت ۲۲۳ سے ایک قانونی نکتہ بھی نکلتا ہے جس کی نشاندہی ایک مقدمہ میں حضرت علی رَضِحَاللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ اور عباس ابن رَضِحَاللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ نے کی، اور عثمان رَضِحَاللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ نے اس کی بناء پر اپنا فیصلہ بدل دیا۔

فَائِدَہ: اس آیت میں حمل کی اقل مدت کا بیان ہے اور رضاعت کی اکثر مدت کی طرف اشارہ ہے، حمل کی کم از کم چھ ماہ کی مدت متعین ہے، اس سے کم میں صحیح سالم بچہ پیدا نہیں ہوسکتا، مگر زیادہ سے زیادہ کتنی مدت بچہ حمل میں رہ سکتا ہے اس میں عادتیں مختلف ہیں، اسی طرح رضاعت کی زیادہ سے زیادہ مدت متعین ہے کہ دو سال تک دودھ پلایا جا سکتا ہے کم سے کم مدت کی کوئی تعیین نہیں۔

اکثر مدت حمل اور مدت رضاعت میں فقہاء کا اختلاف:

اکثر مدت حمل امام اعظم ابوحنیفہ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ کے نزدیک دو سال ہے، امام مالک رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ سے مختلف روایات منقول ہیں چار سال، پانچ سال، سات سال، امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ کے نزدیک چار سال ہے، امام احمد رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ کی مشہور روایت بھی چار ہی سال کی ہے۔ (مظہری) اور اکثر مدت رضاعت جس کے ساتھ احکام رضاعت متعلق ہوتے ہیں جمہور فقہاء کے نزدیک دو سال ہے، امام مالک، شافعی، احمد بن حنبل رَحِمَهُمُ اللهُ تَعَالیٰ اور ائمہ حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالیٰ سب اس پر متفق ہیں اور صحابہ کرام میں سے حضرت عمر رَضِحَاللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ، اور ابن عباس رَضِحَاللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ کا بھی یہی قول ہے (دار قطنی بحوالہ معارف) نیز حضرت علی اور عبد اللہ بن مسعود کا بھی یہی قول ہے (ابن ابی شیبہ، معارف) صرف امام ابوحنیفہ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ سے یہ منقول ہے کہ ڈھائی سال تک بچہ کو دودھ پلایا جا سکتا ہے، جس کا حاصل جمہور حنفیہ کے نزدیک یہ ہے، اگر بچہ کمزور ہو، ماں کے دودھ کے سوا دو سال تک بھی دوسری غذا نہ لے سکتا ہو تو مزید چھ ماہ دودھ پلانے کی اجازت ہے کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مدت رضاعت پوری ہونے کے بعد ماں کا دودھ بچے کو پلانا حرام ہے، مگر فتویٰ فقہاء حنفیہ کا بھی جمہور ائمہ کے مسلک پر ہے کہ اگر دو سال کی مدت کے بعد دودھ پلایا گیا ہو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی۔ (معارف القرآن)

حضرت عثمان غنی رَضِحَاللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ کے عہد خلافت میں ایک شخص نے قبیلہ جہینہ کی ایک عورت سے نکاح کیا اور شادی کے چھ ہی ماہ بعد اس کے یہاں صحیح سالم بچہ پیدا ہو گیا، اس شخص نے حضرت عثمان رَضِحَاللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ کی خدمت میں یہ معاملہ پیش کیا، آپ نے اس عورت کو زانیہ قرار دیکر رجم کا حکم فرما دیا، جب حضرت علی رَضِحَاللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ نے یہ قصہ سنا تو فوراً حضرت عثمان رَضِحَاللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ کے پاس پہنچے اور فرمایا یہ آپ نے کیا فیصلہ کر دیا؟ حضرت نے جواب دیا کہ نکاح کے چھ ماہ بعد اس نے زندہ سلامت بچہ جن دیا، کیا یہ اس کے زانیہ ہونے کا کھلا ثبوت نہیں؟ حضرت علی رَضِحَاللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ نے فرمایا نہیں، پھر حضرت علی رَضِحَاللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ نے قرآن مجید کی مذکورہ تینوں آیتیں ترتیب کے ساتھ پڑھیں، سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: مائیں اپنے بچوں کے پورے دو سال دودھ پلائیں، اس باپ کے لئے جو رضاعت کی پوری مدت دودھ پلوانا چاہے، سورۂ لقمان میں فرمایا اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے

میں لگے، اور سورۂ احقاف میں فرمایا اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگے اب اگر تیس مہینوں میں سے رضاعت کے دو سال نکال دیئے جائیں تو حمل کے چھ ماہ رہ جاتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ حمل کی کم از کم مدت جس میں بچہ زندہ سلامت پیدا ہو سکتا ہے، چھ مہینے ہیں، لہٰذا جس عورت نے نکاح کے بعد چھ ماہ میں بچہ جنا ہے اسے زانیہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ حضرت علی رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰیعَنْهُ کا یہ استدلال سن کر حضرت عثمان رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰیعَنْهُ نے فرمایا اس کی طرف میرا ذہن نہیں گیا تھا، پھر آپ نے عورت کو واپس بلوایا اور اپنے فیصلے سے رجوع کر لیا، ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰیعَنْهُ کے فیصلے کی تائید حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰیعَنْهُ نے بھی فرمائی۔ (ابن جریر، احکام القرآن للجصاص، ابن کثیر)

فائدہ: اس مقام پر یہ جان لینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ جدید ترین طبی تحقیقات کی رو سے ماں کے پیٹ میں ایک بچے کے لئے کم از کم ۲۸ ہفتے درکار ہوتے ہیں جن میں وہ نشوونما پا کر زندہ، ولادت کے قابل ہو سکتا ہے، یہ مدت چھ مہینے سے کچھ زائد بنتی ہے، اسلامی قانون میں نصف مہینے کے قریب مزید رعایت دی گئی ہے کیونکہ ایک عورت کو زانیہ قرار دینا اور ایک بچے کو نسب سے محروم کرنا بڑا سخت معاملہ ہے، اور اس کی نزاکت اس کا تقاضہ کرتی ہے کہ ماں اور بچے کو قانونی نتائج سے بچانے کے لئے زیادہ سے زیادہ گنجائش دی جائے۔

وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ ماسبق میں اللہ تعالیٰ نے اس شخص کا ذکر فرمایا جس نے اپنے اور اپنے والدین کے اوپر اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کیا (یعنی ابوبکر صدیق رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰیعَنْهُ) اس آیت میں اس شخص کا ذکر فرمایا جس نے اپنے والدین سے جبکہ انہوں نے اس کو ایمان کی دعوت دی ایسا کلمہ کہا جو ان کی طرف سے تنگ دلی پر دلالت کرتا تھا، فرمایا: **والذی قال لوالدیه اُفٍّ لکما** اس شخص سے مراد عبدالرحمٰن بن ابوبکر ہے جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے، **اَخْرَجَ ابنُ جریر عن عباسٍ فی الآیة، قال: هذا ابن لِأبی بکر** رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰیعَنْهُ اسی کے مثل ابوحاتم نے سدی سے روایت کیا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے، جیسا کہ بخاری کی روایت سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ وہ روایتیں جو اس آیت کا مصداق عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو ٹھہراتی ہیں صحیح نہیں ہیں۔

امام بخاری رَحِمَنُاللّٰہُ تَعَالٰی نے یوسف بن ماہک سے روایت کیا ہے کہ مروان، معاویہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰیعَنْهُ بن سفیان کی جانب سے مدینہ کا حاکم تھا ایک روز اس نے خطبہ دیا اور خطبہ میں اس بات کا ذکر کیا کہ امیر معاویہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰیعَنْهُ کی خواہش ہے کہ ان کے بعد ان کے بیٹے یزید کی بیعت لی جائے، اس پر عبدالرحمٰن بن ابی بکر کچھ بولے، مروان نے کہا اس کو پکڑ لو، حضرت عبدالرحمٰن اپنی بہن حضرت عائشہ کے گھر میں داخل ہو گئے جس کی وجہ سے مروان ان پر قابو نہ پا سکا، تو مروان نے کہا یہی ہے وہ شخص جس کے بارے میں آیت **وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لکما** نازل ہوئی، حضرت عائشہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰیعَنْهَا نے فرمایا: **مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فِینا شیئًامن القرآن اِلَّا اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ عُذْرِیْ** یعنی سورۂ نور کی ان آیتوں کے علاوہ جن میں میری براءت نازل کی گئی ہے ہمارے بارے میں کچھ نازل نہیں ہوا۔ (فتح القدیر، شوکانی)

ایک دوسری روایت جس کو عبد بن حمید والنسائی وابن المنذر والحاکم نے نقل کیا ہے ابن مردویہ نے محمد بن زیاد سے اس کی تصحیح کی ہے، فرمایا: جب حضرت امیر معاویہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰیعَنْهُ نے اپنے بیٹے (یزید) کے لئے بیعت لی تو مروان نے کہا یہ ابوبکر وعمر کی

سنت ہے، عبدالرحمن بن ابی بکر نے کہا ہرقل اور قیصر کی سنت ہے، تو اس وقت مروان نے کہا یہی ہے وہ شخص جس کے بارے میں آیت والذی قال لوالدیه اُفٍّ لکما نازل ہوئی یہ بات جب حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو پہنچی تو فرمایا مروان نے جھوٹ بولا واللہ ایسا نہیں ہے، اگر میں چاہوں تو اس شخص کا نام بتا سکتی ہوں، جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے، ہاں البتہ رسول اللہ ﷺ نے مروان کے باپ (حکم) پر لعنت فرمائی اور مروان اس وقت حکم کی پشت میں تھے، لہٰذا مروان ان لوگوں میں سے ہے جن پر اللہ نے لعنت فرمائی۔

ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالرحمن بن ابی بکر اس آیت کے مصداق نہیں ہیں اور ہو بھی کیسے سکتے ہیں کہ عبدالرحمن جیسے جلیل القدر صحابی جن کی تلوار آبدار نے قیصر و کسریٰ کو پست کر دیا اور جن کے خون زخم سے شام و عراق کی زمینیں آج تک گلگوں و گل بو ہیں، جنہوں نے اپنی جان اللہ کے لئے فدا کی، یہ سمجھ اور عقل سے بالاتر ہے کہ ایسے پاکیزہ و پاک باطن کے بارے میں اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْ أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنَّهُمْ كَانُوْا خَاسِرِيْنَ جیسی وعید شدید نازل ہو۔ (خلاصة التفاسير للتائب لكهنوی، فتح القدير شوكانی ملخصًا)

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ هو هودٌ عليه السلامُ اِذْ الى آخره بدلُ اشتمالٍ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ خوّفهم بِالْاَحْقَافِ وادٍ باليمن به منازلُهم وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مضت الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اي من قبلِ هودٍ ومن بعدِه الى اقوامِهم ان اي بان قال اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ وجملةُ وقد خلت مُعترِضةٌ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ ان عبدتُّم غيرَ اللهِ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝٢١ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لتصرفنا عن عبادتها فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ من العذاب على عبادتها اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝٢٢ في انه ياتينا قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ هو الذي يَعلمُ متى ياتيكم العذابُ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ اليكم وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝٢٣ باستعجالِكم العذابَ فَلَمَّا رَاَوْهُ اي ما هو العذابُ عَارِضًا سحابًا عَرَضَ في اُفُقِ السماءِ مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ اي مُمطرٌ ايانا قال تعالى بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ من العذاب رِيْحٌ بدلٌ من ما فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝٢٤ مؤلمٌ تُدَمِّرُ تُهلِكُ كُلَّ شَيْءٍۢ مرّت عليه بِاَمْرِ رَبِّهَا بارادتِه اي كلَّ شيءٍ ارادَ اهلاكَه بها فاَهلكتْ رجالَهم ونساءَهم وصغارَهم وكبارَهم واموالَهم بان طارت بذلك بينَ السماءِ والارضِ ومزّقتْه وبقيَ هودٌ ومَن آمن معه فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ كَذٰلِكَ كما جزيناهم نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝٢٥ غيرَهم وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ في الذي اِنْ نافيةٌ او زائدةٌ مَّكَّنّٰكُمْ يا اهلَ مكةَ فِيْهِ من القوةِ والمالِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا بمعنى الاسماعِ وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۡ قلوبًا فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اي شيئًا من الاغناءِ ومن زائدةٌ اِذْ معمولةٌ لاغنى واُشربتْ معنى التعليلِ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ حُجَجِهِ البيّنةِ وَحَاقَ نزل بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝٢٦ اي العذاب

ترجمہ: عاد کے بھائی ہود علیہ السلام کا ذکر کرو جب کہ انہوں نے اپنی قوم کو جب وہ احقاف میں مقیم تھی ڈرایا (خبر دار کیا) (اِذْ) سے لیکر آخر تک (اَخَا عَادٍ) سے بدل الاشتمال ہے، احقاف یمن میں ایک وادی ہے اسی میں ان کے مکانات تھے اور یقیناً اس سے پہلے بھی ڈرانے والے یعنی رسول گذر چکے تھے اور اس کے بعد بھی یعنی ہود سے پہلے بھی اور ان کے بعد بھی اپنی قوموں کی طرف یہ کہ انہوں نے کہا کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو اور قد خلت جملہ معترضہ ہے، اگر تم غیر اللہ کی بندگی کرتے رہے تو مجھے تمہارے اوپر ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے، قوم نے جواب دیا کہ کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم کو ہمارے معبودوں کی بندگی سے برگشتہ کر دو اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ عذاب ہمارے اوپر آئے گا تو وہ عذاب جس کا تم بتوں کی عبادت کرنے پر ہم سے وعدہ کرتے ہو لے آؤ، تو ہود علیہ السلام نے جواب دیا کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے وہی جانتا ہے کہ تمہارے اوپر کب عذاب آئے گا، مجھے تو جو پیغام دے کر تمہاری طرف بھیجا گیا ہے وہ تمہیں پہنچا رہا ہوں، لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ عذاب کے بارے میں جلدی کر کے نادانی کر رہے ہو لیکن جب انہوں نے اس کو یعنی عذاب کو جو بادل کی صورت میں افق آسمان پر پھیل گیا تھا اپنی وادیوں کی طرف آتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے یہ ایسا بادل ہے کہ ہم کو سیراب کرے گا یعنی ہم پر برسے گا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا (نہیں) بلکہ یہ وہی عذاب ہے جس کی تم جلدی مچاتے تھے (یعنی ہوا کا طوفان ہے) رِیْحٌ، مَا سے بدل ہے، جس میں دردناک عذاب ہے یہ (عذاب) ہر اس چیز کو اپنے رب کے حکم سے تہس نہس کر دے گا جس پر وہ گذرے گا یعنی ہر اس شئی کو برباد کر دے گا جس کو اس عذاب کے ذریعہ اللہ برباد کرنے کا ارادہ کرے گا، چنانچہ اس (طوفانی عذاب) نے ان کے مردوں کو ان کی عورتوں کو ان کے چھوٹوں کو ان کے بڑوں کو اور ان کے اموال کو ہلاک کر دیا، اس طریقہ سے کہ ان چیزوں کو آسمان اور زمین کے درمیان لے کر اڑ گیا، اور ان کو ریزہ ریزہ کر دیا اور ہود علیہ السلام اور جو ان پر ایمان لائے تھے صحیح سلامت بچ گئے، چنانچہ وہ ایسے ہو گئے کہ ان کے گھروں کے علاوہ کچھ نظر نہ آیا اسی طرح جس طرح ان کو سزا دی ان کے علاوہ ہر مجرم قوم کو سزا دیتے ہیں اور یقیناً ہم نے ان کو وہ قوت اور مال دیا تھا اے اہل مکہ! جو تم کو تو دیا بھی نہیں، اِنْ نافیہ ہے یا زائدہ ہے اور ہم نے ان کو کان سَمْعٌ بمعنی اسماع ہے، آنکھ اور دل سب کچھ دیئے تھے مگر ان کے نہ وہ کان کچھ کام آئے اور نہ آنکھیں اور نہ دل یعنی کچھ کام نہ آئے مِنْ زائدہ ہے (اِذْ) اَغْنٰی کا معمول ہے اور تعلیل کے معنی پر مشتمل ہے جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں یعنی اس کی واضح حجتوں کا انکار کرنے لگے اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہی عذاب ان پر الٹ پڑا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اَخَا عَادٍ عاد حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں ایک شخص گذرا ہے جس کا سلسلہ نسب تین واسطوں سے حضرت نوح علیہ السلام سے جا ملتا ہے، بعد میں اس کی نسل بھی اسی نام سے موسوم ہوئی جو طوفان نوح علیہ السلام کے بعد ملک عرب میں سب

سے پہلی با اقتدار قوم تھی، عاد اگر شخص کے معنی میں ہو تو منصرف ہوگا اور اگر قبیلہ کے معنی میں ہو تو غیر منصرف ہوگا (لغات القرآن) اور یہاں، اخ سے مراد نسبی اخوت ہے نہ کہ دینی، بِالْاَحْقَافِ یہ حِقْفٌ کی جمع ہے ریت کے دراز و بلند وخم دار ٹیلوں کو کہتے ہیں مزید تحقیق ابتداء سورت میں گذر چکی ہے۔

قَوْلُہٗ: بِالْاَحْقَافِ یہ اَنْذَرَ کا صلہ نہیں ہے جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے بلکہ یہ عَادٌ سے حال ہے اَیْ حَالَ کَوْنِهِمْ مُقِیْمِیْنَ بالاحقاف اب رہا اَنْذَرَ کا صلہ تو وہ لا تعبدُوا اِلَّا اللّٰہ ہے کما یاتی (جمل) بِاَنْ شارح نے اشارہ کر دیا کہ اَنْ مصدریہ یا مخففہ ہے اور باء تصویریہ ہے یعنی گزرنے کی صورت میں حال اور کیفیت کو بیان کرنے کے لئے ہے یعنی وہ انبیاء ورسل اس حال اور صورت میں گزرے کہ اپنی اپنی قوموں کو ڈرانے والے تھے۔

قَوْلُہٗ: تَأْفِكَنَا (ض،س) سے اِفْكًا اس کے معنی جھوٹ بولنے کے ہیں مگر جب اس کا صلہ عَنْ آتا ہے تو اس کے معنی برگشتہ کرنے اور پھیرنے کے ہوتے ہیں یہ برگشتگی اور پھیرنا خواہ اعتقاد کے اعتبار سے ہو یا عمل کے اعتبار سے۔

قَوْلُہٗ: ما هُوَ العَذَابُ اس اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ رَاَوْهُ کی ضمیر اس ما کی طرف لوٹ رہی ہے جو مَا تَعِدُنَا میں ہے اور زمخشری نے کہا ہے کہ رَاَوْهُ کی ضمیر مبہم بھی جائز ہے جس کے ابہام کو عارضًا سے رفع کر دیا خواہ تمیز ہونے کی وجہ سے یا حال ہونے کی وجہ سے، اور فرمایا کہ یہ اعراب افصح ہے، اس لئے کہ اس میں بیان بعد الابہام ہے۔

سُوَال: مُسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ، عارضًا کی صفت ہے حالانکہ موصوف عَارِضًا نکرہ ہے اور مستقبل اَوْدِيَتِهِم اضافت کی وجہ سے معرفہ اسی طرح مُمْطِرُنَا، عارض کی صفت ہے، حالانکہ مُمْطِرُنَا اضافت کی وجہ سے معرفہ اور عارِضٌ نکرہ ہے۔

جَوَاب: دونوں جگہ صفت میں اضافت لفظیہ ہے جو تعریف کا فائدہ نہیں دیتی لہٰذا صفت بننے میں کوئی قباحت نہیں ہے، شارح علیہ الرحمۃ نے مُمْطِر اِیَّانَا محذوف مان کر اسی جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: فَاَهْلَكَتْ کے اضافہ کا مقصد فَاَصْبَحُوْا کے عطف کو درست کرنا ہے۔

قَوْلُہٗ: اَوْ زائدة (فیہ ما فیہ) اس لئے کہ ما کو زائدہ ماننے کی صورت میں معنی ہوں گے کہ ہم نے ان کو ویسی قدرت دی جیسی تم کو قدرت دی ہے اس میں قوم عاد کی قدرت مشبہ اور قریش کی قدرت مشبہ بہ ہے اور مشبہ بہ مشبہ سے اقویٰ ہوتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ قریش کو قدرت اور تمکین قوم عاد سے زیادہ دی تھی اس سے قریش کی عظمت سمجھ میں آتی ہے جو کہ خلاف مقصود ہے، لہٰذا شارح علیہ الرحمۃ کا اَوْ زائدة کہنا زائد معلوم ہوتا ہے (جمل) وَاُشْرِبَتْ معنی التعلیل زمخشری نے کہا ہے، اِذْ ظرف فیہ ہے جاری مجریٰ تعلیل کے ہے اور اُشْرِبت بمعنی غلبت ہے یقال اُشْرِبَ الابیض حمرةً، وَاُشْرِبَ فی قلبهم ای علَبَ علی قلوبهم.

تفسیر و تشریح

اُذْكُرْ اَخَا عَادٍ (الآیة) اَحْقَاف، حقفٌ کی جمع ہے ریت کے مستطیل، بلند اور خم دار ٹیلوں کو کہتے ہیں، حضرت ہود علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم عاد اولیٰ اسی علاقہ میں رہتی تھی، یہ حضر موت (یمن) کے قریب کا علاقہ ہے، آج کل یہاں کوئی آبادی نہیں،

اغلب یہ ہے کہ ہزاروں سال پہلے یہ ایک شاداب اور کشت زار علاقہ ہوگا بعد میں آب وہوا کی تبدیلی نے اسے ریگزار بنادیا ہوگا، آنحضرت ﷺ کی کفر مکہ کی تکذیب کے پیش نظر آپ ﷺ کی تسلی کے لئے گذشتہ انبیاء اور سابقہ قوموں کے واقعات سنائے جارہے ہیں، اس کے علاوہ چونکہ سرداران قریش اپنی بڑائی کا زعم رکھتے تھے اور اپنی ثروت و مشیخت پر پھولے نہ سماتے تھے، نیز انہیں اپنی طاقت وقوت پر بڑا گھمنڈ اور غرور تھا وہ اپنے آگے کسی کی کوئی حیثیت نہیں سمجھتے تھے اس لئے یہاں ان کو قوم عاد اور ان کی طاقت وزورآوری کا قصہ سنایا جارہا ہے، قوم عاد قدیم زمانہ میں سب سے زیادہ طاقتور اور سرمایہ دار نیز مہذب قوم تھی قوم عاد کا قصہ سنا کر اہل مکہ کو خود فریبی سے نکالنا اور ان کی خوش فہمی کو دور کرنا ہے، اس لئے کہ اونٹ جب تک پہاڑ کے نیچے سے نہیں نکلتا اس وقت تک اس پر اپنی حقیقت آشکارا نہیں ہوتی کنوئیں کا مینڈک کنوئیں ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے۔

حضرت ہود عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کی قوم جو بت پرستی اور مظاہر پرستی کی خوگر و دلدادہ تھی توحید اور خدا پرستی کے آثار و نشانات تک ان سے معدوم ہوچکے تھے انبیاء سابقین کی تعلیمات کو یکسر بھلا دیا تھا، حضرت ہود عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو انبیاء سابقین کی تعلیمات اور توحید کی تبلیغ کے لئے قوم عاد کی طرف مبعوث کیا گیا تھا، حضرت ہود عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے فرمایا اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو مجھے تمہارے حق میں **یوم عظیم** (روز قیامت) کے عذاب کا اندیشہ ہے، قوم بجائے اس کے کہ اس معقول بات کو سنجیدگی سے لیتی الٹا اس کا مذاق اڑانا شروع کردیا اور کہنے لگے وہ عذاب جس سے تم ہمیں ڈرا رہے ہو جلدی لے آؤ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو، ہمیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم ہم کو بہکا کر ہمارے معبودوں سے برگشتہ کرنا چاہتے ہو، حضرت ہود عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے جواب دیا یہ بات تو اللہ ہی کو معلوم ہے کہ تم پر عذاب کب آئے گا، اس کا فیصلہ کرنا میرا کام نہیں ہے، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ تم میرے انذار و تنبیہ کو مذاق سمجھ کر عذاب کا مطالبہ کررہے ہو، تمہیں اندازہ نہیں کہ خدا کا عذاب کیا ہوتا ہے اور تمہاری نازیبا حرکتوں کی وجہ سے وہ کس قدر قریب آچکا ہے۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا جب قوم عاد نے ایک گہرا اور سیاہ بادل اپنی وادیوں کی طرف آتے ہوئے دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے یہ برسنے والا بادل ہے ہم کو ضرور سیراب کرے گا، ارشاد ہوا نہیں، بلکہ یہ وہی عذاب ہے جس کی تم جلدی مچاتے تھے، یہ جواب یا تو حضرت ہود عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کی طرف سے تھا یا پھر زبان حال کا، بخاری ومسلم وغیرہما نے عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی کھلکھلاتے ہوئے ہنستے ہوئے نہیں دیکھا، ہاں البتہ آپ مسکرایا کرتے تھے، اور آپ بادل یا ریح شدید (آندھی) دیکھتے تو آپ کے چہرۂ انور پر اضطراب کے آثار نمودار ہوجاتے (ایک روز) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ لوگ جب بادل دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں کہ اب بارش ہوگی، اور میں دیکھتی ہوں کہ جب آپ بادل دیکھتے ہیں تو آپ کے چہرۂ انور پر ناگواری ظاہر ہوتی ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں کس طرح مامون ہوجاؤں کہ اس میں عذاب نہیں ہے، حالانکہ ایک قوم آندھی کی وجہ سے ہلاک ہوچکی ہے، اور ایک قوم نے جب عذاب کو دیکھا تھا تو کہا تھا یہ بادل ہم کو ضرور سیراب کرے گا۔

تُدَمِّرُ كُلَّ شَیْءٍ بِاَمْرِ رَبِّهَا (الآیة) یہ ہوا کا طوفان ہے جس میں دردناک عذاب ہے اپنے رب کے حکم سے ہر اس شئ کو تباہ کردے گا جس پر اس کا گذر ہوگا، آخر کار ان کا یہ حشر ہوا کہ ان کے مکانوں کے خرابات کے سوا وہاں کچھ نظر نہ آتا تھا، ہوا کا یہ

طوفان آیا کہ ریت کے تودوں کو ان پر پلٹ دیا چنانچہ سات راتوں اور آٹھ دنوں تک وہ لوگ ریت میں دبے رہے، پھر اللہ نے ہوا کو حکم دیا، ہوا نے ان کے اوپر سے ریت کو ہٹایا اور ان کو دریا میں پھینک دیا، اب ان کا یہ حال ہے کہ وہاں ان کے مکانوں کے نشانوں کے علاوہ کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ (فتح القدیر ملخصًا)

وَلَقَدْ مَكَّنَّا هُمْ فیما (الآیة) مطلب یہ ہے کہ اے اہل مکہ تم کو اپنی قوت، قدرت اور ثروت، پر فخر و ناز نہیں ہونا چاہئے، سابق زمانہ میں جو قومیں تم سے کہیں زیادہ زور آور، سرمایہ دار تھیں ہم ان کو ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے ہلاک کر چکے ہیں تمہاری ان کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں ہے یعنی مال، دولت، طاقت، اقتدار۔ غرضیکہ کسی چیز میں بھی تمہارا اور ان کا کوئی مقابلہ نہیں ہے تمہارا دائرۂ اقتدار تو شہر مکہ کے حدود سے باہر کہیں بھی نہیں، اور وہ زمین کے ایک بڑے حصے پر چھائے ہوئے تھے۔

وجعلنا لهم سمعًا وابصارًا وافئدةً (الآیة) اس کے مخاطب بھی اہل مکہ ہی ہیں ان سے کہا جا رہا ہے کہ تم کیا چیز ہو؟ تم سے پہلی قومیں جنہیں ہم نے ہلاک و برباد کر دیا قوت و شوکت میں تم سے کہیں زیادہ تھیں، لیکن جب انہوں نے اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں (آنکھ، کان، دل) کو حق کو سننے، دیکھنے اور اسے سمجھنے کے لئے استعمال نہیں کیا تو بالآخر ہم نے انہیں تباہ کر دیا اور یہ چیزیں ان کے کچھ کام نہ آسکیں، حقیقت بھی یہی ہے کہ جب انسان آیات الہیہ ماننے سے انکار کر دیتا ہے تو آنکھیں رکھتے ہوئے بھی نگاہ حق شناس نصیب نہیں ہوتی، کان رکھتے ہوئے بھی وہ ہر کلمہ نصیحت کے لئے بہرا ہو جاتا ہے اور دل و دماغ کی جو نعمتیں خدا نے اسے دی ہیں، ان سے الٹا سوچتا اور ایک سے ایک بڑھ کر غلط نتیجہ اخذ کرتا ہے، یہاں تک کہ خود اس کی ساری قوتیں اپنی ہی تباہی میں صرف ہونے لگتی ہیں۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى ای اَهْلِها كثمودَ وعادٍ وقومِ لوطٍ وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ كرّرنا الحُجَجَ البيّناتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۝ فَلَوْلَا هلّا نَصَرَهُمْ بدفعِ العذابِ عنهم الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ای غيرِه قُرْبَانًا مُتَقَرَّبًا بهم الى اللهِ اٰلِهَةً معه وهُمُ الاصنامُ ومفعولُ اتَّخَذُوا الاوّلُ ضميرٌ محذوفٌ يعودُ الى الموصولِ ای هُمْ، وقُرْبَانًا الثانی واٰلِهَةً بدلٌ منه بَلْ ضَلُّوْا غابوا عَنْهُمْ عندَ نزولِ العذابِ وَذٰلِكَ ای اتّخاذُهم الاصنامَ اٰلِهَةً قُربانًا اِفْكُهُمْ كذبُهم وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ۝ يكذِبُون وما مصدريّةٌ او موصولةٌ والعائدُ محذوفٌ ای فيه وَ اذكُرْ اِذْ صَرَفْنَآ اَمَلْنا اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ جِنِّ نَصِيبِينَ اليمنِ او جِنِّ نِينَوى وكانوا سبعةً او تسعةً وكان صلى الله عليه وسلم ببطنِ نخلٍ يُصَلِّي بأصحابه الفجرَ رواه الشيخان يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا ای قال بعضُهم لبعضٍ اَنْصِتُوْا اَصْغُوا لاستماعِه فَلَمَّا قُضِيَ فُرِغَ مِن قراءته وَلَّوْا رجعوا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ۝ مُخَوِّفِينَ قومَهم بالعذابِ اِن لم يُؤمنوا وكانوا يهودًا قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا هو القرآن اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ای تقدّمه كالتوراة يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ الاسلام وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ۝ ای طريقه يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ محمدًا صلى الله عليه وسلم الى الايمان وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ

منه مِنْ ذُنُوْبِكُمْ اى بعضها لان منها المظالم ولا تغفر الا برضى اربابها وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ﴿۳۱﴾ مؤلم وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ اى لا يعجز الله بالهرب منه فيفوته وَلَيْسَ لَهٗ لمن لا يجب مِنْ دُوْنِهٖٓ اى الله اَوْلِيَآءُ انصار يدفعون عنه العذاب اُولٰٓئِكَ الذين لم يجيبوا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴿۳۲﴾ بيّن ظاهر اَوَلَمْ يَرَوْا يعلموا اى منكرو البعث اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ لم يعجز عنه بِقٰدِرٍ خبر ان وزيدت الباء فيه لان الكلام في قوة أليس الله بقادر عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى بَلٰٓى هو قادر على احياء الموتى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴿۳۳﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ بان يعذبوا بها يقال لهم اَلَيْسَ هٰذَا التعذيب بِالْحَقِّ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ﴿۳۴﴾ فَاصْبِرْ على اذى قومك كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ ذوو الثبات والصبر على الشدائد مِنَ الرُّسُلِ قبلك فتكون ذا عزم ومن للبيان فكلهم ذوو عزم وقيل للتبعيض فليس منهم آدم لقوله تعالى ولم نجد له عزمًا ولا يونس لقوله تعالى ولا تكن كصاحب الحوت وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ لقومك نزول العذاب بهم قيل كأنه ضجر منهم فأحب نزول العذاب بهم فأمر بالصبر وترك الاستعجال للعذاب فانه نازل بهم لا محالة كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ من العذاب في الآخرة لطوله لَمْ يَلْبَثُوْٓا في الدنيا في ظنهم اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ بَلٰغٌ هذا القرآن تبليغ من الله اليكم فَهَلْ اى لا يُهْلَكُ عند رؤية العذاب اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ﴿۳۵﴾ اى الكافرون

ترجمہ: اور یقیناً ہم نے تمہارے آس پاس کی (بہت سی) بستیوں کو یعنی بستی والوں کو مثلاً ثمود اور عاد اور قوم لوط کو ہلاک کر دیا اور ہم نے آیتوں کو یعنی واضح حجتوں کو طرح طرح سے بیان کر دیا تاکہ وہ (کفر و شرک سے) باز آجائیں، تو انہوں نے ان سے عذاب کو دفع کر کے ان کی مدد کیوں نہ کی؟ جن کو اللہ کے علاوہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اپنا معبود بنا رکھا تھا اور وہ بت ہیں اتخذوا کا مفعول ضمیر محذوف ہے جو موصول کی طرف لوٹ رہی ہے اور وہ ھُم ہے اور قربانًا مفعول ثانی ہے اور الھۃ اس سے بدل ہے بلکہ وہ نزول عذاب کے وقت ان سے غائب ہوگئے اور یہ یعنی بتوں کو تقرب کے لئے معبود بنا لینا ان کا جھوٹ اور افترا محض ہے، اور ما مصدریہ ہے یا موصولہ اور عائد محذوف ہے اور وہ فیہ کی ضمیر ہے اور یاد کرو جب ہم نے جنوں کی جماعت کو آپ کی طرف متوجہ کیا وہ جن نصیبین یمن کے یا نینوا کے رہنے والے تھے اور ان کی تعداد سات یا نو تھی، اور آپ ﷺ بطن نخلہ میں اپنے اصحاب کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے (رواہ الشیخان) تاکہ وہ قرآن سنیں جب وہ نبی کے پاس پہنچ گئے تو انہوں نے آپس میں کہا خاموش ہو جاؤ اور کان لگا کر سنو چنانچہ جب آپ ﷺ قراءت سے فارغ ہوگئے تو وہ اپنی قوم کے پاس عذاب سے ڈرانے والے بن کر اگر وہ ایمان نہ لائے واپس چلے گئے اور وہ یہود تھے اور انہوں نے کہا اے ہماری قوم ہم نے ایک کتاب قرآن سنی ہے جو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد نازل کی گئی ہے اور اپنے سے پہلی کتابوں کی مثلاً تورات کی تصدیق

کرتی ہے حق یعنی اسلام کا کہا مانو اس پر ایمان لاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا، یعنی بعض گناہوں کو اس لئے کہ گناہوں میں حقوق العباد بھی ہیں وہ صاحب حق کی رضا مندی کے بغیر معاف نہیں کئے جا سکتے، اور تمہیں دردناک عذاب سے پناہ دے گا، اور جو شخص اللہ کے داعی کی بات نہ مانے گا تو وہ اللہ کو زمین میں عاجز نہیں کر سکتا، یعنی اس سے بھاگ کر اللہ کو عاجز نہیں کر سکتا نہ اس کی پکڑ سے بچ کر نکل سکتا، اور اس بات کو نہ ماننے والے کے لئے اللہ کے سوا نہ مددگار ہوں گے کہ اس سے اس عذاب کو دفع کر سکیں، یہ لوگ یعنی بات نہ ماننے والے کھلی گمراہی میں ہیں کیا یہ منکرین بعث اس بات کو نہیں جانتے؟ کہ جس اللہ نے آسمان اور زمین پیدا کئے اور ان کے پیدا کرنے میں تھکا نہیں یعنی اس سے عاجز نہیں ہوا، کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ مردوں کو زندہ کر سکے، کیوں نہیں؟ بے شک وہ مُردوں کے زندہ کرنے پر قادر ہے، بِقٰدِرٍ، اِنَّ کی خبر ہے اور کلام اَلَیْسَ اللّٰهُ بِقَادِرٍ کی قوت میں ہے، بلاشبہ وہ ہر شئ پر قادر ہے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا جس دن آگ کے سامنے لائے جائیں گے بایں طور کہ ان کو آگ میں عذاب دیا جائے گا، تو ان سے کہا جائے گا کیا یہ عذاب حق نہیں ہے؟ جواب دیں گے ہاں قسم ہے ہمارے رب کی (حق ہے) (اللہ) فرمائے گا اب اپنے کفر کے بدلے عذاب کا مزا چکھو، پس (اے پیغمبر!) اپنی قوم کی اذیت پر ایسا ہی صبر کرو جیسا کہ آپ سے پہلے اولوا العزم پیغمبروں نے صبر کیا (یعنی) ثابت قدم رہنے والوں اور تکالیف پر صبر کرنے والوں جیسا (صبر کرو) تو آپ بھی اولوا العزم ہوں گے، اور مِنْ بیانیہ ہے اس صورت میں کل کے کل اولوا العزم ہوں گے، اور کہا گیا ہے کہ مِن تبعیضیہ ہے تو آدم علیہ السلام ان میں شمار نہ ہوں گے، اللہ تعالیٰ کے قول وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا کی وجہ سے اور نہ یونس علیہ السلام اولوا العزم پیغمبروں میں شمار ہوں گے اللہ تعالیٰ کے قول وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ کی وجہ سے اور آپ ان کے لئے (عذاب طلب کرنے میں) جلدی نہ کریں، یعنی اپنی قوم پر نزول عذاب کے بارے میں جلدی نہ کریں، کہا گیا ہے کہ گویا آپ ﷺ ان سے تنگ آ گئے تھے جس کی وجہ سے آپ نے ان پر نزول عذاب کو پسند فرمایا، لہٰذا آپ کو صبر کا اور عذاب طلب کرنے میں عجلت کو ترک کرنے کا حکم دیا گیا، اس لئے کہ وہ تو ان پر لامحالہ نازل ہونے ہی والا ہے، جس روز یہ لوگ آخرت کے اس عذاب کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے تو انہیں یوں معلوم ہوگا وہ دنیا میں ان کے خیال میں دن کی ایک گھڑی ہی رہے تھے، یہ قرآن تمہاری طرف اللہ کی طرف سے تبلیغ ہے، پس عذاب دیکھنے کے وقت فاسق کافر کے علاوہ کوئی ہلاک نہ کیا جائے گا۔

تَحقِیق وَتَرکِیب وَتَسہِیل وَتَفسِیری فَوائد

قَوْلُهٗ: وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِنَ الْقُرٰى یہ کلام مستانف ہے، مشرکین مکہ سے خطاب ہے لام قسم محذوف کے جواب پر ہے مِنَ الْقُرٰى، ما کا بیان ہے اَهْلَكْنَا کے اضافہ کا مقصد حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُهٗ: لَوْ لَا، لولا کی تفسیر هَلَّا سے کر کے یہ بتا دیا کہ لَوْ لَا تحضیضیہ ہے اور مقصد توبیخ ہے۔

قَوْلُہٗ: الذین اتخذوا، الذین اسم موصول اتَّخَذُوْا جملہ ہو کر اس کا صلہ موصول صلہ سے مل کر نَصَرَ کا فاعل، اِتَّخَذُوْا کا مفعول اول ھُمْ محذوف ہے، اور ثانی قُرْبَانًا ہے، اٰلِهَةً، قُرْبَانًا سے بدل ہے کما صرح به المفسر، قربانًا باب فتح کا مصدر ہے، اور یہ بھی صحیح ہے کہ اٰلِهَةً اتَّخَذُوْا کا مفعول ثانی ہو اور قُرْبَانًا حال یا مفعول لہ ہو۔

قَوْلُہٗ: ضلّوا ای الاصنام اور بعض حضرات نے ضَلُّوْا کا فاعل کفار کو قرار دیا ہے یعنی عابدین، معبودین کو ترک کر دیں گے اور ان سے اظہار بیزاری کریں گے (اول اولیٰ ہے)۔ (فتح القدیر)

قَوْلُہٗ: نفرًا بمعنی جماعت جو تین سے زیادہ اور دس سے کم ہوں جمع انفار۔

قَوْلُہٗ: من الجن یہ نفرًا کی صفت اول ہے اور یستمعون القراٰن صفت ثانی ہے۔

قَوْلُہٗ: حضروہُ ضمیر کا مرجع قرآن اور نبی دونوں ہو سکتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: فلمّا قُضی جمہور نے مجہول پڑھا ہے اور حبیب بن عبید نے معروف پڑھا ہے مجہول کی صورت میں حَضَرُوْهُ کی ضمیر قرآن کی طرف اور معروف کی صورت میں آپ ﷺ کی طرف راجع ہوگی۔ (فتح القدیر شوکانی)

قَوْلُہٗ: مُنْذِرِیْن حال مقدرہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، ای مقدرین الانذار، نصیبین یمن کا ایک قریہ ہے، نینوی نون مکسورہ اور یاء ساکنہ کے ساتھ، اور نون ثانی میں فتحہ اور ضمہ دونوں جائز ہیں، آخر میں الف مقصورہ ہے۔

قَوْلُہٗ: ببطن نخل مفسر علام نے اس واقعہ کی نسبت بطن نخل کی جانب کی ہے، اس میں تسامح ہے اس لئے کہ وہ مقام جہاں جنات نے قرآن سننے کا مذکورہ واقعہ پیش آیا تھا وہ بطن نخلہ تھا اسی کو نخلہ بھی کہا جاتا تھا اور یہ مقام مکہ سے طائف کے راستہ میں ایک رات کی مسافت پر واقع ہے، اور بطن نخل وہ مقام ہے جہاں آپ ﷺ نے صلوٰۃ خوف پڑھی تھی اور یہ مقام مدینہ سے دو منزل کی دوری پر واقع ہے۔ (جمل)

قَوْلُہٗ: فی ضلال مبین یہاں جنات کا کلام پورا ہو گیا اَوَلَمْ یَرَوْا سے اللہ کا کلام شروع ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: وزیدت الباء فیه لِاَنَّ الکلام فِی قُوَّةِ اَلَیْسَ اللّٰهُ بقَادِرٍ علامہ محلی کا مقصد اس عبارت کے اضافہ سے ایک اعتراض کا دفع ہے، اعتراض یہ ہے کہ باء کلام منفی کے بعد زائد ہوتی ہے اور جواب کے تحت ہے وہ مثبت ہے لہٰذا بقادر میں باء کا زائد کرنا درست نہیں ہے۔

جَوَابٌ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ نفی آیت کے شروع اَوَلَمْ یَرَوْا میں واقع ہے اور جو کچھ اس کے بعد ہے وہ بھی نفی کے تحت ہے گویا کہ کلام اَلَیْسَ اللّٰهُ بِقَادِرٍ کی قوت میں ہے لہٰذا باء کا داخل کرنا جائز ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کا جواب اللہ تعالیٰ کے قول بَلٰی اِنَّهٗ علی کل شیْءٍ قدیر میں بلی سے دیا گیا ہے، یہ اس بات کی علامت ہے کہ کلام قوت میں نفی کے ہے اس لئے کہ بلی کے ذریعہ کلام منفی کا ہی جواب آتا ہے۔

قَوْلُہٗ: یُقَالُ لَهُمْ علامہ محلی نے یقال لَهُمْ محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ یوم کا ناصب یُقَالُ فعل محذوف ہے، اور یوم یُعْرَضُ سے اَلَیْسَ هٰذا بالحق تک یقال کا مقولہ ہے۔

قولہ: وَرَبِّنَا میں واؤ قسمیہ برائے تاکید ہے۔

قولہ: ذوو الثبات یہ اولوا العزم کی تفسیر ہے اس کے معنی ہیں عالی ہمت، ثابت قدم، اگر مِن کو بیانیہ مانا جائے تو تمام انبیاء علیہم السلام اولوالعزم میں شامل ہوں گے اور بعض حضرات نے مِنْ کو تبعیضیہ لیا ہے، اس صورت میں بعض انبیاء اولوالعزم سے مستثنیٰ ہوں گے، کما اشار الیه المفسر رحمہ اللہ تعالیٰ.

قولہ: فَاصْبِرْ جواب شرط ہے، فاء جزائیہ ہے، شرط محذوف ہے ای اذا کان عاقبةُ اَمْرِ الکفار مَا ذُکِر، فاصبِرْ علی اذاهُمْ، قیل کَانَّهٗ ضَجِرَ مناسب ہوتا کہ مفسر علام کَانَّهٗ کو حذف کردیتے۔ (صاوی)

قولہ: یَوْمَ یَرَوْنَ یہ لم یلبثوا کا ظرف ہے لطوله، لم یَلْبَثُوْا کی تعلیل مقدم ہے۔

قولہ: هذا القرآن بلاغ، هذا القرآن محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ بَلاغ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور بَلاغ اسمٌ للتبلیغ. (ترویح الارواح)

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِنَ الْقُرٰى اس کے مخاطب اہل مکہ ہیں اور حولها سے مکہ کے آس پاس عاد وثمود وقوم لوط کی وہ بستیاں مراد ہیں جو حجاز کے قریب ہی تھیں اور یمن وشام وفلسطین کی طرف آتے جاتے مکہ والوں کا ان سے گذر ہوتا تھا، اس سے پہلی آیات میں قوم عاد کی ہلاکت وبربادی کا قصہ بڑی تفصیل کے ساتھ مذکور تھا، آئندہ آیات میں دوسری ایسی قوموں کا ذکر ہے جن کے کفر ومخالفت انبیاء کی وجہ سے عذاب آئے اور ہلاک ہوئے ان کی اجڑی بستیوں کے نشانات وخرابات بھی اہل مکہ کے سفر کے دوران راستے میں پڑتے تھے ان سے عبرت حاصل کرنے کے لئے ان کا اجمالی حال ان آیات میں مذکور ہے۔

وَاِذْ صَرَفْنَا اِلَيْكَ نَفَرًا مِنَ الْجِنِّ (الآية) ان آیات میں اہل مکہ کو عار دلانے کے لئے جنات کے ایمان لانے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ جنات جو تکبر وغرور میں تم سے بڑھے ہوئے ہیں مگر قرآن سن کر ان کے دل بھی موم ہوگئے اور وہ ایمان لے آئے تمہیں اللہ تعالیٰ نے جنات سے زیادہ عقل وشعور دیا ہے مگر اس کے باوجود تم ایمان نہیں لاتے۔

جنات کے قرآن سننے کا واقعہ:

صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مکہ کے قریب وادئ نخلہ میں پیش آیا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے، ادھر ایک نیا واقعہ یہ رونما ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد جنات کو آسمانی خبریں سننے سے روک دیا گیا اس کے بعد اگر کوئی جن آسمانی خبریں سننے کے لئے آسمانوں کا رخ کرتا تو اس پر شہاب ثاقب پھینک کر روک دیا جاتا، جنات

میں اس کا تذکرہ ہوا کہ اس کا سبب معلوم کرنا چاہئے کہ کونسا نیا واقعہ دنیا میں رونما ہوا ہے جس کی وجہ سے جنوں کے آسمانوں پر جانے پر پابندی عائد کردی گئی ہے، جنات کے مختلف گروہ مختلف خطوں میں اس کی تحقیقات کے لئے پھیل گئے، ان میں کا ایک گروہ حجاز کی طرف بھی پہنچا اس روز آنحضرت ﷺ اپنے چند صحابہ کے ساتھ مقام بطن نخلہ میں تشریف فرما تھے، اور سوق عکاظ کی طرف جانے کا قصد تھا (عرب کے لوگ تجارتی اور معاشرتی امور کے لئے مختلف مقامات پر مختلف ایام میں بازار لگاتے تھے جن میں ہر خطے کے لوگ جمع ہوتے تھے، دکانیں لگتی تھیں، اجتماعات اور جلسے ہوتے تھے۔ شعر و سخن کے لئے مشاعرے ہوتے تھے، جس طرح موجودہ زمانہ میں نمائشیں ہوتی ہیں ان ہی میں سے ایک بازار عکاظ میں لگتا تھا) رسول اللہ ﷺ غالبًا دعوت و تبلیغ کے لئے تشریف لے جارہے تھے، جب آپ بطن نخلہ پہنچے تو آپ اپنے صحابہ کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے جنات کی ایک جماعت یہاں پہنچی، قرآن سن کر کہنے لگے بس وہ نیا واقعہ یہی ہے جس کی وجہ سے آسمانوں پر جانے پر پابندی لگی ہے۔ (رواہ احمد، والبخاری ومسلم، بحوالہ معارف) ایک روایت میں ہے کہ جنات کی یہ جماعت نصیبین کی تھی اور اس کی تعداد سات یا نو تھی واپس جا کر جب اپنی قوم کو یہ خبر سنائی اور ایمان کی ترغیب دی تو ان میں سے تین سو جنات ایمان لانے کے لئے حاضر خدمت ہوئے۔

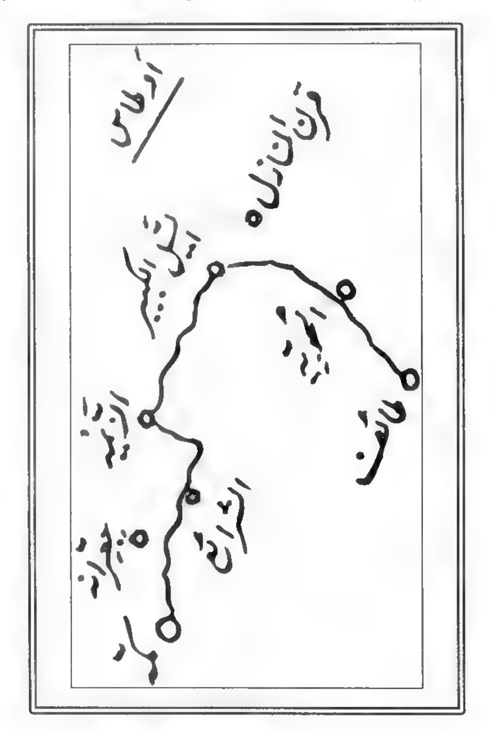
(رواہ ابو نعیم والواقدی عن کعب الاحبار، روح المعانی)

جنوں کی پہلی حاضری کا واقعہ جس کا اس آیت میں ذکر ہے بطن نخلہ میں پیش آیا تھا، اور واقدی کا بیان ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب آپ طائف سے مایوس ہو کر مکہ معظمہ کی طرف واپس ہوئے تھے راستہ میں آپ نے بطن نخلہ کے مقام پر قیام فرمایا، آپ نماز میں قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے کہ جنوں کا ایک گروہ ادھر سے گذرا اور آپ کی قراءت سننے کے لئے ٹھہر گیا۔

بطن نخلہ کے جس مقام پر یہ واقعہ پیش آیا یا تو **الزَّیمَہ** تھا، یا **اَلسَّیْلُ الکبیر** کیونکہ یہ دونوں مقام **بطن نخلہ** میں واقع ہیں۔



(نقشہ میں ان مقامات کا موقع ملاحظہ فرمائیں)



ایک دوسری روایت میں ہے کہ جنات جب یہاں آئے تو باہم کہنے لگے خاموش ہو کر قرآن سنو جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو یہ جنات اسلام کی حقانیت پر ایمان لا کر اپنی قوم کے پاس واپس گئے ان کو پورے واقعہ کی تفصیلی خبر سنائی کہ ہم تو مسلمان ہو گئے ہیں، تم کو بھی چاہئے کہ مسلمان ہو جاؤ، مگر رسول اللہ ﷺ کو ان جنات کے آنے جانے اور قرآن سن کر ایمان لانے کی خبر نہیں ہوئی، یہاں تک کہ سورۂ جن کا نزول ہوا جس میں آپ کو اس واقعہ کی خبر دی گئی۔

(رواہ ابن المنذر عن عبد الملك، معارف)

دیگر احادیث میں بھی جنات کے آنے کی روایت دوسری طرح آئی ہیں مگر چونکہ یہ متعدد واقعات مختلف اوقات میں پیش آئے ہیں اس لئے ان میں کوئی تعارض نہیں، خفاجی نے کہا ہے کہ جنات کی آمد کی روایات کو جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات کے وفود آپ کی خدمت میں چھ مرتبہ آئے ہیں۔

جنات میں سے کوئی رسول نہیں:

اس امر میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات میں سے کوئی رسول بھیجا یا نہیں؟ ظاہر آیات قرآنیہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جنات میں سے کوئی جن رسول نہیں ہوا، آپ ﷺ کی بعثت جن اور انس دونوں کے لئے ہے۔

﴿تمت﴾

سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٌ وَثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ الْقِتَالِ مَدَنِيَّةٌ اِلَّا وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ (الاٰ يَةَ)، او مَكِّيَّةٌ وهى ثمانٌ او تِسْعٌ وَّثلٰثُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ قتال مدنی ہے سوائے وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ (پوری آیت) کے، یا مکی ہے اور یہ ۳۸ یا ۳۹ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ أهلِ مَكَّةَ **وَصَدُّوْا** غيرَهم **عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** اى الايمان **اَضَلَّ** أحْبَطَ **اَعْمَالَهُمْ** ① كَإِطْعَامِ الطَّعَامِ وصِلةِ الْأرحام فَلَا يَرَوْنَ لها في الاٰخِرَةِ ثَوابًا ويُجزون بها في الدُّنيا مِن فضلِه تعالٰى **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** اى الانصارُ وغيرُهم **وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ** اى القرانُ **وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ** عِندِ **رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ** غفرَلهم **سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ** ② اى حالَهم فلا يَعْصُوْنَه **ذٰلِكَ** اى إضْلالُ الاعمال وتكفيرُ السَّيِّئاتِ **بِاَنَّ** بِسَبَبِ انَّ **الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ** الشَّيطان **وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ** القُرانَ **مِنْ رَّبِّهِمْ كَذٰلِكَ** اى مِثلُ ذٰلِكَ البَيان **يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ** ③ يُبَيِّنُ احوالَهم اى فالكافِرُ يُحْبِطُ عَمَلُه وَالْمُؤمِنُ يُغْفَرُ زَلَّلُهٗ **فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ** مَصْدَرٌ بَدَلٌ مِنَ اللَّفْظِ بِفعلِه اى فاضْرِبُوا رِقَابَهم اى اقْتُلُوهم وعُبِّرَ بِضَرْبِ الرِّقَاب لِاَنَّ الغَالِبَ فِي القَتْلِ ان يَّكُونَ بِضَرْبِ الرَّقَبَةِ **حَتّٰى اِذَا اَثْخَنْتُمُوْهُمْ** اى اَكْثَرْتُمْ فيهم القَتْلَ **فَشُدُّوا** اى فَامْسِكُوْا عَنْهُ وَأسِرُوهُم وشُدُّوا **الْوَثَاقَ** ما يُوثَقُ به الأُسرى **فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ** مَصْدَرٌ بَدَلٌ مِنَ اللَّفْظِ بِفِعْلِه اى تَمُنُّوْنَ عليهم بِإطْلاقِهم مِن غَيرِ شيءٍ **وَاِمَّا فِدَآءً** اى تُفَادُوْنَهم بِمالٍ او أسرى مُسْلِمِيْنَ **حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ** اى اَهْلُها **اَوْزَارَهَا** اَثْقَالَها مِنَ السِّلاحِ وغيرِه بِاَنْ يُسْلِمَ الْكُفَّارُ او يَدْخُلُوْا فِي العَهْدِ وهذه غَايَةٌ لِلْقَتْلِ والاَسْرِ **ذٰلِكَ** خَبَرُ مُبْتَدَإٍ مُقَدَّرٍ اى الاَمْرُ فيهم مَاذُكِرَ

وَلَوْ يَشَاءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ بغير قِتالٍ وَلٰكِنْ أمرَكم به لِيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ منهم فی القتالِ فیصیرُ من قُتِل منكم الی الجنّة ومنهم الی النّار وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا وفی قراءة قاتلوا الآیة نزلت یومَ أحدٍ وقد فشا فی المسلمین القتلُ والجراحاتُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ يُحبط أَعْمَالَهُمْ ۞ سَيَهْدِيْهِمْ فی الدُّنیا والآخرةِ الی ما ینفعُهم وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۞ حالَهم فیهما وما فی الدُّنیا لِمَنْ لَمْ يُقتَلْ وأُدرِجوا فی قُتِلوا تغلیبًا وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا بیّنها لَهُمْ ۞ فیهتدونَ الی مساکنهم منها وأزواجِهم وخدمِهم من غیرِ استدلالٍ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ ای دینَه ورسولَه يَنْصُرْكُمْ علی عدوِّکم وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۞ یُثبِّتْکم فی المُعترَكِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا من اَهلِ مکّةَ مبتدأ، خبرُه تعسوا یدلُّ علیه فَتَعْسًا لَّهُمْ ای هلاکًا وخیبةً من اللّٰهِ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۞ عطفٌ علی تعسوا ذٰلِكَ ای التعسُ والاضلالُ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ من القراٰنِ المُشتمِلِ علی التکالیفِ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۞ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ اَهلَكَ انفسَهم واَولادَهم واَموالَهم وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ۞ اَمثالُ عاقبةِ من قبلَهم ذٰلِكَ ای نصرُ المؤمنینَ وقهرُ الکافرینَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى ولیُّ وناصرُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۞

ع ۵

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے اہل مکہ میں سے جن لوگوں نے کفر کیا اور دوسروں کو اللہ کے راستہ یعنی ایمان سے روکا اللہ نے ان کے اعمال برباد کر دیئے، مثلاً کھانا کھلانا اور صلہ رحمی کرنا، تو ان اعمال کا آخرت میں کچھ اجر نہ پائیں گے، البتہ دنیا میں ان کو اللہ کی مہربانی سے ان اعمال کا صلہ دیا جائے گا، اور وہ لوگ یعنی انصار وغیرہ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے اور جو محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے یعنی قرآن اس پر بھی ایمان لائے اور وہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے تو اللہ نے ان کے گناہ معاف کر دیئے اور ان کے حال کی اصلاح کر دی تو وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے، یہ یعنی اعمال کو برباد کرنا اور گناہوں کو معاف کرنا اس سبب سے ہے کہ جن لوگوں نے کفر کیا تو انہوں نے باطل شیطان کی اتباع کی اور جو لوگ ایمان لائے انہوں نے اپنے رب کی جانب سے حق یعنی قرآن کی اتباع کی کَذٰلِكَ یعنی اس بیان کے مانند اللہ تعالیٰ لوگوں کے احوال کو بیان فرماتا ہے چنانچہ کافر کے عمل کو برباد کر دیتا ہے، اور مومن کی خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے، جب کافروں سے تمہاری مڈبھیڑ ہو تو گردنوں پر وار کرو (ضَرْبٌ) مصدر بلفظ الفعل اپنے فعل کے عوض میں ہے یعنی فاضْرِبُوا رِقَابَهُمْ یعنی ان کو قتل کرو اور قتل کو گردن مارنے سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قتل اکثر گردن مارنے سے (بآسانی) ہوتا ہے جب ان کو اچھی طرح کچل دو یعنی ان کو خوب قتل کر دو ان کے بندھن خوب کس دو یعنی قتل کرنا بند کر دو اور ان کو قید کر لو (وَثَاق) وہ شئی جس کے ذریعہ قیدیوں کو باندھا جاتا ہے (رسی وغیرہ) (پھر اختیار ہے) خواہ احسان رکھ کر چھوڑ دو (مَنًّا) اپنے فعل کا مصدر لفظی ہے اور اپنے فعل کے عوض میں ہے یعنی بغیر کچھ لئے ان پر احسان کر کے چھوڑ دو یا ان سے فدیہ لے لو یعنی فدیہ میں ان سے مال لے

لو یا مسلمان قیدیوں کا تبادلہ کرلو یہاں تک کہ جنگ یعنی جنگ کرنے والے اپنے ہتھیار ڈال دیں تا آں کہ کفار مسلمان ہو جائیں یا معاہدہ میں شریک ہو جائیں، اور یہ قتل اور قید کی غایت ہے ذٰلِکَ مبتداء مقدر کی خبر ہے ای الامرُ ذٰلِکَ یعنی ان کے معاملہ میں حکم یہی ہے اور اگر اللہ چاہتا تو (خود) ہی بغیر قتال کے ان سے بدلہ لے لیتا لیکن تم کو قتال کا حکم دیا تاکہ تم میں سے بعض کو ان میں سے بعض کے ذریعہ آزمائے سو تم میں جو شہید کر دیا جائے وہ جنت کی طرف چلا جائے اور جو ان میں سے قتل کیا جائے وہ جہنم کی طرف چلا جائے، جو لوگ اللہ کے راستہ میں شہید کر دیئے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہ کرے گا، اور ایک قراءت میں قَـاتَـلُوْا ہے (یہ) آیت یوم احد میں نازل ہوئی، حال یہ کہ مسلمانوں میں قتل اور زخم عام ہو گئے تھے، عنقریب اللہ تعالیٰ ان کی دنیا و آخرت میں ایسی چیز کی طرف رہنمائی کرے گا جو ان کے لئے نافع ہوگی، اور دنیا و آخرت میں ان کے حال کی اصلاح کرے گا، اور دنیا میں جو کچھ ہے (ہدایۃ واصلاح حال وغیرہ) اس کے لئے ہے جو شہید نہیں ہوا، اور جو مقتول نہیں ہوئے ان کو مقتولین میں تغلیباً شامل کر دیا گیا ہے اور ان کو ایسی جنت میں داخل فرمائے گا جس کی ان کو شناخت کرا دے گا چنانچہ وہ جنت میں اپنے مکانوں کی طرف اور اپنی ازواج کی طرف اور اپنے خدام کی طرف بغیر معلوم کئے پہنچ جائیں گے اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے یعنی اس کے دین اور اس کے رسول کی (مدد کرو گے) تو وہ تم کو تمہارے دشمن پر غالب کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا یعنی معرکہ میں تم کو قائم رکھے گا، اور اہل مکہ میں سے جنہوں نے کفر کیا وہ ہلاک ہوئے (والـذيـن كـفـروا) مبتداء ہے اور تَـعِسُوْا اس کی خبر ہے، اس حذف خبر پر فَتَـعْسًـا لَهُمْ دلالت کرتا ہے تو ان کے لئے اللہ کی طرف سے ہلاکت اور زیاں کاری ہے، اور ان کے اعمال ضائع ہوئے اس کا عطف تَـعَـسُـوْا پر ہے یہ ہلاکت اور حبط اعمال اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اس کو ناپسند کیا جس کو اللہ نے نازل فرمایا یعنی قرآن کو جو احکام پر مشتمل ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں اور انہوں نے دیکھا نہیں کہ جو لوگ ان سے پہلے گذر چکے ہیں ان کا کیا انجام ہوا؟ اللہ نے ان کو ہلاک کر دیا یعنی خود ان کو اور ان کی اولاد کو اور ان کے اموال کو ہلاک (و برباد) کر دیا، اور کافروں کے لئے اسی طرح کی سزائیں ہیں یعنی ان سے پہلے لوگوں جیسی سزائیں ہیں یہ یعنی مومنین کی نصرت اور کافروں پر غضب اس وجہ سے ہے کہ اللہ ایمان والوں کا مولیٰ (یعنی) ولی اور مددگار ہے اور یہ کہ کافروں کا کوئی کارساز نہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

اس سورت کا نام سورۂ قتال ہے ترتیب مصحفی کے اعتبار سے اس کا نمبر ۴۷ ہے اور یہ نام آیت نمبر ۲۰ کے فقرے وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ سے ماخوذ ہے، اس کے دو نام اور ہیں، ایک محمد اور دوسرا الذين كفروا۔

قِوْلَهُ: صَدُّوْا لازم اور متعدی دونوں مستعمل ہے یعنی خود رکنا اور دوسروں کو روکنا، اور اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے مراد کفار قریش ہیں۔

قِوْلَهُ: اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ای اَبْطَلَهَا وَجَعَلَهَا ضَايِعَةً۔

قَوْلُہٗ: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ، عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کا عطف اٰمَنُوْا پر کیا گیا ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عمل صالح حقیقت ایمان کا جز نہیں ہے اس لئے کہ عطف مغایرت کو چاہتا ہے، البتہ عمل صالح کمال ایمان کے لئے شرط کے درجہ میں ہے (**کما هو مختار الاشاعرة**).

قَوْلُہٗ: واٰمَنُوا بِمَا نُزِّلَ علٰی محمدٍ یہ عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے مقصد اس کا معطوف کی اہمیت اور عظمت کو ظاہر کرنا ہے اور اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ محمد ﷺ کی بعثت پر اور جو آپ ﷺ لے کر آئے ہیں اس پر ایمان لائے بغیر ایمان تام نہیں ہوگا، یعنی اگر کوئی توحید اور لوازمات توحید اور لوازمات دین نیز انبیاء سابقین پر ایمان رکھتا ہو مگر محمد ﷺ کی نبوت کا قائل نہ ہو تو اس کا یہ ایمان عنداللہ مقبول نہ ہوگا۔

قَوْلُہٗ: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مبتداء ہے اور کَفَّرَ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ اس کی خبر ہے اور وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ مبتدا و خبر کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

قَوْلُہٗ: ذٰلِكَ مبتداء ہے اور بِاَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا الخ مبتدا کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَاب ظرف یعنی اِذَا لَقِیْتُمْ کا عامل محذوف ہے اور ضَرْبَ الرقاب کا بھی وہی عامل ہے، تقدیر عبارت یہ ہے فَاضْرِبُوْا الرقاب وقتَ مُلَاقَاتِکُمُ الْعَدُوَّ.

قَوْلُہٗ: فَضَرْبَ الرِّقَابِ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ضَرْبٌ مصدر اپنے فعل امر اِضْرِبُوْا کا نائب ہے اس لئے کہ اس کی اصل فَاضْرِبُوا الرِّقَابَ ضربًا ہے فعل حذف کیا گیا مصدر کو مفعول کی جانب مضاف کر کے فعل کے قائم مقام کر دیا گیا، اس میں اختصار کے ساتھ ساتھ تاکید بھی ہے۔

قَوْلُہٗ: اِذَا اَثْخَنْتُمُوْهُمْ جب تم ان کو اچھی طرح قتل کر چکو اَثْخَنْتُمُوْا، اِثْخَانٌ سے ماضی جمع مذکر حاضر، هم ضمیر جمع مذکر غائب، ای اَکْثَرْتُمْ فیهم القتل اور مصباح میں اَثْخَنَ فِی الارض، سارَ الی العدو.

قَوْلُہٗ: الْوَثَاقُ بالفتح والکسر، مَا یُوْثَقُ بِهٖ رسی وغیرہ، جمع وُثُقٌ جیسے عِنَاق کی جمع عُنُقٌ.

قَوْلُہٗ: وهذه غایة لِلقتل والاسر یعنی جب حرب ہتھیار ڈالدے اور دشمن کے دم خم، بالکل ختم ہو جائیں تو قتل و قید موقوف کر دو۔

قَوْلُہٗ: وَالَّذِیْنَ قُتِلُوْا مبتداء ہے اور فَلَنْ یُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ مبتداء کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: لِیَبْلُوَ بَعْضَکُمْ بِبَعْضٍ یہ امر بالقتال کی علت ہے۔

قَوْلُہٗ: وما فی الدنیا لمن لم یقتل وادرجوا فی قتلوا تغلیبا یہ ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول یصلح بالهم کی تفسیر حالهم فیهما ای فی الدنیا والآخرة سے کی ہے، هم سے مراد مقتولین فی الحرب ہیں، ظاہر ہے کہ دنیا میں اصلاح حال سے مراد وہ چیزیں ہیں جو دنیا میں نافع ہوں، مثلاً عمل صالح، اخلاص، ہدایت مگر اس قسم کی صلاح حال تو ان کے لئے ہو سکتی ہے جو مقتول نہ ہوئے ہوں (تنبیہ) اس بات کا خیال رہے کہ مذکورہ اعتراض قتلوا والی قراءت پر ہوگا، اور اگر قاتلوا والی قراءت لی جائے تو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

جَوَابٌ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں قُتلوا سے وہ مجاہدین مراد ہیں جو مقتول نہیں ہوئے مگر جہاد میں شریک رہے، اسی کی تائید قاتلوا والی قراءت سے ہوتی ہے قاتلین کو مقتولین میں تغلیباً داخل کر دیا گیا ہے، اب آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جو مجاہدین زندہ بچ گئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے حال کی اصلاح دنیا میں فرمائے گا اور جو راہ خدا میں شہید ہو گئے ہیں ان کے حال کی اصلاح جنت میں فرمائے گا۔

قَوْلُہٗ: یثبت اقدامکم کی تفسیر یثبتکم سے کر کے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جزء بول کر کل یعنی ذات مراد ہے، ذات کو اقدام سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ثبات اور تزلزل کا اثر اولاً قدموں میں نمایاں ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: المعترك، معترك سے میدان کارزار مراد ہے۔

قَوْلُہٗ: ذلك مبتداء اور بان اللّٰہ اس کی خبر ہے۔

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

اس سورت کے تین نام ہیں: ① سورۂ محمد ﷺ، ② دوسرا سورۂ قتال اس لئے کہ اس میں قتال کے احکام مذکور ہیں، ③ تیسرا الذین کفروا یہ نام سورت کے اول کلمے ہی سے ماخوذ ہے، اس سورت کا زمانۂ نزول ہجرت کے فوراً بعد ہے، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ کاین من قریة مکی ہے اس لئے کہ اس کا نزول اس وقت ہوا کہ جب آپ ﷺ بارادۂ ہجرت مکہ سے نکلے اور مکہ مکرمہ اور بیت اللہ پر نظر ڈال کر آپ نے فرمایا کہ ساری دنیا کے شہروں میں مجھے تو ہی محبوب ہے اگر اہل مکہ مجھے یہاں سے نہ نکالتے تو میں اپنے اختیار سے اے مکہ! تجھے ہرگز نہ چھوڑتا، مفسرین کی اصطلاح کے مطابق جو آیات سفر ہجرت کے دوران نازل ہوئی ہیں وہ مکی ہی کہلاتی ہیں۔

صدوا عن سبیل اللّٰہ، صد کے معنی دوسروں کو روکنے اور خود رکنے کے ہیں، سبیل اللّٰہ سے اسلام مراد ہے، دوسروں کو راہ خدا سے روکنے کی مختلف صورتیں ہیں، ایک صورت یہ ہے کہ زبردستی کسی کو ایمان لانے سے روک دے، دوسری صورت یہ ہے کہ ایمان لانے والوں پر ایسا ظلم وستم ڈھایا جائے کہ ان کیلئے ایمان پر قائم رہنا اور دوسروں کو ایسے خوفناک حالات میں ایمان لانا مشکل ہو جائے، تیسری صورت یہ کہ لوگوں کو مختلف طریقوں سے دین اور اہل دین کے خلاف ورغلائے اور ایسے وسوسے ڈالے کہ لوگ اس دین سے بدگمان ہو جائیں، یا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایسا پروپیگنڈا چھیڑ دے کہ اسلام بدنام ہو کر رہ جائے اور لوگوں کے ذہنوں میں اسلام کی صحیح اور صاف صورت آنے کے بجائے غلط اور گندی صورت ذہن نشین ہو جائے جس کے نتیجہ میں لوگ اسلام کے قریب آنے کے بجائے دور ہونے لگیں اور محبت کے بجائے نفرت کرنے لگیں، موجودہ دور میں یہ صورت زیادہ رائج ہے یہ بھی صدوا عن سبیل اللّٰہ میں شامل ہے۔

اضل اعمالھم اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ مشرکین مکہ میں جو مکارم اخلاق پائے جاتے تھے مثلاً صلہ رحمی، قیدیوں کو آزاد کرنا، یتیموں اور بیواؤں کی مدد کرنا، بے سہاروں کو سہارا دینا، مہمان نوازی وغیرہ، یا خانۂ کعبہ کی پاسبانی اور حجاج کی خدمت کرنا، ان کاموں کا صلہ انہیں آخرت میں نہیں ملے گا، اس لئے کہ آخرت کا اجر وثواب ایمان کے بغیر مرتب نہیں

ہوگا، اور دوسرا مطلب یہ کہ ان لوگوں نے نبی کریم ﷺ کے خلاف جو سازشیں کیں اللہ نے انہیں ناکام بنا دیا بلکہ ان کی سازش کو ان ہی پر پلٹ دیا، تیسرا مطلب یہ ہے کہ راہ حق کو روکنے اور کفر و شرک کو عرب میں زندہ رکھنے کے لئے جو کوشش وہ محمد ﷺ کے مقابلہ میں کر رہے تھے، اللہ نے ان کو رائیگاں کر دیا ان کی ساری تدبیریں محض تیر بے ہدف ہو کر رہ گئیں، اب وہ اپنے مقصد کو ہرگز حاصل نہ کر سکیں گے۔

وآمنوا بما نزل علی محمد اگرچہ پہلے جملہ میں ایمان اور عمل صالح کا ذکر آچکا ہے، دوبارہ **آمنوا بما نزل علی محمد** کہنے کی حاجت نہیں رہتی، اس لئے کہ ایمان لانے میں محمد ﷺ اور آپ ﷺ پر نازل ہونے والی تعلیمات پر ایمان لانا خود بخود شامل ہے، مگر اس طرز کے اختیار کرنے میں تخصیص بعد التعمیم کے فائدہ کے علاوہ کہ جو خاص کی اہمیت اور اس کا مہتم بالشان ہونا ہے جیسا کہ **حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطی** میں ہے ایک فائدہ اور بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد کسی شخص کا خدا اور آخرت اور پچھلے رسولوں اور پچھلی کتابوں کو ماننا بھی اس وقت تک نافع نہیں ہے جب تک کہ وہ آپ کو اور آپ کی لائی ہوئی تعلیمات کو نہ مان لے، یہ تصریح اس لئے ضروری تھی کہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں آپ کو ان لوگوں سے بھی سابقہ درپیش تھا کہ ایمان کے دوسرے تمام لوازم کو تو وہ مانتے تھے مگر محمد ﷺ کی رسالت کو تسلیم کرنے سے انکار کر رہے تھے، پہلے جملہ کے بعد دوسرے جملہ کو لا کر اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

کفر عنهم سَیِّئَاتِهِمْ واصلح بالهم اول فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں جو گناہ ان سے سرزد ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کی بدولت وہ سب ان کے حساب سے ساقط کر دیئے، اب ان گناہوں پر ان سے کوئی باز پرس نہ ہوگی اور اگر سیئات مابعد الاسلام مراد لی جائیں تو یہ ایک وعدہ ہے عفو معاصی کا، **واصلح بالهم** بال شان اور حال کے معنی میں آتا ہے اور کبھی قلب، دل کے معنی میں، یہاں دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں، پہلے معنی لئے جائیں تو مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دنیا و آخرت کے تمام کاموں کو درست کر دیا، دنیوی حالات کو درست کرنے سے مالی مشکلات کو دور کرنا نہیں ہے، اس لئے کہ مالی مشکلات تو عام طور پر مسلمانوں کے لئے ہر دور اور ہر زمانہ میں رہی ہیں اور آئندہ بھی رہیں گی، اس لئے کہ یہ مسلمان کا مقصود اصلی نہیں ہے، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ مسلمان جس کمزوری اور بے بسی اور مظلومی کی حالت میں اب تک مبتلا تھے اللہ نے ان کو اس سے نکال دیا ہے، اب اس نے ایسے حالات پیدا کر دیئے ہیں کہ جن میں وہ ظلم سہنے کے بجائے ظالموں کا مقابلہ کریں گے، محکوم ہو کر رہنے کے بجائے اپنی زندگی کا نظام خود آزادی کے ساتھ چلائیں گے، اور مغلوب ہونے کے بجائے غالب ہو کر رہیں گے۔

دوسری صورت میں آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب کو درست کر دیا، مطلب یہ کہ انہیں معاصی سے بچا کر رشد و خیر کی راہ پر لگا دیا، ایک مومن کے لئے اصلاح حال کی یہی سب سے بہتر صورت ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ مال و دولت کے ذریعہ ان کی حالت درست کروں کیونکہ اول تو ہر مومن کو مال ملتا بھی نہیں، علاوہ ازیں محض دنیوی مال اصلاح احوال کا یقینی ذریعہ بھی نہیں، بلکہ اس سے فسادِ احوال کا زیادہ امکان ہے، اس لئے نبی ﷺ نے کثرت مال کو پسند نہیں فرمایا۔

فاذا لقیتم الذین کفروا (الآیة) ماقبل میں جب دونوں فریقوں کا ذکر کر دیا گیا تو اب کافروں اور غیر معاہد اہل کتاب سے جہاد کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے، اور یہاں ''لقاء'' سے مطلق ملاقات مراد نہیں ہے بلکہ حالت جنگ میں مڈبھیڑ اور مقابلہ مراد ہے، یہاں قتل کرنے کے بجائے گردنیں مارنے کا حکم دیا ہے اس لئے کہ اس تعبیر میں غلظت اور شدت کا زیادہ اظہار ہے۔

مذکورہ آیت سے دو باتیں ثابت ہوئیں، اول یہ کہ جب قتال کے ذریعہ کفار کی شوکت وقوت ٹوٹ جائے تو اب بجائے قتل کرنے کے ان کو قید کر لیا جائے، پھر ان جنگی قیدیوں کے متعلق مسلمانوں کو دو اختیار دیئے گئے، ایک یہ کہ ان پر احسان کیا جائے یعنی بغیر کسی فدیہ اور معاوضہ کے چھوڑ دیا جائے، دوسرے یہ کہ ان سے کوئی فدیہ (معاوضہ) لیکر چھوڑ دیا جائے اور فدیہ کی ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اگر کچھ مسلمان ان کے ہاتھ لگ گئے ہوں تو ان سے تبادلہ کر لیا جائے، یہ حکم بظاہر اس حکم کے خلاف ہے جو سورۂ انفال کی آیت میں مذکور ہے جس میں غزوۂ بدر کے قیدیوں کو معاوضہ لیکر چھوڑنے کی رائے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہوا، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے اس عمل پر اللہ کا عذاب قریب آ گیا تھا، اگر یہ عذاب آتا تو اس سے بجز عمر بن خطاب اور سعد بن معاذ کے کوئی نہ بچتا کیوں کہ انہوں نے فدیہ لیکر چھوڑنے کی رائے سے اختلاف کیا تھا، خلاصہ یہ کہ آیت انفال سے بدر کے قیدیوں کو فدیہ لیکر بھی چھوڑنا ممنوع کر دیا تو بلا معاوضہ چھوڑنا بطریق اولیٰ ممنوع ہوگا، سورۂ محمد کی اس آیت نے ان دونوں باتوں کو جائز قرار دیا ہے، اس لئے اکثر صحابہ اور فقہاء نے فرمایا کہ سورۂ محمد کی اس آیت نے سورۂ انفال کی آیت کو منسوخ کر دیا، تفسیر مظہری میں قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اور حسن اور عطا اور اکثر صحابہ اور جمہور فقہاء کا یہی قول ہے اور ائمہ فقہاء میں سے، ثوری، شافعی، احمد، اسحٰق رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى کا بھی یہی مذہب ہے، اور حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا نے فرمایا کہ غزوۂ بدر کے بعد مسلمانوں کی تعداد اور قوت بڑھ گئی تو سورۂ محمد میں احسان اور فدیہ کی اجازت ہوگئی، تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى نے اس قول کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ یہی قول صحیح اور مختار ہے کیونکہ خود رسول اللہ ﷺ نے اس پر عمل فرمایا اور آپ کے بعد خلفاء راشدین نے اس پر عمل فرمایا اس لئے یہ آیت سورۂ انفال کی آیت کے لئے ناسخ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سورۂ انفال کی آیت غزوۂ بدر کے موقع پر ۲ھ میں نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے ۶ھ میں صلح حدیبیہ میں جن قیدیوں کو بلا معاوضہ آزاد فرمایا ہے وہ سورۂ محمد کی اس آیت کے مطابق ہے۔ (معارف)

صحیح مسلم میں حضرت انس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ سے روایت ہے کہ اہل مکہ میں سے اسی آدمی اچانک جبل تنعیم سے اتر آئے جو رسول اللہ ﷺ کو بے خبری میں قتل کرنا چاہتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو گرفتار کر لیا پھر بلا معاوضہ آزاد کر دیا، اسی پر سورۂ فتح کی یہ آیت نازل ہوئی **وهو الذی کف ایدیهم عنکم و ایدیکم عنهم (الآیة)** امام ابوحنیفہ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى کا مشہور مذہب ان کی ایک روایت کے مطابق یہ ہے کہ جنگی قیدیوں کو بلا معاوضہ یا معاوضہ لیکر آزاد کرنا جائز نہیں ہے، اسی لئے علماء حنفیہ نے سورۂ محمد کی مذکورہ آیت کو امام صاحب کے نزدیک منسوخ اور سورۂ انفال کی آیت کو ناسخ قرار دیا ہے، تفسیر مظہری نے یہ واضح کر دیا کہ سورۂ انفال کی آیت پہلے اور سورۂ محمد کی آیت بعد میں نازل ہوئی ہے، اس لئے سورۂ محمد کی آیت ناسخ اور سورۂ انفال کی آیت منسوخ ہے، امام صاحب کا مختار مذہب بھی جمہور صحابہ اور فقہاء کے مطابق آزاد کر دینے کے جواز کا نقل کیا گیا ہے، جب کہ اسلام

اور مسلمانوں کی اس میں مصلحت ہو، امام صاحب سے دوسری روایت سیر کبیر میں جمہور کے قول کے مطابق جواز کی منقول ہے اور یہی اظہر ہے اور امام طحاوی نے معانی الآثار میں اسی کو ابوحنیفہ کا مذہب قرار دیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ دونوں آیتوں میں سے کوئی منسوخ نہیں ہے مسلمانوں کے حالات اور ضرورت کے مطابق امام المسلمین کو اختیار ہے کہ ان میں سے جس صورت کو مناسب سمجھے اختیار کرلے، قرطبی نے رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین کے عمل سے یہ ثابت کیا ہے کہ جنگی قیدیوں کو کبھی قتل کیا گیا اور کبھی غلام بنایا گیا اور کبھی فدیہ لیکر چھوڑا گیا اور کبھی بغیر فدیہ کے آزاد کردیا گیا، اور فدیہ لینے میں یہ بھی داخل ہے کہ مسلمان قیدیوں کو ان کے بدلے میں آزاد کرالیا جائے، اور یہ بھی کہ ان سے کچھ مال لیکر چھوڑ دیا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ دونوں آیتیں محکم ہیں منسوخ نہیں ہیں، مجموعی طور پر جو صورت حال واضح ہوئی وہ یہ ہے کہ جب کفار کے قیدی مسلمانوں کے قبضے میں آجائیں تو امام المسلمین کو چار چیزوں کا اختیار ہے ① اگر مناسب اور مصلحت سمجھے تو قتل کردے ② اور اگر مسلمانوں کی مصلحت لونڈی اور غلام بنانے میں ہو تو ایسا کرلے ③ اور اگر مصلحت فدیہ لیکر یا مسمان قیدیوں کا تبادلہ کرنے میں سمجھے تو یہ بھی کرسکتا ہے ④ اور اگر بغیر کسی معاوضہ کے احسان کرکے چھوڑنا اسلام اور مسمانوں کی مصلحت اور مفاد میں ہو تو امام کو یہ بھی اختیار ہے۔ (معارف)

جنگی قیدیوں کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر:

قرآن مجید کی یہ پہلی آیت ہے جس میں قوانین جنگ کے متعلق ابتدائی ہدایات دی گئی ہیں، اس سے جو احکام نکلتے ہیں اور اس کے مطابق رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام نے جس طرح عمل کیا اور فقہاء نے اس آیت اور سنت سے جو استنباطات کئے ہیں ان کا ماحصل یہ ہے۔

❶ جنگ میں مسلمانوں کی فوج کا اصل ہدف دشمن کی جنگی طاقت کو توڑ دینا ہے، حتی کہ اس میں لڑنے کی سکت نہ رہے اور جنگ ہتھیار ڈالدے، اس ہدف سے توجہ ہٹا کر دشمن کے آدمیوں کو گرفتار کرنے میں نہ لگ جانا چاہئے، غلام بنانے کی طرف اس وقت توجہ کرنی چاہئے، جب دشمن کا اچھی طرح قلع قمع کردیا جائے، مسلمانوں کو یہ ہدایت آغاز ہی میں اس لئے دے دی گئی کہ کہیں وہ فدیہ حاصل کرنے یا غلام فراہم کرنے کے لالچ میں پڑکر جنگ کے اصل ہدف مقصود کو فراموش نہ کر بیٹھیں۔

❷ جنگ میں جو لوگ گرفتار ہوئے ہوں ان کے بارے میں فرمایا گیا کہ تمہیں اختیار ہے خواہ ان پر احسان کرو یا ان سے فدیہ کا معاملہ کرلو، اس سے عام قانون یہ نکلتا ہے کہ جنگی قیدیوں کو قتل نہ کیا جائے، حضرت عبداللہ بن عمر، حسن بصری، عطاء اور حماد بن ابی سلیمان، قانون کے اسی عموم کو لیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ آدمی کو قتل کرنا حالت جنگ میں درست ہے جب لڑائی ختم ہوگئی اور قیدی ہمارے قبضہ میں آگئے تو ان کو قتل کرنا درست نہیں، ابن جریر اور ابوبکر جصاص کی روایت ہے کہ حجاج بن یوسف نے جنگی قیدیوں میں سے ایک قیدی کو حضرت عبداللہ بن عمر کے حوالہ کیا اور حکم دیا کہ اسے قتل کردیں، انہوں نے انکار کردیا اور مذکورہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ ہمیں قید کی حالت میں کسی کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا، امام

محمد نے السیر الکبیر میں بھی ایک واقعہ لکھا ہے کہ عبداللہ بن عامر نے حضرت عبداللہ بن عمر کو ایک جنگی قیدی کے قتل کا حکم دیا تھا اور انہوں نے حکم کی تعمیل سے اسی بناء پر انکار کر دیا تھا۔

❸ مگر چونکہ اس آیت میں قتل کی صاف ممانعت نہیں کی گئی ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کا منشاء یہ سمجھا اور اسی پر عمل بھی فرمایا کہ اگر کوئی خاص وجہ ایسی ہو جس کی بناء پر امیر وقت کسی قیدی یا بعض قیدیوں کو قتل کرنا ضروری سمجھے تو وہ ایسا کر سکتا ہے یہ عام قاعدہ نہیں ہے بلکہ یہ عام قاعدہ سے ایک استثنائی صورت ہے جس کو بضرورت استعمال کیا جائے گا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر کے ستر قیدیوں میں سے صرف عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث کو قتل کیا، جنگ خیبر میں جو لوگ گرفتار ہوئے ان میں سے صرف کنانہ بن ابی الحقیق کو قتل کیا گیا، اس لئے کہ اس نے بدعہدی کی تھی، فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے تمام اہل مکہ میں سے صرف چند اشخاص کے متعلق حکم دیا کہ ان میں سے جو بھی پکڑا جائے وہ قتل کر دیا جائے، ان مستثنیات کے سوا آپ کا عام طریقہ اسیران جنگ کو قتل کرنے کا کبھی نہیں رہا اور یہی عمل خلفاء راشدین کا بھی تھا۔

بنی قریظہ نے چونکہ اپنے آپ کو حضرت سعد بن معاذ کے فیصلے پر حوالہ کیا تھا اور ان کے اپنے تسلیم کردہ حکم کا فیصلہ یہ تھا کہ ان کے مردوں کو قتل کر دیا جائے، اس لئے آپ نے ان کو قتل کرا دیا، بنی قریظہ کے قیدیوں میں سے آپ ﷺ نے زبیر بن باطا اور عمر بن سعد کی جان بخشی کی، زبیر کو اس لئے چھوڑا کہ اس نے جاہلیت کے زمانہ میں جنگ بعث کے موقع پر حضرت ثابت بن قیس انصاری کو پناہ دی تھی، اس لئے آپ نے اس کو ثابت بن قیس کے حوالہ کر دیا تاکہ اس کے احسان کا بدلہ ادا کر دیں، اور عمر بن سعد کو اس لئے چھوڑا کہ جب بنی قریظہ حضور کے ساتھ بدعہدی کر رہے تھے اس وقت یہ شخص اپنے قبیلے کو غداری سے منع کر رہا تھا۔ (کتاب الاموال لابی عبید ملخصًا)

مشروعیت جہاد کی ایک حکمت:

وَلَوْ يَشَاءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ (الآیۃ) اس آیت میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اس امت میں کفر سے جہاد و قتال کی مشروعیت درحقیقت ایک رحمت ہے کیونکہ وہ آسمانی عذاب کے قائم مقام ہے کیونکہ کفر و شرک اور اللہ سے بغاوت کی سزا پچھلی قوموں کو آسمانی اور زمینی عذابوں کے ذریعہ دی گئی ہے، امت محمدیہ ﷺ میں بھی ایسا ہو سکتا تھا مگر رحمۃ للعالمین کی برکت سے اس امت کو ایسے عام عذابوں سے بچا لیا گیا، اس کے قائم مقام جہاد شرعی کو کر دیا گیا جس میں بہ نسبت عذاب عام کے بڑی سہولتیں اور مصلحتیں ہیں، مثلاً آسمانی یا زمینی عذاب میں پوری کی پوری قومیں جس میں مرد عورت بچے جانور سب ہی تباہ ہو جاتے ہیں جہاد میں ایسا نہیں ہوتا، نیز جہاد کی مشروعیت کا ایک اہم فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ جہاد و قتال کے دونوں فریق، مسلمان اور کافر کا امتحان ہو جاتا ہے کہ کون اللہ کے حکم پر اپنی جان و مال نثار کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے اور کون کفر و سرکشی پر جما رہتا ہے یا اسلام کے روشن دلائل دیکھ کر اسلام قبول کر لیتا ہے۔

حکم: یہ ضروری نہیں کہ قید قتل سے مؤخر ہو جیسا کہ بظاہر کلمہ حتی اور فاء سے متبادر ہے، بلکہ یہ تحریض وتاکید ہے کہ صرف لڑنے والوں کے ہی قتل پر اکتفاء نہ ہو بلکہ مغلوبوں کو خوب کس کر باندھ لو، مطلب یہ کہ نہتھے، ہتھیار بند و خانہ نشین غرضیکہ میدان میں آنے والے سب پر عذاب الٰہی نازل ہے ایک کو نہ چھوڑو چونکہ بدون قتال وخونریزی دشمن مغلوب نہیں ہوتا۔

(خلاصۃ التفاسیر، تائب)

حکم: شد وثاق سے صرف کس کر باندھ لینا ہی مراد نہیں ہے بلکہ کمال ہوشیاری مراد ہے، خواہ باندھو یا اسیر کردو یا اور کوئی طریقہ اختیار کرو۔

فائدہ: صحیح یہ ہے کہ یہ آیت نہ منسوخ ہے اور نہ مخصوص، صاحب تفسیر مظہری نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے اور صاحب تفسیر احمدی نے بھی اسی [illegible] اس لئے کہ یہ آیت خواہ واقعۂ بدر سے مقدم ہو یا مؤخر، اگر مقدم ہے تو زر فدیہ لینے پر عتاب کیوں ہوا؟ اور اگر مؤخر ہے تو [illegible] نہیں، اب رہیں دوسری آیات تو وہ عموم قتل کفار پر دال ہیں نہ کہ احسان اور فدیہ سے متعلق، جب آیت محکم غیر منسوخ [illegible] تو مطلب یہ ہوا کہ امام مختار ہے ① چاہے قتل کرے جیسا کہ کلمہ اثخنتمو سے ظاہر ہے ② یا غلام بنائے جیسا کہ شدو ثاق سے مفہوم ہے ③ یا مفت چھوڑ دے جیسا کہ کلمہ من سے ظاہر ہے، اور عالمگیری میں حنفیہ سے مفت چھوڑنے کی روایت موجود ہے ④ اور چاہے مسلمان قیدیوں سے تبادلہ کرے، اختلاف ذکر کرنے کے بعد یہی مذہب [illegible] ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی ظاہر روایت سے سیر کبیر میں منقول ہے ⑤ معاوضہ مالی لیکر چھوڑ دے، [illegible] ہدایہ [illegible] کہ بہ شرط ضرورت جائز ہے، معلوم ہوا کہ من و فداء میں حصر نہیں ہے۔

(خلاصۃ التفاسیر بحوالہ عالمگیری)

مسئلہ: مفت چھوڑنا اس وقت تک جائز ہے کہ وہ اسیر کسی کے حصہ میں نہ آیا ہو۔ (ہدایہ)

مسئلہ: اسیر کے عوض رہا کرنا تب ہے کہ وہ قیدی ایمان نہ لایا ہو۔

فائدہ: کافر جب قید ہو کر ایمان لے آئے تو سوائے استرقاق کے تمام امور سے بری ہے یعنی نہ قتل کیا جا سکتا ہے اور نہ فدیہ میں دیا جا سکتا ہے البتہ غلامی سے رہائی بدون عتق نہ ہوگی۔

حکم: لڑائی موقوف ہو جانے سے یہ مطلب نہیں کہ مقابل مغلوب ہو کر مطیع ہو جائے بلکہ مراد یہ ہے کہ تمام عالم میں کوئی مقابل نہ رہے اور یہ حضرت عیسیٰ اور امام مہدی کے زمانہ میں ہوگا، حدیث میں وارد ہے لاتزال طائفة من امتی یقاتلون علی الحق ظاهرین علی من ناواهُم حتی یقاتل آخر هم المسيح الدجال (ابوداؤد) اور فرمایا الجهاد ماضٍ الی يوم القيامة۔ (ابن کثیر) (خلاصۃ التفاسیر ملخصًا، تائب لکھنوی)

إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ فِي الدُّنْيَا وَيَأْكُلُونَ

كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ اى لَيسَ لَهُم همَّةٌ الا بُطُونَهم وفُرُوجهم وَلَا يَلْتَفِتُونَ الى الاخرةِ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿١٢﴾ مَنزِلٌ ومَقامٌ ومَصِيرٌ وَكَأَيِّنْ وكَم مِّن قَرْيَةٍ أُرِيدَ بها أَهلُها هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِّن قَرْيَتِكَ مَكَّةَ اى أَهلها الَّتِي أَخْرَجَتْكَ رُوعِيَ لفظُ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهُمْ رُوعِيَ مَعنَى قَرْيَةٍ الأولى فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿١٣﴾ مِن إهلاكِنا أَفَمَن كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ حُجَّةٍ وبُرهان مِّن رَّبِّهِ وهُم المُؤمِنُونَ كَمَن زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرآهُ حَسَنًا وهُم كُفَّارُ مَكَّةَ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُم ﴿١٤﴾ فِي عِبَادَةِ الأوثانِ اى لا مُمَاثَلَة بينهما مَّثَلُ اى صِفَةُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ المُشتَرِكَةُ بَيْنَ دَاخِلِيهَا مُبتدأٌ خَبَرُه فِيهَا أَنْهَارٌ مِّن مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ بالمَدِّ والقصرِ كضَارِب وحَذِر اى غَير مُتَغَيِّرٍ بِخلافِ مَاءِ الدُّنيا فيَتغَيَّرُ لِعَارِض وَأَنْهَارٌ مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ بخلافِ لَبَنِ الدُّنيا لِخُرُوجِه مِنَ الضُّرُوعِ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لَذِيذَةٍ لِّلشَّارِبِينَ بخلافِ خَمرِ الدُّنيا فإنَّها كَرِيهَةٌ عِندَ الشُّربِ وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى بخلافِ عَسَلِ الدُّنيا فإنَّهُ لِخُرُوجِهِ مِن بُطُونِ النَّحلِ يُخالِطُهُ الشَّمعُ وغَيرُهُ وَلَهُمْ فِيهَا أصنافٌ مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ فَهُوَ رَاضٍ عَنهُم مَعَ إحسَانِهِ اليهم بِمَا ذُكِرَ بِخلافِ سَيِّدِ العَبِيدِ فِي الدُّنيا فإنَّه قد يَكُونُ مَعَ إحسَانِهِ اليهم سَاخِطًا عليهم كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ خَبَرُ مُبتدأٍ مُقَدَّرٍ اى أَمَنْ هُوَ فى هذا النَّعِيمِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا اى شَدِيدَ الحَرارةِ فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ﴿١٥﴾ اى مَصَارِينَهم فخَرَجَتْ مِن أَدبَارِهم وهو جَمعُ مَعًا بالقَصرِ وألِفُه عِوَضٌ عَن يَاءٍ لِقَولِهم مَعْيَان وَمِنْهُم اى الكُفَّارِ مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ فى خُطبَةِ الجُمُعَةِ وهُم المُنَافِقُونَ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِندِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ لِعُلَمَاءِ الصَّحَابَةِ مِنهم ابنُ مَسعُودٍ وابنُ عَبَّاسٍ استِهزَاءً وسُخرِيَّةً مَاذَا قَالَ آنِفًا بالمَدِّ والقَصرِ اى السَّاعَةَ اى لَا نَرجِعُ اليه أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ بالكُفرِ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ﴿١٦﴾ فى النِّفَاقِ وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا وهُم المُؤمِنُونَ زَادَهُمْ اللهُ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ﴿١٧﴾ أَلهَمَهُم مَا يَتَّقُونَ به النَّارَ فَهَلْ يَنظُرُونَ مَا يَنتَظِرُونَ اى كُفَّارُ مَكَّةَ إِلَّا السَّاعَةَ أَن تَأْتِيَهُم بَدَلُ اشتِمَالٍ مِنَ السَّاعَةِ اى لَيسَ الأمرُ إلَّا أَن تَأتِيَهم بَغْتَةً فَجأَةً فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا عَلامَاتُها منها بِعثَةُ النَّبيِّ صلى اللهُ عليه وسلم وانشِقَاقُ القَمَرِ والدُّخَانُ فَأَنَّىٰ لَهُمْ إِذَا جَاءَتْهُمْ السَّاعةُ ذِكْرَاهُمْ ﴿١٨﴾ تَذَكُّرُهُم اى لا تَنفَعُهُم فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ اى دُم يَا مُحَمَّدُ عَلى عِلمِك بذلِك النافعِ فى القيامة وَاسْتَغْفِرْ لِذَنبِكَ لأجلِه قِيلَ لَهُ ذلك مَعَ عِصمَتِهِ لِتَستَنَّ به أُمَّتُهُ وقد فَعَلَهُ صلى الله عليه وسلم قال صلى الله عليه وسلم إنّى لَأستَغفِرُ اللهَ فِي كُلِّ يَومٍ مِائَةَ مَرَّةٍ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ فِيهِ إكرامٌ لهم بأمرِ نَبِيِّهم بالاستغفار لهم وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ مُنصَرَفَكُم لِاشتِغَالِكُم بالنَّهارِ وَمَثْوَاكُمْ ﴿١٩﴾ مَأْوَاكُم الى مَضَاجِعِكم بِاللَّيلِ اى هُو عَالِمٌ بجميعِ أحوَالِكُم لا يَخفَى عليه شيءٌ منها فاحذَرُوهُ والخِطَابُ لِلمُؤمِنِينَ وغيرِهم

ترجمہ: جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے انہیں اللہ تعالیٰ یقیناً ایسے باغوں میں داخل کرے گا کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اور کفر کرنے والے دنیا میں (چند روزہ) زندگی کے مزے لوٹ رہے ہیں اور جانوروں کی طرح کھا (پی) رہے ہیں یعنی ان کے پیش نظر (شہوت بطن وفرج یعنی) پیٹ اور پیٹھ کی شہوت کے علاوہ کچھ نہیں اور وہ آخرت کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور جہنم ان کا ٹھکانہ ہے (یعنی) ان کی منزل، مقام اور ٹھکانہ جہنم ہے (اے نبی) ہم نے کتنی ہی بستیوں کو مراد بستی والے ہیں جو طاقت میں تیری اُس بستی مکہ سے یعنی مکہ والوں سے زیادہ تھیں جس سے تجھ کو نکالا (اَخْـرَجَتْكَ) میں لفظ قـریـة کی رعایت کی گئی ہے ہلاک کر دیا اول قـریـة کے معنی کی رعایت کی گئی ہے کہ کوئی ان کو ہماری ہلاکت سے بچانے والا نہ ہوا، بھلا نہیں ایسا ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ جو اپنے پروردگار کی طرف سے حجت و برہان پر ہوں اور وہ مومن بھی ہوں اس شخص کی طرح ہو جائیں جس کے لئے اس کا بُرا عمل خوشنما بنا دیا گیا ہو تو وہ اس عمل کو اچھا سمجھنے لگا ہو، اور بتوں کی بندگی میں اپنی خواہشات کے پیرو بن گیا ہو یعنی ان کے درمیان میں کوئی مماثلت نہیں ہے اور اس جنت کی صفت جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے وہ جنت ہے جو مشترک ہے اس میں داخل ہونے والوں میں (الـجـنة الخ) مبتداء ہے (فیهـا انهارٌ) اس کی خبر ہے یہ ہے کہ اس میں ایسے پانی کی نہریں ہیں جو بدبو کرنے والا نہیں (سـن) مد اور بغیر مد (دونوں طرح ہے) جیسا کہ ضـارِبٌ و حَـذِرٌ یعنی وہ پانی متغیر ہونے والا نہیں بخلاف دنیا کے پانی کے کہ وہ کسی عارض کی وجہ سے متغیر ہو جاتا ہے اور دودھ کی نہریں ہیں کہ جن کا مزہ نہیں بدلا بخلاف دنیا کے دودھ کے، اس کے تھنوں سے نکلنے کی وجہ سے اور شراب کی نہریں ہیں جن میں پینے والوں کے لئے بڑی لذت ہے بخلاف دنیا کی شراب کے کہ وہ پینے کے وقت بدمزہ ہے اور صاف شہد کی نہریں ہیں بخلاف دنیوی شہد کے اس شہد کے مکھی کے پیٹ سے نکلنے کی وجہ سے اس میں موم وغیرہ مل جاتا ہے اور ان کے لئے وہاں ہر قسم کے میوے ہیں اور ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے وہ ان سے راضی ہے ان کے ساتھ مذکورہ احسان کرنے کے باوجود، بخلاف دنیا میں غلاموں کے آقا کے، کہ وہ بعض اوقات ان پر احسان کرنے کے ساتھ ان سے ناراض بھی ہوتا ہے کیا یہ اس کے مثل ہے جو ہمیشہ آگ میں رہنے والا ہے؟ یہ مبتدا محذوف (یعنی) اَمَنْ هُوَ فِي هذا النعيم کی خبر ہے یعنی وہ شخص جو ان نعمتوں میں ہوگا وہ اس شخص جیسا ہے کہ جو ہمیشہ آگ میں رہے گا اور جنہیں گرم یعنی نہایت شدید گرم پانی پلایا جائے گا، جو ان کی امعاء کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا یعنی ان کی آنتوں کے، تو وہ (کٹ کر) ان کی دُبروں سے نکل جائیں گی، اور امـعـاء مِعًا بالمد کی جمع ہے، اور اس کا الف یاء کے عوض میں ہے (تثنیہ) میں ان کے قول مِعْيانٌ کی دلیل سے اور ان کفار میں بعض ایسے ہیں کہ جو جمعہ کے خطبہ میں آپ کی طرف (بظاہر) کان لگاتے ہیں اور وہ منافق ہیں یہاں تک کہ جب وہ آپ کے پاس سے جاتے ہیں تو اہل علم علماء صحابہ سے جن میں ابن مسعود اور ابن عباس شامل ہیں استہزاءً پوچھتے ہیں ابھی اس نے کیا کہا؟ (آنفًا) مد اور بلا مد (دونوں) بمعنی ساعت (ابھی) ہم اس کی طرف توجہ نہیں دیتے یہی ہیں وہ لوگ جن کے دلوں پر کفر کی وجہ سے اللہ نے مہر لگا دی

اور وہ نفاق میں اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں اور وہ مومنین ہیں اللہ نے انہیں ہدایت میں اور بڑھا دیا ہے اور انہیں ان کی پرہیزگاری عطا فرمائی (یعنی) ان کو اس چیز کی توفیق عطا فرمائی جس کے ذریعہ وہ آگ سے محفوظ رہیں گے ان کفار مکہ کو صرف قیامت کا انتظار ہے کہ وہ ان کے پاس اچانک آجائے (تَأْتِيَهُمْ) اَلسَّاعَةَ سے بدل الاشتمال ہے یعنی (یقین کرنے کی) اب کوئی صورت باقی نہیں مگر یہ کہ ان پر اچانک قیامت آجائے یقیناً اس کی علامات تو آچکی ہیں ان میں ایک آنحضرت ﷺ کی بعثت ہے اور چاند کا پھٹ جانا ہے اور دھواں ہے پھر جب ان کے پاس قیامت آجائے تو ان کو نصیحت کہاں حاصل ہوگی؟ یعنی نصیحت ان کو کہاں فائدہ دے گی سواے نبی آپ ﷺ یقین کریں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں یعنی اے محمد تم اپنے اس علم پر جو کہ قیامت میں نافع ہے دائم رہو اور اپنی خطا کے لئے بخشش مانگا کریں آپ ﷺ کے معصوم ہونے کے باوجود آپ سے بخشش مانگنے کے لئے کہا گیا، تاکہ آپ کی امت اس کی پیروی کرے اور آپ ﷺ نے اس پر عمل فرمایا بھی، آپ ﷺ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے روزانہ سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں، اور مومنین و مومنات کے لئے بھی، نبی کو مومنین کے لئے استغفار کا حکم دینے میں امت کا اکرام ہے اور اللہ دن میں تمہارے کام کاج کے لئے آمد و رفت کو اور رات میں تمہارے قیام کی جگہ کو خوب جانتا ہے یعنی وہ تمہارے تمام احوال سے واقف ہے ان میں سے اس پر کوئی شی مخفی نہیں ہے تو اس سے ڈرتے رہو اور خطاب مومنین وغیرہ سب کے لئے ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: مَثْوًى ظرف مکان ہے، ٹھکانہ، مدت دراز تک ٹھہرنے کا مقام (جمع) مَثَاوِی.

قِوْلَہٗ: والنارُ مَثْوًى لَهُمْ مبتداء خبر سے مل کر جملہ مستانفہ ہے۔

قِوْلَہٗ: كَأَيِّنْ یہ کاف اور اَیٌّ سے مرکب ہے کَمْ خبریہ کے معنی میں ہے مبتداء ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے۔

قِوْلَہٗ: هِيَ اَشَدُّ الخ جملہ ہو کر قَرْيَة کی صفت ہے۔

قِوْلَہٗ: اَخرجَتْكَ، اَخرجَتْكَ کی ضمیر مؤنث لانے میں قریہ اولیٰ کی لفظ کی رعایت کی گئی ہے اور اَهْلَكْنَاهُمْ کی ضمیر میں قریہ ثانیہ کے معنی کی رعایت کی گئی، یعنی قَرْيَةً سے اہل قریہ مراد ہونے کی وجہ سے ضمیر کو مذکر لایا گیا ہے۔

قِوْلَہٗ: المشتركةُ یعنی جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے وہ تمام مومنین کے درمیان مشترک ہے اس لئے کہ ہر مومن شرک سے متقی ہے، البتہ متقین کاملین کے لئے اعلیٰ درجہ کی جنت ہے۔

قِوْلَہٗ: اَلجنةُ الَّتِي مبتداء ہے اور فيها انهرٌ اس کی خبر ہے۔

سُؤَالٌ: خبر جملہ ہے، اور جب خبر جملہ ہوتی ہے تو عائد ضروری ہوتا ہے مگر یہاں کوئی عائد نہیں ہے۔

جَوَابٌ: جب خبر عین مبتداء ہوتی ہے تو عائد ضروری نہیں، یہاں ایسا ہی ہے۔

قَوْلُہٗ: اسِنٌ (س،ض) اَسَنًا پانی کا متغیر ہونا، بدبودار ہونا۔

قَوْلُہٗ: لَذِیْذَۃٍ اس میں اشارہ ہے کہ مصدر بمعنی اسم فاعل ہے اور اسناد مجازی ہے جیسا کہ زیدٌ عدلٌ میں یعنی جنت کی شراب اس قدر لذیذ ہے کہ گویا وہ خود سراپا لذت ہی لذت ہے، اس کو سوال و جواب کی شکل میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ من خمرٍ لذّۃٍ میں مصدر کا حمل ذات پر ہو رہا ہے جو درست نہیں ہے، جواب یہ ہے کہ یہ حمل زید عدلٌ کے قبیل سے مبالغۃ ہے۔

قَوْلُہٗ: لَھُمْ فیھا، لھُمْ کائنٌ یاموجودٌ کے متعلق ہو کر خبر مقدم ہے فیھا محذوف سے متعلق ہے اور مبتداء محذوف ہے جیسا کہ مفسر علام نے اَصْنَافٌ محذوف مان کر مبتداء محذوف کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

قَوْلُہٗ: فَھُوَ رَاضٍ عنھم اس جملہ کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: اللہ تعالیٰ کے قول ولھم فیھا من کلِّ الثمراتِ ومغفرۃ من رَّبّھم سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح دخول جنت کے بعد جنتیوں کو میوے ملیں گے اسی طرح مغفرت بھی جنت میں ملے گی حالانکہ مغفرت دخولِ جنت سے پہلے ہونی چاہئے۔

جَوَابٌ: مغفرت سے یہاں رضا مراد ہے جو کہ جنت میں حاصل ہوگی۔

قَوْلُہٗ: مَنْ ھُوَ خَالِدٌ فی النار مبتداء محذوف کی خبر ہے، مفسر علام نے مبتداء محذوف کی طرف اپنے قول اَمَنْ ھُوَ فی ھذا النعیم سے اشارہ کر دیا۔

قَوْلُہٗ: اَمعاء انتڑیاں اَمْعَاء، مَعًا کی جمع ہے اس کا الف یاء سے بدلا ہوا ہے نہ کہ واؤ سے، اس لئے کہ اس کا واحد معیٌ اور تثنیہ مَعْیَانُ آتا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ مَعًا کا الف یاء سے بدلا ہوا ہے۔

قَوْلُہٗ: مَصَارِیْنَ، مصارِین مَصِیْرٌ کی جمع الجمع ہے یعنی مصیر کی جمع مصران اور مصران کی جمع مَصَارِیْنَ ہے، اس کے معنی انتڑیاں، فارسی میں رودہ کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: لایُرْجع الیہ اس کی طرف توجہ نہیں کی جاتی یا وہ قابل التفات نہیں، صحیح نسخہ نرْجِعُ جمع متکلم کا صیغہ ہے یعنی ہم اس کی باتوں کی طرف توجہ نہیں دیتے تم ہی بتاؤ حضرت نے ابھی کیا فرمایا؟ (فتح القدیر شوکانی)

قَوْلُہٗ: فَانّٰی لَھُمْ خبر مقدم ہے اور ذِکراھم مبتداء مؤخر ہے اِذَاجَاءَتْھُمُ السَّاعَۃُ جملہ معترضہ ہے اور اِذَا کا جواب محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے اِذَا جَاءَ تْھُمُ السَّاعَۃُ فَکَیْفَ یَتَذَکَّرُوْنَ.

قَوْلُہٗ: اُولٰئِكَ مبتداء ہے اَلَّذِیْنَ طَبَعَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ اس کی خبر۔

قَوْلُہٗ: وَالَّذِیْنَ اھتَدَوْا مبتداء زَادَھُمْ اس کی خبر۔

قَوْلُہٗ: اَشْرَاطُھَا اشراط جمع شَرَطٍ بفتح الراء بمعنی علامت۔

قَوْلُہٗ: فَاعْلَمْ اَنَّہٗ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یعنی جب مومنین کی سعادت اور کافروں کی شقاوت معلوم ہوگئی تو آپ آئندہ بھی اپنے علم بالوحدانیت وغیرہ پر قائم رہیے۔

قَوْلُہٗ: اِسْتَغْفِرْلِذَنْبِكَ ای اِستَغفِرِ اللّٰہَ اَنْ یَقَعَ مِنْكَ الذَنْبُ او اِسْتَغفِرِ اللّٰہَ لِیَعْصِمَكَ وقیل الخطاب لہ والمراد الاُمَّۃ مگراس آخری توجیہ کا، آئندہ جملہ جو کہ وہ وللمؤمنین والمؤمنات ہے، انکار کرتا ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيحُ

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ (الآیۃ) یعنی جس طرح جانور کھاتا ہے اور کچھ نہیں سوچتا کہ یہ رزق کہاں سے آیا ہے؟ کس کا پیدا کیا ہوا ہے؟ اور اس رزق کے ساتھ میرے اور پر رازق کے کیا حقوق عائد ہوتے ہیں؟ اسی طرح یہ لوگ بھی بس کھائے جا رہے ہیں، چرنے چگنے سے مطلب، آگے انھیں کسی چیز کی فکر نہیں ہے، جانور کے کھانے میں اور انسان کے کھانے میں بظاہر کوئی فرق نہیں دونوں کی غرض ایک ہے یعنی تلذذ اور بقائے جسم وقوت، مگر حقیقت یہ نہیں ہے، جانور اس لئے کھاتا ہے کہ لذت اندوز ہو اور حیات وصحت باقی رہے اور انسان کا مقصد اس کھانے سے قوت خدمت، اطمینان قلب، قوت ذکر، کثرت عبادت ہوتی ہے، اگر کسی انسان کا یہ مقصد نہ ہو تو اس کا کھانا پینا جانور کے مانند ہوگا، ایسے ہی انسانوں کے بارے میں کہ جن کا مقصد شکم پُری اور جنس کا تقاضہ پورا کرنے کے علاوہ کچھ نہ ہو، فرمایا: ان کا کھانا حیوانوں کے مانند ہوتا ہے۔

کھڑے ہو کر کھانے کی ممانعت:

حکم: اس سے ضمناً کھڑے کھڑے کھانے کی ممانعت کا بھی اثبات ہوتا ہے جس کا مغربی تہذیب کی اتباع میں آج کل دعوتوں میں عام رواج ہو چلا ہے، کھڑے ہو کر کھانا پینا جانوروں کی خصلت ہے، حدیث شریف میں کھڑے ہو کر پانی پینے کی تاکیدی ممانعت آئی ہے جس سے کھڑے ہو کر کھانے کی ممانعت بطریق اولیٰ ثابت ہوتی ہے، اس لئے جانوروں کی طرح کھڑے ہو کر کھانے پینے سے اجتناب کرنا چاہئے۔ (زادالمعاد) مغربی تہذیب کا مقصد ہی منصوبہ بند طریقے سے اسلامی تہذیب کی مخالفت کرنا ہے، لہٰذا مسلمانوں اور علماء کو بالخصوص ایسی محفلوں، دعوتوں میں شرکت سے احتراز کرنا چاہئے۔

شانِ نزول:

عبد بن حُمید اور ابویعلیٰ اور ابن ابی حاتم اور ابن جریر وابن مردویہ نے ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ جب مکہ سے (بارادۂ ہجرت) غار کی طرف نکلے تو آپ نے مکہ کی طرف رخ کر کے فرمایا اَنْتَ اَحَبُّ بلادِ اللّٰہِ فِیَّ وَلَو لَاۤ اَنَّ اَھْلَكَ اخرجُوْنی منكَ لَمْ أخروج الخ اے مکہ تو اللہ کے شہروں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے، اگر تیرے فرزند مجھے تجھ سے نہ نکالتے تو میں نہ نکلتا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (فتح القدیر شوکانی)

اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ (الآیۃ) بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ پیغمبر اور اس کے متبعین کو جب خدا کی طرف سے ایک صاف اور سیدھا راستہ مل گیا ہے اور پوری بصیرت کے ساتھ وہ اس پر قائم ہو چکے ہیں تو اب وہ ان لوگوں کے ساتھ چل سکیں جو

اپنی پرانی جاہلیت کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں جو شیطان کے دام فریب میں پھنس کر ضلالتوں کو ہدایت اور اپنی بدکرداریوں کو خوبی سمجھ رہے ہیں، جو کسی دلیل کی بناء پر نہیں بلکہ اپنی خواہشات کی بناء پر حق و باطل کا فیصلہ کرتے ہیں، نہ دنیا میں ان دونوں فریقوں کی زندگی ایک جیسی ہے اور نہ آخرت میں ان کا انجام یکساں ہو سکتا ہے۔

مِنْ مَاءٍ غَيْرِ آسِنٍ ، آسِن اس پانی کو کہتے ہیں جس کا رنگ و مزہ بدل گیا ہو تیز بدبودار بھی ہو گیا ہو، دنیا میں دریاؤں اور نہروں کے پانی عام طور پر گندے ہوتے ہیں ان میں ریت مٹی طرح طرح کی نباتات ملنے کی وجہ سے ان کا رنگ اور مزہ بدل جاتا ہے، اس لئے جنت کی نہروں کی یہ تعریف بیان کی گئی ہے کہ وہ غیر آسن ہوگا، اسی طرح دنیا کا دودھ چونکہ گائے بھینس بکری وغیرہ کے تھنوں سے نکلتا ہے، جس کی وجہ سے کبھی خراب بھی ہو جاتا ہے جنت کا دودھ چونکہ جانوروں کے تھنوں سے نکلا ہوا نہیں ہوگا بلکہ اس کی نہریں ہوں گی، اس لئے جس طرح وہ نہایت لذیذ ہوگا اسی طرح خراب ہونے سے بھی محفوظ ہوگا، غرض یہ کہ جنت کی نعمتوں اور دنیا کی نعمتوں میں مشارکت اسمی کے علاوہ اور کوئی مناسبت نہیں ہوگی اور یہ اسمی مشارکت بھی سمجھانے کے لئے ہے ورنہ وہاں کے دودھ کو یہاں کے دودھ سے اور وہاں کے پانی کو یہاں کے پانی سے اور وہاں کے شہد کو یہاں کے شہد سے اور وہاں کے پھلوں کو یہاں کے پھلوں سے نہ کوئی مناسبت اور نہ موازنہ۔

وَمَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ اللہ تعالیٰ نے جنت کی نعمتوں کے بعد مغفرت کا ذکر فرمایا ہے، مغفرت کے ذکر کرنے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں اول یہ کہ یہ نعمت جنت کی ساری نعمتوں سے بڑھ کر ہوگی، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جو کوتاہیاں جنتیوں سے ہوئی تھیں ان کا ذکر تک جنت میں کبھی سامنے نہیں آئے گا بلکہ اللہ تعالیٰ ان پر ہمیشہ کے لیے پردہ ڈال دے گا تاکہ جنت میں وہ شرمندہ نہ ہوں۔

وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتَّى إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ (الآية) یہ منافقین کا ذکر ہے، منافقین کا یہ طریقہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کی مجلس میں حاضر تو ہوتے تھے مگر باہر نکل کر علماء صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے معلوم کرتے تھے کہ آنحضرت نے ابھی کیا فرمایا؟ اور یہ پوچھنا بطور تمسخر ہوتا تھا، تاکہ معلوم ہو کہ ہم ان کی باتوں کی طرف توجہ نہیں دیتے، اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی تھی کہ ان کی نیت چونکہ صحیح نہیں ہوتی تھی اس لئے نبی ﷺ کی باتیں ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں وہ مجلس سے باہر آکر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے پوچھتے تھے کہ ابھی آپ ﷺ نے کیا فرمایا؟ یعنی وہی باتیں جن کو سن کر کفار و منافقین پوچھتے ہیں کہ ابھی ابھی آپ کیا فرما رہے تھے؟ ہدایت یافتہ لوگوں کیلئے مزید ہدایت کی موجب ہوتی ہیں اور جس مجلس سے وہ بدنصیب لوگ اپنا وقت ضائع کرکے اٹھتے ہیں اسی مجلس سے خوش نصیب لوگ علم و عرفان کا نیا خزانہ حاصل کرکے پلٹتے ہیں۔

فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً جہاں تک حق کے واضح ہونے کا تعلق ہے وہ تو دلائل سے اور قرآن کے معجزانہ بیان سے، محمد ﷺ کی سیرت پاک سے اور صحابہ کرام کی زندگیوں کے انقلاب سے انتہائی روشن طریقہ پر واضح ہو چکا ہے، اب کیا ایمان لانے کیلئے یہ لوگ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ قیامت ان کے روبرو آکھڑی ہو؟ اور یہ تمام غیبی باتوں کا عینی مشاہدہ کرلیں، اس وقت تو بڑے سے بڑا کافر بھی ایمان لاتا ہے مگر اس ایمان کا کوئی اعتبار نہیں۔ خلاصہ یہ کہ ایمان

کے لئے تمام شواہد ودلائل آچکے جو کہ ایک صاحب عقل وبصیرت کے ایمان لانے کے لئے کافی ہیں اب بھی اگر ایمان نہیں لاتے تو بس اب ایک علامت جس میں تمام مغیبات مشاہد ہو جائیں گے باقی رہ گئی ہے، اور وہ ہے قیامت۔

فَقَدْ جَاءَ اَشْرَاطُهَا (الآیة) اگر مشرکین وکفار کو قیامت کے برپا ہونے کا انتظار ہے تو اس کی علامات بعیدہ تو آچکی ہیں ان میں سے ایک بڑی علامت خود نبی ﷺ کی بعثت ہے، صحیحین وغیرہما میں حضرت انس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰیعَنْهُ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بعثتُ انا والساعةُ کهاتین میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے ہیں اور آپ نے اپنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا: جس طرح ان دونوں انگلیوں کے درمیان کوئی انگلی نہیں ہے، اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے اور اسی جیسی ایک حدیث بخاری شریف میں سہل بن سعد رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰیعَنْهُ سے بھی مروی ہے۔

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ (الآیة) اس آیت میں نبی ﷺ کو استغفار کا حکم دیا گیا ہے اپنے لئے بھی اور مومنین کے لئے بھی، یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام تو معصوم ہوتے ہیں پھر ان کو استغفار کا کیوں حکم دیا گیا ہے؟

جَوَابُ: بوجہ عصمت اگرچہ انبیاء علیہم السلام سے گناہ کے سرزد ہونے کا احتمال نہیں تھا مگر عصمت کے باوجود بعض اوقات خطاء اجتہادی سرزد ہو جاتی ہے، خطاء اجتہادی اگرچہ قانون شرع میں گناہ نہیں ہے بلکہ اس پر بھی اجر ملتا ہے انبیاء علیہم السلام کو ان کی خطاء پر متنبہ کر دیا جاتا ہے مگر ان کی شانِ عالی کے اعتبار سے اس کو ذنبٌ سے تعبیر کر دیا جاتا ہے جیسا کہ سورۂ عبس میں آپ پر ایک قسم کا عتاب فرمایا وہ بھی اسی خطاء اجتہادی کی مثال تھی جس کی تفصیل (انشاء اللہ) سورۂ عبس میں آئیگی۔ (معارف)

اور بعض حضرات نے ''ذنب'' سے مراد خلاف اولیٰ لیا ہے جس کا انبیاء سے سرزد ہونا ممکن ہے اور نہ یہ عصمت کے خلاف ہے، بعض اوقات امت کی سہولت اور بیانِ جواز کے لئے نبی خلاف اولیٰ کو اختیار کر لیتا ہے، اس کے علاوہ اسلام نے جو اخلاق انسان کو سکھائے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بندہ اپنے رب کی بندگی بجالانے میں اداءِ حق کی خاطر جان لڑانے میں خواہ اپنی حد تک کتنی ہی کوشش کرتا رہا ہو، بندہ کو اس زعم میں مبتلا نہ ہونا چاہئے، کہ جو کچھ مجھے کرنا چاہئے تھا وہ میں نے کر دیا ہے اس لئے کہ کسی بھی بندے سے اس کی شایانِ شان حق ادا ہو ہی نہیں سکتا، اس لئے کہ بندہ جس قدر بھی شکر کرے گا توفیق شکر کا شکر لازم ہوگا اور بندہ جتنا بھی شکر کرے گا یہ سلسلہ بڑھتا ہی رہے گا، اداءِ شکر میں اگر جان بھی دیدے پھر بھی اس کا حق ادا نہ ہوگا آخر میں یہی کہتا ہوگا۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اس کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہیں کہ اس بات کا اقرار کرے کہ اے میرے مالک، تیرا جو میرے اوپر حق تھا میں وہ کماحقہٗ ادا نہیں کر سکا ہوں، اور ہمہ وقت اپنے قصور کا اعتراف کرتا رہے، یہی روح ہے اللہ کے اس ارشاد کی کہ اے نبی اپنے قصور کی معافی مانگو، اس کا مطلب یہ نہیں کہ معاذ اللہ نبی نے فی الواقع جان بوجھ کر کوئی قصور کیا تھا۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا طلبًا للجهاد لَوْلَا هلّا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ فيها ذِكْرُ الجهادِ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ اى لَمْ يُنْسَخ

سها شيءٌ وَّذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ اى طلبه رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ اى شكٌ وهُمُ المنافقون يَنظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ خوفًا منه وكراهيةً له اى فهُم يَخافُونَ مِنَ القتالِ ويَكرَهُونَهُ فَأَوْلَىٰ لَهُمْ مُبتدأ، خبره طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَّعْرُوفٌ اى حَسَنٌ لك فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ اى فُرِضَ القتالُ فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ في الايمانِ والطّاعةِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وجُملةُ لوجوابُ إذا فَهَلْ عَسَيْتُمْ بكسرِ السين وفتحِها وفيه التفاتٌ عنِ الغَيْبةِ الى الخطابِ اى لعلّكم إِن تَوَلَّيْتُمْ أعرَضتُم عنِ الإيمانِ أَن تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ اى تَعُودُوا الى أمرِ الجاهليّةِ مِنَ البغيِ والقتلِ أُولَٰئِكَ اى المُفسِدونَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ عن استماعِ الحقِّ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ عن طريقِ الهدايةِ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ فيَعرِفونَ الحقَّ أَمْ بل عَلَىٰ قُلُوبٍ لهم أَقْفَالُهَا فلا يَفهَمُونَهُ إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا بالنفاقِ عَلَىٰ أَدْبَارِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى الشَّيْطَانُ سَوَّلَ زَيَّنَ لَهُمْ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ بضمِّ أوّلِه وبفتحِه واللامِ والمُملِي الشيطانُ بإرادتِه تعالى فهو المُضِلُّ لهم ذَٰلِكَ اى إضلالُهم بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ اى للمشركينَ سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأَمْرِ أمرِ المُعاوَنةِ على عداوةِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وتثبيطِ الناسِ عنِ الجهادِ معَهُ قالوا ذلك سِرًّا فأظهره اللهُ تعالى وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِسْرَارَهُمْ بفتحِ الهمزةِ جمعُ سِرٍّ وبكسرِها مصدرٌ فَكَيْفَ حالُهم إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ حالٌ مِنَ الملئكةِ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ظهورَهم بمقامعَ مِن حديدٍ ذَٰلِكَ اى التوفّي على الحالةِ المذكورةِ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهَ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ اى العملَ بما يُرضيهِ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے وہ جہاد کا مطالبہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کس لئے کوئی ایسی سورت نازل نہیں کی گئی جس میں جہاد (کی اجازت) کا ذکر ہو جب کوئی محکم غیر منسوخ سورت نازل کی جاتی ہے کہ جس میں جہاد (کی اجازت) مذکور ہوتی ہے یعنی جہاد کا مطالبہ مذکور ہوتا ہے تو آپ ان لوگوں کو کہ جن کے دلوں میں مرض یعنی شک ہوتا ہے اور وہ منافق ہیں کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہوگئی ہو موت سے خوف کھانے کی وجہ سے اور اس کو ناپسند کرنے کی وجہ سے یعنی وہ جہاد سے ڈرتے ہیں اور اس کو ناپسند کرتے ہیں سو بہتر تھا ان کے لئے آپ کا فرمان بجالانا اور آپ سے اچھی بات کہنا (أَوْلَىٰ لَهُمْ) مبتداء ہے اور (طَاعَةٌ وقولٌ معروفٌ) خبر، یعنی ان کے لئے آپ کی اطاعت اور آپ کے ساتھ اچھی بات بہتر ہے اور جب بات پختہ ہوگئی یعنی جہاد فرض کر دیا گیا سو اگر اللہ کے ساتھ ایمان اور طاعت میں سچے رہیں تو ان کے لئے بہتر ہے اور جملہ لو صدقوا جواب اِذَا ہے اگر تم ایمان سے روگردانی کرو تو تم سے بعید نہیں کہ تم ملک میں فساد برپا کرو اور قطع رحمی کرو اور تم امر جاہلیت یعنی بغاوت اور قتل کی طرف لوٹ آؤ (عَسَيْتُمْ) میں سین کا کسرہ اور فتحہ دونوں ہیں اور اس میں غیبت سے خطاب کی طرف التفات ہے اور عَسَيْتُمْ بمعنی (لَعَلَّكُمْ) ہے، یہی وہ مفسدہ پرداز لوگ ہیں جن پر اللہ کی پھٹکار

ہے جن کو حق بات سننے سے بہرا کر دیا گیا ہے اور راہِ ہدایت دیکھنے سے ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا گیا ہے کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے؟ کہ حق کو پہچان سکیں، بلکہ ان کے قلوب پر قلوب کے (مناسب) تالے لگے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے وہ قرآن کو سمجھتے نہیں ہیں یقیناً وہ لوگ جو نفاق کی وجہ سے ان پر ہدایت ظاہر ہونے کے بعد پیٹھ پھیر کر پلٹ گئے یقیناً شیطان نے ان کے لئے (ان کے عمل کو) مزین کر دیا ہے اور شیطان نے ان کو دور کی سجھائی ہے، اول (یعنی ہمزہ) ضمہ اور فتحہ کے ساتھ اور لام کے فتحہ کے ساتھ ہے اور دور کی سجھانے والا بارادۂ خداوندی شیطان ہے لہٰذا وہ (شیطان) ان کو گمراہ کرنے والا ہے اور یہ یعنی ان کو گمراہ کرنا اس وجہ سے ہوا کہ ان (منافقوں) نے ان لوگوں سے جو اللہ کی نازل کردہ (قرآن) کو ناپسند کرتے ہیں یعنی مشرکین سے کہا کہ ہم بعض باتیں تمہاری مانیں گے یعنی نبی ﷺ کی مخالفت میں معاونت کے سلسلہ میں اور لوگوں کو آپ ﷺ کے ساتھ جہاد سے روکنے کے سلسلہ میں (معاونت کریں گے) منافقوں نے یہ بات رازدارانہ طور پر کہی تھی مگر اللہ نے اس کو ظاہر فرما دیا اور اللہ ان کی رازدارانہ گفتگو کرنے کو جانتا ہے (یا) ان کے رازوں کو جانتا ہے (اسرار) ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ سر کی جمع ہے اور ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ مصدر ہے تو ان کا کیا حال ہوگا؟ جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہوں گے، حال یہ کہ وہ فرشتے ان کے چہروں پر اور ان کے سرینوں پر یعنی پشتوں پر لوہے کے ہتھوڑوں سے مارتے ہوں گے اور یہ یعنی مذکورہ صورت میں روح قبض کرنا، اس سبب سے (ہوگا) کہ جو طریقہ خدا کی ناراضی کا موجب تھا یہ اسی پر چلے اور اس کی رضا سے نفرت کیا یعنی اس عمل سے جو اس کو راضی کرنے والا ہے اس لئے اللہ نے ان کے اعمال کالعدم کر دیئے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: فَاَوْلٰی لَهُمْ لام بمعنی باء، ای اَنْ کَانَ الْاَوْلٰی بِهِمْ طَاعَةَ اللهِ وَطَاعَةَ رَسُوْلِهٖ یعنی ضعیف الایمان اور منافقوں کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہی بہتر تھی۔ یہ مطلب حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے، اور بعض حضرات نے اَوْلٰی کو وَیْلٌ سے مشتق مانا ہے اس کے معنی ہلاکت اور بربادی کے ہیں اس صورت میں یہ کلمہ ضعیف الایمان اور منافقوں کے لئے بددعاء اور کلمۂ وعید ہوگا، اور اَوْلٰی لَهُمْ پر وقف ہوگا، اس کے بعد کلام مستانف ہوگا۔

قِوْلُہٗ: فَاَوْلٰی لَهُمْ میں تین ترکیبیں ہوسکتی ہیں ① اَوْلٰی مبتداء لهم اس کا متعلق لام بمعنی باء، **طَاعَةٌ وقولٌ معروفٌ** اس کی خبر مفسر علام نے یہی ترکیب اختیار کی ہے ② اَوْلٰی لهم مبتدا محذوف کی خبر ہو تقدیر عبارت یہ ہے الهلاكُ اَوْلٰی لهم ای اقربُ لهم واحقُ لهم ③ اولٰی مبتدء اور لَهُمْ اس کی خبر تقدیر عبارت یہ ہے فالهلاكُ لَهُمْ، ابوالبقاء نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (اعراب القرآن)

قِوْلُہٗ: فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ جب امر (جہاد) نے پختہ ارادہ کر لیا، اس میں اسناد مجازی ہے اس لئے کہ عزم، صاحب عزم کا کام ہے نہ کہ امر کا۔

قَوْلُہٗ: فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰہَ بعض حضرات نے کہا ہے کہ لَو صَدَقُوا اللّٰہَ مع اپنے جواب کے اِذَا کا جواب ہے اور بعض حضرات نے اِذَا کا جواب کَرِھُوا محذوف مانا ہے اور فَلَو صَدَقُوا اللّٰہَ کو شرط اور لَکَانَ خیرًا لھم کو اس کی جزاء قرار دیا ہے۔

قَوْلُہٗ: فَھَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ، عَسَیْتُمْ افعال رجاء (مقاربہ) میں سے فعل ماضی ہے یعنی ''تم سے بعید نہیں کہ تم'' اس میں مزید توبیخ و تقریع کے لئے غیبت سے خطاب کی طرف التفات ہے، حضرت قتادہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ نے تَوَلَّیْتُمْ کے معنی اعراض عن الطاعۃ کے کئے ہیں مفسر علام نے یہی معنی مراد لئے ہیں اور کلبی نے تَوَلَّیْتُمْ کے معنی اِنْ تَوَلَّیْتُمْ اَمْرَ الْاُمَّۃِ کے لئے ہیں، یعنی اگر تم کو امت کے امور کا والی اور ذمہ دار بنا دیا گیا تو تم ملک میں ظلم کے ذریعہ فساد برپا کرو گے۔

قَوْلُہٗ: اَقْفَالُھَا، اقفال قُفْلٌ کی جمع ہے بمعنی تالا، اَقْفَال کی اضافت قلوب کی طرف کر کے اشارہ کر دیا کہ یہاں قفل سے عرفی تالا مراد نہیں ہے بلکہ خاص قسم کا غیبی تالا مراد ہے جو قلوب کے مناسب ہو، مثلاً توفیق کا سلب ہونا، غور و فکر کی صلاحیت کا ختم ہو جانا وغیرہ وغیرہ، مفسر علام نے فَلَا یَفْھَمُوْنَہٗ سے اسی غیبی تالے یعنی سلب صلاحیت فہم کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: اَمْلٰی اس میں دو قراءتیں ہیں ① ہمزہ کا ضمہ اور لام کا کسرہ مع یاء کے فتحہ کے ای اُمْلِیَ ماضی مجہول ان کو ڈھیل دی گئی اور ② قراءت میں سکون یاء کے ساتھ مضارع معروف بھی ہے، یعنی ان کو مہلت دوں گا، اَمْلٰی لَھُمْ ان کو دور کی سجھائی، لمبی لمبی امیدیں دلائیں، اس وقت اس کا فاعل شیطان ہوگا، اور ان کو مہلت دی، ڈھیل دی، اس صورت میں فاعل اللہ ہوگا۔

قَوْلُہٗ: المُمْلِي الشیطانُ بارادتہ تعالٰی اس عبارت کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: مہلت دینا یہ خدا کا کام ہے لہٰذا شیطان کی طرف اس کی نسبت درست نہیں ہے۔

جَوَابِ: ڈھیل اور مہلت دینے والا درحقیقت اللہ ہی ہے مگر اسناد مجازی کے طور پر شیطان کی طرف نسبت کر دی ہے اس لئے کہ یہ اسی کے وسوسے کے ذریعہ ہوتی ہے۔

قَوْلُہٗ: ذٰلك مبتداء بِاَنَّھُمْ قالوا اس کی خبر، باء سببیہ ہے۔

قَوْلُہٗ: قَالُوا، قَالُوا کا فاعل منافقین ہیں اور کَرِھُوا کا فاعل یہود ہیں، گویا کہ یہ کہنا سننا اور گفتگو منافقین اور یہود کے درمیان ہے نہ کہ منافقین اور مشرکین کے درمیان جیسا کہ علامہ محلی نے اختیار کیا ہے، غالبًا یہ سبقت قلم ہے۔ (حاشیہ جلالین)

تفسیر و تشریح

شانِ نزول:

وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (الآیۃ) یہاں سے آخر تک تمام آیات مدنی ہیں اس لئے کہ جہاد کی مشروعیت مدینہ ہی میں ہوئی ہے اور اس لئے بھی کہ نفاق بھی مدینہ ہی میں پیدا ہوا، مکہ میں نفاق کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ مکہ میں اسلام کمزور اور دشمن

طاقتور تھا مکی زندگی کا پورا زمانہ اور مدنی زندگی کا ابتدائی زمانہ بڑا پر آشوب اور اضطراب و بے چینی کا زمانہ تھا ہر آن اور ہر وقت خطرہ لاحق رہتا تھا راتوں کو مسلمان ہتھیار بند سوتے تھے، ذرا بھی کوئی شور و غل ہوتا تھا تو مسلمان سمجھتے تھے کہ دشمن چڑھ آیا، مشرکین مکہ کی ریشہ دوانیاں نہ صرف یہ کہ جاری تھیں بلکہ شباب پر تھیں، مسلمان جس اضطرابی دور سے گذر رہے تھے اس سے تنگ آکر ''تنگ آمد بجنگ آمد'' کے مطابق مسلمانوں نے بھی من بنالیا تھا کہ اب آر پار کی ہوجانی چاہئے مگر ابھی تک جہاد کا حکم نازل نہیں ہوا تھا مخلصین مومنین جذبہ جہاد سے سرشار تھے اور اس بات کے خواہشمند تھے کہ جہاد کی اجازت ہوجائے، اور بے چینی کے ساتھ اللہ کے فرمان کا انتظار بھی کررہے تھے، اور آپ ﷺ سے بار بار دریافت کرتے تھے کہ ہمیں ان ظالموں سے لڑنے کا حکم کیوں نہیں دیا جاتا اور اس بارے میں کوئی محکم غیر منسوخ سورت کیوں نازل نہیں کی جاتی؟

مگر جو منافقین مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہوگئے تھے ان کا حال مومنین مخلصین کے حال سے مختلف تھا وہ اپنے جان و مال کو خدا اور اس کے دین سے عزیز سمجھتے تھے اسی لئے وہ کوئی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھے ان ہی میں بعض ضعیف الایمان بھی شامل ہوگئے تھے۔ اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ یہ ان ہی منافقین کا ذکر ہے جن پر جہاد کا حکم نہایت گراں گذرتا تھا، اس جہاد کے حکم نے منافقوں کو سچے مسلمانوں سے چھانٹ کر بالکل الگ کردیا آیت جہاد نازل ہونے سے پہلے منافقین بھی جہاد میں بہادری دکھانے کے بڑی شدومد سے دعوے کرتے تھے، مگر جب اسلام کے لئے جان کی بازی لگانے کا وقت آیا تو ان کے نفاق کا حال کھل گیا، اور نمائشی ایمان کا لبادہ اتر گیا اب جب جہاد کا حکم نازل ہوگیا ہے تو ان منافقوں کی بدحالی کا یہ عالم ہے گویا کہ ان پر موت کی سی بیہوشی چھاگئی اور جس طرح مرتے وقت مرنے والے کی آنکھیں پتھرا کر ایک جگہ ٹھہر جاتی ہیں، یہ آپ کی طرف اسی طرح مبہوت اور متحیر ہوکر ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہے ہیں، ان کے لئے جہاد اور موت سے گھبرانے کے بجائے بہتر تھا کہ وہ سمع وطاعت کا مظاہرہ کرتے اور نبی ﷺ کی بابت گستاخانہ کلمے کہنے کے بجائے اچھی بات کہتے یہ مطلب اس صورت میں ہوگا جب اولیٰ بمعنی اَجْدَرُ (بہتر) لیا جائے، ابن کثیر نے اسی کو اختیار کیا ہے بعض حضرات نے اولیٰ ویلٌ سے کلمۂ تہدید مراد لیا ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ نفاق کی وجہ سے ان کی ہلاکت قریب ہے اولیٰ لَھُمْ کے معنی اصمعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے قول کے مطابق یہ ہیں **قَارَبَہٗ مَا یُھْلِکُہٗ** یعنی اس کی ہلاکت کے اسباب قریب آچکے۔ (قرطبی) اور **طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ** جملہ مستانفہ ہوگا اور اس کی خبر محذوف ہوگی اور وہ خیر لکم ہے۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ (الآیة) تَوَلّٰی کے لغت کے اعتبار سے دو معنی ہوسکتے ہیں، ایک اعراض اور دوسرے کسی قوم و جماعت پر اقتدار و حکومت، اس آیت میں بعض حضرات نے پہلے معنی لئے ہیں، اس معنی کے اعتبار سے آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے احکام شرعیہ الٰہیہ سے روگردانی کی جس میں حکم جہاد بھی شامل ہے تو اس کا اثر یہ ہوگا کہ تم جاہلیت کے قدیم طریقوں پر پڑ جاؤ گے، جس کا لازمی نتیجہ زمین میں فساد اور قطع رحمی ہے۔

روح المعانی اور قرطبی نے اس جگہ تَوَلّی کے دوسرے معنی یعنی حکومت اور امارت کے لئے ہیں تو مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ تمہارے حالات جس کا ذکر اوپر آچکا ہے ان کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر تمہاری مراد پوری ہو یعنی اس حالت میں تمہیں ملک وقوم کی ولایت اور اقتدار حاصل ہو جائے تو نتیجہ اس کے سوانہیں ہوگا کہ تم زمین میں فساد برپا کرو گے اور رشتوں اور قرابتوں کو توڑ ڈالو گے۔ (معارف)

صلہ رحمی کی سخت تاکید:

اَرْحَـــام، رحـــم کی جمع ہے بچہ دانی کو کہتے ہیں، چونکہ عام رشتوں، قرابتوں کی بنیا درحم ہی سے چلتی ہے اس لئے عرف اور محاورہ میں رحم رشتہ داری اور ذوی الارحام رشتہ داروں کو کہتے ہیں، اسلام نے رشتہ داری اور قرابت کے حقوق ادا کرنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ذیل میں چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔

حدیث ❶: صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور دیگر دو اصحاب رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے اس مضمون کی حدیث نقل کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص صلہ رحمی کرے گا اللہ اس کو اپنے قریب کریں گے اور جو قطع رحمی کرے گا اللہ اس کو قطع کر دیں گے۔

حدیث ❷: ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ کوئی ایسا گناہ کہ جس کی سزا اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی دیتا ہے اور آخرت اس کی میں اس کے علاوہ ہو ظلم اور قطع رحمی کے برابر نہیں۔ (رواہ ابوداؤد، والترمذی، ابن کثیر)

حدیث ❸: حضرت ثوبان رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اس کی عمر زیادہ اور رزق میں برکت ہو اس کو چاہئے کہ صلہ رحمی کرے یعنی رشتہ داروں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرے، احادیث صحیحہ میں یہ بھی ہے کہ حق قرابت کے معاملہ میں دوسری طرف سے برابری کا خیال نہ کرنا چاہئے اگر دوسرا بھائی قطع تعلق اور ناروا سلوک بھی کرتا ہے تب بھی تمہیں حسن سلوک کا معاملہ کرنا چاہئے، صحیح بخاری میں ہے کہ وہ شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں جو صرف برابر کا بدلہ دے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب دوسری طرف سے قطع تعلق کا معاملہ کیا جائے تو یہ ملنے اور جوڑنے کا کام کرے۔ (ابن کثیر)

حضرت عمر رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے هَـلْ عَسَيْتُـمْ الـخ سے استدلال کر کے ام ولد کی فروخت کی ممانعت فرمائی تھی، حاکم نے مستدرک میں حضرت بریدہ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک روز میں حضرت عمر کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا، کہ یکا یک محلّہ میں شور مچنے لگا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک لونڈی فروخت کی جارہی ہے اور اس کی لڑکی رو رہی ہے، حضرت عمر نے اسی وقت انصار اور مہاجرین کو جمع کیا اور ان سے پوچھا کہ دین اسلام میں کیا قطع رحمی کا بھی کوئی جواز ہے؟ سب نے کہا نہیں، تو آپ نے فرمایا پھر یہ کیا ہو رہا ہے، ماں سے بیٹی کو جدا کیا جارہا ہے، اس سے بڑی قطع رحمی اور کیا ہو سکتی ہے، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور پورے ملک میں ام ولد کے فروخت کی ممانعت فرمادی۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ یہ مفسدہ پرداز قطع کرنے والے ہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت فرمائی رحمت سے دور کر دیا اور ان کی شنوائی و بینائی حق سننے اور حق دیکھنے سے سب کر لیں، یہی وجہ ہے کہ قرآن کے معانی و مطالب ان کے دل میں نہیں اترتے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر بات یہ ہے کہ ان کے قلوب پر مہر ثبت کر دی گئی ہے۔

اَلشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ اس میں شیطان کی طرف دو کاموں کی نسبت کی گئی ہے ایک ''تسویل'' جس کے معنی تزیین کے ہیں کہ بری چیز یا برے عمل کو کسی کی نظروں میں اچھا اور مزین کر دے، دوسرا کام ''املاء'' جس کے معنی امہال اور مہلت دینے کے ہیں، مطلب یہ کہ شیطان نے اول تو ان کے برے اعمال کو ان کی نظروں میں مزین اور آراستہ کر کے دکھلایا پھر ان کو ایسی طویل آرزوؤں اور امیدوں میں الجھا دیا جو پوری ہونے والی نہیں۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿٢٩﴾ يُظْهِرُ احقادهم على النبي والمؤمنين وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ عرفناكهم و كُرِّرَتِ اللامُ في فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ علامتهم وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ الواوُ لقسم محذوف وما بعدها جوابه فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ اى معناه اذا تكلموا عندك بان يُعَرِّضُوا بما فيه تهجينُ اَمرِ المسلمين وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿٣٠﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ نختبرنكم بالجهاد وغيره حَتّٰى نَعْلَمَ عِلْمَ ظهورٍ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ في الجهادِ وغيره وَنَبْلُوَا نُظْهِرَ اَخْبَارَكُمْ ﴿٣١﴾ من طاعتكم وعصيانكم في الجهاد وغيره بالياء والنون في الافعال الثلثة اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ طريق الحق وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ خالفوه مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى هو معنى سبيل الله لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿٣٢﴾ يُبْطِلُها من صدقة ونحوها فلا يرون لها في الاخرة ثوابًا نزلت في المطعمين من اصحاب بدر او في قُرَيْظَة والنضير يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴿٣٣﴾ بالمعاصي مثلًا اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ طريقه وهو الهدى ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿٣٤﴾ نزلت في أصحاب القليب فَلَا تَهِنُوْا تضعفوا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ بفتح السين وكسرها اى الصلح مع الكفار اِذا لَقِيتُمُوهُم وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ حُذِفَ منه واوُ لام الفعل الاعلون القاهرون وَاللّٰهُ مَعَكُمْ بالعون والنصر وَلَنْ يَّتِرَكُمْ يَنقصكم اَعْمَالَكُمْ ﴿٣٥﴾ اى ثوابها اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اى الاشتغال فيها لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا الله ذلك من أمور الاخرة يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿٣٦﴾ جميعها بل الزكوة المفروضة فيها اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ يُبالغ في طلبها تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ البخل اَضْغَانَكُمْ ﴿٣٧﴾ لدين الاسلام هٰٓاَنْتُمْ يا هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ما فرض عليكم فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ يُقالُ بَخِلَ عليه وعنه وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ عن نفقتكم وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اليه وَاِنْ تَتَوَلَّوْا عن طاعته يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ اى يجعلهم بدلكم ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ﴿٣٨﴾ في التو[illegible] عن طاعته بل

ع ٨

مُطِيعِينَ له عَزَّوَجَلَّ.

ترجمہ: کیا ان لوگوں نے جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اللہ ان کی نبی سے اور مومنین سے دلی عداوتوں کو ظاہر نہ کرے گا اور اگر ہم چاہتے تو ان سب کو آپ کو دکھا دیتے (یعنی) ان سب کی آپ کو شناخت کرا دیتے، اور لام فَلَعَرَفْتَهُمْ میں مکرر لایا گیا ہے سو آپ ان کو ان کے چہروں کی علامتوں ہی سے پہچان لیتے اور یقیناً آپ ان کو طرز گفتگو سے پہچان لیں گے، واؤ، قسم محذوف کے لئے ہے اور اس کا مابعد جواب قسم ہے، مطلب یہ ہے کہ جب وہ آپ سے گفتگو کرتے ہیں تو اس طریقہ سے تعریض کرتے ہیں کہ جس میں مسلمانوں کے بارے میں تحقیر ہوتی ہے تمہارے سب کام اللہ کو معلوم ہیں اور یقیناً ہم تم سب کی جانچ کریں گے، یعنی جہاد وغیرہ کے ذریعہ تمہارا امتحان لیں گے، تاکہ تم میں سے مجاہدین کو اور جہاد وغیرہ میں ثابت قدم رہنے والوں کو جان لیں یعنی ظاہر کر دیں، اور جہاد وغیرہ میں تمہاری نافرمانی اور فرمانبرداری کی حالت کو جانچ لیں، تینوں افعال، یاء اور نون کے ساتھ ہیں یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ یعنی راہ حق سے لوگوں کو روکا اور رسول کی مخالفت کی، اس کے بعد کہ ان کے لئے ہدایت ظاہر ہو چکی، سبیل اللہ کے یہی معنی ہیں، یہ ہرگز اللہ کا کچھ نقصان نہ کریں گے، عنقریب وہ ان کے اعمال کو غارت کر دے گا (یعنی) ان کے صدقہ وغیرہ کو باطل کر دے گا، تو وہ آخرت میں ان کا کوئی ثواب نہ دیکھیں گے (مذکورہ آیت) اصحاب بدر یا (بنی) قریظہ اور (بنی) نضیر کے کھانا کھلانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کا کہنا مانو اور اپنے اعمال کو معاصی کے ذریعہ مثلاً باطل نہ کرو جن لوگوں نے کفر کیا اور دوسروں کو اللہ کے راستہ سے کہ وہ ہدایت کا راستہ ہے روکا پھر وہ کفر کی حالت ہی میں مر گئے، یقین مانو اللہ ان کو ہرگز نہ بخشے گا (مذکورہ آیت) بدر کے کنوئیں والوں کے بارے میں نازل ہوئی، پس اے مسلمانو! ہمت مت ہارو، اور صلح کی درخواست نہ کرو (اَلسَّلْم) میں سین کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ، یعنی جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو صلح کی درخواست نہ کرو، اور تم ہی غالب رہو گے، اور (اَلْاَعْلَوْنَ) سے واؤ کو جو کہ لام فعل ہے حذف کر دیا گیا ہے یعنی تم ہی غالب اور قاہر رہو گے، نصرت اور مدد کے ساتھ اللہ تمہارے ساتھ ہے وہ تمہارے اعمال یعنی ان کے ثواب کو کم نہیں کرے گا واقعی دنیا کی زندگانی یعنی اس میں مشغول رہنا تو صرف کھیل کود ہے اور اگر تم ایمان لے آؤ گے اور اللہ کے لئے تقویٰ اختیار کرو گے اور یہ آخرت کے امور میں سے ہے تو وہ تم کو تمہارے اعمال کا اجر دے گا، وہ تم سے تمہارا تمام مال نہیں مانگتا، بلکہ اس میں سے زکوٰۃ کی فرض مقدار مانگتا ہے اگر وہ تم سے تمہارا سارا مال طلب کرے اور سب کا سب مانگ لے (یعنی) اس کی طلب میں مبالغہ کرے تو تم اس سے بخیلی کرنے لگو گے، اور بخل دین اسلام کے لئے تمہاری ناگواری کو ظاہر کر دے، ہاں تم لوگ ایسے ہو کہ تم کو اللہ کی راہ میں وہ مقدار خرچ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے جو تمہارے اوپر فرض ہے بعض تم میں سے وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں اور جو شخص بخل کرتا ہے وہ اپنے سے بخل کرتا ہے کہا جاتا ہے بَخِلَ علیه وعنه اللہ تو تمہارے خرچ کرنے سے مستغنی ہے اور تم اس کے محتاج ہو اور اگر تم اس کی اطاعت سے رو

گردانی کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کردے گا یعنی تمہاری جگہ کردے گا، پھر وہ اطاعت سے روگردانی کرنے میں تم جیسے نہ ہوں گے بلکہ اللہ عزوجل کے اطاعت گزار ہوں گے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَہُ: اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ الخ أم منقطعہ ہے ای بَلْ اَحَسِبَ الْمُنَافِقُوْنَ ، اَلَّذِیْنَ اپنے صلہ موجودٌ فی قُلوبھم مَرَضٌ سے مل کر، حَسِبَ کا فاعل أنْ لَنْ یُخْرِجَ اللّٰہُ اَضْغَانَھُمْ، حَسِبَ کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے، أنْ مخففہ عن المثقلہ ہے، ضمیر شان اس کا اسم محذوف ہے، أی انَّہٗ اس کا مابعد جملہ ہو کر، أنَّ کی خبر ہے۔

قِوْلَہُ: اَضْغَانٌ، اَضْغَان ، ضِغْنٌ کی جمع ہے، کینہ، عداوت۔

قِوْلَہُ: لَاَرَیْنٰکَھُمْ یہاں رویت سے رویت بصری مراد ہے اسی وجہ سے متعدی بدو مفعول ہے اگر رویت قلبی مراد ہوتی تو متعدی بسہ مفعول ہوتا کَھُمْ، اَرَیْنَا کے دو مفعول ہیں (اعراب القرآن) بعض حضرات نے نے رویۃ علمیہ بھی مراد لی ہے، مفسر علام نے اَرَیْنَا کی تفسیر عَرَّفْنَا سے کر کے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اور معرفت سے ایسی معرفت مراد ہے کہ جو کالمشاہد (چشم دید) جیسی ہو۔

قِوْلَہُ: لَاَرَیْنٰکَھُمْ، لَوْ کا جواب ہے فَلَعَرَفْتَھُمْ کا جواب لَوْ پر عطف ہے لام تاکید کے لئے مکرر ہے، فاء عاطفہ ہے۔

قِوْلَہُ: وَلَتَعْرِفَنَّھُمْ لام قسم محذوف کے جواب پر داخل ہے۔

قِوْلَہُ: لَحْنَ القَوْلِ لحن کے دو معنی ہیں ① خطاء فی الاعراب ② خطاء فی الکلام، لحن فی الکلام یہ ہے کہ ظاہر کلام تعظیم پر اور باطن کلام تحقیر پر دلالت کرتا ہو اور متکلم باطن کلام مراد لے رہا ہو یا کلمہ کو اس طرح ادا کرنا کہ اس کے معنی بدل جائیں اور تعظیم کے بجائے تحقیر کے معنی پیدا ہو جائیں، جیسے منافقین آپ ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے رَاعِنَا کے بجائے راعینا کہا کرتے تھے، رَاعِنَا کے معنی ہیں ہماری رعایت کیجئے، اور رَاعِینَا کے معنی ہیں ہمارا چرواہا، یا السلام علیکم کے بجائے السام علیکم کہا کرتے تھے (یعنی تیرے اوپر موت ہو، تو ہلاک ہو)۔

قِوْلَہُ: فی الافعال الثلاث یہ تین صیغ افعال ① وَلَیَبْلُوَنَّکم ② یَعْلَمَ ③ یَبْلُوَ ہیں، ان تینوں افعال میں واحد غائب اور جمع متکلم دونوں قراءتیں ہیں۔

قِوْلَہُ: شَاقُّوا ماضی جمع مذکر غائب، انہوں نے مخالفت کی یہ مُشَاقَّۃٌ اور شِقَاقٌ سے مشتق ہے۔

قِوْلَہُ: سَیُحْبِطُ اَعْمَالَھُمْ، حَبْط اعمال سے مراد آخرت میں ان کے اجر کو ختم کر دینا ہے، اور اعمال سے وہ اعمال مراد ہیں جو عرف عام میں اعمال خیر سمجھے جاتے ہیں، مثلاً صلہ رحمی، غریبوں، مسکینوں، مسافروں کی مدد کرنا، بھوکوں کو کھانا کھلانا وغیرہ۔

قِوْلَہُ: اُنزلت فی المُطْعِمِیْنَ یہاں مطعمین سے وہ مشرکین مکہ مراد ہیں جنہوں نے غزوۂ بدر کے موقع پر لشکر کفار کے کھانے کا اپنی اپنی طرف سے نظم کیا تھا۔

قِوْلَنْ: اصحاب القلیب ''قلیب'' میدان بدر میں ایک کنوئیں کا نام ہے جس میں مقتولین مشرکین کو آنحضرت ﷺ نے ڈلوادیا تھا۔

قِوْلَنْ: فلا تهنوا تم ہمت نہ ہارو، پست ہمت نہ ہو، فاء جواب شرط پر داخل ہے شرط محذوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اِذا تبَیَّن لکم بالدلا لة القطعية عِزُّ الاسلام و ذِلُّ الکفر فی الدنیا والآخرة فَلَا تَهِنُوا۔

قِوْلَنْ: وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ واؤ حالیہ ہے جملہ حال ہونے کی وجہ سے محل میں نصب کے ہے ای وَاَنْتُمُ الْغَالِبُوْنَ بالسیف والحجة آخر الامر. اعلَوْن اصل میں اعلَوُوْنَ تھا، پہلا واؤ لام فعل ہے اور دوسرا واؤ جمع کا ہے، اول واؤ متحرک اس کا ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے الف سے بدل گیا، الف التقاء ساکنین کی وجہ سے ساقط ہو گیا، اَعْلَوْنَ، اَغْلَبونَ القاهرونَ کے معنی میں اور بعض نسخوں میں قاهرونَ کے بجائے الظاهرونَ ہے۔

قِوْلَنْ: وَاللّٰهُ معكم یہ بھی جملہ حالیہ ہے۔

قِوْلَنْ: يَتِرَ، وتر يتِرُ (ض) کم کرنا۔

قِوْلَنْ: فَيُحْفِكُمْ، اِحْفاءٌ سے کسی کام میں مبالغہ کرنا جڑ سے اکھاڑ پھینکنا، اسی سے احفاء الشارب ہے، مونچھوں کو اچھی طرح صاف کرنا، یہاں طلب میں مبالغہ کرنا مراد ہے۔

قِوْلَنْ: هَا اَنْتُمْ، ها حرف تنبیہ اور اَنْتُمْ مبتداء ہے اور هٰؤلاءِ منادی ہے، حرف ندا محذوف ہے جس کو مفسر علام نے ظاہر کر دیا ہے، تُدْعَوْنَ خبر، جملہ ندائیہ، مبتدا خبر کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

قِوْلَنْ: يُقَال بَخِلَ عَلَيْهِ وعَنْهُ اس عبارت کا مقصد یہ بتانا ہے کہ بَخِلَ اگر شُحٌّ (حرص) کے معنی کو متضمن ہو تو متعدی بعَلٰی ہوتا ہے اور جب اَمْسَكَ کے معنی کو متضمن ہوتا ہے تو متعدی بِعَنْ ہوتا ہے۔

تفسیر و تشریح

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ (الآیة) اَضْغان ضِغْنٌ کی جمع ہے جس کے معنی حسد، کینہ، بغض مخفی عداوت کے ہیں، منافقوں کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بغض و عناد تھا، اسی حوالہ سے کہا جا رہا ہے کہ یہ منافقین کیا سمجھتے ہیں کہ اللہ ان کے مخفی کینہ، بغض و عداوت کو ظاہر کرنے پر قادر نہیں ہے؟ آگے فرمایا کہ ہم تو اس پر بھی قادر ہیں کہ ایک ایک شخص کی اس طرح نشاندہی کر دیں کہ ہر منافق کو عیاناً پہچان لیا جائے، لیکن تمام منافقین کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایسا اس لئے نہیں کیا کہ یہ اللہ کی صفت ستاری کے خلاف ہے وہ بالعموم پردہ پوشی فرماتا ہے، پردہ دری نہیں، دوسرا یہ کہ اس نے انسان کے ظاہر پر فیصلہ کرنے کا اور باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد کرنے کا حکم دیا ہے، البتہ ان کا لہجہ اور انداز گفتگو ہی ایسا ہوتا ہے جو ان کے باطن کا غماز ہوتا ہے، جس سے پیغمبر تو ان کو یقیناً پہچان سکتا ہے، یہ عام مشاہدے میں آنے والی بات ہے کہ انسان کے دل میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اسے لاکھ

چھپائے مگر اس کی گفتگو، حرکات وسکنات اور بعض مخصوص کیفیات اس کے دل کے راز کو آشکارا کر دیتی ہیں۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ (الآية) اللہ تعالیٰ کے علم میں تو پہلے ہی سب کچھ ہے، یہاں علم سے مراد اس کا ظہور ہے تاکہ دوسرے بھی جان لیں اور دیکھ لیں، اسی لئے امام ابن کثیر نے فرمایا کہ حتّٰی نعلم وُقُوْعَهٗ ابن عباس رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اس قسم کے الفاظ کا ترجمہ کرتے تھے لِنَرَیٰ تاکہ ہم دیکھ لیں۔ (ابن کثیر)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الآية) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جن کاموں کو انہوں نے اپنے نزدیک نیک سمجھ کر کیا ہے اللہ ان سب کو ضائع کر دے گا، اور آخرت میں ان کا کوئی اجر بھی نہ پاسکیں گے، اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے منافقین مراد ہیں، اور کہا گیا ہے کہ اہل کتاب مراد ہیں اور کہا گیا ہے کہ وہ مشرکین مراد ہیں، جنہوں نے غزوۂ بدر کے موقع پر کفار قریش کی امداد اس طرح کی کہ ان میں سے بارہ آدمیوں نے ان کے پورے لشکر کا کھانا اپنے ذمہ لے لیا ان میں سے ایک آدمی پورے لشکر کفار کے کھانے کا انتظام کرتا تھا، اور بعض حضرات نے بنونضیر اور بنی قریظہ بھی مراد لئے ہیں۔

وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ یہاں حبط اعمال سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی اسلام کے خلاف کوششوں اور تدبیروں اور سازشوں کو کامیاب نہ ہونے دے، بلکہ ناکام اور اکارت کر دے، اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے کفرونفاق کی وجہ سے ان کے نیک اعمال، مثل صدقہ وخیرات وغیرہ سب کے سب اکارت اور ضائع ہو جائیں گے۔

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْا اِلَى السَّلْمِ اس آیت میں کفار کو صلح کی دعوت دینے کی ممانعت کی گئی ہے اور قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا گیا ہے وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا یعنی اگر کفار صلح کی جانب مائل ہوں تو آپ بھی مائل ہو جائیے، اس سے صلح کی اجازت معلوم ہوتی ہے، اس لئے بعض حضرات نے فرمایا کہ اجازت اس شرط کے ساتھ ہے کہ کفار کی جانب سے صلح جوئی کی ابتداء ہو، اور اس آیت میں جو ممانعت آئی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے صلح جوئی کی ابتداء کی جائے، اس لئے ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے ابتداء صلح کر لینا بھی جائز ہے جبکہ اس میں مسلمانوں کی مصلحت ہو محض بزدلی اور عیش کوشی اس کا سبب نہ ہو، اور اسی آیت میں فلا تهنوا کہہ کر اسی بات کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔ (معارف)

یہاں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ یہ ارشاد اس زمانہ میں فرمایا گیا کہ جب مدینہ کی چھوٹی سی بستی میں چند سو مہاجرین وانصار کی ایک مٹھی بھر جمعیت اسلام کی علم برداری کر رہی تھی، اور اس کا مقابلہ محض قریش کے طاقتور قبیلہ ہی سے نہیں بلکہ پورے ملک کے کفار ومشرکین سے تھا، اس حالت میں فرمایا جا رہا ہے کہ ہمت ہار کر ان دشمنوں سے صلح کی درخواست نہ کرنے لگو، اس ارشاد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کو کبھی صلح کی بات چیت کرنی ہی نہیں چاہئے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسی صورت میں صلح کی سلسلہ جنبانی کرنا درست نہیں ہے جب اس کے معنی اپنی کمزوری کے اظہار کے ہوں اور اس سے دشمن اور زیادہ دلیر ہو جائیں، مسلمانوں کو پہلے اپنی طاقت کا لوہا منوالینا چاہئے، اس کے بعد اگر صلح کی بات چیت کریں تو کوئی حرج نہیں۔

اِنَّمَا الحيٰوة الدنيا اوپر جہاد کا ذکر تھا، اور چونکہ جہاد سے روکنے والی چیز انسان کے لئے دنیا کی محبت ہو سکتی ہے جس میں

اپنی جان کی محبت اہل وعیال کی محبت مال ودولت کی محبت سب داخل ہیں، اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ سب چیزیں بہر حال ختم اور فنا ہونے والی ہیں، اس وقت اگر ان کو بچا بھی لیا تو کیا فائدہ؟ آخر کار یہ سب چیزیں ہاتھ سے نکلنے ہی والی ہیں، اس لئے ان فانی اور ناپائیدار چیزوں کی محبت کو آخرت کی دائمی پائیدار نعمتوں کی محبت پر غالب نہ آنے دو۔

وَلَا يَسْـئَـلْـكُـمْ اَمْـوَالَـكُمْ اللہ تعالیٰ تمہارے اموال سے بے نیاز ہے اسی لئے اس نے تم سے زکوٰۃ میں کل مال کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ اس کے ایک نہایت ہی قلیل حصے کا یعنی صرف ڈھائی فی صد کا مطالبہ رکھا اور وہ بھی ایک سال کے بعد اپنی ضرورت سے زیادہ ہونے پر، علاوہ ازیں اس کا مقصد بھی تمہارے اپنے بھائی بندوں کی مدد اور خیر خواہی ہے نہ کہ اللہ اس مال سے اپنی حکومت کے اخراجات پورے کرتا ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ زائد از ضرورت کل مال کا مطالبہ کرتا اور وہ بھی اصرار کے ساتھ اور زور دیکر تو تم بخل کرنے لگتے اور بخل کی وجہ سے جو ناگواری اور کراہت تمہارے دلوں میں ہوتی وہ لامحالہ ظاہر ہو جاتی اس لئے اس نے تمہارے اموال میں سے ایک حقیر و قلیل حصہ تم پر فرض کیا ہے، تم اس میں بھی بخل کرنے لگے۔

تُـدْعَـوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ فَمِنْكُمْ مَنْ يَبْخَلُ تم کو تمہارے اموال کا کچھ حصہ راہ خدا میں خرچ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے تو تم میں سے بعض اس میں بھی بخل کرنے لگتے ہیں اس کے بعد فرمایا وَمَنْ يَبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَفْسِهٖ یعنی جو شخص اس میں بخل کرتا ہے وہ کچھ اللہ کا نقصان نہیں کرتا بلکہ خود اپنا ہی نقصان کرتا ہے کہ آخرت کے اجر وثواب سے محرومی اور ترک فرض کا وبال ہے۔

وَاِنْ تَتَوَلَّـوْا يَسْتَبْـدِلْ قَـوْمًـا غَيْرَ كُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ اور اگر تم روگرداں ہو جاؤ تو وہ تمہارے بدلے تمہارے سوا اور لوگوں کو لائے گا جو پھر تم جیسے نہ ہوں گے، بلکہ تم سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول کے اطاعت گزار اور اللہ کی راہ میں خوب خرچ کرنے والے ہوں گے، نبی ﷺ سے جب اس قوم کے بارے میں صحابہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ وہ ایسی کونسی قوم ہے کہ اگر ہم (خدانخواستہ) احکام دین سے روگردانی کرنے لگیں تو وہ ہمارے بدلے میں لائی جائے گی؟ اور پھر وہ ہماری طرح احکام سے روگردانی نہ کرے گی؟ تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ (جو کہ آپ کے نزدیک بیٹھے ہوئے تھے) کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا اس سے مراد یہ اور اس کی قوم ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر ایمان ثریا (ستارے) کے ساتھ بھی معلق ہو تو اس کو فارس کے کچھ لوگ حاصل کر لیں گے (ترمذی، ذکرہ الالبانی فی صحیحہ وصحیحہ ابن حبان، مظہری) شیخ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب جوابو حنیفہ رَحِمَہُ اللّٰهُ تَعَالٰی کے من قب میں لکھی ہے اس میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب ہیں کیونکہ ابنائے فارس میں کوئی جماعت علم کے اس مرتبہ پر نہیں پہنچی جس پر ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب پہنچے۔ (حاشیہ تفسیر مظہری معارف)

﴿ تمّت ﴾

سُورۃُ الفَتحِ مَدَنیّۃٌ وَھِیَ تِسعٌ وَّعِشرُونَ اٰیۃً وَّاَربَعُ رُکُوعَاتٍ

سُوْرَۃُ الْفَتْحِ مَدَنِیَّۃٌ تِسعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰیَۃً.

سورۂ فتح مدنی ہے انتیس ۲۹ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ قضینا بفتح مکة وغیرہ المستقبل عنوة بجھادک فَتْحًا مُّبِیْنًا ۝ بینا ظاھرا لِّیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ بجھادک مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ منہ لترغب امتک فی الجھاد وھو مؤول لعصمة الانبیاء علیھم الصلوة والسلام بالدلیل العقلی القاطع من الذنوب واللام للعلة الغائیة فمدخولھا مسبب لا سبب وَیُتِمَّ بالفتح المَذکور نِعْمَتَہٗ اِنعامَہٗ عَلَیْکَ وَیَھْدِیَکَ بہ صِرَاطًا طریقًا مُّسْتَقِیْمًا ۝ یُثَبِّتَکَ علیہ وھودینُ الإسلام وَّیَنْصُرَکَ اللّٰہُ بہ نَصْرًا عَزِیْزًا ۝ نصرًا ذا عِزٍّ لاذُلَّ مَعَہ ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ الطَمَانِیْنَۃَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْٓا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِھِمْ بشَرائعِ الدِّیْنِ کُلَّما نزل وَاحِدَۃٌ مِنھا اٰمَنُوا بھا ومنھا الجھادُ وَلِلّٰہِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فلَواَرَادَ نَصرَ دِیْنِہٖ بغَیرِکُم لَفَعلَ وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا بخلقہ حَکِیْمًا ۝ فِی صُنْعِہٖ ای لَمْ یَزَلْ مُتَّصِفًا بذلک لِّیُدْخِلَ مُتعَلِّقٌ بمَحذُوفٍ ای اَمَرَ بالجھادِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا وَیُکَفِّرَ عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ وَکَانَ ذٰلِکَ عِنْدَ اللّٰہِ فَوْزًا عَظِیْمًا ۝ وَّیُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِکِیْنَ وَالْمُشْرِکٰتِ الظَّآنِّیْنَ بِاللّٰہِ ظَنَّ السَّوْءِ بفتح السین وضمھا فی المَواضِعِ الثَلٰثِةِ ظَنُّوا اَنَّہٗ لا یَنْصُرُ مُحمَّدًا صلَّی اللہ علیہ وسلم والمُؤمِنینَ عَلَیْھِمْ دَآئِرَۃُ السَّوْءِ بالذُّلِّ والعَذَابِ وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ وَلَعَنَھُمْ اَبعَدَھُمْ وَاَعَدَّ لَھُمْ جَھَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ۝ مَرجِعًا وَلِلّٰہِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا فِی مُلْکِہٖ حَکِیْمًا ۝ فِی صُنْعِہٖ ای لَمْ یَزَلْ مُتَّصِفًا بذلک اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا علیٰ اُمَّتِکَ فی القِیٰمَةِ وَّمُبَشِّرًا لھم فی الدُّنیا بالجَنَّةِ وَّنَذِیْرًا ۝ مُنذِرًا مُخَوِّفًا فیھا مِن عَمَلِ سُوْءٍ بالنار لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ بالیاءِ والتاء فیہ وفی الثَلٰثةِ بَعْدَہ وَتُعَزِّرُوْہُ یَنصُرُوہ وقُرِیٔ بزاءَیْنِ مَعَ الفَوقانِیّة وَتُوَقِّرُوْہُ تُعَظِّمُوہ وضمیرُھا لِلّٰہِ ورَسُولِہ وَتُسَبِّحُوْہُ ای اللہ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا ۝ بالغَداۃِ والعَشِیِّ اِنَّ الَّذِیْنَ

يُبَايِعُوْنَكَ بيعة الرضوان بالحديبية إِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ هو نحو مَن يُطِعِ الرَّسُوْلَ فقد اطاع الله يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ التى بايعوا بها النبىَّ صلى الله عليه وسلم اى هو تعالىٰ مُطَّلِعٌ علىٰ مُبَايَعَتِهِم فيُجازيهم عليها فَمَنْ نَّكَثَ نقض البيعة فَإِنَّمَا يَنْكُثُ يَرجِعُ وَبَالُ نقضه عَلٰى نَفْسِهٖ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ بالياء والنون اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٠﴾

ع ١٠
٩

تَرْجَمَہ: شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، بے شک ہم نے آپ کو (اے نبی) ایک کھلی فتح عطاء کی (یعنی) آپ کے جہاد کے ذریعہ ہم نے بزور شمشیر مستقبل میں مکہ وغیرہ کی فتح کا فیصلہ کردیا، تاکہ آپ کے جہاد کے صدمیں آپ کی اگلی پچھلی کوتاہیوں کو معاف کریں، تاکہ تیری امت کو جہاد میں رغبت ہو، اور مذکورہ آیت مؤول ہے انبیاء علیہم السلام کے گناہوں سے دلیل عقلی قطعی سے معصوم ہونے کی وجہ سے، اور لام علت غائیہ کے لئے ہے لہٰذا اس کا مدخول مسبب ہے نہ کہ سبب، اور (تاکہ) فتح مذکور کے ذریعہ اپنی نعمتوں کی آپ پر تکمیل کرے اور اس کے ذریعہ سیدھا راستہ دکھائے (یعنی) آپ کو اس پر ثابت قدم رکھے، اور وہ (سیدھا راستہ) دین اسلام ہے اور تاکہ وہ اس فتح کے ذریعہ آپ کو ایک زبردست نصرت بخشے باعزت نصرت، جس میں ذلت نہ ہو، وہی ہے وہ ذات جس نے مومنین کے دلوں میں طمانیت بخشی تاکہ ان کے ایمان کے ساتھ دین کے احکام پر ایمان کا اور اضافہ ہو جب جب بھی ان میں سے کوئی حکم نازل ہو اس پر ایمان لائیں، اور ان ہی احکام میں سے جہاد ہے، اور زمین و آسمان کے سب لشکر اللہ ہی کے ہیں، سو اگر وہ تمہارے بغیر اپنے دین کی نصرت کا ارادہ کرتا تو ایسا کرسکتا تھا، اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے بارے میں دانا اور اپنی صنعت کے بارے میں باحکمت ہے یعنی وہ اس صفت کے ساتھ ہمیشہ متصف ہے (اس نے جہاد کا حکم اس لئے دیا ہے) تاکہ وہ لِيُدْخِلَ، اَمَرَ بالجهاد محذوف کے متعلق ہے، مومنین اور مومنات کو ایسی جنت میں داخل کرے کہ جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اور تاکہ ان کے گناہوں کو ان سے دور کرے، اللہ کے نزدیک یہ بڑی کامیابی ہے، اور تاکہ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو اور مشرک مرد اور مشرک عورتوں کو سزا دے جو اللہ کے ساتھ بُرے بُرے گمان رکھتے ہیں (اَلسَّوْءِ) تینوں جگہوں پر سین کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ ہے، ان کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ محمد ﷺ اور مومنین کی مدد نہ کرے گا، ذلت اور عذاب کے ساتھ برائی کے چکر میں وہ خود ہی آگئے اور اللہ ان پر غضبناک ہوگا، اور ان کو (رحمت) سے دور کرے گا، اور ان کے لئے اس نے دوزخ تیار کر رکھی ہے اور (وہ) برا ٹھکانہ ہے اور آسمانوں اور زمین کا سب لشکر اللہ ہی کا ہے اللہ تعالیٰ اپنے ملک میں زبردست اور اپنی صنعت میں حکمت والا ہے اس صفت کے ساتھ ہمیشہ متصف ہے یقیناً ہم نے آپ کو قیامت کے دن اپنی امت کے لئے گواہی دینے والا اور ان کو دنیا میں جنت کی خوشخبری سنانے والا (بنا کر بھیجا) اور دنیا میں آگ سے برے اعمال کی وجہ سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا، تاکہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ (لِتُؤْمِنُوْا) میں یاء اور تاء دونوں ہیں، یہاں بھی اور اس کے بعد تینوں جگہوں پر بھی اور اس کی مدد کرو

اور تاء فوقانیہ کی صورت میں دونوں واؤں کے ساتھ پڑھا گیا ہے، اور اس کی تعظیم کرو مذکورہ دونوں صیغوں کی ضمیر اللہ اور اس کے رسول کی جانب راجع ہے اور اس کی یعنی اللہ کی صبح وشام پاکی بیان کرو بلاشبہ جولوگ آپ سے حدیبیہ میں بیعت رضوان کر رہے ہیں یقیناً وہ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں اور یہ مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ کے مانند ہے، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے، وہ ہاتھ جس پر مومنین نے آپ ﷺ سے بیعت کی یعنی اللہ تعالیٰ ان کی بیعت کی اس کارروائی سے باخبر ہے، سو وہ ان کو اس پر جزاء دے گا، تو جو شخص عہد شکنی کرے گا یعنی بیعت توڑے گا تو اس کی عہد شکنی کا وبال اسی پر پڑے گا، یعنی اس کی عہد شکنی اسی کی طرف لوٹے گی اور جو شخص اس کو پورا کرے گا جس کا اس نے اللہ سے عہد کیا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اجر عظیم عطاء کرے گا (فَسَنُؤتِیْهِ) میں یاء اور نون دونوں ہیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: اِنَّافَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا، فَتَحْنَا کی تفسیر قَضَيْنَا سے کرنے کا مقصد ایک شبہ کو دفع کرنا ہے۔

شبہ: فتح سے مراد فتح مکہ ہے اور فتح مکہ بالاتفاق ۸ھ میں ہوا ہے، اور یہ سورت حدیبیہ سے واپسی کے وقت ضجنان جو مکہ سے ۲۵ کلومیٹر کے مسافت پر ہے یا بقول بعض کُراع الغمیم کے مقام پر ٦ھ میں نازل ہوئی، تو اب شبہ یہ ہے کہ ۸ھ میں ہونے والے واقعہ کو ٦ھ میں اِنَّا فَتَحْنَا ماضی کے صیغہ سے کیوں تعبیر فرمایا؟

دفع: مفسرین نے اس شبہ کے تین جواب دیئے ہیں ایک تو وہی ہے جس کی طرف علامہ محلی نے فَتَحْنَا کی تفسیر قَضَيْنَا سے کرکے اشارہ کیا ہے، اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ فتح سے مراد قضا فی الازل ہے ای حکمنا فی الازل اور قضا فی الازل یقیناً صلح حدیبیہ سے مقدم ہے یعنی ۸ھ میں فتح مکہ کا فیصلہ ازل میں ہو چکا تھا، اس صورت میں ماضی سے تعبیر حقیقۃ ہوگی۔

دُوسرا جواب: یہ ہے کہ، فتح مکہ کے یقینی الوقوع ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کر دیا گیا، اس لئے کہ جس کا وقوع یقینی ہوتا ہے اس کو ماضی سے تعبیر کر دیتے ہیں، اس صورت میں تعبیر بالماضی مجازاً ہوگی، اور یہ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ کی نظیر ہوگی۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ درحقیقت فتح صلح حدیبیہ ہی ہے، اس لئے کہ صلح حدیبیہ ہی فتح مکہ اور دیگر فتوحات کا سبب بنی تھی اور آنحضرت ﷺ نے بھی صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دیا ہے، جب کراع الغمیم کے مقام پر یہ سورت نازل ہوئی تو آپ نے صحابہ کو پڑھ کر سنائی، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وقت بھی سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول کیا یہ فتح مبین ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ فتح مبین ہے، اس صورت میں بھی تعبیر بالماضی حقیقۃ ہوگی۔

قِوْلَہٗ: عنوة زبردستی لینا بزور شمشیر حاصل کرنا، یہ امام اعظم اور امام مالک کا مذہب ہے امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ مکہ صلح سے فتح ہوا۔

قِوْلَہٗ: بينا، مبينا کی تفسیر بينا سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مُبِيْنٌ اَبَانَ سے بمعنی لازم ہے نہ کہ متعدی۔

قَوْلُہُ: فی المستقبل، فتح سے متعلق ہے، بعض نسخوں میں (فی) کے بغیر ہے جیسا کہ پیش نظر نسخہ میں ہے تو اس صورت میں المستقبل، بفتح کی صفت ہوگی۔

قَوْلُہُ: بجهادك اس کا تعلق، فتح مکہ سے ہے، اس کلمہ کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَالٌ: فتح مکہ باری تعالیٰ کا فعل ہے، اس لئے کہ اِنَّا فتحنا میں فتح کی نسبت ذات باری نے اپنی طرف فرمائی ہے، اور مغفرت کا تعلق آپ ﷺ کی ذات سے ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ فتح جو کہ باری تعالیٰ کا فعل ہے یہ علت ہے آپ ﷺ کی مغفرت کی، اور یہ درست نہیں ہے اس لئے کہ ایک کا فعل دوسرے کے لئے علت نہیں بن سکتا، لہٰذا فتح مکہ پر آپ کی مغفرت کا مرتب ہونا بھی درست نہیں ہے، اسی سوال کے جواب کے لئے مفسر علام نے بجهادك کا اضافہ فرمایا۔

جَوَابٌ: جواب کا ماحصل یہ ہے کہ بجهادك کا تعلق فتح مکہ کے ساتھ ہے، مطلب یہ ہے کہ فتح تو باری تعالیٰ ہی نے عطا فرمائی مگر اس کا ظاہری سبب اور ذریعہ آپ ﷺ کا جہاد بنا، اس طریقہ سے خود آپ کا فعل آپ کی مغفرت کی علت ہوئی نہ کہ فعل باری تعالیٰ اور یہ درست ہے، لہٰذا اب کوئی اعتراض باقی نہیں رہا۔

قَوْلُہُ: هو مؤول یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَالٌ: سوال یہ ہے کہ نبی معصوم ہوتا ہے تو پھر آپ ﷺ کے گناہوں کو معاف کرنے کا کیا مطلب ہے؟

جَوَابٌ: ① پہلی بات یہ ہے کہ اس آیت میں تاویل ہے اول یہ کہ خطاب اگرچہ آپ کو ہے مگر مراد امت ہے، تاکہ امت کو جہاد میں رغبت ہو ② دوسرے یہ کہ ذنوب سے مراد حسنات الابرار سيئات المقربين کے قاعدہ سے خلاف اولیٰ ہیں، اور خلاف اولیٰ کا نبی سے صدور ہو سکتا ہے یہ عصمت انبیاء کے منافی نہیں ③ یا مغفرت سے مراد ستر وحجاب ہے، مطلب یہ کہ آپ کے اور آپ سے صدور ذنب کے درمیان ستر وحجاب حائل کر دے تاکہ آپ سے گناہ کا صدور ہی نہ ہو۔

قَوْلُہُ: لترغب امتك یہ جہاد پر مغفرت کے مرتب ہونے کی علت ہے، یعنی جہاد پر مغفرت مرتب ہونے کی وجہ سے تیری امت جہاد کی طرف راغب ہوگی۔

قَوْلُہُ: واللام للعلة الغائية ليغفر، میں لام علت غائیہ کا ہے نہ کہ باعثہ کا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل معلل بالاغراض نہیں ہو سکتا یعنی کوئی شئی اس کو کسی فعل پر باعث (برانگیختہ، آمادہ) نہیں کر سکتی ہے، البتہ لام مذکور علت غائیہ کے لئے ہو سکتا ہے، یعنی نتیجہ فعل کے لئے، جب بولتے ہیں، اشتريت القلم لاكتب میں نے قلم خریدا لکھنے کے لئے، کتابت، اشتراء کی غایت ہے، لہٰذا لام کا مدخول یعنی مغفرت مسبب ہے نہ کہ سبب، سبب فتح ہے اور مسبب مغفرت ہے نہ کہ مغفرت سبب اور فتح مکہ مسبب، یعنی بذریعہ جہاد فتح مکہ مغفرت کا سبب ہے نہ کہ مغفرت فتح مکہ کا سبب۔

قَوْلُہُ: ويتم اس کا عطف يغفر پر ہے اور لام کے تحت میں ہے۔

قَوْلُہُ: يثبتك. اس اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ آپ ﷺ تو شروع ہی سے ہدایت یافتہ تھے پھر آپ کے بارے میں ويهديك صراطا مستقيما فرمانے کا کیا مطلب ہے؟

جَوَابٌ: جواب کا ماحصل یہ ہے کہ ہدایت سے مراد ہدایت پر دوام واستقرار ہے۔

قَوْلُہٗ: ذاعز یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: سوال یہ ہے کہ عزیز، منصور کی صفت ہے نہ کہ نصرٌ کی اور یہاں نصر کی صفت واقع ہورہی ہے۔

جَوَابٌ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ عزیز فعیل کے وزن پر ہے اور فعیل کا وزن نسبت بیان کرنے کے لئے بھی آتا ہے جیسے فسقته میں نے اس کی فسق کی طرف نسبت کی یا اس کو فاسق کہا، اسی طرح یہاں بھی عزیز بمعنی ذوعز ہے اور ذوعز منصور ہی ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: فی المواضع الثلثة یعنی دو یہ اور تیسرا موقع وظننتم ظن السوء.

(تنبیہ) یہ شارح علیہ الرحمۃ سے سبقت قلم ہے، اس لئے کہ اول اور تیسرے مقام میں بالاتفاق صرف فتحہ ہے، لہٰذا صحیح یہ تھا کہ یوں فرماتے فی الموضع الثانی.

قَوْلُہٗ: والتاء فیه یعنی لتؤمنوا باللّٰہِ میں یاء اور تاء دونوں قراءتیں ہیں، مگر تاء کی صورت میں یہ اعتراض ہوگا کہ لتؤمنوا باللّٰہ، انا ارسلنٰك کا تتمہ ہے اور انا ارسلنٰك میں خطاب آپ ﷺ کو ہے اور لتؤمنوا میں خطاب امت کو ہے کلام واحد میں انتشار مرجع لازم آتا ہے، جبکہ آخر کلام اول کلام کا تتمہ ہی ہے۔

جَوَابٌ: لتؤمنوا میں اگرچہ بظاہر خطاب امت کو معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں خطاب آپ کو ہے اس لئے کہ آپ اصلِ امت ہیں لہٰذا اب کلام واحد میں تعدد مرجع لازم نہیں آتا۔

قَوْلُہٗ: هو نحو من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کا جواب ہے، شبہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بیعت کو اللہ کی بیعت قرار دیا گیا ہے، اس سے اللہ کے لئے جوارح یعنی اعضاء کا شبہ ہوتا ہے اس لئے کہ آپ ﷺ نے لوگوں سے اپنے ہاتھ پر بیعت لی تھی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے بھی ہاتھ پر بیعت لی ہوگی، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس بیعت سے عقد میثاق مراد ہے اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے من یطع الرسول فقد اطاع الله یعنی جس طرح اطاعتِ رسول اللہ کی اطاعت ہے اسی طرح رسول اللہ سے بیعت، اللہ سے بیعت ہے۔

تَفسیر وتشریح

سورت کا نام:

سورت کا نام پہلی آیت انا فتحنا لك فتحا مبینا سے ماخوذ ہے۔

صلح حدیبیہ کا واقعہ اجمالاً:

جمہور صحابہ وتابعین اور ائمہ تفسیر کے نزدیک سورۂ فتح ۶ھ میں اس وقت نازل ہوئی جبکہ آپ بقصد عمرہ صحابہ کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ مکہ کے لئے روانہ ہوئے، اور حرم مکہ کے قریب مقام حدیبیہ تک پہنچ کر قیام فرمایا، مگر قریش مکہ نے آپ کو

مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا، پھر اس بات پر صلح کرنے کے لئے آمادہ ہوئے کہ اس سال تو آپ ﷺ واپس چلے جائیں، اگلے سال اس عمرہ کی قضا کرلیں، بہت سے صحابہ کرام بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طرح کی صلح سے کبیدہ خاطر تھے، مگر آنحضرت ﷺ نے باشارات ربانی اس صلح کو انجام کار مسلمانوں کے لئے ذریعہ کامیابی سمجھ کر قبول فرمالیا، جس کی تفصیل آئندہ پیش کی جائے گی، جب آنحضرت ﷺ نے اپنا احرام عمرہ کھولدیا اور حدیبیہ سے واپس روانہ ہوئے تو راستہ میں یہ سورت نازل ہوئی، جس میں بتلادیا کہ رسول اللہ ﷺ کا خواب سچا ہے ضرور واقع ہوگا مگر اس کا یہ وقت نہیں اور اس صلح کو فتح مبین سے تعبیر فرمایا اس لئے کہ یہ صلح ہی درحقیقت فتح مکہ کا سبب بنی، چنانچہ بہت سے صحابہ اور خود آپ ﷺ صلح حدیبیہ ہی کو فتح مبین قرار دیتے تھے، یہ سورت چونکہ واقعہ حدیبیہ میں نازل ہوئی ہے اور اس واقعہ کے بہت سے اجزاء کا خود اس سورت میں تذکرہ بھی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ پہلے ذکر کردیا جائے، ابن کثیر اور مظہری میں اس کی بڑی تفصیل ہے۔

واقعہ حدیبیہ کی تفصیل اور تاریخی پس منظر:

جن واقعات کے سلسلہ میں یہ سورت نازل ہوئی ان کی ابتداء کی عبد بن حمید و ابن جریر و بیہقی کی روایت کے مطابق تفصیل اس طرح ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے ہیں اور عمرہ کے احرام سے فارغ ہو کر حلق کرایا اور بعض لوگوں نے قصر کرایا اور یہ کہ آپ بیت اللہ میں داخل ہوئے، اور بیت اللہ کی چابی آپ کے ہاتھ آئی، اس جزء کا ذکر بھی آگے اسی سورت میں آرہا ہے، انبیاء کا خواب چونکہ وحی ہوتا ہے جس کی رو سے اس خواب کا واقع ہونا ضروری تھا، مگر خواب میں اس واقعہ کے لئے کوئی سال یا مہینہ متعین نہیں کیا گیا تھا مگر درحقیقت یہ خواب فتح مکہ کی صورت میں واقع ہونے والا تھا۔

بظاہر اس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کے بالکل اسباب نہیں تھے، اور نہ اس پر عمل کرنے کی بظاہر کوئی صورت نظر آتی تھی، ادھر کفار قریش نے چھ سال سے مسلمانوں کے لئے بیت اللہ کا راستہ بند کر رکھا تھا، رسول اللہ ﷺ نے بلا تامل اپنا خواب صحابہ کرام کو سنایا تو وہ سب کے سب مکہ مکرمہ جانے اور بیت اللہ کا طواف کرنے وغیرہ کے ایسے مشتاق تھے کہ ان حضرات نے فوراً ہی تیاری شروع کردی، جب صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد تیار ہوگئی تو آپ ﷺ نے بھی ارادہ فرمالیا۔ (روح المعانی ملخصًا)

ذوالقعدہ بروز پیر ۶ھ کی ابتدائی تاریخوں میں یہ مبارک قافلہ مدینہ سے روانہ ہوا، ذوالحلیفہ جس کو اب بئر علی کہتے ہیں پہنچ کر سب نے عمرہ کا احرام باندھا، قربانی کے لئے ۷۰ اونٹ ساتھ لئے، بخاری، ابوداؤد و نسائی وغیرہ کی روایت کے مطابق روانگی سے پہلے آپ ﷺ نے غسل فرمایا، نیا لباس زیب تن فرمایا، اور اپنی ناقہ قصویٰ پر سوار ہوئے، ام المومنین حضرت ام سلمہ کو ساتھ لیا آپ کے ہمراہ مہاجرین و انصار اور دیہات سے آنے والوں کا ایک بڑا مجمع تھا جن کی تعداد اکثر روایات میں چودہ سو بیان کی گئی ہے۔ (مظہری ملخصًا)

اہل مکہ کی مقابلہ کے لئے تیاری:

دوسری جانب اہل مکہ کو رسول اللہ ﷺ کے ایک بڑی جماعت صحابہ کے ساتھ مکہ کے لئے روانہ ہونے کی خبر ملی، تو جمع ہو کر باہم مشورہ کیا کہ محمد ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کے لئے آ رہے ہیں، اگر ہم نے ان کو مکہ میں آنے دیا تو پورے عرب میں یہ شہرت ہو جائے گی کہ وہ ہم پر غلبہ پا کر مکہ مکرمہ پہنچ گئے، حالانکہ ہمارے اور ان کے درمیان کئی جنگیں ہو چکی ہیں، آخر کار بڑی کشش و پنج کے بعد ان کی جاہلانہ حمیت ہی ان پر غالب آ کر رہی اور انہوں نے اپنی ناک کی خاطر یہ فیصلہ کر لیا کہ کسی قیمت پر بھی اس قافلہ کو اپنے شہر میں داخل نہیں ہونے دینا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے مخبر کی حیثیت سے بنی کعب کے ایک شخص کو آگے بھیج رکھا تھا کہ وہ قریش کے ارادوں اور ان کی نقل و حرکت سے آپ کو بروقت اطلاع کرتا رہے، جب آپ ﷺ عسفان پہنچے تو اس نے آ کر آپ کو اطلاع دی کہ قریش کے لوگ پوری تیاری کے ساتھ ذی طویٰ کے مقام پر پہنچ گئے ہیں اور خالد بن ولید کو انہوں نے دو سو سواروں کے ساتھ کراع الغمیم کی طرف بھیج دیا ہے، تا کہ وہ آپ کا راستہ روکیں، قریش کا مقصد آپ کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنا تھا تا کہ جنگ ہو جائے اور لڑائی شروع کرنے کا الزام آپ کے سر آ جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ اطلاع پاتے ہی فوراً راستہ بدل دیا اور ایک نہایت ہی دشوار گذار راستہ سے سخت مشقت اٹھا کر حدیبیہ کے مقام پر پہنچ گئے جو عین حرم کی سرحد پر واقع ہے، خزاعہ کا سردار بدیل بن ورقاء اپنے قبیلہ کے چند آدمیوں کے ساتھ آپ کے پاس آیا اور آپ سے معلوم کیا کہ آپ کس غرض سے تشریف لائے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے صرف بیت اللہ کی زیارت اور اس کا طواف کرنے کیلئے آئے ہیں، یہی بات ان لوگوں نے جا کر قریش کے سرداروں کو بتا دی اور ان کو مشورہ دیا کہ وہ ان زائرین حرم کا راستہ نہ روکیں، مگر وہ اپنی ضد پر اڑے رہے۔

خبر رسانی کا سادہ مگر عجیب طریقہ:

ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے حالات سے باخبر رہنے کا یہ انتظام کیا کہ مقام بلدح سے لیکر اس مقام تک جہاں آنحضرت ﷺ پہنچ چکے تھے، پہاڑوں کی چوٹیوں پر کچھ آدمی بٹھا دیئے تا کہ آپ کے پورے حالات دیکھ کر آپ کے متصل پہاڑ والا باآواز بلند دوسرے پہاڑ والے تک اور وہ تیسرے تک اور وہ چوتھے تک پہنچا دے اس طرح چند منٹوں میں بلدح والوں کو آپ کے حالات کا علم ہو جاتا تھا۔

قریش نے سفارت کاری کے لئے اول آپ ﷺ کے پاس احابیش کے سردار حلیس بن علقمہ کو بھیجا تا کہ وہ آپ کو واپس جانے پر آمادہ کرے، حلیس نے جب آ کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ سارا قافلہ احرام بند ہے اور ہدی کے اونٹ ساتھ ہیں تو سمجھ

گیا کہ ان کا مقصد بیت اللہ کا طواف و زیارت کرنا ہے، جنگ کرنا ان کا مقصد نہیں ہے، یہ حالات دیکھ کر آپ سے گفتگو کئے بغیر واپس چلا گیا، اور اس نے جا کر قریش کے سرداروں سے صاف صاف کہہ دیا کہ یہ لوگ بیت اللہ کی زیارت اور طواف کے لئے آئے ہیں، اگر تم ان کو روکو گے تو میں اس کام میں تمہارا ساتھ ہرگز نہ دوں گا، ہم تمہارے حلیف ضرور ہیں مگر اس لئے نہیں کہ تم بیت اللہ کی حرمت کو پامال کرو اور ہم اس میں تمہاری حمایت کریں۔

عروہ بن مسعود سفارت کار کی حیثیت سے آپ ﷺ کی خدمت میں:

اس کے بعد قریش کی طرف سے عروہ بن مسعود ثقفی آیا اس نے بڑی اونچ نیچ نشیب و فراز سمجھا کر رسول اللہ ﷺ کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ آپ مکہ میں داخل ہونے کے ارادے سے باز آجائیں مگر آپ نے اس کو بھی وہی جواب دیا جو بنی خزاعہ کے سردار کو دیا تھا کہ ہم لڑائی کے ارادہ سے نہیں آئے ہیں بلکہ بیت اللہ کی زیارت اور طواف کے ارادہ سے آئے ہیں، عروہ نے واپس جا کر قریش سے کہا کہ میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں بھی گیا ہوں مگر خدا کی قسم میں نے اصحاب محمد کی فدائیت کا جیسا منظر دیکھا ہے، ایسا منظر کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کے یہاں بھی نہیں دیکھا، ان کا حال تو یہ ہے کہ محمد ﷺ جب وضو کرتے ہیں تو ان کے اصحاب پانی کا ایک قطرہ بھی زمین پر گرنے نہیں دیتے اور اسے اپنے جسم اور کپڑوں پر مل لیتے ہیں، اب تم سوچ لو تمہارا مقابلہ کس سے ہے؟ اس دوران سفارت کاری کا عمل جاری تھا ایلچیوں کی آمد و رفت ہو رہی تھی اور گفت و شنید کا سلسلہ جاری تھا، قریش کے لوگ بار بار یہ کوشش کر رہے تھے کہ چپکے سے حضور کے کیمپ پر چھاپہ مار کر آپ کو اشتعال دلائیں، اور کسی نہ کسی طرح ان سے ایسا اقدام کرالیں جس سے لڑائی کا بہانہ ہاتھ آجائے، مگر ہر مرتبہ آپ کی تدبیروں اور صحابہ کے صبر و ضبط نے ان کی تدبیروں کو ناکام کر دیا، ایک دفعہ ان کے چالیس پچاس آدمی رات کے وقت مسلمانوں کے خیموں پر پتھر اور تیر برسانے لگے، صحابہ نے ان سب کو گرفتار کر کے آپ کی خدمت میں پیش کر دیا، ایک روز مقام تنعیم کی طرف سے ۸۰ آدمیوں نے عین نماز فجر کے وقت آکر اچانک چھاپہ مار دیا، یہ لوگ بھی گرفتار کر لئے گئے، مگر آپ ﷺ نے انہیں بھی رہا کر دیا۔

حضرت عثمان رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کی سفارتی مہم پر روانگی اور آپ ﷺ کا قریش کے نام پیغام:

بدیل بن ورقاء اور عروہ بن مسعود ثقفی یکے بعد دیگرے آپ ﷺ سے گفتگو کر کے واپس چلے گئے اور قریش سے پوری صورت حال بیان کی اور بتایا کہ یہ لوگ لڑائی کے ارادہ سے نہیں بلکہ زیارت بیت اللہ کے ارادہ سے آئے ہیں لہٰذا ان کا راستہ روکنا مناسب نہیں ہے مگر قریش پر جنگ کا جنون سوار تھا ان کی ایک نہ سنی اور آمادہ جنگ و پیکار ہوئے۔

امام بیہقی نے عروہ سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ میں پہنچ کر قیام فرمایا تو قریش گھبرا گئے تو آنحضرت ﷺ نے ارادہ کیا کہ ان کے پاس اپنا کوئی آدمی بھیج کر بتلادیں کہ ہم جنگ کرنے نہیں عمرہ کرنے آئے ہیں ہمارا راستہ نہ روکو، اس کام کے لئے اول حضرت عمر رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کو بلایا، حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ قریش میرے

سخت دشمن ہیں، کیونکہ ان کو میری عداوت اور شدت معلوم ہے اور میرے قبیلہ کا کوئی آدمی مکہ میں ایسا نہیں جو میری حمایت کرے اس لئے میں آپ کے سامنے ایک شخص کا نام پیش کرتا ہوں جو مکہ مکرمہ میں اپنے قبیلہ وغیرہ کی وجہ سے خاص قوت وعزت رکھتا ہے یعنی عثمان بن عفان، آپ نے حضرت عثمان کو اس کام کے لئے مامور فرما کر بھیج دیا اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جو ضعفاء مسلمین مکہ سے ہجرت نہیں کر سکے اور مشکلات میں پھنسے ہوئے ہیں ان کے پاس جا کر تسلی دیں کہ پریشان نہ ہوں انشاء اللہ مکہ مکرمہ فتح ہو کر تمہاری مشکلات ختم ہونے کا وقت قریب آگیا ہے، حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پہلے ان لوگوں کے پاس گئے جو مقام بلدح میں آنحضرت ﷺ کا راستہ روکنے کے لئے جمع ہوئے تھے، ان سے آپ ﷺ کی وہی بات سنا دی جو آپ نے بدیل اور عروہ بن مسعود وغیرہ کے سامنے کہی تھی ان لوگوں نے جواب دیا ہم نے پیغام سن لیا اپنے بزرگوں سے جا کر کہہ دو کہ یہ بات ہرگز نہ ہوگی، ان لوگوں کا جواب سن کر آپ مکہ مکرمہ کے اندر جانے لگے تو ابان بن سعید (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) سے ملاقات ہوئی، انہوں نے حضرت عثمان کا گرم جوشی سے استقبال کیا اور اپنی پناہ میں لیکر ان سے کہا کہ مکہ میں اپنا پیغام لیکر جہاں چاہیں جا سکتے ہیں، پھر اپنے گھوڑے پر حضرت عثمان کو سوار کر کے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، کیونکہ ان کا قبیلہ بنو سعد مکہ مکرمہ میں بہت قوی اور عزت دار تھا، حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ مکہ کے ایک ایک سردار کے پاس تشریف لے گئے اور آپ ﷺ کا پیغام سنایا، اس کے بعد حضرت عثمان ضعفاء مسلمین سے ملے ان کو بھی آپ ﷺ کا پیغام پہنچایا وہ بہت خوش ہوئے، جب حضرت عثمان پیغامات پہنچانے سے فارغ ہو گئے تو اہل مکہ نے ان سے کہا اگر آپ چاہیں تو طواف کر سکتے ہیں حضرت عثمان غنی نے فرمایا کہ میں اس وقت تک طواف نہیں کروں گا جب تک رسول اللہ ﷺ طواف نہ کریں۔

قریش کے ستر آدمیوں کی گرفتاری اور آپ کی خدمت میں پیشی:

اسی درمیان قریش نے اپنے پچاس آدمی اس کام پر لگائے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے قریب پہنچ کر موقع کا انتظار کریں اور موقع ملنے پر (معاذ اللہ) آپ ﷺ کا قصہ تمام کر دیں، یہ لوگ اسی تاک میں تھے کہ آنحضرت ﷺ کی حفاظت ونگرانی پر مامور حضرت محمد بن مسلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان سب کو گرفتار کر لیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا، حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ساتھ تقریباً دس مسلمان اور مکہ میں پہنچ گئے تھے، قریش نے جب اپنے پچاس آدمیوں کی گرفتاری کا حال سنا تو حضرت عثمان سمیت ان سب مسلمانوں کو روک لیا، اور قریش کی ایک جماعت مسلمانوں کے لشکر کی طرف روانہ ہوئی اور مسلمانوں پر تیر اور پتھر پھینکنے شروع کر دیئے، جس سے ایک صحابی ابن زنیم شہید ہو گئے اور مسلمانوں نے قریشیوں کے دس سواروں کو گرفتار کر لیا، ادھر رسول اللہ ﷺ کو کسی نے یہ خبر پہنچا دی کہ حضرت عثمان شہید کر دیئے گئے، ان کے واپس نہ آنے سے مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ یہ خبر سچی ہے، اب مزید تحمل کا کوئی موقع نہیں تھا، کیونکہ جب نوبت سفیر کے قتل تک پہنچ گئی تو اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ مسلمان جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔

بیعت رضوان کا واقعہ:

حضرت عثمان کے قتل کی خبر سن کر آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو جمع کیا اور ان سے اس بات پر بیعت لی، بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ بیعت موت پر تھی یعنی مرجائیں گے مگر قدم پیچھے نہ ہٹائیں گے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بیعت عدم فرار اور کمال ثبات وقرار پر تھی، باوجودیکہ حالات بڑے نازک تھے، ظاہری حالات مسلمانوں کے موافق نہیں تھے، مسلمانوں کی تعداد صرف چودہ سو تھی، اور سامانِ جنگ بھی سوائے تلوار کے پاس نہیں تھا، اپنے مرکز سے ڈھائی سو میل دور عین مکہ کی سرحد پر ٹھہرے ہوئے تھے جہاں دشمن پوری طاقت کے ساتھ ان پر حملہ آور ہو سکتا تھا، اور گردوپیش سے اپنے حامی قبیلوں کو لاکر انہیں گھیرے میں لے سکتا تھا اس کے باوجود تمام صحابہ نے سوائے جد بن قیس کے کہ وہ اونٹ کے پیچھے چھپ کر بیٹھا رہا اور اس دولت خداداد سے محروم رہا بیعت کی (خلاصة التفاسير) سب سے پہلے ابوسنان اسدی نے ہاتھ بڑھایا، اس کے بعد یکے بعد دیگرے جمعہ حاضرین نے بیعت کی، یہی وہ بیعت ہے جو ''بیعت رضوان'' کے نام سے تاریخ اسلام میں مشہور ہے، حضرت عثمان رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ چونکہ موجود نہیں تھے، اور وہ آپ ﷺ ہی کے کام میں تھے اس لئے آپ ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھ کر ان کی طرف سے بیعت کی اور اپنے دست مبارک کو حضرت عثمان رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کا ہاتھ قرار دیا۔

بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت عثمان کے قتل کی خبر غلط تھی، حضرت عثمان خود بھی واپس آگئے۔

فَائِدَة: اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہیں تھے ورنہ غلط خبر پر یقین نہ کرتے اور قریش کی طرف سے سہیل بن عمرو کی قیادت میں ایک وفد بھی صلح کی بات چیت کرنے کے لئے حضور کی خدمت میں حاضر ہوا، اب قریش اپنی اس ضد سے ہٹ گئے کہ آپ کو مکہ میں سرے سے داخل ہی نہ ہونے دیں گے، البتہ اپنی ناک بچانے کے لئے ان کو صرف یہ اصرار تھا کہ آپ اس سال واپس چلے جائیں، آئندہ سال آپ عمرہ کے لئے آسکتے ہیں۔

قریش کے وفد کی سربراہی سہیل بن عمرو کر رہے تھے، آپ نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا، اب معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم نے صلح کا ارادہ کرلیا ہے کہ سہیل کو پھر بھیجا ہے، آپ ﷺ چہار زانو بیٹھ گئے اور صحابہ میں سے عباد بن بشر اور سلمہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا ہتھیاروں سے مسلح آنحضرت کے پاس حفاظت کے لئے کھڑے ہوگئے صلح کے مسئلہ پر فریقین میں طویل گفتگو ہوئی گفتگو کے دوران کبھی آوازیں بلند بھی ہوجاتی تھیں، ایک مرتبہ سہیل کی آواز بلند ہوگئی تو عباد بن بشر نے سہیل کو ڈانٹا کہ حضور کے سامنے آواز بلند نہ کر، طویل ردوکد اور بحث ومباحثہ کے بعد آپ صلح پر راضی ہوگئے، سہیل نے کہا لائیے ہم صلح نامہ لکھ لیں، رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کو بلایا اور فرمایا لکھو، **بسم اللّٰه الرحمن الرحیم،** سہیل نے یہیں سے بحث شروع کردی کہ لفظ رحمن اور رحیم ہمارے محاورات میں نہیں ہے آپ یہاں وہی لفظ لکھیں جو پہلے لکھا کرتے تھے، یعنی **باسمك اللّٰهم** آپ نے اس کو مان لیا اور حضرت علی سے فرمایا ایسا ہی لکھ دو اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا لکھو، یہ وہ عہد نامہ ہے

جس کا فیصلہ محمد رسول اللہ نے کیا ہے سہیل نے اس پر بھی اعتراض کیا اور بضد ہوئے اور کہا اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے تو آپ کو ہرگز بیت اللہ سے نہ روکتے (صلح نامہ میں کوئی ایسا لفظ نہ ہونا چاہئے جو کسی فریق کے عقیدہ کے خلاف ہو) آپ صرف محمد بن عبداللہ لکھوائیں، آپ ﷺ نے اس کو بھی منظور فرما کر حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے فرمایا کہ جو لکھا ہے اس کو مٹا کر محمد بن عبداللہ لکھ دو، حضرت علی نے باوجود سراپا اطاعت ہونے کے عرض کیا، میں یہ کام تو نہیں کر سکتا، کہ آپ کے نام کو مٹا دوں، حاضرین میں سے حضرت اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ لیا کہ اس کو نہ مٹائیں اور بجز محمد رسول اللہ کے اور کچھ نہ لکھیں، اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو ہمارے اور ان کے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی اسی دوران چاروں طرف سے آوازیں بلند ہونے لگیں، تو رسول اللہ ﷺ نے صلح نامہ کا کاغذ خود اپنے دست مبارک میں لے لیا اور باوجود اس کے کہ آپ امی تھے پہلے کبھی لکھا نہیں تھا مگر اس وقت خود اپنے قلم سے آپ نے یہ لکھ دیا، **هذا ماقاضى عليه محمد بن عبدالله وسهيل بن عمرو صلحا على وضع الحرب عن الناس عشر سنين يأمن فيه الناس ويكف بعضهم عن بعض** یعنی یہ وہ فیصلہ ہے جو محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو نے دس سال کے لئے باہم جنگ نہ کرنے کا کیا ہے جس میں سب لوگ مامون رہیں ایک دوسرے پر چڑھائی اور جنگ سے پرہیز کریں۔ (معارف ملخصًا)

گفت وشنید اور بحث مباحثہ کے بعد جو صلح نامہ لکھا گیا اس کی دفعات مندرجہ ذیل تھیں:

❶ دس سال تک فریقین کے درمیان جنگ بند رہے گی، اور ایک دوسرے کے خلاف خفیہ یا علانیہ کوئی کارروائی نہ کی جائے گی۔

❷ اس دوران قریش کا جو شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر بھاگ کر محمد (ﷺ) کے پاس جائے گا، اسے آپ واپس کر دیں گے، اور آپ کے ساتھیوں سے جو شخص قریش کے پاس چلا جائے گا، وہ اسے واپس نہ کریں گے۔

❸ قبائل عرب میں سے جو قبیلہ بھی فریقین میں سے کسی ایک کا حلیف بن کر اس معاہدے میں شامل ہونا چاہے گا اسے اس کا اختیار ہوگا۔

❹ محمد ﷺ اس سال واپس جائیں گے اور آئندہ سال وہ عمرہ کے لئے آکر تین دن مکہ میں ٹھہر سکتے ہیں بشرطیکہ پرتلوں میں صرف ایک ایک تلوار لے کر آئیں، اور کوئی سامان حرب ساتھ نہ لائیں، ان تین دنوں میں اہل مکہ ان کے لئے شہر خالی کر دیں گے (تاکہ کسی تصادم کی نوبت نہ آئے) مگر جاتے وقت وہ یہاں کے کسی شخص کو ساتھ لیجانے کے مجاز نہ ہوں گے۔

شرائط صلح سے عام صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی ناراضی اور رنج:

جس وقت معاہدے کی شرائط طے ہو رہی تھیں تو مسلمانوں کے خیمے میں سخت اضطراب تھا کوئی شخص بھی ان مصلحتوں کو نہیں سمجھ رہا تھا جنہیں نگاہ میں رکھ کر نبی ﷺ شرائط قبول فرما رہے تھے، کسی کی نظر اتنی دوررس نہ تھی کہ اس صلح کے نتیجے میں جو خیر عظیم

رونما ہونے والی تھی اسے دیکھ سکے، کفار قریش اسے اپنی کامیابی سمجھ رہے تھے، اور مسلمان اس پر بے تاب تھے، کہ ہم آخر دب کر ذلیل شرائط کیوں قبول کریں؟ حضرت عمر جیسے بالغ نظر مدبر تک کا یہ حال تھا کہ ان سے نہ رہا گیا اور رسول ﷺ سے عرض کیا، یا رسول اللہ کیا آپ اللہ کے نبی برحق نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں، پھر حضرت عمر نے عرض کیا، کیا ہمارے مقتولین جنت میں اور ان کے مقتولین جہنم میں نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں، اس پر پھر حضرت عمر نے فرمایا پھر ہم اس ذلت کو کیوں قبول کریں کہ بغیر عمرہ کئے واپس چلے جائیں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں ہرگز اس کے حکم کے خلاف نہ کروں گا اور اللہ تعالیٰ مجھے ضائع نہ فرمائے گا وہ میرا مددگار ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ نے ہم سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ بیت اللہ کے پاس جائیں گے اور طواف کریں گے؟ آپ نے فرمایا بے شک یہ کہا تھا مگر کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ کام اسی سال ہوگا، تو حضرت عمر نے فرمایا، آپ نے یہ تو نہیں فرمایا تھا تو پھر آپ نے فرمایا یہ واقعہ جیسا میں نے کہا تھا ہو کر رہے گا، آپ بیت اللہ کے پاس جائیں گے اور طواف کریں گے۔

حضرت عمر خاموش ہو گئے مگر غم و غصہ کم نہیں ہوا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کے پاس سے اٹھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور اسی گفتگو کا اعادہ کیا جو حضور کے سامنے کی تھی، حضرت ابوبکر نے فرمایا محمد ﷺ خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں، وہ اللہ کے حکم کے خلاف کوئی کام نہ کریں گے، اور اللہ ان کا مددگار ہے، اس لئے تم مرتے دم تک آپ کی رکاب تھامے رہو، خدا کی قسم وہ حق پر ہیں، غرض حضرت عمر فاروق کو ان شرائط صلح سے سخت رنج و غم پہنچا، خود انہوں نے فرمایا کہ واللہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا مجھے کبھی شک پیش نہیں آیا بجز اس واقعہ کے۔ (رواہ بخاری، معارف)

حضرت ابو عبیدہ نے سمجھایا اور فرمایا شیطان کے شر سے پناہ مانگو، فاروق اعظم نے کہا میں شیطان کے شر سے پناہ مانگتا ہوں، حضرت عمر فرماتے ہیں کہ جب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو میں برابر صدقہ خیرات کرتا اور روزے رکھتا اور غلام آزاد کرتا رہا کہ میری یہ خطاء معاف ہو جائے۔

ایک حادثہ اور پابندی معاہدہ کی بے نظیر مثال:

جس واقعہ نے جلتی پر تیل کا کام کیا، وہ یہ تھا کہ عین اسی وقت کہ جب صلح کا معاہدہ لکھا جا رہا تھا اور صحابہ کرام اس معاہدے کی شرائط سے برہم اور رنجیدہ تھے کہ اچانک سہیل بن عمرو (جو کہ قریش کی جانب سے معاہدہ کے فریق تھے) کے فرزند ابوجندل جو مسلمان ہو چکے تھے، اور کفار مکہ نے ان کو قید کر رکھا تھا کسی نہ کسی طرح بھاگ کر پابزنجیر آپ ﷺ کے کیمپ میں پہنچ گئے، ان کے جسم پر تشدد کے نشانات تھے ابوجندل نے آپ سے پناہ کی درخواست کی کچھ مسلمان آگے بڑھے اور ابوجندل کو اپنی پناہ میں لے لیا، سہیل چلا اٹھا کہ یہ عہد نامہ کی خلاف ورزی ہے اگر اس کو واپس نہ کیا تو میں صلح کی کسی شرط کو نہ مانوں گا، مسلمانوں نے کہا ابھی صلح نامہ مکمل نہیں ہوا ابھی دستخط نہیں ہوئے، لہٰذا یہ واقعہ صلح نامہ کے تحت نہیں آتا، سہیل

نے کہا صلح نامہ کی تحریر خواہ مکمل نہ ہوئی ہو مگر شرائط تو ہمارے اور تمہارے درمیان طے ہو چکی ہیں، اس لئے اس لڑکے کو میرے حوالہ کیا جائے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی حجت کو تسلیم فرمایا اور ابوجندل کفار کے حوالہ کر دیئے گئے، ابوجندل کو آواز دیکر فرمایا کہ اے ابوجندل تم چندروز اور صبر کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اور ضعفاء مسلمین کے لئے جو مکہ میں محبوس ہیں جلد رہائی اور فراخی کا سامان کرنے والا ہے، مسلمانوں کے دلوں پر ابوجندل کے اس واقعہ نے نمک پاشی کی مگر معاہدہ مکمل ہو چکا تھا، اس صلح نامہ پر مسلمانوں کی طرف سے ابوبکر و عمر و عبدالرحمٰن بن عوف اور عبداللہ بن سہیل بن عمرو، سعد بن ابی وقاص، محمود بن مسلمہ اور علی بن ابی طالب رَضِحَاللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ وغیرہ نے دستخط کئے، اسی طرح مشرکین کی طرف سے سہیل کے ساتھ چند دوسرے لوگوں نے دستخط کئے۔

احرام کھولنا اور قربانی کے جانور ذبح کرنا:

صلح نامہ سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب لوگ اپنی قربانی کے جانور جو ساتھ ہیں ان کی قربانی کر دیں اور سر کے بال منڈوا کر احرام کھولدیں، صحابہ کرام کی غم کی وجہ سے یہ حالت ہوگئی تھی کہ آپ کے فرمانے کے باوجود کوئی اس کام کے لئے تیار نہ ہوا، اور غم وشکستگی کی وجہ سے کسی نے حرکت نہ کی، حضور کے پورے دور رسالت میں اس ایک موقع کے سوا کبھی یہ صورت پیش نہیں آئی کہ آپ صحابہ کو حکم دیں اور صحابہ اس کام کے لئے دوڑ نہ پڑیں، آنحضرت کو بھی اس صورت حال سے صدمہ ہوا، آپ نے اپنے خیمہ میں جا کر ام المومنین حضرت ام سلمہ رَضِحَاللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا سے اس کا اظہار فرمایا، انہوں نے عرض کیا آپ خاموشی کے ساتھ تشریف لے جا کر خود اپنا اونٹ ذبح فرمادیں، صحابہ کرام سے اس پر کچھ نہ کہیں ان کو اس وقت سخت صدمہ اور رنج شرائط صلح اور بغیر عمرہ کے واپسی کی وجہ سے ہے، آپ سب کے سامنے حجام کو بلا کر خود اپنا حلق کر کے احرام کھولدیں، آپ نے مشورہ کے مطابق ایسا ہی کیا صحابہ کرام نے جب دیکھا تو سب کھڑے ہوگئے، آپس میں ایک دوسرے کا حلق کرنے لگے اور جانوروں کی قربانی کرنے لگے، آپ نے سب کے لئے دعاء فرمائی۔

معجزے کا ظہور:

رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر انیس یا بیس دن قیام فرمایا تھا، اب یہاں سے واپسی شروع ہوئی جب آپ صحابہ کے مجمع کے ساتھ پہلے مرالظہر ان پھر عسفان پہنچے، یہاں پہنچ کر مسلمانوں کا زادراہ تقریباً ختم ہوگیا، رسول اللہ ﷺ نے ایک دسترخوان بچھایا، اور سب کو حکم دیا کہ جس کے پاس جو کچھ ہے لا کر جمع کردے، اس طرح جو کچھ باقی ماندہ کھانے کا سامان تھا سب اس دسترخوان پر جمع ہوگیا، چودہ سو حضرات کا مجمع تھا، آپ نے دعاء فرمائی سب نے شکم سیر ہو کر کھایا اور اپنے اپنے برتنوں میں بھی بھر لیا، اس کے بعد بھی اتنا ہی کھانا باقی تھا۔

صحابہ کے ایمان اور اطاعت رسول کا ایک اور امتحان اور صحابہ کی بے نظیر قوت ایمانی:

اس کے بعد جب یہ قافلہ حدیبیہ کی صلح کو اپنی شکست اور ذلت سمجھتا ہوا مدینہ کی طرف واپس جارہا تھا، تو ضجنان کے مقام پر اور بقول بعض کراع الغمیم کے مقام پر سورۂ فتح نازل ہوئی، جس نے مسلمانوں کو بتایا کہ یہ صلح جس کو وہ شکست سمجھ رہے ہیں دراصل یہ فتح عظیم ہے، اس کے نازل ہونے کے بعد حضور نے مسلمانوں کو جمع فرمایا، اور فرمایا آج مجھ پر وہ چیز نازل ہوئی ہے جو میرے لئے دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمتی ہے، پھر آپ نے یہ سورت تلاوت فرمائی، اور خاص طور سے حضرت عمر تَعَالٰی عَنْهُ رَضِیَ اللّٰهُ کو بلا کر اسے سنایا کیونکہ وہ سب سے زیادہ رنجیدہ تھے، صحابہ کرام کے قلوب تو اس طرح کی شرائط صلح کی وجہ سے پہلے زخم خوردہ اور غم زدہ تھے، اس سورت نے بتایا کہ یہ فتح مبین حاصل ہوئی ہے، حضرت عمر رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ پھر سوال کر بیٹھے کہ یا رسول اللہ کیا یہ فتح ہے؟ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ فتح مبین ہے، صحابہ کرام نے اس پر سر تسلیم خم کیا اور ان سب چیزوں کو "فتح مبین" یقین کیا۔

وفاء عہد کا دوسرا بے نظیر واقعہ:

ابوجندل کے واقعہ کے بعد ابوبصیر کا واقعہ پیش آیا، واقعہ یہ ہوا کہ ابوبصیر مسلمان ہو کر مدینہ آ گئے ان کے پیچھے دو قریشی بھی ان کو واپس لینے کے لئے مدینہ منورہ آئے، آپ ﷺ نے ابوبصیر کو معاہدے کے مطابق ان کے حوالہ کر دیا، ابوبصیر نے بہت آہ و فریاد کی مگر آپ نے فرمایا اے ابوبصیر ہمارے دین میں غدر و بے وفائی نہیں، اللہ تیرے اور تیرے ساتھیوں کے لئے کوئی صورت نکالنے والا ہے، مجبوراً ابوبصیر قریشیوں کے ساتھ چلے گئے، راستہ میں ابوبصیر نے ان میں سے ایک سے کہا تیری تلوار اچھی نہیں معلوم ہوتی، دوسرے نے تلوار نکالی اور کہا میری تلوار نہایت عمدہ ہے میں اس کا تجربہ کر چکا ہوں، ابوبصیر نے کہا میں بھی ذرا دیکھوں تلوار ان کو دیدی، قریشی بے خبر غفلت میں تھے دفعۃً آن واحد میں ابوبصیر نے چابکدستی سے ایک ہی وار میں سرتن سے جدا کر دیا، دوسرا بھاگ کھڑا ہوا، یہ اس کے پیچھے لپکے مگر وہ بھاگ کر مدینہ میں داخل ہو گیا اور آپ ﷺ سے فریاد کی، اتنے میں ابوبصیر بھی آ گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے حسب معاہدہ مجھے ان کے حوالہ کر دیا، اب اللہ نے مجھے چھڑا لیا ہے، آپ نے فرمایا اے ابوبصیر تو لڑائی کی آگ بھڑکانے والا ہے، کاش اس کے ساتھ دوسرا بھی ہوتا، ابوبصیر سمجھ گئے اور مقام سیف البحر میں آ کر قیام کیا، جو لوگ مکہ میں تھے اور اپنا اسلام چھپائے ہوئے یا مشرکین مکہ کے مظالم برداشت کر رہے تھے مثلاً ابوجندل وغیرہ جب انہوں نے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ کاش ابوبصیر کے ساتھ دوسرا ہوتا تو وہ لوگ بھی ایک ایک کر کے سیف البحر پہنچ کر ابوبصیر کے گروہ میں شامل ہو گئے حتی کہ ان کی تعداد ستر تک پہنچ گئی، ادھر مشرکین مکہ کا جو قافلہ اس راستہ سے گذرتا اس سے مزاحمت کرتے آسانی سے مشرکین کا قافلہ نہیں گذر سکتا تھا، مشرکین مکہ اس سے تنگ آ گئے، جب نہایت عاجز ہو گئے تو آپ ﷺ کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ ہم اس شرط سے دست بردار

ہوتے ہیں، اب آئندہ جو بھی مسلمان ہوکر آپ کے پاس آئے آپ اس کو پناہ دیجئے اور خدا کے واسطے ابو بصیر کے گروہ کو ہماری مزاحمت سے منع کیجئے، مومنین نے اللہ کی مدد دیکھی اور بہت خوش ہوئے، ابو بصیر کا گروہ بھی مدینہ آ گیا اور آئندہ کے لئے راہ کھل گئی، اس واقعہ کا اکثر حصہ بخاری سے ہے اور کچھ دیگر کتب سے ہے۔ (خلاصۃ التفاسیر)

لیدخل المؤمنین والمؤمنات (الآیة) مروی ہے کہ جب مسلمانوں نے سورۂ فتح کا ابتدائی حصہ **لیغفر لك اللّٰه** سنا تو صحابہ کرام نے آپ ﷺ کو مغفرت پر مبارکباد دی، اور عرض کیا ہمارے لئے کیا ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔

الظانین باللّٰه ظن السوء علیهم دائرة السوء یعنی اللہ کو اس کے حکموں کے بارے میں متہم کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں گمان رکھتے ہیں کہ یہ مغلوب یا مقتول ہو جائیں گے اور دین اسلام کا خاتمہ ہو جائے گا (ابن کثیر) اور جس گردش یا ہلاکت کے مسلمانوں کے لئے منتظر ہیں وہ تو ان ہی کا مقدر بننے والی ہے۔

فائدہ: **ان الذین یبایعونك** (الآیة) جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں اور اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے، بیعت بالفتح عہد کرنا، بیعت کے عنوان اور طریقے آپ سے مختلف منقول ہیں، کبھی آپ نے کسی خاص امر پر بیعت لی، جیسا کہ جریر سے عہد لیا، **والنصح لکل مسلم** ہر مسلمان کی خیر خواہی کرو، اور بعض عورتوں سے نوحہ نہ کرنے پر عہد لیا اور کبھی ترک سوال پر اور کبھی اطاعت و انقیاد پر، اور کبھی جہاد و قتال پر۔

سوال: یہ وعدۂ انعام اصحاب بیعت رضوان کے ساتھ خاص ہے یا عام ہے۔

جواب: جن کے حق میں آیت نازل ہوئی ہے وہ اول اور بالذات مصداق ہیں اور دوسرے جو اسے اختیار کریں مصداق ثانی اور بالتبع ہیں، اصحاب بیعت رضوان یقیناً اس دولت کو پا گئے مگر دوسروں کے بارے میں یقین و تعیین نہیں، اس لئے کہ اعتبار عموم سبب کا ہے نہ کہ خصوص مورد کا۔

شبہ: اگلی آیت میں **اذ یبایعونك تحت الشجرة** اس میں لفظ تحت الشجرۃ کی قید ہے، لہٰذا عموم باقی نہ رہا۔

جواب: **تحت الشجرة** کی قید کو رضا و قبول میں مطلقاً دخل نہیں ہے، صرف ایک واقعہ کا بیان ہے، اگر اس درخت کی کوئی فضیلت ہوتی تو تمام بیعتیں اسی درخت کے نیچے ہوا کرتیں اور حضرت عمر اس کو نہ کٹواتے۔

فائدہ: خلفاء اسلام اور اولیاء کرام کی بیعت کا اسی بیعت پر قیاس ہے مگر بیعت خلافت تو مسنون و متوارث ہے اور صوفیہ کی بیعت متضمن ہے بیعت خلافت کو (خلاصۃ التفاسیر) تفصیل کے لئے خلاصہ کی طرف رجوع کریں۔

مسئلہ: بیعت سنت ہے نہ کہ واجب، نہ بدعت، ایسا ہی فرمایا ہے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے قول الجمیل میں۔

مسئلہ: بیعت ایک عہد ہے جو زبان اور کتابت سے تام ہو جاتی ہے مگر مصافحہ مسنون ہے۔

مسئلہ: عورتوں سے بیعت بذریعہ مصافحہ جائز نہیں ہے، حضرت عائشہ کی روایت بخاری میں موجود ہے فرماتی ہیں کہ آپ نے عورتوں سے زبانی بیعت لی، کبھی آپ نے عورت کا ہاتھ نہیں چھوا۔

مسئلہ: مرید اگر صغیرہ ہو یا محارم میں سے ہو تب بھی ترک مصافحہ اولیٰ ہے۔

مسئلہ: عورتوں سے بیعت کرنا منقول نہیں مگر چند وجوہ سے جائز ہے (تفصیل کے لئے خلاصۃ التفاسیر کی طرف رجوع کریں)۔

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ حول المدينة أي الذين خلفهم الله عن صحبتك لما طلبتهم ليخرجوا معك إلى مكة خوفًا من تعرض قريش لك عام الحديبية إذا رجعت منها **شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا** عن الخروج معك **فَاسْتَغْفِرْ لَنَا** الله من ترك الخروج معك قال تعالى مكذبا لهم **يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِمْ** أي من طلب الاستغفار وما قبله **مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ** فهم كاذبون في اعتذارهم **قُلْ فَمَنْ** استفهام بمعنى النفي أي لا أحد **يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا** بفتح الضاد وضمها **أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا** أي لم يزل متصفا بذلك **بَلْ** في الموضعين للانتقال من غرض إلى آخر **ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَى أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزُيِّنَ ذَلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ** أي أنهم يستأصلون بالقتل فلا يرجعون **وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ** هذا وغيره **وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا** جمع بائر أي هالكين عند الله بهذا الظن **وَمَنْ لَمْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا** نارا شديدة **وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا** أي لم يزل متصفا بما ذكر **سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ** المذكورون **إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَى مَغَانِمَ** هي مغانم خيبر **لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا** اتركونا **نَتَّبِعْكُمْ** لنأخذ منها **يُرِيدُونَ** بذلك **أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ** وفي قراءة كلم بكسر اللام أي مواعيده بغنائم خيبر أهل الحديبية خاصة **قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ** أي قبل عودنا **فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا** أن نصيب معكم من الغنائم فقلتم ذلك **بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ** من الدين **إِلَّا قَلِيلًا** منهم **قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ** المذكورين اختبارا **سَتُدْعَوْنَ إِلَى قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ** قيل هم بنو حنيفة أصحاب اليمامة وقيل فارس والروم **تُقَاتِلُونَهُمْ** حال مقدرة هي المدعو إليها في المعنى **أَوْ** هم **يُسْلِمُونَ** فلا تقاتلون **فَإِنْ تُطِيعُوا** إلى قتالهم **يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا وَإِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا** مؤلما **لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ** في ترك الجهاد **وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ** بالياء والنون **جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَنْ يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ** بالياء والنون **عَذَابًا أَلِيمًا**

ترجمہ: اطراف مدینہ کے جو دیہاتی (سفر حدیبیہ میں شرکت سے) پیچھے رہ گئے تھے یعنی وہ دیہاتی جن کو اللہ نے آپ کی معیت سے پیچھے کر دیا (یعنی محروم کر دیا) تو جبکہ حدیبیہ کے سال آپ نے ان سے اپنی معیت میں مکہ کی طرف نکلنے کے

لئے قریش کے تعرض کے اندیشہ کے پیش نظر چلنے کے لئے فرمایا تھا وہ عنقریب کہیں گے کہ ہمارے مال وعیال نے آپ کے ساتھ نکلنے سے مشغول رکھا، تو آپ ہمارے لئے آپ کے ساتھ نہ نکلنے پر اللہ تعالیٰ سے معافی کی دعا فرما دیجئے، اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا یہ جو معافی طلب کرنے کے لئے اب جو کہہ رہے ہیں اور اس سے پہلے جو عذر بیان کیا یہ بات محض زبان پر ہے دل میں نہیں ہے لہٰذا وہ اپنے عذر بیان کرنے میں جھوٹے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ تمہارے لئے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا بھی کون اختیار رکھتا ہے؟ استفہام بمعنی نفی ہے یعنی کوئی اختیار نہیں رکھتا، اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے (ضَرّ) ضاد کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ یا تمہیں نفع پہنچانے کا ارادہ کرے، بلکہ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے یعنی وہ اس صفت سے ہمیشہ متصف ہے بلکہ تم تو یہ سمجھے ہوئے تھے کہ رسول اور مومنین اپنے اہل وعیال میں بھی لوٹ کر نہ آویں گے (بل) دونوں جگہ پر ایک غرض سے دوسری غرض کی طرف انتقال کے لئے ہے اور یہ بات تمہارے دلوں کو اچھی بھی معلوم ہوتی تھی کہ ان لوگوں کا قتل کے ذریعہ صفایا کر دیا جائے کہ ان کو لوٹنا نصیب ہی نہ ہو اور تم نے یہ اور اسی جیسے اور (بہت سے) برے گمان کر رکھے تھے اور تم لوگ ہو ہی ہلاک ہونے والے لوگ بور بائر کی جمع ہے یعنی اس بدگمانی کی وجہ سے عند اللہ ہلاک ہونے والے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ رکھے گا تو ہم نے ان کافروں کے لئے دوزخ کی سخت آگ تیار کر رکھی ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا مالک اللہ ہی ہے وہ جسے چاہے معاف کرے اور جسے چاہے سزا دے جب تم مال غنیمت اور وہ خیبر کا مال غنیمت ہے لینے جاؤ گے تو یہی پیچھے چھوڑے ہوئے لوگ عنقریب کہیں گے کہ ہم کو بھی اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دیدیجئے تاکہ ہم بھی مال غنیمت میں سے کچھ حاصل کریں وہ چاہتے ہیں کہ اس طریقہ سے اللہ کے حکم کو بدل ڈالیں، اور ایک قراءت میں کَلِمَ اللّٰہِ ہے، لام کے کسرہ کے ساتھ یعنی مخصوص طور پر اہل حدیبیہ کے لئے خیبر کے مال غنیمت کے وعدوں کو (بدل ڈالیں) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حدیبیہ سے لوٹنے سے پہلے ہی فرما چکا ہے کہ تم ہمارے ساتھ ہرگز نہیں چل سکتے تو عنقریب (اس کے جواب میں) کہیں گے (یہ بات نہیں) بلکہ تم ہمارے اوپر اس بات سے حسد کرتے ہو کہ تمہارے ساتھ ہم کو بھی مال غنیمت مل جائے اسی لئے تم یہ بات کہہ رہے ہو (یہ بات نہیں ہے) اصل بات یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے دین کی بات بہت کم لوگ سمجھتے ہیں، آپ ان پیچھے چھوڑے ہوئے اعرابیوں سے کہہ دو کہ آزمائش کے طور پر عنقریب تم کو ایک سخت جنگجو قوم (سے مقابلہ) کے لئے بلایا جائے گا کہا گیا ہے کہ وہ یمامہ کے باشندے بنو حنیفہ ہیں، اور کہا گیا ہے کہ فارس اور روم ہیں، حال یہ کہ تم ان سے لڑو گے یہ حال مقدرہ ہے اور حالت قتال ہی حقیقت میں مدعو الیہا ہے یا وہ مسلمان ہو جائیں تو پھر تم ان سے قتال نہ کرو گے، پس اگر تم ان سے قتال کرنے میں اطاعت کرو گے تو اللہ تم کو بہت بہتر اجر عطا فرمائے گا اور اگر تم روگردانی کرو گے جیسا کہ پہلے روگردانی کر چکے ہو تو وہ تم کو دردناک سزا دے گا، نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ مریض پر کوئی گناہ ہے، ترک جہاد میں اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو اس کو اللہ ایسی

جنت میں داخل کرے گا جس میں نہریں بہتی ہوں گی (یدخله) میں یاء اور نون دونوں قراءتیں ہیں اور جو روگردانی کرے گا وہ اس کو دردناک عذاب دے گا (یعذبه) یاء اور نون کے ساتھ ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: حول المدینة یہ الأعراب کی صفت ہے، المقیمین حولَ المدینةِ حال بھی ہوسکتا ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی کائنین حول المدینةِ.

قَوْلُہٗ: اِذَا رَجَعْتَ یہ سیقولون کا ظرف ہے، ای سَیَقُوْلُوْنَ اذا رَجَعْتَ من الحدیبیةِ.

قَوْلُہٗ: بَلْ فِی الْمَوْضِعَیْنِ لِلْاِنْتِقَالِ الخ بل دونوں جگہ ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف انتقال کے لئے ہے، بل اول سے پہلے مخلفون کے اعتذار میں تکذیب کا بیان ہے اور بل کے بعد ان کے عذر بارد اور تخلف پر وعید کا بیان ہے، دوسرے بل کے بعد اس سبب کا بیان ہے جس نے ان کو تخلف اور عذر بارد پر آمادہ کیا، اور یہ ترقی فی الرد کے طور پر ہے۔

قَوْلُہٗ: لن تتبعونا یہ جملہ نہی کے معنی میں ہے ای لا تتبعوا معنا.

قَوْلُہٗ: کذلك قال اللّٰه، ای حکم اللّٰه یعنی اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ سے لوٹنے سے پہلے حکم فرمادیا کہ غزوۂ خیبر میں وہی لوگ شریک ہوں گے جو سفر حدیبیہ میں شریک ہوئے ہیں اور وہی خیبر کے مال غنیمت کے مستحق ہوں گے۔

قَوْلُہٗ: فسیقولون بل تحسدوننا یعنی ہم کو خیبر کے مال غنیمت میں شریک نہ کرنے کا حکم، حکم خداوندی نہیں ہے بلکہ یہ ہم پر تمہارے حسد کا نتیجہ ہے۔

تفسیر وتشریح

سیقول لَكَ المخلفون من الاعراب اعراب سے وہ قبیلے مراد ہیں جو مدینہ کے اطراف میں آباد تھے مثلاً غفار، مزینہ، جہینہ اور اسلم، جب آنحضرت ﷺ نے خواب دیکھنے کے بعد (جس کی تفصیل گذر چکی ہے) عام منادی کرادی تو مذکورہ قبیلوں نے سوچا کہ موجودہ حالات مکہ جانے کے لئے سازگار نہیں ہیں وہاں ابھی کافروں کا غلبہ ہے اور مسلمان کمزور ہیں، نیز مسلمان عمرہ کے لئے پورے طور پر ہتھیار بند ہوکر بھی نہیں جاسکتے، اگر خدانخواستہ کفار آمادۂ پیکار ہوگئے تو مسلمان ان کا مقابلہ کیسے کریں گے؟ اس وقت مکہ جانے کا مطلب ہے خود کو ہلاکت میں ڈالنا، چنانچہ یہ لوگ عمرہ کے لئے نہیں نکلے اسی کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تجھ سے اے محمد مشغولیتوں کا عذر پیش کرکے مغفرت کی التجا کریں گے۔

یریدون ان یبدلوا کلام اللّٰه اس سے مراد خیبر کے غنائم کا اہل حدیبیہ کے لئے مخصوص ہونا ہے، اس کے بعد فرمایا کذلکم قال اللّٰه من قبل اس سے بھی مقصد خیبر کے اموال غنائم کے اہل حدیبیہ کے ساتھ تخصیص کی تائید ہے، مگر سوال یہ ہے کہ قرآن کریم میں تو کہیں اس تخصیص کا ذکر نہیں ہے پھر اس تخصیص کے وعدہ کو کلام اللّٰه اور قال اللّٰه کہنا کیسے صحیح ہے؟

جَوَابِ: علماء تفسیر نے فرمایا ہے کہ اس تخصیص کا ذکر اگر چہ وحی متلو (قرآن) میں نہیں ہے البتہ وحی غیر متلو (حدیث) کے ذریعہ سفر حدیبیہ میں فرمایا تھا اسی کو اس جگہ **کلام اللہ** اور **قال اللہ** سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔

قل لن تتبعونا ساتھ چلنے کی ممانعت جو کہ سابقہ جملہ سے بالکل واضح ہے یہ ممانعت صرف غزوۂ خیبر کے ساتھ خاص ہے، دیگر غزوات میں شرکت کی ممانعت نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ قبیلہ جہینہ اور مزینہ بعد میں آپ ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوئے ہیں، صلح حدیبیہ کے واقعہ کی تفصیل مع مباحث سورت کے شروع میں گذر چکی ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ بالحُدَيْبِيَة **تَحْتَ الشَّجَرَةِ** هي سَمُرَةٌ وهم الفٌ وثلثمائةٍ او اكثرُ ثم بايعهم على أن يُناجِزُوا قُرَيْشًا وان لا يفرُّوا على الموت **فَعَلِمَ** الله **مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ** من الوفاء والصدق **فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا** هو فتحُ خيبر بعد انصرافه من الحُدَيْبِيَة **وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا** من خيبر **وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا** اى لم يَزَلْ مُتَّصِفًا بذلك **وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا** من الفُتُوحات **فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ** غنيمةَ خَيْبَر **وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ** في عيالكم لَمَّا خرجتم وهمَّت بهم اليهودُ فقذفَ اللّٰهُ في قُلُوبهم الرُّعبَ **وَلِتَكُوْنَ** اى المُعَجَّلَة عطفٌ على مُقدَّرٍ اى لِتشكُرُوه **اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ** في نَصْرِهم **وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا** اى طريقَ التَّوَكُّلِ عليه وتفويضِ الامْرِ اليه تعالى **وَّاُخْرٰى** صِفةُ مَغانِم مُقَدَّر مُبْتَدأ **لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا** هي من فارِسَ والرُّوم **قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا** عَلِمَ انها ستكونُ لكم **وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا** اى لم يَزَلْ مُتَّصِفًا بذلك **وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** بالحُدَيْبِيَة **لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا** يحرُسُهم **وَّلَا نَصِيْرًا سُنَّةَ اللّٰهِ** مَصْدَرٌ مُؤَكِّدٌ لمَضْمُون الجُمْلة قبله من هزيمة الكافرين ونَصْرِ المُؤمِنِين اى سَنَّ اللّٰهُ ذلك سُنَّةً **الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا** منه **وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ** بالحُدَيْبِيَة **مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ** فانّ ثمانين منهم طافوا بعسكرِكم لِيُصيبُوا منكُمْ فأُخِذُوا وأُتي بهم الى رسُول الله صلى اللّٰهُ عليه وسلم فعفا عنهم وخلّى سبيلهم فكانَ ذلك سَبَبَ الصُّلح **وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا** بالياء والتاء اى لم يزلْ مُتَّصِفًا بذلك **هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** اى عن الوُصُول اليه **وَالْهَدْيَ** معطُوفٌ على كم **مَعْكُوْفًا** محبُوسًا حال **اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ** اى مَكانَه الَّذِي يُنحَرُ فيه عادةً وهُوَ الحَرَمُ بَدلُ اشتِمالٍ **وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ** مَوْجُودُون بمكّة مع الكُفّار **لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ** بصفة الإيمان **اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ** اى تقتُلُوهم مَعَ الكُفّار لو أُذِنَ لكم في الفَتْح بَدَلُ اشْتِمالٍ من هم **فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌ** اى اثْمٌ **بِغَيْرِ عِلْمٍ** منكم به وضمائِرُ الغَيْبَةِ للصِّنْفَيْنِ بتغليب الذُّكُورِ وجوابُ لولا محذُوفٌ اى لَأُذِنَ لكم في الفتح

لکن لم یُؤذن فیه حینئذٍ **لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِي رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ** کالمُؤمنین **لَوْ تَزَيَّلُوْا** تمیّزوا عن الکفار **لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ** من اھلِ مکّۃَ حینئذٍ بِاَنْ ناذَنَ لکم فی فتحِھا **عَذَابًا اَلِيْمًا**۝ مؤلمًا **اِذْ جَعَلَ** مُتعلِّق بعذّبنا **الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** فاعلٌ **فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ** الانفةَ مِنَ الشَّیْءِ **حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ** بَدَلٌ مِنَ الحَمِیَّۃِ وھی صَدُّھُم النبیّ صلی اللّٰہُ علیه وسلم واَصْحَابَهٗ عنِ المَسْجِدِ الحَرَامِ **فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ** فصالحوھم علی اَنْ یَعُوْدُوا مِنْ قابلٍ ولم یَلْحَقْھُم مِنَ الحَمِیَّۃِ ما لَحِقَ الکُفَّارَ حتّٰی یُقَاتِلُوھم **وَاَلْزَمَهُمْ** ای المُؤمنِینَ **كَلِمَةَ التَّقْوٰى** لَا اِلٰهَ الا اللّٰهُ محمدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ واُضِیفَ الی التَّقْوی لِاَنَّھَا سَبَبُھا **وَكَانُوْا اَحَقَّ بِهَا** بالکَلِمَۃِ مِنَ الکُفَّارِ **وَاَهْلَهَا** عَطْفٌ تَفْسِیْرِیٌّ **وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا**۝ ای لم یزل مُتَّصِفٌ بذلك ومِن مَعْلُومِه تعالی اَنَّھُم اَھْلُھا.

ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہوا جب انہوں نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی اور وہ ببول کا درخت ہے اور اصحاب حدیبیہ ایک ہزار تین سو یا اس سے کچھ زائد تھے، پھر ان حضرات نے اس پر بیعت کی کہ وہ قریش کا مقابلہ کریں گے، اور یہ کہ وہ موت سے راہ فرار اختیار نہ کریں گے، اللہ کو ان کے دلوں کے وفا وصدق کا حال معلوم تھا اس لئے ان پر سکینت نازل فرمائی اور ان کو قریبی فتح عطا فرمائی اور وہ فتح حدیبیہ سے واپسی کے بعد خیبر کی فتح تھی اور بہت سی غنیمتیں کہ جن کو وہ خیبر سے حاصل کریں گے اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے، یعنی وہ اس صفت کے ساتھ ہمیشہ متصف ہے اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کو تم فتوحات کے ذریعہ حاصل کرو گے یہ یعنی خیبر کی غنیمت تو تم کو سر دست عطا فرما دی اور لوگوں کے ہاتھ تمہارے اہل وعیال کے بارے میں روک دیئے جب تم (حدیبیہ کے لئے) نکلے اور یہود نے تمہارے اہل وعیال کا قصد کیا، کہ اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور تا کہ فوری طور پر عطا کی گئی یہ غنیمت (دوسرے وعدوں کے لئے) مومنین کی نصرت پر مومنین کے لئے نشانی ہو ولتکون کا عطف لتشکروہ مقدر پر ہے اور تا کہ وہ تم کو ایک سیدھے راستہ پر ڈال دے اور وہ (سیدھا راستہ) اس پر توکل کرنے اور معاملہ کو اس کے سپرد کرنے کا ہے اور تمہیں دوسری غنیمتیں بھی دے اخری، مغانم مقدر مبتداء کی صفت ہے، جس پر تم نے (ابھی) قبضہ نہیں کیا ہے اور وہ فارس اور روم سے (حاصل ہونے والی غنیمتیں) ہیں، اور وہ اللہ کے قابو میں ہیں یعنی اللہ اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ وہ عنقریب تم کو ملنے والی ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے یعنی وہ اس صفت سے ہمیشہ متصف ہے اور حدیبیہ میں اگر کافر تم سے جنگ کرتے تو یقیناً پیٹھ دکھا کر بھاگتے پھر نہ وہ کارساز پاتے کہ ان کی حفاظت کرے، اور نہ مددگار اللہ کے اس دستور کے مطابق جو پہلے سے چلا آرہا ہے سنۃ مصدر ہے جو سابق جملہ کے مضمون کی تاکید کر رہا ہے اور وہ مضمون کافروں کی ہزیمت اور مومنین کی نصرت ہے، یعنی اللہ نے اپنا یہ دستور بنا لیا ہے اور تو کبھی اللہ کے دستور کو اس سے بدلتا ہوا نہ پائے گا، اور وہ وہی ہے کہ جس نے ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں

کو ان سے عین مکہ حدیبیہ میں روک لیا، اس کے بعد کہ اس نے تمہیں ان پر غلبہ دیدیا بایں طور کہ ان میں سے اسی نے تمہارے لشکر کو گھیر لیا تاکہ وہ تم پر (حملہ آور ہوں) ٹوٹ پڑیں، مگر وہ گرفتار کر لئے گئے، اور ان کو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے ان کو معاف کر دیا اور ان کو رہا کر دیا، اور یہی بات صلح کا سبب ہوئی اور تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے (تعملون) میں یاء اور تاء دونوں ہیں، یعنی وہ اس صفت کے ساتھ ہمیشہ متصف ہے، یہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور تم کو شہر حرام سے یعنی وہاں پہنچنے سے روکا اور قربانی کے جانوروں کو بھی ان کی جگہ پہنچنے سے روکا حال یہ کہ وہ (قربانی کے لئے) وقف تھے یعنی اس جگہ پہنچنے سے روکا جہاں عام طور پر ہدی قربان کی جاتی ہے اور وہ حرم ہے، ان یبلغ الھدی سے بدل الاشتمال ہے، اور اگر بہت سے مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں کفار کے ساتھ (خلط ملط) مکہ میں موجود نہ ہوتے کہ جن کی صفت ایمان سے تمہارے بے خبر ہونے کی وجہ سے تمہارے ان کو کچل ڈالنے کا احتمال نہ ہوتا یہ کہ تم ان کو کفار کے ساتھ قتل کر دو گے، اگر تم کو فتح کی اجازت دیدی جاتی ان تَطَئُوْھُمْ تعلموھم کی ضمیر ھم سے بدل ہے جس پر ان کی وجہ سے تم کو بھی بے خبری میں ضرر (ندامت) پہنچا، غائب کی ضمیریں دونوں صفت کے لئے ہیں (مذکر و مؤنث کے لئے) مذکر کو غلبہ دیکر، اور لولا کا جواب محذوف ہے اور وہ لاذن لکم فی الفتح ہے لیکن اس وقت فتح کی اجازت نہیں دی گئی تاکہ اللہ مومنین مذکورین کے مانند جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے اور اگر یہ (مومنین) کفار سے الگ ہوتے تو ہم اس وقت مکہ کے کافروں کو دردناک سزا دیتے اس طریقہ پر کہ ہم تم کو مکہ فتح کرنے کی اجازت دیدیتے جبکہ ان کافروں نے اپنے دلوں میں حمیت (تعصب) کو جگہ دی اور حمیت بھی جاہلیت کی اذجعل، عذبنا سے متعلق ہے الذین کفروا (جعل کا) فاعل ہے حمیت، تکبر کی وجہ سے شدت کو کہتے ہیں، الجاھلیة، حمیة سے بدل ہے اور آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب کو مسجد حرام پہنچنے سے روکتا ہے سو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور مومنین پر سکینت نازل فرمائی جس کی وجہ سے ان لوگوں نے اس بات پر صلح کر لی کہ آئندہ سال آئیں گے اور جو حمیت کفار کو لاحق ہوئی وہ ان (اصحاب) کو لاحق نہیں ہوئی، حتی کہ ان سے قتال کرتے اور اللہ نے مومنین کو تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا اور وہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے، اور تقویٰ کی اضافت کلمہ کی طرف اس لئے ہے کہ یہ کلمہ ہی تقویٰ کا سبب ہے اور وہ اس کلمہ کے کفار سے زیادہ حقدار اور اہل تھے، یہ عطف تفسیری ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے، یعنی ہمیشہ اس صفت کے ساتھ متصف ہے، اور اللہ تعالیٰ کی معلومات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ (مومنین) اس (کلمہ) کے زیادہ اہل ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اذ یبایعونك رضی کی وجہ سے محلاً منصوب ہے اس لئے کہ اذ زمانہ ماضی کے لئے ظرف ہے، اس کے بعد ہمیشہ جملہ واقع ہوتا ہے، حکایت حال ماضیہ کے طور پر (صورت مبایعت کے استحضار) کے لئے مضارع کا صیغہ استعمال فرمایا ہے، اور

تحت، یبایعونك کاظرف ہے۔

قِوْلَہُ: سمر برورن رجل ببول کا درخت، بعض حضرات نے کہا ہے کہ جھاؤ کے درخت کو کہتے ہیں ان لایفروا علی الموت بعض نسخوں میں من الموت ہے، مطلب ظاہر ہے کہ موت سے راہِ فرار اختیار نہ کریں گے، مفسر علام نے من کے بجائے علی لاکر اشارہ کردیا کہ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ بیعت موت پر ہوئی تھی، اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ بیعت ثابت قدمی وعدم فرار پر ہوئی تھی۔

قِوْلَہُ: فعلم، علم کا عطف اذیبایعونك پر ہے، اب رہا یہ سوال کہ معطوف ماضی ہے اور معطوف علیہ مضارع، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اذیبایعونك بھی ماضی کے معنی میں ہے، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔

قِوْلَہُ: فانزل اس کا عطف رضی پر ہے۔

قِوْلَہُ: ومغانم کثیرۃ اس کا عطف فتحا قریبا پر ہے۔

قِوْلَہُ: وعدکم اللّٰہ چونکہ مقام امتنان واحسان ہے، لہٰذا شرف خطاب سے نوازنے کے لئے غیبت سے خطاب کی طرف التفات فرمایا ہے، یہ اہل حدیبیہ سے خطاب ہے۔

قِوْلَہُ: من الفتوحات مفسر علام نے من الفتوحات کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ یہ عطف مغایرت کے لئے ہے، مطلب یہ ہے کہ اول مغانم کثیرۃً سے جو کہ معطوف علیہ ہے غنائم خیبر مراد ہیں اور ثانی مغانم کثیرۃ سے جو کہ معطوف ہے، خیبر کے علاوہ کے مغانم مراد ہیں۔

قِوْلَہُ: غنیمة خیبر اگر اس آیت کا نزول فتح خیبر کے بعد ہو جیسا کہ ظاہر یہی ہے، تو پوری سورت کا نزول حدیبیہ سے واپسی پر نہ ہوگا، اور نزول فتح خیبر سے پہلے ہو تو یہ اخبار غیبیہ سے ہوگا، اور ماضی سے تعبیر تحقق وقوع کی وجہ سے ہوگی اور یہ بات سابق میں گذر چکی ہے کہ پوری سورت حدیبیہ سے واپسی کے وقت عسفان کے قریب کراع الغمیم میں نازل ہوئی تھی۔

قِوْلَہُ: فی عیالکم ای عن عیالکم، فی عیالکم، عنکم سے بدل ہے اس میں مضاف محذوف کی طرف اشارہ ہے۔

قِوْلَہُ: اخری صفة مغانم مقدرا اخری مغانم محذوف کی صفت ہے، موصوف صفت سے مل کر مبتداء اور لم تقدروا علیها اس کی صفت ہے قد احاط اللّٰہ بها مبتداء کی خبر (جمل) مذکورہ ترکیب کے علاوہ چار ترکیبیں اور ہیں، طوالت کے خوف سے ترک کردیا (جمل کی طرف رجوع کریں)۔

قِوْلَہُ: اظفر علیهم، اظفر کا صلہ علیٰ مستعمل نہیں ہے مگر چونکہ اظفر، اظهر کے معنی میں ہے اس لئے اس کا صلہ علیٰ لانا درست ہے، مفسر علام نے اپنے قول فان ثمانین الخ سے اظفر بمعنی اظهر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قِوْلَہُ: معرة بمعنی مکروہ، گناہ، ندامت۔

قِوْلَہُ: جواب لولا محذوف لولا کا جواب محذوف ہے اور وہ لاذن لکم فی الفتح ہے، جیسا کہ مفسر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے ظاہر کردیا ہے۔

قَوْلُهُ: فانزل الله سكينته اس کا عطف مقدر پر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے کہ ای فضاقت صدور المسلمين واشتد الكرب عليهم فانزل الله سكينته.

قَوْلُهُ: لانها سببها اس میں حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے کلمة التقوى ای سبب التقوى اضافت ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے ہے، اور بعض حضرات نے تقویٰ سے پہلے اهل محذوف مانا ہے ای كلمة اهل التقوى یعنی اللہ نے اہل بدر کے لئے متقی لوگوں کا کلمہ پسند فرمایا۔

قَوْلُهُ: اهلها، احق بها کا عطف تفسیری ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيح

لقد رضي الله عن المؤمنين اذيبايعونك تحت الشجرة اس بیعت سے مراد بیعت حدیبیہ ہی ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، اس بیعت کو بیعت رضوان کہا جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ خوشخبری سنائی ہے کہ وہ ان لوگوں سے راضی ہو گیا جنہوں نے اس خطرناک موقع پر جان کی بازی لگا دینے میں ذرہ برابر تامل نہ کیا، اور رسول کے ہاتھ پر سرفروشی کی بیعت کر کے اپنے صادق الایمان ہونے کا صریح ثبوت پیش کیا، ان کے اپنے اخلاص کے سوا کوئی خارجی دباؤ ایسا نہ تھا جس کی بناء پر وہ اس بیعت کے لئے مجبور ہوتے، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اپنے ایمان میں صادق اور مخلص اور رسول کی وفاداری میں حد درجہ کمال پر فائز تھے۔

صحابہ کے لئے سند خوشنودی:

اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ان کو سند خوشنودی عطا فرمائی، اور اللہ کی سند خوشنودی عطا ہونے کے بعد اگر کوئی شخص ان سے بدگمان یا ناراض ہو یا ان پر زبان طعن دراز کرے تو اس کا معارضہ ان سے نہیں بلکہ اللہ سے ہے، بعض حضرات (مثلاً شیعہ) کا یہ کہنا کہ جس وقت اللہ نے ان کو سند خوشنودی عطا فرمائی تھی اسوقت تو یہ مخلص تھے، مگر بعد میں یہ لوگ خدا اور رسول سے بے وفا ہو گئے، وہ شاید اللہ سے یہ بدگمانی رکھتے ہیں کہ اللہ کو ان حضرات کو سند خوشنودی عطا کرتے وقت ان کے آئندہ حالات کا علم نہ تھا جو کہ امتحن الله قلوبهم للتقوىٰ کے صریح خلاف اور متضاد ہے، یہ بشارتیں اور سند رضا و خوشنودی اس پر شاہد ہیں کہ ان سب حضرات کا خاتمہ ایمان اور اعمال مرضیہ پر ہوگا۔

صحابہ کرام پر زبان طعن و تشنیع بدبختی ہے:

جن خیار امت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے غفران و مغفرت کا اعلان فرما دیا، اگر ان سے کوئی لغزش یا گناہ ہوا بھی ہے تو یہ آیت اس کی معافی کا اعلان ہے، پھر ان کے ایسے معاملات کو جو مستحسن نہیں ہیں غور و فکر اور بحث و مباحثہ کا میدان بنانا بدبختی اور اس

آیت کے مخالف ہے، یہ آیت روافض کے قول وعقیدے کی واضح تردید ہے، جو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے صحابہ پر کفر ونفاق کا الزام لگاتے ہیں۔ (مظہری)

شجرۂ رضوان:

حضرت نافع مولیٰ ابن عمر کی یہ روایت مشہور ہے کہ لوگ اس کے پاس جا جا کر نماز پڑھنے لگے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب اس کا علم ہوا تو اس کو کٹوا دیا۔ (طبقات ابن سعد: ج ۲،ص ۱۰۰) مگر صحیحین میں ہے کہ حضرت طارق بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حج کے لئے گیا تو راستہ میں میرا گذر ایسے لوگوں پر ہوا جو ایک مقام پر جمع تھے اور نماز پڑھ رہے تھے، میں نے ان سے معلوم کیا یہ کونسی مسجد ہے تو انہوں نے کہا یہ وہ درخت ہے جس کے نیچے رسول اللہ ﷺ نے بیعت رضوان لی تھی، میں اس کے بعد سعید بن مسیب کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس واقعہ کی ان کو خبر دی، انہوں نے فرمایا میرے والد صاحب ان لوگوں میں سے تھے جو اس بیعت رضوان میں شریک ہوئے، انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ ہم جب اگلے سال مکہ مکرمہ میں حاضر ہوئے تو ہم نے وہ درخت تلاش کیا مگر اس کا پتہ نہ چلا، پھر سعید بن مسیب نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ جو خود اس بیعت میں شریک تھے ان کو تو پتہ نہیں لگا تمہیں وہ معلوم ہو گیا عجیب بات ہے؟ کیا تم اس سے زیادہ واقف ہو۔

(روح المعانی،معارف)

اس سے معلوم ہوا کہ بعد میں لوگوں نے محض اپنے تخمینہ اور اندازہ سے کسی درخت کو معین کرلیا اور اس کے نیچے نماز پڑھنا شروع کر دیا، فاروق اعظم کے علم میں یہ بات تھی کہ یہ درخت وہ نہیں ہے، اس کے علاوہ ابتلائے شرک کا خطرہ بھی لاحق تھا، جس کی وجہ سے اس درخت کو کٹوا دیا۔

فتح خیبر:

خیبر درحقیقت ملک شام کے قریب ایک صوبہ کا نام ہے جس میں بہت سی بستیاں، قلعے اور باغات شامل ہیں، واثابهم فتحا قريبا اور فعجل لكم هذه میں فتح قریب اور نقد مال غنیمت سے فتح خیبر اور وہاں سے حاصل ہونے والا مال غنیمت مراد ہے، بعض روایات کے مطابق حدیبیہ سے واپسی کے بعد آپ کا قیام مدینہ منورہ میں صرف دس دن اور دوسری روایت کے مطابق بیس روز رہا اس کے بعد خیبر کے لئے روانہ ہوئے، اور ابن اسحٰق کی روایت کے مطابق آپ ۶ھ ذی الحجہ کی آخری تاریخوں میں مدینہ طیبہ واپس تشریف لائے، اور ماہ محرم ۷ھ میں آپ ﷺ خیبر کے لئے روانہ ہوئے، حافظ ابن حجر نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ: رَأى رَسُولُ اللّٰهِ صلى اللّٰه عليه وسلم في النَوم عَامَ الحُدَيْبِيَةِ قَبْل

خُرُوجه اَنَّهُ يَدخُلُ مَكَّةَ هُوَ واَصحَابُهُ اٰمِنِيْنَ ويَحلِقُونَ ويُقَصِّرُونَ فَاَخبَرَ بِذٰلك اَصحَابَهُ فَفرِحُوا فَلَمَّا خَرَجُوا مَعَهُ وصَدَّهُمُ الكُفَّارُ بالحُدَيْبِيَةِ ورَجَعُوا وشَقَّ عليهم ذٰلِكَ وَرَابَ بَعْضُ المُنَافِقِينَ نَزَلَتْ وقوله بالحَقِّ مُتعلِّقٌ بِصَدَقَ او حَالٌ مِنَ الرُّؤيَا ومَا بَعدَهَا تَفسِيرٌ لها **لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ** لِلتَّبرُّكِ **آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ** اي جَمِيعَ شُعُورِها **وَمُقَصِّرِينَ** اي بَعْضَ شُعُورِها هما حَالَانِ مُقَدَّرَتَانِ **لَا تَخَافُونَ** ابدًا **فَعَلِمَ** في الصُّلحِ **مَا لَمْ تَعْلَمُوا** مِنَ الصَّلاحِ **فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَٰلِكَ** اي الدُّخولِ **فَتْحًا قَرِيبًا** هُوفَتحُ خَيبَرَ وتَحَقَّقَتِ الرُّؤيَا فِي العَامِ القَابِلِ **هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ** اي دِينَ الحَقِّ **عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ** علىٰ جميعِ بَاقِي الاَدْيَانِ **وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا** اَنَّكَ مُرسَلٌ بِمَا ذُكِرَ كما قَالَ تعالىٰ **مُحَمَّدٌ** مُبتَدأٌ **رَسُولُ اللَّهِ** خَبَرُهُ **وَالَّذِينَ مَعَهُ** اي اَصحَابُهُ مِنَ المُؤمِنِينَ مُبتَدأٌ خبرُه **أَشِدَّاءُ** غِلاظٌ **عَلَى الْكُفَّارِ** لَايَرحَمُونَهُم **رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ** خبرٌ ثانٍ اي مُتَعَاطِفُونَ مُتَوادُّونَ كَالوَالِدِ مَعَ الوَلَدِ **تَرَاهُمْ** تُبصِرُهُم **رُكَّعًا سُجَّدًا** حَالَانِ **يَبْتَغُونَ** مُستَانَفٌ يَطلُبُونَ **فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ** عَلامَتُهُم مُبتَدأٌ **فِي وُجُوهِهِمْ** وهي نُورٌ وبَيَاضٌ يُعرَفُونَ بِهِ في الاٰخِرَةِ اَنَّهُم سَجَدُوا في الدُّنيا **مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ** مُتَعَلِّقٌ بِمَا تَعَلَّقَ بِهِ الخَبَرُ اي كَائِنَةٌ واُعرِبَ حَالاً من ضَمِيرِهِ المُنتَقِلِ الىٰ الخَبَرِ **ذَٰلِكَ** اي الوَصفُ المَذكُورُ **مَثَلُهُمْ** صِفَتُهُم **فِي التَّوْرَاةِ** مُبتَدأٌ وخَبَرُهُ **وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ** مُبتَدأٌ خَبَرُهُ **كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ** بِسُكُونِ الطَّاءِ وفَتحِهَا فِرَاخَهُ **فَآزَرَهُ** بِالمَدِّ والقَصرِ قَوَّاهُ واَعَانَهُ **فَاسْتَغْلَظَ** غَلُظَ **فَاسْتَوَىٰ** قَوِيَ واستَقَامَ **عَلَىٰ سُوقِهِ** اُصُولِهِ جَمعُ سَاقٍ **يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ** اي زُرَّاعَهُ لِحُسنِهِ مَثَّلَ الصَّحَابَةَ رَضِيَ اللهُ عنهم بذٰلك لِاَنَّهُم بَدَءُوا فِي قِلَّةٍ وضُعفٍ فَكَثُرُوا وقَوُوا علىٰ اَحسَنِ الوُجُوهِ **لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ** مُتَعَلِّقٌ بِمَحذُوفٍ دَلَّ عليه ما قَبلَهُ اي شُبِّهُوا **وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ** اي الصَّحَابَةِ لِبَيَانِ الجِنسِ لا لِلتَّبعِيضِ لِاَنَّ كُلَّهُم بِالصِّفَةِ المَذكُورَةِ **مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا** الجَنَّةَ وهُمَا لِمَن بَعدَهُم ايضًا فِي اٰيَاتٍ.

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا جو واقعہ کے مطابق ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کو حدیبیہ کے سال حدیبیہ کی طرف نکلنے سے پہلے خواب میں دکھایا کہ آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب امن وامان کے ساتھ مکہ میں داخل ہورہے ہیں، اور حلق کرا رہے ہیں اور قصر کرا رہے ہیں، آپ ﷺ نے خواب کی اطلاع اپنے اصحاب کو دی تو آپ کے اصحاب بہت خوش ہوئے، چنانچہ جب آپ کے اصحاب آپ کے ساتھ نکلے اور کافروں نے ان کو حدیبیہ میں روکا، اور واپس ہوئے اور یہ واپسی ان پر گراں گزری اور بعض منافقین نے شک کیا، تو یہ آیت نازل ہوئی، اس کا قول بالحق، صدق کے متعلق ہے یا رؤیا سے حال ہے اور رؤیا کا مابعد اس (رؤیا) کی تفسیر ہے، تم لوگ مسجد حرام میں ان شاء اللہ انشاء اللہ تبرکا ہے امن وامان کے ساتھ، ضرور داخل ہوگے تمہیں کسی وقت بھی خوف نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ کو صلح میں جس خیر کا علم ہے تم اس کو نہیں جانتے اس دخول سے

پہلے ایک قریبی فتح دیدی، وہ فتح خیبر ہے اور خواب (کی تعبیر) آئندہ سال واقع ہوئی، وہ ایسا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس دین حق کو تمام باقی ادیان پر غالب کردے اور اللہ کافی گواہ ہے کہ آپ کو مذکورہ چیزیں دے کر بھیجا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا محمد اللہ کے رسول ہیں، محمد مبتداء ہے (اور رسول اللہ) اس کی خبر اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں یعنی آپ کے رفقاء مومنین (والذین معه) مبتداء ہے، اَشِدَّاءُ اس کی خبر ہے، کافروں پر سخت کہ ان پر رحم نہیں کرتے اور آپس میں رحم دل ہیں (رحماء بینهم) خبر ثانی ہے یعنی آپس میں مہربانی اور محبت رکھتے ہیں، جیسے کہ باپ کا بیٹے کے ساتھ برتاؤ ہوتا ہے، تو ان کو رکوع سجدے کرتے ہوئے دیکھے گا رکعا، سجدا دونوں حال ہیں، اللہ کے فضل اور رضا مندی کی جستجو میں لگے رہتے ہیں جملہ مستانفہ ہے اور (یبتغون) یطلبون کے معنی میں ہیں ان کا نشان (یعنی) ان کی علامت ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے (سیماهم) مبتداء ہے (فی وجوههم) اس کی خبر، وہ ایک نور ہے، اور ایک سفیدی ہے جس کے ذریعہ آخرت میں پہچانے جائیں گے، کہ ان لوگوں نے دنیا میں سجدہ کیا، (مِن اَثَرِ السجود) اسی سے متعلق ہے جس سے خبر متعلق ہے اور وہ کائنة ہے اور نیز (من اثر السجود) خبر کے متعلق (کائنة) کی اس ضمیر سے حال قرار دیا گیا ہے جو خبر کی طرف لوٹ رہی ہے اور یہی یعنی وصف مذکور تورات میں ان کی صفت ہے (ذلك مثلهم) مبتداء و خبر ہیں، اور انجیل میں ان کی مثال اس کھیتی جیسی بیان کی گئی ہے کہ جس نے (انکھوا) کونپل نکالی ہو (مثلهم فی الانجیل) مبتداء ہے، اور کزرع اخرج الخ اس کی خبر ہے، اور شطاه طاء کے سکون اور فتحہ کے ساتھ ہے، شطاه ای فراخهٗ یعنی اس نے اپنا چوزہ نکالا، مراد ابتدائی کونپل ہے، پھر اس کو قوی کیا اور اس کی مدد کی (فاٰذرہٗ) مد اور بلا مد دونوں طریقہ پر ہے، اس کو مضبوط کیا پھر موٹا کیا، پھر اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی یعنی اپنی جڑ پر سوق، ساق کی جمع ہے کاشتکاروں کو خوش کرتی ہے یعنی اُن کھیتی کرنے والوں کو اپنے حسن سے، صحابہ کرام کو کھیتی سے تشبیہ دی اس لئے کہ ان کی ابتداء قلت اور ضعف سے ہوئی پھر وہ کثیر ہو گئے اور بہتر طریقہ پر طاقتور ہو گئے، تا کہ کافر ان سے جلیں (لیغیظ) محذوف سے متعلق ہے اور اس حذف پر اس کا ماقبل دلالت کرتا ہے یعنی صحابہ کو کھیتی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے آپ کے رفقاء میں سے جو لوگ ایمان لائے اللہ تعالیٰ نے ان سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے (منهم) من بیان جنس کے لئے ہے نہ کہ تبعیض کے لئے اس لئے کہ تمام صحابہ مذکورہ صفت کے ساتھ متصف ہیں، اور اجر عظیم سے مراد جنت ہے اور وہ دونوں یعنی (مغفرت اور جنت) ان کے بعد والوں کے لئے بھی آیات میں مذکور ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: بالحق یہ مصدر محذوف کی صفت ہے ای صدقا متلبسا بالحق.

قولہ: لقد صدق الله، لقد میں لام جواب قسم کی تمہید کے طور پر ہے، قسم محذوف ہے اور لتدخلن جواب قسم ہے جس پر لام توطیہ و تمہید دلالت کر رہا ہے۔

قَوْلُہٗ: للتبرك یعنی انشاء اللہ تبرک وتعلیم کے لئے ہے نہ کہ تعلیق کے لئے۔

قَوْلُہٗ: للتبرك اس جملے کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوَال: انشاء اللہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مخبر خبر کے بارے میں متردد ہے اور یہاں مخبر اللہ تعالیٰ ہیں، اللہ کے لئے تردد محال ہے۔

جَوَابُ: یہاں انشاء اللہ تبرک اور تعلیم کے لئے ہے نہ کہ تعلیق کے لئے، لہٰذا کوئی اعتراض نہیں۔

قَوْلُہٗ: امنین اور محلقین اور مقصرین یہ تینوں تدخلن کے واؤ محذوف سے حال ہیں، اس صورت میں یہ حال مترادفہ ہوں گے یا محلقین اور مقصرین دونوں آمنین کی ضمیر سے حال ہیں، اس صورت میں حال متداخلہ ہوں گے۔

قَوْلُہٗ: حالان مقدران یہ ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: حال اور ذوالحال کا زمانہ ایک ہوتا ہے حالانکہ دخول کا زمانہ جو کہ حالت احرام کا زمانہ ہے اور ہے اور محلقین ومقصرین یعنی حلق وقصر کا زمانہ اور ہے۔

جَوَابُ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ دونوں حال مقدرہ ہیں یعنی وہ اس حال میں داخل ہوں گے کہ ان کے لئے حلق اور قصر مقدر کر دیا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: لاتخافون جملہ مستانفہ بھی ہوسکتا ہے اور حال بھی ہوسکتا ہے خواہ تدخلن کی ضمیر سے یا آمنین کی ضمیر سے، یا محلقین کی ضمیر سے یا مقصرین کی ضمیر سے۔

قَوْلُہٗ: لاتخافون ابدا.

سُوَال: ابدا کے اضافہ سے کیا فائدہ ہے؟

جَوَابُ: جواب کا ماحصل یہ ہے کہ آمنین کے بعد لا تخافون کا اضافہ تکرار معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ جو مامون ہوتا ہے وہی بے خوف بھی ہوتا ہے، اس تکرار کے شبہ کو دفع کرنے کے لئے ابدا کی قید کا اضافہ کیا، اس لئے کہ آمنین کا مطلب تو یہ ہے کہ حالت احرام میں تم مامون ہو اس لئے کہ مشرکین مکہ محرم سے تعارض نہیں کرتے تھے اسی طرح حرم میں داخل ہونے والے سے بھی تعارض نہیں کرتے تھے، مگر احرام سے فارغ ہونے کے بعد کی اور اسی طرح حرم سے نکلنے کے بعد کی کوئی گارنٹی نہیں تھی کہ اب بھی یہ لوگ مامون رہیں گے تو، لاتخافون ابدا کہہ کر اشارہ کر دیا کہ حالت احرام اور غیر حالت احرام نیز حرم اور خارج حرم ہر صورت میں ہمیشہ مامون وبے خوف رہیں گے۔

قَوْلُہٗ: من دون ذلك ای الدخول.

قَوْلُہٗ: مُتَعَاطِفُوْنَ، مُتَوَادُوْنَ، دونوں اسم فاعل جمع مذکر غائب، تعاطف اور توادد (تفاعل) سے ماخوذ ہیں آپس میں مہربانی کرنا، محبت کرنا۔

قَوْلُہٗ: فی وجوههم یہ کائنة محذوف کے متعلق ہو کر سیماهم مبتداء کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: من اثر السجود بھی کائنة محذوف کے متعلق ہے اور من اثر السجود میں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کائنة کی ضمیر سے حال ہوکر محلاً منصوب ہو۔

قَوْلُہٗ: ذلك مبتداء اول ہے اور مثلهم مبتداء ثانی ہے اور فی التوراة مبتداء ثانی کی خبر ہے، مبتداء اور خبر مل کر جملہ ہوکر مبتداء اول کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: مثلهم فی الانجیل مبتداء ہے، کزرع اخرج شطأہ اس کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: شطأ شطء، فراخ النبات کو کہتے ہیں یعنی تخمک سے ابتداءً نکلنے والی نوک، جس کو انکھوا، یا سوئی کہتے ہیں، انکھوا کہنے کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ سوئی تخم کے اس حصہ سے نکلتی ہے جو تخم کی آنکھ کہلاتی ہے جو کہ اکثر تخموں میں بہت نمایاں ہوتی ہے مثلاً کھجور کی گٹھلی یا ناریل کی آنکھ، عربی میں اس کو فراخ کہتے ہیں، فراخ اور فرخ دراصل پرندے کے چوزے کو کہتے ہیں جس طرح چوزہ پرندے سے نکلنے کی وجہ سے چوزہ کہلاتا ہے اسی طرح انکھوا تخم سے نکلنے کی وجہ سے بمنزلہ فراخ کے ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: زراع یہ زارع کی جمع ہے کاشتکار کو کہتے ہیں۔

تفسیر وتشریح

شان نزول:

جب صلح حدیبیہ مکمل ہوگئی اور یہ بات طے ہوگئی کہ اس وقت بغیر دخول مکہ اور بغیر ادائے عمرہ کے واپس مدینہ جانا ہے، اور صحابہ کرام کا یہ عزم عمرہ رسول اللہ ﷺ کے خواب کی بناء پر ہوا تھا، جو ایک طرح کی وحی تھی، اب بظاہر اس کا خلاف ہوتا ہوا دیکھ کر بعض صحابہ کرام کے دلوں میں یہ شکوک وشبہات پیدا ہونے لگے کہ (معاذ اللہ) آپ کا خواب سچا نہ ہوا، دوسری طرف کفار ومشرکین نے مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ تمہارے رسول کا خواب صحیح نہ ہوا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی لقد صدق الله رسوله الرؤیا بالحق. (معارف)

لقد صدق الله رسوله الرؤیا بالحق واقعہ حدیبیہ سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں مسلمانوں کے ساتھ بیت اللہ میں داخل ہوکر طواف وعمرہ کرتے ہوئے دکھایا گیا تھا، نبی کا خواب بھی وحی ہی ہوتا ہے تاہم اس خواب میں یہ تعیین نہیں تھی کہ یہ اسی سال ہوگا، لیکن نبی ﷺ اور صحابہ اسے بشارت عظیمہ سمجھتے ہوئے عمرہ کے لئے فوراً تیار ہوگئے، اور اس کے لئے عام منادی کرادی اور نکل پڑے بالآخر حدیبیہ میں جو کہ حدود حرم سے متصل اور نہایت قریب ہے بلکہ اس کا بعض حصہ حدود حرم میں داخل ہے، صلح ہوئی، واقعہ کی تفصیل سورت کے شروع میں گذر چکی ہے، اس خواب کی تعبیر اللہ کے علم میں آئندہ سال مقدر تھی چنانچہ آئندہ سال ۷ھ میں مسلمانوں نے نہایت امن کے ساتھ عمرہ کیا، اس عمرہ کو عمرۃ القضاء کہتے ہیں اس عمرہ میں آپ ﷺ نے قصر کرایا اور حجۃ الوداع میں حلق کرایا، مسلمان چونکہ صلح حدیبیہ سے ناخوش اور کبیدہ خاطر تھے،

وجہ اس کی یہ تھی کہ اس صلح کی مصلحتوں سے مسلمان ناواقف اور بے خبر تھے، آنحضرت ﷺ کی دور بین نگاہیں جو کچھ پس پردہ دیکھ رہی تھیں وہ عام صحابہ سے بلکہ ان میں سے اچھے اچھے مدبر اور ذی فہم صحابہ کی نظروں سے بھی اس صلح کے فوائد پوشیدہ اور مخفی تھے جس کی وجہ سے وہ تذبذب اور تردد کا شکار ہو گئے۔

نکتہ: خواب کی تعبیر میں اشتباہ پیغمبر سے محال نہیں ہے، ورنہ تو آپ اول سال عمرہ کے لئے نہ نکلتے، اس سے معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کے الہامات اور خواب بدرجہ اولیٰ محتمل ہیں۔ (خلاصۃ التفاسیر) صحیح بخاری میں ہے کہ اگلے سال عمرۃ القضاء میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت ﷺ کے موئے مبارک قینچی سے تراشے تھے۔

مسئلہ: قصر سے حلق افضل ہے، مروی ہے کہ آپ ﷺ نے حدیبیہ میں فرمایا، اے اللہ حلق کرانے والوں پر رحم فرما، صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ اور قصر کرنے والوں پر، فرمایا یا اللہ! حلق کرنے والوں پر رحم فرما پھر صحابہ نے عرض کیا، اور قصر کرنے والوں پر تو آپ نے فرمایا: قصر کرنے والوں پر بھی رحم کر۔

مسئلہ: اخبار میں انشاء اللہ کہنا ممنوع نہیں ہے مگر معاہدات اور اقرار میں دیانۃً بہتر اور قضاءً بوجہ احتمال تعلیق مناسب نہیں۔

محمد رسول اللّٰہ قرآن پاک میں عموماً آنحضرت ﷺ کا نام لینے کے بجائے آپ کا ذکر اوصاف والقاب کے ساتھ کیا گیا ہے، خصوصاً نداء کے موقع پر **یا ایھا النبی**، **یا ایھا الرسول**، **یاایھا المزمل** وغیرہ سے خطاب کیا گیا ہے، بخلاف دیگر انبیاء کے کہ ان کے نام کے ساتھ ندا کی گئی ہے، مثلاً یا ابراہیم علیہ السلام، یا موسیٰ علیہ السلام، یا عیسیٰ علیہ السلام، پورے قرآن میں آپ کا اسم گرامی محمد کی صراحت کے ساتھ چار جگہ ذکر کیا گیا ہے، جہاں آپ کا نام لینے میں کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہے، اس مقام پر مصلحت یہ تھی کہ حدیبیہ کے صلحنامہ میں آپ ﷺ کے نام کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ لکھ دیا تو مشرکین نے اس کو مٹا کر محمد بن عبداللہ لکھوانے پر اصرار کیا، رسول اللہ ﷺ نے بحکم ربانی اس کو قبول کر لیا، حق تعالیٰ نے اس مقام پر خصوصیت سے آپ کے نام کے ساتھ رسول اللہ کا لفظ قرآن میں لا کر اس کو دائمی بنا دیا جو قیامت تک اسی طرح پڑھا جائے گا۔ (معارف)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فضائل:

والذین معه آنحضرت ﷺ کی رسالت اور آپ کے دین کے سب دینوں پر غالب کرنے کا ذکر فرما کر صحابہ کرام کے اوصاف وفضائل اور خاص علامات کا ذکر تفصیل سے فرمایا ہے، یہاں آپ ﷺ کے اصحاب کے فضائل کا بیان ہے اگر چہ اس سے پہلے اصالۃً اور براہ راست خطاب شرکاء سفر حدیبیہ اور بیعت رضوان کو تھا، لیکن الفاظ کے عموم میں سب ہی صحابہ کرام شامل ہیں، اس لئے کہ صحبت اور معیت سب کو حاصل ہے۔

محمد رسول اللّٰہ والذین معه (الآیۃ) میں چار امور مذکور ہیں ① آپ ﷺ کی رسالت ② اصحاب کے فضائل واخلاق ③ صحابہ کے وہ اوصاف جو کتب سماوی قدیم میں مذکور ہیں ④ عام مسلمانوں سے اجر عظیم کا وعدہ۔

یہ آیت، اہل سنت والجماعت کے اس دعوے پر قطعی حجت ہے کہ تمام صحابہ نہایت مخلص تھے اور از اول تا آخر ایمان واخلاص پر قائم رہے، اور ان حضرات کے خلاف کہ جو صحابہ کے اعداء اور مخالف ہیں برہان قوی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا محمد رسول اللہ والذین معہ اور جو آپ کے ساتھ ہیں کفار پر سخت اور آپس میں نرم ہیں، تو انہیں رکوع اور سجدے میں دیکھتا ہے اس طریقہ پر کہ محض فضل ورضائے الٰہی مطلوب ہے، ان کے چہروں سے آثار سجود اور برکات نماز ظاہر ہیں، یہ مثال ان کی تورات میں ہے، اور انجیل میں ان کی مثال ایک کھیت کی سی ہے جو سوئی اگائے پھر اسے مضبوط کرے پھر تناور اور قوی ہو پھر اپنے تنے پر استادہ اور قائم ہو جائے، کسان کو یہ اگنا اچھا معلوم ہوتا ہے۔

آیت باعتبار اپنے عموم خطاب کے تمام ائمہ ہدیٰ اور خلفاء حضرت مصطفیٰ کو شامل ہے، محمد مبتداء ہے، رسول اللہ جملہ ہو کر خبر (مدارک) والذین اپنے صلہ سے مل کر مبتداء اور اوصاف ذیل اس کی خبر ہیں، پھر یہ عام ہے تمام امت کو جو اوصاف مذکورہ سے متصف ہو مگر اس کے چار طبقے ہیں ① تمام امتی قیامت تک، مذکورہ اوصاف سے متصف ہونے کے بعد مگر تبعاً وضمناً ② اصحاب رسول عموماً یہ بھی اوصاف مذکورہ کے ساتھ متصف ہونے کے بعد اصالۃً وقصداً داخل ہیں، اس لئے کہ معیت حقیقی ان ہی کے لئے ہے ③ اصحاب بیعت رضوان، شان نزول کا مصداق ہونے کی وجہ سے قطعاً ویقیناً ان اوصاف سے متصف اور ان انعامات کے موعود ہیں۔

فائدہ: بعض ارباب تاریخ اور اہل خلاف کا ایسا دعویٰ جو اصحاب بیعت کو اوصاف مذکورہ سے عاری کرے وہ یقیناً مردود ہے۔

تفاسیر مشہورہ کی رو سے **معہ** سے حضرت ابوبکر صدیق مراد ہیں جن کی معیت نص صریح سے ثابت ہے، فرمایا اذ قال لصاحبہ جب پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے صاحب سے کہا: آپ ﷺ نے ابوبکر کے بارے میں فرمایا ولکن اخی وصاحبی (بخاری) پھر معیت سے مراد عام ہے خواہ آپ کی حیات مبارکہ میں آپ کے ساتھ رہنا یا آپ ﷺ کی اتباع سے کبھی جدا نہ ہونا، اس بناء پر قیامت تک جتنے مومن ہوں گے وہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ ایک درجہ کی معیت رکھتے ہیں **اشداء** یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کنایہ ہے جن کی شدت امر دین میں مسلم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا شیطان عمر کے سایہ سے بھاگتا ہے (بخاری) اور شدت سے مراد جہاد وقتال میں سختی ہے، **علی الکفار** میں کفار عبارۃً اور نفس وشیطان دلالۃً اور ہر نافرمان، فاسق، عاصی، قیاساً شامل ہے، علت مشترکہ کی وجہ سے اس میں شامل ہے **رحماء** بڑے رحم دل اس میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ ہے جن کا حلم اور رحم ضرب المثل ہے، **بینہم** سے اگر مسلمان مراد ہوں تو عموم ترحم ظاہر ہے، اور اگر اس میں تمام مخلوق کو شامل کر لیا جائے اور ماسوائے امور دین کے دوسری باتوں میں واجب الرحم ہوں تو بھی ہوسکتا ہے، فرمایا ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء **رکعا سجدا** یہ کنایہ ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جن کی نماز نے ان کی ہستی، ہستی لازوال میں نیست وفنا کر دی تھی پھر ہر نمازی اس میں داخل ہے۔

نکتہ: ''شطا'' سے مراد ابوبکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہیں، اور ''آزر'' سے حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ مراد ہیں اور ''استغلاظ'' سے حضرت عثمان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ مراد ہیں اور ''استواء'' سے حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی طرف اشارہ ہے۔

(خلاصة التفاسير ملخصًا)

اس پوری آیت کا ایک ایک جز صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی عظمت وفضیلت، اخروی مغفرت اور اجر عظیم کو واضح کر رہا ہے، اس کے بعد بھی صحابہ کرام کے ایمان میں شک کرنے والا مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے تو اسے کیوں کر دعوائے مسلمانی میں سچا سمجھا جا سکتا ہے۔

﴿تمت﴾

سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانِيْ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ الْحُجُرَاتِ مَدَنِيَّةٌ ثَمَانِي عَشْرَةَ اٰيَةً.

سورۂ حجرات مدنی ہے، اٹھارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا مِن قَدَّمَ بِمَعْنَى تَقَدَّمَ اى لَا تَتَقَدَّمُوا بِقَوْلٍ اوفِعْلٍ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ المُبَلِّغ عنه اى بِغَيرِ اِذْنِهما وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ لِقَوْلِكُم عَلِيْمٌ ① بِفِعْلِكُم نَزَلَتْ فِي مُجَادَلَةِ اَبِي بكرٍ وعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تعالىٰ عنهُمَا عَلى النَّبِيِّ صلى اللّٰهُ عليهِ وَسَلَّمَ فِي تَاْمِيْرِ الاَقْرَعِ بنِ حَابِسٍ اَو الْقَعْقَاعِ بنِ مَعْبَدٍ ونَزَلَ فيمَنْ رَفَعَ صَوْتَهٗ عِنْدَ النبي صلى اللّٰهُ عليه وسلَّم يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ اِذا نَطَقْتُم فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ اِذا نَطَقَ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ اِذا نَاجَيْتُمُوه كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ بل دُونَ ذٰلك اِجْلَالًا لَهٗ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ② اى خَشْيَةَ ذلك بِالرَّفعِ وَالْجَهْرِ الْمَذْكُورَيْنِ وَنَزَلَ فيمَنْ كانَ يَخْفِضُ صَوْتَهٗ عِندَ النبي صلَّى اللّٰهُ عليه وسلَّمَ كَاَبِي بَكرٍ وعُمَرَ وغيرِهِمَا رضِيَ اللّٰهُ عنهم اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ اِخْتَبَرَ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ۭ اى لتَظْهَرَ منهم لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ③ الجَنَّةُ ونَزَلَ فِي قومٍ جاءُ وا وقتَ الظَّهِيرَةِ والنَّبِيُّ صلى اللّٰهُ عليه وسلَّم فِي مَنْزِلِهٖ فَنَادَوْه اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَاۗءِ الْحُجُرٰتِ حُجُرَاتِ نِسَائِه صلَّى اللّٰهُ عليه وسلم جَمْعُ حُجْرَةٍ وهى مَا يُحجرُ عليه مِنَ الْاَرْضِ بِحَائِطٍ ونحوِه كَانَ كُلُّ واحِدٍ منهم نَادٰى خَلْفَ حُجْرَةٍ لِاَنَّهُم لَمْ يَعْلَمُوه فِي اَيِّها مُنَادَاةَ الاَعْرابِ بِغِلْظَةٍ وجَفَاءٍ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ④ فيما فعَلُوه مَحَلَّكَ الرفِيعَ وما يُنَاسِبُهٗ مِنَ التَّعظِيم وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا اَنَّهُمْ فِي مَحَلِّ رَفْعٍ بالِابتِداءِ وقِيلَ فاعِلٌ لِفِعْلٍ مُقَدَّرٍ اى ثَبت حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤ لِمَنْ تَابَ منهم ونَزَلَ فِي الوَلِيدِ بنِ عُقْبَةَ وقد بَعَثَهُ النَّبِيُّ صلَّى اللّٰهُ عليه وسلم اِلىٰ بَنِيْ الْمُصْطَلِقِ مُصَدِّقًا فخَافَهُم لِتِرة كَانَتْ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهُم فِي الجَاهِلِيَّةِ فَرَجَعَ وقَالَ اِنَّهُمْ مَنَعُوا الصَّدَقَةَ وهَمُّوْا بِقَتْلِهٖ فهَمَّ النَّبِي صلَّى اللّٰه عليه وسلَّمَ بِغَزْوِهِمْ فَجَاءُ وا مُنْكِرِينَ مَا قَالَهٗ

عنهم يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ خبرٍ فَتَبَيَّنُوْٓا صدقه من كذبه وفي قراءةٍ فتثبّتوا من الثبات اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ مفعولٌ له اي خشيةَ ذلك بِجَهَالَةٍ حالٌ من الفاعلِ اي جاهلين فَتُصْبِحُوْا فتصيروا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ من الخطأ بالقوم نٰدِمِيْنَ ۝ وأرسل اليهم صلى الله عليه وسلم بعد عودهم الى بلادهم خالدًا فلم يرَ فيهم إلّا الطّاعة والخير فأخبر النبيَّ صلى الله عليه وسلم بذلك وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ فلا تقولوا الباطل فإنّ الله يُخبره بالحال لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ الذي تُخبرون به على خلافِ الواقعِ فرتّب على ذلك مُقتضاهُ لَعَنِتُّمْ لأثمتم دونهُ إثمَ التسبّبِ الى المُرتّبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ حسّنهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۚ استدراكٌ من حيث المعنى دون اللفظ لأنّ من حُبّب اليه الايمانُ الخ غايرتْ صفتُهُ صفةَ من تقدّم ذكرُهُ اُولٰٓئِكَ هُمُ فيه التفاتٌ عن الخطاب الرّٰشِدُوْنَ ۝ الثابتون على دينهم فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ مصدرٌ منصوبٌ بفعلِه المُقدّر اي افضل وَنِعْمَةً ۭ منه وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بهم حَكِيْمٌ ۝ في إنعامه عليهم وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ الآية نزلت في قضيّةٍ هي أنّ النبيّ صلى الله عليه وسلم ركب حمارًا ومرّ على ابنِ أُبيّ فبال الحمارُ فسدّ ابنُ أُبيّ أنفهُ فقال ابنُ رواحة والله لبولُ حمارِه أطيبُ ريحًا من مسكِك فكان بين قوميهما ضربٌ بالأيدي والنّعال والسّعف اقْتَتَلُوْا جمعٌ نظرًا الى المعنى لأنّ كلَّ طائفةٍ جماعةٌ وقرئ اقتتلتا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ ثُنّي نظرًا الى اللفظِ فَاِنْۢ بَغَتْ تعدّتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ ترجعَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ الحقّ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ بالإنصاف وَاَقْسِطُوْا ۭ اعدلوا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ في الدين فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ إذا تنازعا وقرئ اِخوتكم بالفوقانيّةِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ في الإصلاح لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے، اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو قَدَّمَ بمعنی تَقَدَّمَ سے مشتق ہے یعنی قول وفعل میں اللہ اور اس کے رسول پر جو اس کا پیغامبر ہے پیش قدمی نہ کرو یعنی ان دونوں کی اجازت کے بغیر اور اللہ سے ڈرتے رہو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہاری باتوں کو سننے والا تمہارے کاموں کو جاننے والا ہے، یہ آیت آنحضرت ﷺ کے حضور ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اقرع ابن حابس یا قعقاع بن معبد کو امیر بنانے میں نزاع کے بارے میں نازل ہوئی، اور (آئندہ آیت) اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی کہ جس نے اپنی آواز کو آپ ﷺ کے حضور بلند کیا، اے ایمان والو! جب تم گفتگو کیا کرو تو نبی کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کیا کرو جب وہ کلام کرے اور نہ اس کے سامنے اونچی آواز میں باتیں کرو جب تم اس سے سرگوشی کرو جیسا کہ تم آپس میں اونچی آواز سے باتیں کرتے ہو بلکہ اس کی آواز سے پست ہی رکھو، آپ کی جلالت شان کا خیال کرتے ہوئے تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تم کو اس کا احساس بھی نہ ہو، مذکورہ بلند اور اونچی آواز

کی وجہ سے تمہارے اعمال کے ضائع ہونے کے پیش نظر (آپ ﷺ سے بلند آواز سے کلام نہ کرو) اور (آئندہ آیت) اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو اپنی آواز کو آنحضرت ﷺ کے حضور پست کرتا تھا، جیسا کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ،

بے شک وہ لوگ جو رسول اللہ کے حضور میں اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں یہی ہیں وہ لوگ جن کے قلوب کو اللہ نے تقویٰ کے لئے آزمالیا ہے تاکہ ان کا تقویٰ ظاہر ہو جائے ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے (یعنی) جنت، اور نازل ہوئی ان لوگوں کے بارے میں جو دوپہر کے وقت آئے اور نبی ﷺ اپنے مکان میں تھے، سو انہوں نے آپ کو پکارنا شروع کر دیا بلا شبہ وہ لوگ جو آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں یعنی آپ ﷺ کے بارے میں یہ نہیں جانتے تھے کہ آپ کس حجرے میں ہیں؟ کرختگی اور شدت کے ساتھ دیہاتیوں کے مانند پکارنا تھا، ان میں کے اکثر آپ کے مقام بلند اور آپ کی مناسب تعظیم سے ناواقف تھے اس سسمہ میں جو انہوں نے کیا اور اگر یہ لوگ صبر کرتے تا آنکہ آپ ﷺ خود ہی ان کی طرف نکلتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا اَنَّهُمْ ابتداء کی وجہ سے محل رفع میں ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ فعل مقدر کا فاعل ہے یعنی ثَبَتَ کا اللہ اس شخص کے لئے غفور اور رحیم ہے جس نے ان میں سے توبہ کی اور (آئندہ آیت) ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے ان کو بنی مصطلق کی جانب مُحَصِّل بنا کر بھیجا تھا، چنانچہ انہوں نے اس عداوت کی وجہ سے جو ان کے اور بنی مصطلق کے درمیان زمانہ جاہلیت میں تھی ان سے اندیشہ کیا، جس کی وجہ سے وہ واپس چلے آئے، اور (آکر) کہہ دیا کہ انہوں نے صدقہ دینے سے انکار کر دیا، اور انہوں نے میرے قتل کا ارادہ کیا، چنانچہ نبی ﷺ نے ان سے جنگ کرنے کا ارادہ فرمایا، چنانچہ اہل بنی مصطلق (آپ ﷺ کی خدمت میں) حاضر ہوئے اور ان کی طرف منسوب کر کے جو بات عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے کہی اس کا انکار کیا، اے ایمان والو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دیا کرے تو اس کے سچ اور جھوٹ کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو اور ایک قراءت تَثَبَّتُوْا ثبات سے، (یعنی توقف کرو، جلدی نہ کرو) ایسا نہ ہو کہ کہیں نادانی میں کسی قوم کو تکلیف پہنچا دو (اَنْ تُصِيْبُوْا) مفعول لہ ہے، یعنی اس اندیشہ کی وجہ سے بِجَهَالَةٍ (تُصِيْبُوْا کے) فاعل سے حال ہے، اس حال میں کہ تم جاہل ہو پھر غلطی سے قوم کے ساتھ تم نے جو کچھ کر ڈالا اس پر شرمندہ ہونا پڑے ان حضرات کے اپنے شہروں کو واپس جانے کے بعد ان کے پاس آپ ﷺ نے خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روانہ فرمایا، تو انہوں نے ان سے سوائے اطاعت اور خیر کے کچھ نہ دیکھا، تو خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس امر کی خبر آنحضرت ﷺ کو دی اور جان رکھو کہ تمہارے درمیان اللہ کے رسول موجود ہیں، لہٰذا کوئی غلط بات نہ کہو اللہ تعالیٰ اس کو حقیقتِ حال کی خبر دیدے گا، اگر وہ بہت سے معاملات میں جن کی تم خلاف واقعہ خبر دیتے ہو تمہاری بات مان لیا کرے پھر اس پر اس کا مقتضیٰ بھی مرتب ہو جائے تو تم گنہگار ہو گے نہ کہ وہ (آپ ﷺ) مرتب کا سبب بننے کی وجہ سے (نہ کہ اس کے ارتکاب کی وجہ سے) لیکن اللہ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اسے تمہارے دلوں میں زینت بخشی (یعنی پسندیدہ بنا دیا) کفر کو اور گناہ کو اور نافرمانی کو تمہاری نگاہوں میں ناپسندیدہ بنا دیا (لٰکن سے) استدراک ہے معنی کی حیثیت سے نہ کہ لفظ کی حیثیت سے اس لئے کہ مَنْ حَبَّبَ اِلَيْهِ الْاِيْمَانَ الخ کی صفت متغایر ہے، ان کی صفت سے جن کا ذکر ماقبل میں ہوا

ہے، یہی لوگ اس میں خطاب سے غیبت کی طرف التفات ہے، راہ یافتہ ہیں یعنی اپنے دین پر ثابت قدم رہنے والے ہیں اللہ کے فضل واحسان سے (فَضْلًا) مصدر منصوب ہے اپنے فعل مقدر اَفْضَلَ کی وجہ سے، اور اللہ ان کے حالات سے واقف ہے اور ان پر انعام فرمانے کے بارے میں باحکمت ہے اور اگر مومنین کی دو جماعتیں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادیا کرو، یہ آیت ایک واقعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، واقعہ یہ ہے کہ ایک روز آپ ﷺ حمار پر سوار ہوئے اور آپ کا گذر عبداللہ بن ابی کے پاس سے ہوا تو حمار نے پیشاب کردیا جس کی وجہ سے عبداللہ بن ابی نے اپنی ناک دبائی، تو ابن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے، واللہ آپ ﷺ کے حمار کا پیشاب تیری مشک سے زیادہ خوشبودار ہے سوان دونوں کی قوموں کے درمیان ہاتھا پائی ہوگئی اور جوتے اور ڈنڈے چلنے لگے (طائفة) کی طرف نظر کرتے ہوئے، اِقْتَتَلُوْا کو جمع لائے ہیں، اس لئے کہ ہر طائفہ ایک جماعت ہوتی ہے اور اِقْتَتَلَتَا بھی پڑھا گیا ہے اور بَيْنَهُمَا کو لفظ کی رعایت کرتے ہوئے تثنیہ لایا گیا ہے، پھر اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو سب اس جماعت سے جو زیادتی کرتی ہے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے پس اگر لوٹ آئے تو انصاف کے ساتھ صلح کرادو اور عدل کرو بے شک اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے (یاد رکھو) سارے مسلمان دینی بھائی بھائی ہیں پس اپنے دو بھائیوں میں جب وہ جھگڑا کریں صلح کرادیا کرو (اِخْوَتِكُمْ) کو تائے فوقانیہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اور اصلاح کرنے میں اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: لَا تُقَدِّمُوْا اس میں دو صورتیں ہیں اول یہ کہ یہ متعدی ہے، تعمیم کے قصد سے اس کے مفعول کو حذف کردیا گیا ہے یا نفس فعل کا قصد کرنے کی وجہ سے مفعول کو ترک کردیا گیا ہے، جیسا کہ عرب کہتے ہیں فُلَانٌ يمنَعُ ويُعْطِي دوسری صورت یہ کہ یہ لازم ہے جیسے وَجَّهَ وَتَوَجَّهَ وہ متوجہ ہوا اور اسی کی تائید ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ضحاک اور یعقوب کی قراءت تَقَدَّمُوْا کرتی ہے اور واحدی نے کہا ہے کہ قَدَّمَ یہاں تَقَدَّمَ کے معنی میں ہے یعنی تم آگے نہ بڑھو (فتح القدیر) مفسر علام نے قَدَّمَ بمعنی تَقَدَّمَ کہہ کر اشارہ کردیا کہ قَدَّمَ لازم کے معنی میں ہے لہٰذا اس کا مفعول محذوف ماننے کی ضرورت نہیں۔

قَوْلُهٗ: اَلْمبلّغ عَنْهُ یہ رَسُوْلِهٖ کی صفت ہے اور اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے حکم واجازت کے بغیر نہ قول میں سبقت کرو اور نہ فعل میں بعض حضرات نے کہا ہے کہ تُقَدِّمُوْا کا مفعول محذوف ہے ای لَا تُقَدِّمُوْا اَمْرًا.

قَوْلُهٗ: اِذَا نَاجَيْتُمُوْهُ اس جملہ کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: اول جملہ یعنی لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ اور دوسرا جملہ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے جبکہ عطف مغایرت کا تقاضہ کرتا ہے تو پھر اس تکرار کا کیا مقصد ہے؟

جَوَابٌ: دونوں جملوں کا مفہوم اور مصداق الگ الگ ہے، اول جملہ کا مفہوم یہ کہ جب آپ ﷺ سے گفتگو ہو رہی ہو یعنی سوال و جواب ہو رہے ہوں تو اس طریقہ سے نہ بولو کہ تمہاری آواز آپ ﷺ کی آواز سے بلند ہو جائے، اور دوسرے جملہ کا مطلب یہ کہ جب تم آپ ﷺ سے سوال کر رہے ہو اور آپ ﷺ خاموش سن رہے ہوں تو بھی زور زور سے نہ بولو جس طرح تم آپس میں بولتے ہو، لہٰذا تکرار کا شبہ ختم ہو گیا۔

قَوْلُہٗ: بَلْ دُوْنَ ذٰلِكَ کا مطلب ہے کہ ہر حال میں اپنی آواز آپ ﷺ کی آواز سے پست رکھو، خواہ آپ سے گفتگو ہو رہی ہو یا تم بول رہے ہو اور آپ ﷺ خاموش سن رہے ہوں۔

قَوْلُہٗ: اِجْلَالًا یہ لَاتَرْفَعُوْا وَلَاتَجْهَرُوْا کی علت ہے، مطلب یہ ہے کہ ہر حال میں آپ کی جلالت شان کا خیال رہنا چاہئے۔

قَوْلُہٗ: خَشْيَةَ ذٰلِكَ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اَنْ تَحْبَطَ حذف مضاف کے ساتھ مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب المحل ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اِنْتَهُوْا عَمَّا نُهِيْتُمْ لِخَشْيَةِ حُبُوْطِ اَعْمَالِكُمْ.

فَائِدَہ: لَاتَرْفَعُوْا اور لَاتَجْهَرُوْا دونوں نے خشيةَ میں تنازع کیا ہے ہر ایک خَشْيَة کو اپنا مفعول لہ بنانا چاہتا ہے، بصریین کے مذہب کے مطابق ثانی کو عمل دیا اور اول کے لئے مفعول لہ محذوف مان لیا (گویا کہ یہ باب تنازع فعلان سے ہے)

قَوْلُہٗ: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ الخ اُولٰٓئِكَ مبتداء ہے اَلَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ موصول صلہ سے مل کر جملہ ہو کر اِنَّ کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: لِتَظْهَرَ مِنْهُمْ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَالٌ: امتحان تقویٰ کا سبب نہیں ہوتا ہے حالانکہ اِمْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى میں امتحان کو تقویٰ کا سبب بیان کیا گیا ہے۔

جَوَابٌ: اختیار تقویٰ کا سبب نہیں ہے مگر ظہور تقویٰ کا سبب ضرور ہے یہ اطلاق السبب علی المسبب کے قبیل سے ہے، اس لئے کہ امتحان دل کے اندر پوشیدہ تقویٰ کو ظاہر کر دیتا ہے، اسی شبہ کو رفع کرنے کے لئے لِتَظْهَرَ مِنْهُمْ کا اضافہ کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: تِرَةٌ تاء کے کسرہ اور راء کی تخفیف کے ساتھ، بمعنی حسد، عداوت، شک۔

قَوْلُہٗ: فَتَثَبَّتُوْا یہ تَثَبَّتَ سے امر کا جمع مذکر حاضر ہے، تم توقف کرو، جلدی نہ کرو۔

قَوْلُہٗ: خشيةَ ذٰلِكَ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا، فَتَبَيَّنُوْا کا مفعول لہ ہے، اَنْ تُصِيْبُوْا سے پہلے مضاف محذوف ہے ای خشيةَ اِصابَةِ قومٍ.

قَوْلُہٗ: عَنِتُّمْ عَنِتَ سے ماضی جمع مذکر حاضر، تم گنہگار ہو گئے، تم مشکل میں پڑ گئے۔

قَوْلُہٗ: دُوْنَہٗ یعنی دروغ گوئی اور غلط بیانی کی وجہ سے جو کچھ نتیجہ برآمد ہوگا اس کے ذمہ دار غلط بیانی کرنے والے ہوں گے نہ کہ آپ ﷺ، اس لئے کہ آپ ﷺ تو تم لوگوں کی گواہی پر فیصلہ کرنے پر مجبور ہیں۔

قَوْلُہٗ: اِثْمَ التَّسَبُّبِ اِلَى الْمُرَتَّبِ یعنی تم لوگ مرتب شدہ نتیجہ کا ذریعہ اور سبب بننے کی وجہ سے گنہگار ہو گے نہ کہ ارتکاب فعل کی وجہ سے۔

قَوْلُہٗ: اِسْتِدْرَاكٌ مِنْ حَيْثُ الْمَعْنٰى دُوْنَ اللفظِ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: سوال یہ ہے کہ لکنّ استدراک کے لئے ہے، اور استدراک کے لئے ضروری ہے کہ مابعد ماقبل کا نفیاً و اثباتاً مخالف ہو، اور یہاں ایسا نہیں ہے لہٰذا یہ استدراک صحیح نہیں ہے۔

جَوَاب: لکِنّ کا مابعد ماقبل سے اگرچہ نفیًا و اثباتًا، لفظًا متغائر نہیں ہے مگر معنًا متغائر ہے، لہٰذا استدراک صحیح ہے اور معنوی اختلاف یہ ہے کہ مَنْ حُبِّبَ اِلَیْهِ الْاِیْمَان کی صفت ان لوگوں سے مختلف ہے جن کا ذکر سابق میں گذر چکا ہے اس طریقہ سے مستدرک مستدرک منہ سے مختلف ہے، لہٰذا استدراک بھی درست ہے۔

قَوْلُہٗ: مصدرٌ منصوبٌ بفعله المقدر یعنی فَضْلًا اپنے فعل کا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے (مگر یہ صحیح نہیں ہے) اس میں تسامح ہے اس لئے کہ فَضْلًا اسم مصدر ہے مصدر اس کا اِفْضَالًا ہے، البتہ مفعول لہٗ درست ہے اور عامل اس میں حَبَّبَ ہے عامل اور معمول کے درمیان اولٰئِكَ هم الراشِدُوْنَ جملہ معترضہ ہے۔

قَوْلُہٗ: اقْتَتَلُوْا جُمِعَ نظرًا اِلی المعنٰی یہ ایک شبہ کا جواب ہے۔

شبہ: اقتتلوا جمع کا صیغہ ہے حالانکہ اس کی ضمیر طائفتان تثنیہ کی طرف لوٹ رہی ہے، لہٰذا ضمیر و مرجع کے درمیان مطابقت نہیں ہے۔

دفع: طائفتان کے معنی کی طرف نظر کرتے ہوئے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے، اس لئے کہ ہر طائفہ بہت سے افراد پر مشتمل ہوتا ہے، بَیْنَهُمَا میں تثنیہ لایا گیا ہے، طائفتان کے لفظ کی رعایت کرتے ہوئے۔

تفسیر و تشریح

یہ سورت طوال مفصل میں سے پہلی سورت ہے، سورۂ حجرات سے سورۂ نازعات تک کی سورتیں طوال مفصل کہلاتی ہیں بعض نے سورۂ ق کو پہلی مفصل سورت قرار دیا ہے (ابن کثیر، فتح القدیر) ان سورتوں کا فجر کی نماز میں پڑھنا مسنون و مستحب ہے اور عبس سے سورۂ والشمس تک اوساط مفصل اور سورۂ ضحٰی سے والناس تک قصار مفصل ہیں، ظہر و عشاء میں اوساط اور مغرب میں قصار پڑھنی مسنون و مستحب ہیں۔ (ایسر التفاسیر)

شانِ نزول:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا (الآیۃ) ان آیات کے نزول کے متعلق روایات حدیث میں بقول قرطبی چھ واقعات منقول ہیں، اور قاضی ابوبکر بن عربی نے فرمایا کہ سب واقعات صحیح ہیں، کیونکہ وہ سب واقعات ان آیات کے مفہوم میں داخل ہیں، ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے جس کو امام بخاری نے روایت کیا ہے، واقعہ یہ ہے:

ایک مرتبہ قبیلہ بنو تمیم کے کچھ لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہ بات زیر غور تھی کہ اس قبیلہ

کا حاکم (امیر) کس کو بنایا جائے، حضرت ابوبکر صدیق تَعَالَیٰ نے قعقاع بن معبد کے بارے میں رائے دی اور حضرت عمر تعالیٰ نے اقرع بن حابس تعالیٰ کے بارے میں رائے دی، اس معاملہ میں حضرت ابوبکر وعمر تعالیٰ کے مابین آپ کی مجلس میں کچھ تیز گفتگو ہوگئی اور بات بڑھ گئی جس کی وجہ سے دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

زمانۂ نزول:

یہ بات روایات سے بھی معلوم ہوتی ہے اور سورت کے مضامین بھی اسی کی تائید کرتے ہیں کہ یہ سورت مختلف مواقع پر نازل شدہ احکام وہدایات کا مجموعہ ہے، جنہیں مضمون کی مناسبت سے ایک جگہ جمع کردیا گیا ہے، اس کے علاوہ روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثر احکام مدینہ طیبہ کے آخری دور میں نازل ہوئے ہیں مثلاً آیت ۴۔ کے متعلق مفسرین کا بیان ہے کہ یہ بنوتمیم کے وفد کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جس وفد نے آکر ازواج مطہرات کے حجروں کے باہر سے نبی ﷺ کو پکارنا شروع کردیا تھا، اور تمام کتب سیرت میں اس وفد کی آمد کا زمانہ ۹ھ بیان کیا گیا ہے، اسی طرح آیت ۶۔ کے متعلق حدیث کی اکثر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ولید بن عقبہ تعالیٰ کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جنہیں رسول اللہ ﷺ نے بنی مصطلق سے زکوٰۃ وصول کرکے لانے کے لئے بھیجا تھا اور یہ بات معلوم ہی ہے کہ ولید بن عقبہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔

لَا تُقَدِّمُوْا یعنی آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش قدمی اور سبقت نہ کرو، کس چیز میں پیش قدمی کو منع کیا گیا ہے؟ اس کا ذکر قرآن میں نہیں ہے، اس میں عموم کی طرف اشارہ ہے، یعنی کسی بھی قول وفعل میں آنحضرت ﷺ سے پیش قدمی نہ کرو بلکہ انتظار کرو کہ رسول اللہ ﷺ کیا جواب دیتے ہیں؟ البتہ اگر آپ ہی کسی کو جواب کے لئے مامور فرمادیں تو جواب دے سکتا ہے، اسی طرح چلنے میں بھی کوئی آپ سے سبقت نہ کرے، اگر مثلاً کھانے کی مجلس ہے تو آپ سے پہلے کھانا شروع نہ کرے مگر قرائن یا صراحت سے اجازت معلوم ہوجائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

علماء دین اور دینی مقتداؤں کے ساتھ بھی یہی ادب ملحوظ رکھنا چاہئے:

بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ علماء ومشائخ دین کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ وہ وارث انبیاء ہیں، اور دلیل اس کی یہ واقعہ ہے ایک روز حضرت ابوالدرداء تعالیٰ کو رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر تعالیٰ کے آگے چل رہے ہیں تو آپ ﷺ نے تنبیہ فرمائی، اور فرمایا کہ کیا تم ایسے شخص کے آگے چل رہے ہو جو دنیا وآخرت میں تم سے بہتر ہے اور فرمایا کہ دنیا میں آفتاب کا طلوع وغروب کسی ایسے شخص پر نہیں ہوا کہ جو انبیاء علیہم السلام کے بعد ابوبکر سے افضل ہو۔ (روح البیان معارف)

لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کا یہ مطلب بھی ہے کہ دین کے معاملہ میں اپنے طور پر کوئی فیصلہ نہ کرو بلکہ اللہ

اوراس کے رسول کی اطاعت کرو، اپنی طرف سے دین میں اضافہ یا بدعات کی ایجاد اللہ اوراس کے رسول سے آگے بڑھنے کی بے جا جسارت ہے۔

لَاتَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ اس آیت میں آپ ﷺ کی مجلس کا ادب بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آپ ﷺ کی آواز سے زیادہ آواز بلند کرنا یا بلند آواز سے اس طرح گفتگو کرنا جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بے محابا کیا کرتے ہیں، ایک قسم کی بے ادبی اور گستاخی ہے، چنانچہ آیت کے نزول کے بعد صحابہ کرام کا یہ حال ہوگیا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا کہ یارسول اللہ قسم ہے کہ اب مرتے دم تک آپ سے اس طرح بولوں گا جیسے کوئی کسی سے سرگوشی کرتا ہو۔ (درمنثور، از بیہقی)

شان نزول:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ یہ آیت بنوتمیم کے بعض گنوار قسم کے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی، جنہوں نے ایک روز دوپہر کے وقت، جو کہ آنحضرت ﷺ کے قیلولے کا وقت تھا، حجرے سے باہر کھڑے ہو کر عامیانہ انداز سے، یا محمد یا محمد کی آوازیں لگائیں، تاکہ آپ باہر تشریف لے آئیں (مسند احمد) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کی اکثریت بے عقل ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ کی جلالت شان اور آپ ﷺ کے ادب واحترام کے تقاضوں کا خیال نہ رکھنا بے عقلی ہے۔ امام بغوی نے بروایت قتادہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ ذکر کیا ہے کہ قبیلہ بنوتمیم کے لوگ جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے، یہ لوگ دوپہر کے وقت مدینہ منورہ پہنچے جب آپ کسی حجرے میں آرام فرما رہے تھے یہ اعرابی، آداب معاشرت سے ناواقف تھے، انہوں نے حجروں کے باہر ہی سے پکارنا شروع کردیا (اُخرُج الینا یامحمد) اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی جس میں اس طرح پکارنے سے منع کیا گیا ہے۔

حجرات امہات المومنین:

ابن سعد نے بروایت عطاء خراسانی لکھا ہے کہ یہ حجرے کھجور کی شاخوں سے بنے ہوئے تھے اوران کے دروازوں پر موٹے سیاہ اون کے پردے پڑے ہوئے تھے، امام بخاری نے ادب المفرد میں اور بیہقی نے داؤد بن قیس سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان حجروں کی زیارت کی ہے میرا گمان یہ ہے کہ حجرے کے دروازے سے مسقف بیت تک چھ یا سات ہاتھ اور کمرہ دس ہاتھ اور چھت کی اونچائی سات یا آٹھ ہاتھ ہوگی، امہات المومنین کے یہ حجرے ولید بن عبدالملک کے دور حکومت میں ان کے حکم سے مسجد نبوی میں شامل کردیئے گئے، مدینہ منورہ میں اس روز گریہ وبکا طاری تھا۔ (معارف)

شان نزول:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَاءَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ (الآیة) اس آیت کے نزول کا واقعہ ابن کثیر نے بحوالہ مسند احمد یہ نقل کیا ہے کہ قبیلہ بنی مصطلق کے رئیس حارث بن ضرار جن کی صاحبزادی حضرت میمونہ بنت حارث امہات المومنین میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا، میں نے اسلام قبول کیا اور زکوٰۃ ادا کرنے کا اقرار کیا اور عرض کیا کہ اب میں اپنی قوم میں جا کر اپنی قوم کو اسلام اور ادائے زکوٰۃ کی دعوت دوں گا، جو لوگ میری بات مان لیں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے میں ان کی زکوٰۃ جمع کرلوں گا، اور آپ فلاں مہینہ کی فلاں تاریخ تک اپنا کوئی قاصد میرے پاس بھیج دیں تاکہ زکوٰۃ کی جو رقم میرے پاس جمع ہو جائے اس کے سپرد کردوں۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے مقررہ تاریخ پر ولید بن عقبہ بن معیط کو محصل زکوٰۃ بنا کر بھیج دیا تھا، مگر ولید بن عقبہ کو راستہ میں یہ خیال ہوا کہ اس قبیلہ کے لوگوں سے میری پرانی دشمنی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے قتل کر ڈالیں، اس خوف سے وہ راستہ ہی سے واپس آگئے اور آپ ﷺ کو یوں ہی رپورٹ دیدی کہ انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا ہے، جس پر آپ ﷺ نے ان پر فوج کشی کا ارادہ فرمالیا، اور خالد بن ولید رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو مجاہدین کا ایک دستہ دیکر قبیلہ بنی مصطلق کی جانب روانہ فرمادیا، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ روانگی کی تیاری فرمائی، بہرحال یہ پتہ لگ گیا کہ یہ بات غلط تھی، اور ولید رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ تو وہاں گئے بھی نہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (معارف ملخصًا)

عدالت صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے متعلق ایک اہم سوال اور اس کا جواب:

اس آیت کا ولید بن عقبہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے متعلق نازل ہونا صحیح روایات سے ثابت ہے اور آیت میں ان کو ''فاسق'' کہا گیا ہے، ں سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ میں کوئی فاسق بھی ہوسکتا ہے اور یہ اس مسلمہ اور متفقہ ضابطہ کے خلاف ہے کہ اَلصَّحَابَةُ نُلُّهم عَدُولٌ یعنی صحابہ کرام سب کے سب ثقہ ہیں، ان کی شہادت پر کوئی گرفت نہیں کی جاسکتی، علامہ آلوسی نے روح المعانی میں مایا کہ اس معاملہ میں حق بات وہ ہے جس کی طرف جمہور علماء گئے ہیں، کہ صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ معصوم نہیں ان سے گناہ کبیرہ بھی رزد ہوسکتا ہے جو فسق ہے، اور اس گناہ کی وجہ سے اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جس کے وہ مستحق ہیں، یعنی شرعی سزا جاری کی ئے گی، اور اگر کذب ثابت ہو تو ان کی شہادت رد کردی جائے گی لیکن اہل سنت والجماعت کا عقیدہ نصوص قرآن کی بنا، پر یہ ہے صحابی سے گناہ تو سرزد ہوسکتا ہے مگر کوئی صحابی ایسا نہیں جو گناہ سے توبہ کرکے پاک نہ ہوگیا ہو، قرآن کریم نے علی الاطلاق ان بارے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا فیصلہ صادر فرمایا ہے "رضی اللّٰه عنهم ورضوا عنه" اور رضاء الٰہی گناہوں کی معافی کے بیں ہوسکتی، جیسا کہ قاضی ابویعلی نے فرمایا کہ رضاء، اللہ تعالیٰ کی ایک صفت قدیمہ ہے وہ اپنی رضا کا اعلان صرف اسی کے لئے تے ہیں جن کے متعلق وہ جانتے ہیں کہ ان کی وفات موجبات رضاء پر ہوگی۔ (کذا فی الصارم المسلول لابن تیمیه، معارف)

کسی صحابی کو فاسق کہنا درست نہیں ہے:

گو آیت کا شان نزول حضرت ولید بن عقبہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا واقعہ ہی سہی مگر لفظ فسق ان کے لئے استعمال کیا گیا ہو یہ ضروری نہیں، وجہ یہ ہے کہ اس واقعہ سے پہلے تو ولید بن عقبہ سے کوئی ایسا کام ہوا نہ تھا جس کے سبب ان کو فاسق کہا جائے، اور اس واقعہ میں بھی جو انہوں نے بنی مصطلق کے لوگوں کی طرف ایک غلط بات منسوب کی وہ بھی اپنے خیال کے مطابق صحیح سمجھ کر کی اگرچہ واقع میں غلط تھی اس لئے آیت مذکورہ کا صاف اور بے غبار مطلب یہ بن سکتا ہے کہ اس آیت نے قاعدہ کلیہ فاسق کی خبر کے نامقبول ہونے کے متعلق بیان کیا ہے اور واقعہ مذکورہ پر اس آیت کے نزول سے اس کی مزید تاکید اس طرح ہوگئی کہ ولید بن عقبہ اگرچہ فاسق نہ تھے مگر ان کی خبر قرائن قویہ کے اعتبار سے ناقابل قبول معلوم ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے محض ان کی خبر پر کسی اقدام سے گریز کر کے خالد بن ولید کو تحقیقات پر مامور فرمایا تو جب ایک ثقہ اور صالح آدمی کی خبر میں قرائن کی بناء پر شبہ ہوجانے کا معاملہ یہ ہے کہ اس پر قبل از تحقیق عمل نہیں کیا گیا تو فاسق کی خبر کو قبول نہ کرنا اور اس پر عمل نہ کرنا اور زیادہ واضح ہے۔

(معارف)

اس آیت کے شان نزول میں ''فاسق'' کس کو کہا گیا:

زیادہ تر روایت سے تو صراحت کے ساتھ یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ولید بن عقبہ مراد ہیں، حضرت ام سلمہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی روایت میں یہ پورا قصہ تو اسی طرح بیان ہوا ہے مگر اس میں ولید بن عقبہ کے نام کی صراحت نہیں ہے، بعض حضرات نے مثلاً مولانا ابوالکلام نے یہ توجیہ کی ہے کہ آیت میں فاسق ولید بن عقبہ کو نہیں کہا بلکہ اس شخص کو کہا گیا جس نے حضرت ولید بن عقبہ کو یہ خبر دی کہ بنو مصطلق مرتد اور زکوٰۃ کے منکر ہوگئے ہیں، اور تمہارے قتل کے درپے ہیں، حضرت ولید بن عقبہ اسی شخص کی خبر پر اعتماد کر کے واپس چلے گئے، اور اسی کے مطابق آپ ﷺ کو رپورٹ دیدی، مگر اس توجیہ کی کوئی بنیاد معلوم نہیں ہوسکی۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ (الآية) اس سے پہلی آیت میں حضرت ولید بن عقبہ اور بنو مصطلق کا واقعہ مذکور تھا، جس میں ولید بن عقبہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے یہ خبر دیدی تھی کہ بنی مصطلق مرتد ہوگئے اور زکوٰۃ دینے سے بھی انکار کردیا، اس پر صحابہ کرام میں بھی اشتعال پیدا ہوا، ان کی رائے یہ تھی کہ ان لوگوں پر جہاد کے لئے مجاہدین کو بھیج دیا جائے، مگر آنحضرت ﷺ نے ولید بن عقبہ کی خبر کو قرائن قویہ کی وجہ سے خلاف واقعہ سمجھ کر قبول نہ کیا اور تحقیقات کیلئے حضرت خالد بن ولید کو مامور فرمایا، سابقہ آیت میں قرآن کریم نے اس کو قانون بنادیا کہ جس کی خبر میں قرائن قویہ سے کوئی شبہ ہوجائے تو قبل تحقیق اس پر عمل کرنا جائز نہیں، اس آیت میں صحابہ کرام کو ایک اور ہدایت دی گئی ہے کہ اگرچہ بنی مصطلق کے متعلق ارتداد کی خبر سن کر تمہارا جوش غیرت ایمانی کے سبب سے تھا مگر تمہاری رائے صحیح نہ تھی اللہ کے رسول نے جو صورت اختیار فرمائی وہی بہتر تھی۔ (مظہری)

اس نازک موقع پر ایک بے بنیاد خبر اعتماد کر لینے کی وجہ سے ایک عظیم غلطی ہوتے ہوتے رہ گئی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں

کو یہ اصولی ہدایت دی کہ جب کوئی اہمیت رکھنے والی خبر جس پر کوئی بڑا نتیجہ مرتب ہوتا ہو تمہیں ملے تو اسے قبول کرنے سے پہلے یہ دیکھ لو کہ خبر لانے والا کیسا آدمی ہے، اگر وہ کوئی فاسق شخص ہو یعنی اس کا ظاہر حال یہ بتا رہا ہو کہ اس کی بات اعتماد کے لائق نہیں ہے تو اس کی خبر پر عمل کرنے سے پہلے تحقیق کر لو کہ امر واقعہ کیا ہے؟ ایسا نہ ہو کہ غلط فہمی کی وجہ سے کسی کے خلاف کوئی کارروائی ہو جائے، اور بعد میں پشیمان ہونا پڑے۔

شانِ نزول:

وَاِنْ طائفتان من المؤمنين (الآية) کے سبب نزول میں مفسرین نے متعدد واقعات بیان فرمائے ہیں جن میں خود مسلمانوں کے دو گروہوں میں باہم تصادم ہوا اور کوئی بعید نہیں کہ یہ سب ہی واقعات کا مجموعہ سبب نزول ہوا ہو یا نزول کسی ایک واقعہ میں ہوا ہو اور دوسرے واقعات کو اس کے مطابق پاکر ان کو بھی سبب نزول میں شریک کر دیا گیا، اس آیت کے اصل مخاطب تو وہ اولوا الامر اور ملوک ہیں جن کو قتال و جہاد کے وسائل حاصل ہوں۔ (روح المعانی، معارف) اور بالواسطہ تمام مسمان مخاطب ہیں کہ اولوا الامر کی اعانت کریں، اور جہاں کوئی امام و امیر بادشاہ نہ ہو، وہاں حکم یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو دونوں کو فہمائش کر کے ترک قتال پر آمادہ کیا جائے اور اگر دونوں نہ مانیں تو دونوں سے الگ رہے نہ کسی کی مخالفت کرے اور نہ موافقت۔

(بیان القرآن)

مسائل متعلقہ:

مسلمانوں کے دو گروہوں کی باہمی لڑائی کی چند صورتیں ہیں:

① اول یہ کہ دونوں جماعتیں امام المسلمین کے تحت ولایت ہوں ② دوسرے دونوں جماعتیں امام المسمین کے تحت ولایت نہ ہوں ③ تیسری صورت ایک جماعت امام المسلمین کے تحت ولایت ہو اور دوسری نہ ہو۔

پہلی صورت میں عام مسمانوں پر لازم ہے کہ فہمائش کر کے ان کو باہمی جنگ سے روکیں، اگر فہمائش سے باز نہ آئیں تو امام المسلمین پر اصلاح کرنا واجب ہے، اگر حکومت اسلامیہ کی مداخلت سے دونوں فریق جنگ سے باز آ گئے تو قصاص و دیت کے احکام جاری ہوں گے، اور اگر باز نہ آئیں تو دونوں فریق کے ساتھ باغیوں کا سا معاملہ کیا جائے گا، اور اگر ایک باز آ گیا اور دوسرا ظلم و تعدی پر جما رہا تو دوسرا فریق باغی ہے اس کے ساتھ باغیوں کا سا معاملہ کیا جائے اور جس نے اطاعت قبول کر لی وہ فریق عادل کہلائے گا (اور باغیوں کے احکام کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھی جا سکتی ہے) مشاجرات صحابہ اور مسلمانوں کے باہمی تصادم کی مزید تفصیل کے لئے بیان القرآن اور معارف القرآن کی طرف رجوع کریں اطناب کے خوف سے ترک کر دیا گیا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ الاية نَزَلَتْ فِي وَفْدِ تَمِيمٍ حِيْنَ سَخِرُوا مِنْ فُقَرَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ كَعَمَّارٍ وَصُهَيْبٍ

والسُّخْرِيَّةُ الازدِراءُ والاحتِقارُ قَوْمٌ اى رجالٌ منكم مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ عِندَ اللهِ وَلَا نِسَاءٌ منكم مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ لا تعيبُوا فتُعابُوا اى لايَعِيبُ بعضُكم بعضًا وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ لايدعُو بعضُكم بعضًا بلقبٍ يكرهُهُ ومنه يا فاسقُ يا كافرُ بِئْسَ الِاسْمُ اى المذكورُ مِنَ السُّخْرِيّةِ واللمزِ والتنابزِ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ بدلٌ مِنَ الاسمِ لافادة انّه فِسقٌ لتكرُّره عادةً وَمَن لَّمْ يَتُبْ مِن ذلك فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ اى مُؤثِمٌ وهو كثيرٌ كظنِّ السُّوءِ باهلِ الخيرِ مِنَ المؤمنينَ وهُم كثيرٌ بخلافِه بالفُسّاقِ منهم فلااثمَ فيه في نحوِما يظهرُ منهم وَلَا تَجَسَّسُوا حُذِفَ منهُ احدى التائَينِ لاتتَّبِعُوا عَوراتِ المسلمينَ ومَعايبَهم بالبحثِ عنها وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا لا يذكُرْهُ بشيءٍ يكرهُهُ وإن كان فيه أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا بالتخفيفِ والتشديدِ لا يَحسُنُ به لا فَكَرِهْتُمُوهُ اى فاغتيابُهُ في حياتِهِ كأكلِ لحمِه بعدَ مماتِه وقد عُرِضَ عليكمُ الثاني فكرِهتُمُوهُ فاكرَهُوا الاوّلَ وَاتَّقُوا اللَّهَ اى عقابَهُ في الاغتيابِ بان تتوبُوا منه إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ قابلٌ توبةَ التائبينَ رَّحِيمٌ ۝ بهم يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ آدمَ وحوّاءَ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا جمعُ شَعبٍ بفتحِ الشينِ وهو اعلى طبقاتِ النسبِ وَقَبَائِلَ هي دُونَ الشعوبِ وبعدَها العمائرُ ثم البطونُ ثم الافخاذُ ثم الفصائلُ آخِرُها، مثالُهُ خُزيمةُ شعبٌ، كِنانةُ قبيلةٌ، قُريشٌ عِمارةٌ بكسرِ العينِ، قُصَيٌّ بطنٌ، هاشمٌ فخذٌ، العباسُ فصيلةٌ، لِتَعَارَفُوا حُذِفَ منه احدى التائَينِ اى ليَعرِفَ بعضُكم بعضًا لا لتفاخروا بعُلُوّ النسبِ وانما الفخرُ بالتقوى إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بكم خَبِيرٌ ۝ ببواطنكم قَالَتِ الْأَعْرَابُ نفرٌ من بني أسدٍ آمَنَّا صدّقنا بقلوبنا قُل لهم لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَٰكِن قُولُوا أَسْلَمْنَا اى انقدنا ظاهرًا وَلَمَّا اى لم يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ الى الآنِ لكنّهُ يُتوقَّعُ منكم وَإِن تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ بالايمانِ وغيرِه لَا يَلِتْكُم بالهمزِ وتركه وبابدالِه الفًا لا ينقُصكم مِّنْ أَعْمَالِكُمْ اى من ثوابِها شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ للمؤمنينَ رَّحِيمٌ ۝ بهم إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اى الصادقونَ في ايمانِهم كما صُرّحَ به بعدُ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا لم يشكُّوا في الايمانِ وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بجهادِهم يظهرُ صدقُ ايمانِهم أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝ في ايمانِهم لا مَن قالوا آمنّا ولم يُوجَد منهم غيرُ الاسلامِ قُلْ لهم أَتُعَلِّمُونَ اللَّهَ بِدِينِكُمْ مضعّفُ علِمَ بمعنى شَعَرَ اى أتُشعرونَهُ بما أنتم عليه في قولِكم آمنّا وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا من غيرِ قتالٍ بخلافِ غيرِهم ممّن أسلمَ بعدَ قتالٍ منهم قُل لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُم منصوبٌ بنزعِ الخافضِ الباءِ ويُقدّرُ قبلَ أن في الموضعَينِ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ في قولِكم آمنّا إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ اى ما غابَ فيهما وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ بالياءِ والتاءِ لايخفى عليه شيءٌ منه.

ع ۲ ۱۴

﴿ زمزم پبلشرز ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! نہ تو مرد مردوں کا مذاق اڑائیں ہوسکتا ہے کہ وہ عنداللہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا ممکن ہے کہ وہ عورتیں ان عورتوں سے بہتر ہوں، یہ آیت وفد بنی تمیم کے بارے میں نازل ہوئی، جبکہ انہوں نے فقرائے مسلمین کا تمسخر کیا تھا، مثلاً عمار، صہیب کا، اور تحریہ تحقیر وتذلیل کو کہتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ کہ تم عیب جوئی کرو تو تمہاری عیب جوئی کی جائے، یعنی کوئی کسی کی عیب جوئی نہ کرے اور نہ کسی کو برا لقب دو، یعنی آپس میں ایک دوسرے کو ایسے لقب سے نہ پکارو جس کو وہ ناپسند کرے اور ان ہی (برے القاب) میں سے یا فاسق یا کافر ہے، (صفت) ایمان سے متصف ہونے کے بعد فسق مذکورہ کا نام کہ وہ تمسخر اور عیب جوئی اور برے لقب رکھنا ہیں لگنا برا ہے (اَلْفُسُوْقُ) اسم سے بدل ہے، اس بات کا فائدہ دینے کی وجہ سے کہ (نام بگاڑنا) عادۃً بار بار ہوتا ہے اور گناہ صغیرہ، پر اصرار کی وجہ سے (صغیرہ کبیرہ ہوجاتا ہے) اور اس سے توبہ نہ کرنے والے ہی ظالم لوگ ہیں، اور اے ایمان والو! بہت بدگمانیوں سے بچو یقین مانو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں یعنی گنہگار کرنے والی ہیں، اور یہ کثیر ہے، جیسا کہ مومنین اہل خیر کے ساتھ بدگمانی، اور وہ (اہل خیر) کثیر ہیں بخلاف اس بدظنی کے، مومنین فساق میں تو اس بدگمانی میں گناہ نہیں ہے ان گناہوں کے بارے میں جن کو وہ کھلم کھلا کرتے ہیں اور کسی (کے عیب) نہ ٹٹولا کرو اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے (تَجَسَّسُوْا) سے ایک تاء حذف کردی گئی ہے (یعنی) مسلمانوں کے عیوب اور رازوں کی جستجو میں نہ رہا کرو، اور نہ اس کا کوئی ایسی چیز سے تذکرہ کرے جس کو وہ ناپسند کرے اگرچہ وہ چیز اس کے اندر موجود ہو کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ اس غیبت سے بے خبر بھائی کا گوشت کھائے (مَیْتًا) تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے (یقیناً) نہیں پسند کرے گا لہٰذا تم اس بات کو (بھی) ناپسند کرو، اس لئے کہ اس کی زندگی میں اس کی غیبت کرنا اس کے مرنے کے بعد اس کا گوشت کھانے کے مانند ہے، اور تمہارے سامنے ثانی پیش کیا گیا تو تم نے اس کو ناپسند کیا، تو اول کو بھی ناپسند کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو یعنی غیبت کے بارے میں اس کی سزا سے، اس طریقہ سے کہ اس سے توبہ کرو، بے شک اللہ بڑا توبہ کا قبول کرنے والا ان پر مہربان ہے، یعنی توبہ کرنے والوں کی توبہ کو قبول کرنے والا ہے، اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا آدم وحواء سے اور ہم نے تم کو قومیں اور قبیلے بنایا شُعُوْبٌ شَعْبٌ کی جمع ہے شین کے فتحہ کے ساتھ، اور وہ (شَعْب) نسب کے طبقات میں سب سے اوپر ہے، اور قبیلہ یہ شعب سے نیچے ہے، اور اس سے نیچے عمائر ہے، پھر بطون ہے اس سے نیچے افخاذ ہے اور ان سب سے آخر میں فصیلہ ہے، اس کی مثال خزیمہ شعب ہے، کنانہ قبیلہ ہے، قریش عمارہ ہے عین کے کسرہ کے ساتھ اور قصی بطن ہے، ہاشم فخذ ہے، عباس فصیلہ ہے، تاکہ تم ایک دوسرے کو شناخت کرسکو، (تَعَارَفُوْا) سے ایک تاء حذف کردی گئی تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو نہ کہ عالی نسبی پر فخر کرو اور فخر تو صرف تقویٰ کی وجہ سے ہے اور تم میں سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں خوب جاننے والا اور تمہارے طبقات نسب سے پوری طرح باخبر ہے، بنو اسد کے دیہاتوں کی ایک جماعت کہتی ہے کہ ہم ایمان لے آئے، یعنی ہم نے اپنے

قلوب سے تصدیق کردی آپ ان سے فرمائیے کہ تم ایمان تو نہیں لائے لیکن یوں کہو ہم اسلام لائے یعنی ظاہری طور پر تابع فرمان ہو گئے لیکن ابھی تک تمہارے قلوب میں ایمان داخل نہیں ہوا، لیکن تم سے اس کی توقع رکھی جا سکتی ہے تم اگر اللہ کی اور اس کے رسول کی ایمان وغیرہ میں فرمانبرداری کرنے لگو گے تو وہ تمہارے اعمال میں سے یعنی ان کے ثواب میں سے کچھ بھی کم نہ کرے گا (یَأْلِتْکُمْ) ہمزہ اور ترک ہمزہ کے ساتھ ہے اور ہمزہ کو الف سے بدل کر یعنی تمہارے اجر کو کم نہ کرے گا، بے شک اللہ تعالیٰ مومنین کو معاف کرنے والا اور ان پر رحم کرنے والا ہے، مومن تو وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے یعنی اپنے ایمان میں سچے ہوں جیسا کہ بعد میں اس کی صراحت فرمائی پھر انہوں نے ایمان میں شک نہ کیا اور اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا ان کے جہاد سے ان کے ایمان کی صداقت ظاہر ہوتی ہے (اپنے دعوائے ایمان میں) یہی لوگ سچے ہیں نہ کہ وہ جن کی طرف سے سوائے ظاہری اتباع کے کچھ نہ پایا گیا، آپ ان سے کہہ دیجئے، کیا تم اللہ کو اپنی دینداری کی خبر دیتے ہو تُعَلِّمُوْنَ عَلِمَ کا مُضَعَّف ہے بمعنی شَعَرَ یعنی کیا تم اس کو آگاہ کرتے ہو اس بات سے جس پر تم اپنے قول آمَنَّا میں ہو اور اللہ ہر اس چیز سے جو آسمانوں اور زمین میں ہے واقف ہے یہ لوگ بغیر قتال کے اسلام لانے کا آپ پر احسان جتاتے ہیں بخلاف دوسروں کے کہ وہ قتال کے بعد اسلام لائے آپ کہہ دیجئے اپنے اسلام لانے کا مجھ پر احسان نہ رکھو (اِسْلَامَکُمْ) نزع خافض باء کی وجہ سے منصوب ہے، اور دونوں جگہوں پر اَنْ سے پہلے باء مقدر ہے بلکہ (درحقیقت) اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی ہدایت بخشی، بشرطیکہ تم اپنے قول آمَنَّا میں سچے ہو، اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی سب مخفی چیزوں کو جانتا ہے یعنی زمین و آسمان میں جو چیزیں پوشیدہ ہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کو بھی جانتا ہے یاء اور تاء کے ساتھ ان میں سے اس پر کوئی شئ مخفی نہیں ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: لَا یَسْخَرْ مضارع منفی واحد مذکر غائب (س) سَخْرٌ ٹھٹھا کرنا، مذاق کرنا۔

قَوْلُهُ: اَلْاِذْدِرَاءُ وَالْاِحْتِقَارُ یہ عطف تفسیری ہے، تحقیر و تذلیل کرنا۔

قَوْلُهُ: قوم ای رِجَالٌ، رِجَالٌ سے اشارہ کر دیا کہ قومٌ اسم جمع ہے بمعنی رجالٌ چونکہ قومٌ، نِسَاءٌ کے مقابلہ میں واقع ہے اس لئے اس سے یہاں مرد مراد ہیں، اور لغت عرب میں بھی قومٌ، رجال کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

قال الشاعر:

وَمَا اَدْرِیْ وَلَسْتُ اَخَالُ اَدْرِی ... اَقَوْمٌ آلُ حِصْنٍ اَمْ نِسَاءٌ

شاعر کی مراد "قوم" سے "رجال" ہیں، اور رجال کو قوم اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ قَوَّامُوْنَ علی النِّسَاء ہیں، اب رہا مطلقا

مردوں اور عورتوں کو قوم کہنا، جیسا کہ قوم فرعون اور قوم عاد وغیرہ، تو وہ بطور تبعیت ہے اصالۃً قوم رجال ہی کو کہا جاتا ہے۔

قَوْلُہٗ: عَسٰی اَنْ یکونَ جملہ مستانفہ ہے بیان علت کے لئے اور عَسٰی فاعل کی وجہ سے خبر سے مستغنی ہے۔

قَوْلُہٗ: اَللَّمزُ، لَمزٌ اشارہ کردن بچشم، آنکھ وغیرہ سے اشارہ کرنا۔

قَوْلُہٗ: لا تعیبُوا فتُعابُوْا یہ لَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَکُمْ کی توجیہ ہے یعنی اگر تم دوسروں کا عیب نکالو گے تو لوگ تمہارا عیب نکالیں گے، اس طرح گویا کہ تم خود اپنا عیب نکالو گے، یہ مَنْ ضَحِكَ ضُحِكَ کے قبیل سے ہے، یا جس طرح آپ ﷺ نے فرمایا لَاتَسُبُّوا آبائکم، اپنے والدین کو گالی مت دو، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اپنے آباء کو کون گالی دے گا آپ نے فرمایا: اگر تم کسی کے آباء کو گالی دو گے تو وہ تمہارے آباء کو گالی دے گا، اس طرح گویا کہ تم اپنے آباء کو گالی دینے والے ہوئے۔

قَوْلُہٗ: ای لا یعیبُ بَعْضُکم بَعْضًا یہ لَاتَلْمِزُوْا اَنْفُسَکُمْ کی دوسری توجیہ ہے، مفسر علام اگر اَیْ کے بجائے اَوْ فرماتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ (صاوی)

قَوْلُہٗ: لَاتَنَابَزُوْا یہ تَنَابُزٌ سے نہی جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے، تم کسی کی چڑ نہ نکالو، کسی کو برے لقب سے نہ پکارو، کسی کا نام نہ بگاڑو۔

قَوْلُہٗ: ای المذکور مِنَ السُّخْرِیَةِ وَاللَّمزِ والتَّنَابُز مفسر علام کا مقصد اس عبارت کے اضافہ سے ایک سوال کا جواب دینا ہے۔

سُؤال: اَلْاِسْمُ پر الف لام عہد کا ہے جو جمع پر دلالت کرتا ہے اور مراد اسماء ثلثہ مذکورہ یعنی السُّخریة، اللَّمز، التَّنَابُز ہیں لہٰذا مناسب تھا کہ الاسم مفرد لانے کے بجائے الاسماء جمع لاتے۔

جَوَابٌ: اسم یہاں ذکر مشہور کے معنی میں ہے جو کہ عرب کے قول طَارَ اسمُهٗ سے مشتق ہے، اسماء ثلثۃ المذکور کے معنی میں ہے لہٰذا الاسم کا مفرد لانا صحیح ہے اور اسم سے مراد ذکر اور شہرت ہے نہ معروف اسم بمقابل حرف و فعل اور نہ بمعنی علم اور یہ سُمُوٌّ سے مشتق ہے جس کے معنی بلند ہونے کے ہیں۔

قَوْلُہٗ: بِئْسَ الْاِسْمُ الْفُسُوْقُ بِئْسَ فعل ماضی، اَلْاِسْمُ اس کا فاعل اَلْفُسُوْقُ، الاسم سے بدل ہے، مفسر علام نے اسی ترکیب کو اختیار کیا ہے اس صورت میں مخصوص بالذم محذوف ہوگا، ای هُوَ. زیادہ واضح ترکیب یہ ہے کہ اَلْفُسُوْقُ کو مخصوص بالذم قرار دیا جائے، مذکورہ جملے کی مشہور ترکیب یہ ہے کہ اَلْفُسُوْقُ مبتداء ہے، اور بِئْسَ الْاِسْمُ خبر مقدم ہے۔

قَوْلُہٗ: لِاِفَادَةِ اَنَّهٗ فِسْقٌ لِتَکَرُّرِهٖ عَادَةً یعنی تحریہ وغیرہ جو مذکور ہوئے اگر چہ گناہ صغیرہ ہیں مگر جب صغیرہ پر اصرار ہو اور اس کا ارتکاب بار بار کیا جائے تو وہ گناہ کبیرہ بن جاتا ہے، اور عام طور پر عادۃً ایسا ہی ہوتا ہے کہ انسان ان القاب کو بار بار دہراتا ہے۔

قَوْلُہٗ: لَایَحِسُّ بِهٖ یہ مَیْتًا کی صفت ہے یعنی مردہ جو کہ محسوس نہیں کرتا، یعنی اگر اس کو کوئی کھائے تو اس کو احساس نہیں ہوتا، مفسر عدم نے لَایَحِسُّ بِهٖ کا اضافہ فرما کر اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ میت اور مغتاب لہ (جس کی غیبت کی جائے) کے

درمیان وجہ شبہ عدم علم ہے جس شخص کی پس پشت غیبت کی جاتی ہے اس کو بھی غیبت کا علم نہیں ہوتا، اور مردہ کا گوشت کھانے سے بھی مردہ کو علم واحساس نہیں ہوتا گویا کہ عدم علم میں دونوں مشترک ہیں۔

قَوْلُہٗ: مُضَعَّف عَلِمَ یعنی تعلیم اعلام کے معنی میں ہے جو کہ متعدی بدومفعول ہے دوسرا مفعول دِینکم ہے، جس کی طرف باء کے ذریعہ متعدی ہے۔

قَوْلُہٗ: اِن کنتم صادقین فی اِدّعَائِکُمُ الایمان شرط ہے، اس کا جواب محذوف ہے فَلِلّٰہِ الْمِنَّۃُ علیکم.

قَوْلُہٗ: فی الموضعین یعنی أن سے پہلے باء مقدر ہے دوجگہوں میں ایک اَنْ اَسْلَمُوْا ہے اور دوسری أن ھداکُمْ ای بأن اَسْلَمُوا و بأن ھَدَاکُمْ.

تفسیر وتشریح

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ (الآیۃ) گذشتہ دوآیتوں میں مسلمانوں کی باہمی لڑائی کے متعلق ضروری ہدایات دینے کے بعد اہل ایمان کو یہ احساس دلایا گیا تھا کہ دین کے مقدس ترین رشتہ کی بناء پر وہ ایک دوسرے کے بھائی ہیں، اب آگے کی دوآیتوں میں ان بڑی بڑی برائیوں کے سدباب کا حکم دیا جارہا ہے جو بالعموم ایک معاشرے میں لوگوں کے باہمی تعلقات کو خراب کرتی ہیں، ایک دوسرے کی عزت پر حملہ ایک دوسرے کی دل آزاری، ایک دوسرے سے بدگمانی اور ایک دوسرے کے عیوب کا تجسس، درحقیقت یہی وہ اسباب ہیں جس سے آپس کی عداوتیں پیدا ہوتی ہیں اور پھر دوسرے اسباب کے ساتھ مل کر ان سے بڑے بڑے فتنے رونما ہوتے ہیں، اس سلسلہ میں جو احکام آگے کی آیتوں میں دیئے گئے ہیں اور ان کی جو تشریحات احادیث میں ملتی ہیں ان کی بناء پر ایک مفصل قانون ہتکِ عزت مرتب کیا جاسکتا ہے، ایک شخص دوسرے شخص کا استہزاء اور تمسخر اسی وقت کرتا ہے جب وہ خود کو اس سے بہتر اور اس کو اپنے سے حقیر اور کمتر سمجھتا ہے، حالانکہ اللہ کے نزدیک ایمان اور عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے اور کون نہیں؟ اس کا علم صرف اللہ کو ہے اس لئے خود کو بہتر اور دوسرے کو کمتر سمجھنے کا کوئی جواز ہی نہیں ہے اس آیت کے شان نزول میں متعدد واقعات ذکر کئے گئے ہیں۔

شانِ نزول:

لایسخر قوم من قوم (الآیۃ) صاحب معالم نے کہا ہے کہ یہ آیت ثابت بن قیس کے بارے میں نازل ہوئی، یہ اونچا سنتے تھے اسی لئے آپ ﷺ کے قریب بیٹھتے تھے تاکہ آپ کی بات سن سکیں، ایک روز ان کی فجر کی نماز کی ایک رکعت چھوٹ گئی اس کے بعد جب مجلس میں پہنچے تو صحابہ اپنی اپنی جگہ لے چکے تھے، ثابت بن قیس جب نماز پڑھ کر آئے تو کہنے لگے تفسحوا (جگہ دو) لوگوں نے ان کو جگہ دیدی تو یہ کودتے پھاندتے قریب پہنچ گئے، صرف ایک شخص اپنی جگہ سے نہ ہٹا پس وہی شخص حضور کے اور ثابت کے درمیان میں تھا، ثابت نے ٹھونکا لگا کر نام پوچھا، اس نے اپنا نام بتایا اور کہا مجھے

جہاں جگہ مل گئی وہاں بیٹھ ہوں، چونکہ اس شخص کو ایام جاہلیت میں کسی عورت کی نسبت عار دلائی جاتی تھی تو ثابت نے کہا تو فلانی کا بیٹا ہے اس نے شرم سے سر جھکا لیا تو مذکورہ آیت نازل ہوئی، ضحاک نے کہا کہ بنی تمیم کے بارے میں نازل ہوئی، یہ لوگ فقراء صحابہ پر ہنستے تھے جیسے کہ عمار رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، سلمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، صہیب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، بلال رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، خباب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ وغیرہ، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت انس نے فرمایا کہ امہات المومنین کے حق میں نازل ہوئی، ازواج مطہرات میں سے کسی نے حضرت ام سلمہ کو کوتاہ قامت (ٹھگنی) کہہ دیا تھا، اسی طرح کسی نے حضرت صفیہ کو یہودن کہہ دیا، اس آیت میں اس کی ممانعت آئی کہ تمہیں کیا معلوم کہ نفس الامر میں اور خاتمہ کے اعتبار سے کون بہتر ہے؟ (خلاصۃ التفاسیر) یہ سب ہی واقعات نزول کا سبب ہو سکتے ہیں، ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

پہلا واقعہ:

کہتے ہیں کہ یہ اخلاقی بیماری عورتوں میں زیادہ ہوتی ہے، اس لئے عورتوں کا بطور خاص الگ ذکر کر کے انہیں بھی بطور خاص اس سے روک دیا گیا ہے ورنہ عام طور پر مردوں کے بارے میں حکم ذکر کر کے عورتوں کو ان کے تابع کر دیا جاتا ہے۔

مردوں اور عورتوں کا الگ الگ ذکر کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مردوں کے لئے عورتوں کا اور عورتوں کے لئے مردوں کا مذاق اڑانا جائز ہے، دراصل جس وجہ سے دونوں کا ذکر الگ الگ کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام سرے سے مخلوط سوسائٹی کا قائل نہیں ہے، ایک دوسرے کی تضحیک عموماً بے تکلف مجلسوں میں ہوا کرتی ہے، اسلام میں اس کی گنجائش رکھی ہی نہیں گئی کہ غیر محرم مرد عورتوں کی مجلس میں جمع ہو کر آپس میں ہنسی مذاق کریں، اس لئے اس بات کو ایک مسلم معاشرہ میں قابل تصور نہیں سمجھا گیا ہے۔

وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ (الآية) اللمزُ، العيبُ، ابن جریر نے کہا ہے کہ لمز ہاتھ، آنکھ زبان اور اشارہ سے ہوتا ہے اور همز صرف زبان ہی سے ہوتا ہے۔ (فتح القدیر)

لَا تَنَابَزُوْا (تفاعل) یہ نَبْزٌ سے مشتق ہے، اور نَبَزٌ حرکت کے ساتھ بمعنی لقب (جمع) انباز، القاب لَقَب کی جمع ہے، اصلی نام کے علاوہ جو نام رکھ لیا جائے اس کو لقب کہتے ہیں یہاں برا لقب مراد ہے لَاتَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ ایسا ہی ہے جیسے کہ لَاتَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ یعنی اپنے آپ کو قتل نہ کرو مطلب یہ ہے کہ آپس میں نہ تو عیب جوئی کرو اور نہ قتل کرو اور نہ آپس میں طعنہ زنی کرو، لَمز کے مفہوم میں طعن و تشنیع کے علاوہ متعدد دوسرے مفہوم بھی شامل ہیں، مثلاً چوٹیں کسنا، پھبتیاں کسنا، الزام دھرنا، اعتراض جڑنا، عیب چینی کرنا، کھلم کھلا زیر لب یا اشاروں سے کسی کو نشانہ ملامت بنانا، یہ سب افعال چونکہ آپس کے تعلقات کو بگاڑتے ہیں اور معاشرہ میں فساد برپا کرتے ہیں اس لئے ان کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے، تیسری چیز جس سے آیت میں ممانعت کی گئی ہے وہ کسی کو برے لقب سے پکارنا ہے جس سے وہ ناراض ہوتا ہو جیسے کسی کو لنگڑا، لولا، اندھا، گنجا وغیرہ کہہ کر پکارنا۔

حضرت ابوجبیرہ انصاری نے فرمایا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو ہم میں اکثر آدمی ایسے تھے جن کے دو یا تین نام مشہور تھے اور ان میں سے بعض نام ایسے تھے جو لوگوں نے اس کو عار دلانے اور تحقیر و توہین کے لئے مشہور کر دیئے تھے، آپ کو یہ بات معلوم نہیں تھی بعض اوقات وہی ناپسندیدہ نام لیکر آپ اس کو خطاب کرتے تو صحابہ عرض کرتے یا رسول اللہ وہ اس نام سے ناراض ہوتا ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (معارف)

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ آیت میں تنابز بالالقاب سے مراد ہے کہ کسی شخص نے کوئی گناہ یا برا عمل کیا ہو اور پھر اس سے تائب ہو گیا ہو اس کے بعد پھر اس کو اس کے اس برے عمل کے نام سے پکارنا، مثلاً اے چور، اے زانی، اے شرابی وغیرہ کہنا، جس نے ان افعال سے توبہ کر لی ہو، اس کو اس پچھلے عمل سے عار دلانا اور تحقیر کرنا حرام ہے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو ایسے گناہ پر عار دلائے کہ جس سے اس نے توبہ کر لی ہے تو اللہ نے اپنے ذمہ لے لیا کہ اس کو اسی گناہ میں مبتلا کر کے دنیا و آخرت میں رسوا کرے گا۔ (قرطبی)

بعض القاب کا استثناء:

بعض لوگوں کے ایسے نام مشہور ہو جاتے ہیں کہ فی نفسہ وہ برے ہیں، مگر وہ بغیر اس لفظ کے پہچانے ہی نہیں جاتے تو اس کو اس نام سے ذکر کرنے کی اجازت ہے بشرطیکہ ذکر کرنے والے کا مقصد اس کی تحقیر اور تذلیل نہ ہو جیسے بعض محدثین کے نام کے ساتھ، اعرج، یا احدب، یا اعمش وغیرہ مشہور ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سے دریافت کیا گیا کہ اسانید حدیث میں بعض ناموں کے ساتھ کچھ ایسے القاب آئے ہیں مثلاً حمید الطویل، سلیمان اعمش، مروان اصفر وغیرہ تو کیا ان الفاظ کے ساتھ ذکر کرنا جائز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جب تمہارا قصد اس کا عیب بیان کرنے کا نہ ہو بلکہ اس کی پہچان پوری کرنے کا ہو تو جائز ہے۔ (قرطبی)

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ (الآية) اس آیت میں تین باتوں کو حرام قرار دیا گیا ہے، اول ظن، دوسرے تجسس، تیسرے غیبت، پہلی چیز یعنی ظن کے معنی گمانِ غالب کے ہیں، اس کے متعلق قرآن کریم نے اول تو یہ فرمایا کہ بہت گمانوں سے بچا کرو، پھر اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ ہر گمان گناہ نہیں ہوتا۔

اس حکم کو سمجھنے کے لئے ہمیں تجزیہ کر کے دیکھنا چاہئے کہ گمان کی کتنی قسمیں ہیں اور ہر ایک کی اخلاقی حیثیت کیا ہے۔

گمان کی ایک قسم وہ ہے کہ جو اخلاق کی نگاہ میں نہایت پسندیدہ اور دین کی نظر میں مطلوب، محمود، مثلاً اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کے ساتھ نیک گمان رکھنا، اسی طرح اپنے میل جول رکھنے والوں اور متعلقین سے حسن ظن رکھنا، جب تک کہ بدگمانی کی کوئی معقول وجہ نہ ہو۔

دوسری قسم کا گمان وہ ہے جس سے کام لینے کے سوا عملی زندگی میں کوئی چارہ نہیں ہے، مثلاً عدالت میں اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا کہ جو شہادتیں حاکم عدالت کے سامنے پیش ہوں ان کے مطابق جانچ کر وہ غالب گمان کی بناء پر فیصلہ کرے۔

گمان کی تیسری قسم وہ ہے کہ جو اگرچہ بدگمانی ہے مگر گناہ نہیں ہے، مثلاً کسی شخص یا جماعت کی سیرت یا کردار میں اس کے معاملات اور طور وطریقوں میں ایسی واضح علامات پائی جاتی ہوں کہ جن کی بنیاد پر وہ حسن ظن کا مستحق نہ ہو اور اس سے بدگمانی کرنے کے لئے معقول وجوہ موجود ہوں ایسی صورت میں یہ ضروری نہیں کہ لامحالہ اس سے حسن ظن ہی رکھے لیکن اس بدگمانی کی آخری حد یہ ہے کہ اس کے امکانی شر سے بچنے کے لئے بس احتیاط سے کام لے اس کے خلاف محض گمان کی بناء پر اس کے خلاف کوئی کاروائی کرنا درست نہیں۔

امام ابوبکر جصاص رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ نے احکام القرآن میں ایک جامع تفصیل اس طرح لکھی ہے کہ ظن کی چار قسمیں ہیں:
① حرام ② مامور بہ اور واجب ③ مستحب اور مندوب ④ مباح اور جائز۔

ظن حرام:

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانی رکھے کہ وہ مجھے عذاب ہی دے گا یا مجھے مصیبت ہی میں مبتلا رکھے گا، اس طرح کہ اللہ کی مغفرت اور رحمت سے گویا مایوس ہے، حضرت جابر رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لَایَمُوتَنَّ احدُکم اِلّا وهو یُحسن الظَّنَّ تم میں سے کسی کو اس کے بغیر موت نہ آنی چاہئے کہ اس کا اللہ کے ساتھ اچھا گمان ہو اور ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے أنا عندظن عبدی بی میں اپنے بندے کے ساتھ ویسا ہی ہوں جیسا وہ مجھ سے گمان رکھے، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ساتھ حسن ظن فرض اور بدگمانی حرام ہے، اسی طرح ایسے نیک مسلمان جو ظاہری حالت میں نیک معلوم ہوتے ہیں ان کے متعلق بلا کسی قوی دلیل کے بدگمانی کرنا حرام ہے، حضرت ابو ہریرہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اکذب الحدیث یعنی بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی جھوٹی بات ہے۔

ظن واجب:

اور جو کام ایسے ہیں کہ ان پر کسی جانب پر عمل کرنا شرعاً ضروری ہے اور اس کے متعلق قرآن وسنت میں کوئی دلیل واضح موجود نہیں، وہاں پر ظن غالب پر عمل کرنا واجب ہے، جیسے باہمی منازعات ومقدمات کے فیصلے میں ثقہ گواہوں کی گواہی کے مطابق فیصلہ کرنا کیونکہ حاکم اور قاضی جس کی عدالت میں مقدمہ دائر ہے اس پر اس کا فیصلہ دینا واجب اور ضروری ہے،

اور اس معاملہ کے متعلق کوئی نص موجود نہیں، نہ قرآن میں اور نہ حدیث میں تو ثقہ آدمیوں کی گواہی پر اس کو عمل کرنا واجب ہے، اگر چہ اس بات کا امکان ہے کہ ثقہ گواہ نے اس وقت جھوٹ بولا ہو، اس لئے اس کا سچا ہونا صرف ظن غالب ہے، اسی طرح جہاں سمت قبلہ معلوم نہ ہو اور وہاں کوئی ایسا آدمی یا علامت موجود نہ ہو کہ جس سے قبلہ کا یقینی علم ہو سکے ایسے موقع پر ایسے ظن غالب پر عمل ضروری ہے، اسی طرح ضائع شدہ مال کا ضمان بھی ظن غالب پر ہوتا ہے یعنی غالب گمان سے اندازہ کر کے اس کی قیمت لگا کر ضمان دلوایا جاتا ہے۔

ظن مباح:

یہ ہے کہ مثلاً کسی کو نماز کی رکعتوں میں شک ہو جائے کہ تین پڑھی ہیں یا چار؟ تو اپنے ظن غالب پر عمل کرنا جائز ہے اور اگر وہ ظن غالب کو چھوڑ کر امر یقینی پر عمل کرے یعنی تین رکعت قرار دیکر چوتھی پڑھ لے، تو یہ جائز ہے۔

ظن مستحب:

ظن مستحب و مندوب یہ ہے کہ ہر مسلمان کے ساتھ نیک گمان رکھے کہ اس پر ثواب ملتا ہے۔ (جصاص، معارف)

وَلَا تَجَسَّسُوْا الخ اس آیت میں تجسس سے منع کیا گیا ہے، تجسس کسی کے عیب کی تلاش اور سراغ لگانے کو کہتے ہیں اور اس میں دو قراءتیں ہیں، ایک لَاتَجَسَّسُوْا جیم کے ساتھ، اور دوسری لَاتَحَسَّسُوا حاء کے ساتھ، دونوں لفظوں کے معنی قریب قریب ایک ہی ہیں، اخفش نے کہا ہے کہ جس چیز کو لوگوں نے آپ سے چھپایا ہو اس کی تلاش و جستجو کو تجسس کہتے ہیں اور تحسس بالحاء مطلقاً تلاش و جستجو کو کہتے ہیں۔

بیان القرآن میں حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے لکھا ہے کہ چھپ کر کسی کی باتیں سننا یا خود کو سوتا ظاہر کر کے کسی کی باتیں سننا بھی تجسس میں داخل ہے، البتہ اگر کسی سے مضرت پہنچنے کا احتمال ہو تو اپنی یا دوسرے کسی مسلمان کی حفاظت کی غرض سے مضرت پہنچانے والے کی خفیہ تدبیروں اور ارادوں کا تجسس کرنا جائز ہے، اس کے علاوہ جائز نہیں، ایک مومن کا یہ کام نہیں کہ دوسروں کے جن حالات پر پردہ پڑا ہوا ہے اس کی کھود کرید کرے اور پردے کے پیچھے جھانک کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ کس میں کیا عیب ہے اور کس کی کونسی کمزوریاں چھپی ہوئی ہیں، لوگوں کے نجی خطوط پڑھنا لوگوں کی خفیہ باتیں کان لگا کر سننا غرضیکہ کسی بھی طریقہ سے ذاتی معاملات کو ٹٹولنا ایک بڑی بد اخلاقی کی بات ہے جس سے طرح طرح کے فسادات رونما ہوتے ہیں، اسی لئے آنحضرت ﷺ نے اپنے خطبہ میں تجسس کرنے والوں کے متعلق فرمایا:

يَا مَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسَانِهٖ وَلَمْ يَدْخُلِ الْإِيْمَانُ قَلْبَهٗ لَاتَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِ الْمُسْلِمِيْنَ فَإِنَّهٗ مَنِ اتَّبَعَ عَوْرَاتِهِمْ يَتَّبِعُ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ يَّتَّبِعِ عَوْرَتَهٗ يَفْضَحْهُ فِيْ بَيْتِهٖ.

اے وہ لوگو! جو زبان سے ایمان لائے ہو مگر ابھی تمہارے دلوں میں ایمان نہیں اترا ہے، مسلمانوں کے پوشیدہ حالات کی کھوج نہ لگایا کرو کیونکہ جو شخص مسلمانوں کے عیوب ڈھونڈنے کے درپے ہوگا اللہ اس کے عیوب کے درپے ہوجائے گا، اور اللہ جس کے درپے ہوجائے اسے اس کے گھر میں رسوا کر کے چھوڑے گا۔

شانِ نزول:

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی یہ آیت فتح مکہ کے موقع پر اس وقت نازل ہوئی جبکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان کا حکم دیا تو قریش مکہ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے ان میں سے ایک نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میرے والد پہلے ہی وفات پا گئے ان کو یہ دن دیکھنا نہ پڑا اور حارث بن ہشام نے کہا کہ محمد ﷺ کو اس کالے کوے کے سوا کوئی آدمی نہیں ملا کہ جو مسجد حرام میں اذان دے، ابوسفیان نے کہا کہ میں کچھ نہیں کہوں گا کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ اگر میں کچھ کہوں گا تو آسمان کا مالک اس کو خبر کر دے گا، چنانچہ جبرائیل امین تشریف لائے اور آنحضرت ﷺ کو اس تمام گفتگو کی اطلاع دی، آپ نے ان لوگوں کو بلا کر پوچھا تم نے کیا کہا تھا؟ انہوں نے اقرار کر لیا اسی پر یہ آیت نازل ہوئی، جس نے واضح کر دیا کہ فخر و عزت کی چیز درحقیقت ایمان اور تقویٰ ہے جس سے تم لوگ خالی ہو اور بلال آراستہ ہیں، اس لئے وہ تم سے افضل ہیں۔ (مظھری معارف)

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا سابقہ آیت میں بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت و شرافت کا معیار تقویٰ ہے جو ایک باطنی چیز ہے اللہ تعالیٰ ہی اس کو جانتے ہیں کسی شخص کے لئے تقدس کا دعویٰ جائز نہیں، مذکورۃ الصدر آیات میں ایک خاص واقعہ کی بناء پر بتلایا گیا ہے کہ ایمان کا اصل مدار قلبی تصدیق پر ہے اس کے بغیر محض زبان سے خود کو مومن کہنا صحیح نہیں ہے۔

شانِ نزول:

امام بغوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے اس آیت کے نزول کا سبب ایک روایت کے مطابق بیان کیا ہے کہ قبیلہ بنی اسد کے چند آدمی مدینہ طیبہ میں قحط شدید کے زمانہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہ لوگ دل سے تو مومن تھے نہیں محض صدقات لینے کے لئے اپنے ایمان کا اظہار کیا اور چونکہ وہ اسلام کے آداب و احکام سے بھی واقف نہیں تھے، انہوں نے مدینہ طیبہ کے راستوں میں غلاظت و نجاست پھیلا دی اور بازاروں میں اشیاء ضرورت کے نرخ بڑھا دیئے، اور حضور ﷺ کے سامنے ایک تو جھوٹا ایمان لانے کا دعویٰ اور دوسرے آپ کو دھوکا دینا چاہا، تیسرے آپ پر احسان جتلایا کہ دوسرے لوگ تو ایک زمانہ تک آپ سے برسرِ پیکار رہے آپ کے خلاف جنگیں لڑیں، پھر مسلمان ہوئے اور ہم بغیر کسی جنگ کے آپ کے پاس

آکر مسلمان ہوگئے اس لئے ہماری قدر کرنی چاہئے، یقیناً یہ باتیں شان رسالت میں ایک طرح کی گستاخی بھی تھیں کہ اپنے مسلمان ہوجانے کا احسان آپ پر جتلایا اور مقصود اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ مسلمانوں کے صدقات سے اپنی مفلسی دور کریں، اور اگر یہ واقعی اور سچے مسلمان ہی ہوجاتے تو رسول اللہ ﷺ پر کیا احسان تھا خود اپنا ہی نفع تھا اس پر آیات مذکورہ نازل ہوئیں جن میں ان کے جھوٹے دعوے کی تکذیب اور احسان جتلانے پر مذمت کی گئی ہے۔ (معارف)

قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِن قُولُوا أَسْلَمْنَا چونکہ ان کے دلوں میں ایمان نہ تھا صرف ظاہری افعال کی وجہ سے ایمان کا جھوٹا دعویٰ کر رہے تھے، اس لئے قرآن نے ان کے ایمان کی نفی کر کے یہ فرمایا کہ تمہارا آمنا کہنا تو جھوٹ ہے، تم زیادہ سے زیادہ اسلمنا کہہ سکتے ہو کیونکہ اسلام کے لفظی معنی ظاہری افعال میں اطاعت کرنے کے ہیں اور یہ لوگ اپنے دعوائے ایمان کو سچا ثابت کرنے کے لئے کچھ اعمال مسلمانوں جیسے کرنے لگے تھے اس لئے ظاہری طور پر ایک درجہ اطاعت ہوگئی تھی جس کی وجہ سے لغوی معنی کے اعتبار سے اسلمنا کہنا صحیح ہوسکتا تھا۔

اسلام اور ایمان ایک ہیں یا کچھ فرق ہے؟

اوپر کی تقریر سے معلوم ہوگیا کہ اس آیت میں اسلام کے لغوی معنی مراد ہیں اصطلاحی معنی مراد ہی نہیں، اس لئے اس آیت سے اسلام اور ایمان میں اصطلاحی فرق پر کوئی استدلال نہیں کیا جاسکتا اور اصطلاحی ایمان اور اصطلاحی اسلام اگرچہ مفہوم و معنی کے اعتبار سے الگ الگ ہیں کہ ایمان اصطلاح شرع میں تصدیق قلبی کو کہتے ہیں یعنی اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسول کی رسالت کو سچا ماننا اور اسلام نام ہے ظاہری افعال میں اللہ اور اس کے رسول کی ظاہری اطاعت کا، لیکن شریعت میں اس وقت تک تصدیق قلبی معتبر نہیں، جب تک کہ اس کا اثر جوارح کے اعمال و افعال تک نہ پہنچ جائے، جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ زبان سے کلمہ اسلام کا اقرار کرے، اسی طرح اسلام اگرچہ ظاہری اعمال کا نام ہے لیکن شریعت میں وہ اس وقت تک معتبر نہیں جب تک کہ دل میں تصدیق نہ آجائے ورنہ وہ نفاق ہے، مطلب یہ کہ ظاہری معنی کے اعتبار سے گو اسلام اور ایمان میں فرق ہے مگر مصداق کے اعتبار سے ان دونوں میں تلازم ہے کہ ایمان اسلام کے بغیر عندالشرع معتبر نہیں اور اسلام ایمان کے بغیر شرعاً معتبر نہیں۔



سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ اِلَّا وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ، الْاٰيَةَ،

فَمَدَنِيَّةٌ خَمْسٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ قٓ مکی ہے مگر وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوَاتِ (الآية)،

مدنی ہے پینتالیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ قٓ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ① الكَرِيم مَا آمَنَ كُفَّارُ مَكَّةَ بِمُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ رَسُوْلٌ مِنْ اَنْفُسِهِم يُنْذِرُهم يُخَوِّفُهم بِالنَّارِ بعدَ البَعْثِ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا الإِنْذارُ شَيْءٌ عَجِيْبٌ ② ءَاِذَا بِتَحقِيقِ الهَمْزَتَين وتَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ وإدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الوَجْهَينِ مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ نُرجَعُ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ③ فِي غَايَةِ البُعْدِ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ تَأكُلُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ④ هُوَ اللَّوحُ المَحْفُوظُ فيه جَمِيعُ الاَشياءِ المُقَدَّرَة بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ بِالقُرْانِ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِي شَانِ النَّبِيِّ والقُرانِ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ⑤ مُضطَرِبٍ قَالُوا مَرَّةً سَاحِرٌ وسِحرٌ ومَرَّةً شَاعِرٌ وشِعرٌ ومَرَّةً كَاهِنٌ وكَهَانَةٌ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا بِعُيُونِهِم مُعتَبِرِينَ بِعُقُولِهِم حِينَ اَنْكَرُوا البَعْثَ اِلَى السَّمَآءِ كَائِنَةً فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا بِلا عَمَدٍ وَزَيَّنّٰهَا بِالكَوَاكِبِ وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ⑥ شُقُوقٍ تَعِيبُها وَالْاَرْضَ مَعْطُوفٌ عَلَى مَوضِعِ الى السَّمَاءِ كَيْفَ مَدَدْنٰهَا دَحَوْنَاهَا عَلَى وَجْهِ المَاءِ وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ جِبَالًا تُثَبِّتُهَا وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ صِنفٍ بَهِيْجٍ ⑦ يُبْهَجُ بِهِ لِحُسنِهِ تَبْصِرَةً مَفعُولٌ لَهُ اي فَعَلْنَا ذٰلِكَ تَبْصِيرًا مِنَّا وَّذِكْرٰى تَذْكِيرًا لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ⑧ رَجَّاعٍ عَلَى طَاعَتِنَا وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا كَثِيرَ البَرَكَةِ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ بَسَاتِينَ وَّحَبَّ الزَّرْعِ الْحَصِيْدِ ⑨ المَحْصُودِ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ طِوَالًا حَالٌ مُقَدَّرَةٌ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ⑩ مُتَرَاكِبٌ بَعْضُهُ فَوقَ

نَضِيدٌ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ مَفعولٌ له وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا يَستَوى فيه المُذكّرُ والمُؤنّثُ كَذَٰلِكَ اى مثل هذا الاِحياءِ الْخُرُوجُ ⑪ مِنَ القُبور فكيفَ تُنكِرُونَهُ وَالاِستِفهامُ للتقرير والمَعنى اَنّهم نَظَرُوا وعَلِمُوا ما ذُكِرَ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ تانيثُ الفِعل لِمعنى قَوم وَأَصْحَابُ الرَّسِّ هى بئرٌ كانُوا مُقِيمِينَ عليها بِمَواشِيهِم يَعبُدُونَ الاَصنامَ ونَبيُّهم قيلَ حَنظَلةُ بنُ صَفوان وقيلَ غيرُه وَثَمُودُ ⑫ قومُ صالحٍ وَعَادٌ قومُ هُودٍ وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ⑬ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ اى الغَيضة قومُ شُعَيب وَقَوْمُ تُبَّعٍ هو ملكٌ كان باليمنِ اَسلَم ودَعا قومَهُ الى الاسلام فكذّبُوهُ كُلٌّ مِنَ المذكُورينَ كَذَّبَ الرُّسُلَ كقُرَيشٍ فَحَقَّ وَعِيدِ ⑭ وَجَبَ نُزُولُ العَذاب على الجَميع فَلا يضيقُ صدرُكَ من كُفر قُرَيشٍ بك أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ اى لم نَعيَ به فلا نَعيى بالاِعادةِ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ شَكٍّ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ⑮ وهو البَعثُ

ع ١٥

ترجمہ: قٓ اس سے اپنی مراد کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، قسم قرآن کریم کی کہ کفر مکہ، محمد ﷺ پر ایمان نہیں لائے، بلکہ اس بات پر تعجب ہوا کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک ڈرانے والا یعنی انہی میں سے ایک رسول جوان کے زندہ ہونے کے بعد نار (جہنم) سے ڈراتا ہے آ گیا سو کافر کہنے لگے یہ ڈراوا عجیب بات ہے، کیا جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے؟ ہم کو لوٹایا جائے گا، دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کی تسہیل اور دونوں صورتوں میں ان کے درمیان الف داخل کر کے، یہ واپسی انتہائی درجہ بعید (بات) ہے، زمین ان میں سے جو کچھ کھا جاتی ہے وہ ہمیں معلوم ہے اور ہمارے پاس محفوظ کرنے والی کتاب ہے اور وہ لوح محفوظ ہے جس میں تمام اشیاء مقدرہ موجود ہیں بلکہ انہوں نے حق یعنی قرآن کو جب کہ وہ ان کے پاس آیا جھوٹ کہا پس وہ ایک الجھن میں پڑ گئے یعنی مضطرب کرنے والی حالت میں، کبھی تو انہوں نے ساحر و سحر کہا اور کبھی شاعر و شعر کہا اور کبھی کاہن اور کہانت کہا، کیا انہوں نے اپنی عقلوں کی چشم عبرت سے آسمانوں کو نہیں دیکھا، جب انہوں نے بعث (بعد الموت) کا انکار کیا، حال یہ کہ وہ ان کے اوپر ہے کہ ہم نے اس کو بغیر ستونوں کے کس طرح بنایا، اور ہم نے ان کو ستاروں سے زینت بخشی، اور ان میں کوئی رخنہ عیب دار کرنے والا شگاف نہیں ہے، اور کیا انہوں نے زمین کو نہیں دیکھا الی السماء کے محل پر عطف ہے کہ ہم نے اس کو پانی کی سطح پر کس طرح پھیلایا، اور ہم نے اس پر پہاڑ جمائے جو اس کو تھامے ہوئے ہیں اور ہم نے اس میں ہر قسم کی خوشنما نباتات اگائی کہ اس کی خوشنمائی سے مسرت حاصل کی جاتی ہے آنکھیں کھولنے کیلئے اور نصیحت حاصل کرنے کے لئے مفعول لہ ہے یعنی ہم نے یہ صنعت آنکھیں کھولنے اور نصیحت حاصل کرنے کے لئے کی، ہر اس بندے کے لئے جو ہماری اطاعت کی جانب رجوع کرنے والا ہے، اور ہم نے آسمان سے مبارک یعنی کثیر البرکت پانی برسایا پھر اس سے باغ اگائے اور کاٹے جانے والی کھیتی کا غلہ اور کھجوروں کے بلند و بالا درخت (بٰسِقٰتٍ) حال مقدرہ ہے جن کے خوشے تہ بہ تہ ہیں یعنی جو تہ بہ تہ آپس میں جمے ہوئے ہیں بندوں کو روزی دینے کے لئے یہ مفعول لہ ہے اور ہم نے پانی سے مردہ زمین کو زندہ کر دیا (مَیْتًا) میں

مذکر اور مؤنث دونوں برابر ہیں، اسی طرح یعنی اسی زندہ کرنے کے مانند قبروں سے نکلنا ہوگا، پھر تم اس کا کیونکر انکار کرتے ہو اور (اَفَلَمْ یَنْظُرُوا) میں استفہام تقریری ہے، اور معنی یہ ہیں کہ انہوں نے مذکورہ چیزوں کو یقیناً دیکھا اور سمجھا، اور ان سے پہلے قوم نوح نے فعل کی تانیث قوم کے معنی کی وجہ سے ہے اور رس والوں نے یہ ایک کنواں تھا جہاں یہ اپنے چوپایوں کے ساتھ بودوباش رکھتے تھے اور بتوں کو پوجتے تھے کہا گیا ہے کہ ان کے نبی حنظلہ بن صفوان تھے اور کہا گیا ہے کہ اس کے علاوہ تھے، اور صالح کی قوم ثمود نے اور ہود کی قوم عاد نے اور فرعون نے اور لوط کے بھائی بندوں نے اور ایکہ والوں نے یعنی شعیب کی قوم جھاڑی والوں نے، اور تبع کی قوم نے وہ یمن کا بادشاہ تھا جس نے اسلام قبول کرلیا تھا اور اس نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی تھی، مگر قوم نے اس کو جھٹلا دیا مذکورہ تمام قوموں نے قریش کے مانند رسولوں کی تکذیب کی تو سب پر عذاب محقق ہوگیا، یعنی سب پر عذاب کا نزول محقق ہوگیا لہٰذا قریش کے آپ کے انکار سے آپ کا دل تنگ نہ ہونا چاہئے، کیا ہم پہلی بار کے پیدا کرنے سے تھک گئے؟ یعنی ہم اس سے نہیں تھکے لہٰذا دوبارہ پیدا کرنے سے بھی نہ تھکیں گے، بلکہ یہ لوگ نئی پیدائش کے بارے میں شک میں ہیں اور (نئی پیدائش) بعث ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: قٓ، جمہور کے نزدیک قاف سکون کے ساتھ ہے اور شاذ قراءۃ میں کسرہ، فتحہ اور ضمہ پر مبنی بھی پڑھا گیا ہے۔ (صاوی)

قَوْلُهٗ: مَا آمَنَ كُفَّارُ مَكَّةَ بِمُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم شارح علیہ الرحمہ نے مذکورہ عبارت محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ یہ قسم کا جواب محذوف ہے۔

قَوْلُهٗ: بَلْ عَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ الخ جواب قسم سے یہ اعراض مشرکین مکہ کے احوال شنیعہ کو بیان کرنے کے لئے ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ محمد ﷺ پر ایمان نہیں لائے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ انہی میں کے ایک شخص کا رسول بن کر آجانا ان کے لئے تعجب خیز اور اچنبھے کی بات تھی۔

قَوْلُهٗ: نَرْجِعُ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مِتْنَا کا عامل محذوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے أَنُرْجَعُ إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا اس حذف پر لفظ رَجْعٌ دلالت کر رہا ہے۔

قَوْلُهٗ: غاية البُعد یعنی عقل وامکان سے بہت دور ہے کہ گلنے سڑنے کے بعد انسان دوبارہ زندہ ہوجائے۔

قَوْلُهٗ: مَرِيجٍ صفت مشبہ ہے، مادہ مَرَجٌ الجھی ہوئی بات، غیر یقینی کی کیفیت، متزلزل حالت، یعنی یہ مشرکین مکہ قرآن اور رسول کے بارے میں تذبذب کا شکار ہیں انہیں خود کسی ایک بات پر قرار نہیں ہے، کبھی آپ کو ساحر اور قرآن کو سحر اور آپ ﷺ کو شاعر اور قرآن کو شعر اور کبھی آپ ﷺ کو کاہن اور قرآن کو کہانت کہتے ہیں۔

قِوْلَهٗ: اَفَلَمْ یَنْظُرُوا ہمزہ، محذوف پر داخل ہے تقدیر عبارت یہ ہے أعَمُوا فَلَمْ یَنْظُرُوا الی السَّماءِ.

قِوْلَهٗ: کائنۃً شارح علام نے کائنۃً محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ فَوْقَهُمْ، اَلسَّمَاءُ سے حال ہے۔

قِوْلَهٗ: اِلَی السَّماءِ، یَنْظُرُوْا کا مفعول ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے۔

قِوْلَهٗ: کَیْفَ بَنَیْنٰهَا، کَیْفَ مفعول مقدم ہے، اور جملہ بَنَیْنٰهَا، سماءٌ سے بدل ہے۔

قِوْلَهٗ: وَالْاَرْضَ کالی السَّمَاءِ کے محل پر عطف ہے، اور وَالْاَرْضَ فعل محذوف مَدَدْنَا کی وجہ سے بھی منصوب ہوسکتا ہے جس کی تفسیر مابعد کا فعل کر رہا ہے، ای مَددنا الارْضَ مَدَدْناهَا اس صورت میں ما اُضْمِرَ عامله علی شریطة التفسیر کے قبیل سے ہوگا۔

قِوْلَهٗ: اَلزَّرْعُ مفسر علام نے الزرع کو محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ اَلحَصِیْد صفت ہے الزرع موصوف کو حذف کر کے صفت کو اس کے قائم مقام کر دیا ہے اور حصِیْد بمعنی محصودٌ ہے یعنی وہ کھیتی جس کی شان کٹنا ہو جیسے گندم، جو وغیرہ۔

قِوْلَهٗ: وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ، بَاسِقَات، النخل سے حال مقدر ہے ای قَدَّرَ اللّٰهُ لها البُسُوق اس لئے کہ حال اور ذوالحال کا زمانہ ایک ہوتا ہے حالانکہ نَخْل اِنبات (اگنے) کے وقت باسِقات (طویل) نہیں ہوتے بعد میں طویل ہوتے ہیں۔

سُوَال: نَخْلٌ ذوالحال مفرد ہے اور بَاسِقٰتٍ حال جمع ہے، حالانکہ حال اور ذوالحال میں مطابقت ضروری ہوتی ہے۔

جَوَاب: نَخْل منافع کثیرہ اور نہایت دراز ہونے کی وجہ سے قائم مقام جمع کے ہے۔

قِوْلَهٗ: لَهَا طَلْعٌ نَّضِیْدٌ یہ اگر نخل سے حال ہو تو حال مترادفہ ہے اور اگر باسقاتٍ کی ضمیر سے حال ہو تو حال متداخلہ ہے۔

قِوْلَهٗ: نضِید صفت مشبہ بمعنی منضود اسم مفعول گتھا ہوا تہ بہ تہ جما ہوا۔

قِوْلَهٗ: یَسْتَوِی فِیْهِ المذکر والمؤنث اس عبارت کا مقصد ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ مَیْتًا، بَلْدَةً کی صفت ہے بلدة مؤنث ہے اور مَیْتًا صفت مذکر ہے حالانکہ موصوف صفت میں مطابقت ضروری ہے۔

جَوَاب: مَیْتًا میں مذکر اور مؤنث دونوں برابر ہیں لہٰذا میتًا کا صفت واقع ہونا درست ہے، مگر اس جواب میں نظر ہے اس لئے کہ فعیلٌ کا وزن مذکر و مؤنث میں برابر ہوتا ہے اور میتًا، فعیلٌ کے وزن پر نہیں ہے، اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ بَلْدَة مکان کے معنی میں ہے۔

قِوْلَهٗ: اَلْاِسْتِفْهَام للتقریر، صحیح یہ تھا کہ مفسر علام الا ستفهام للانکار والتوبیخ فرماتے۔

قِوْلَهٗ: والمعنی اَنَّهُمْ نظروا وعَلِمُوا شارح کی یہ عبارت زائد اور بے محل ہے، اس لئے کہ اگر وہ دیکھتے اور سمجھتے تو ایمان لے آتے مگر ایسا نہیں ہوا۔ (حاشیه جلالین وصاوی)

قِوْلَهٗ: لمعنی قوم ای بمعنی اُمَّةٍ.

قِوْلَهٗ: اصحاب الرَّسِّ، رَسٌّ کنواں، امام بخاری نے رسٌّ کے معنی معدن کے کئے ہیں اس کی جمع رساس بتائی ہے۔

قِوْلَهٗ: عَیِیْنَا (س) عَیِیَ یَعْیٰ عَیًا سے ہم تھک گئے، عاجز ہو گئے۔

تفسیر وتشریح

سورۂ قٓ کی خصوصیات:

سورۂ قٓ میں بیشتر مضامین آخرت اور قیامت اور مُردوں کو زندہ کرنے اور حساب وکتاب سے متعلق ہیں، اور سورۂ حجرات کے آخر میں بھی ان ہی مضامین کا ذکر تھا، اس سے دونوں سورتوں کے درمیان مناسبت بھی معلوم ہوگئی۔

سورۂ ق کی اہمیت:

سورۂ ق کی ایک خصوصیت اور اہمیت یہ ہے کہ آپ اس سورت کو نماز جمعہ کے خطبہ وعیدین میں اکثر تلاوت فرمایا کرتے تھے، ام ہشام بنت حارثہ کہتی ہیں کہ میرا مکان رسول اللہ ﷺ کے مکان کے بہت قریب تھا، دو سال تک ہمارا اور رسول اللہ ﷺ کا تنور بھی ایک ہی تھا، فرماتی ہیں کہ مجھے سورۂ ق یاد ہی اس طرح ہوئی کہ میں جمعہ کے خطبوں میں اکثر آپ کی زبان مبارک سے اس سورت کو سنا کرتی تھی، حضرت جابر سے منقول ہے کہ آپ ﷺ صبح کی نماز میں بکثرت سورۂ ق تلاوت فرماتے تھے۔

کیا آسمان نظر آتا ہے؟

اَفَلَمْ یَنْظُرُوْا اِلَی السَّمَاءِ سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ آسمان نظر آتا ہے اور مشہور یہ ہے کہ یہ نیلگوں رنگ جو نظر آتا ہے، یہ ہوا کا رنگ ہے، مگر اس کی نفی کی بھی کوئی دلیل نہیں اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ یہی رنگ آسمان کا بھی ہو، اس کے علاوہ آیت میں نظر سے مراد نظر عقلی یعنی غور وفکر کرنا بھی مراد ہوسکتا ہے۔

آپ ﷺ کی بعثت پر مشرکین مکہ کو تعجب:

قرآن کی قسم جس بات پر کھائی گئی ہے، اسے تو بیان نہیں کیا گیا اس کے ذکر کرنے کے بجائے بیچ میں ایک لطیف خلا چھوڑ کر آگے کی بات، "بَلْ" سے شروع کردی گئی ہے، آدمی ذرا غور کرے اور اس پس منظر کو بھی نگاہ میں رکھے جس میں یہ بات فرمائی گئی ہے تو اسے معلوم ہوجائے گا کہ قسم اور بل کے درمیان جو خلاء چھوڑ دیا گیا ہے اس کا مضمون کیا ہے؟ جس بات کی قسم کھائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اہل مکہ نے محمد ﷺ کی رسالت کو ماننے سے انکار کسی معقول بنیاد پر نہیں کیا ہے بلکہ اس سراسر غیر معقول بنیاد پر کیا ہے کہ ان کی اپنی ہی جنس کا ایک بشر اور ان کی اپنی ہی قوم کے ایک فرد کا خدا کی طرف سے قاصد اور پیغمبر بن کے آجانا ان کے نزدیک سخت قابل تعجب بات تھی، اس تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں قرآن کی قسم اس بات پر کھائی گئی ہے کہ محمد ﷺ واقعی اللہ کے رسول ہیں اور ان کی رسالت پر کفار کا تعجب بے جا ہے۔

دوسرا تعجب:

ان کی عقل میں یہ بات نہیں سماتی تھی کہ انسان کے مرنے اور ریزہ ریزہ ہونے کے بعد جب کہ اس کے اجزاء منتشر ہو جائیں گے وہ کس طرح پھر سے جمع ہو جائیں گے، یہ تو ان کی اپنی عقل کی تنگی کی بات تھی اس سے تو یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ کا علم اور اس کی قدرت بھی تنگ ہو جائے ان کے استعجاب کی دلیل یہ تھی کہ ابتداء آفرینش سے قیامت تک مرنے والے بے شمار انسانوں کے جسم کے اجزاء جو زمین میں بکھر چکے ہیں اور آئندہ بکھرتے چلے جائیں گے، ان کو جمع کرنا کسی طرح ممکن نہیں ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر جزء جس شکل میں جہاں بھی ہے اللہ براہ راست اس کو جانتا ہے، اور مزید برآں اس کا پورا رکارڈ اللہ کے دفتر میں محفوظ کیا جا رہا ہے جس سے کوئی ایک ذرہ بھی چھوٹا ہوا نہیں ہے، جس وقت اللہ کا حکم ہوگا اسی وقت آناً فاناً اس کے فرشتے اس رکارڈ سے رجوع کر کے ایک ایک ذرہ کو نکال لائیں گے اور تمام انسانوں کے وہی جسم پھر بنا دیں گے جن میں رہ کر انہوں نے دنیا کی زندگی میں کام کیا تھا۔

یہ آیت بھی منجملہ ان آیات کے ہے جن میں اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ آخرت کی زندگی نہ صرف یہ کہ ایسی ہی جسمانی زندگی ہوگی جیسی اس دنیا میں ہے، بلکہ جسم بھی ہر شخص کا وہی ہوگا جو اس دنیا میں تھا، اگر حقیقت یہ نہ ہوتی تو کفار کی بات کے جواب میں یہ کہنا بالکل بے معنی تھا کہ زمین تمہارے جسم میں سے جو کچھ کھاتی ہے وہ سب ہمارے علم میں ہے اور ذرہ ذرہ کا رکارڈ موجود ہے، جو ذات ایسی علیم و بصیر ہے اور جس کی قدرت اتنی کامل اور سب چیزوں پر حاوی ہے اس کے متعلق یہ تعجب کرنا خود قابل تعجب ہے مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ کی یہ تفسیر حضرت ابن عباس رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اور مجاہد اور جمہور مفسرین رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى سے منقول ہے۔
(بحر محیط)

کفار مکہ تذبذب اور بے یقینی کا شکار تھے:

فِیْ اَمْرٍ مَّرِیْجٍ، مریج کے معنی لغت میں مختلط کے ہیں جن میں مختلف چیزوں کا اختلاط والتباس ہو اور ایسی چیز عموماً فاسد ہوتی ہے، اسی لئے حضرت ابو ہریرہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ نے مریج کا ترجمہ فاسد فرمایا ہے، اور ضحاک رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وقتادہ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اور حسن بصری وغیرہ نے مریج کا ترجمہ مختلط اور ملتبس سے کیا ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ کفار و مشرکین و منکرین رسالت اپنے انکار میں بھی کسی ایک بات پر نہیں جمتے کبھی آپ کو جادوگر بتاتے ہیں تو کبھی شاعر اور کبھی کاہن و نجومی اور قرآن کے بارے میں بھی ان کا یہی حال ہے۔

آگے حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بیان ہے جو آسمان اور زمین اور ان کے اندر پیدا ہونے والی بڑی بڑی چیزوں کی تخلیق کے حوالہ سے کیا گیا ہے اس میں آسمان کے متعلق فرمایا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ یہاں آسمان سے مراد پورا عالم بالا ہے، جسے انسان اپنے اوپر چھایا ہوا دیکھتا ہے جس میں دن کو سورج چمکتا ہے اور رات کو چاند اور بے شمار تارے چمکتے نظر آتے ہیں،

جسے آدمی برہنہ آنکھ ہی سے دیکھے تو حیرت طاری ہو جاتی ہے، لیکن اگر دوربین لگالے تو ایک ایسی وسیع اور عریض کائنات اسکے سامنے آتی ہے جو ناپیدا کنار ہے، کہیں سے کہیں ختم ہوتی نظر نہیں آتی، ہماری زمین سے لاکھوں گنا بڑے سیارے اسکے اندر گنبدوں کی طرح گھوم رہے ہیں، ہمارے سورج سے ہزاروں گنا روشن تارے اس میں چمک رہے ہیں، ہمارا یہ پورا نظام شمسی اس کی صرف ایک کہکشاں کے ایک کونے میں پڑا ہوا ہے، تنہا اسی ایک کہکشاں میں ہمارے سورج جیسے کم از کم ١٣ ارب دوسرے تارے (ثوابت) موجود ہیں اور اب تک کا انسانی مشاہدہ ایسی ایسی دس لاکھ کہکشاؤں کا پتہ دے رہا ہے، ان لاکھوں کہکشاؤں میں سے ہماری قریب ترین ہمسایہ کہکشاں اتنے فاصلہ پر واقع ہے کہ اس کی روشنی ایک لاکھ ٨٦ ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے چل کر دس لاکھ سال میں زمین تک پہنچتی ہے، یہ تو کائنات کے صرف اس حصے کی وسعت کا حال ہے جو اب تک انسان کے علم میں اور اس کے مشاہدہ میں آچکی ہے، خدا کی خدائی کس قدر وسیع ہے ہم اس کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتے، اس عظیم کائنات ہست و بود کو جو خدا وجود میں لایا ہے اس کے بارے میں زمین پر رینگنے والا یہ چھوٹا سا حیوان ناطق جس کا نام انسان ہے اگر یہ حکم لگائے کہ وہ اسے مرنے کے بعد دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا تو یہ اس کی اپنی ہی عقل کی تنگی ہے، کائنات کے خالق کی قدرت اس سے کیسے تنگ ہو جائے گی۔ (فلکیاتِ جدید ملخصًا)

قوم نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام:

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ سابقہ آیات میں کفار کی تکذیب رسالت و آخرت کا ذکر تھا، جس سے رسول اللہ ﷺ کو ایذاء پہنچنا ظاہر ہے، اس آیت میں حق تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لئے پچھلے انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کے حالات بیان کئے ہیں کہ ہر پیغمبر کو متکبرین و کفار کی طرف سے ایسی ایذائیں پیش آتی ہیں، یہ سنتِ انبیاء ہے، اس سے آپ شکستہ خاطر نہ ہوں، قوم نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ قرآن میں متعدد جگہ آیا ہے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام ساڑھے نوسو سال تک اپنی قوم کی اصلاح کی کوشش کرتے رہے قوم کی طرف سے نہ صرف انکار بلکہ قسم قسم کی ایذائیں پہنچتی ہیں۔

اصحاب الرّس کون لوگ ہیں؟

رس، عربی زبان میں مختلف معنی میں آتا ہے مشہور معنی کچے کنوئیں کے ہیں، اصحاب الرس سے قوم ثمود کے باقی ماندہ لوگ مراد ہیں جو عذاب کے بعد باقی رہ گئے تھے ضحاک وغیرہ مفسرین نے ان کا قصہ یہ لکھا ہے کہ جب حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم پر عذاب آیا تو ان میں سے چار ہزار آدمی جو حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لا چکے تھے وہ عذاب سے محفوظ رہے یہ لوگ اپنے مقام سے منتقل ہو کر ایک مقام پر جس کو اب حضر موت کہتے ہیں جا کر مقیم ہو گئے، حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ان کے ساتھ تھے، ایک کنوئیں پر جا کر یہ لوگ ٹھہر گئے اور یہیں صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انتقال ہو گیا، اسی وجہ سے اس مقام کو حضر موت کہتے ہیں، پھر ان کی نسل میں بت پرستی رائج ہو گئی اس کی اصلاح کے لئے حق تعالیٰ نے ایک نبی بھیجا جس کو انہوں نے قتل کر ڈالا، اس

کے بعد ان پر خدا کا عذاب آیا ان کا کنواں جس پر ان کی زندگی کا انحصار تھا وہ بیکار ہو گیا، اور عمارتیں ویران ہو گئیں، قرآن کریم نے اس کا ذکر اس آیت میں کیا ہے وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ مَّشِيْدٍ یعنی چشم عبرت والوں کے لئے ان کا بیکار پڑا ہوا کنواں اور پختہ بنے ہوئے محلات ویران پڑے ہوئے عبرت کے لئے کافی ہیں۔

اصحاب الایکہ:

ایکہ گھنے جنگل اور جھاڑیوں کو کہتے ہیں یہ لوگ ایسے ہی مقام پر آباد تھے، حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے، ان کی قوم نے نافرمانی کی بالآخر عذاب الٰہی سے تباہ و برباد ہوئے۔ (معارف القرآن)

قوم تبع:

تُبَّع یمن کے بادشاہوں کا لقب ہے جس طرح کہ قیصر و کسریٰ روم و فارس کے بادشاہوں کا لقب ہے اس کی ضروری تشریح سورۂ دخان میں گذر چکی ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ حَالٌ بتقدير نَحنُ مَا مَصدرِيَّةٌ تُوَسْوِسُ تُحَدِّثُ بِهٖ الباءُ زائدةٌ او للتَّعدِيَةِ والضَّميرُ للإنسان نَفْسُهٗ ۚ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ بالعِلمِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۝ الاضافةُ للبيان والوَرِيدان عِرقان لصَفحَتَي العُنُقِ اِذْ ناصِبُه اذكُرْ مُقدَّرًا يَتَلَقَّى ياخذُ ويُثبِتُ الْمُتَلَقِّيٰنِ المَلَكان المُوكَّلان بالإنسان ما يَعمَلُه عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ منه قَعِيْدٌ ۝ اى قاعِدان وهو مُبتَدأٌ خَبرُه ما قبلَهُ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ حافِظٌ عَتِيْدٌ ۝ حاضِرٌ وكُلٌّ منهما بمعنى المُثَنّٰى وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ غَمرَتُهٗ وشِدَّتُهٗ بِالْحَقِّ مِن امرِ الاٰخِرةِ حتّٰى يَراه المُنكِر لها عِيانًا وهو نفسُ الشِّدّةِ ذٰلِكَ اى الموتُ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ۝ تَهرُبُ وتفزَعُ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ للبَعثِ ذٰلِكَ اى يومُ النفخِ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ۝ للكُفّارِ بالعَذابِ وَجَآءَتْ فيه كُلُّ نَفْسٍ الى المَحشرِ مَّعَهَا سَآئِقٌ مَلَكٌ يَسُوقُها اليه وَّشَهِيْدٌ ۝ يَشهَدُ عليها بعَمَلِها وهو الايدى والارجُلُ وغيرُها ويقال للكافرِ لَقَدْ كُنْتَ في الدُّنيا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا النازلِ بك اليومَ فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ ازَلنا غَفلَتَك بما تُشاهِدُهٗ اليومَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ۝ حادٌّ تُدرِكُ به ما اَنكَرتَهٗ في الدُّنيا وَقَالَ قَرِيْنُهٗ المَلَكُ المُوكَّلُ به هٰذَا مَا اى الَّذِى لَدَيَّ عَتِيْدٌ ۝ حاضِرٌ فيُقالُ لمالِكٍ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ اى اَلْقِ اَلْقِ او اَلْقِيَنْ وبه قرأ الحسنُ فاُبدِلَتِ النُّونُ اَلِفًا كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ مُعانِدٍ للحقِّ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ كالزكوٰة مُعْتَدٍ ظالمٍ مُّرِيْبٍ ۝ شاكٍّ في دينه الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ مُبتَدأٌ ضُمِّنَ الشرطَ خبرُه فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ۝ تفسيرُهٗ مِثلُ ما تقدَّمَ قَالَ قَرِيْنُهٗ الشيطانُ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ اَضلَلتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۝ فدعوتُه فاستجابَ لى وقال هو اَطغانى

بذ جانبہ نبی قَالَ تعالی لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَیَّ ای ما ینفع الخصام ھُنا وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَیْکُمْ فی الدنیا بِالْوَعِیْدِ ﴿۲۸﴾ بالعذاب فی الآخرۃ لولم تؤمنوا ولا بُدَّ منہُ مَا یُبَدَّلُ یُغیّرُ الْقَوْلُ لَدَیَّ فی ذلک وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۲۹﴾ فأعذّبُھم بغیر جُرم وظلّامٌ بمعنی ذی ظُلم لقولہ لا ظُلم الیوم ولا مفھومَ لہ۔

ع ۲ / ۱۶

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم اس کے دل میں نفس کے وسوسہ ڈالنے کو بھی جانتے ہیں (نَعْلَمُ) نَحْنُ کی تقدیر کے ساتھ حال ہے، (بِہٖ) میں باء زائدہ ہے یا تعدیہ کے لئے ہے، اور (بِہٖ) کی ضمیر انسان کی طرف لوٹ رہی ہے اور ہم انسان کے علم کے اعتبار سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں (حبل الورید) میں اضافت بیانیہ ہے، وَرِیْدَان گردن کی دونوں طرف دو رگیں ہیں، اور جب اخذ کر لیتے ہیں اور لکھ لیتے ہیں دو اخذ کرنے والے اس کے عمل کو دو فرشتے جو انسان پر مقرر ہیں، انسان کے دائیں جانب اور بائیں جانب بیٹھے ہوئے ہیں (اِذْ) کا ناصب اذکر مقدر ہے (قَعِید) بمعنی قاعدان ہے، یہ مبتداء ہے اس کا ماقبل اس کی خبر ہے (انسان) کوئی لفظ منہ سے نہیں نکال پاتا مگر یہ کہ اس کے پاس ایک نگہبان حاضر ہوتا ہے (قَعِید اور عَتِید) میں سے ہر ایک تثنیہ کے معنی میں ہے اور موت کی بے ہوشی آخرت کی حقیقت لیکر آپہنچی یعنی موت کی بیہوشی اور شدت کو (لیکر آپہنچی) حتی کہ جو آخرت کا منکر ہے وہ بھی اس کو کھلم کھلا دیکھ لے گا، اور وہ امر آخرت نفس شدت ہے، یہ وہی موت ہے جس سے تو بھاگتا تھا اور ڈرتا تھا، اور بعث کے لئے صور میں پھونکا جائے گا اور یہی پھونکنے کا دن کفار کے لئے وعید کا دن ہوگا اور اس وعید کے دن ہر نفس محشر کی طرف اس طرح آئے گا کہ اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا ہوگا یعنی فرشتہ ہوگا جو اس کو میدان محشر کی طرف ہانک کر لائے گا، اور ایک گواہ ہوگا جو اس کے خلاف اس کے اعمال کی گواہی دے گا اور وہ ہاتھ پیر وغیرہ ہیں، اور کافر سے کہا جائے گا، دنیا میں بلاشبہ تو آج کے دن تیرے اوپر نازل ہونے والی اس مصیبت سے غفلت میں تھا لیکن ہم نے تیرے سامنے سے پردہ ہٹا دیا یعنی تیری غفلت کو زائل کر دیا جس کی وجہ سے تو آج اس نازل ہونے والی مصیبت کا مشاہدہ کر رہا ہے پس آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے یعنی وہ جو اس پر مقرر تھا، عرض کرے گا یہ وہ ہے جو میرے پاس تیار ہے مالک یعنی (دوزخ کے نگران) سے کہا جائے گا ڈال دو جہنم میں حق کے دشمن ہر ضدی کافر کو یعنی ڈالو ڈالو یا ضرور ڈالو، اور حسن نے (اَلْقِیَنْ) نون خفیفہ کے ساتھ پڑھا ہے، نون خفیفہ کو الف سے بدل دیا گیا جو کہ خیر زکوٰۃ سے روکنے والا ہو جو حد سے گذر جانے والا ظالم ہو اور دین میں شک ڈالنے والا ہو جس نے خدا کے ساتھ دوسرا معبود تجویز کیا ہو (اَلَّذِی) مبتداء متضمن بمعنی شرط ہے اس کی خبر فَاَلْقِیَاہُ الخ ہے ایسے شخص کو شدید عذاب میں ڈالدو اس کی تفسیر ماقبل کے مانند ہے وہ شیطان جو اس کے ساتھ رہتا تھا کہے گا اے ہمارے پروردگار! میں نے اس کو گمراہ نہیں کیا یہ تو خود ہی دور و دراز کی گمراہی میں تھا سو میں نے اس کو بلایا تو اس نے میری بات مان لی، اور کہا کافر نے مجھ کو اس نے دعوت دے کر گمراہ کر دیا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا میرے سامنے جھگڑے کی

باتیں نہ کرو یہاں جھگڑنا کچھ فائدہ نہ دے گا، میں تو پہلے ہی دنیا میں تمہارے پاس آخرت کے عذاب کی وعید بھیج چکا ہوں اگر تم ایمان نہ لاؤ گے، اور یہ ضرور واقع ہو کر رہے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: تُوَسْوِسُ اَلْوَسْوَسَةُ الصوت الخفی "وسوسہ" خفی آواز کو کہتے ہیں جس میں دل میں کھٹکنے والے خیالات بھی شامل ہیں، وَلَقَدْ خَلَقْنَا الاِنْسَانَ جملہ مستانفہ ہے، اور لَقَدْ میں لام قسم محذوف کے جواب پر داخل ہے ای وَعِزَّتِنَا وَجَلَالِنَا لَقَد خَلَقْنَا الاِنْسَانَ، اَلاِنْسَانَ میں الف لام جنس کا ہے جو آدم اور اولاد آدم دونوں پر صادق آتا ہے، مفسر علام کا حَالٌ بِتَقْدِیْرِ نحنُ کے اضافہ سے مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سُوَال: وَنَعْلَمُ یہ خَلَقْنَا کی ضمیر سے حال ہے، اور مضارع مثبت جب حال واقع ہوتا ہے تو پھر واؤ حالیہ نہیں آتا صرف ضمیر کافی ہوتی ہے، واؤ اس وقت آتا ہے جب حال جملہ اسمیہ ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے۔

جَوَابٌ: یہاں حال جملہ اسمیہ ہے جس کی طرف مفسر علام نے حالٌ بتقدیر نحنُ کہہ کر اشارہ کر دیا ہے، تقدیر عبارت یہ ہے وَنَحْنُ نَعْلَمُ مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال واقع ہے، لہٰذا اب کوئی اعتراض باقی نہیں رہا۔

قَوْلُهٗ: مَاتُوَسْوِسُ مامصدریہ بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ کیا ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی وَنَعْلَمُ وَسْوَسَةَ نَفْسِهٖ اِیَّاهُ یعنی انسان کے دل میں نفس کے وسوسہ ڈالنے کو ہم جانتے ہیں اور ماموصولہ بھی ہو سکتا ہے، اس صورت میں بہ کی ضمیر عائد ہوگی اور تقدیر عبارت یہ ہوگی وَنَعْلَمُ الاَمْرَ الَّذِیْ تُحَدِّثُ نَفْسُهٗ بِهٖ یعنی ہم اس بات کو جانتے ہیں جس کو اس کا نفس اس کے دل میں ڈالتا ہے، ماموصولہ ہونے کی صورت میں بہ کی باء زائدہ ہوگی، اور ضمیر ماموصولہ کی طرف راجع ہوگی اور اگر مامصدریہ ہو تو باء تعدیہ کے لئے ہوگی اور ضمیر انسان کی طرف راجع ہوگی۔ (روح الارواح)

قَوْلُهٗ: نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ بالعِلْمِ

سُوَال: بالعِلم کے اضافہ کا کیا فائدہ ہے؟

جَوَابٌ: مفسر علام نے بالعلم کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ یہاں قربت سے قربتِ علمیہ مراد ہے نہ کہ قربت جسمیہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جسم سے منزہ ہے حبل الورید سے شدت قرب کی طرف اشارہ ہے، حبل رگ کو کہتے ہیں اور حبل الورید شہ رگ کو کہتے ہیں، جس کو رگِ جاں بھی کہا جاتا ہے، یہ رگیں دو ہوتی ہیں گردن کی دونوں جانب ایک ایک، ان کے کٹ جانے سے یقیناً موت واقع ہو جاتی ہے، ذبیحہ میں ان دونوں رگوں کا کٹنا ضروری ہے۔

قَوْلُهٗ: مایَعْمَلُهٗ یہ یَتَلَقّٰی کا مفعول ہے یعنی انسان جو کچھ کرتا ہے اس کو متعین کردہ دونوں فرشتے اچک لیتے ہیں اور ثبت کر دیتے ہیں۔

قَوْلُهٗ: ای قاعِدَان یہ بھی ایک شبہ کا جواب ہے۔

شبہ: قعید جملہ ہوکر المتلقیان سے حال ہے ذوالحال تثنیہ ہے اور حال مفرد ہے حالانکہ دونوں میں مطابقت ضروری ہے۔

دفع: قعید بروزن فعیل ہے اور فعیل کے وزن میں مفرد و تثنیہ و جمع سب برابر ہیں، لہٰذا قعید مفرد تثنیہ کے قائم مقام ہے، قَعِيدٌ مبتداء اور اس کا ماقبل یعنی عن الیمین و عن الشمال اس کی خبر مقدم ہے پھر جملہ ہوکر المتلقیان سے حال ہے۔

قَوْلُہٗ: لَدَيْهِ رَقِيبٌ، رَقِيبٌ مبتداء مؤخر ہے اور لَدَيْهِ خبر مقدم ہے۔

قَوْلُہٗ: عَتِيدٌ تیار، حاضر، یہ عِتَادٌ سے ہے جس کے معنی ضرورت سے پہلے کسی چیز کے ذخیرہ کر لینے کے ہیں۔

قَوْلُہٗ: وهو نفس الشدة بہتر ہوتا کہ مفسر رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ اس عبارت کو حذف فرما دیتے اس لئے کہ ماقبل کے ہوتے ہوئے اس کی چنداں ضرورت نہیں ہے، البتہ اگر ھو کا مرجع امر آخرت ہو اور شدة سے مراد امر شدید ہو اور وہ اھوال آخرت ہیں تو کچھ بات بن سکتی ہے۔

قَوْلُہٗ: اَلْقِ، اَلْقِ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اَلْقِيَا دراصل اَلْقِ، اَلْقِ تھا تکرار فعل کے ساتھ یعنی ڈالو ڈالو، ایک فعل کو حذف کر کے اس کی ضمیر فاعل کو اول فعل کے ساتھ ملا دیا، جس کی وجہ سے ضمیر ثنیٰ ہوگئی۔

قَوْلُہٗ: اَوْ اَلْقِيَنْ اس کا مطلب یہ ہے کہ اَلْقِيَا میں الف تثنیہ کا نہیں ہے بلکہ نون تاکید خفیفہ سے بدلا ہوا ہے۔

سُؤَالٌ: نون تاکید خفیفہ کو الف سے حالتِ وقف میں بدلتے ہیں نہ کہ وصل میں۔

جَوَابٌ: حالتِ وصل کو حالتِ وقف پر محمول کر لیا ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اَلْقِيَا تثنیہ ہی کا صیغہ ہے، اور مراد اس سے سائق اور شہید ہیں۔

قَوْلُہٗ: عَنِيدٌ عناد رکھنے والا، مخالف، ضدی، سرکش (جمع) عُنُدٌ آتی ہے۔

قَوْلُہٗ: الشديد یعنی اَلْقِيَا میں تثنیہ لانے کی جو تین توجیہ سابق میں کی گئی ہیں وہی فَاَلْقِيَاهُ میں ہوگی۔

قَوْلُہٗ: قَالَ قَرِينُهُ الشيطانُ رَبَّنَا مَا اَطْغَيْتُهٗ، رَبَّنَا مَا اَطْغَيْتُهٗ یہ کافر کے قول هُوَ اَطْغَانِي بدعائه لي کے جواب میں ہے یعنی جب کافر رب العالمین کے حضور میں عذر پیش کرتے ہوئے کہے گا، اس یعنی شیطان نے مجھے گمراہ کیا تھا تو اس کے جواب میں شیطان کہے گا رَبَّنَا مَا اَطْغَيْتُهٗ مگر مفسر علام کے لئے مناسب تھا کہ هُوَ اَطْغَانِي کو مقدم کرتے۔

قَوْلُہٗ: لَا تَخْتَصِمُوا یہ کافروں اور ان کے ہمنشینوں سے خطاب ہے۔

قَوْلُہٗ: وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُم بالوعيد ظاہر یہ ہے کہ یہ لَا تَخْتَصِمُوا سے حال ہے مگر یہ دشوار ہے اس لئے کہ حال اور ذوالحال کا زمانہ ایک ہوتا ہے حالانکہ یہاں ایسا نہیں ہے اس لئے کہ تقدیم وعید دنیا میں ہوئی اور اختصام آخرت میں۔

قَوْلُہٗ: وَلَا مَفْهُومَ لَهٗ یعنی لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ کا مفہوم مخالف مراد نہیں ہے، یعنی یہ مطلب نہیں ہے کہ آج ظلم نہیں ہے آج کے علاوہ میں ظلم ہے۔

تفسیر و تشریح

ربط آیات:

سابقہ آیات میں منکرین حشر ونشر اور مردوں کے زندہ ہونے کو بعید از عقل وامکان کہنے والوں کے شبہات کا ازالہ تھا، آیات مذکورہ میں بھی علم الٰہی کی وسعت اور ہمہ گیری کا بیان ہے، کہ انسان کے اجزاء منتشرہ کا علم ہونے سے بھی زیادہ بڑی بات تو یہ ہے کہ ہم ہر انسان کے دل میں آنے والے خیالات ووسوسوں کو بھی ہر وقت اور ہر حال میں جانتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم انسان سے اتنے زیادہ قریب ہیں کہ اس کی رگِ جان کو جس پر اس کی زندگی کا مدار ہے وہ بھی اتنی قریب نہیں، اس لئے ہم اس کے حالات کو خود اس سے بھی زیادہ جانتے ہیں جیسا کہ تحقیق وترکیب کے زیر عنوان عرض کیا جاچکا ہے، کہ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ میں قرب سے مراد قربتِ علمیہ ہے نہ کہ جسمیہ جمہور مفسرین کا یہی خیال ہے۔

اللہ تعالیٰ انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے:

مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ، حبل الورید میں اضافت بیانیہ ہے یعنی وہ رگیں جو ورید ہیں، جسم حیوانی میں دو قسم کی رگیں ہوتی ہیں، کچھ تو وہ ہیں جو جسم حیوانی میں خون کی سپلائی کا کام کرتی ہیں ان کا منبت جگر ہے اور دوسری قسم کی شریان کہلاتی ہیں، ان کا کام جسم حیوانی میں روح سپلائی کرنا ہے، ان کا منبت قلب ہے اور یہ بہ نسبت ورید کے باریک ہوتی ہیں، مذکورہ اصطلاح طبی ہے ضروری نہیں کہ آیت میں ورید کا لفظ طبی اصطلاح کے مطابق ہی استعمال ہوا ہو بلکہ قلب سے نکلنے والی رگوں کو بھی لغت کے اعتبار سے ورید کہا جاسکتا ہے، اور چونکہ اس جگہ مراد انسان کے قلبی خیالات سے مطلع ہونا ہے اس لئے ورید سے شریان مراد لینا زیادہ مناسب ہے۔

یَتَلَقَّی الْمُتَلَقِّیَانِ ای یاخذان ویثبتان، فتح القدیر میں شوکانی نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ہم انسان کے تمام حالات کو جانتے ہیں بغیر اس کے کہ ہم فرشتوں کے محتاج ہوں، جن کو ہم نے انسانوں کے اقوال واحوال لکھنے کے لئے مقرر کیا ہے، یہ فرشتے تو ہم نے صرف اتمام حجت کے لئے مقرر کئے ہیں، بعض کے نزدیک دو فرشتوں سے نیکی اور بدی لکھنے والے فرشتے مراد ہیں، اور بعض کے نزدیک رات اور دن کے فرشتے مراد ہیں۔

اعمال کو رکارڈ کرنے والے فرشتے:

حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے مذکورہ آیت عن الیمین وعن الشمال قعید تلاوت فرما کر، کہا:

''اے ابن آدم! تیرے لئے نامہ اعمال بچھا دیا گیا ہے اور تجھ پر دو معزز فرشتے مقرر کردیئے گئے ہیں، ایک تیری

دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب داہنی جانب والا تیری حسنات لکھتا ہے اور بائیں جانب والا تیری سیئات، اب اس حقیقت کو سامنے رکھ کر جو تیرا جی چاہے عمل کر کم کر یا زیادہ، یہاں تک کہ جب تو مرجائے گا تو یہ صحیفہ یعنی نامہ اعمال لپیٹ دیا جائے گا، اور تیری گردن میں ڈال دیا جائے گا جو تیرے ساتھ قبر میں جائے گا اور رہے گا، یہاں تک کہ جب تو قیامت کے روز قبر سے نکلے گا تو اس وقت حق تعالیٰ فرمائے گا وکُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طَائِرَهٗ فِی عُنُقِهٖ ونُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ کِتٰبًا یَلْقٰهُ مَنْشُوْرًا اِقْرَاْ کِتٰبَكَ کَفٰی بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا''۔

تَرْجَمَہ: ہم نے ہر انسان کا اعمال نامہ اس کی گردن میں لگا دیا ہے اور قیامت کے روز وہ اس کو کھلا ہوا پائے گا، اب اپنا اعمال نامہ خود پڑھ لے اور تو خود ہی اپنا حساب لگانے کے لئے کافی ہے۔ (معارف)

انسان کا ہر قول رکارڈ کیا جاتا ہے:

مَا یلفظ مِن قولٍ اِلَّا لدیْهِ رَقیبٌ عَتِیدٌ یعنی انسان کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالتا جس کو یہ نگران فرشتہ محفوظ نہ کر لیتا ہو، حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ اور قتادہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے فرمایا کہ یہ فرشتے اس کا ایک ایک لفظ لکھتے ہیں خواہ اس میں کوئی گناہ یا ثواب ہو یا نہ ہو، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا نے فرمایا کہ صرف وہ کلمات لکھتے ہیں کہ جن میں کوئی ثواب یا عقاب کی بات ہو۔

علی بن ابی طلحہ نے ایک روایت ابن عباس ہی سے ایسی نقل فرمائی جس میں یہ دونوں قول جمع ہو جاتے ہیں، اس روایت میں یہ ہے کہ پہلے تو ہر کلمہ لکھا جاتا ہے خواہ اس میں کوئی ثواب وعقاب کی بات ہو یا نہ ہو، مگر ہفتہ میں جمعرات کے روز اس پر فرشتے نظر ثانی کرتے ہیں، اور صرف وہ کلمات باقی رکھتے ہیں جن میں کوئی ثواب یا عقاب ہو باقی کو نظر انداز کر دیتے ہیں، قرآن کریم میں ویَمْحُوا اللّٰہ ما یشاءُ ویثبتُ وعندَهٗ اُمُّ الکتاب کے مفہوم میں یہ محو واثبات بھی داخل ہے، قال لَا تَخْتَصِمُوا لَدَیَّ الخ یعنی اللہ تعالیٰ کافروں اور ان کے ہم نشین شیاطین سے کہے گا کہ یہاں موقف حساب یا عدالت انصاف میں لڑنے جھگڑنے کی ضرورت نہیں نہ اس کا کوئی فائدہ ہی ہے میں نے تو پہلے ہی رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ سے ان وعیدوں سے تم کو آگاہ کر دیا تھا۔

یَوْمَ نَصبُهٗ ظَلَّام **نَقُوْلُ** بالنون والیاءِ **لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ** استِفهامُ تحقیقٍ لوَعْدِهٖ بمَلْئِها **وَتَقُوْلُ** بصُورةِ الاستِفهامِ کالسُّؤالِ **هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ** ای فِیَّ لا اَسَعُ غیرَ ما امتلأتُ به ای قد امتلأتُ **وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ** قُرِّبَت **لِلْمُتَّقِیْنَ** مکانًا **غَیْرَ بَعِیْدٍ** منهم فیَرَوْنَها ویُقالُ لهم **هٰذَا** المَرْئیُّ **مَا تُوْعَدُوْنَ** بالتاءِ والیاءِ فی الدُّنیا ویُبدَلُ من لِلمُتَّقِینَ قولُه **لِکُلِّ اَوَّابٍ** رَجّاعٍ الیٰ طاعَةِ اللهِ **حَفِیْظٍ** حافِظٍ لِحُدودِهٖ **مَنْ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ** خافَهٗ ولم یرَه **وَجَاۗءَ بِقَلْبٍ مُّنِیْبٍ** مُقبِلٍ علیٰ طاعَتِهٖ ویُقالُ لِلمُتَّقِینَ اَیضًا **اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ** ای سالِمِینَ من کُلِّ مَخوفٍ

اوِمَعَ سَلامٍ او سَلِّمُوا او ادْخُلُوا **ذٰلِكَ** اليَومَ الَّذِي حَصَلَ فيه الدُّخُولُ **يَوْمُ الْخُلُوْدِ** الدوامِ في الجنّة **لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا** دائمًا **وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ** زِيادَةٌ علىٰ ما عَمِلُوا وطَلَبُوا **وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ** اي اَهلَكنا قبلَ كُفّارِ قُرَيشٍ قُرُونًا أُمَمًا كَثِيرَةً مِنَ الكُفّارِ **هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا** قُوّةً **فَنَقَّبُوْا** فَتَّشُوا **فِى الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ** لهم اولِغَيرِهم مِنَ المَوتِ فَلَم يَجِدُوا **اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ** المذكورِ **لَذِكْرٰى** لَعِظَةً **لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ** عَقلٌ **اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ** اِستَمَعَ الوَعْظَ **وَهُوَ شَهِيْدٌ** حاضِرٌ بالقلبِ **وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ** اَوَّلُها الاَحَدُ واٰخِرُها الجُمُعَةُ **وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ** تَعَبٍ نَزَلَ رَدًّا على اليَهودِ في قَولِهم إنَّ اللّٰهَ اسْتَراحَ يَومَ السَّبتِ وانتِفاءُ التَّعَبِ عَنهُ لِتَنَزُّهِهِ تعالىٰ عَن صِفاتِ المَخلُوقِينَ ولِعَدَمِ المُجانَسَةِ بَينَه وبينَ غيرِه انما امره اذا اراد شيئا ان يقول له كن فيكون **فَاصْبِرْ** خِطابٌ للنبي صلى الله عليه وسلم **عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ** اي اليَهُودُ وغَيرُهم مِنَ التَّشبِيهِ والتَّكذِيبِ **وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ** صَلِّ حامِدًا **قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ** اي صَلاةَ الصُّبحِ **وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ** اي صَلاةَ الظُّهرِ والعَصرِ **وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ** اي صَلِّ العِشائَينِ **وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ** بفَتحِ الهَمزَةِ جَمعُ دُبُرٍ وبِكَسرِها مَصدَرُ أَدْبَرَ اي صَلِّ النَّوافِلَ المَسْنُونَةَ عَقِبَ الفَرائِضِ وقِيلَ المُرادُ حَقِيقَةُ التَّسبِيحِ في هذه الأوقاتِ مُلابِسًا للحَمدِ **وَاسْتَمِعْ** يا مُخاطَبُ مَقُولِي **يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ** هُوَ اِسرافِيلُ **مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ** مِنَ السَّماءِ وهُوَ صَخرَةُ بَيتِ المُقَدَّسِ أَقرَبُ مَوضِعٍ مِنَ الاَرضِ إلى السَّماءِ يَقُولُ أَيَّتُها العِظامُ البالِيَةُ والأَوصالُ المُتَقَطِّعَةُ واللُّحُومُ المُتَمَزِّقَةُ والشُّعُورُ المُتَفَرِّقَةُ إنَّ اللّٰهَ يَأمُرُكُنَّ أَن تَجتَمِعْنَ لِفَصلِ القَضاءِ **يَوْمَ** بَدَلٌ مِن يوم قبله **يَسْمَعُوْنَ** اي الخَلقُ كُلُّهُم **الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ** بالبَعثِ وهِيَ النَّفخَةُ الثّانِيَةُ مِن إسرافِيلَ ويَحتَمِلُ أَن تَكُونَ قَبلَ نِدائِهِ او بَعدَهُ **ذٰلِكَ** اي يَومُ النِّداءِ والسَّماعِ **يَوْمُ الْخُرُوْجِ** مِنَ القُبُورِ وناصِبُ يومَ يُنادِي مُقَدَّرٌ اي يَعلَمُونَ عاقِبَةَ تَكذِيبِهم **اِنَّا نَحْنُ نُحْىٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ** يَومَ بَدَلٌ مِن **يَوْمَ** قبلَهُ وما بَينَهُما اِعتِراضٌ **تَشَقَّقُ** بتَخفِيفِ الشِّينِ وتَشدِيدِها بإدغامِ التّاءِ الثّانِيَةِ فِي الاَصلِ فِيها **الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا** جَمعُ سَرِيعٍ حالٌ مِن مُقَدَّرٍ اي فيَخرُجُونَ مُسرِعِينَ **ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ** فيه فَصلٌ بَينَ المَوصُوفِ والصِّفَةِ بمُتَعَلِّقِها لِلإختِصاصِ وهُوَ لا يَضُرُّ وذٰلِكَ إشارَةٌ إلى مَعنَى الحَشرِ المُخبَرِ به عنه وهو الاحياءُ بعدَ الفناءِ والجَمعُ لِلعَرضِ والحِسابِ **نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ** اي كُفّارُ قُرَيشٍ **وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ** تُجبِرُهُم على الإيمانِ وهذا قبلَ الاَمرِ بالجِهادِ **فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ** وهُمُ المُؤمِنُونَ.

تَرجَمہ: جس دن ہم دوزخ سے پوچھیں گے کیا تو بھر چکی؟ (یَوْمَ) کا ناصب ظَلّامٌ ہے، (نقول) نون و یاء کے ساتھ ہے استفہام، جہنم سے اس کے بھرنے کے وعدے کی تحقیق کے لئے ہے، اور جہنم جواب دے گی، کیا کچھ اور زیادہ بھی

ہے؟ یعنی میرے اندر جو کچھ بھرا گیا اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں یعنی میں بھر گئی اور جنت پرہیزگاروں کے لئے بالکل قریب کردی جائے گی، اتنی کہ ذرا بھی ان سے دور نہ ہوگی چنانچہ وہ اس کو دیکھیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ جو کچھ نظر آرہا ہے وہی ہے جس کا تم سے دنیا میں وعدہ کیا گیا تھا، یاء اور تاء کے ساتھ اور لِلْمتقین سے اس کا قول لِکُلِّ اَوَّاب بدل ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ کی طاعت کی طرف رجوع کرنے والا اور حدود کی حفاظت کرنے والا ہو جو رحمٰن کا غائبانہ خوف رکھتا ہو یعنی اس سے ڈرتا ہو حالانکہ اس کو دیکھا نہیں ہے اور اس کی طاعت کی طرف متوجہ ہونے والا دل لایا ہو اور پرہیزگاروں سے یہ بھی کہا جائے گا اس میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ یعنی ہر اندیشہ سے بے خوف ہو کر، یا سلامتی کے ساتھ، یا سلام کرو اور داخل ہو جاؤ یہ دن جس میں دخول حاصل ہوا ہے، دائمی طور پر جنت میں داخل ہونے کا دن ہے ان کے لئے وہاں جو چاہیں گے دائمی طور پر ملے گا (بلکہ) اور ہمارے پاس ان کے عمل سے اور طلب سے زیادہ ہے، اور ان سے پہلے بھی ہم بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں یعنی قریش سے پہلے کافروں میں سے بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں وہ ان سے طاقت میں بہت زیادہ تھے تمام شہروں کو چھان مارا تھا کیا ان کو اور دوسروں کو موت سے فرار کی کوئی جگہ ملی؟ نہیں ملی، بلاشبہ اس مذکور میں ہر صاحب دل (صاحب عقل) کے لئے نصیحت ہے اور اس کے لئے جو حضوری قلب کے ساتھ نصیحت سننے کے لئے کان لگائے اور یقیناً ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان جو کچھ ہے چھ دنوں میں پیدا کیا، ان میں کا پہلا دن اتوار ہے اور ان کا آخری جمعہ ہے، اور ہم کو تکان نے چھوا تک نہیں، یہ آیت یہود کے اس قول کو رد کرنے کے لئے نازل ہوئی کہ ''ہفتہ کے روز اللہ تعالیٰ نے آرام فرمایا'' اور تکان کا اس سے منتفی ہونا باری تعالیٰ کے مخلوق کی صفات سے منزہ ہونے کی وجہ سے ہے، اور اس کے اور اس کے غیر کے درمیان مجانست نہ ہونے کی وجہ سے ہے، اس کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی شی کے کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ اس کے لئے کُن کہہ دیتا ہے تو وہ شی موجود ہو جاتی ہے پس یہ یعنی یہود وغیرہ تشبیہ و تکذیب کی جو باتیں کہتے ہیں آپ اس پر صبر کریں یہ آنحضرت ﷺ کو خطاب ہے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے حمد بیان کرتے ہوئے نماز پڑھئے طلوع شمس سے پہلے یعنی صبح کی نماز اور غروب سے پہلے یعنی ظہر اور عصر کی نماز اور رات کے کسی وقت میں تسبیح بیان کریں یعنی مغرب وعشاء کی نماز پڑھئے، اور نماز کے بعد بھی أَدْبَار ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ دُبُرٌ کی جمع ہے اور ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ اَدْبَرَ کا مصدر ہے، مطلب یہ ہے کہ فرائض کے بعد نوافل مسنونہ پڑھئے اور کہا گیا ہے کہ ان اوقات میں حمد کے ساتھ تسبیح پڑھنا مراد ہے اور اے مخاطب میری بات سن جس دن ایک پکارنے والا اور وہ اسرافیل علیہ السلام ہیں آسمان سے قریبی مکان سے پکارے گا اور وہ بیت المقدس کا صخرہ (بڑا پتھر) ہے (صخرہ) زمین سے آسمان کی طرف قریب ترین مقام ہے، وہ پکارنے والا کہے گا اے بوسیدہ ہڈیو اور اکھڑے ہوئے جوڑو اور پارہ پارہ گوشتو اور بکھرے ہوئے بالو، اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ مقدمہ کے فیصلے کے لئے جمع ہو جاؤ جس دن بعث کے لئے پکار کو پوری مخلوق سن لے گی اور یہ اسرافیل کا نفخۂ ثانیہ ہوگا، اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ نفخہ اسرافیل علیہ السلام کی پکار سے پہلے یا بعد میں ہو وہ نداء وسماع کا دن قبروں سے نکلنے کا دن ہوگا اور يَوْمَ کا ناصب يُنَادِی مقدر ہے یعنی وہ اپنی تکذیب

کے انجام کو جان لیں گے، بلا شبہ ہم ہی جلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے جس دن زمین ان سے پھٹ جائے گی حال یہ کہ وہ جلدی کرنے والے ہوں گے (تَشَقَّقُ) شین کی تخفیف اور تشدید کے ساتھ تاء ثانیہ کو اصل میں ادغام کر کے تو دوڑتے ہوئے (نکل پڑیں گے) سِرَاعًا، سریع کی جمع ہے سِرَاعًا مقدر سے حال ہے، ای فیخرجون مسرعین یہ جمع کر لینا ہم پر (بہت) ہی آسان ہے اس میں موصوف اور صفت کے درمیان صفت کے متعلق کا فصل ہے، اختصاص کے لئے اور یہ (فصل) مضر نہیں ہے اور (ذٰلِكَ) سے معنی حشر کی جانب اشارہ ہے جو کہ ذٰلك کا مخبر بہ ہے اور وہ (معنی) فناء کے بعد زندہ کرنا اور پیشی اور حساب کے لئے جمع کرنا ہے ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ کفار مکہ کہتے ہیں اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں کہ ان کو ایمان لانے پر مجبور کریں، اور یہ حکم جہاد کی اجازت سے پہلے کا ہے، سو آپ ان کو قرآن کے ذریعہ سمجھاتے رہیے جو میری وعید سے ڈریں اور وہ مومن ہیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: یَوْمَ ناصبهُ ظَلَّامٌ، یَوْمَ کے منصوب ہونے کی دو وجہ ہو سکتی ہیں، اول یہ کہ اُذْكُرْ فعل محذوف ناصب ہو، دوسرے یہ کہ سابقہ آیت میں ظَلَّامٌ ناصب ہو مفسر علام نے دوسری صورت کو اختیار کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: هَلِ امْتَلَأْتِ استفہام تحقیقی یعنی تقریری ہے اللہ نے جہنم سے جو بھرنے کا وعدہ فرمایا اس کے محقق اور پورا ہونے کو ثابت کرنے کے لئے یعنی میں نے تجھ سے جو بھرنے کا وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو گیا؟ جہنم استفہام سوالی کے طور پر جواب دے گی، کیا کچھ اور ہے؟ یعنی اب مزید کی میرے اندر گنجائش نہیں ہے، جواب اگرچہ بصورتِ استفہام ہے مگر سوال معنی میں خبر کے ہے، جس کی طرف مفسر علام نے قَدِ امْتَلَأْتُ سے اشارہ کیا ہے۔

سُوَال: جہنم کے سوال کی صورت میں جواب دینے میں کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: تا کہ سوال و جواب میں مطابقت ہو جائے۔

قَوْلُہٗ: مَكَانًا.

سُوَال: مَكَانًا کو محذوف ماننے سے کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: مکانًا محذوف مان کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ غیرَ بَعِیْدٍ جَنّة کی صفت نہیں ہے بلکہ مکانًا محذوف کی صفت ہے اس لئے کہ اگر جَنَّة کی صفت ہوتی تو غَیْرَ بعیدَة ہوتی۔

قَوْلُہٗ: غَیْرَ بَعِیْدٍ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ کی تاکید ہے اس لئے کہ دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے، جیسا کہ عرب بولتے ہیں عزیزٌ غیرَ ذلیل (یا) قریبٌ غیرَ بعیدٍ.

قَوْلُہٗ: لِكُلِّ اَوَّابٍ متقین سے اعادۂ جار کے ساتھ بدل ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ھٰذا موصوف اور مَاتُوْعَدُوْنَ اس کی صفت موصوف صفت سے مل کر مبتداء اور لِكُلِّ اَوَّابٍ اس کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: خَافَهُ وَلَمْ يَرَهُ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ بِالْغَيْبِ حال ہے یا تو مفعول یعنی رحمٰن سے حال ہے یعنی وہ رحمٰن سے ڈرا، حال یہ ہے کہ وہ رحمٰن نظروں سے غائب ہے، یا پھر خَشِيَ کے فاعل سے حال ہے، یعنی وہ اللہ سے ڈرا حال یہ ہے کہ اس نے اللہ کو دیکھا نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: لَهُمْ، لَهُمْ کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ لَهُمْ، مَحِيْصٌ مبتداء کی خبر محذوف ہے اور مِنْ زائدہ ہے، اور استفہام انکاری ہے، مطلب یہ کہ سابقہ امتوں نے دنیا چھان ماری مگر ان کو کہیں موت سے پناہ نہیں ملی، اسی طرح تم کو بھی اے اہل مکہ موت سے کہیں پناہ نہ ملے گی۔

قَوْلُہٗ: مِنْ لُغُوْبٍ، من فاعل پر زائدہ ہے لُغُوْب (ن) سے مصدر ہے بمعنی تَعَبٌ تکان۔

قَوْلُہٗ: لِعَدَمِ الْمُجَانَسَةِ بعض نسخوں میں عدم المماشتة ہے یعنی خالق و مخلوق کے درمیان میں کسی قسم کا جنسی ربط و تعلق نہ ہونے کی وجہ ہے۔

قَوْلُہٗ: مقولي، مَقُوْلِي مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ مقولی استمع کا مفعول ہے۔

قَوْلُہٗ: يَعْلَمُوْنَ عَاقِبَةَ تَكْذِيْبِهِمْ یہ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ کا عامل ناصب ہے، مفسر رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالىٰ کے لئے بہتر تھا کہ عامل کو معمول کے ساتھ ہی ذکر کرتے۔

قَوْلُہٗ: يَوْمَ تَشَقَّقُ یہ اپنے ماقبل يومُ الْخُرُوجِ سے بدل ہے اور اِنَّا نَحْنُ الخ درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔

قَوْلُہٗ: بِاِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الْأَصْلِ فِيْهَا، تَشَقَّقُ اصل میں تَتَشَقَّقُ تھا، اصل میں تاء ثانیہ کو شین میں ادغام کر دیا۔

قَوْلُہٗ: سِرَاعًا، فيخرجون کی ضمیر سے حال ہے اور عَنْهُمْ کی ضمیر سے بھی حال ہو سکتا ہے۔

قَوْلُہٗ: فيهِ فصل بين الموصوف والصفة بمتعلقها، عَلَيْنَا موصوف اور صفت کے درمیان فاصل ہے، تقدیر عبارت یہ تھی ذٰلِكَ حَشْرٌ يَسِيْرٌ عَلَيْنَا اختصاص کے لئے عَلَيْنَا جار مجرور کو مقدم کر دیا یعنی یہ حشر ہمارے ہی لئے آسان ہے اور فصل چونکہ اجنبی کا نہیں اس لئے مضر بھی نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: ذٰلك إشارة الى معنى الحشر المخبر به عَنْهُ مذکورہ عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ میں مخبر عنہ اور مخبر بہ دونوں واحد ہیں اس لئے کہ ذٰلِكَ کا مشار الیہ حَشْرٌ ہے جو کہ مخبر عنہ ہے اور يَسِيْرٌ مخبر بہ ہے اور حشر موصوف يَسِيْرٌ اس کی صفت ہے، موصوف صفت ایک ہوا کرتے ہیں اس طریقہ سے مخبر بہ اور مخبر عنہ واحد ہو گئے حالانکہ ان کو الگ ہونا چاہئے۔

جَوَابٌ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ذٰلک کا مشار الیہ حَشْرٌ نہیں بلکہ اس کے معنی میں ہیں یعنی اِحياء بعدالفناء اور جمع بين الأجزاء المتفرقة جو کہ مخبر عنہ ہے اور يسيرٌ مخبر بہ ہے، اس طرح مخبر عنہ اور مخبر بہ دونوں الگ الگ ہو گئے، فلا اعتراضَ عليه.

تفسیر وتشریح

یَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ الٓمٓ السجدۃ میں فرمایا ہے (لَأَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ) میں جہنم کو انسانوں اور جنوں سے بھر دوں گا، اس وعدہ کا جب ایفاء ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کافر جن وانس کو جہنم میں ڈال دے گا، تو جہنم سے پوچھے گا کہ تو بھر گئی یا نہیں؟ وہ جواب دے گی کیا کچھ اور بھی ہے؟ یعنی اگرچہ میں بھر گئی ہوں لیکن یا اللہ تیرے دشمنوں کے لئے میرے دامن میں اب بھی گنجائش ہے جہنم سے اللہ تعالیٰ کی یہ گفتگو اور جہنم کا جواب دینا اللہ کی قدرت سے قطعاً بعید نہیں ہے، خاص طور پر موجودہ ترقی کے دور نے تو یہ ثابت کر دیا کہ بے جان و بے روح چیزوں کا بولنا نہ صرف یہ کہ ممکن ہے بلکہ واقع اور رات دن کا مشاہدہ ہے کہ پتھر اور دھات سے بنی ہوئی چیزیں ٹیپ رکارڈ اور سی ڈی، فلوپی وغیرہ کے بولنے کا ہم رات دن مشاہدہ کرتے ہیں، بعض حضرات نے اس سوال وجواب کو مجاز پر محمول کیا ہے اور محض صورت حال کی منظر کشی کے لئے جہنم کی کیفیت کو سوال وجواب کی شکل میں ذکر کیا گیا ہے جیسے مثلاً آپ اپنے قلم سے یوں کہیں کہ تو چلتا کیوں نہیں تو قلم اس کے جواب میں کہے کہ میں اس لئے نہیں چلتا کہ میرے اندر روشنائی نہیں ہے، دوسری بات یہ ہے کہ دنیا کی جو چیزیں ہمارے لئے جامد اور صامت ہیں ان کے متعلق یہ سمجھ لینا درست نہیں ہو سکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کیلئے بھی ویسی ہی جامد وصامت ہوں گی، خالق اپنی ہر مخلوق سے کلام کر سکتا ہے اور اس کی ہر مخلوق اس کے کلام کا جواب دے سکتی ہے، خواہ ہمارے لئے اس کی زبان کتنی ہی ناقابل فہم ہو۔

اوّاب کون لوگ ہیں؟

لِكُلِّ اَوَّابٍ حفيظ یعنی جنت کا وعدہ ہر اس شخص سے ہے جو اوّاب اور حفیظ ہو اوّاب کے معنی ہیں رجوع کرنے والا، اور مراد وہ شخص ہے جو معاصی سے اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود اور شعبی اور مجاہد نے فرمایا کہ اوّاب وہ شخص ہے جو خلوت میں اپنے گناہوں کو یاد کرے اور ان سے استغفار کرے، اور حضرت عبید بن عمیر نے فرمایا اوّاب وہ شخص ہے جو اپنی ہر مجلس اور ہر نشست میں اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت مانگے، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی مجلس سے اٹھنے کے وقت یہ دعاء پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے سب گناہ معاف فرما دیں گے جو اس مجلس میں سرزد ہوئے، دعا یہ ہے:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ.

اور حفیظ کے معنی حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے یہ بتلائے ہیں کہ جو شخص اپنے گناہوں کو یاد رکھے تاکہ ان سے رجوع کر کے تلافی کرے، اور ایک روایت میں حفیظ کے معنی حافظ لامر اللہ کے بھی منقول ہیں یعنی وہ شخص جو احکام کو یاد رکھے اور

حدود اللہ کی حفاظت کرے، حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے روایت ہے کہ جو شخص شروع دن میں چار رکعت (اشراق کی) پڑھ لے وہ اواب اور حفیظ ہے۔ (قرطبی، معارف)

مَنْ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِیْبٍ "خشیت بالغیب" کا مطلب دنیا میں ڈرنا ہے، جہاں نار و نعیم دونوں غائب ہیں، اور قلب منیب سے قلب سلیم مراد ہے۔

فَنَقَّبُوْا فِی الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِیْصٍ نَقَّبُوْا تنقیبٌ سے ہے اس کے اصل معنی سوراخ کرنے اور پھاڑنے کے ہیں محاورات میں دور دراز ملکوں کے سفر کرنے کو بھی کہتے ہیں۔ (کمالین القاموس)

مَحِیْص ظرف مکان ہے، پناہ گاہ، لوٹنے کی جگہ، آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا جو قوت و طاقت میں تم سے کہیں زیادہ تھیں اور مختلف ملکوں اور خطوں میں تجارت وغیرہ کے لئے پھرتی رہیں مگر دیکھو کہ انجام کار ان کو موت آئی اور ہلاک ہوئیں، نہ ان کو کہیں پناہ ملی اور نہ راہ فرار، یعنی خدا کی طرف سے جب ان کی پکڑ کا وقت آیا تو کیا ان کی وہ طاقت ان کو بچا سکی؟ اور کیا دنیا میں پھر کہیں ان کو پناہ مل سکی، اب آخر تم کس بھروسہ پر یہ امید رکھتے ہو کہ خدا کے مقابلہ میں بغاوت کر کے تمہیں کہیں جگہ مل جائے گی۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ پوری کائنات ہم نے چھ دن میں بنا ڈالی اور اس کو بنا کر ہم تھک نہیں گئے، کہ اس کی تعمیر نو ہمارے بس میں نہ رہی ہو، اب اگر یہ نادان لوگ آپ سے زندگی بعد الموت کی خبر سن کر تمہارا مذاق اڑاتے ہیں اور تمہیں دیوانہ قرار دیتے ہیں تو اس پر صبر کرو، ٹھنڈے دل سے ان کی ہر بیہودہ بات کو سنو اور جس حقیقت کے بیان کرنے پر آپ مامور کئے گئے ہیں اس کو بیان کرتے چلے جائیں۔

اس آیت میں ضمنی طور پر یہود و نصاریٰ پر ایک لطیف طنز بھی ہے، جس کا بائبل میں یہ افسانہ گھڑ ا گیا ہے کہ خدا نے چھ دنوں میں زمین و آسمان کو بنایا اور (ہفتہ کو) ساتویں دن آرام کیا اور عرش پر جا کر لیٹ گیا (پیدائش ۲:۲) اگرچہ مسیحی پادری اس بات سے شرمانے لگے ہیں اور انہوں نے کتاب مقدس کے اردو ترجمہ میں آرام کیا کو "فارغ ہوا" سے بدل دیا ہے مگر کنگ جیمس کی مستند انگریزی بائبل میں (And He rested on the seventh day) کے الفاظ صاف موجود ہیں، اور یہی الفاظ اس ترجمہ میں بھی پائے جاتے ہیں جو ۱۹۵۴ء میں یہودیوں نے فلیڈلفیا سے شائع کیا ہے، عربی ترجمہ میں بھی فاستراح فی الیوم السابع کے الفاظ ہیں۔

یَوْمَ یُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّکَانٍ قَرِیْبٍ ابن عساکر نے زید بن جابر شافعی رَحِمَهُ اللّٰہُ تَعَالیٰ سے روایت کیا ہے کہ یہ فرشتہ اسرافیل ہوگا جو بیت المقدس کے صخرہ پر کھڑا ہو کر ساری دنیا کے مردوں کو خطاب کرے گا، اے گلی سڑی ہڈیو! اور ریزہ ریزہ ہونے

والی کھالو! اور بکھر جانے والے بالو! سن لو، تم کو اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتا ہے کہ حساب کے لئے جمع ہو جاؤ۔ (مظہری)

یَوْمَ یَسْمَعُوْنَ الصَّیْحَۃَ بِالْحَقِّ ذٰلِکَ یَوْمُ الْخُرُوْجِ یہ نفخۂ ثانیہ کا بیان ہے جس سے دوبارہ عالم کو زندہ کیا جائے گا، اور مکان قریب سے مراد یہ ہے کہ اس وقت اس فرشتے کی آواز پاس اور دور کے سب لوگوں کو اس طرح پہنچے گی کہ گویا پاس ہی سے پکار رہا ہے اور بعض حضرات نے مکان قریب سے مراد صخرۂ بیت المقدس لیا ہے کیونکہ وہ زمین کا وسط ہے۔ (قرطبی)

یَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْھُمْ سِرَاعًا یعنی جب زمین پھٹ کر سب مردے زمین سے نکل آئیں گے تو سب لوگ اس آواز دینے والے کی طرف دوڑیں گے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جب زمین پھٹے گی تو سب سے پہلے نکلنے والا میں ہونگا انا اول مَنْ تَنْشَقُّ عَنْہُ الْاَرْضُ (صحیح مسلم کتاب الفضائل) جامع ترمذی میں حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دست مبارک سے ملک شام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

من ھٰھُنا الی ھٰھُنا تحشرون رکبانا ومشاۃً وتجرّونَ علٰی وجوھکم یوم القیامۃ. (الحدیث)

یہاں سے اس طرف (یعنی شام کی طرف) تم سب اٹھائے جاؤ گے کچھ لوگ سوار اور کچھ پیدل اور بعض کو چہروں کے بل گھسیٹ کر قیامت کے روز اس میدان میں لایا جائے گا۔ (قرطبی، معارف)

تمّت

سُوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتُّوْنَ اٰيَةً وَثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ وَالذّٰرِيٰتِ مَكِّيَّةٌ سِتُّوْنَ اٰيَةً.

سورۃ والذّاریات مکی ہے، ساٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَالذّٰرِيٰتِ الرِّيَاحِ تَذْرُوْا التُّرَابَ وَغَيْرَهُ ذَرْوًا ﴿١﴾ مَصْدَرٌ وَيُقَالُ تَذْرِيْهِ ذَرْيًا تَهُبُّ بِهٖ فَالْحٰمِلٰتِ السُّحُبِ تَحْمِلُ الْمَاءَ وِقْرًا ﴿٢﴾ ثِقْلًا مَفْعُوْلُ الْحَامِلَاتِ فَالْجٰرِيٰتِ السُّفُنِ تَجْرِيْ عَلٰى وَجْهِ الْمَاءِ يُسْرًا ﴿٣﴾ بِسُهُوْلَةٍ مَصْدَرٌ فِيْ مَوْضِعِ الْحَالِ اَيْ مُيَسَّرَةً فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ﴿٤﴾ الْمَلَائِكَةِ تُقَسِّمُ الْاَرْزَاقَ وَالْاَمْطَارَ وَغَيْرَهَا بَيْنَ الْعِبَادِ وَالْبِلَادِ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ مَا مَصْدَرِيَّةٌ اَيْ اِنَّ وَعْدَهُمْ بِالْبَعْثِ وَغَيْرِهٖ لَصَادِقٌ ﴿٥﴾ لَوَعْدٌ صَادِقٌ وَّاِنَّ الدِّيْنَ الْجَزَاءَ بَعْدَ الْحِسَابِ لَوَاقِعٌ ﴿٦﴾ لَا مُحَالَةَ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ﴿٧﴾ جَمْعُ حَبِيْكَةٍ كَطَرِيْقَةٍ وَطُرُقٍ اَيْ صَاحِبَةِ الطُّرُقِ فِي الْخِلْقَةِ كَالطُّرُقِ فِي الرَّمْلِ اِنَّكُمْ يَا اَهْلَ مَكَّةَ فِيْ شَانِ النَّبِيِّ وَالْقُرْاٰنِ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ﴿٨﴾ قِيْلَ شَاعِرٌ سَاحِرٌ كَاهِنٌ شِعْرٌ سِحْرٌ كَهَانَةٌ يُّؤْفَكُ يُصْرَفُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ وَالْقُرْاٰنِ اَيْ عَنِ الْاِيْمَانِ بِهٖ مَنْ اُفِكَ ﴿٩﴾ صُرِفَ عَنِ الْهِدَايَةِ فِيْ عِلْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ﴿١٠﴾ لُعِنَ الْكَذَّابُوْنَ اَصْحَابُ الْقَوْلِ الْمُخْتَلِفِ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ جَهْلٍ يَغْمُرُهُمْ سَاهُوْنَ ﴿١١﴾ غَافِلُوْنَ عَنْ اَمْرِ الْاٰخِرَةِ يَسْـَٔلُوْنَ النَّبِيَّ اِسْتِهْزَاءً اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿١٢﴾ اَيْ مَتٰى مَجِيْئُهٗ وَجَوَابُهُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ﴿١٣﴾ اَيْ يُعَذَّبُوْنَ فِيْهَا وَيُقَالُ لَهُمْ حِيْنَ التَّعْذِيْبِ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ تَعْذِيْبَكُمْ هٰذَا الْعَذَابُ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿١٤﴾ فِي الدُّنْيَا اِسْتِهْزَاءً اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ بَسَاتِيْنَ وَّعُيُوْنٍ ﴿١٥﴾ تَجْرِيْ فِيْهَا اٰخِذِيْنَ حَالٌ مِنَ الضَّمِيْرِ فِيْ خَبَرِ اِنَّ مَا اٰتٰىهُمْ اَعْطَاهُمْ رَبُّهُمْ مِنَ الثَّوَابِ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ اَيْ دُخُوْلِهِمُ الْجَنَّةَ مُحْسِنِيْنَ ﴿١٦﴾ فِي الدُّنْيَا كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿١٧﴾ يَنَامُوْنَ وَمَا زَائِدَةٌ وَيَهْجَعُوْنَ خَبَرُ كَانَ وَقَلِيْلًا ظَرْفٌ اَيْ يَنَامُوْنَ فِيْ زَمَنٍ يَسِيْرٍ مِنَ اللَّيْلِ وَيُصَلُّوْنَ اَكْثَرَ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿١٨﴾ يَقُوْلُوْنَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَنَا وَفِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿١٩﴾ الَّذِيْ لَا يَسْاَلُ لِتَعَفُّفِهٖ وَفِي الْاَرْضِ مِنَ الْجِبَالِ وَالْبِحَارِ وَالْاَشْجَارِ وَالثِّمَارِ وَالنَّبَاتِ وَغَيْرِهَا اٰيٰتٌ دَلَالَاتٌ عَلٰى قُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى

وَوَحْدَانِيَّتِهِ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ﴿٢٠﴾ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اٰيَاتٌ اَيْضًا مِنْ مَبْدَإِ خَلْقِكُمْ اِلٰى مُنْتَهَاهُ وَمَا فِي تَرْكِيْبِ خَلْقِكُمْ مِنَ الْعَجَائِبِ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٢١﴾ ذٰلِكَ فَتَسْتَدِلُّوْنَ بِهِ عَلٰى صَانِعِهِ وَقُدْرَتِهِ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ اَيِ الْمَطَرُ الْمُسَبِّبُ عَنْهُ النَّبَاتُ الَّذِيْ هُوَ رِزْقٌ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿٢٢﴾ مِنَ الْمَآبِ وَالثَّوَابِ وَالْعِقَابِ اَيْ مَكْتُوْبٌ ذٰلِكَ فِي السَّمَاءِ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ اَيْ مَا تُوْعَدُوْنَ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿٢٣﴾ بِرَفْعِ مِثْلُ صِفَةً وَمَا مَزِيْدَةٌ وَبِفَتْحِ اللَّامِ مُرَكَّبَةٌ مَعَ مَا الْمَعْنٰى مِثْلُ نُطْقِكُمْ فِيْ حَقِّيَّتِهِ اَيْ مَعْلُوْمِيَّتِهِ عِنْدَكُمْ ضَرُوْرَةَ صُدُوْرِهِ عَنْكُمْ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے قسم ہے ان ہواؤں کی جو غبار وغیرہ کو پراگندہ کرتی ہیں (ذَرْوًا) مصدر ہے اور کہا جاتا ہے تَذْرِيْهِ ذَرْيًا یعنی ہوائیں غبار کو اڑاتی ہیں پھر قسم ہے ان بادلوں کی جو پانی کے بوجھ کو اٹھانے والے ہیں وِقْرًا حاملات کا مفعول ہے، پھر قسم ہے ان کشتیوں کی جو پانی کی سطح پر سہولت کے ساتھ چلتی ہیں یُسْرًا مصدر ہے حال کی جگہ میں یعنی حال یہ کہ وہ سبک رفتاری سے چلتی ہیں پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو کہ ایک بڑے اہم کام کی یعنی رزق اور بارش وغیرہ کی بندوں اور شہروں کے درمیان تقسیم کرنے والے ہیں اور جو تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے مَا مصدریہ ہے یعنی ان سے بعث وغیرہ کا وعدہ سچا وعدہ ہے، اور حساب کے بعد جزاء اعمال لامحالہ پیش آنے والی ہے اور قسم ہے راستوں والے آسمان کی (حُبُك) حَبِيْكَةٌ کی جمع ہے، جیسا کہ طُرُقٌ، طَرِيْقَةٌ کی جمع ہے یعنی وہ آسمان پیدائشی طور پر راستوں والے ہیں، جیسا کہ ریت میں راستے ہوتے ہیں بلاشبہ تم اے مکہ والو! حضور کی اور قرآن کی شان میں مختلف باتیں کرتے ہو (آپ کے بارے میں) کہا گیا، شاعر ہیں، جادوگر ہیں، کاہن ہیں، (اور قرآن کے بارے میں) کہا گیا شعر ہے! جادو ہے، کہانت ہے اس سے یعنی نبی اور قرآن سے یعنی ان پر ایمان لانے سے وہی باز رکھا جاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہدایت سے پھیر دیا گیا ہو غارت ہو جائیں بے سند (اٹکل سے) باتیں کرنے والے ملعون ہوئے مختلف باتوں والے جھوٹے جو جہالت میں غرق ہیں جن کو جہالت نے غرق کر رکھا ہے اور امر آخرت سے غافل ہیں نبی ﷺ سے بطور استہزاء پوچھتے ہیں جزاء کا دن کب ہوگا؟ یعنی وہ کب آئیگا؟ ان کا جواب یہ ہے، یوم جزاء اس دن آئے گا جس دن ان کو آگ پر بھونا جائے گا یعنی ان کو آگ میں عذاب دیا جائے گا، اور عذاب دیتے وقت ان سے کہا جائے گا، اپنی سزا کا مزا چکھو یہی ہے وہ عذاب جس کی دنیا میں تم استہزاء جلدی مچایا کرتے تھے، بلاشبہ تقوے والے لوگ باغوں میں اور چشموں میں ہوں گے جو باغوں میں جاری ہوں گے ان کے رب نے ان کو جو کچھ ثواب عطا فرمایا ہے اس کو لے رہے ہوں گے وہ تو اس سے پہلے ہی دنیا میں نیکوکار تھے اور وہ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے (یَهْجَعُوْنَ) بمعنی یَنَامُوْنَ ہے اور یَهْجَعُوْنَ کَانَ کی خبر ہے، اور قَلِيْلًا ظرف ہے یعنی رات کے کم حصہ میں سوتے تھے اور اکثر حصہ میں نماز پڑھتے تھے اور سحر کے وقت استغفار کیا کرتے تھے، یوں کہا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا اور ان کے مالوں میں مانگنے والوں کا اور نہ مانگنے والوں کا حق ہے اور محروم وہ شخص ہے جو سوال سے بچنے کی وجہ سے سوال

نہ کرے (جس کے نتیجے میں محروم رہ جائے) اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لئے پہاڑوں اور دریاؤں اور درختوں اور پھلوں اور نباتات وغیرہ کی بہت سی نشانیاں ہیں جو اللہ کی قدرت اور وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں اور خود تمہاری ذات میں بھی نشانیاں ہیں تمہاری تخلیق کی ابتداء سے لیکر اس کی انتہا تک اور وہ جو تمہاری تخلیق میں عجائبات ہیں کیا تم اس میں غور نہیں کرتے ہو کہ تم اس سے اس کی صنعت اور قدرت پر استدلال کرو اور آسمان میں تمہارا رزق یعنی بارش جو کہ نباتات کا سبب ہے کہ وہ رزق ہے اور وہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، آسمان اور زمین کے پروردگار کی قسم یہ یعنی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے بالکل حق ہے، ایسا ہی جیسا کہ تم باتیں کرتے ہو مثلُ کے رفع کے ساتھ (حقٌّ) کی صفت ہے اور ما زائدہ ہے اور (مِثْلَ) کے لام کے فتحہ کے ساتھ، ما کے ساتھ مرکب ہے اور معنی یہ ہیں کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ حقیقت ہونے میں ایسا ہی ہے جیسا کہ تمہارا گفتگو کرنا حقیقۃ ۔ ہے یعنی جس طرح تمہارے نزدیک تمہاری گفتگو معلوم ہونے میں یقینی ہے اس گفتگو کے تم سے بالبداہۃ صادر ہونے کی وجہ سے (اسی طرح تم سے کیا ہوا وعدہ بھی حقیقت ہے)۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَالذّٰرِیٰتِ واؤ قسمیہ ہے ذٰرِیٰتٌ، ذَارِیَۃٌ کی جمع ہیں، اڑانے والیاں، پراگندہ کرنے والیاں، اس کا موصوف الرِّیَاحُ محذوف ہے ای الرِّیَاحُ الذّٰرِیَاتُ پراگندہ کرنے والی ہوائیں، یہ ذَرٰی یَذْرُوْا ذَرْوًا یا ذَرٰی یَذْرِیْ ذَرْیًا معتل لام واوی یا یائی سے مشتق ہے۔ (ض، ن) والذّٰرِیَاتُ مقسم بہ ہے۔

قَوْلُہٗ: وَیُقَالُ ذَرَیٰ یَذْرِیْ ذَرْیًا سے یائی ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُہٗ: تَھُبُّ بِہٖ اس کا اضافہ بیان معنی کے لئے ہے، ہوا اس کو پراگندہ کرتی ہے، اڑاتی ہے۔

قَوْلُہٗ: اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ علامہ محلی نے ما کو مصدر یہ قرار دیا ہے یعنی وَعْدٌ کے معنی میں ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اِنَّ وَعْدَکُمْ لَوَعْدٌ صَادِقٌ.

قَوْلُہٗ: اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ معطوف علیہ ہے اور اِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ معطوف ہے، معطوف اور معطوف علیہ مل کر جملہ ہو کر جواب قسم ہے، اور یہ بھی درست ہے کہ اِنَّمَا میں ما کو موصولہ قرار دیا جائے اور تُوْعَدُوْنَ جملہ ہو کر صلہ ہو، عائد محذوف ای بہ جملہ ہو کر اِنَّ کا اسم اور لَصَادِقٌ اِنَّ کی خبر، اور اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔

قَوْلُہٗ: وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ واؤ قسمیہ جارہ بمعنی اُقْسِمُ السَّمَاء موصوف الحُبُك صفت، موصوف بالصفت جملہ ہو کر جواب قسم۔

قَوْلُہٗ: حُبُكٌ حَبِیْکَۃٌ کی جمع ہے جیسے طُرُقٌ طریقۃٌ کی جمع ہے بمعنی راستہ، پانی کی لہر، ریت میں ہوا کی وجہ سے پڑنے والے نشانات اور بعض حضرات نے حُبُكٌ کو حِبَاكٌ کی جمع کہا ہے جیسے مُثُلٌ مِثَالٌ کی جمع ہے حَبِیْکَۃٌ و حِبَاكٌ ستاروں کی رہ

گز رکو بھی کہتے ہیں۔ (اعراب القرآن، لغات القرآن)

قَوْلُہٗ: فی الخلقة كالطُّرُقِ فِي الرَّمَل اس عبارت کے اضافہ کا فائدہ یہ ہے کہ یہ آسمانی راستے خیالی یا معنوی نہیں ہیں بلکہ محسوس اور موجود فی الخارج ہیں اگر چہ بعید ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آتے۔

قَوْلُہٗ: يُؤْفَكُ عنه يُؤْفَكُ واحد مذکر غائب مضارع مجہول اِفْكٌ (ض) سے پھیرا جاتا ہے، بھٹکایا جاتا ہے۔

قَوْلُہٗ: صُرِفَ عَنِ الهِدَايَةِ فِي علمِ اللّٰه تعالٰی اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: يُؤْفَكُ عنهُ مَنْ أُفِكَ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بھٹکا ہوا ہے اس کو بھٹکایا جائے گا، اور یہ تحصیل حاصل ہے اس لئے کہ جو بھٹکا ہوا ہے اس کے بھٹکانے کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

جَوَاب: جو اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں بھٹکا ہوا ہے وہ خارج اور ظاہر میں بھٹکایا جائے گا۔

البلاغة

قَوْلُہٗ: قُتِلَ الخَرّاصُوْنَ، قُتِلَ کے حقیقی معنی قتل کرنے کے ہیں، مگر یہاں علی سبیل الاستعارہ لعنت کے معنی میں مستعمل ہے، بایں طور کہ مفقود السعادۃ کو مفقود الحیات کے ساتھ تشبیہ دی ہے یہ استعارہ بالکنایہ ہوا، مفقود السعادۃ مشبہ ہے اور مفقود الحیاۃ مشبہ بہ ہے، مشبہ بہ اگر چہ محذوف ہے مگر مشبہ بہ کے لوازم میں سے قتل کو مشبہ کے لئے ثابت کر دیا، یہ استعارہ تخییلیہ ہوا، قُتِلَ الخَرّاصُوْنَ بمعنی میں لُعِنَ الكَذّابُوْنَ یعنی بددعاء کے معنی میں ہے خَرّاصُوْنَ اٹکل دوڑانے والے، جھوٹ بکنے والے، خرّاصٌ کی جمع ہے خَرْصٌ سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ (لغات القرآن)

قَوْلُہٗ: غَمْرَةٌ گہرا پانی جس کی تہ نظر نہ آئے، یہاں چھا جانے والی جہالت مراد ہے۔ (لغات القرآن)

قَوْلُہٗ: اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ اَيَّانَ خبر مقدم يَوْمُ الدِّيْنِ مبتداء مؤخر۔

قَوْلُہٗ: مَتٰى مَجِيْئُهٗ، مَتٰى اَيَّانَ کی تفسیر ہے مَجِيْئُهٗ حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے اور حذف مضاف ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: اَيَّانَ يومُ الدين مشرکین کی طرف سے سوال ہے اور يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ سوال کا جواب ہے، سوال اور جواب دونوں زمان ہیں اور زمان کا جواب زمان سے نہیں ہوتا بلکہ زمان کا جواب حَدَث سے ہوتا ہے، مفسر رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے اسی سوال کے جواب کے لئے مجیئه مضاف محذوف مانا ہے تا کہ زمان کا جواب اِخبار بالزمان سے ہو جائے۔

سَوَال: اَيَّانَ يَوْمُ الدين میں تعیین وقت کا سوال ہے، اس کا جواب يَوْمَ هم عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ہے جو کہ مبہم اور غیر متعین ہے جو کہ درست نہیں ہے۔

جَوَاب: مشرکین مکہ کا سوال چونکہ علم وفہم کے لئے نہیں بلکہ بطور استہزاء کے تھا اسی لئے حقیقتاً جواب کے بجائے صورۃً جواب دیا تا کہ سوال و جواب میں مطابقت ہو جائے، يَوْمَ کا ناصب يجيئ محذوف ہے، هُمْ مبتداء ہے يُفْتَنُوْنَ خبر اور

علی بمعنی فی ہے۔

سَوَال: یُفْتَنُوْنَ کا صلہ علیٰ کیوں لایا گیا؟

جَوَاب: یُفْتَنُوْنَ چونکہ یُعْرَضُوْنَ کے معنی کو متضمن ہے اس لئے یُفْتَنُوْنَ کا صلہ علیٰ لایا گیا ہے۔

قَوْلَہٗ: تَجْرِیْ فِیْھَا اس اضافہ کا مقصد اس سوال کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول اِنَّ المتقین فی جنّٰتٍ وعُیُون سے معلوم ہوتا کہ متقی لوگ چشموں میں ہوں گے حالانکہ چشموں میں ہونے کا یا رہنے کا کوئی مطلب نہیں ہے مفسر علام نے تجری فیھا کہہ کر اس کا جواب دیا۔ جواب کا ماحصل یہ ہے کہ متقی ایسے باغوں میں ہوں گے جن میں نہریں جاری ہوں گی۔

قَوْلَہٗ: آخِذِیْنَ یہ اِن کی خبر محذوف کی ضمیر سے حال ہے، تقدیر عبارت یہ ہے کائِنُوْنَ فی جنّاتٍ وعُیُون حالَ کونِهِم، آخِذِیْنَ مَا اٰتٰھُمْ رَبُّھُمْ.

قَوْلَہٗ: مِنَ الثواب یہ ما کا بیان ہے،

قَوْلَہٗ: یَھْجَعُوْنَ ھجوعٌ سے رات کے سونے کو کہتے ہیں۔

قَوْلَہٗ: وبالاَسْحَارِ یَسْتَغْفِرُوْنَ کے متعلق ہے اور باء بمعنی فی ہے الاَسْحَار سحر کی جمع ہے رات کے سدسِ اخیر کو کہتے ہیں، یَسْتَغْفِرُوْنَ کا عطف یَھْجَعُوْنَ پر ہے۔

تفسیر وتشریح

سورۂ قٓ کے مانند سورۂ ذاریات میں بھی زیادہ تر مضامین آخرت اور قیامت، اس میں مردوں کے زندہ ہونے، حساب وکتاب اور ثواب وعذاب کے متعلق ہیں، پہلی چند آیات میں اللہ تعالیٰ نے چند چیزوں کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ قیامت کے متعلق جن چیزوں کا وعدہ کیا گیا ہے وہ سچا وعدہ ہے، جن چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے وہ چار ہیں ① الذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا ② الحَامِلَاتِ وِقْرًا ③ الجَارِیَاتِ یُسْرًا ④ المُقَسِّمَاتِ امرًا اور ان کا مقسم بہ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ وَاِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ ہے۔

مفسر علام نے پہلے مقسم بہ سے ہوائیں اور دوسرے مقسم بہ سے بادل اور تیسرے سے کشتیاں اور چوتھے سے فرشتے مراد لئے ہیں، اسی مفہوم کی ایک مرفوع روایت بھی ہے جس کو ابن کثیر نے ضعیف کہا ہے، اور حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے بھی موقوفاً مذکورہ مفہوم مروی ہے (قرطبی، درمنثور) الجَارِیَاتِ یُسْرًا اور المقسّمات اَمرًا کی تفسیر میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے، ایک جماعت نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ ان دونوں سے بھی ہوائیں مراد ہیں، یعنی پھر یہ ہوائیں بادلوں کو لیکر چلتی ہیں، اور پھر روئے زمین کے مختلف حصوں میں پھیل کر اللہ تعالیٰ کے حکم سے جہاں جتنا حکم ہوتا ہے، پانی تقسیم کرتی ہیں جو کہ رزق کا سبب ہے۔

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ اِنَّكُمْ لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ، حُبُك، حَبِیْكَةٌ کی جمع ہے، کپڑے کی دھاریوں کو کہتے ہیں،

دھاریاں چونکہ سڑک اور راستہ کے مشابہ ہوتی ہیں، اس لئے راستوں کو بھی حُبُك کہہ دیا جاتا ہے اور راستوں سے وہ راستے مراد ہو سکتے ہیں جن سے فرشتوں کی آمد و رفت ہوتی ہے، اور اس سے ستاروں اور سیاروں کے مدار بھی مراد ہو سکتے ہیں، اور چونکہ کپڑے کی دھاریاں کپڑے کی زینت ہوتی ہیں اس لئے بعض مفسرین نے حبك کا ترجمہ زینت والے آسمان سے کیا۔

اِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ مذکورہ قسم کا یہ مقسم بہ ہے، بظاہر اس کے مخاطب مشرکین مکہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے متعلق مختلف اور متضاد باتیں کیا کرتے تھے، کبھی مجنون، کبھی جادوگر، تو کبھی شاعر، تو کبھی کاہن وغیرہ کے لغو خطابات دیتے تھے، اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس کے مخاطب عام لوگ ہیں، مسلم ہوں یا کافر اور قول مختلف سے مراد یہ ہو کہ بعض تو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں اور بعض انکار و مخالفت سے پیش آتے ہیں۔ (مظهری، معارف)

اس اختلاف اقوال پر، متفرق شکلوں والے آسمان کی قسم تشبیہ کے طور پر کھائی گئی ہے یعنی جس طرح آسمان کے بادلوں اور تاروں کے جھرمٹوں کی شکلیں مختلف ہیں ان میں کوئی مطابقت اور یکسانیت نہیں پائی جاتی، اسی طرح آخرت کے متعلق تم لوگ بھانت بھانت کی بولیاں بول رہے ہو ہر ایک کی بات دوسرے سے مختلف ہے کوئی کہتا ہے کہ یہ دنیا ازلی و ابدی ہے اس میں کوئی شکست و ریخت نہیں ہو سکتی اور نہ قیامت برپا ہوگی، کوئی کہتا ہے کہ یہ نظام حادث ہے اور ایک دن یہ ختم ہو جائے گا، مگر انسان سمیت جو چیز فنا ہوگئی پھر اس کا اعادہ ممکن نہیں ہے، کوئی اعادہ کو تو ممکن مانتا ہے مگر اس کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان اپنے اچھے برے اعمال کا نتیجہ بھگتنے کے لئے پھر اسی دنیا میں بار بار جنم لیتا ہے، کوئی جنت و جہنم کا قائل ہے مگر اس کے ساتھ تناسخ کو بھی ملاتا ہے یعنی ان کا یہ خیال ہے کہ گنہگار جہنم میں جا کر سزا بھگتتا ہے اور پھر اس دنیا میں بھی سزا پانے کے لئے بار بار جنم لیتا رہتا ہے کوئی کہتا ہے کہ دنیا کی زندگی خود ایک عذاب ہے جب تک انسان کو دنیوی زندگی سے لگاؤ باقی رہتا ہے اس وقت تک وہ اس دنیا میں مر مر کر پھر جنم لیتا رہتا ہے اور اس کی حقیقی نجات (نروان) یہ ہے کہ وہ فنا (موکش) ہو جائے اور کوئی آخرت اور دوزخ و جنت کا تو قائل ہے مگر کہتا ہے کہ خدا نے اپنے اکلوتے بیٹے کو صلیب پر موت دے کر انسان کے ازلی گناہ کا کفارہ ادا کر دیا ہے اور اس بیٹے پر ایمان لا کر آدمی اپنے اعمال بد کے بُرے نتائج سے بچ جائے گا، اور کچھ ایسے لوگ بھی ہیں کہ جو آخرت اور جزاء و سزا ہر چیز کو مان کر بعض ایسے بزرگوں کو شفیع تجویز کرتے ہیں کہ جو اللہ کے ایسے پیارے ہیں یا اللہ کے یہاں ایسا زور اور پہنچ رکھتے ہیں کہ جو ان کا دامن گرفتہ ہو وہ دنیا میں سب کچھ کر کے بھی سزا سے بچ سکتا ہے۔

اقوال کا یہ اختلاف خود ہی اس امر کا ثبوت ہے کہ وحی رسالت سے بے نیاز ہو کر انسان نے اپنے اور اس دنیا کے انجام پر جب بھی کوئی رائے قائم کی ہے علم کے بغیر قائم کی ہے ورنہ اگر انسان کے پاس اس معاملہ میں فی الواقع براہ راست علم کا کوئی ذریعہ ہوتا تو اتنے مختلف اور متضاد عقیدے پیدا نہ ہوتے۔

يُؤْفَكُ عَنْهُ، اِفک کے لغوی معنی پھر جانے، منحرف ہو جانے کے ہیں، اور عَنْهُ کی ضمیر میں دو احتمال ہیں، ایک احتمال تو یہ ہے کہ یہ ضمیر قرآن اور رسول کی طرف راجع ہو اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ قرآن اور رسول سے وہی بدنصیب منحرف ہوتا ہے جس کے لئے محرومی مقدر ہو چکی ہے مفسر علام نے اسی احتمال کو اختیار کیا ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ عَنْهُ کی ضمیر قولٍ مختلفٍ کی طرف راجع ہو اور معنی یہ ہوں کہ تمہارے مختلف اور متضاد اقوال کی وجہ سے وہی شخص قرآن اور رسول کا منکر ہوتا ہے جو ازلی بدنصیب اور محروم ہی ہو۔

قُتِلَ الخرّاصُوْنَ، خرّاص کے لغوی معنی انداز لگانے والے اور ظن وتخمین سے باتیں کرنے والے کے ہیں، مراد کفار ہیں جو آنحضرت ﷺ کے بارے میں بلا کسی علم ودلیل کے مختلف اور متضاد باتیں کہتے تھے اس لئے خراصون کا ترجمہ کذابون سے بھی کردیا جائے تو بعید نہیں۔

کَانُوْا قَلِیْلاً مِّنَ اللَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ کفار اور منکرین کے ذکر کے بعد مومنین ومتقین کا ذکر کئی آیتوں میں آیا ہے، یَهْجَعُوْنَ، هجوعٌ سے مشتق ہے جس کے معنی رات کے سونے کے ہیں، ما، قلّت کی تاکید کے لئے ہے اس میں پرہیزگار مومنین کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ رات اللہ کی بندگی میں گذارتے ہیں، سوتے بہت کم ہیں، یہ تفسیر ابن جریر سے منقول ہے، اور حسن بصری سے بھی یہی تفسیر منقول ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قتادہ، مجاہد وغیرہ ائمہ تفسیر نے اس جملہ کا مطلب حرف ما کو نفی کے لئے قرار دے کر یہ بتلایا ہے کہ رات کو ان پر تھوڑا سا حصہ ایسا بھی آتا ہے جس میں وہ سوتے نہیں بلکہ عبادت نماز وغیرہ میں مشغول رہتے ہیں، اس مفہوم کے اعتبار سے وہ سب لوگ اس کا مصداق ہو جاتے ہیں جو رات کے کسی بھی حصے میں عبادت کرلیں خواہ شروع میں یا آخر میں یا درمیان میں، اسی لئے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوالعالیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا مصداق ان لوگوں کو قرار دیا ہے، جو مغرب وعشاء کے درمیان نماز پڑھتے ہیں۔ (ابن کثیر)

وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ محروم سے مراد وہ ضرورت مند ہے جو سوال سے اجتناب کرتا ہے، چنانچہ مستحق ہونے کے باوجود لوگ اسے نہیں دیتے، یہ قتادہ اور زہری کی رائے ہے (شوکانی) یا وہ شخص مراد ہے جس کا آفت ارضی وسماوی سے سب کچھ تباہ ہو جائے، یہ زید بن اسلم سے منقول ہے (فتح القدیر شوکانی) حسن اور محمد ابن الحنفیہ نے کہا ہے کہ محروم وہ شخص ہے کہ جو مال غنیمت اور مال فئی سے محروم رہے اس کے علاوہ بھی اور بہت سے اقوال ہیں۔

صدقہ وخیرات کرنے والوں کو خاص ہدایت:

اس آیت میں مومنین متقین کی یہ صفت بتلائی گئی ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے وقت صرف سائلین ہی کو نہیں دیتے بلکہ ایسے لوگوں کا بھی خیال رکھتے ہیں جو اپنی حاجت شرم وشرافت کی وجہ سے کسی پر ظاہر نہیں کرتے، مطلب یہ کہ یہ مومنین متقین صرف بدنی عبادت نماز روزہ اور شب بیداری پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ مالی عبادت میں بھی ان کا بڑا حصہ رہتا ہے، کہ سائلین کے علاوہ ایسے لوگوں پر بھی نظر رکھتے ہیں کہ جو شرافت وشرم کے سبب اپنی حاجت کسی پر ظاہر نہیں کرتے، اور یہ لوگ جن فقراء ومساکین پر خرچ کرتے ہیں ان پر کوئی احسان نہیں جتلاتے، بلکہ یہ سمجھ کر دیتے ہیں کہ ہمارے اموال خداداد میں ان کا بھی حق ہے اور حق دار کو اس کا حق پہنچا دینا کوئی احسان نہیں ہوا کرتا بلکہ ایک ذمہ داری سے اپنی سبکدوشی ہوا کرتی ہے۔

اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ یعنی جس طرح تم کو اپنے بولنے اور کلام کرنے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہوتا اسی طرح قیامت کا برپا ہونا بھی ایسا ہی واضح کھلا ہوا اور یقینی ہے کہ اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ (قرطبی)

هَلْ اَتٰىكَ خِطَابٌ للنبی صلی اللّٰه علیه وسلم حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۴﴾ وهُمْ مَلئِكةٌ اِثْنا عَشر اوعشرةٌ اوثلاثةٌ منهم جبْرِيلُ اِذْ ظَرفٌ لِحَدِيْثِ ضَيْفِ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ای هذا اللفظ قَالَ سَلٰمٌ ای هذا اللفظ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ لا نعْرِفُهم قال ذلك فی نفسه وهو خبرُ مُبْتدإٍ مُقدرٍ ای هؤلاء فَرَاغَ مَالَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ سِرًّا فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿۲۶﴾ وفی سُورةِ هُودٍ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ای مَشوِیٍّ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾ عرضَ عليهم الاكلَ فلم يُجِيْبُوا فَاَوْجَسَ اَضمَرَ فی نفسِه مِنْهُمْ خِيْفَةً قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ ذی عِلْم كثيرٍ هو اِسحاق كما ذُكِرَ فی سُورةِ هُودٍ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ سارةُ فِیْ صَرَّةٍ صَيْحَةٍ حالٌ ای جاءَتْ صائحةً فَصَكَّتْ وَجْهَهَا لَطَمتْه وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿۲۹﴾ لم تلِدْ قطُّ وعُمْرُها تسْعٌ وتسْعُونَ سَنةً وعُمرُ ابراهيم مِائةُ سنةٍ او عُمْرُهٗ مِائةٌ وَعِشْرُونَ سَنَةً وعمرها تسعونَ سَنَةً قَالُوْا كَذٰلِكِ ای مِثلَ قولِنا فی البِشارةِ قَالَ رَبُّكِ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ فی صُنعِه الْعَلِيْمُ ﴿۳۰﴾ بخلقِه قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ شانُكم اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ كافرينَ ای قومِ لُوطٍ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿۳۳﴾ مَطْبوخٍ بالنار مُّسَوَّمَةً مُعلَمَةً عليها اِسْمُ مَن يُرمٰی بها عِنْدَ رَبِّكَ ظرفٌ لها لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۴﴾ باتيانِهم الذكُورَ مع كُفرِهم فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا ای قری قومِ لُوطٍ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾ لاهلاكِ الكافِرينَ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وهُمْ لُوطٌ وابْنتاهُ وُصِفُوا بالايمانِ والاسلامِ ای هُمْ مُصدِّقونَ بقُلوبِهم عامِلونَ بجوارِحِهمُ الطّاعاتِ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ بعدَ اِهلاكِ الكافِرينَ اٰيَةً علامةً على اِهلاكِهم لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۳۷﴾ فلا يَفعَلونَ مِثلَ فِعلِهم وَفِیْ مُوْسٰٓى مَعطوفٌ على فيها المعنى وجعلنا فی قصةِ موسى اٰيةً اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ مُتَلَبِّسًا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ بحجةٍ واضحةٍ فَتَوَلّٰى اَعرضَ عنِ الايمانِ بِرُكْنِهٖ مع جُنُودِه لِاَنَّهم له كالرُّكنِ وَقَالَ لِمُوسٰى هو سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ طَرَحْناهم فِی الْيَمِّ البحرِ فغرِقوا وَهُوَ ای فرعونُ مُلِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اٰتٍ بما يُلامُ عليه من تكذيبِ الرُّسُلِ ودعوى الرُّبوبيةِ وَفِیْ اِهلاكِ عَادٍ اٰيةٌ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿۴۱﴾ هی التی لاخيرَ فيها لِاَنَّها لا تَحمِلُ المطرَ ولا تُلقِحُ الشجرَ وهی الدَّبُورُ مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ نفسٍ اومالٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ﴿۴۲﴾ كالبالی المُتفتّتِ وَفِیْ اِهلاكِ ثَمُوْدَ اٰيةٌ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ بعدَ عقرِ الناقةِ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۴۳﴾ ای الی انقضاءِ آجالِكم كما فی اٰيةِ تَمتَّعوا فی داركم ثلاثةَ اَيّامٍ فَعَتَوْا تكبّروا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ ای عن امتثالِه فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بعدَ مُضیِّ ثلاثةِ ايامٍ ای الصيحةُ المُهلِكةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾ ای بالنَّهارِ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ ای ماقدروا على النُّهوضِ حين نُزولِ

العذاب **وَمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ** عَلىٰ مَنْ اَهْلَكَهُم **وَقَوْمَ نُوْحٍ** بالجرّ عَطْفٌ علىٰ ثَمُوْدَ اى وفي اِهْلَاكِهِمْ بِمَاءِ السَّمَاءِ والارْضِ اٰيةٌ وبالنَّصْبِ اى وَاَهْلَكْنَا قومَ نُوحٍ **مِّنْ قَبْلُ** اى قبلَ اِهْلاكِ هٰؤُلاءِ المَذْكُوْرِيْنَ **اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ**

ع

ترجمہ: اے محمد ﷺ کیا ابراہیم علیہ السلام کے معزز مہمانوں کا واقعہ آپ تک پہنچا؟ اور وہ بارہ یا دس یا تین فرشتے تھے، ان میں جبرائیل علیہ السلام بھی تھے جبکہ وہ (مہمان) ان کے پاس آئے (اِذْ) حدیثُ ضَیْفِ کا ظرف ہے، تو انہوں نے سلام کیا یعنی لفظ سَلاَمًا کہا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی (جواب میں) لفظ سلام کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جی میں کہا یہ تو انجانے لوگ ہیں (قَومٌ منکرون) مبتداء مقدر کی خبر ہے اور وہ ھٰؤلاء ہے پھر وہ چپکے سے اپنے گھر والوں کے پاس گئے اور ایک (بھنا ہوا) فربہ بچھڑا لائے اور سورہ ہود میں ہے جاء بعجلٍ حَنِیْذٍ یعنی بھنا ہوا بچھڑا لائے، اور اسے ان کے سامنے رکھا اور کہا تم کھاتے کیوں نہیں ہو؟ یعنی ان کے سامنے کھانا رکھا لیکن انہوں نے توجہ نہ کی تو ان سے دل میں خوف زدہ ہوئے (یعنی) اپنے دل میں (خوف محسوس کیا) تو ان لوگوں نے کہا ڈرو مت بلاشبہ ہم تیرے پروردگار کے فرستادے ہیں اور انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو ایک ذی علم لڑکے کی خوشخبری دی یعنی کثیر العلم لڑکے کی اور وہ اسحق علیہ السلام تھے جیسا کہ سورۂ ہود میں مذکور ہوا تو ان کی بیوی سارہ چیختی ہوئی آگے بڑھی (فی صَرَّةٍ) حال ہے یعنی (تعجب سے) چیختی ہوئی آگے بڑھی اور اپنا منہ پیٹ لیا اور کہا بڑھیا بانجھ جس نے کبھی کچھ نہیں جنا اور ان کی عمر ننانوے سال تھی اور ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو سال تھی، یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال تھی اور ان کی بیوی کی عمر نوے سال تھی، فرشتوں نے کہا تیرے رب نے ایسا ہی فرمایا ہے یعنی ہماری بشارت کے مانند بلاشبہ وہ حکیم ہے اپنی صنعت میں اور باخبر ہے اپنی مخلوق کے بارے میں (حضرت) ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اے فرستادو! تم کو کیا مہم درپیش ہے؟ فرشتوں نے جواب دیا ہم کو مجرم کافر قوم کی طرف بھیجا گیا ہے یعنی قوم لوط کی طرف تا کہ ہم ان پر آگ میں پکے ہوئے مٹی کے کنکر برسائیں جو تیرے رب کی طرف سے نشان زدہ ہیں حد سے گذر جانے والوں کے لئے اغلام بازی کی وجہ سے ان کے ساتھ یعنی جس شخص کو جس کنکری کے ذریعہ ہلاک کیا جانا ہے اس پر اس کے نام کی علامت لگی ہوئی ہے (یعنی اس کا نام لکھا ہوا ہے) عِنْدَ رَبِّكَ، مُسَوَّمَةً کا ظرف ہے پس جتنے ایمان دار وہاں یعنی قوم لوط کی بستیوں میں موجود تھے ہم نے نکال لئے کافروں کو ہلاک کرنے کے لئے ہم نے وہاں مسلمانوں کا صرف ایک ہی گھر پایا اور وہ لوط علیہ السلام اور ان کی دو بیٹیوں کا گھرانہ تھا، اہل خانہ کا ایمان اور اسلام کے ساتھ وصف بیان کیا گیا ہے یعنی وہ اپنے قلوب سے تصدیق کرنے والے اور اپنے اعضاء سے طاعت پر عمل کرنے والے اور ہم نے اس بستی میں کافروں کو ہلاک کرنے کے بعد ان کی ہلاکت پر ان لوگوں کے لئے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں علامت چھوڑ دی تا کہ ان جیسی حرکت نہ کریں اور موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بھی اس کا عطف فیھا پر ہے اور معنی یہ ہیں اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بھی

علامت رکھی ہے کہ ہم نے اس کو واضح دلیل کے ساتھ فرعون کے پاس بھیجا تو فرعون نے مع اپنے لشکر کے ایمان سے اعراض کیا (لشکر کو رکن کہا ہے) اس لئے کہ لشکر اس کے لئے رکن کے مانند تھا، اور فرعون نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں کہا کہ وہ جادوگر یا باؤلا ہے بالآخر ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ کر سمندر میں پھینک دیا سو وہ سب کے سب غرق ہو گئے اور وہ یعنی فرعون تھا ہی ملامت کے قابل یعنی ایسی حرکت کرنے والا تھا کہ جس پر اس کو ملامت کی جائے (اور) وہ رسولوں کی تکذیب اور دعوائے ربوبیت ہے اور قوم عاد کو ہلاک کرنے میں بھی نشانی ہے جب ہم نے ان پر بانجھ (بے فیض) ہوا بھیجی وہ ایسی ہوا تھی کہ اس میں کوئی فیض نہیں تھا، اس لئے کہ وہ ہوا نہ تو حامل مطر تھی اور نہ درختوں کو بار آور کرنے والی، کہا گیا ہے کہ وہ جنوبی ہوا تھی وہ جس چیز پر بھی گذرتی تھی خواہ جان ہو یا مال اس کو بوسیدہ ہڈی کے مانند ریزہ ریزہ کر دیتی تھی اور ثمود کے ہلاک کرنے میں بھی نشانی ہے جب ان سے اونٹنی کو ہلاک کرنے کے بعد کہا گیا چند دن یعنی اپنی زندگی کی مدت پوری ہونے تک اور مزے اڑا لو جیسا کہ آیت تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ میں ہے، لیکن انہوں نے اپنے رب کے حکم یعنی اس کی بجا آوری سے سرتابی کی جس پر انہیں تین دن گذرنے کے بعد عذاب نے آپکڑا یعنی ایک مہلک چیخ نے، اور وہ (عذاب) کو روز روشن میں (کھلی آنکھوں سے) دیکھ رہے تھے پس نہ تو وہ کھڑے ہو سکے یعنی نزول عذاب کے وقت وہ کھڑے ہونے پر قادر نہ ہوئے اور نہ وہ ان کو ہلاک کرنے والے سے بدلہ ہی لے سکے، اور ان سے پہلے قوم نوح کا بھی یہی حال ہو چکا تھا یعنی ان مکذبین مذکورین کو ہلاک کرنے سے پہلے اور وہ بڑے نافرمان لوگ تھے۔

تَحقیق وَترکیب وَتسہیل وَتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: هَلْ اَتٰكَ حَدِیْثُ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ، هَلْ یہاں شوق دلانے، دلچسپی پیدا کرنے اور اس قصہ کی عظمت شان کو ظاہر کرنے کے لئے ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ هَلْ بمعنی قَدْ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ الخ میں هَلْ بمعنی قد ہے۔ (صاوی)

سُوَالْ: حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بطور مہمان آنے والے فرشتوں کی تعداد تین سے زیادہ تھی، جس کے لئے ضیوف جمع کا لفظ استعمال ہونا چاہئے، حالانکہ ضَیْفُ مفرد کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جَوَابْ: ضَیف چونکہ اصل میں مصدر ہے جس کا اطلاق واحد تثنیہ جمع سب پر ہوتا ہے لہٰذا کوئی اعتراض نہیں ہے۔

(صاوی)

قَوْلُہٗ: اِذْ دَخَلُوْا بعض حضرات نے کہا ہے کہ اِذْ دَخَلُوْا، اُذْكُرْ فعل محذوف کا ظرف ہے، اور وہی اس کا ناصب ہے اور بعض نے حدیث کو عامل بنایا ہے ای هَلْ اَتٰكَ حَدِیْثُهُمُ الْوَاقِعُ فِیْ وَقْتِ دخولهم علیه اور بعض حضرات نے الْمُكْرَمِیْن کو ناصب قرار دیا ہے اس لئے کہ حضرت ابراہیم نے آنے والے مہمانوں کا داخل ہونے کے وقت اکرام کیا تھا۔

قَوْلُہٗ: فَقَالُوْا سَلَامًا ،سَلَامًا مفعول مطلق ہے اس کا فعل ناصب سَلَّمْتُ محذوف ہے ای سَلَّمْتُ سَلَامًا یا نُسَلِّمُ علیکم سلامًا ہے مصدر جو کہ فعل کی بھی قائم مقامی کر رہا ہے، اس لئے فعل کو حذف کر دیا گیا۔

قَوْلُہٗ: قَالَ سَلَامٌ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواباً فرمایا سَلام، سَلَامٌ کا نکرہ ہونے کے باوجود مبتداء بننا صحیح ہے اس لئے کہ سلامٌ دعاء کے معنی کو متضمن ہے (لغات القرآن، درویش) ثبات و دوام پر دلالت کرنے کے لئے رفع کی جانب عدول کیا ہے تاکہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سلام مہمانوں کے سلام سے بہتر ہو جائے۔

قَوْلُہٗ: فَاَوْجَسَ اس نے پایا، اس نے محسوس کیا، یہ اِيْجَاسٌ سے ماضی واحد مذکر غائب ہے، اِيْجَاس کے معنی دل میں محسوس کرنا، اور دل میں مخفی آواز کا آنا۔ (لغات القرآن)

قَوْلُہٗ: اَضْمَرَ فِي نَفْسِهٖ کا اضافہ محض بیان معنی کے لئے ہے۔

قَوْلُہٗ: صَرَّة شدید چیخ پکار کو کہتے ہیں، صَرِيْرُ الباب دروازے کی آواز صَرِيْرُ القلم قلم کے لکھنے کی آواز اَقْبَلَتْ صَائِحَةً ای جَاءَتْ صَائِحَةً چیختی چلاتی آئی، اور بعض حضرات نے اَقْبَلَتْ کا ترجمہ اَخَذَتْ کیا ہے یعنی سارہ نے چیخنا چلانا شروع کر دیا، یہ اَقْبَلَتْ شَتَمَتْنِي کے قبیل سے ہے یعنی تو نے مجھے گالی دینی شروع کر دی۔

قَوْلُہٗ: فَصَكَّتْ وَجْهَهَا یعنی سارہ نے بڑھاپے میں فرزند کی خوشخبری سن کر تعجب سے اپنا منہ پیٹ لیا قَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ای اَنَا عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ فكَيْفَ اَلِدُ.

قَوْلُہٗ: كَذٰلِكِ یہ مصدر محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، ای قَالَ قولاً مِثْلَ ذٰلكَ الَّذِيْ قُلْنَا.

قَوْلُہٗ: قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ یہ جملہ مستانفہ ہے ایک سوال مقدر کا جواب ہے، گویا کہ کہا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرشتوں سے مذکورہ گفتگو کے بعد کیا کہا، جواب دیا: قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ.

قَوْلُہٗ: خَطْبٌ، خَطْبٌ کے معنی شان اور قصہ اور امر عظیم، اور کار مہم کے ہیں۔

قَوْلُہٗ: حِجَارَةً مِنْ طِيْنٍ مَطْبُوْخٍ بِالنَّارِ، حِجَارَةً یہ حَجَرٌ کی جمع ہے۔

سُوَال: مِنْ طِيْنٍ کے اضافہ کا کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: اس اضافہ کا مقصد احتمال مجاز کو دفع کرنا ہے اس لئے کہ بعض اوقات حجارة اور حَجَرٌ اولوں کو بھی کہا جاتا ہے، حِجَارَة کے مجازی معنی مراد ہوں تو مطلب ہوگا کہ قوم لوط کو اولوں کے ذریعہ ہلاک کیا گیا حالانکہ ایسا نہیں ہے، یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا طَائِرٌ يَطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اس میں يَطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ کے اضافہ کا مقصد احتمال مجاز کو دفع کرنا ہے، اس لئے کہ بعض اوقات تیز رفتار شخص کو بھی مجازاً طائر کہہ دیا جاتا ہے۔

سُوَال: مفسر علام نے مَطْبُوْخٌ بالنار کا اضافہ کس مقصد کے لئے کیا ہے؟

جَوَاب: یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ حجارہ مٹی کا نہیں ہوتا تو پھر یہاں مٹی کا پتھر کیوں کہا گیا ہے یہاں حجارة من طين سے آگ میں پکی ہوئی مٹی مراد ہے جو سختی اور صلابت میں پتھر ہی کے مثل ہوتی ہے، اسی کو سِجِّيْلٌ کہتے ہیں یہ درحقیقت سنگِ گل کا

معرب ہے، جس کو کنکر بھی کہا جاتا ہے۔

قولہ: مُسَوَّمَةً، مُسَوَّمة کے معنی معلّمة یعنی نشان زدہ کے ہیں مُسَوَّمَةً یا تو حِجَارَةً کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یا حِجَارَةً سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قولہ: عِندَ رَبِّكَ یہ مُسَوَّمَةً کا ظرف ہے ای مُعَلَّمَةً عندهُ.

قولہ: فَاَخرَجنَا مَنْ کان فِیهَا یہاں سے اللہ تعالیٰ کا کلام شروع ہو رہا ہے، سابق میں حضرت ابراہیم اور فرشتوں کی گفتگو نقل کی گئی تھی۔

سوال: فِیهَا کا مرجع قریٰ قوم لوط ہیں، حالانکہ ماقبل میں اس کا کہیں ذکر نہیں ہے اس میں اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے۔

جواب: چونکہ قریٰ قوم لوط معروف اور معہود فی الذہن تھے اس لئے ضمیر لانا درست ہے جیسے کہ مندرجہ ذیل شعر میں محبوب کے معروف یا معہود فی الذہن ہونے کی وجہ سے بغیر سابق میں ذکر کے ضمیر لائی گئی ہے۔

پوچھو پتہ نہ اُن کا آگے بڑھے چلو ہوگا کسی گلی میں فتنہ جگا ہوا

قولہ: وفِی موسیٰ اس کا عطف فِیهَا پر ہے اور تَرَکْنَا کے تحت میں ہے، جیسا کہ مفسر علام نے جَعَلْنَا فی قصةِ موسیٰ آیةً کہہ کر اشارہ کر دیا ہے یعنی ہم نے چشم بصیرت رکھنے والوں کے لئے موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بھی عبرت کا سامان رکھ دیا ہے اور وفی موسیٰ کا عطف فیهَا پر ہے۔

قولہ: مَعَ جُنُوْدِهٖ کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ بِرُکْنِهٖ میں باء بمعنی مع ہے۔

قولہ: سَاحِرٌ اَوْمَجْنُوْنٌ اَوْ بمعنی واؤ بھی ہو سکتا ہے اور یہی زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دونوں لقبوں سے یاد کرتے تھے قرآن کریم نے ایک جگہ فرعونیوں کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا اِنَّ هٰذا لَسَاحِرٌ عَلِیْمٌ اور دوسری جگہ فرعونیوں کا قول حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نقل کرتے ہوئے فرمایا رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اَوْ بمعنی واؤ ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ اَوْ، عَلٰی بَابِهَا ہو اور مراد قوم کو تشکیک اور ابہام کے ذریعہ دھوکا دینا ہو۔

قولہ: وجُنُودَهٗ یہ بھی درست ہے کہ اَخَذْنَاهُ کی ضمیر مفعولی پر عطف ہو یہ کہ مفعول معہ ہو اور یہی ظاہر ہے۔

قولہ: عَقِیْم بانجھ عورت الریحُ العقیمُ سے مراد وہ ہوا ہے جو بے فیض بلکہ مضر ہو، نہ مثمر شجر ہو اور نہ حامل مطر اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ وہ ہوا دَبُور (پچھوا) تھی، حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، آپ نے فرمایا نُصِرْتُ بِالصَّبَاء واهلکت عاد بالدبور اور بعض نے جنوبی ہوا مراد لی ہے۔

قولہ: لَاتُلْقِحُ، اِلْقَاحٌ سے بمعنی حاملہ کرنا، بار آور کرنا، مادہ لقحٌ ہے (س) لَقَحًا حاملہ ہونا۔

قولہ: اَلصَّعِقَةُ صاعقۃ آسمانی بجلی کو بھی کہتے ہیں اور چیخ و چنگھاڑ کو بھی کہتے ہیں یہاں یہی دوسرے معنی مراد ہیں تاکہ دوسری آیت اِنّ عذابهم الصیحة کے مخالف نہ ہو۔

قولہ: عَلٰی مَنْ اَهْلَكَهُمْ یہ وما کَانُوْا مُنْتَصِرِیْنَ کی تفسیر ہے، یعنی وہ اپنے ہلاک کرنے والے پر غالب نہ آسکے یا اس سے انتقام نہ لے سکے، مگر یہ معنی درست نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے نہ کوئی انتقام لینے پر قادر ہے اور نہ غالب آنے پر لہٰذا بہتر ہوتا کہ علامہ محلی بجائے علی مَنْ اَهْلَكَهُمْ کے وما کَانُوا دَافِعِین عَنْ اَنْفُسِهِم العذابَ فرماتے۔

تفسیر وتشریح

هَلْ اَتٰكَ حَدِیْثُ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ یہاں سے رکوع کے آخر تک آپ ﷺ کی تسلی کے لئے چند انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور بعض گذشتہ قوموں کے انجام کی طرف مختصر اشارات کئے گئے ہیں، ان واقعات میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا واقعہ پہلا واقعہ ہے، یہ واقعہ قرآن مجید میں پہلے بھی سورۂ ہود اور سورۂ عنکبوت میں گذر چکا ہے، هَلْ یا تو بمعنی قَد ہے یا استفہام تشویق وتعظیم کے لئے ہے، ضَیْف اگر چہ واحد ہے مگر مصدر ہونے کی وجہ سے اس کا اطلاق قلیل وکثیر سب پر ہوتا ہے، یہ مہمان انسانی شکل میں آئے تھے، ان کے بارے میں ایک دوسری آیت میں فرمایا گیا بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ مہمان بنکر انسانی شکل میں آنے والے فرشتوں کی تعداد کتنی تھی اس میں مختلف اقوال ہیں، ایک قول یہ ہے کہ تین تھے، جبرائیل، میکائیل، اسرافیل۔

(فتح القدیر)

فرشتوں نے آکر سلام کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بہتر طریقہ سے جواب دیا، اور اپنے دل میں کہا انجانے لوگ معلوم ہوتے ہیں، یا اپنے اہل کے پاس جاتے ہوئے اپنے کسی خادم وغیرہ سے کہا مطلب یہ ہے کہ خود مہمانوں سے نہیں فرمایا اس لئے کہ بظاہر یہ بات نامناسب معلوم ہوتی ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود مہمانوں سے فرمایا ہو کہ آپ حضرات سے کبھی اس سے پہلے شرف نیاز حاصل نہیں ہوا آپ شاید اس علاقہ میں نئے نئے تشریف لائے ہیں۔

فَرَاغَ اِلٰی اَهْلِهٖ چپکے سے خاموشی کے ساتھ مہمانوں کے کھانے کا انتظام کرنے کے لئے گھر میں تشریف لے گئے تاکہ مہمان تکلفاً یہ نہ کہیں کہ اس تکلف کی کیا ضرورت ہے؟

آدابِ مہمانی:

ابن کثیر نے فرمایا کہ اس آیت میں مہمان کے لئے چند آدابِ میزبانی کی تعلیم ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ پہلے مہمانوں سے پوچھا نہیں کہ میں آپ کے لئے کھانا لاتا ہوں، اور مہمان نوازی کے لئے ان کے پاس جو سب سے اچھی چیز موجود تھی کھانے کے لئے پیش کی، بچھڑا ذبح کیا اس کو بھونا اور لے آئے دوسری بات یہ کہ مہمانوں کو اس بات کی تکلیف نہیں دی کہ ان کو کھانے کی طرف بلاتے بلکہ جہاں وہ بیٹھے تھے وہیں لاکر ان کے سامنے پیش کر دیا، مگر کھانا سامنے رکھنے کے باوجود جب مہمانوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تو پوچھا آپ کھاتے کیوں نہیں؟ اور ساتھ ہی اپنے دل میں خوف محسوس کیا، غالباً اس ملک کا دستور تھا کہ مہمان اگر کوئی برا خیال رکھتا یا اس کا ارادہ تکلیف پہنچانے کا ہوتا تو وہ کھانا نہ کھاتا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب

ان نووارد مہمانوں کو کھانے سے دست کش پایا تو دل میں اندیشہ کیا کہ مبادا ان کا کوئی شر کا ارادہ ہو، مہمان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اندیشہ کو سمجھ گئے اس لیے کہ اس وقت کے چوروں اور ظالموں میں بھی یہ شرافت تھی کہ جس کا کچھ کھالیا تو پھر اس کو نقصان نہیں پہنچاتے تھے اس لئے نہ کھانے سے شبہ ہوتا تھا کہ آنے والے کی نیت خیر نہیں معلوم ہوتی، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اندیشہ کو دور کرنے کے لئے فرمایا، ڈرو نہیں، ہم کھانے سے دستکش اس لئے نہیں کہ ہم کوئی برا ارادہ لیکر آئے ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم بصورت انسانی فرشتے ہیں ہم کھایا نہیں کرتے اور اپنے فرشتے ہونے کی تائید میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک دانشمند ذی علم فرزند کی خوشخبری بھی دیدی کہ اللہ تعالیٰ تم کو ایک لڑکا عطا کرے گا جو ایسا اور ویسا ہوگا، اور یہ خوشخبری جمہور کے نزدیک حضرت اسحق کی تھی جیسا کہ سورۂ ہود میں اس کی صراحت موجود ہے۔

فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِي صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا (الخ) صَرَّۃٌ غیر معمولی آواز کو کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ حضرت سارہ جو کہ قریب ہی کہیں کھڑی تھیں جب یہ سنا کہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بچے کی پیدائش کی خوشخبری دے رہے ہیں تو غیر اختیاری طور پر حضرت سارہ کے منہ سے کچھ الفاظ حیرت اور تعجب کے نکلے تو کہا "عجوز عقیم" اول میں بڑھیا پھر بانجھ جس کے جوانی میں کچھ نہیں ہوا، اب بڑھاپے میں کیا امید کی جاسکتی ہے، اس کے جواب میں فرشتوں نے کہا "کذلک" یعنی اللہ تعالیٰ کو سب قدرت ہے یہ کام یوں ہی ہوگا، چنانچہ بشارت کے مطابق جب حضرت اسحق علیہ السلام پیدا ہوئے تو سارہ کی عمر ننانوے سال اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو سال تھی۔ (قرطبی، معارف)

اس گفتگو سے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہوگیا کہ یہ مہمان اللہ کے فرشتے ہیں تو آپ نے دریافت فرمایا آپ کس مہم پر تشریف لائے ہیں، خطب، اہم اور عظیم کام کو کہتے ہیں، چونکہ فرشتوں کا انسانی شکل میں اور وہ بھی جماعت کی شکل میں آنا کسی اہم اور عظیم الشان کام ہی کے لئے ہوتا ہے اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ ان حضرات کی آمد کسی اہم کام کے سلسلے میں ہے، اسی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوال کیا فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ اے فرستادو! آپ کو کیا مہم درپیش ہے، فرشتوں نے جواب دیا، ہم کو ایک مجرم قوم کی طرف عذاب دینے کے لئے بھیجا گیا ہے، اور مجرم قوم سے قوم لوط علیہ السلام مراد ہے۔

مُسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ وہ کنکریاں تیرے رب کی طرف سے نشان زدہ ہیں کہ اس کے ذریعہ کس مجرم کی سرکوبی ہونی ہے، سورۂ ہود اور الحجر میں اس عذاب کی تفصیل یہ بتائی گئی ہے کہ ان کی بستیوں کو پلٹ دیا گیا اور اوپر سے پکی ہوئی مٹی کے پتھر برسا دیئے گئے، کنکریوں پر کیا علامت لگی ہوئی تھی؟ بعض مفسرین نے کہا کہ ان کنکریوں پر سیاہ وسفید دھاریاں تھیں اور یہ بھی کہا گیا ہے سیاہ سرخ دھاریاں تھیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہر کنکری پر اس مجرم کا نام لکھا ہوا تھا جس کی اس کے ذریعہ سرکوبی کرنی تھی۔

(فتح القدیر شوکانی)

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (الآية) مطلب یہ ہے کہ عذاب آنے سے پہلے ان کو آگاہ کردیا گیا تھا اور اس بستی سے نکل جانے کا حکم دیا تھا تاکہ وہ عذاب سے محفوظ رہیں، اور یہ حضرت لوط علیہ السلام کا گھر تھا جس میں ان کی دو بیٹیاں

اور کچھ ان پر ایمان لانے والے تھے، کہتے ہیں کہ یہ کل تیرہ آدمی تھے ان میں حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی شامل نہیں تھی، بلکہ وہ اپنی قوم کے ساتھ عذاب سے ہلاک ہونے والوں میں تھی۔ (ایسر التفاسیر)

وَتَرَكْنَا فِيهَا آيَةً لِلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ اس کے بعد ہم نے بس ایک نشانی ان لوگوں کے لئے چھوڑ دی جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں۔

وہ نشانی کیا تھی؟

بعض مفسرین حضرات نے ان نشان زدہ کنکریوں کو نشانی قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس نشانی سے مراد بحیرۂ مردار (Dead Sea) ہے جس کا جنوبی علاقہ آج بھی تباہی و بربادی کے آثار پیش کر رہا ہے، ماہرین آثار قدیمہ کا اندازہ ہے کہ قوم لوط کے بڑے شہر غالباً شدید زلزلے سے زمین کے اندر دھنس گئے تھے اور ان کے اوپر بحیرۂ مردار کا پانی پھیل گیا تھا کیونکہ اس بحیرہ کا وہ حصہ جو ''اللسان'' نامی چھوٹے سے جزیرہ نما کے جنوب میں واقع ہے صاف طور پر بعد کی پیداوار معلوم ہوتا ہے اور قدیم بحیرۂ مردار کے جو آثار اس جزیرہ نما کے شمال تک نظر آتے ہیں وہ جنوب میں پائے جانے والے آثار سے بہت مختلف ہیں، اس لئے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جنوب کا حصہ پہلے اس بحیرہ کی سطح سے بلند تھا بعد میں کسی وقت دھنس کر اس کے نیچے چلا گیا اس کے دھنسنے کا زمانہ بھی دو ہزار قبل مسیح کے لگ بھگ معلوم ہوتا ہے اور یہی تاریخی طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کا زمانہ ہے، ۱۹۶۵ء میں آثار قدیمہ کی تلاش کرنے والی ایک امریکی جماعت کو اللسان پر ایک بہت بڑا قبرستان ملا ہے جس میں بیس ہزار سے زیادہ قبریں ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قریب میں کوئی بڑا شہر ضرور آباد تھا مگر کسی ایسے شہر کے آثار آس پاس کہیں موجود نہیں ہیں، جس سے متصل اتنا بڑا قبرستان بن سکتا ہو، اس سے بھی اس شبہ کی تقویت ہوتی ہے کہ جس شہر کا یہ قبرستان تھا وہ بحیرہ میں غرق ہو چکا ہے، بحیرہ کے جنوب میں جو علاقہ ہے اس میں اب بھی ہر طرف تباہی کے آثار موجود ہیں اور زمین میں گندھک، رال، تارکول، اور قدرتی گیس کے اتنے بڑے ذخائر پائے جاتے ہیں کہ جنہیں دیکھ کر گمان ہوتا ہے کہ کسی وقت بجلیوں کے گرنے سے یا زلزلے کا لاوا نکلنے سے یہاں ایک جہنم پھٹ پڑی ہوگی۔

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ بِقُوَّةٍ **وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ** ﴿۴۷﴾ لَهَا قَادِرُونَ يُقَالُ آدَ الرَّجُلُ يَئِيدُ قَوِيَ وَأَوْسَعَ الرَّجُلُ صَارَ ذَا سَعَةٍ وَقُدْرَةٍ **وَالْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا** مَهَّدْنَاهَا **فَنِعْمَ الْمَاهِدُونَ** ﴿۴۸﴾ نَحْنُ **وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ** مُتَعَلِّقٌ بِقَوْلِهِ **خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ** صِنْفَيْنِ كَالذَّكَرِ وَالْأُنْثَى وَالسَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَالشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَالسَّهْلِ وَالْجَبَلِ وَالصَّيْفِ وَالشِّتَاءِ وَالْحُلْوِ وَالْحَامِضِ وَالنُّورِ وَالظُّلْمَةِ **لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ** ﴿۴۹﴾ بِحَذْفِ إِحْدَى التَّائَيْنِ مِنَ الْأَصْلِ فَتَعْلَمُونَ أَنَّ خَالِقَ الْأَزْوَاجِ فَرْدٌ فَتَعْبُدُونَهُ **فَفِرُّوا إِلَى اللَّهِ** أَيْ إِلَى ثَوَابِهِ مِنْ عِقَابِهِ بِأَنْ تُطِيعُوهُ وَلَا تَعْصُوهُ **إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ مُبِينٌ** ﴿۵۰﴾ بَيِّنُ

الإنذار وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ يُقدرُ قبل ففرُّوا قُل لهم كَذٰلِكَ مَاۤ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا هو سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝ اى مثل تكذيبهم لك بقولهم إنَّكَ ساحرٌ او مجنونٌ تكذيبُ الأمَمِ قبلهم رُسُلَهم بقولهم ذلك اَتَوَاصَوْا كُلُّهم بِهٖ ۚ استفهامٌ بمعنى النفي بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝ جمعهم على هذا القول طُغيانُهم فَتَوَلَّ اعرِض عَنْهُمْ فَمَاۤ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ۝ لأنك بلّغتهم الرّسالة وَذَكِّرْ عِظْ بالقرآن فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ من علِمه الله تعالى انّه يُؤمِنُ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ ولا ينافي ذلك عدم عبادة الكافرين لأنّ الغاية لا يلزمُ وُجودُها كما في قولك بريتُ هذا القلمَ لأكتُبَ به فإنّك قد لا تكتُبُ به مَاۤ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ لي ولأنفسهم وغيرهم وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ۝ ولا أنفسهم ولا غيرهم اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝ الشديد فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا أنفسهم بالكفر من أهل مكّة وغيرهم ذَنُوْبًا نصيبًا من العذاب مِّثْلَ ذَنُوْبِ نصيب اَصْحٰبِهِمْ الهالكين قبلهم فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ۝ بالعذاب إن أخّرتُهم الى يوم القيامة فَوَيْلٌ شدّة عذاب لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ في يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ۝ اى يوم القيامة

ترجمہ: اور آسمان کو ہم نے اپنی قدرت قوت سے بنایا اور بلاشبہ ہم وسیع القدرت ہیں (یعنی) ہم اس پر قادر ہیں بولا جاتا ہے اٰدَ الرَّجُلُ يَئِيْدُ آدمی قوی ہوگیا (اور بولا جاتا ہے) اَوْسَعَ الرَّجُلُ آدمی وسعت وقدرت والا ہوگیا اور ہم نے زمین کو بچھایا سو ہم کیسے اچھے بچھانے والے ہیں اور ہم نے ہر چیز کو جوڑے جوڑے بنایا مثلاً نر اور مادہ، آسمان اور زمین، شمس اور قمر، میدان اور پہاڑ، گرمی اور سردی، شیریں اور ترش، نور اور ظلمت تاکہ تم سبق لو (تَذَكَّرُوْن) میں اصل سے دو تاؤں میں سے ایک کو حذف کر کے تاکہ تم جان لو کہ ازواج کا خالق، فرد ہے (جوڑے کا پیدا کرنے والا اجوڑ ہے) لہٰذا اس کی بندگی کرو (اے محمد ﷺ آپ ان سے کہئے) کہ اللہ کی طرف دوڑو یعنی اس کے عذاب سے اس کے ثواب کی جانب، بایں طور کہ اس کی اطاعت کرو اور اس کی نافرمانی نہ کرو یقیناً میں تم کو اس کی طرف سے صاف صاف تنبیہ کرنے والا ہوں اور اس کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ ٹھہراؤ میں تم کو اس کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں (فَفِرُّوْا) سے پہلے قُلْ لَهُمْ مقدر مانا جائے گا اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے گذرے ہیں ان کے پاس جو بھی رسول آیا ان سے کہہ دیا کہ یہ جادوگر ہے یا دیوانہ یعنی جس طرح یہ لوگ اپنے قول اِنَّكَ سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ کے ذریعہ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں اسی طرح انہی کلمات کے ذریعہ ان سے پہلی امتوں نے بھی اپنے رسولوں کی تکذیب کی کیا اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کر مرے ہیں؟ یہ استفہام بمعنی نفی ہے (نہیں) بلکہ یہ سب کے سب سرکش لوگ ہیں ان کی سرکشی نے ان کو اس بات پر جمع کر دیا ہے تو آپ ان سے منہ پھیر لیں آپ پر کوئی ملامت نہیں اس لئے کہ آپ نے تو ان کو پیغام پہنچا دیا اور آپ قرآن کے ذریعہ نصیحت کرتے ہیں یقیناً یہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دے گی، جس کے بارے میں اللہ کو علم ہے کہ وہ ایمان لائے گا، میں نے جنات کو اور انسانوں کو محض اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری بندگی

کریں اور یہ (مقصد تخلیق) کافروں کے عبادت نہ کرنے کے منافی نہیں ہے اس لئے کہ غایت کا وجود لازم نہیں ہوتا جیسا کہ تو کہے کہ میں نے یہ قلم بنایا ہے لکھنے کے لئے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ اس قلم سے نہیں لکھتے نہ میں ان سے اپنے لئے روزی چاہتا ہوں نہ خود ان کے لئے اور نہ ان کے غیر کے لئے اور نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں اور نہ خود ان کو اور نہ ان کے غیر کو اللہ تو خود ہی سب کو رزق دینے والا نہایت قوت والا ہے بلاشبہ مکہ وغیرہ کے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے کفر کے ذریعہ اپنے اوپر ظلم کیا عذاب کی باری ہے ان کے ان ہم مشربوں کی باری کے مانند جو ان سے پہلے ہلاک ہو چکے لہٰذا وہ مجھ سے عذاب طلب کرنے میں جلدی نہ مچائیں اگر میں ان کو قیامت تک مہلت دیدوں ان کافروں کے لئے بڑی خرابی یعنی سخت عذاب ہوگی اس دن کے آنے سے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے یعنی قیامت کا دن۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا جمہور نے وَالسَّمَاءَ پر اور وَالْأَرْضَ پر علی سبیل الاشتغال نصب پڑھا ہے، تقدیر عبارت یہ ہے وَبَنَيْنَا السَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا، وَفَرَشْنَا الْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا اور ابوالسماک اور ابن مقسم نے دونوں جگہ مبتداء ہونے کی وجہ سے رفع پڑھا ہے، اور ان دونوں کا مابعد ان کی خبر ہے، اول یعنی نصب اولیٰ ہے، جملہ فعلیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر ہونے کی وجہ سے۔

قولہ: وَإِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ یہ جملہ شارح کی تقریر کی رو سے حال مؤکدہ ہے، اس لئے کہ شارح نے یہ بات متعین کردی ہے کہ مُوْسِعُوْنَ، قَادِرُوْنَ کے معنی میں ہے لہٰذا مُوْسِعُوْنَ اَوْسَعَ لازم سے ہوگا، اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے اَوْرَقَ الشَّجَرُ ای صَارَ ذَا وَرَقٍ جب یہ بات سمجھ میں آگئی کہ لَمُوْسِعُوْنَ شارح کی تقریر کے مطابق لازم ہے تو پھر جلالین کے جن نسخوں میں لَمُوْسِعُوْنَ کے بعد لَهَا ہے وہ صحیح نہیں ہے، البتہ ان لوگوں کے نزدیک جنہوں نے لَمُوْسِعُوْنَ کو متعدی کہا ہے ان کے نزدیک لَهَا صحیح ہوگا، اور اس صورت میں لَمُوْسِعُوْنَ حال مؤسسہ ہوگا جو ایک نیا فائدہ دے گا۔

قولہ: خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ.

سوال: زوجین کی سات مثالیں کیوں دیں؟ جبکہ ایک مثال بھی کافی ہوسکتی تھی؟

جواب: متعدد مثالیں دیکر اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ جوڑے اور زوج کی جو بات ہے یہ محسوسات تک محدود ہے تاکہ عرش کرسی، لوح محفوظ، قلم کو لیکر اعتراض نہ ہو۔

قولہ: استفهام بمعنی النفی مطلب یہ ہے کہ اولین و آخرین کو نبیوں کی تکذیب کرنے میں یکساں اور ایک ہی بات کہنے پر جمع کرنے والی چیز ایک دوسرے کو وصیت کرنا نہیں ہے اس لئے کہ زمانے مختلف ہیں لہٰذا تواصی ممکن نہیں ہے، بلکہ اصل سبب اور علت مشترکہ بغاوت، عناد اور سرکشی ہے جو دونوں فریقوں میں بدرجہ اتم موجود ہے۔

قَوْلُہٗ: لِاَنَّ الْغَایَۃَ لَا یَلْزَمُ شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا مقصد اس عبارت کے اضافہ سے اس شبہ کو دفع کرنا ہے کہ لِیَعْبُدُوْنِ میں لام علت باعثہ کے لئے ہے یعنی جن وانس کو پیدا کرنے کی علت اور غرض عبادت ہے، اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال معلّل بالاغراض ہوں حالانکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل معلل بالاغراض نہیں ہوتا، اس کا جواب دیا کہ لِیَعْبُدُوْنِ میں لام عاقبۃ اور صیرورت کے لئے ہے جس کو علت غائیہ بھی کہتے ہیں، نہ کہ علت باعثہ کے لئے۔

قَوْلُہٗ: وَلَا یُنَافِی ذٰلِکَ عَدَمُ عِبَادَۃِ الکافِرِینَ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: جب جن وانس کی تخلیق کی علت غائیہ عبادت ہے تو ہر انسان کو عبادت کرنی چاہئے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ کافر اللہ کی بندگی نہیں کرتے؟

جَوَاب: غایۃ کا وقوع ضروری اور لازم نہیں ہوتا مثلاً آپ ایک قلم بناتے ہیں لکھنے کے لئے مگر بعض اوقات اس سے نہیں لکھتے، حالانکہ آپ کے قلم بنانے کی غرض اور غایت لکھنا ہی ہے۔ دوسرا جواب بعض حضرات نے یہ دیا ہے کہ یہاں **عباد** سے مراد عباد مومنین ہیں جو کہ تعمیم بعد التخصیص کے قبیل سے ہے، اور مومنین ایمان کے اعتبار سے عبادت گذار ہوتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: لِاَنْفُسِہِمْ اس کلمہ کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کا دفع کرنا ہے۔

شبہ: عام طور پر دنیوی سادات اور غلاموں کے مالکوں کی یہ عادت اور طریقہ ہوتا ہے کہ غلام خریدنے کا مقصد ان سے اپنے لئے اور خود غلاموں کے نفقہ کے لئے کسب کرانا ہوتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ کا بھی یہی مقصد ہے؟

دفع: عام مالکوں کی طرح اللہ تعالیٰ کی نہ یہ عادت ہے اور نہ ضرورت ہے بلکہ وہ تو خود اپنے بندوں کو روزی دیتا ہے۔

قَوْلُہٗ: ذَنُوْبًا ذال کے فتح کے ساتھ ذنبٌ کی جمع ہے بڑے ڈول کو کہتے ہیں، اصطلاحی اور عرفی معنی میں، حصہ، باری کو کہتے ہیں۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

ربط:

سابقہ آیات میں قیامت وآخرت کا بیان اور اس کے منکرین پر عذاب کا ذکر تھا، ان آیات میں حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بیان ہے اور روز قیامت زندہ کرنے اور ان سے حساب کتاب لینے پر جو مشرکین کو تعجب تھا اس کا ازالہ ہے، نیز توحید کا اثبات اور رسالت پر ایمان کی تاکید ہے۔

بَنَیْنٰھَا بِاَیْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ، اَیْدٌ قوت وقدرت کے معنی میں آتا ہے، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے یہاں یہی معنی لئے ہیں لَمُوْسِعُوْنَ، مُوْسِعُوْنَ، مُوْسِعٌ کی جمع ہے اس کے معنی طاقت وقدرت رکھنے والے کے بھی ہو سکتے ہیں اس صورت میں یہ لازم ہوگا اور وسیع کرنے والے کے بھی ہیں، اس معنی کے اعتبار سے متعدی ہوگا، اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہ آسمان ہم نے کسی کی مدد وتعاون سے نہیں بلکہ اپنے دست قدرت اور زور قوت سے بنایا ہے، پھر یہ تصور تم لوگوں کے دماغ میں آخر کیسے آگیا کہ ہم تمہیں دوبارہ پیدا نہ کر سکیں گے؟ دوسرے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہے کہ اس عظیم کائنات میں ہم مسلسل

وسعت کر رہے ہیں اور ہر آن اس میں ہماری تخلیق کے نئے نئے کرشمے رونما ہوتے رہتے ہیں، ایسی زبردست خلاق ہستی کو آخر تم نے اعادہ سے عاجز کیوں سمجھ رکھا ہے؟ اور کہا گیا ہے کہ رزق میں وسعت کرنا مراد ہے ای اِنَّا لَموسِعُوْنَ الرزقَ بالمطر جوہری نے کہا ہے: اَوْسَعَ الرجُلُ، صَارَ ذَا سِعَةٍ وغنیً.

فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰهِ دوڑو اللہ کی طرف، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا، مراد یہ ہے کہ اپنے گناہوں سے توبہ کرکے اللہ کی طرف رجوع کرو، حضرت جنید بغدادی اور ابوبکر وراق نے فرمایا کہ نفس اور شیطان معاصی کی طرف دعوت دیتے ہیں تم ان سے بھاگ کر اللہ کی پناہ لو وہ تمہیں ان کے شر سے بچالے گا۔ (قرطبی)

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ یعنی ہم نے جنات اور انسان کو محض عبادت کے لئے پیدا کیا ہے، اس میں ظاہر نظر میں دو اشکال پیدا ہوتے ہیں جس کا جواب اجمالی طور پر تحقیق و ترکیب کے زیر عنوان ہو چکا ہے اس کی مزید تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

اعتراض اول:

یہ ہے کہ جس مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے کسی خاص کام کے لئے پیدا کیا ہے اور اس کی مشیت بھی یہی ہے کہ یہ مخلوق اس کام کو کرے، تو عقلی طور پر یہ ناممکن اور محال ہوگا کہ پھر وہ مخلوق اس کام سے انحراف کر سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت کے خلاف کوئی کام محال ہے۔

اعتراض اول کا پہلا جواب:

پہلے اشکال کے جواب میں بعض مفسرین نے اس مضمون کو صرف مومنین کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے یعنی ہم نے مومن جنات اور مومن انسانوں کو بجز عبادت کے اور کام کے لئے پیدا نہیں کیا اور یہ بات ظاہر ہے کہ مومن کم وبیش عبادت کے پابند ہوتے ہیں کم از کم ایمان کے پابند تو ہوتے ہیں جو کہ اہم عبادت بلکہ اصل عبادت ہے، یہ قول ضحاک اور سفیان وغیرہ کا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک قراءت آیت مذکورہ میں اس طرح ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ اس قراءت سے بھی اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ یہ مضمون صرف مومنین کے حق میں آیا ہے۔

مذکورہ اعتراض کا دوسرا جواب:

مذکورہ اعتراض کا ایک جواب یہ بھی ہے کہ اس آیت میں ارادۂ الٰہیہ سے مراد ارادۂ تکوینی نہیں ہے جس کے خلاف کا وقوع محال ہوتا ہے، بلکہ ارادۂ تشریعی مراد ہے یعنی یہ کہ ہم نے ان کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ ہم ان کو عبادت کے لئے مامور کریں، اور امر الٰہی چونکہ انسانی اختیار کے ساتھ مشروط ہوتا ہے، اس کے خلاف کا وقوع محال نہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام بندوں کو عبادت

کا حکم دیدیا ہے مگر ساتھ ہی اختیار بھی دیا ہے، اس لئے جس نے خداداد اختیار کو صحیح استعمال کیا تو وہ عبادت میں لگ گیا اور جس نے غلط استعمال کیا وہ عبادت سے منحرف ہو گیا یہ حضرت علی رَضِوَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے بغوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے نقل کیا ہے۔ (معارف)

مذکورہ اعتراض کا تیسرا جواب:

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن وانس کی تخلیق اس انداز پر کی ہے کہ ان میں استعداد اور صلاحیت عبادت کرنے کی ہو چنانچہ ہر جن وانس کی فطرت میں یہ استعداد قدرتی موجود ہے پھر کوئی اس استعداد کو صحیح مصرف میں خرچ کرکے کامیاب ہوتا ہے اور کوئی اس استعداد کو اپنے معاصی اور شہوات میں ضائع کر دیتا ہے اور اس مضمون کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، آپ نے فرمایا کُلُّ مولُودٍ یُوْلَدُ علی الفطرۃِ فَاَبَوَاہُ یُهَوِّدَانِهٖ اَوْ یُمَجِّسَانِهٖ یعنی پیدا ہونے والا ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو اس کی فطرت سے ہٹا کر کوئی یہودی بنا دیتا ہے تو کوئی مجوسی بنا دیتا ہے اور فطرت سے مراد اکثر علماء کے نزدیک دین اسلام ہے اس آیت کا بھی یہی مطلب ہے۔ (مظہری، معارف)

دوسرا اشکال:

دوسرا اشکال یہ ہے کہ اس آیت میں جن وانس کی تخلیق کو صرف عبادت میں منحصر کر دیا ہے، حالانکہ ان کی پیدائش کے علاوہ دوسرے فوائد ومقاصد اور حکمتیں بھی موجود ہیں۔

دوسرے اشکال کا جواب:

دوسرے اشکال کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حصر اضافی ہے حقیقی نہیں، لہٰذا کسی مخلوق کو عبادت کے لئے پیدا کرنا اس سے دیگر فوائد ومنافع کی نفی نہیں کرتا۔

﴿ تمت ﴾

سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ تسعٌ وَّاربعُوْنَ آيَةً.

سورۂ طور مکی ہے انچاس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَالطُّوْرِ (۱) اى الجَبَلِ الَّذِى كَلَّمَ اللّٰهُ عليه مُوسى **وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ (۲) فِىْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ (۳)** اى التَّورٰةِ او القُراٰنِ **وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ (۴)** هُوفى السَّماءِ الثَّالِثَةِ او السَّادِسَةِ اَوِ السَّابِعَةِ بِحِيَالِ الكَعْبَةِ يَزُوْرُهُ فِى كُلِّ يَومٍ سَبْعُون اَلْفَ مَلَكٍ بِالطَّوَافِ والصَّلٰوةِ لَا يَعُودُونَ إِليه اَبَدًا **وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ (۵)** اى السَّماءِ **وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ (۶)** اى المَمْلُوءِ **اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ (۷)** لَنَازِلٌ بِمُسْتَحِقِّه **مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ (۸)** عنه **يَّوْمَ** مَعْمُولٌ لِوَاقِعٍ **تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا (۹)** تَتَحَرَّكُ وتَدُورُ **وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا (۱۰)** تَصِيرُ هَبَاءً مَّنْثُورًا وذلك فى يَومِ القيمَةِ **فَوَيْلٌ** شِدَّةُ عذَابٍ **يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ (۱۱)** لِلرُّسُلِ **الَّذِيْنَ هُمْ فِىْ خَوْضٍ** بَاطلٍ **يَّلْعَبُوْنَ (۱۲)** اى يَتَشَاغَلُونَ بِكُفْرِهِم **يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا (۱۳)** يُدْفَعُونَ بِعُنْفٍ بَدَلٌ من يَومَ تَمُورُ ويُقَالُ لهم تَبْكِيتًا **هٰذِهِ النَّارُ الَّتِىْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ (۱۴) اَفَسِحْرٌ هٰذَآ** العذابُ الَّذِى تَرَوْنَ كما كُنْتُمْ تَقُولُونَ فِى الوَحْيِ هٰذا سِحْرٌ **اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ (۱۵) اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا** عليها **اَوْ لَا تَصْبِرُوْا** صَبْرُكُم وجَزَعُكم **سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ** لِاَنَّ صَبْرَكُم لَا يَنْفَعُكم **اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۱۶)** اى جَزَائَهُ **اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِىْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ (۱۷) فٰكِهِيْنَ** مُتَلَذِّذِيْنَ **بِمَآ** مَصْدَرِيَّةٌ **اٰتٰهُمْ** اعطاهم **رَبُّهُمْ وَوَقٰهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ (۱۸)** عَطْفٌ على آتاهم اى بِإِتْيَانِهِم ووِقَايَتِهم ويُقَالُ لهم **كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـئًا** حالٌ اى مُتَهَنِّئِيْنَ **بِمَا** البَاءُ سَبَبِيَّةٌ **كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۱۹) مُتَّكِـِٕيْنَ** حالٌ من الضَّميرِ المُسْتَكِنِّ فى قولِه تعالى فِىْ جَنّٰتٍ **عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ** بَعْضُها الى جَنْبِ بَعْضٍ **وَزَوَّجْنٰهُمْ** عَطْفٌ على فِى جَنّات اى قَرَنّاهم **بِحُوْرٍ عِيْنٍ (۲۰)** عِظامِ الاَعْيُنِ حِسَانِها **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** مُبْتَدأٌ **وَاتَّبَعَتْهُمْ** مَعْطُوفٌ على آمَنُوا **ذُرِّيَّتُهُمْ** الصِغار والكِبَار **بِاِيْمَانٍ** مِنَ الكِبَارِ ومِنَ الآبَاءِ فى الصّغارِ والخَبَرُ **اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ** المَذْكُورِينَ فى الجَنَّةِ فَيَكُونُونَ فِى دَرَجَتِهِم وإن لم يَعْمَلُوا بِعَمَلِهِم تَكْرِمَةً للآبَاءِ بِاجْتِمَاعِ الاَوْلَادِ اِلَيْهِم **وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ** بِفَتْحِ اللَّامِ وكَسْرِهَا نَقَصْنَاهم **مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ** زَائِدَةٌ **شَىْءٍ** يُرَادُ

فِي عَمَلِ الْاَوْلَادِ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ عَمِلَ مِنْ خَيْرٍ او شَرٍّ رَهِيْنٌ مَرْهُوْنٌ يُؤْخَذُ بِالشَّرِّ ويُجَازَى بالخَيْرِ وَأَمْدَدْنٰهُمْ زِدْنَاهُمْ فِي وَقْتٍ بَعْدَ وَقْتٍ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ وإن لَمْ يُصَرِّحُوا بِطَلَبِهِ يَتَنَازَعُوْنَ يَتَعَاطُوْنَ بَيْنَهُمْ فِيْهَا اى الجَنَّةِ كَأْسًا خَمْرًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا اى بِسَبَبِ شُرْبِهَا يَقَعُ بَيْنَهُمْ وَلَا تَأْثِيْمٌ بِهِ يَلْحَقُهُمْ بِخِلَافِ خَمْرِ الدُّنْيَا وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ لِلْخِدْمَةِ غِلْمَانٌ اَرِقَّاءُ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ حُسْنًا وَنَظَافَةً لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ مَصُوْنٌ فِي الصَّدَفِ لِاَنَّهُ فِيْهَا اَحْسَنُ مِنْهُ فِي غَيْرِهَا وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَاءَلُوْنَ يَسْأَلُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا عَمَّا كَانُوْا عَلَيْهِ وَمَا وَصَلُوْا اِلَيْهِ تَلَذُّذًا وَاعْتِرَافًا بِالنِّعْمَةِ قَالُوْا اِيْمَاءً اِلٰى عِلَّةِ الْوُصُوْلِ اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْ اَهْلِنَا فِي الدُّنْيَا مُشْفِقِيْنَ خَائِفِيْنَ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا بِالْمَغْفِرَةِ وَوَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ اى النَّارِ لِدُخُوْلِهَا فِي الْمَسَامِّ وَقَالُوْا اِيْمَاءً اَيْضًا اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ اى فِي الدُّنْيَا نَدْعُوْهُ اى نَعْبُدُهُ مُوَحِّدِيْنَ اِنَّهٗ بِالْكَسْرِ اسْتِئْنَافًا وَاِنْ كَانَ تَعْلِيْلًا مَعْنًى وَبِالْفَتْحِ تَعْلِيْلًا لَفْظًا هُوَ الْبَرُّ الْمُحْسِنُ الصَّادِقُ فِي وَعْدِهِ الرَّحِيْمُ الْعَظِيْمُ الرَّحْمَةِ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، قسم ہے طور کی یعنی اس پہاڑ کی جس پر اللہ نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہمکلامی کا شرف بخشا اور قسم ہے لکھی ہوئی کتاب کی جو کھلے ہوئے کاغذ میں ہے یعنی تورات کی یا قرآن کی، اور قسم ہے بیت المعمور کی وہ تیسرے یا چھٹے یا ساتویں آسمان پر کعبۃ اللہ کے بالمقابل ہے روزانہ طواف اور نماز کے لئے ستر ہزار فرشتے اس کی زیارت کرتے ہیں آئندہ ان کا کبھی نمبر نہ آئے گا، اور قسم ہے اونچی چھت یعنی آسمان کی اور قسم ہے بھرے ہوئے دریا کی بلاشبہ تیرے رب کا عذاب اس کے مستحق پر نازل ہونے والا ہے اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے جس دن آسمان تھرتھرانے لگے گا یعنی حرکت اور گردش کرنے لگے گا اور پہاڑ (اپنی جگہ سے) چلنے لگیں گے اور اڑتے ہوئے غبار ہو جائیں گے اور یہ قیامت کے دن ہوگا، پس ہلاکت یعنی سخت عذاب ہے اس دن رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کے لئے جو کہ باطل میں بھٹک رہے ہیں یعنی اپنے کفر میں مشغول ہیں جس دن وہ دھکے دے دے کر نار جہنم کی طرف لیجائے جائیں گے، سختی کے ساتھ دھکے دیئے جائیں گے، یَوْمَ تَمُوْرُ سے بدل ہے اور ان کو لاجواب کرنے کے لئے کہا جائے گا یہ وہی دوزخ ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے تو کیا یہ عذاب جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے جادو ہے جیسا کہ تم وحی کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ یہ جادو ہے یا تم کو سوجتا نہیں ہے دوزخ میں داخل ہو جاؤ اس پر صبر کرو یا نہ کرو تمہارا صبر کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہیں اس لئے کہ تمہارا صبر کرنا تم کو کوئی فائدہ نہ دے گا تم کو ویسا ہی بدلہ ملے گا جیسے تم اعمال کرتے تھے یعنی تمہارے اعمال ہی کا بدلہ ملے گا متقی لوگ بلاشبہ باغوں میں اور سامانِ عیش میں ہوں گے مزے لے رہے ہوں گے لطف اٹھا رہے ہوں گے ان چیزوں سے جو ان کو ان کے رب نے عطا کی ہوں گی اور ان کا پروردگار ان کو جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھے گا (وَوَقٰهُمْ) کا عطف آتاھم پر ہے

یعنی ان کو دینے سے اور حفاظت کرنے سے، اور ان سے کہا جائے گا خوب کھاؤ پیو مزے کے ساتھ (هَنِيْئًا) حال ہے معنی میں مُتَهَنِّيْنَ کے ہے اپنے اعمال کے سبب سے وہ برابر بچھے ہوئے تختوں پر ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے (مُتَّكِئِيْنَ) اللہ تعالیٰ کے قول فِـي جَنّٰتٍ میں ضمیر مستتر سے حال ہے اور ان کا بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں والی حوروں سے جوڑا لگادیں گے اور جو لوگ ایمان لائے یہ مبتداء ہے اور ایمان میں ان کی نابالغ اور بالغ اولاد نے ان کی پیروی کی وَاتَّبَعَتْهُمْ کا عطف آمَنُوْا پر ہے بالغین کو خود ان کے ایمان کی وجہ سے اور صغار کو ان کے آباء کے ایمان کی وجہ سے جنت میں ان کے پاس پہنچادیں گے، جس کی وجہ سے اولاد ان کے آباء کے درجہ میں ہوگی، آباء کے اکرام کے طور پر ان کی اولاد کو ان کے ساتھ جمع کر کے، اگرچہ اولاد نے اپنے آباء جیسا عمل نہ کیا ہو، اور اجر کی جو مقدار ان کی اولاد کے حق میں زیادہ کی گئی ہے اس مقدار کو ہم ان کے آباء کے اجر سے کم نہ کریں گے اَلَتْنٰهُمْ میں لام کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے مِنْ شَيْءٍ میں مِن زائدہ ہے، ہر شخص اپنے اعمال کے عوض گروی ہے خواہ عمل خیر ہو یا شر رَهِيْنٌ بمعنی مَرْهُوْنٌ ہے، اعمال بد کی وجہ سے مواخذہ کیا جائے گا اور اعمال خیر کی جزاء دی جائے گی، اور ہم ان کے لئے روز افزوں میوے اور گوشت کی جس قسم کا ان کو مرغوب ہوگا اگرچہ صراحۃً مطالبہ نہ کیا ہو خوب ریل پیل رکھیں گے اور جنت میں (خوش طبعی کے طور پر) جام شراب کی آپس میں چھینا جھپٹی کیا کریں گے اور ان کی شراب نوشی کی وجہ سے نہ بیہودہ گوئی ہوگی نہ بدکرداری جو شراب نوشی کی وجہ سے ان کو لاحق ہو، بخلاف دنیاوی شراب کے اور ان کے پاس خدمت کے لئے ایسے لڑکے آمد و رفت رکھیں گے جو خاص انہی کے لئے ہوں گے اور وہ حسن و نظافت میں ایسے ہوں گے گویا کہ صدف میں بحفاظت رکھے ہوئے موتی ہیں، اس لئے کہ وہ موتی جو صدف میں ہوتا ہے وہ اس موتی سے بہتر ہوتا ہے جو صدف میں نہیں ہوتا اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر باتیں کریں گے (یعنی) آپس میں ایک دوسرے سے ان کاموں کے بارے میں معلوم کریں گے جو وہ (دنیا) میں کیا کرتے تھے، اور اس کے بارے میں بھی جو ان کو عطا ہوا، اور یہ سب کچھ تلذذ اور اعتراف نعمت کے طور پر ہوگا، اور سبب وصول کی علت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہیں گے ہم تو اس سے پہلے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بہت ڈرا کرتے تھے سو اللہ نے ہم پر مغفرت کر کے بڑا احسان کیا، اور ہم کو نارِ جہنم سے بچالیا (نارِ جہنم کو سموم اس لئے کہتے ہیں) کہ وہ مسامات میں داخل ہو جاتی ہے اور بطور اشارہ وہ یہ بھی کہیں گے کہ ہم تو اس سے پہلے دنیا میں اسی کو پکارتے تھے یعنی توحید کے ساتھ اس کی بندگی کرتے تھے اور وہ واقعی بڑا محسن و مہربان ہے عظیم الرحمت ہے، (إِنَّهُ) کسرہ کے ساتھ استیناف ہے اگرچہ معنی تعلیل ہے اور (أَنَّهُ) فتحہ کے ساتھ لفظاً تعلیل ہے، اَلْبَرُّ کے معنی اس محسن کے ہیں جو اپنے وعدہ میں صادق ہو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: وَالطُّوْرِ طور عربی زبان میں پہاڑ کو کہتے ہیں، یہ بعض اہل لغت نے تصریح کی ہے کہ طور ہرے بھرے پہاڑ کو کہتے ہیں، جب اس پر الف لام داخل ہو تو طور سے جزیرہ نمائے سینا کا ایک مخصوص و متعین پہاڑ مراد ہوتا ہے، یہ وہی پہاڑ ہے جو مصر

ومدین کے درمیان واقع ہے، موسیٰ علیہ السلام کو اسی پہاڑ پر تجلی ہوئی تھی، اور اسی پہاڑ پر آپ کو خلعتِ کلیمی سے نوازا گیا تھا۔

(لغات القرآن)

قَوْلُہٗ: فِی رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ رَقٌّ کاغذ، ورق، جھلی، اس کی جمع رُقُوقٌ بالفتح کثیرًا وبالکسر قلیلًا.

قَوْلُہٗ: المَسْجُور اسم مفعول واحد مذکر، بھرا ہوا، اس کے معنی نہایت گرم کے بھی آتے ہیں (ن) سُجُوْرًا گرم کرنا، بھرنا۔

قَوْلُہٗ: یُدَعُّوْنَ، دَعٌّ سے جمع مذکر غائب مضارع مجہول، ان کو دھکے دیکر ہنکایا جائے گا۔

قَوْلُہٗ: یومَ یُدَعُّوْنَ، تَمُوْرُ السَّمَاءُ مَوْرًا سے بدل ہے۔

قَوْلُہٗ: تَمُوْرُ (ن) مَوْرًا پھٹنا، لرزنا۔

قَوْلُہٗ: بِمَا میں ما مصدریہ۔

سَوَال: ما کو مصدریہ کیوں قرار دیا گیا؟

جَوَاب: ما کو مصدریہ قرار دینے کی یہ وجہ ہے کہ اگر ما کو موصولہ مانا جائے تو معطوف میں صلہ یعنی وَقٰھُمْ کا عائد سے خالی ہونا لازم آتا ہے، اس لئے کہ فعل نے اپنا مفعول، ھُوَ لے لیا اور صلہ بغیر عائد کے رہ گیا حالانکہ صلہ جب جملہ ہو تو عائد کا ہونا ضروری ہے اور یہ بھی درست ہے کہ ما موصولہ ہو اور جملہ وَوَقٰھُمْ جملہ مستانفہ یا بہ تقدیر قد حالیہ ہو۔

قَوْلُہٗ: وَاِنْ کَانَ تعلیلًا معنًی، اِنَّہٗ کو اگر کسرہ کے ساتھ پڑھا جائے تو یہ جملہ مستانفہ ہوگا لیکن معنی کے اعتبار سے نَدْعُوْہُ کی علت ہوگی، مطلب یہ کہ ہم اس کی بندگی اس لئے کرتے تھے کہ وہ محسن اور رحیم ہے اور اگر اَنَّہٗ فتحہ کے ساتھ پڑھا جائے تو نَدْعُوْہُ کی لفظاً علت ہوگی۔

تفسیر وتشریح

سورۃ الطُّور:

نام پہلے ہی لفظ والطُّور سے ماخوذ ہے، اس کے پہلے رکوع کا موضوع آخرت اور آخرت کی شہادت دینے والے حقائق کا بیان ہے، اور چند حقائق و آثار کی قسم کھا کر پورے زور کے ساتھ یہ فرمایا گیا ہے کہ قیامت واقع ہو کر رہے گی کسی میں طاقت نہیں کہ اس کو روک سکے، اس کے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ جب قیامت واقع ہوگی تو اس کے جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوگا، اور قیامت کے وقوع کو مان کر تقویٰ اختیار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ طرح طرح کے انعامات سے نوازیں گے۔

اس کے بعد دوسرے رکوع میں مشرکین مکہ اور سردارانِ قریش کو ان کے اس رویے پر تنقید کی گئی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے مقابلہ میں اختیار کئے ہوئے تھے، سردارانِ قریش عوام کو آپ کے خلاف بہکاتے اور آپ سے متنفر کرنے کی کوشش کرتے، کبھی آپ کو کاہن کہتے اور کبھی شاعر بتاتے تو کبھی جادوگر کا خطاب دیتے، اور کبھی مجنون اور دیوانہ بتاتے تا کہ لوگ آپ کی

دعوت کی طرف سنجیدگی سے توجہ نہ کریں۔

والطور طور عبرانی زبان میں اس پہاڑ کو کہتے ہیں جو خوب ہرا بھرا ہو، یہاں طور سے مراد طور سینین ہے جو ارض مدین میں واقع ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شرف ہمکلامی بخشا گیا تھا، طور کی قسم کھانے میں اس کی خاص تعظیم وتشریف کی طرف اشارہ ہے، **کتاب مسطور**، **مسطور** کے معنی ہیں لکھی ہوئی چیز یہاں مراد یا تو انسان کا اعمال نامہ ہے یا لوح محفوظ، یا قرآن مجید یا کتب منزلہ ہیں، رقٌ باریک چمڑا یا جھلی جس پر لکھا جاتا تھا۔

وَالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ بیت معمور آباد گھر کو کہتے ہیں، بیت معمور ساتویں آسمان پر بیت اللہ کے مقابلہ میں فرشتوں کا عبادت خانہ ہے، ستر ہزار فرشتے اس میں روزانہ عبادت کرتے ہیں جن فرشتوں کی باری ایک مرتبہ آگئی پھر قیامت تک نہ آئے گی، بیہقی نے شعب میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے **اَلْبَيْتُ الْمَعْمُوْرُ فی السماء السابعةِ يدخله كلّ يوم سبعون الف ملكٍ لا يعودون اليه** بعض حضرات نے بیت معمور سے خانہ کعبہ مراد لیا ہے۔

والبحر المسجور مَسْجُوْر، سجر سے مشتق ہے اسم مفعول کا صیغہ ہے، جو متعدد معنی میں مستعمل ہے، ایک معنی آگ بھڑکانے کے ہیں، بعض مفسرین نے اس جگہ یہی معنی مراد لئے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ اس سے وہ پانی مراد ہے جو زیر عرش ہے جس سے قیامت کے روز بارش نازل ہوگی اس سے مردہ جسم زندہ ہو جائیں گے، بعض کہتے ہیں اس سے مراد سمندر ہیں ان میں قیامت کے دن آگ بھڑک اٹھے گی، جیسے فرمایا **وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ** اور بعض حضرات نے مسجور کے معنی **مملوءٌ** کے لئے ہیں، امام طبری نے اور صاحب جلالین نے اسی قول کو اختیار کیا ہے **اِنَّ عذابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ** یہ مذکورہ قسموں کا جواب ہے۔

يَوْمَ تَمُوْرُ السَّمَاءُ مَوْرًا، مَوْرٌ کے معنی حرکت واضطراب کے ہیں، قیامت کے دن آسمان کے نظم میں جو اختلال اور کواکب وسیارگان کی ٹوٹ پھوٹ کی وجہ سے جو اضطراب واقع ہوگا اس کو ان الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے، **يَوْمَ تَمُوْرُ السَّمَاءُ مَوْرًا** یوم مذکورہ عذاب کے لئے ظرف ہے۔

بشرطِ ایمان بزرگوں سے تعلق نسبی آخرت میں نفع دے گا:

وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ یہ مضمون سورۂ رعد آیت ۲۳ اور سورۂ مومن آیت ۸ میں بھی گذر چکا ہے مگر یہاں ان دونوں آیتوں سے زائد جو بات فرمائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اگر اولاد کسی نہ کسی درجہ ایمان میں بھی اپنے آباء کے نقش قدم کی پیروی کرتی رہی ہو خواہ اپنے عمل کے لحاظ سے وہ اس مرتبے کی مستحق نہ ہو جو آباء کو ان کے بہتر ایمان وعمل کی بناء پر حاصل ہوگا پھر بھی یہ اولاد اپنے آباء کے ساتھ ملا دی جائے گی، اور یہ ملانا اس نوعیت کا نہ ہوگا جیسے وقتاً فوقتاً کوئی کسی کی ملاقات کر لیا کرے بلکہ اس کے لئے **اَلْحَقْنَا بِهِمْ** کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، جن کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کے آباء کے ساتھ جنت ہی میں رکھے جائیں گے، اس پر مزید اطمینان دلایا گیا ہے کہ اولاد سے ملانے کے لئے آباء کا درجہ گھٹا کر نیچے نہیں

اتارا جائے گا بلکہ آباء سے ملانے کے لئے اولاد کا درجہ بڑھا دیا جائے گا۔

اس مقام پر یہ بات سمجھنے کے قابل ہے کہ یہ ارشاد اس بالغ اولاد کے بارے میں ہے جس نے سن شعور کو پہنچ کر اپنے اختیار اور ارادہ سے ایمان لانے کا فیصلہ کیا ہو، رہی مومن کی وہ اولاد جو سن رشد کو پہنچنے سے پہلے ہی مرگئی ہو تو اس کے معاملہ میں کفر و ایمان طاعت و عصیان کا سرے سے کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا انہیں تو ویسے ہی ان کے والدین یا ان میں سے کسی ایک کے تابع کر کے ان کے والدین کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے کے لئے جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

طبرانی نے حضرت سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ابن عباس نے فرمایا، اور میرا گمان یہ ہے کہ انہوں نے اس کو رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ جب کوئی شخص جنت میں داخل ہوگا تو اپنے ماں باپ بیوی اور اولاد کے متعلق پوچھے گا (وہ کہاں ہیں؟) اس سے کہا جائے گا کہ تمہارے درجہ کو نہیں پہنچے (اس لئے ان کا جنت میں الگ مقام ہے) یہ شخص عرض کرے گا اے میرے پروردگار میں نے جو عمل کیا وہ اپنے لئے اور ان سب کے لئے کیا تھا تو حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے حکم ہوگا کہ ان کو بھی اسی درجۂ جنت میں ان کے ساتھ رکھا جائے۔ (ابن کثیر)

وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ، اِیلَاتٌ کے معنی کم کرنے کے ہیں، آیت کے معنی یہ ہیں کہ صالحین کی اولاد ان کے درجۂ عمل سے بڑھا کر صالحین کے ساتھ ملحق کر دی جائے گی ملحق کرنے کے لئے ایسا نہیں کیا گیا کہ صالحین کے عمل میں کچھ کم کر کے ان کی اولاد کا عمل پورا کیا جاتا بلکہ اپنے فضل سے ان کے برابر کر دیا جائے گا، اور ہر شخص کے اپنے عمل میں مرہون ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال کا جواب دہ ہوگا، جزاء یا سزا جو بھی ہوگی وہ اسی کے عمل کی مکافات ہوگی ایسا نہیں ہوگا کہ کسی دوسرے کا گناہ اس کے سر ڈال دیا جائے۔

فَذَكِّرْ دُمْ علی تذکیرِ المُشرکینَ ولَا ترجعْ عنه لقولِهم لك کاہنٌ مجنونٌ **فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ** ای بِاِنعامِه علیك **بِكَاهِنٍ** خبرُ ما **وَّلَا مَجْنُوْنٍ**﴿۲۹﴾ معطوفٌ علیه **اَمْ** بل **یَقُوْلُوْنَ** ہو **شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَیْبَ الْمَنُوْنِ**﴿۳۰﴾ حوادِثَ الدَّہرِ فیہلِكُ کغیرِہ مِنَ الشُّعَراءِ **قُلْ تَرَبَّصُوْا** اِہلاکِی **فَاِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِیْنَ**﴿۳۱﴾ ہلاکَکُم فعُذِّبُوا بالسَّیفِ یومَ بَدرٍ والتَّربُّصُ الاِنتِظارُ **اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ** عُقولُہم **بِهٰذَآ** ای قولِہم له ساحِرٌ کاہنٌ شاعِرٌ مجنونٌ ای لَا تأمُرُہم بذلِك **اَمْ** بل **هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ**﴿۳۲﴾ بِعِنادِہم **اَمْ یَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ** اِختَلَقَ القُراٰنَ لَمْ یَختَلِقْهُ **بَلْ لَّا یُؤْمِنُوْنَ**﴿۳۳﴾ اسْتِکبارًا فاِنْ قالُوا اختَلَقَہ **فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ** مُختَلَقٍ **مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ**﴿۳۴﴾ فِی قولِہم **اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ** ای خالِقٍ **اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ**﴿۳۵﴾ اَنفُسَہم ولا یُعقَلُ مَخلُوقٌ بدُونِ خالِقٍ ولا مَعدُومٌ یخلُقُ فلَا بُدَّ لہم من خالِقٍ ہو اللّٰہُ الواحِدُ فلِمَ لا یُوَحِّدُونَہ ویُؤمِنُونَ برَسُولِه وکِتابِه **اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ** ولا یَقدِرُ علی خَلقِہما اِلّا اللّٰہُ الخالِقُ فلِمَ لا یَعبُدُونَه **بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ**﴿۳۶﴾ والّا لَاٰمَنوا بنَبِیّه **اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ**

مِنَ النُّبُوَّةِ والرِّزْقِ وغيرِهما فَيَخُصُّوا مَنْ شاءُ وا بِمَا شَاءُ وا أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ ﴿٣٧﴾ المُتَسَلِّطُونَ الجَبَّارُون وفِعْلُه صيطر ومِثْلُه بَيْطَرَ وبَيْقَرَ أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ مِرْقَى الى السَّمَاءِ يَسْتَمِعُونَ فِيهِ اى عليه كَلَامَ المَلَائِكَةِ حَتّى يُمْكِنَهم مُنَازَعَةُ النَّبي صلى الله عليه وسلم بِزَعْمِهم إن ادَّعُوا ذلك فَلْيَأْتِ مُسْتَمِعُهُمْ اى مُدَّعِي الاِسْتِمَاعِ عليه بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ ﴿٣٨﴾ بِحُجَّةٍ بَيِّنَةٍ واضِحَةٍ ولِشِبْهِ هٰذا الزَّعْمِ بِزَعْمِهم أَنَّ المَلَائِكَةَ بَنَاتُ اللّٰهِ قَالَ تعالى أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ اى بِزَعْمِكم وَلَكُمُ الْبَنُونَ ﴿٣٩﴾ تعالى اللّٰهُ عَمَّا زَعَمُوه أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا على ما جِئْتَهم به مِنَ الدِّينِ فَهُمْ مِنْ مَغْرَمٍ غُرْمٍ لك مُثْقَلُونَ ﴿٤٠﴾ فَلَا يُسْلِمُونَ أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ اى عِلْمُه فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿٤١﴾ ذلك حتى يُمْكِنَهم مُنَازَعَةُ النبي صلى الله عليه وسلّم فِي البَعْثِ وَأَمْرِ الآخِرَةِ بِزَعْمِهم أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا بك لِيُهْلِكُوك فِي دَارِ النَّدْوَةِ فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ ﴿٤٢﴾ المَغْلُوبُونَ المُهْلَكُونَ فَحَفِظَه اللّٰهُ منهم ثم أَهْلَكَهُم بِبَدْرٍ أَمْ لَهُمْ إِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٤٣﴾ به مِنَ الآلِهَةِ والاِسْتِفْهَامُ بِأَمْ فِي مَوَاضِعِها لِلتَّقْبِيحِ والتَّوْبِيخِ وَإِنْ يَرَوْا كِسْفًا بَعْضًا مِنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا عليهم كَمَا قَالُوا فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِنَ السَّمَاءِ اى تَعْذِيبًا لهم يَقُولُوا هٰذا سَحَابٌ مَرْكُومٌ ﴿٤٤﴾ مُتَرَاكِبٌ نُرْتَوِي به وَلَا يُؤْمِنُوا فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ﴿٤٥﴾ يَمُوتُونَ يَوْمَ لَا يُغْنِي بَدَلٌ مِنْ يَوْمِهِم عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿٤٦﴾ يُمْنَعُونَ مِنَ العَذَابِ فِي الآخِرَةِ وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا بِكُفْرِهم عَذَابًا دُونَ ذٰلِكَ اى فِي الدُّنيا قبلَ موتِهم فَعُذِّبُوا بِالجُوعِ والقَحْطِ سَبْعَ سِنِينَ وبالقتلِ يَوْمَ بَدْرٍ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٧﴾ ان العذاب يَنْزِلُ بهم وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ بِإِمْهَالِهم ولا يَضِيقُ صدرُك فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا بِمَرْأَى مِنَّا نَرَاك ونَحْفَظُك وَسَبِّحْ مُتَلَبِّسًا بِحَمْدِ رَبِّكَ اى قُلْ سُبْحَانَ اللّٰهِ وبِحَمْدِه حِينَ تَقُومُ ﴿٤٨﴾ مِنْ مَنَامِكَ او مِنْ مَجْلِسِكَ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ حَقِيقَةً ايضًا وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ﴿٤٩﴾ مَصْدَرٌ اى عَقِبَ غُرُوبِها ايضًا او صَلِّ فى الاَوَّلِ العِشَائَيْنِ وفى الثَّانِي سُنَّةَ الفَجْرِ وقيل الصُّبْحَ.

ترجمہ: تو آپ سمجھاتے رہیں (یعنی) مشرکین کو سمجھانے کی پابندی رکھیں، اوران کے آپ کو کاہن مجنون کہنے کی وجہ سے سمجھانے سے کنارہ کشی نہ کریں، اس لئے کہ آپ اپنے رب کے فضل سے یعنی آپ پر اس کے انعام سے نہ کاہن ہیں اور نہ مجنون بِکَاهِنٍ، مَا کی خبر ہے اور وَلَا مَجْنُونٍ اس پر معطوف ہے کیا کافریوں کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے ہم اس پر زمانہ کے حوادثات کا انتظار کر رہے ہیں، سو دیگر شعراء کے مانند یہ بھی ہلاک ہو جائے گا آپ کہہ دیجئے کہ تم میری ہلاکت کا انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ تمہاری ہلاکت کا منتظر ہوں چنانچہ یوم بدر میں تلوار کے ذریعہ ان کو سزا دی گئی، اور تَرَبُّص کے معنی انتظار کے ہیں کیا ان کی عقلیں انہیں یہی سکھاتی ہیں یعنی آپ کے بارے میں ساحر، کاہن، شاعر، مجنون کہنا (سکھاتی ہیں) یعنی ایسا نہیں سکھاتیں، یا اپنے اعتماد کی وجہ سے یہ لوگ ہی سرکش ہیں کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ قرآن اس نے خود گھڑ لیا ہے یعنی خود قرآن کا اختراع

کرلیا ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ تکبر کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے پس اگر ان کا یہی کہنا ہے کہ یہ قرآن ان کا خود ساختہ ہے تو یہ بھی اس طرح کا کوئی کلام بنا کر لے آئیں اگر یہ اپنے قول میں سچے ہیں کیا یہ لوگ بدون کسی خالق کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود اپنے خالق ہیں، اور یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ کسی مخلوق کا وجود خالق کے بغیر ہو اور نہ یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے کہ معدوم کسی کو پیدا کر سکے لہٰذا (یہ بات ثابت ہوگئی) کہ ان کا کوئی نہ کوئی خالق ضرور ہے اور وہ تنہا اللہ ہے، بس کس لئے اس کی توحید کے قائل نہیں ہوتے اور اس کے رسولوں پر اور کتابوں پر ایمان نہیں لاتے کیا انہوں نے ہی آسمان اور زمین پیدا کئے ہیں؟ حالانکہ ان کی تخلیق پر اللہ خالق کے علاوہ کوئی قادر نہیں تو پھر اس کی بندگی کیوں نہیں کرتے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ یقین نہیں رکھتے ورنہ تو اس کے نبی پر ایمان لے آتے، کیا ان کے قبضہ میں ہیں نبوت اور رزق وغیرہ کے تیرے رب کے خزانے کہ وہ جس کے لئے چاہیں اور جو چاہیں مخصوص کردیں یا یہ لوگ حاکم ہیں (یعنی) مسلط حاکم ہیں، اور اس کا فعل صَیْطَرَ ہے اور اس کے مانند بَیْطر وبَیْقَرَ ہے (بَیْطَرَ، بَیْطارٌ) سے ہے جانوروں کے معالج کو کہتے ہیں اور بَیْقَرَ بمعنی شق وافسد واھلکَ ہے) یا کیا ان کے پاس سیڑھی ہے؟ آسمان پر چڑھنے کا آلہ کہ اس پر چڑھ کر فرشتوں کی باتیں سن لیتے ہوں حتی کہ ان کے لئے نبی ﷺ کے ساتھ ان کے خیال میں منازعت کرنا ممکن ہوگیا ہو، اگر ان کا یہ دعویٰ ہے تو وہ سننے کا دعویدار اس پر کوئی واضح دلیل پیش کرے اور اس زعم کے، ان کے اُس زعم کے مشابہ ہونے کی وجہ سے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا اللہ کے لئے تمہارے زعم میں بیٹیاں ہیں اور تمہارے لئے بیٹے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کیا آپ ان سے اس دین پر جو آپ ان کے پاس لے کر آئے ہیں کوئی اجرت طلب کرتے ہیں؟ کہ وہ اس کے بوجھ سے دبے جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اسلام قبول نہیں کرتے یا ان کے پاس غیب یعنی علم غیب ہے جسے یہ لکھ لیتے ہیں حتی کہ ان کے لئے نبی ﷺ کے ساتھ ان کے خیال میں بعث اور امر آخرت میں نزاع کرنا ممکن ہوگیا کیا یہ لوگ آپ کے ساتھ دار الندوہ میں کوئی فریب کا ارادہ رکھتے ہیں تاکہ آپ کو ہلاک کردیں، تو آپ یقین کرلیں فریب خوردہ مغلوب ہونے والے ہلاک ہونے والے یہ کافر ہی ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ان سے حفاظت فرمائی پھر ان کو بدر میں ہلاک کردیا کیا اللہ کے سوا ان کا کوئی اور معبود ہے؟ سبحان اللہ (ہرگز نہیں) اللہ تعالیٰ (معبودان باطلہ) میں سے ہر اس معبود سے پاک ہے جس کو یہ اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں، اور استفہام اَم کے ساتھ تمام مقامات میں تقبیح وتوبیخ کے لئے ہے، اگر یہ لوگ آسمان کے کسی ٹکڑے کو اپنے اوپر گرتا ہوا دیکھ لیں جیسا کہ انہوں نے کہا تھا کہ آسمان کا کوئی ٹکڑا ہم پر گرا دو یعنی ان کو عذاب دینے کے لئے تو کہہ دیں گے کہ یہ تو تہ بہ تہ بادل ہے یعنی جما ہوا بادل ہے، جس سے ہم سیراب ہوں گے، اور اس پر ایمان نہ لائیں، تو آپ انہیں چھوڑ دیجئے یہاں تک کہ انہیں اپنے اس دن سے سابقہ پڑے جس دن میں ان کی موت واقع ہوگی جس دن ان کی تدبیریں ان کے کچھ کام نہ آئیں گی (یَوْمَ لَا یُغْنِی) یومُھُمْ سے بدل ہے اور نہ ان کو مدد ملے گی یعنی آخرت میں ان سے عذاب دفع نہ کیا جائے گا اور ان کے لئے جنہوں نے اپنے کفر کے ذریعہ ظلم کیا ہے اس عذاب سے قبل بھی عذاب ہونے والا ہے یعنی دنیا میں ان کی موت

سے پہلے، چنانچہ بھوک اور قحط کے ذریعہ سات سال تک عذاب میں مبتلا کئے گئے اور یوم بدر میں قتل کے ذریعہ لیکن ان میں اکثر کو معلوم نہیں کہ ان کے اوپر عذاب نازل ہوگا اور آپ اپنے رب کی (اس) تجویز پر صبر کیجئے ان کو مہلت دے کر اور آپ دل تنگ نہ ہوں کہ آپ ہماری حفاظت میں ہیں یعنی آپ ہماری نظروں کے سامنے ہیں ہم آپ کو دیکھ رہے ہیں اور آپ کی حفاظت کر رہے ہیں، اور آپ اپنے رب کی سوکر اٹھنے کے بعد یا اپنی مجلس سے اٹھنے کے بعد تسبیح و تحمید کیجئے یعنی سبحان اللہ وبحمدہ کہئے، اور رات میں بھی اس کی حقیقۃً تسبیح کیا کیجئے اور ستاروں کے ڈوبنے کے بعد بھی اِدْبَارَ مصدر ہے یعنی ستاروں کے غروب ہونے کے بعد بھی تسبیح بیان کیجئے، اور اول میں مغرب وعشاء کی نماز پڑھنا مراد ہے اور ثانی میں سنت فجر اور کہا گیا ہے صبح کی نماز مراد ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: دُمْ علی تذکیر المشرکین، فَذَكِّرْ کی تفسیر دُمْ سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ ذَكِّرْ اُثبتْ کے معنی میں ہے یعنی جس طرح آپ اب تک ان کو نصیحت کرتے رہے آئندہ بھی اس طرز کو باقی رکھئے ان کی یادہ گوئی کی وجہ سے تنگ دل ہوکر ان سے بے رخی اور کنارہ کشی اختیار نہ کیجئے۔

قَوْلُهُ: بنعمة رَبِّكَ ای بفضلِ ربِّكَ.

قَوْلُهُ: فَمَا اَنْتَ بنعمَةِ ربِّكَ بکاهِنٍ ولاَ مجنون باءِ قسم کے لئے نعمة رَبِّكَ مقسم بہ ہے جو کہ ما کے اسم (انت) اور خبر (کاہن) کے درمیان واقع ہے، تقدیر عبارت یہ ہے مَا اَنتَ ونعمَةِ رَبِّكَ بکَاهِنٍ ولا مجنون، کاہن اس شخص کو کہتے ہیں جو دعویٰ کرے کہ میں بغیر وحی کے غیب جانتا ہوں، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ بِنعمَةِ میں باءِ سببیہ ہے، اور جملہ منفیہ کے مضمون سے متعلق ہے، معنی یہ ہیں اِنْتَفَی عَنْكَ الکَهَانَةُ والجنونُ بِسببِ نعمةِ اللّٰه عَلَيْكَ یعنی آپ سے بفضلہ تعالیٰ کہانت اور جنون منتفی ہے۔ (فتح القدیر شوکانی)

قَوْلُهُ: اَمْ بل یقولون، اَمْ ان آیات میں پندرہ جگہ آیا ہے ہر جگہ اس کی تقدیر بل اور ہمزہ کے ساتھ ہے اور ہمزہ استفہام انکاری توبیخی کے لئے ہے، لہٰذا مفسر علام کے لئے مناسب تھا کہ ہر جگہ بل اور ہمزہ کے ساتھ مقدر مانتے۔ (صاوی)

قَوْلُهُ: قل تربَّصُوا امر تہدید کے لئے ہے۔

قَوْلُهُ: اَحْلَامُهُمْ، حُلُمٌ اور حِلْمٌ دونوں کی جمع ہے حُلُم کے معنی خواب کے ہیں اور حِلْم کے معنی بردباری کے ہیں اور چونکہ بردباری عقل کی وجہ سے ہوتی ہے اس لئے حلم کے معنی عقل کے بھی لئے جاتے ہیں گویا کہ یہاں مسبب بول کر سبب مراد لیا ہے۔

قَوْلُهُ: لَمْ یَخْتَلِقْهُ اس سے اشارہ کردیا کہ ام یقولونَ تَقَوَّلَهُ میں ہمزہ استفہام انکاری ہے۔

قَوْلُهُ: فَاِنْ قَالُوا، اِخْتَلَقَهُ مقدر مان کر اشارہ کردیا فَلْیَاْتُوا بحَدِیْثٍ شرطِ محذوف کی جزاء ہے۔

قَوْلُهُ: وَلِشُبْهِ هذا الزعم بزَعْمِهِم اَنَّ الملائكة بَنَاتُ اللّٰه اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کا ازالہ ہے شبہ یہ

ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول اَمْ لَهُ الْبَنَاتُ ولکم البَنُونَ کا ماقبل سے کوئی ربط معلوم نہیں ہوتا۔

جَوَابٌ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ سابقہ آیت میں مشرکین کے اس زعم کو بیان کیا ہے کہ محمد ﷺ اپنی طرف سے گھڑ کر قرآن لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں، ان کا یہ خیال باطل اور فاسد ہے دوسری آیت میں مشرکین کے اس زعم فاسد اور گمان باطل کا ذکر ہے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں دونوں خیال اور دونوں گمان فاسد اور باطل ہونے میں مشترک ہیں اور یہی وجہ اشتراک ہے، دونوں آیتوں میں ربط و مناسبت ثابت ہوگئی۔

قَوْلُهُ: غُرم، مغرمٌ کی تفسیر غرم سے کرکے اشارہ کردیا ہے کہ مغرم مصدر میمی ہے۔

قَوْلُهُ: فی دَارِ الندوۃِ مفسر علام کے لئے مناسب تھا کہ لفظ دار الندوۃ حذف کردیتے، اس لئے کہ دار الندوۃ میں مشرکین کا اجتماع شب ہجرت میں ہوا تھا جس میں آپ کے قتل کی سازش رچی گئی تھی اور یہ سورت مکی ہے جو ہجرت سے پہلے نازل ہو چکی تھی لہٰذا سازش کو ندوہ کے ساتھ مقید کرنا مشکل ہے، بناء بریں دار الندوہ کی قید کو حذف کرنا ہی بہتر ہے اس لئے کہ مکر و سازش کا سلسلہ تو بعثت کے روز اول ہی سے جاری تھا۔

قَوْلُهُ: فَاَسْقِطْ عَلَینا کِسَفًا یہ آیت قوم شعیب علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جیسا کہ سورۂ شعراء میں مذکور ہے، مفسر رحمہ اللہ تعالیٰ کے لئے مناسب تھا اس آیت سے استدلال کرتے جو قریش کے بارے میں سورۂ اسراء میں نازل ہوئی ہے، وہ یہ ہے اَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ کَمَا زَعَمْتَ عَلَیْنَا کِسَفًا۔

قَوْلُهُ: فَذَرْهُمْ یہ شرط مقدر کی جزاء ہے، شرط مقدر یہ ہے اِذَا بَلَغُوْا فِی العِنَادِ الیٰ هٰذا فَذَرْهُمْ۔

تفسیر و تشریح

فذکر فَمَآ اَنْتَ بنعمةِ ربِّكَ بکاهنٍ (الآیة) ان آیات میں آپ ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے کہ آپ وعظ و تبلیغ نصیحت و تذکیر کا کام کیے جائیے اور یہ لوگ آپ کے متعلق جو بکواس اور یاوہ گوئی کرتے ہیں آپ اس کی طرف کان نہ دھریں اس لئے کہ آپ اللہ کے فضل سے نہ کاہن اور نہ دیوانے، آپ ہمارے رسول ہیں، آپ پر ہماری طرف سے وحی نازل ہوتی ہے جو کاہن پر نہیں ہوا کرتی، آپ جو کلام لوگوں کو سناتے ہیں وہ دانش و بصیرت کا آئینہ دار ہوتا ہے ایک دیوانے سے اس طرح کی گفتگو ممکن نہیں ہے۔

کاہن، عربی زبان میں جیوتشی، غیب گو، اور سیانے کے معنی میں بولا جاتا تھا، زمانہ جاہلیت میں یہ ایک مستقل پیشہ تھا، ضعیف الاعتقاد لوگ یہ سمجھتے تھے کہ ارواح اور شیاطین سے ان کا خاص تعلق ہے جن کے ذریعہ یہ غیب کی خبریں معلوم کرسکتے ہیں، کوئی چیز کھوگئی ہو تو بتا سکتے ہیں، اگر چوری ہوگئی ہو تو چور اور مسروقہ مال کی نشاندہی کرسکتے ہیں اگر کوئی اپنی قسمت پوچھے تو بتا سکتے ہیں ان ہی اغراض و مقاصد کے لئے لوگ ان کے پاس جاتے تھے اور وہ کچھ نذرانہ لیکر بزعم خویش غیب کی باتیں بتاتے تھے اور ایسے گول مول فقرے استعمال کرتے تھے جن کے مختلف مطلب ہوسکتے تھے تاکہ ہر شخص اپنے مطلب کی بات نکال لے۔

رَیْبَ المنون، رَیب کے معنی حوادث کے ہیں مَنُون موت کے ناموں میں سے ایک نام ہے مَنُوْنٌ بروزن فعولٌ یہ مَنّ سے مشتق ہے اس کے معنی قطع کرنے کے ہیں مَنُون کے معنی ہیں بہت زیادہ قطع کرنے والا، اور موت چونکہ دنیوی تمام علائق کو منقطع کر دیتی ہے اس لئے موت کو بھی منون کہتے ہیں، مطلب یہ کہ قریش مکہ اس انتظار میں ہیں کہ حوادثاتِ زمانہ سے شاید محمد ﷺ کو موت آجائے اور ہمیں چین نصیب ہو جائے جو اس کی دعوتِ توحید نے ہم سے چھین لیا ہے، غالبًا ان کا خیال یہ تھا کہ محمد ﷺ چونکہ ہمارے معبودوں کی مخالفت اور ان کی کرامات کا انکار کرتے ہیں اسلئے یا تو معاذ اللہ ان پر ہمارے کسی معبود کی مار پڑے گی یا کوئی منچلا اپنے معبودوں کی برائی سن کر یا کوئی دل جلا اپنے معبودوں کی مخالفت سے بے قابو ہو کر ان کا کام ہی تمام کر دے۔

أم تَأمُرُهُمْ أحْلَامُهُمْ بِهٰذَا أم هُمْ قومٌ طَاغُونَ کیا ان کی عقلیں انہیں ایسی ہی باتیں کرنے کے لئے کہتی ہیں؟ یا درحقیقت یہ عناد میں حد سے گذرے ہوئے لوگ ہیں۔

ان دو فقروں نے مخالفین کے سارے پروپیگنڈے کی ہوا نکال کر رکھدی، اور ان کو بالکل بے نقاب کر دیا، استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ قریش کے پیر و مشائخ بڑے عقلمند بنے پھرتے ہیں کیا ان کی عقل یہی کہتی ہے کہ جو شخص شاعر نہیں ہے اسے شاعر کہو اور جسے پوری قوم دانا کی حیثیت سے جانتی ہے اسے مجنون کہو اور جسے کہانت سے دور کا بھی تعلق نہیں اسے خواہ مخواہ کاہن کہو، پھر اگر عقل ہی کی بناء پر یہ لوگ حکم لگاتے تو کوئی ایک حکم لگاتے بہت سے متضاد حکم یا تو عقل سے محروم اور بے بصیرت شخص ہی لگا سکتا ہے یا پھر پرلے درجہ کا معاند اور ضدی، اور ظاہر ہے کہ یہ لوگ عقل سے محروم اور پاگل تو ہیں نہیں تو اب سوائے عناد اور ہٹ دھرمی کے دوسرا کوئی سبب نہیں ہو سکتا، اور آپ پر جتنے بھی بے بنیاد متضاد الزامات لگائے جا رہے ہیں انہیں کوئی بھی سنجیدہ انسان قابل اعتنا نہیں سمجھ سکتا۔

فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا دشمنوں کی دشمنی اور مخالفت و تکذیب سے رسول اللہ ﷺ کو تسلی دینے کے لئے پہلے تو یہ فرمایا کہ آپ ہماری نظروں میں ہیں یعنی ہماری حفاظت میں ہیں ہم آپ کو ان کے شر سے بچائیں گے، آپ ان کی کسی بات کی پرواہ نہ کریں، جیسا کہ دوسری آیت میں ارشادِ ربانی ہے واللّٰہ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تسبیح و تحمید میں لگ جانے کا حکم فرمایا جو اصل مقصدِ زندگی بھی ہے، اور ہر مصیبت سے بچنے کا اصلی علاج بھی، فرمایا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ کھڑے ہونے سے مراد سو کر اٹھنا بھی ہو سکتا ہے ابن جریر نے اسی کو اختیار کیا ہے، اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو امام احمد نے حضرت عبادہ بن صامت رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص رات کو بیدار ہوا اور اس نے یہ کلمات پڑھے تو جو دعاء کرے گا قبول کی جائے گی، وہ کلمات یہ ہیں لا الٰـــہ الّا اللّٰہُ وحدَہٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، سبحان اللّٰہ و الحمد للّٰہ و لا

الـه الّا اللّٰه واللّٰه اکبرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ پھراس نے نماز پڑھنے کا ارادہ کیا اور وضو کر کے نماز پڑھی تو اس کی نماز قبول کی جائے گی۔ (ابن کثیر، معارف)

کفارۂ مجلس:

حضرت مجاہد اور ابوالاحوص وغیرہ ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ "حِیْنَ تَقُوْمُ" سے مراد یہ ہے کہ جب آدمی اپنی مجلس سے اٹھے تو یہ کہے، سبحانك اللّٰهم وبحمدك حضرت عطاء بن ابی رباح نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا، کہ جب تم اپنی مجلسوں سے اٹھو تو تسبیح وتحمید کرو اگر تم نے اس مجلس میں کوئی نیک کام کیا ہے تو اس کی نیکی میں اضافہ اور برکت حاصل ہوگی، اور اگر کوئی غلط کام کیا ہے تو یہ کلمات اس کا کفارہ ہو جائیں گے۔

حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی مجلس میں بیٹھے اور اس میں اچھی بری باتیں ہوں تو اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے اگر وہ یہ کلمات پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کی سب خطاؤں کو جو اس مجلس میں ہوئی ہیں معاف فرمائیں گے وہ کلمات یہ ہیں:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ. (رواہ الترمذی، معارف)



سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اِثْنَتَانِ وَسِتُّوْنَ اٰيَةً وَثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ ثِنْتَان وسِتُّوْنَ اٰيَةً.

سورۂ نجم مکی ہے، باسٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ وَالنَّجْمِ الثُّرَيَّا اِذَا هَوٰى ۝ غَابَ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ مُحمدٌ عليه الصَّلوٰةُ والسَّلامُ عَن طَرِيقِ الهِدَايَةِ وَمَا غَوٰى ۝ مَا لَابَسَ الغَيَّ وهو جَهلٌ مِن اعْتِقَادٍ فاسدٍ وَمَا يَنْطِقُ بما يَاتِيْكُمْ به عَنِ الْهَوٰى ۝ هوى نَفْسِه اِنْ ما هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ اليه عَلَّمَهٗ اِيَّاهُ مَلَكٌ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝ ذُوْ مِرَّةٍ قُوَّةٍ وشِدَّةٍ ومَنْظَرٍ حَسَنٍ اى جبرئيلُ عليه السَّلامُ فَاسْتَوٰى ۝ اِسْتَقَرَّ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝ اُفُقِ الشَّمْسِ اى عِنْدَ مَطْلَعِها على صُوْرَتِه التى خُلِقَ عليها فَرَاٰهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وكَانَ بِحِرَاءَ قد سَدَّ الأُفُقَ الى المَغْرِبِ فَخَرَّ مَغْشِيًّا عَلَيْهِ وَكَانَ قَدْ سَاَلَهٗ اَنْ يُرِيَهٗ نَفْسَهٗ عَلٰى صُوْرَتِهِ الَّتِيْ خُلِقَ عَلَيْهَا فَوَاعَدَهٗ بِحِرَاءَ فَنَزَلَ جبرئيلُ عليه السَّلامُ فى صُوْرَةِ الآدمِيِّيْنَ ثُمَّ دَنَا قَرُبَ منه فَتَدَلّٰى ۝ زَادَ فى القُربِ فَكَانَ منه قَابَ قَدْرَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ مِن ذلك حَتّٰى افاقَ وَسَكَنَ رَوْعُهٗ فَاَوْحٰى تعالى اِلٰى عَبْدِهٖ جبرئيلَ مَا اَوْحٰى ۝ جبرئيلُ الى النبيِّ صلى الله عليه وسلم ولم يَذْكُرِ الموحى تفخيمًا لِشَانِه مَا كَذَبَ بالتخفيف والتشديد انكرَ الْفُؤَادُ فُؤادُ النبى مَا رَاٰى ۝ بِبَصَرِه مِن صُوْرَةِ جبرئيلَ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ تُجَادِلُوْنَهٗ وتَغْلِبُوْنَه عَلٰى مَا يَرٰى ۝ خِطَابٌ لِلمُشرِكِيْنَ المُنكِرِيْنَ رُؤيَةَ النَّبِيِّ لِجبرئيلَ وَلَقَدْ رَاٰهُ على صُوْرَتِه نَزْلَةً مَرَّةً اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ لَمَّا اُسرِيَ به فى السَّمٰوٰتِ وهى شَجَرَةُ نَبِقٍ عَن يَمِيْنِ العَرْشِ لا يَتَجَاوَزُهَا اَحَدٌ مِنَ المَلٰئِكَةِ وغَيرهم عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝ تاوى اليها المَلائكةُ وَاَرْوَاحُ الشُّهَدَاءِ او المُتَّقِيْنَ اِذْ حِيْنَ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝ مِنْ طَيْرٍ وغيرِه وَاِذْ مَعْمُوْلَةٌ لِرَاٰهُ مَا زَاغَ الْبَصَرُ مِنَ النَّبِيِّ وَمَا طَغٰى ۝ اى مَا مَالَ بَصَرُه عَن مَرْئِيِّه المَقْصُوْدِ له ولا جَاوَزَهٗ تلك اللَّيْلَةَ لَقَدْ رَاٰى فيها مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝ اى العِظَامِ اى بَعْضَها فَرَاٰى مِن عَجَائِبِ المَلَكُوْتِ رَفْرَفًا خُضْرًا سَدَّ اُفُقَ السَّمَاءِ وجبرئيل عليه السَّلامُ له سِتُّمِائَةِ جَنَاحٍ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۝ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الَّتَيْنِ قَبْلَهَا الْاُخْرٰى ۝ صِفَةُ ذَمٍّ لِلثَّالِثَةِ

وهي أصنام من حجارة كان المشركون يعبدونها ويزعمون انها تشفع لهم عند الله ومفعول ارأيتم الاول اللات وما عطف عليه والثاني محذوف والمعنى اخبروني الهذه الاصنام قدرة على شيء ما فتعبدونها دون الله عزوجل القادر على ما تقدم ذكره ولما زعموا ايضا ان الملائكة بنات الله مع كراهتهم البنات نزل **أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنثَىٰ** **تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ** جائرة من ضازه يضيزه اذ ظلمه وجار عليه **إِنْ هِيَ** ما المذكورات **إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا** اى سميتم بها **أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم** اصناما تعبدونها **مَّا أَنزَلَ اللَّهُ بِهَا** اى بعبادتها **مِن سُلْطَانٍ** حجة وبرهان **إِن** ما **يَتَّبِعُونَ** في عبادتها **إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنفُسُ** مما زينه لهم الشيطن من انها تشفع لهم عند الله **وَلَقَدْ جَاءَهُم مِّن رَّبِّهِمُ الْهُدَىٰ** على لسان النبي صلى الله عليه وسلم بالبرهان القاطع فلم يرجعوا عما هم عليه **أَمْ لِلْإِنسَانِ** اى لكل انسان منهم **مَا تَمَنَّىٰ** من ان الاصنام تشفع لهم ليس الامر كذلك **فَلِلَّهِ الْآخِرَةُ وَالْأُولَىٰ** اى الدنيا فلا يقع فيهما الا ما يريده تعالى.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے، قسم ہے ثریا ستارے کی جب گرے یعنی غائب ہو تمہارا ساتھی محمد ﷺ راہ ہدایت سے نہ بہکا اور نہ بھٹکا یعنی اس نے (اعتقاداً) کج روی اختیار نہیں کی اور وہ (یعنی غی) اعتقاد فاسد سے پیدا ہونے والا جہل ہے، اور جو کچھ وہ تم سے بیان کرتے ہیں اپنی خواہش نفس سے بیان نہیں کرتے وہ تو صرف وحی ہے جو اس کی طرف نازل کی جاتی ہے اس وحی کی ان کو ایک فرشتہ نے تعلیم دی ہے، جو بڑا طاقتور ہے اور زور آور ہے یعنی قوت وشدت والا ہے، یا حسین المنظر ہے یعنی جبرئیل علیہ السلام پھر وہ سیدھا کھڑا ہو کر ٹھہر گیا حال یہ ہے کہ وہ مشرق کی بالائی افق پر تھا یعنی طلوع شمس کی جگہ اپنی (اصلی) صورت پر جس پر اس کو پیدا کیا گیا ہے، آپ ﷺ نے اس کو دیکھا جب کہ آپ (غار) حراء میں تھے، حال یہ کہ (جانب) مغرب تک اس نے افق کو بھر دیا، تو آپ بیہوش ہو کر گر پڑے اور آپ ﷺ نے جبرائیل سے سوال کیا تھا کہ وہ انہیں خود کو اپنی اس صورت میں دکھائیں جس پر اس کو پیدا کیا گیا ہے چنانچہ جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ سے حراء میں اس کا وعدہ کر لیا پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے انسانی شکل میں نزول فرمایا پھر وہ آپ کے قریب آیا پھر وہ اتر آیا (یعنی) زیادہ قریب ہوا، تو وہ آپ سے بقدر دو کمانوں یا اس سے بھی زیادہ قریب ہوگیا، یہاں تک کہ آپ کو (بیہوشی سے) افاقہ ہوا اور آپ کا خوف جاتا رہا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے جبرئیل کی طرف وحی بھیجی جو جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبی ﷺ کی طرف پہنچا دی اور موحی بہ کا ذکر نہیں کیا (یعنی) عظمت شان کو ظاہر کرنے کے لئے مبہم رکھا آپ ﷺ کے قلب مبارک نے اس صورت کی تردید نہیں کی جو صورت آپ نے اپنی نظر سے جبرئیل علیہ السلام کی دیکھی، کذب تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے سو کیا تم اس (پیغمبر) کی دیکھی ہوئی چیز میں مجادلہ کرتے ہو اور ان پر غالب آنے کی کوشش کرتے ہو، یہ خطاب ان مشرکین سے ہے جو آپ کے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھنے سے منکر تھے، اور اسے تو اصل صورت میں ایک مرتبہ سدرۃ

المنتہیٰ کے پاس اس کے علاوہ بھی دیکھا ہے، جبکہ آپ کو رات کے وقت آسمانوں پر لیجایا گیا، اور وہ عرش کی دائیں جانب بیری کا درخت ہے اس سے آگے فرشتہ وغیرہ کوئی نہیں بڑھ سکتا، اسی کے پاس جنت الماویٰ ہے جس میں فرشتے اور شہداء کی روحیں یا متقیوں کی روحیں سکونت پذیر رہتی ہیں، جبکہ سدرہ کو چھپائے لیتی تھیں وہ چیزیں جو اس پر چھا رہی تھیں، پرند وغیرہ، اور اذا، رَاٰہٗ کا معمول ہے آپ کی نظر نہ ہٹی اور نہ بڑھی یعنی آپ کی نظر اس رات مطمح نظر سے نہ پھری اور نہ تجاوز کیا، یقیناً آپ نے اس رات میں اپنے رب کی عظیم نشانیوں میں سے بعض کو دیکھا آپ نے عالم ملکوت کے عجائبات میں سبز رفرف کو دیکھا جس نے افق آسمان کو بھر دیا، اور جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا ان کے چھ سو بازو ہیں کیا تم نے لات اور عزیٰ کو اور پچھلے منات کو دیکھا (یعنی ان کے بارے میں غور کیا) جو سابق دو کا تیسرا ہے اَلْاُخْرٰی، ثَالِثَۃَ کی صفت ذم ہے، اور وہ پتھر کے بت ہیں، مشرکین ان کی پوجا کیا کرتے تھے اور یہ دعویٰ کرتے تھے کہ یہ اللہ کے حضور ہماری شفاعت کریں گے اور اَرَاَیْتُم کا مفعول اول اللّٰتَ اور اس پر جس کا عطف کیا گیا وہ ہے اور دوسرا مفعول محذوف ہے اور معنی یہ ہیں کہ مجھے بتاؤ کہ کیا ان بتوں کو کسی شئ پر قدرت حاصل ہے جس کی وجہ سے تم اللہ عز وجل کو چھوڑ کر ان کی بندگی کرتے ہو، جو کہ قادر ہے، جیسا کہ ماقبل میں مذکور ہوا، اور جبکہ ان کا دعویٰ یہ بھی تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں باوجود ان کے بیٹیوں کو ناپسند کرنے کے، تو اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَلَہُ الْاُنْثٰی (الآیۃ) نازل ہوئی (یعنی) کیا تمہارے لئے بیٹے اور اس کے لئے بیٹیاں، تب تو یہ بڑی دھاندلی کی تقسیم ہے یعنی ظالمانہ ہے، یہ ضَازَہٗ یَضِیْزُہٗ سے ماخوذ ہے کہ اس پر ظلم و زیادتی کرے یہ مذکور محض چند نام ہیں جو تم نے یعنی ان کے تم نے یہ نام رکھ لئے ہیں اور تمہارے آباء نے ان بتوں کے رکھ لئے ہیں جن کی تم پوجا کرتے ہو ان کی عبادت کے بارے میں اللہ نے کوئی دلیل اور حجت نہیں اتاری یہ لوگ ان کی بندگی کے بارے میں محض ظن اور خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں یعنی ان گمانوں کی جو شیطان نے ان کے لئے آراستہ کر دیئے ہیں، یہ کہ یہ بت اللہ کے حضور میں ان کی شفاعت کریں گے اور یقیناً ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے نبی علیہ السلام کی زبانی برہان قاطع کے ساتھ ہدایت آچکی پھر بھی وہ اپنے اختیار کردہ روش سے باز نہیں آئے کیا انسان کے لئے یعنی ان میں سے ہر انسان کے لئے وہ میسر ہے جس کی وہ آرزو کرے؟ یہ کہ یہ بت ان کی شفاعت کریں گے، بات ایسی نہیں وہ جہان اور یہ جہان اسی کے قبضے میں ہے لہٰذا دونوں جہانوں میں وہی ہوگا جو وہ چاہے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَالنَّجم واؤ قسمیہ ہے، اَلنَّجْمُ ستارہ (جمع) نُجُوْمٌ و اَنْجُمٌ اسم جنس ہے، اس پر اسمیت غالب آگئی ہے جب مطلق بولا جاتا ہے تو ثریا ستارہ مراد ہوتا ہے، النجم سے یہاں کیا مراد ہے؟ اس میں چند اقوال ہیں: ① ایک جماعت نے کہا ہے کہ جنس نجوم مراد ہے ② ثریا ستارہ مراد ہے (مفسر علام نے یہی قول اختیار کیا) مجاہد وغیرہ نے بھی یہی مراد یا ہے ③ سُدّی نے کہا زہرہ ستارہ مراد ہے، عرب کا ایک قبیلہ اس کی پوجا کیا کرتا تھا ④ بعض حضرات نے بیلدار

گھاس مراد لی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول وَالنجمُ وَالشجرُ یسجدان میں، اخفش کا یہی قول ہے ⑤ کہا گیا ہے کہ محمد ﷺ مراد ہیں ⑥ بعض حضرات نے قرآن مراد لیا ہے، اس کے نجماً نجماً نازل ہونے کی وجہ سے، مجاہد وفراء وغیرہ کا یہی قول ہے، اس کے علاوہ بھی اور بہت سے اقوال ہیں، مگر راجح قول ثریا ہے۔ (فتح القدیر شوکانی) ثریا سات ستاروں کے مجموعہ کا نام ہے چھ ان میں سے ظاہر ہیں اور ایک مخفی ہے بعض حضرات نے سات سے بھی زیادہ کا مجموعہ بتایا ہے، لوگ ثریا سے اپنی نظروں کا امتحان کرتے ہیں شفاء میں قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ ثریا کے گیارہ ستاروں کو دیکھ لیا کرتے تھے، اور مجاہد سے بھی ایسا ہی قول مروی ہے۔ (جمل)

قِوْلَہُ: اِذَا ھَوٰی (ض) ای سَقَطَ وغَاب.

قِوْلَہُ: مَاضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی یہ عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے ضلالت، ہر قسم کی گمراہی خواہ اعتقادی ہو یا عملی اور غوایۃ، اعتقادی گمراہی، اور بعض حضرات نے کہا ہے ضلال علمی گمراہی اور غوایۃ عملی گمراہی، اور بعض نے دونوں کو مترادف کہا ہے۔ (صاوی)

قِوْلَہُ: عَنِ الْھَوٰی اسم مصدر (سمع) ناجائز رغبتِ نفس، عن الھوٰی، مَاینطِقُ کے متعلق ہے یعنی آپ کا کوئی کلام خواہش نفس سے نہیں ہوتا۔

قِوْلَہُ: اِنْ ھُوَ، ھُوَ کا مرجع نطق ہے جو ینطقُ سے مفہوم ہے۔

قِوْلَہُ: یُوْحٰی یہ وَحْیٌ کی صفت ہے احتمال مجاز کو ختم کرنے کے لئے۔ (صاوی)

قِوْلَہُ: عَلَّمَہٗ اِیَّاہُ ضمیر منصوب متصل آپ ﷺ کی طرف رجوع ہے اور مفعول اول ہے اور دوسری ضمیر منصوب منفصل جس کو مفسر علام نے محذوف مانا ہے وہ مفعول ثانی ہے اور وحی کی طرف راجع ہے۔

قِوْلَہُ: شَدِیْدُ الْقُوٰی یہ موصوف محذوف کی صفت ہے جس کو مفسر علام نے مَلَکٌ محذوف مان کر اشارہ کر دیا ہے مراد جبرئیل ہیں۔

قِوْلَہُ: ذُوْمِرَّۃٍ، مِرَّۃٌ قوتِ باطنی، جیسے عزم، سرعتِ حرکت، اور بعض حضرات نے مرّۃ سے علم اور بعض نے حسن و جمال مراد لیا ہے، منظرٌ حسنٌ کہہ کر اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے، اور شدید القوٰی ظاہری قوت، یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کو، قوۃ ظاہری اور قوتِ باطنی بدرجہ اتم عطا فرمائی تھیں۔

قِوْلَہُ: فَاسْتَوٰی، عَلَّمہ شدید القوٰی پر اس کا عطف ہے۔

قِوْلَہُ: وھوبالافق الاعلٰی جملہ حالیہ ہے۔

قِوْلَہُ: فَتَدَلّٰی، تَدَلّٰی سے ماضی واحد مذکر غائب وہ اتر آیا، وہ لٹک آیا، وہ قریب ہوا، یہ دَلَّیْتُ الدَّلْوَ فی البئر سے ماخوذ ہے، میں نے کنوئیں میں ڈول لٹکایا، اتارا۔

سَوَال: قرب نزول کے بعد ہوتا ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ قریب ہوا اور پھر نازل ہوا، مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

جَوَابُ: مفسر علام نے زادَ فی القرب کا اضافہ اسی شبہ کا جواب دینے کے لئے کیا ہے یعنی حضرت جبرائیل قریب ہوئے اور پھر اور زیادہ قریب ہوئے، اور بعض حضرات نے مذکورہ شبہ کا یہ جواب دیا ہے کہ کلام میں تقدیم وتاخیر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے ثُمَّ تَدَلّٰی فَدَنٰی یعنی جبرئیل اترے اور قریب ہوئے۔

قِوْلُہٗ: قَابَ قَوسَیْنِ القاب والقیب، والقاد والقید، المقدار، عرب میں ناپنے اور اندازہ کرنے کے مختلف طریقے تھے ان میں سے ایک طریقہ قوس (کمان) سے ناپنے کا بھی تھا، قوس کے علاوہ عرب رمح (نیزہ) سوط کوڑا، ذراع الباع الخطوۃ (قدم) الشبر (بالشت) فِتْرٌ (انگشتِ شہادت اور انگوٹھے کے درمیان کا حصہ) والإِصْبَع (انگشت) سے بھی ناپتے تھے۔ یعنی جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام آپ سے اتنے قریب ہوگئے کہ صرف دو کمانوں کی مقدار دوررہ گئے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ قاب اس فاصلہ کو کہتے ہیں جو کمان کے مقبض اور کنارے کے درمیان ہوتا ہے اور دو کمانوں کے دو قاب ہوتے ہیں۔

قِوْلُہٗ: اَوْ اَدْنٰی میں اَوْ بمعنی بل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول اَوْیَزِیْدُوْنَ میں اَوْ بمعنی بل ہے، اور اگر اَوْ اپنی اصل پر ہو تو شک رائی (دیکھنے والے) کے اعتبار سے ہوگا۔

قِوْلُہٗ: حَتّٰی اَفَاقَ یہ محذوف کی غایت ہے، تقدیر عبارت یہ ہے ای ضَمَّہٗ اِلَیْہِ حتّٰی اَفَاقَ.

قِوْلُہٗ: مَا کَذَبَ بالتشدید والتخفیف دونوں قراءتیں سبعیہ ہیں، تشدید کی صورت میں ترجمہ ہوگا، جو کچھ آپ کی نظر نے دیکھا قلب نے اس میں شک نہیں کیا۔ (صاوی)

قِوْلُہٗ: مِنْ صورۃ جبرئیل یہ ما کا بیان ہے۔

قِوْلُہٗ: وتغلبونہٗ، تُمَارُوْنَہٗ کی دوسری تفسیر تَغْلِبُوْنَہٗ سے کر کے اشارہ کردیا کہ تمارونہ، تغلبونہ کے معنی کو متضمن ہے اور اس کا صلہ علٰی لانا درست ہے۔

قِوْلُہٗ: المَاْوٰی مصدر، اور اسم ظرف ہے، قیام کرنا، رہنا، سکونت اختیار کرنا، مقام سکونت، ٹھکانہ (ض) اگر صلہ میں الی آئے تو پناہ لینا، اور اگر اس کا صلہ لام ہو تو مہربانی کرنا، جیسے اوی لہٗ اس پر مہربانی کی، اس پر رحم کیا۔

قِوْلُہٗ: لَقَدْ رَاٰی لام جواب قسم پر ہے اور قسم، اُقْسِمُ محذوف ہے۔

قِوْلُہٗ: مِنْ آیاتِ رَبِّہِ الکبرٰی، مِنْ تبعیضیہ ہے اور رأیٰ کا مفعول ہے جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ کیا ہے اور کُبریٰ آیات کی صفت ہے۔

سُوَالٌ: الآیات موصوف جمع ہے اور کبریٰ صفت واحد ہے موصوف اور صفت میں مطابقت نہیں ہے۔

جَوَابُ: الآیات ایسی جمع ہے کہ اس کی صفت واحد مؤنث لانا درست ہے اس کے علاوہ فواصل کی رعایت کی وجہ سے اس میں مزید حسن پیدا ہوگیا۔ (جمل)

اس میں دوسری ترکیب یہ بھی ہوسکتی ہے الکبریٰ رأیٰ کا مفعول ہے اور مِن آیاتِ ربہ حال مقدم، تقدیر عبارت یہ ہے لَقَدْ رأی الآیات الکبرٰی حال کونہا مِن جملۃ آیات ربہ.

قَوْلَہٗ: رَفْرَفًا، قالین، رَفْرَفًا خُضْرًا سبز قالین، چاندنیاں، تکیے، ہرے بھرے باغیچے اس کا واحد رَفرفۃٌ ہے۔
(لغات القرآن)

قَوْلَہٗ: اَفَـرَأَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی استفہام توبیخی ہے، لات اس بت کا نام ہے جو کعبہ میں نصب تھا، بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ بت طائف میں تھا اور یہ بنوثقیف کا دیوتا تھا، اس کی تحقیق میں بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ لَتَّ السویق سے ماخوذ ہے، لات اسم فاعل کا صیغہ ہے گوندھنے والا، ملانے والا، ایک شخص جو کہ حجاج کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا، کلبی نے کہا ہے کہ اس کا اصل نام صرمہ بن غنم تھا (خلاصۃ التفاسیر) جب اس کا انتقال ہو گیا تو جس پتھر پر بیٹھ کر وہ ستو گھولا اور پلایا کرتا تھا اسی پتھر کا ایک بڑا بت تراش کر رکھ دیا بعد ازاں لوگوں نے اس کی پوجا شروع کر دی، یہ وہی لات ہے۔

قَوْلَہٗ: عُزّٰی یہ اَعَزُّ کی تانیث ہے یہ قبیلہ غطفان کے بت کا نام ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ ایک ببول کا درخت تھا، آپ ﷺ نے خالد بن ولید کو بھیج کر اس درخت کو کٹوا دیا تھا، جب اس درخت کو کاٹا تو اس میں سے ایک (جنیہ) بھوتنی سر کے بال بکھیرے ہوئے اور ہاتھ سر پر رکھے ہوئے خرابی خرابی چلاتی ہوئی نکلی، حضرت خالد رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس کو تلوار سے قتل کر دیا، حضرت خالد نے آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دی تو آپ نے فرمایا یہی عزّٰی ہے۔

قَوْلَہٗ: مَـنَـاۃ یہ ایک پتھر تھا، جو ہذیل اور خزاعہ کا دیوتا تھا، اور حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا کہ یہ بنی ثقیف کا دیوتا تھا، یہ منٰی یـمـنـی سے ماخوذ ہے اس کے معنی بہانے کے ہیں، چونکہ اس کے پاس کثرت سے جانور ذبح ہوتے تھے جس کی وجہ سے بہت خون بہتا تھا، اسی وجہ سے اس کا نام مناۃ ہو گیا۔

قَوْلَہٗ: الْاُخریٰ یہ ثالثۃ کی صفت ذم ہے، یعنی رتبے کے اعتبار سے تیسرے نمبر کا۔

سُؤال: جب ثالثۃٌ کہہ دیا تو اس کا اخریٰ ہونا خود بخود معلوم ہو گیا، پھر اخریٰ کہنے کی کیا ضرورت؟

جَوَاب: الْاُخـریٰ صفت ذم ہے اس لئے کہ مراد رتبہ میں تاخیر ہے نہ کہ ذکر و شمار میں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول قَـالَـتْ اُخراھم لِاُولٰهُمْ ای ضُعَفَاؤُهُمْ لِرُؤسائھم.

قَوْلَہٗ: الثـانـی محذوف، اَللّٰتَ اپنے معطوفات سے مل کر اَرَأَیْتُمْ بمعنی اَخْبِرُونی کا مفعول اول ہے اور اَلِھٰذہ الاصنام الخ جملہ استفہامیہ مفعول ثانی ہے۔

قَوْلَہٗ: تلكَ، تلك کا مشار الیہ قِسْمَۃٌ ہے جو ماقبل کے جملہ استفہامیہ سے مفہوم ہے۔

قَوْلَہٗ: ضِیْزٰی یہ ضِیْزٌ سے ماخوذ ہے بمعنی ظلم، یاء، کی رعایت سے ضاد کے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا گیا، جیسا کہ بِیْضٌ میں کیا ہے، اس لئے کہ فِعْلٰی کا وزن صفت کے لئے مستعمل نہیں ہے۔

سُؤال: مفسر علام نے سَمَّیْتُمُوْھَا کی تفسیر سَمَّیْتُمْ بِھَا سے کیوں کی؟

جَوَاب: اس کا مقصد ایک اعتراض کا دفعیہ ہے، اعتراض یہ ہے کہ اسماء کا نام نہیں رکھا جاتا جیسا کہ بظاہر سَـمَّـیْتُمُوْھَا سے

مفہوم ہوتا ہے بلکہ مسمّی کا نام رکھا جاتا ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ کلام میں حذف ہے اصل کلام سَمَّیْتُمْ بِهَا ہے، اس کا مفعول محذوف ہے اور وہ اصنامًا ہے جیسا کہ مفسر علام نے ظاہر کر دیا ہے۔

تفسیر و تشریح

ربط:

سورۂ طور کا اختتام لفظ النُّجُوم پر ہوا تھا، اس سورۃ کی ابتداء والنجم سے ہوئی ہے دونوں میں مناسبت قریبہ موجود ہے، سورۂ نجم مکہ میں نازل ہوئی سوائے اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کے کہ یہ آیت مدنی ہے، اس میں ۶۲ آیتیں ہیں، اس کا مرکزی مضمون، عصمت انبیاء، تصدیق نبوت، مسئلہ تعلیم جبرئیل، رؤیت باری تعالیٰ اور سیر علوی مقامات ہیں۔

اس سورت کے اکثر کلمات معانی کثیرہ اور مفاہیم مختلفہ پر مشتمل ہیں، معانی مجازی اور استعارات پر محمول ہیں، اسی وجہ سے اس کی تفسیر میں اختلاف بہت زیادہ ہے۔

خصوصیات سورۂ نجم:

سورۂ نجم پہلی سورت ہے جس کا آپ ﷺ نے مکہ میں اعلان فرمایا، اور یہی سب سے پہلی سورت ہے جس میں آیت سجدہ نازل ہوئی، جب آپ ﷺ نے آیت سجدہ تلاوت کرنے کے بعد سجدۂ تلاوت فرمایا تو حاضرین میں سے مسلمان، کافر سب نے سجدہ کیا سوائے ایک شخص امیہ بن خلف کے، اس نے اپنی مٹھی میں مٹی لیکر اپنی پیشانی سے لگالی، چنانچہ یہ کفر کی حالت میں مارا گیا (صحیح بخاری تفسیر سورۂ النجم) بعض روایتوں میں اس شخص کا نام عتبہ بن ربیعہ بتلایا گیا ہے۔

(ابن کثیر)

وَالنَّجمِ اِذَا هَوٰی بعض مفسرین نے النجم سے ثریا ستارہ مراد لیا ہے اور بعض نے زہرہ ستارہ، اور بعض نے جنس نجوم هَوٰی اوپر سے نیچے گرنا یعنی طلوع فجر کے وقت جب وہ گرتا ہے یا شیاطین کو مارنے کے وقت گرتا ہے۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ یہ جواب قسم ہے، صَاحِبُكم تمہارا ساتھی، اس کلمہ سے آپ ﷺ کی صداقت کو واضح اور ثابت کرنا مقصود ہے، کہ نبوت سے پہلے چالیس سال اس نے تمہارے ساتھ اور تمہارے درمیان گذارے ہیں، ان کے شب و روز کے تمام معمولات تمہارے سامنے ہیں، اس کا اخلاق و کردار تمہارا جانا پہچانا ہے، راست بازی اور امانتداری کے سوا تم نے اس کے کردار میں کبھی کچھ اور دیکھا؟ اب چالیس سال بعد جو وہ نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے تو ذرا سوچو کہ وہ کس طرح جھوٹ ہوسکتا ہے چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ وہ نہ گمراہ ہوا ہے اور نہ بہکا ہے، اللہ تعالیٰ نے دانستہ اور نادانستہ دونوں قسم کی گمراہیوں سے اپنے پیغمبر کی تنزیہ فرمائی ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ کا قول مَاضَلَّ صاحبُکم اللہ تعالیٰ کے قول وَوَجَدَکَ ضَالًّا فَھَدٰی سے بظاہر متعارض ہے۔

جواب: ضَالٌّ اسم فاعل کا صیغہ ہے اس کے لئے صلاحیت فعل شرط ہے وقوع فعل ضروری نہیں اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کو باعتبار عنصر خاکی وطبع انسانی قابل وصالح بھٹکنے کے پایا، لہٰذا آپ کو ضالٌّ باعتبار صلاحیت قبول فعل کہا گیا ہے اور مَاضَلَّ باعتبار عدم وقوع کے فرمایا، اب کوئی تعارض نہیں۔ (خلاصة التفاسیر)

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی یعنی وہ گمراہ اور بہک کیسے سکتا ہے وہ تو وحی الٰہی کے بغیر لب کشائی ہی نہیں کرتا حتی کہ مزاح طبعی کے موقعوں پر بھی آپ ﷺ کی زبان مبارک سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا (ترمذی شریف) اسی طرح حالت غضب میں آپ کو اپنے جذبات پر اتنا کنٹرول تھا کہ زبان سے کوئی بات خلاف واقعہ نہ نکلتی۔ (ابوداؤد)

خلاصہ یہ ہوا کہ آپ ﷺ اپنی طرف سے باتیں بنا کر اللہ کی طرف منسوب کر دیں اس کا قطعاً کوئی امکان نہیں بلکہ آپ جو کچھ فرماتے وہ سب اللہ کی طرف سے وحی کیا ہوا ہوتا ہے، وحی کی بہت سی اقسام بخاری کی احادیث سے ثابت ہیں ان میں ایک قسم وہ ہے جس کے معنی اور الفاظ دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں جس کا نام قرآن ہے، دوسرے وہ کہ صرف معنی اللہ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں آنحضرت ان معانی کو اپنے الفاظ میں ادا فرماتے ہیں، اس کا نام حدیث اور سنت ہے، پھر حدیث میں جو مضمون حق تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے، کبھی وہ کسی معاملہ کا صاف اور واضح فیصلہ اور حکم ہوتا ہے، کبھی کوئی قاعدہ کلیہ بتلایا جاتا ہے، اگر کسی مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے صاف اور واضح حکم نہ ہو تو نبی اپنے اجتہاد سے کام لیتا ہے، اجتہاد میں اس کا تو امکان ہوتا ہے کہ خطا ہو جائے مگر تمام انبیاء کی خصوصیت ہے کہ اگر احکام مستنبطہ میں غلطی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی اس کی اصلاح فرما دیتے ہیں بخلاف علماء مجتہدین کے، کہ اگر ان سے غلطی ہو جائے تو وہ خطا پر قائم رہ سکتے ہیں اور ان کی یہ خطاء صرف معاف ہی نہیں بلکہ دین کے سمجھنے میں جو اپنی پوری توانائی صرف کرتے ہیں اس پر بھی ان کو ایک گونا ثواب ملتا ہے۔ (جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے)۔ (معارف)

ذُوْمِرَّۃٍ فاستوی یہ اور آئندہ کلمات اکثر مفسرین کے نزدیک حضرت جبرئیل کی صفات ہیں اور بعض دیگر مفسرین کے نزدیک مذکورہ صفات اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہیں، اور ان تمام آیات کا تعلق واقعہ معراج سے قرار دے کر حق تعالیٰ سے تعلیم بلا واسطہ اور رویت وقرب حق تعالیٰ پر محمول کرتے ہیں، یہ تفسیر صحابہ کرام میں سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے، اور پہلی تفسیر جن صحابہ سے منقول ہے ان میں بہت سے حضرات صحابہ وتابعین شامل ہیں ان حضرات کے قول کے راجح ہونے کی کئی وجوہات ہیں تاریخ سے بھی اسی قول کی تائید ہوتی ہے، اس لئے کہ سورۂ نجم بالکل ابتدائی سورتوں میں سے ہے اور ظاہر یہی ہے کہ واقعہ معراج اس سے مؤخر ہے، دوسری اور اصل وجہ یہ ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ سے ان آیات کی تفسیر رویتِ جبرئیل سے منقول ہے، مسند احمد میں یہ روایت منقول ہے۔

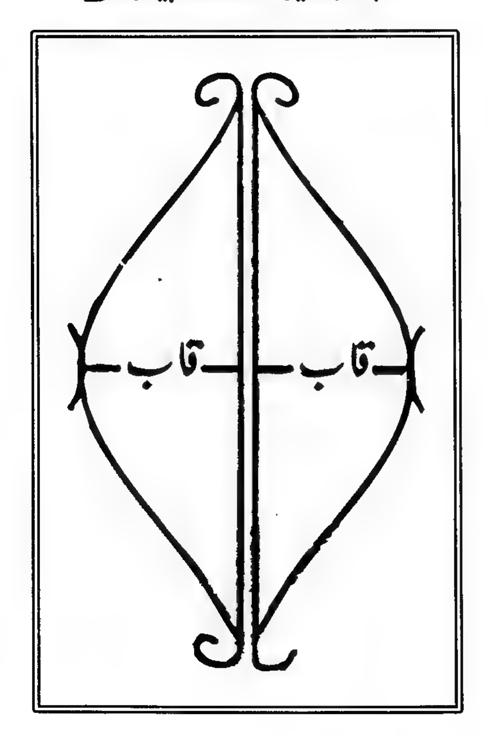
شعبی حضرت مسروق سے نقل کرتے ہیں کہ وہ ایک روز حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس تھے۔ (رویت باری تعالیٰ کے مسئلہ

میں گفتگو ہو رہی تھی) مسروق کہتے ہیں کہ میں نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ، وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی حضرت صدیقہ نے فرمایا کہ پوری امت میں سب سے پہلے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کا مطلب دریافت کیا، آپ نے فرمایا کہ جس کے دیکھنے کا آیت میں ذکر ہے، وہ جبرئیل ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے صرف دو مرتبہ ان کی اصلی صورت میں دیکھا ہے آیت میں جس رویت کا ذکر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے جبرئیل امین کو آسمان سے زمین کی طرف اترتے ہوئے دیکھا کہ ان کے جسم نے زمین و آسمان کے درمیان کی فضاء کو بھر دیا ہے (مسند احمد) صحیح مسلم میں بھی تقریباً انہی الفاظ سے منقول ہے، نووی نے شرح مسلم میں اور حافظ نے فتح الباری میں اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی ''قاب'' کمان کی لکڑی جس میں قبضہ (دستہ) لگا ہوتا ہے اور اس کے بالمقابل لکڑی کے دونوں کناروں میں ڈور (تانت) بندھی ہوتی ہے، دستہ اور ڈور کے درمیانی فاصلہ کو قاب کہتے ہیں، جس کا فاصلہ اندازاً ڈیڑھ فٹ ہوتا ہے، قَابَ قَوْسَیْنِ یعنی دو کمانوں کا قاب جس کا فاصلہ تین فٹ ہے یہ تعبیر حضرت جبرئیل اور آپ ﷺ کے درمیان نہایت قرب کو بیان کرنے کے لئے اختیار کی ہے، عرب کی عادت تھی کہ آپسی اتحاد و یگانگت کو ظاہر کرنا یا اگر دو آدمی آپس میں صلح اور دوستی کا معاہدہ کرنا چاہتے تو جس طرح اس کی ایک علامت ہاتھ پر ہاتھ مارنے کی معروف و مشہور ہے اسی طرح ایک علامت یہ تھی کہ دونوں اپنی اپنی کمانوں کی لکڑی اپنی اپنی طرف کر کے ڈور (تانت) کو ڈور سے ملاتے اور جب ڈور سے ڈور مل جاتی تو باہمی قرب و مؤدت کا اعلان سمجھا جاتا، اس قرب کے وقت دونوں شخصوں کے درمیان دو قابوں تقریباً تین فٹ کا فاصلہ رہتا۔

❁❁❁❁❁

(قابَ قوسین کا نقشہ پیش ہے)



ایک علمی اشکال اور اس کا جواب:

آیات مذکورہ میں صفات کا مصداق حضرت جبرئیل علیہ السلام کو قرار دینے میں جو کہ جمہور مفسرین کا مختار ہے بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اوپر کی آیات میں جو ضمیریں ہیں وہ جبرائیل کی طرف راجع ہیں، مگر صرف فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی میں دونوں ضمیریں اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہیں، جو عبارت کے نظم و نسق کے خلاف ہے اور اس سے انتشار مرجع بھی لازم آتا ہے، اس کا جواب حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب نے یہ دیا ہے۔

جواب: نہ یہاں نظم کلام میں کوئی اختلال ہے اور نہ انتشار ضمائر، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سورۂ نجم کی شروع آیت میں اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی کا ذکر فرما کر جس مضمون کی ابتداء کی گئی ہے اسی کا نہایت منضبط بیان اس طرح کیا گیا ہے کہ وحی بھیجنے والا تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں مگر اس وحی کے پہنچانے میں ایک واسطہ جبرئیل کا تھا چند آیات میں اس واسطہ کی پوری طرح توثیق کرنے کے بعد پھر اَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی فرمایا یہ ابتدائی کلام کا تکملہ ہے، اور اس میں انتشار ضمیر اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ اَوْحٰی اور عَبْدِہٖ کی ضمیر میں اس کے سوا احتمال ہی نہیں کہ وہ حق تعالیٰ کی طرف راجع ہو، اس لئے یہ مرجع پہلے سے متعین ہے اور مَا اَوْحٰی میں مُوْحٰی بہ کو مبہم رکھ کر اس کی عظمت شان کی طرف اشارہ ہے۔

عِنْدَھَا جَنَّۃُ الْمَاوٰی اسے جنت الماویٰ اس لئے کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کا ماویٰ و مسکن یہی تھا، بعض کہتے ہیں کہ روحیں اس لئے کہتے ہیں کہ یہاں روحیں آکر جمع ہوتی ہیں۔

اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی یہ سدرۃ المنتہیٰ کی اس کیفیت کا بیان ہے کہ جب شب معراج میں آپ ﷺ نے اس کا مشاہدہ فرمایا تھا، سونے کے پروانے اس کے گرد منڈلا رہے تھے، فرشتوں کا عکس اس پر پڑ رہا تھا، اور رب کی تجلیات کا مظہر بھی وہی درخت تھا (ابن کثیر) اسی جگہ آپ ﷺ کو تین چیزوں سے نوازا گیا، پانچ وقت کی نمازیں، سورۂ بقرہ کی آخری آیات اور ان مسلمانوں کی مغفرت کا وعدہ جو شرک کی آلودگیوں سے پاک ہوں گا۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان)

اَفَرَاَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی اس سے مشرکین کی توبیخ مقصود ہے بایں طور کہ اول اللہ تعالیٰ کی عظمت شان کا بیان ہے کہ وہ جبرئیل جیسے عظیم فرشتے کا خالق ہے اور محمد ﷺ جیسے اس کے رسول ہیں جنہیں اس نے آسمانوں پر بلا کر بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کرایا، اور ان پر وحی بھی نازل فرماتا ہے، کیا تم جن معبودوں کی عبادت کرتے ہو ان کے اندر بھی یہ یا اس قسم کی خوبیاں ہیں؟ اس ضمن میں عرب کے تین بتوں کا بطور مثال ذکر کیا، ایک ان میں سے لاتّ ہے، یہ لَتَّ یَلُتُّ سے اسم فاعل ہے، اس کے معنی ہیں گھولنے والا، گوندھنے والا، یہ ایک نیک شخص تھا جو حج کے موسم میں حاجیوں کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا، جب اسکا انتقال ہو گیا تو لوگوں نے اس کی قبر کی پوجا شروع کر دی بعد میں اس کے مجسمے تراش کر پوجا پاٹ شروع کر دی، یہ طائف میں بنی ثقیف کا سب سے بڑا بت تھا، عزّیٰ، بعض نے کہا کہ یہ ایک درخت تھا جس کی پوجا کی جاتی تھی، بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک جنیہ (بھوتنی) تھی جو بعض درختوں میں ظاہر ہوتی تھی، بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک سنگ ابیض تھا جسے لوگ پوجتے تھے، یہ قریش اور بنی کنانہ کا خاص دیوتا

تھا، مجاہد نے کہا کہ یہ ایک درخت تھا بنی غطفان اس کی پرستش کرتے تھے، جب مکہ فتح ہوا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت خالد بن ولید کو حکم دیا کہ عزیٰ کو خوار کریں چنانچہ حضرت خالد رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے وہ درخت کاٹ ڈالا ایک جنیہ بال بکھیرے سر پر ہاتھ رکھ کر خرابی خرابی چلاتی ہوئی نکلی حضرت خالد رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے اس کو تلوار سے قتل کر دیا، جب خالد رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ آپ کی خدمت میں آئے تو واقعہ عرض کیا، آپ نے فرمایا ابھی عزیٰ کا قلع قمع نہیں ہوا، پھر حضرت خالد نے درخت جڑ سے اکھاڑ کر پھینکدیا اس سے ایک عورت برہنہ نکلی، خالد رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے اسے بھی قتل کر دیا، حضور نے فرمایا یہی عزیٰ تھی اب کبھی نہ پوجی جائے گی، مناۃ یہ مَنٰی یمنِی سے ماخوذ ہے جس کے معنی بہانے کے ہیں، چونکہ مشرکین عرب اس کے پاس بکثرت جانور ذبح کر کے خون بہا کر اس کا تقرب حاصل کرتے تھے اسی لئے اس کا نام مناۃ ہو گیا یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان بنوخزاعہ کا خاص بت تھا، زمانہ جاہلیت میں اوس اور خزرج یہیں سے احرام باندھتے تھے اور اس کا طواف بھی کرتے تھے۔ (خلاصة التفاسیر، وابن کثیر)

بحث: وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی کا تقاضہ ہے کہ آپ ﷺ کے تمام کلمات اور جمیع مرویات وحی ہوں ابن کثیر کی مرویات سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اِنِّی لَا اَقُوْلُ اِلَّا بِالْحَقِّ اور حضرت عمرو رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے فرمایا کہ میں جو آنحضرت ﷺ سے سنتا لکھ لیتا، قریش نے کہا آپ ﷺ بشر ہیں حالت غضب میں بھی بات کرتے ہیں، پھر جملہ کلمات قابل ضبط وتحریر کیونکر ہو سکتے ہیں؟ میں نے آنحضرت سے عرض کیا، آپ نے فرمایا ''لکھ لیا کرو اس لئے کہ میں جو کچھ کہتا ہوں وہ حق ہی ہوتا ہے''۔

شبہ: آپ ﷺ کو شَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ میں مشورہ کا حکم دیا گیا ہے جس کا مقتضی جواز اصلاح وترمیم ہے اسی طرح ابارۂ خرما (یعنی نر کھجور کے شگوفہ کو مادہ کھجور میں ڈالنا، جس کو تأبیر کرنا کہتے ہیں) کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ آپ کا ہر قول وحی نہیں ہوتا تھا، یعنی صحابہ کرام اپنے کھجور کے درختوں میں عمل تأبیر کیا کرتے تھے آپ نے ایک روز اس عمل کے بارے میں دریافت فرمایا، صحابہ نے عرض کیا اس طریقہ سے پھل خوب آتا ہے، آپ نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو تو بہتر ہے، چنانچہ صحابہ نے عمل تأبیر ترک کر دیا مگر اس سال پھل کم آئے، صحابہ نے آپ ﷺ سے اس صورت حال کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اِذَا اَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ من أمر دینکم فخذوا به و اذا اَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ مِنْ رَأیٍ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ ص ۲۸) ایک دوسری روایت میں ہے آپ نے ارشاد فرمایا ''جو مجھے چرب زبانی سے مغالطہ دیکر فیصلہ کرالے گا قیامت میں اس کا وبال اس کے سر ہوگا، اسی طرح آپ ﷺ سے خطاء اجتہادی کا صدور ہوتا تھا، مذکورہ تمام امور کا مقتضی یہ ہے کہ آپ کے جمیع ارشادات وحی نہ ہوں، اس لئے کہ وحی الٰہی ہر سقم سے پاک ہوتی ہے۔

دفع: ارشادات نبوی کی چار قسمیں ہیں ① ازواج واطفال کے ساتھ مزاح ② معاملات ③ تجویز وتدبیر ④ تبلیغ احکام من جانب اللہ، قسم رابع تو قطعاً وحی ہے، باقی اقسام ثلثہ بھی لغو وباطل وہوائے نفس سے پاک اور بری ہیں، جیسا کہ آپ ﷺ نے ایک بوڑھی عورت سے مزاحاً فرمایا ''جنت میں بوڑھی عورتیں نہ جائیں گی'' مطلب یہ تھا کہ جوان ہو کر داخل جنت ہوں گی، ان معاملات میں کبھی کبھی رائے وقیاس کا صائب نہ ہونا، جیسا کہ حدیث خرما میں گذرا یا تجویز وتدبیر میں خطائے

اجتہادی کا ہونا جیسا کہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں ہوا، یہ نہ غیرحق ہے اور نہ ہوائے نفس لہٰذا احادیث میں کوئی تعارض نہیں، رہی آیت، وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی یہ مخصوص ہے ان کلمات اور ارشادات سے جو امور دین سے ہوں۔

مَسْئَلَۃ: آپ ﷺ صغیرہ و کبائر سے معصوم ہیں جیسا کہ عدم ضلال و عدم غوایت مطلقہ سے ظاہر ہے۔ (خلاصۃ التفاسیر)

عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی.

بحث: شدید القویٰ سے اکثر مفسرین کے نزدیک حضرت جبرئیل امین مراد ہیں۔

شبہ: اس سے شبہ لازم آتا ہے کہ جبرئیل آپ ﷺ کے معلم اور استاذ ہوں، اور آپ ﷺ متعلم اور شاگرد ہوں۔

دفع: حضرت جبرئیل امین مبلغ تھے نہ کہ استاذ و معلم اور فرق ان دونوں میں یہ ہے ① معلم میں علم مقصود بالذات ہوتا ہے، اور مبلغ میں مقصود بالغیر ② معلم علم سے فائدہ اٹھانے کی مستقل صلاحیت رکھتا ہے اور مبلغ واسطہ اور ناقل ہوتا ہے ③ معلم میں علم قائم ہو کر متعلم کی طرف منعکس ہوتا ہے اور اس علم کا ظل اور مثل متعلم میں آجاتا ہے جیسے چراغ کا نور دوسرے چراغ میں، اور مبلغ میں مقصود انتقال عین ہوتا ہے اور مبلغ واسطہ۔ جیسے حرارت آتشی شیشے سے پس مبلغ میں اثر رہ سکتا ہے جیسے متعلم میں اثر جاسکتا ہے اور معلم میں عین باقی رہتا ہے جس طرح کہ مبلغ الیہ میں عین قائم ہوتا ہے ④ معلم معطی علم ہے اور مبلغ مؤدی امانت، پس انہی وجوہ سے معلم کو متعلم پر شرف و فضل حاصل ہے مبلغ کو نہیں، اسی لئے جبرئیل ''رسول امین'' قرار پائے ہیں، گو امین خود قابض اور واسطۂ قبض صاحب امانت ہو مگر خادم و مامور ہے نہ کہ معطی و مالک، ملائکہ ذرائع ہوتے ہیں اور انبیاء مقاصد۔ (خلاصۃ التفاسیر ملخصًا)

اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰی تِلْکَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِیْزٰی مشرکین مکہ فرشتوں اور مذکورہ دیویوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے، یہ اس کی تردید ہے، ضِیْزٰی ضَوْزٌ یاضیز سے مشتق ہے جس کے معنی ظلم کرنے اور حق تلفی کرنے نیز جادۂ حق سے ہٹنے کے ہیں، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ضیزی کے معنی ظالمانہ تقسیم کے کئے ہیں، مطلب یہ ہے کہ اناث جن کو تم ناپسند کرتے اور حقیر سمجھتے ہو ان کی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہو اور ذکور جن کو تم پسند کرتے ہو اپنے حصہ میں رکھتے ہو، یہ ظالمانہ اور غیر منصفانہ تقسیم ہے۔

اِنْ هِیَ اِلَّا اَسْمَاءٌ سَمَّیْتُمُوْهَا الخ یعنی جن کو تم دیوی دیوتا کہتے ہو اور جن کی تم پوجا پاٹ کرتے ہو اور جن کے لئے تم خدائی صفات اور اختیارات ثابت کرتے ہو اور تم نے اور تمہارے آباء نے بطور خود ان کو خدا کی اولاد اور خدائی میں شریک مان کر نام رکھ لئے ان کی حقیقت کچھ نہیں ہے اور نہ خدا کی طرف سے کوئی ایسی سند آئی کہ جسے تم اپنے ان مفروضات کے ثبوت میں پیش کرسکو، اور یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ تم اپنی خواہشات نفس کی پیروی اختیار کئے ہوئے ہو، حالانکہ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبران گمراہ لوگوں کو حقیقت حال سے آگاہ کرتے رہے ہیں اور اب اللہ کے آخری نبی محمد ﷺ نے آکر بتادیا ہے کہ کائنات میں خدائی کس کی ہے اور حقیقی معبود کون ہے؟

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ اى كثير من الملائكة فِي السَّمٰوٰتِ وما اكرمهم عندالله لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لهم فيها لِمَنْ يَّشَآءُ من عباده وَيَرْضٰى ﴿۲۶﴾ عنه لقوله ولا يشفعون الا لمن ارتضى ومعلوم انها لا توجد منهم الا بعد الاذن فيها من ذا الذى يشفع عنده الا باذنه اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿۲۷﴾ حيث قالوا هم بنات الله وَمَا لَهُمْ بِهٖ بهذا المقول مِنْ عِلْمٍ اِنْ ما يَّتَّبِعُوْنَ فيه اِلَّا الظَّنَّ الذى تخيلوه وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ﴿۲۸﴾ اى عن العلم فيما المطلوب فيه العلم فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا اى القران وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۲۹﴾ وهذا قبل الامر بالجهاد ذٰلِكَ اى طلب الدنيا مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اى نهاية علمهم ان اثروا الدنيا على الاخرة اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿۳۰﴾ اى عالم بهما فيجازيهما وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اى هو مالك لذلك ومنه الضال والمهتدى يضل من يشاء ويهدى من يشاء لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا من الشرك وغيره وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بالتوحيد وغيره من الطاعات بِالْحُسْنٰى ﴿۳۱﴾ اى الجنة وبين المحسنين بقوله اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ هو صغار الذنوب كالنظرة والقبلة واللمسة فهو استثناء منقطع والمعنى لكن اللمم تغفر باجتناب الكبائر اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ بذلك وبقبول التوبة ونزل فيمن كان يقول صلاتنا صيامنا حجنا هُوَ اَعْلَمُ اى عالم بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ اى خلق اباكم ادم من التراب وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ جمع جنين فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ لا تمدحوها اى على سبيل الاعجاب اما على سبيل الاعتراف بالنعمة فحسن هُوَ اَعْلَمُ اى عالم بِمَنِ اتَّقٰى ﴿۳۲﴾

ترجمہ: اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے موجود ہیں یعنی بہت سے فرشتے ہیں اور عنداللہ کس قدر مکرم ہیں (پھر بھی) ان کی شفاعت کچھ فائدہ نہ دے گی مگر بعد اس کے کہ اللہ ان کو شفاعت کی اجازت عطا فرمادے اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے اور اس سے راضی ہو (اللہ تعالیٰ کے قول) وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى کی وجہ سے، اور یہ بات معلوم ہی ہے کہ فرشتوں کی شفاعت کا وجود شفاعت کی اجازت کے بعد ہی ہوگا، کس کی مجال کہ اس کے حضور اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرے؟ بلاشبہ وہ لوگ جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے تو وہ فرشتوں کے زنانے نام رکھتے ہیں بایں طور کہ انہوں نے فرشتوں کے بارے میں کہا کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں حالانکہ ان کو اس مقولہ کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے، اور وہ اس قول میں اس ظن محض کی پیروی کر رہے ہیں جو انہوں نے کرلیا ہے اور یقیناً ظن علم کی جگہ کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتا، یعنی جہاں علم مطلوب ہو وہاں ظن سے کام نہیں چل سکتا، تو آپ بھی اس شخص سے توجہ ہٹا لیجئے جس نے ہمارے ذکر یعنی قرآن سے رخ پھیر لیا اور اس کا مقصد محض دنیوی زندگی ہی ہے اور یہ (حکم) جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے، اور یہ یعنی دنیا طلبی

ان کا منتہائے علم ہے یعنی ان کے علم کی آخری منزل یہی ہے کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دیں بلاشبہ آپ کا پروردگار اس کو خوب جانتا ہے جو اس کے راستہ سے بھٹک گیا اور اس سے بھی بخوبی واقف ہے جس نے راہ ہدایت اختیار کی یعنی ان دونوں سے واقف ہے لہٰذا دونوں کو جزاء دے گا، اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کی ملک ہے یعنی وہی اس کا مالک ہے اور اسی میں گمراہ اور راہ یافتہ بھی ہیں وہ جس کو چاہے گمراہ کرے اور جس کو چاہے ہدایت دے تاکہ اس شخص کو سزا دے جس نے شرک وکفر وغیرہ کے ذریعہ بداعمالیاں کیں اور ان لوگوں کو جنت کا صلہ دے جنہوں نے توحید وطاعت وغیرہ کے ذریعہ نیک اعمال کئے اور بیان فرمایا اپنے قول اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ الخ کے ذریعہ نیکوکاروں کو (نیکوکار) وہ لوگ ہیں جو بڑے (بڑے) گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں اور بے حیائیوں سے (بھی) مگر کہ چھوٹے موٹے گناہوں کے مرتکب ہو جاتے ہیں اور لَمَمْ چھوٹے گناہوں کو کہتے ہیں جیسا کہ ایک نظر دیکھ لینا، اور ایک بوسہ لے لینا، اور ایک مرتبہ چھو لینا، یہ استثناء منقطع ہے اور معنی یہ ہیں کہ صغائر، کبائر سے اجتناب کرنے کی وجہ سے معاف کر دیئے جاتے ہیں بلاشبہ تیرا رب وسیع المغفرت ہے اس کے ذریعہ اور توبہ قبول کرنے کے ذریعہ اور (آئندہ) آیت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو شخص (فخر کے طور پر) کہتا تھا ہماری نماز، ہمارے روزے، ہمارا حج حالانکہ وہ تم کو خوب جانتا ہے جب کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا یعنی تمہارے دادا آدم کو مٹی سے پیدا کیا جب کہ تم ماؤں کے پیٹ میں جنین تھے اَجِنَّۃٌ جنین کی جمع ہے لہٰذا تم اپنے نفسوں کی پاکی مت بیان کرو اب رہا نعمت کے اعتراف کے طور پر تو وہ حسن ہے، متقیوں کو وہ خوب جانتا ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: کَمْ مِنْ مَلَكٍ، کَمْ خبریہ بیان کثرت کے لئے ہے لہٰذا مَلَكٍ اگرچہ مفرد ہے مگر معنی میں جمع کے ہے، لہٰذا لَاتُغْنِیْ شَفَاعَتُهُمْ کے مطابق ہے، اور کَمْ مِنْ مَلَكٍ مبتداء اور لاتُغنی اس کی خبر دونوں محلاً مرفوع ہیں۔

قَوْلُہٗ: وَمَا اَکْرَمَهُمْ جملہ تعجبیہ ہے، ملائکہ کی زیادتی تشریف کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: ومعلوم انها لَا توجَدُ مِنْهُمْ اِلَّا بعد الإذن فيها اس عبارت کے اضافہ کا ایک مقصد تو اس شبہ کو دور کرنا ہے کہ لَاتُغْنِیْ شَفَاعَتُهُمْ شيئًا سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ کی شفاعت تو ہوگی مگر وہ کچھ بھی مفید نہ ہوگی حالانکہ سرے سے شفاعت ہی نہیں ہوگی، مذکورہ عبارت سے مفسر علام نے جواب دیدیا کہ عدم اغناءِ شفاعت، عدم شفاعت کے معنی میں ہے، نیز دوسرا مقصد یہ بتانا بھی ہے کہ شفاعت کے لئے دو باتیں ضروری ہیں، اول یہ کہ جس کے لئے شفاعت کی جارہی ہے اللہ اس کی شفاعت سے راضی بھی ہو یہ بات لاتغنی شفاعتهم شيئًا الخ سے مفہوم ہو رہی ہے، دوسرے یہ کہ شفاعت کرنے والے کو اجازت بھی ہو، یہ بات دوسری آیت مَنْ ذَا الَّذِی یَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ سے مفہوم ہے، جب دونوں باتیں جمع ہوں گی تب ہی شفاعت ہوگی ورنہ نہیں۔

قَوْلُهُ: ای عن العلم اس عبارت سے مفسر علام نے اشارہ کردیا کہ مِنْ بمعنی عن ہے اور حق بمعنی علم ہے۔

قَوْلُهُ: ومنه الضال والمهتدی الخ اس عبارت کے اضافہ کا فائدہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین وما فیہما کی ملکیت اللہ تعالیٰ کے لئے بالذات ثابت ہے اور جو چیز بالذات ثابت ہوتی ہے وہ چیز معلول بالعلۃ نہیں ہوتی، حالانکہ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ الخ کو ملكِ سمٰوات والارض کی علت قرار دیا گیا ہے۔

جَوَابٌ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ لیجزیَ اضلال وہدایت کی تعلیل ہے جو کہ ملك السمٰواتِ والارض وما فیہما میں شامل ہے، لہٰذا تقدیر عبارت یہ ہے یُضل ویھدی لِیَجْزِیَ اور یہ بھی صحیح ہے کہ لام عاقبت کا ہو، مطلب یہ کہ تخلیق کائنات اس لئے ہے کہ مخلوق میں محسن بھی ہوں گے اور مسیئ بھی، یعنی نیکوکار بھی ہوں گے اور بدکار بھی، نیکوکاروں کو جزاء حسن دے اور بدکاروں کو جزاء سوء۔

قَوْلُهُ: اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ الخ یہ الَّذِین اَحْسَنُوْا سے بدل ہے یا عطف بیان ہے یا نعت ہے یا اَعْنِی محذوف کا مفعول ہے یا مبتداء محذوف کی خبر ہے ای ھم الَّذِیْنَ.

قَوْلُهُ: اللَّمَمَ چھوٹے گناہ لَمَمٌ کے لغوی معنی ہیں کم اور چھوٹا ہونا، اسی سے اس کے یہ استعمالات ہیں اَلَمَّ بالمکان مکان میں تھوڑی دیر قیام کیا اَلَمَّ بالطعام تھوڑا سا کھایا، اسی طرح کسی چیز کو محض چھونا، یا اس کے قریب ہونا، یا کسی کام کو ایک یا دو مرتبہ کرنا، اس پر دوام واستمرار نہ کرنا، یا محض دل میں خیال گذرنا، یہ سب صورتیں لَمَمْ کہلاتی ہیں (فتح القدیر شوکانی) اسی مفہوم اور استعمال کی رو سے اس کے معنی صغیرہ گناہ کے کئے جاتے ہیں، یعنی کسی بڑے گناہ کے مبادیات کا ارتکاب لیکن بڑے گناہ سے اجتناب کرنا، یا کسی گناہ کا ایک دو بار کرلینا اور پھر ہمیشہ کے لئے اس کو چھوڑ دینا، یا کسی گناہ کا خیال دل میں آنا مگر عملاً اس کے قریب نہ جانا، یہ سب صغیرہ گناہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کبائر سے اجتناب کی برکت سے معاف فرمادے گا۔

قَوْلُهُ: فَھُوَ استثناءٌ منقطعٌ یعنی اِلَّا اللَّمَمَ مستثنیٰ منقطع ہے یعنی کبائر میں شامل نہیں ہے اور کبائر میں شامل ہو تو مستثنیٰ متصل ہوگا۔

تفسیر وتشریح

وَکَمْ مِنْ مَلَكٍ فِی السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِیْ شَفَاعَتُھُمْ شَیْئًا یعنی فرشتے اپنی کثرت اور عند اللہ مقرب ترین مخلوق ہونے کے باوجود شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے ان کو بھی شفاعت کا حق صرف انہیں لوگوں کے لئے ملے گا جن کے لئے اللہ پسند کرے گا، جب یہ بات ہے تو پھر یہ اینٹ پتھر کی مورتیاں اور بناوٹی معبود کس طرح کسی کی سفارش کرسکیں گے؟ جس سے تم آس لگائے بیٹھے ہو، نیز اللہ تعالیٰ مشرکوں کے حق میں کسی کی سفارش کرنے کا حق کیسے دے گا؟ جبکہ شرک اس کے نزدیک ناقابل معافی جرم ہے؟

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ الخ یعنی ایک حماقت تو ان کی یہ ہے کہ انہوں نے بے اختیار فرشتوں کو جو بغیر اجازت

سفارش کرنے کا اختیار نہیں رکھتے معبود بنالیا ہے، اس پر مزید حماقت یہ کہ وہ انہیں عورت سمجھتے ہیں اور انہیں خدا کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں، ان ساری جہالتوں میں ان کے مبتلا ہونے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ آخرت کو نہیں مانتے اور ملائکہ کے متعلق انہوں نے یہ عقیدہ کچھ اس بناء پر اختیار نہیں کیا ہے کہ انہیں کسی ذریعہ علم سے یہ معلوم ہوگیا ہے کہ وہ عورتیں ہیں اور خدا کی بیٹیاں ہیں، بلکہ انہوں نے محض اپنے قیاس وگمان سے ایک بات فرض کرلی ہے، حالانکہ یہ اصول اور عقیدہ کا مسئلہ ہے اس میں تو علم قطعی کی ضرورت ہوتی ہے، گمان غالب مسائل فرعیہ عملیہ میں تو کام آسکتا ہے نہ کہ مسائل اعتقادیہ میں۔

فَاَعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلّٰی الخ یعنی ایسے لوگوں کے سمجھانے پر اپنا قیمتی وقت صرف نہ کیجئے کہ جو ایسی کسی دعوت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوں جس کی بنیاد خدا پرستی پر ہو اور جو دنیا کے مادی فائدوں سے بلند تر مقاصد اور اقدار کی طرف بلاتی ہو، اس قسم کے مادہ پرست اور خدا بیزار انسان پر اپنی محنت صرف کرنے کے بجائے توجہ ان لوگوں کی طرف کیجئے جو خدا کا ذکر سننے کے لئے تیار ہوں اور دنیا پرستی کے مرض میں مبتلا نہ ہوں، یہ لوگ دنیا اور اس کے فوائد سے آگے نہ کچھ جانتے ہیں اور نہ سوچ سکتے ہیں، اس لئے ان پر محنت صرف کرنا لا حاصل ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى یہ اعراض کی علت ہے کسی آدمی کے گمراہ یا برسر ہدایت ہونے کا فیصلہ تو اللہ کے ہاتھ میں ہے وہی زمین وآسمان کا مالک ہے، اور اسی کو یہ معلوم ہے کہ دنیا کے لوگ جن مختلف راہوں پر چل رہے ہیں ان میں سے ہدایت کی راہ کونسی ہے؟ اور ضلالت کی راہ کونسی؟ لہٰذا تم اس بات کی کوئی پرواہ نہ کرو کہ یہ مشرکین عرب اور یہ کفر مکہ آپ کو بہکا اور بھٹکا ہوا آدمی قرار دے رہے ہیں، اور اپنی جاہلیت ہی کو حق وہدایت سمجھ رہے ہیں یہ اگر اپنے زعم باطل میں مگن رہنا چاہتے ہیں تو رہنے دو ان سے بحث وتکرار میں وقت ضائع کرنے اور سر کھپانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ یہ جملہ معترضہ ہے اور لِيَجْزِيَ کا تعلق ماقبل سے ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ اس آیت میں ''محسنین'' جنکی اوپر مدح فرمائی گئی ہے کی علامت اور شناخت بتائی گئی ہے کہ وہ کبیرہ گناہوں سے عموماً اجتناب کرتے ہیں اور فحش وبے حیائی کے کاموں سے بالخصوص دور رہتے ہیں، اس میں ایک استثناء بلفظ لَمَمَ سے فرمایا گیا ہے (لَمَمَ) کی تشریح سابق میں بھی گذر چکی ہے، مطلب یہ کہ ان حضرات کو محسن (نیکوکار) ہونے کا جو خطاب دیا گیا ہے، لَمَمَ میں ابتلاء ان کو اس خطاب سے محروم نہیں کرتا۔

لَمَمَ کی تشریح میں صحابہ اور تابعین کے دو قول منقول ہیں، ایک یہ کہ اس سے مراد صغیرہ گناہ ہیں جن کو سورۂ نساء کی آیت میں سیئات سے تعبیر فرمایا گیا ہے اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبٰٓئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ یہ قول حضرت ابن عباس اور ابو ہریرہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ سے ابن کثیر نے نقل کیا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے وہ گناہ مراد ہے جو انسان سے اتفاقی طور پر سرزد ہوگیا ہو پھر اس سے توبہ کرلی ہو اور پھر اس کے قریب بھی نہ گیا ہو یہ قول بھی ابن کثیر نے بروایت ابن جریر مختلف واسطوں سے نقل کیا ہے اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ اگر کسی نیک آدمی سے کبھی اتفاقاً کبیرہ گناہ سرزد ہوجائے اور اس نے توبہ کرلی تو یہ شخص بھی صالحین اور متقین کی فہرست سے خارج نہ ہوگا، سورۂ آل عمران کی ایک آیت میں یہی مضمون بہت صراحت کے ساتھ آیا ہے،

متقیوں کی صفات کے بیان کے ذیل میں فرمایا وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (یعنی وہ لوگ متقین ہی میں داخل ہیں جن سے کوئی فحش کبیرہ گناہ سرزد ہو گیا ہو گناہ کر کے اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے تو فوراً ان کو اللہ کی یاد آئی اور اپنے گناہوں کی مغفرت مانگی اور اللہ کے سوا گناہوں کو معاف کر بھی کون سکتا ہے؟ اور جو گناہ ہو گیا اس پر جمے نہیں رہے) اور جمہور علماء کے نزدیک یہ بھی متفق علیہ ہے کہ جس صغیرہ گناہ پر اصرار کیا جائے اور اس کی عادت ڈال لی جائے وہ بھی کبیرہ ہو جاتا ہے اس لئے لَمَمْ سے وہ صغیرہ گناہ مراد ہیں جن پر اصرار نہ ہو۔ (معارف)

حضرت عبداللہ بن مسعود اور مسروق اور شعبی فرماتے ہیں اور حضرت ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عباس سے بھی معتبر روایات میں یہ قول منقول ہوا ہے کہ اس سے مراد آدمی کا کسی بڑے گناہ کے قریب تک پہنچ جانا اور اس کے ابتدائی مراحل تک طے کر گذرنا مگر آخری مرحلہ میں پہنچ کر رک جانا ہے مثلاً کوئی شخص چوری کرنے کے لئے جائے مگر چوری سے باز رہے یا اجنبیہ سے اختلاط کرے مگر زنا کا اقدام نہ کرے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر عکرمہ، قتادہ اور ضحاک کہتے ہیں کہ ان سے مراد چھوٹے چھوٹے گناہ ہیں جن کے لئے دنیا میں بھی کوئی سزا مقرر نہیں کی گئی ہے، اور آخرت میں بھی جن پر کوئی عذاب کی وعید نہیں فرمائی گئی ہے۔

حضرت سعید بن مسیب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ لَمَمْ سے مراد دل میں گناہ کا خیال آنا مگر عملاً اس کا ارتکاب نہ کرنا، یہ حضرات صحابہ اور تابعین سے لَمَمْ کی مختلف تفسیریں ہیں، جو روایات میں منقول ہوئی ہیں، بعد کے مفسرین اور ائمہ وفقہاء کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ یہ آیت اور سورۂ نساء کی آیت ۳۱ صاف طور پر گناہوں کو دو بڑی اقسام پر تقسیم کرتی ہیں، ایک کبائر اور دوسرے صغائر، اور یہ دونوں آیتیں انسان کو امید دلاتی ہیں کہ اگر وہ کبائر اور فواحش سے پرہیز کرے تو اللہ تعالیٰ صغائر سے درگذر فرمائے گا، امام غزالی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا کہ کبائر اور صغائر کا فرق ایک ایسی چیز ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

صغیرہ وکبیرہ گناہ میں فرق:

اب رہا یہ سوال کہ صغیرہ اور کبیرہ گناہ میں فرق کیا ہے؟ اور کس قسم کا گناہ صغیرہ اور کس قسم کا گناہ کبیرہ ہے تو اس میں واضح اور صاف بات یہ ہے کہ ہر وہ فعل گناہ کبیرہ ہے جسے کتاب وسنت کی کسی نص صریح نے حرام قرار دیا ہے یا اس کے لئے اللہ اور اس کے رسول نے دنیا میں کوئی سزا مقرر فرمائی ہو، یا اس پر آخرت میں عذاب کی وعید سنائی ہو یا اس کے مرتکب پر لعنت ہو، یا اس کے مرتکبین پر نزول عذاب کی خبر دی ہو، اس نوعیت کے گناہوں کے ماسوا جتنے افعال بھی شریعت کی نگاہ میں ناپسندیدہ ہیں وہ سب صغائر کی تعریف میں آتے ہیں، اسی طرح کبیرہ کی محض خواہش یا اس کا ارادہ بھی کبیرہ نہیں، بلکہ صغیرہ ہے، حتی کہ کسی بڑے گناہ کے ابتدائی مراحل طے کر جانا بھی اس وقت تک گناہ کبیرہ نہیں ہے، جب تک آدمی اس کا ارتکاب نہ کر گذرے، البتہ گناہ صغیرہ بھی ایسی حالت میں کبیرہ ہو جاتا ہے، جب وہ دین کے استخفاف اور اللہ کے مقابلہ میں استکبار کے جذبہ سے کیا جائے۔

اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ مطلب یہ ہے کہ صغائر کا معاف کر دیا جانا، کچھ اس وجہ سے نہیں کہ صغیرہ گناہ گناہ نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ تنگ نظری اور خوردہ گیری کا معاملہ نہیں فرماتا، بندے اگر نیکی اختیار کریں اور کبائر وفواحش سے اجتناب کرتے رہیں تو وہ ان کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر گرفت نہ فرمائے گا، اور اپنی رحمت بے پایاں کی وجہ سے ان کو ویسے ہی معاف کر دے گا۔

هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ (الآیة) **اَجِنَّةٌ** جنین کی جمع ہے رحم مادر میں جو بچہ ہوتا ہے اسے جنین کہتے ہیں اس لئے کہ وہ لوگوں کی نظروں سے مستور ہوتا ہے، ''جیم نون نون'' کے مادہ میں ستر وخفا کے معنی لازم ہیں، مطلب یہ ہے کہ جب اس سے تمہاری کوئی کیفیت وحالت وحرکت مخفی نہیں حتی کہ جب تم صلب پدر اور رحم مادر میں تھے جہاں کوئی دیکھنے پر قادر نہیں تھا وہ وہاں بھی تمہارے تمام احوال وکیفیات سے واقف تھا تو پھر اپنی پاکیزگی بیان کرنے اور اپنے منہ میاں مٹھو بننے اور خودستائی کے مرض میں مبتلا ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے متنبہ فرمایا ہے کہ وہ خود اپنی جان کا اتنا علم نہیں رکھتا جتنا اس کے خالق سبحانہ کو ہے کیونکہ صلب پدر سے لیکر رحم مادر میں تخلیق کے جو مختلف ادوار اس پر گذر رہے ہوتے ہیں اس وقت وہ کوئی علم وشعور ہی نہیں رکھتا مگر اس کا بنانے والا خوب جانتا ہے اس سے انسان کو اس کے عجز اور کم علمی پر متنبہ کر کے یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ جو بھی اچھا اور نیک کام کرتا ہے وہ اس کا ذاتی کمال نہیں ہے خدا کا بخشا ہوا انعام ہے، لہٰذا کسی بڑے سے بڑے نیک صالح اور متقی وپرہیزگار کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنے عمل پر فخر کرے اور اس عمل کو اپنا کمال قرار دے کر غرور خودستائی میں مبتلا ہو جائے اسی ہدایت کو اگلی آیت **فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى** میں بیان فرمایا ہے، یعنی تم اپنے نفس کی پاکی کا دعویٰ نہ کرو کیونکہ اس کو صرف اللہ ہی جانتا ہے کہ کون کیسا اور کس درجہ کا ہے؟ کیونکہ مدار فضیلت تقویٰ پر ہے ظاہری اعمال پر نہیں اور تقویٰ بھی وہ معتبر ہے جو موت تک باقی رہے۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ تَوَلّٰى ﴿۳۳﴾ عَنِ الایمَانِ ای اِرْتَدَّ لَمَا عُيِّرَ به وقَالَ اِنِّي خَشِيْتُ عِقَابَ اللّٰهِ فَضَمِنَ له المُعَيِّرُ اَنْ يَتَحَمَّلَ عنه عَذَابَ اللّٰهِ اِنْ رَجَعَ اِلٰى شِرْكِه واَعْطَاهُ مِن مَّالِه كذا فرجع **وَاَعْطٰى قَلِيْلًا** مِنَ المَالِ المُسَمّٰى **وَّاَكْدٰى** ﴿۳۴﴾ مَنَعَ البَاقِي مَاخوذ مِنَ الكُدْيَةِ وهِيَ اَرْضٌ صلبَةٌ كالصَّخْرَةِ تَمْنَعُ حافر البِئْرِ اِذَا وَصَلَ اِليها من الحَفْرِ **اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى** ﴿۳۵﴾ يَعْلَمُ مِن جُمْلَتِه اَنَّ غيرَهُ يتحمَّلُ عنه عذابَ الاٰخِرَةِ لا وهُوَ الوليدُ بنُ المُغِيرَةِ او غيرُهُ وجُملةُ اَعِنْدَهُ المَفْعُولُ الثَّاني لِرَأَيتَ بمعنى اَخْبِرْنِي **اَمْ** بل **لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِىْ صُحُفِ مُوْسٰى** ﴿۳۶﴾ اَسْفَارِ التَّوراةِ اَوْ صُحُفٍ قبلَها **وَ** صُحُفِ **اِبْرٰهِيْمَ الَّذِىْ وَفّٰٓى** ﴿۳۷﴾ تَمَّمَ ما اُمِرَ به بحق وَاِذِ ابْتَلٰى اِبْرَاهِيمَ رَبُّه بِكَلِمَاتٍ فَاَتَمَّهُنَّ وبَيَانُ مَا **اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى** ﴿۳۸﴾ اِلٰى اٰخِرِه وان مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيلَةِ اى اَنَّهُ لَاتَحْمِلُ نَفْسٌ ذَنْبَ غيرِهَا **وَاَنْ** اى اَنَّهُ **لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى** ﴿۳۹﴾ من خيرٍ فليسَ له مِن سَعْيِ غيرِه الخَيرِ شيءٌ **وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى** ﴿۴۰﴾ اى يَبْصُرُهُ في الاٰخِرَةِ **ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى** ﴿۴۱﴾ الاَكْمَلَ يُقَالُ جَزَيْتُهُ سَعْيَهُ وبِسَعْيِه **وَاَنَّ**

بالفتح عطفًا وقرئ بالكسر اسْتِيْنَافًا وكذا مَا بَعْدَهَا فلَا يَكُوْنُ مَضْمُوْنُ الْجُمَلِ فِي الصُّحُفِ عَلَى الثَّانِي **إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنتَهَىٰ** الْمَرْجِعُ والمصيرُ بعد الموتِ فيُجازيهم **وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ** مَن شَاءَ أفْرَحَهُ **وَأَبْكَىٰ** مَن شَاءَ احزَنَهُ **وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتَ** فِي الدُّنيا **وَأَحْيَا** لِلبعثِ **وَأَنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ** الصِّنفَين **الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ مِن نُّطْفَةٍ** مَنِيٍّ **إِذَا تُمْنَىٰ** تُصَبُّ فِي الرَّحِمِ **وَأَنَّ عَلَيْهِ النَّشْأَةَ** بالمدِّ والقصرِ **الْأُخْرَىٰ** الخَلْقَةَ الأخرى لِلبَعْثِ بعدَ الخَلْقَةِ الأولى **وَأَنَّهُ هُوَ أَغْنَىٰ** النَّاسَ بالكِفَايَةِ بالأموالِ **وَأَقْنَىٰ** أعطى المَالَ المُتَّخَذَ قِنْيَةً **وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشِّعْرَىٰ** هي كَوكَبٌ خَلْفَ الجَوْزَاءِ كانَتْ تُعْبَدُ فِي الجاهليَّةِ **وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَىٰ** وفي قِراءةٍ بإدغامِ التَّنوينِ فِي اللَّامِ وضمِّها بلا هَمزةٍ هي قَومُ هود والأخرى قوم صالح **وَثَمُودَ** بالصرفِ اِسمٌ لِلابِ وبلا صَرْفٍ اِسْمٌ للقبيلَةِ وهو معطوفٌ على عادٍ **فَمَا أَبْقَىٰ** منهم أحدًا **وَقَوْمَ نُوحٍ مِّن قَبْلُ** اي قبل عادٍ وثمودِ أهلكناهم **إِنَّهُمْ كَانُوا هُمْ أَظْلَمَ وَأَطْغَىٰ** مِن عادٍ وثمودِ لِطُولِ لُبثِ نوحٍ فيهم ألفَ سَنَةٍ الا خمسين عامًا وهُمْ مَعَ عدمِ إيمانِهم به يُؤذُونَهُ ويَضرِبُونَه **وَالْمُؤْتَفِكَةَ** وهي قرى قوم لُوطٍ **أَهْوَىٰ** أسقطَهَا بعدَ رَفعِها إلى السَّماءِ مَقلُوبَةً إلى الأرضِ بأمرِهِ جبرئيلَ عليه الصَّلوةُ والسَّلامُ بذلك **فَغَشَّاهَا** مِنَ الحِجارة بعدَ ذلك **مَا غَشَّىٰ** أبهَمَ تهويلًا وفي هُودٍ فجعلنا عاليَهَا سَافِلَهَا وأمطرنا عليها حِجارةً مِن سِجِّيلٍ **فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكَ** بأنعُمِهِ الدَّالَّةِ على وَحدانيَّتِهِ وقُدرتِهِ **تَتَمَارَىٰ** تَشُكُّ أيُّها الإنسانُ او تُكذِّبُ **هَٰذَا** محمد صلى الله عليه وسلم **نَذِيرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْأُولَىٰ** مِن جِنسِهِم اي رَسُولٌ كالرُّسُلِ قبلَه أُرسِلَ إليكم كما أُرسِلُوا إلى أقوامِهِم **أَزِفَتِ الْآزِفَةُ** قَرُبَتِ القيامَةُ **لَيْسَ لَهَا مِن دُونِ اللَّهِ** نَفسٌ **كَاشِفَةٌ** اي لا يَكشِفُها ويُظهِرُها الا هو كقولِه لا يُجَلِّيهَا لِوَقتِهَا إلَّا هُوَ **أَفَمِنْ هَٰذَا الْحَدِيثِ** اي القرآن **تَعْجَبُونَ** تكذيبًا **وَتَضْحَكُونَ** استهزاءً **وَلَا تَبْكُونَ** لِسَمَاعِ وَعْدِهِ ووَعيدِهِ **وَأَنتُمْ سَامِدُونَ** لاهُونَ غافِلُونَ عمَّا يُطلَبُ منكم **فَاسْجُدُوا لِلَّهِ** الَّذي خلقكم **وَاعْبُدُوا** ولا تسجُدوا للأصنامِ ولا تعبُدُوها.

ترجمہ: کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو ایمان سے پھر گیا یعنی مرتد ہو گیا جب ایمان پر اس کو عار دلائی گئی اور کہا مجھے اللہ کے عذاب سے خوف آیا، تو اس کے لئے عار دلانے والا اس بات کا ضامن ہو گیا کہ وہ اس کی طرف سے اللہ کے عذاب کو اپنے اوپر اٹھا لے گا، اگر وہ اپنے شرک کی طرف لوٹ آئے، اور اسے اپنے مال میں سے اتنا دیدے، چنانچہ یہ شخص مرتد ہو گیا اور اس شخص نے مقررہ مال میں سے قلیل حصہ دیدیا اور باقی مال کو روک لیا اَکدیٰ، کُدْیَة سے ماخوذ ہے، کُدیہ چٹان کے مانند زمین کا وہ سخت حصہ جو کنواں کھودنے والے کو کھودنے سے روک دے جب کھودتا ہوا اس چٹان پر پہنچے کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے؟ کہ وہ جانتا ہے منجملہ اس کے یہ علم بھی ہے کہ دوسرا شخص اس کے آخرت کے عذاب کو اٹھا لے گا؟ نہیں (نہیں) اور وہ شخص

ولید بن مغیرہ ہے یا اس کے علاوہ دوسرا کوئی شخص ہے، اور جملہ اَعِنْدَهٗ، رَأَيْتَ بمعنی اَخْبِرْنِیْ کا مفعول ثانی ہے، کیا اس کو اس کی خبر نہیں دی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے تورات کے سفر ناموں میں یا ان سے پہلے صحیفوں میں اور ابراہیم کے صحیفوں میں جس نے وہ حق پورا کیا جس کا اس کو حکم دیا گیا، اور جب آزمایا ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں کے ذریعہ جن کو اس نے پورا کیا اور اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی الخ ما کا بیان ہے، یہ کہ کوئی اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور اَن مخففہ عن الثقیلہ ہے ای اَنَّهٗ لَاتَحْمِلُ نَفْسٌ ذَنْبَ غیرِهَا بالیقین کوئی نفس کسی نفس کے گناہوں کا بوجھ نہ اٹھائے گا، اور یہ کہ انسان کو صرف اسی عمل خیر کی سعی کا صلہ ملے گا جس کے لئے اس نے سعی کی ہوگی چنانچہ اس کو غیر کی سعی کا صلہ نہ ملے گا، اور یہ کہ اس کی سعی عنقریب دیکھی جائے گی، یعنی آخرت میں اپنی سعی کو دیکھ لے گا اور پھر اس کو پوری پوری جزاء دی جائے گی بولا جاتا ہے جَزَیْتُهٗ سَعْیَهٗ وبسَعْیِهٖ (یعنی میں نے اس کی سعی کا صلہ دیدیا) اور یہ کہ تیرے پروردگار کی طرف (ہرشیٔ) کی انتہا ہے یعنی مرنے کے بعد تیرے پروردگار کی طرف رجوع کرنا اور لوٹنا ہے، سو وہ ان کو جزاء دے گا، اور اَنّ اگر فتحہ کے ساتھ ہے تو (اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی) پر عطف ہوگا، اور اگر کسرہ کے ساتھ ہے تو جملہ مستانفہ ہوگا، اور یہی دونوں صورتیں مابعد میں بھی ہوں گی، (یعنی) وَاَنَّهٗ هو اَضْحَكَ سے عَادَنِ الْاُولٰی تک میں، ثانی صورت میں (آئندہ) جملوں کا مضمون (مذکورہ) صحیفوں میں نہیں ہوگا اور یہ کہ وہی جس کو چاہتا ہے ہنساتا ہے یعنی خوش کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے رُلاتا ہے یعنی رنجیدہ کرتا ہے اور یہ کہ وہی دنیا میں موت دیتا ہے اور زندہ کرتا ہے بعث کے لئے اور یہ کہ اس نے مذکر و مؤنث دونوں صنفیں نطفہ منی سے پیدا کیں جبکہ رحم میں ٹپکایا جائے اور یہ کہ اس کے ذمہ میں ہے دوسری مرتبہ پیدا کرنا (نَشاۃ) مد اور قصر کے ساتھ، یعنی پہلی تخلیق کے بعد دوسری تخلیق فرمائی اور یہ کہ کفایت مال کے ذریعہ اس نے لوگوں کو مستغنی کیا اور مال عطا کیا، جس کو اس نے جمع کرلیا اور وہی شعریٰ کا رب ہے وہ ایک تارا ہے جو جوزا کے پیچھے ہوتا ہے، جس کی زمانہ جاہلیت میں پوجا کی جاتی تھی، اور اس نے عاد اولیٰ کو ہلاک کردیا اور ایک قراءت میں تنوین کو لام میں ادغام کرکے اور لام کے ضمہ کے ساتھ بغیر ہمزہ کے ہے، اور یہ قوم ہود ہے (عاد) اخریٰ صالح کی قوم ہے اور ثمود کو (ہلاک کردیا) (ثمود) منصرف ہے باپ کا نام ہونے کی وجہ سے، غیر منصرف ہے قبیلہ کا نام ہونے کی صورت میں اور وہ عاد پر معطوف ہے تو ان میں سے کسی کو باقی نہیں چھوڑا اور اس سے پہلے قوم نوح کو یعنی عاد و ثمود سے پہلے ہم نے ان کو ہلاک کردیا اور بلاشبہ وہ عاد و ثمود سے زیادہ ظالم اور زیادہ سرکش تھے نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان میں ساڑھے نو سو سال کے طویل زمانہ تک قیام کرنے کی وجہ سے اور وہ ایمان نہ لانے کے ساتھ ساتھ ان کو ایذا پہنچاتے اور ان کو مارتے اور الٹائی ہوئی بستیوں کو کہ وہ قوم لوط کی بستیاں تھیں پٹخ دیا یعنی ان کو اوپر لیجا کر پلٹ کر زمین پر پٹخ دیا، جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کا حکم دے کر، اس کے بعد ان بستیوں کو پتھروں سے ڈھانپ لیا (مَا غَشّٰی کو) ہولناکی کو ظاہر کرنے کے لئے مبہم رکھا ہے، اور سورۂ ہود میں ہے کہ ہم نے ان کی بستیوں کو تہ و بالا کردیا، اور ہم نے ان پر کنکر کے پتھر برسائے پس تو انسان اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں میں جو اس کی وحدانیت اور قدرت پر دلالت کرتی ہیں شک کرتا ہے اور جھٹلاتا ہے (اے شخص) یہ

محمد ﷺ پہلوں کی مانند ڈرانے والا ہے یعنی اس سے پہلے رسولوں جیسا رسول ہے تم لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے، جیسا کہ وہ اپنی قوموں کی طرف بھیجے گئے تھے، قریب آنے والی قریب آگئی یعنی قیامت قریب آگئی، اور اللہ کے سوا اس کو کوئی ظاہر کرنے والا نہیں یعنی وہی اس کو کھول سکتا ہے اور ظاہر کر سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول لا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَا اِلَّا هُوَ اس کے وقت کو اللہ ہی ظاہر کرے گا، کیا تم اس کلام قرآن سے تعجب کرتے ہو اور استہزاء کرتے ہو اور اس کے وعدوں اور وعیدوں کو سن کر روتے نہیں ہو اور تم غفلت میں پڑے ہوئے ہو یعنی جو تم سے مطلوب ہے اس سے تم ہو اور غفلت میں پڑے ہوئے ہو سو تم اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور اس کی بندگی کرو اور بتوں کو سجدہ نہ کرو اور نہ ان کی بندگی کرو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اَفَرَاَیْتَ الَّذِیْ تَوَلّٰی ہمزہ استفہام تقریر کے لئے ہے۔

قَوْلُہٗ: رأیتَ بمعنی اَخْبِرْنِیْ، الَّذِیْ اسم موصول صلہ سے مل کر مفعول اول۔

قَوْلُہٗ: وَاَعْطٰی قَلِیْلًا وَّاَکْدٰی اَعْطٰی تَوَلّٰی پر معطوف ہے، اور قلیلًا مصدر محذوف کی صفت ہے، ای اَعْطٰی اِعْطَاءً قلیلًا، قلیلًا کو مفعول بہ قرار دینا بھی درست ہے۔

قَوْلُہٗ: اَعِنْدَهٗ علم الغیب الخ ہمزہ استفہام انکاری ہے، اور جملہ ہو کر رأیت کا مفعول ثانی ہے۔

قَوْلُہٗ: تَوَلّٰی ای اَسْلَمَ ثم اِرْتَدَّ اکثر کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ولید بن مغیرہ ہے، اور یہ آیت اسی کے بارے میں نازل ہوئی۔

قَوْلُہٗ: اَعْطَاهُ مِن مالِهٖ، اَعطاه کی ضمیر مستتر تَوَلّٰی کے فاعل مستتر کی طرف راجع ہے اور ہٗ ضمیر بارز ضَمِنَ کے فاعل کی طرف راجع ہے، یعنی ضامن نے اَلَّذِیْ تَوَلّٰی پر دو چیزیں لازم کیں ایک یہ کہ ترک توحید کر کے شرک کی طرف لوٹ آئے، دوسرے یہ کہ ضمان کے عوض مال کی ایک مخصوص مقدار اس کو دے اور ضامن نے خود اپنے اوپر صرف ایک چیز لازم کی اور وہ آخرت میں اللہ کے عذاب کا ضمان ہے۔

قَوْلُہٗ: تَمَّمَ مَا اُمِرَ بِهٖ حضرت ابراہیم نے ان احکام کو بخوشی پورا کیا جن کا ان کو حکم دیا گیا تھا، مثلاً ذبح ولد، وقوع فی النار، خصال فطرت، هجرت وطن وغیرہ۔

قَوْلُہٗ: وَبَیَانُ مَا اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی الخ یعنی اَلَّا تَزِرُ الخ بِمَا میں ما سے بدل واقع ہونے کی وجہ سے محلاً مجرور ہے، اور مراد مفسر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے قول الٰی آخرہٖ، سے فَبِاَیِّ آلَاءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰی تک ہے۔

قَوْلُہٗ: بالفتح عطفًا وقُرِئَ بالکسر استینافًا یعنی اَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی کے اَنَّ میں دو احتمال ہیں اول یہ

کہ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی پر عطف کیا جائے اور اَنَّ کو منصوب پڑھا جائے، اس صورت میں فَبِاَیِّ آلَاءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰی تک ما کا بیان ہوگا اور آخر تک کا پورا مضمون صحف موسیٰ وصحف ابراہیم میں ہوگا، اور اگر اِن کو بالکسر پڑھا جائے تو اس صورت میں وَاَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی سے آخر تک جملہ مستانفہ ہوگا، اور آخر تک مضمون صحف موسیٰ اور صحف ابراہیم میں نہ ہوگا، بلکہ صرف پہلے تین یعنی ① اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ② اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ③ اَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰی ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْاَوْفٰی کا مضمون صحف موسیٰ وصحف ابراہیم میں ہوگا۔

قَوْلُہٗ: وَكَذَا مَابَعْدَهَا مابعد سے مراد وَاَنَّهٗ اَضْحَكَ وَاَبْكٰی سے لے کر وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰی تک ہے۔

ملحوظہ: بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰی کے ما کے بیان میں اَنَّ گیارہ جگہ واقع ہوا ہے، یہ اس صورت میں ہے جبکہ اَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی کا اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ الخ پر عطف کرتے ہوئے اَنَّ کو مفتوح پڑھا جائے ورنہ تو صرف اول تین جگہ اَنّ مفتوحہ ہوگا، اور باقی آٹھ جگہ اِنّ مکسورہ ہوگا۔

قَوْلُہٗ: وَاَقْنٰی اِقْنَاءٌ سے ماضی واحد مذکر غائب، اس نے جمع کیا ای اَعْطَی الْمَالَ الَّذِیْ اتَّخَذَ قُنْيَةً، قُنْيَة وہ مال جس کو ذخیرہ کیا جائے اور خرچ کرنے کا ارادہ نہ ہو (اعراب القرآن، درویش) اَقْنٰی کے اہل لغت اور مفسرین نے مختلف معنی بیان کئے ہیں قتادہ فرماتے ہیں کہ ابن عباس نے اس کے معنی اَرْضٰی (راضی کر دیا) بتائے ہیں، عکرمہ نے ابن عباس سے اس کے معنی قَنَّعَ بتائے ہیں (مطمئن کر دیا) امام رازی فرماتے ہیں انسان کی ضرورت سے زائد جو کچھ اس کو دیا جائے وہ اقناء ہے، ابوعبیدہ اور دیگر متعدد اہل لغت کا قول ہے کہ اَقْنٰی، قُنْيَةٌ سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں محفوظ اور باقی رہنے والا مال، مثلاً مکان، اراضی، باغات وغیرہ (لغات القرآن) ابن زید، ابن کیسان اور اخفش نے اقنٰی کے معنی اَفْقَرَ کے کئے ہیں، یعنی اس نے فقیر بنایا، ابن جریر نے یہی معنی مراد لئے ہیں، اور ہمزۂ افعال کو سلب ماخذ کے لئے لیا ہے جیسے اشکی سلب شکایت کے معنی میں ہے، سیاق و سباق سے بھی یہ معنی مناسب معلوم ہوتے ہیں اس لئے کہ سابق سے متقابل چیزوں کا ذکر چلا آرہا ہے، مطلب یہ ہے کہ اس نے جس کو چاہا غنی کیا اور جس کو چاہا فقیر کیا۔

قَوْلُہٗ: هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰی شعریٰ آسمان کا روشن ترین تارہ ہے، اس کو "کلب اکبر" بھی کہتے ہیں، اس کے اور بھی مختلف نام ہیں انگریزی میں اس کو (Dog Star) کہتے ہیں، عرب میں اس کی پوجا ہوتی تھی، قریش کا قبیلہ بنو خزاعہ خاص طور پر اس کی پوجا کرتا تھا کہتے ہیں کہ یہ سورج سے ۲۳ گنا زیادہ روشن ہے مگر زمین سے اس کا فاصلہ آٹھ سال نوری سے بھی زیادہ ہے اس لئے یہ سورج سے چھوٹا اور کم روشن نظر آتا ہے، روشنی کی رفتار فی سکنڈ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل ہے (فلکیات جدیدہ) اس کی عبادت کی ابتداء ابوکبشہ نے کی تھی جو کہ سادات قریش میں سے تھا،

ابو کبشہ آپ ﷺ کی امہات کی جانب سے جد اعلیٰ ہے، اسی وجہ سے قریش آپ کو ابن ابی کبشہ کہا کرتے تھے، اس مناسبت سے کہ آنحضرت ﷺ نے جب عرب کے دین کے خلاف دعوت دینی شروع کی، تو لوگوں نے آپ کو ابن ابی کبشہ کہنا شروع کردیا یعنی جس طرح ابو کبشہ نے اپنے زمانہ میں بت پرستی کی مخالفت کرکے ستارہ پرستی شروع کی گویا کہ اسی طرح آپ نے بت پرستی کی مخالفت کرتے ہوئے خدا پرستی شروع کی، یہ شدید گرمی کے موسم میں جوزاء کے بعد طلوع ہوتا ہے اس کو شعریٰ یمانی بھی کہتے ہیں، اس کے مقابل ایک شعریٰ شامی ہے وہ بھی روشن ترین ستاروں میں سے ہے، اس کو ''کلب اصغر'' کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: المؤتفِکَۃَ اِئتِفَاکٌ (افتعال) سے اسم فاعل واحد مؤنث (جمع) المؤتفکات الٹی ہوئی (بستیاں) مراد حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیاں ہیں جو موجودہ بحیرۂ مردار کے ساحل پر آباد تھیں جن کا سب سے بڑا شہر سندوم یا سدوم تھا، حضرت لوط علیہ السلام کا حکم نہ ماننے اور ظلم ولواطت سے باز نہ آنے کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے الٹ دیا تھا اور کنکر پتھروں کی بارش کرکے نیست ونابود کردیا تھا۔

قَوْلُہٗ: وفی هودٍ فَجَعَلْنَا، صحیح یہ تھا کہ وَفِی هُودٍ، فَلَمَّا جَاءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا فرماتے، یا پھر وفی الحجر فَجَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا فرماتے۔

قَوْلُہٗ: تَشُکُّ، تَتَمَارٰی کی تفسیر تشک سے کرکے اشارہ کردیا کہ تفاعل تعدد فی الفاعل سے خالی ہے۔

قَوْلُہٗ: نفسٌ مفسر علام نے نفسٌ محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ کاشفۃ، موصوف محذوف کی صفت ہے۔

قَوْلُہٗ: سَامِدُوْنَ، السُّمُوْد، اللهو (ن) وقیل الاعراض وقیل الاستکبار، وقیل هو الغناء (گانا)۔

تفسیر وتشریح

شانِ نزول:

اَفَرَاَیْتَ الَّذِیْ تَوَلّٰی مجاہد اور ابن زید اور مقاتل رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ مذکورہ آیت ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی، اور ضحاک نے کہا ہے کہ نضر بن الحارث کے بارے میں نازل ہوئی، اور محمد بن کعب قرظی نے کہا کہ ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئی، اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

واقعہ: واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اس کا رجحان اسلام کی طرف ہوگیا تھا اور آنحضرت ﷺ سے بھی ربط ضبط اور تعلقات رکھتا تھا، مقاتل نے کہا کہ ولید نے قرآن کی تعریف کی تھی، مگر اس کے کسی دوست نے اس کو عار دلائی اور ملامت کرتے ہوئے کہا کہ تو نے اپنے باپ دادا کے دین کو کیوں چھوڑ دیا؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے اللہ کے عذاب سے ڈر لگتا ہے، اس ساتھی نے کہا تو مجھے کچھ دیدے تو میں آخرت کا تیرا عذاب اپنے سر لے لوں گا، تو عذاب سے بچ جائے گا، چنانچہ ولید نے اس کی یہ بات

مان لی اور خدا کی راہ پر آتے آتے رہ گیا اور اس کو طے شدہ مال کا کچھ حصہ دیدیا، اس نے مزید مطالبہ کیا تو کشاکشی کے بعد کچھ اور بھی دیدیا، مگر مزید دینے سے انکار کر دیا، اسی واقعہ کی طرف آیت میں اشارہ ہے، اس واقعہ کی طرف اشارہ کرنے سے مقصود کفار مکہ کو یہ بتانا تھا کہ آخرت سے بے فکری اور دین کی حقیقت سے بے خبری نے ان کو کیسی جہالتوں اور حماقتوں میں مبتلا کر دیا تھا۔

أَعِنْدَهُ علم الغيبِ فَهُوَ يَرىٰ شان نزول میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے اسکے مطابق آیت کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص نے اسلام کو اس لئے چھوڑ دیا کہ اس کے کسی ساتھی نے اس سے کہہ دیا تھا کہ آخرت کا تیرا عذاب میں اپنے سر لے کر تجھ کو بچا دوں گا، اس احمق نے اس کی اس بات کا یقین کیسے کر لیا؟ کیا اس کو علم غیب حاصل ہے؟ جس سے وہ دیکھ رہا ہے کہ کفر کی صورت میں وہ جس عذاب کا مستحق ہوگا وہ عذاب یہ ساتھی اپنے سر لے لے گا اور مجھے بچا دے گا، ظاہر ہے کہ یہ سراسر دھوکہ اور جہالت ہے۔

اور اگر مذکورہ واقعہ سے قطع نظر کر لی جائے تو آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ شخص جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا کرتا رک گیا ہے تو اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ اس کو یہ خیال ہوا ہوگا کہ اگر موجودہ مال خرچ کر دوں گا تو پھر کہاں سے آئے گا؟ اس خیال کی تردید میں فرمایا کیا اس کو غیب کا علم ہے؟ جس کے ذریعہ وہ یہ دیکھ رہا ہے کہ یہ مال ختم ہو جائے گا اور اس کے علاوہ اور مال اس کو نہ مل سکے گا یہ غلط ہے، کیونکہ نہ اس کو غیب کا علم ہے اور نہ یہ بات صحیح ہے کیونکہ حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ یعنی تم جو کچھ خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کا بدل تمہیں دیدیتے ہیں اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے فرمایا (اَنْفِقْ يَـا بِلَالُ وَلَاتَـخْـشَ عَنْ ذِي الْـعَـرْشِ اِقْـلَالًا) یعنی اے بلال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہو اور عرش والے اللہ کی طرف سے اس کا خطرہ نہ رکھو کہ وہ تمہیں مفلس کر دے گا۔

اَمْ لَـمْ يُـنَـبَّـاْ بِـمَـا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰى اس آیت میں ان تعلیمات کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے جو حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم کے صحیفوں میں نازل ہوئی تھیں حضرت موسیٰ کے صحیفوں سے مراد تورات ہے، رہے حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے صحیفے تو وہ آج دنیا میں کہیں موجود نہیں ہیں اور یہود و نصاریٰ کی کتب مقدسہ میں بھی ان کا کوئی ذکر نہیں پایا جاتا، صرف قرآن ہی ایک وہ کتاب ہے جس میں دو مقامات پر صحف ابراہیم کی تعلیمات کے بعض اجزاء نقل کئے گئے ہیں ایک یہ مقام اور دوسرے سورۂ اعلیٰ کی آخری آیات میں۔

تین اہم اصول:

اس آیت سے تین بڑے اصول مستنبط ہوتے ہیں: ① ایک یہ کہ ہر شخص اپنے فعل کا ذمہ دار ہے ② دوسرے یہ کہ ایک شخص کے فعل کی ذمہ داری دوسرے کے سر نہیں ڈالی جا سکتی، الا یہ کہ اس فعل کے صدور میں اس کا اپنا کوئی حصہ ہو

③ یہ کہ کوئی شخص اگر چاہے بھی تو کسی دوسرے شخص کے فعل کی ذمہ داری اپنے اوپر نہیں لے سکتا اور نہ اصل مجرم کو اس بناء پر چھوڑا جا سکتا ہے۔

وَاَنْ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی جیسا کہ ما سبق کی آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کا گناہ دوسرے کو نقصان نہیں پہنچ سکتا، اسی طرح اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کی سعی دوسرے کو فائدہ نہیں پہنچ سکتی، اس آیت سے جو یہ حصر مستفاد ہے کہ ہر شخص کو اسی کے عمل کی جزاء ملے گی دوسرے کے عمل کی نہیں، مگر یہ مسلک معتزلہ کا ہے، اہل سنت والجماعت کا بلکہ اہل اسلام میں سے اور کسی کا نہیں۔

تین اہم اصول:

اس آیت سے بھی تین اہم اصول نکلتے ہیں: ① ایک یہ کہ ہر شخص جو کچھ بھی پائے گا اپنے عمل کا ہی پھل پائے گا ② دوسرے یہ کہ ایک شخص کے عمل کا پھل دوسرا نہیں پا سکتا الا یہ کہ اس عمل میں اس کا کوئی حصہ ہو ③ تیسرے یہ کہ کوئی شخص سعی اور عمل کے بغیر کچھ نہیں پا سکتا۔

مطلب یہ کہ جس طرح کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا ذمہ دار نہیں ہوگا اسی طرح آخرت میں اجر بھی انہی چیزوں کا ملے گا جن میں اس کی اپنی محنت ہوگی (اس جز کا تعلق آخرت سے ہے دنیا سے نہیں) جیسا کہ بعض لوگ اس آیت کو دنیا کے معاشی معاملات پر غلط طریقے سے منطبق کر کے اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی محنت کی کمائی کے سوا کسی چیز کا جائز مالک نہیں ہو سکتا، جیسا کہ سوشلسٹ قسم کے لوگ اس کا یہ مفہوم باور کرا کے غیر حاضر زمینداری اور سرمایہ داری کو ناجائز قرار دیتے ہیں اسی طرح کارخانوں کی پیداوار میں بقدر محنت و سعی مزدور کا حصہ قرار دیتے ہیں مگر یہ بات قرآن مجید ہی کے دیئے ہوئے دیگر قوانین اور احکام سے ٹکراتی ہے مثلاً قانون وراثت جس کی رو سے ایک شخص کے ترکہ میں سے بہت سے افراد حصہ پاتے ہیں اور اس کے جائز وارث قرار پاتے ہیں، حالانکہ یہ میراث ان کی اپنی محنت کی کمائی نہیں ہوتی، ایک شیر خوار وارث بچے کے متعلق تو کسی طرح کھینچ تان سے بھی یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ باپ کے چھوڑے ہوئے مال میں اس بچے کی محنت کا بھی کوئی حصہ تھا ایسے ہی احکام زکوٰۃ وصدقات جن کی رو سے ایک آدمی کا مال دوسرے کو محض ان کو شرعی واخلاقی استحقاق کی بناء پر ملتا ہے اور وہ اس کے جائز مالک ہوتے ہیں، حالانکہ اس مال کے پیدا کرنے میں ان کی محنت کا قطعاً کوئی حصہ نہیں ہوتا، اس لئے قرآن کی کسی ایک آیت کو لے کر اس سے ایسے نتائج نکالنا جو خود قرآن ہی کی دوسری تعلیمات سے متصادم ہوتے ہیں، قرآن کے منشاء کے بالکل خلاف ہے۔

مسئلہ ایصال ثواب:

بعض دوسرے لوگ ان اصولوں کو آخرت سے متعلق مان کر یہ سوالات اٹھاتے ہیں کہ آیا ان اصولوں کی رو سے ایک شخص کا عمل دوسرے شخص کے لئے کسی صورت میں بھی نافع ہو سکتا ہے؟ اور کیا ایک شخص اگر دوسرے شخص کے لئے یا

اس کے بدلے کوئی عمل کرے تو وہ اس کی طرف سے قبول کیا جا سکتا ہے؟ اور کیا یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شخص اپنے عمل کے اجر کو دوسرے کی طرف منتقل کر سکتا ہے؟ ان سوالات کا جواب اگر نفی میں ہو تو ایصال ثواب اور حج بدل وغیرہ سب ناجائز ہو جاتے ہیں، بلکہ دوسرے کے حق میں دعاء استغفار بھی بے معنی ہو جاتی ہے کیونکہ یہ دعاء بھی اس شخص کا اپنا عمل نہیں ہے جس کے حق میں دعاء کیجائے، مگر یہ انتہائی نقطۂ نظر معتزلہ کے سوا اہل اسلام میں سے کسی کا نہیں ہے، صرف معتزلہ ہی اس آیت کا یہ مطلب لیتے ہیں کہ ایک شخص کی سعی دوسرے کے لئے کسی حال میں بھی نافع نہیں ہو سکتی، بخلاف اہل سنت والجماعت کے کہ ایک شخص کے لئے دوسرے کی دعاء کے نافع ہونے کو تو بالاتفاق مانتے ہیں کیونکہ یہ قرآن سے ثابت ہے البتہ ایصال ثواب اور نیابۃً کسی دوسرے کی طرف سے کسی نیک کام کے نافع ہونے میں ان کے درمیان اصولاً نہیں تفصیل میں اختلاف ہے۔

عبادات کی تین قسمیں:

فقہاء حنفیہ کہتے ہیں کہ عبادات کی تین قسمیں ہیں: ① اول خالص بدنی جیسے نماز، روزہ، ایمان ② دوسرے خالص مالی جیسے زکوٰۃ صدقہ ③ مالی اور بدنی سے مرکب، جیسے حج، پہلی قسم میں نیابت درست نہیں مثلاً ایک شخص دوسرے کی طرف سے فرض نماز پڑھ لے اور دوسرا شخص اس عمل سے سبکدوش ہو جائے یا دوسرے کی طرف سے فرض روزہ رکھ لے اور دوسرا اس فرض روزے سے سبکدوش ہو جائے، یا ایک شخص دوسرے کی طرف سے ایمان قبول کر لے اور دوسرا اس سے سبکدوش ہو جائے اور اس دوسرے شخص کو مومن قرار دیدیا جائے۔

آیت مذکورہ کی اس تفسیر پر کوئی فقہی اشکال نہیں اور نہ شبہ عائد ہوتا ہے، زیادہ سے زیادہ حج اور زکوٰۃ کے مسئلہ میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ضرورت کے وقت شرعاً ایک شخص دوسرے کی طرف سے حج بدل سکتا ہے یا دوسرے کی زکوٰۃ اس کی اجازت سے ادا کر سکتا ہے، مگر غور کیا جائے تو یہ اشکال اس لئے درست نہیں کہ کسی کو اپنی جگہ حج بدل کے لئے بھیج دینا اور اس کے مصارف خود ادا کرنا، یا کسی شخص کو اپنی طرف سے زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے مامور کر دینا بھی درحقیقت اسی شخص کے اپنے عمل اور سعی کا جزء ہے، اس لئے لَیْسَ لِلْانسان اِلَّا ما سعٰی کے منافی نہیں۔

جبکہ اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ آیت مذکورہ کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کے فرائض مثلاً ایمان، نماز، روزہ ادا کر کے دوسرے شخص کو سبکدوش نہیں کر سکتا، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایک شخص کے نفلی عمل کا فائدہ اور ثواب دوسرے شخص کو نہ پہنچ سکے، ایک شخص کی دعاء اور صدقہ کا ثواب دوسرے شخص کو پہنچنا نصوص شرعیہ سے ثابت ہے اور تمام امت کے نزدیک اجماعی مسئلہ ہے۔ (ابن کثیر، معارف) تفسیر مظہری میں اس جگہ ان تمام احادیث کو جمع کر دیا ہے جن سے ایصال ثواب کا فائدہ دوسرے کو پہنچنا ثابت ہوتا ہے۔

ایصال ثواب کی حقیقت:

ایصال ثواب یہ ہے کہ ایک شخص کوئی نیک عمل کر کے اللہ سے دعاء کرے کہ اس کا اجر وثواب کسی دوسرے شخص کو عطا فرما دیا جائے، اس مسئلہ میں امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ خالص بدنی عبادات مثلاً نماز روزہ، تلاوت قرآن وغیرہ کا ثواب دوسرے کو نہیں پہنچ سکتا، البتہ مالی عبادات مثلاً صدقہ خیرات وغیرہ یا مالی اور بدنی سے مرکب عبادات مثلاً حج کا ثواب دوسرے کو پہنچ سکتا ہے، اصول یہ ہے کہ ایک شخص کا عمل دوسرے کے لئے نافع نہ ہو مگر چونکہ احادیث صحیحہ کی رو سے صدقہ کا ثواب پہنچایا جا سکتا ہے، اور حج بدل بھی کیا جا سکتا ہے اس لئے ہم اسی نوعیت کی عبادات تک ایصال ثواب کی صحت تسلیم کرتے ہیں۔

قرآن خوانی کا ایصال ثواب:

اس کے برخلاف حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ انسان اپنے ہر نیک عمل کا ثواب دوسرے کو ہبہ کر سکتا ہے خواہ وہ نماز ہو یا روزہ یا تلاوت قرآن، یا ذکر وصدقہ یا حج وغیرہ یہ بات بکثرت احادیث سے ثابت ہے، صاحب صاوی نے مالی و بدنی عبادت کے ایصال ثواب کے جواز پر اسی آیت کے تحت گیارہ دلیلیں لکھی ہیں جن میں قرآن وسنت دونوں کی دلیلیں ہیں، قرآن میں فرمایا **وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ** والدین کے ایمان وعمل کی بدولت اولاد کو ان کے مرتبہ میں پہنچا دینا یہ سعی غیر کا فائدہ ہے حالانکہ والدین کے عمل وسعی میں اولاد کا کوئی حصہ نہیں ہے، شیخ تقی الدین ابوالعباس احمد بن تیمیہ نے فرمایا کہ جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ انسان کو صرف اسی کے عمل کا فائدہ اور ثمرہ حاصل ہوگا، اس نے خرق اجماع کیا، امام اعظم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا بھی یہی مسلک ہے۔ (صاوی)

دارقطنی میں ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے عرض کیا میں اپنے والدین کی خدمت ان کی زندگی میں تو کرتا ہوں ان کے انتقال کے بعد کیسے کروں؟ آپ نے فرمایا یہ بھی ان کی خدمت ہی ہے کہ ان کے مرنے کے بعد تو اپنی نماز کے ساتھ ان کے لئے بھی نماز پڑھے اور اپنے روزوں کے ساتھ ان کیلئے بھی روزے رکھے، دارقطنی کی ایک دوسری روایت میں حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے جس میں وہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''جس شخص کا قبرستان پر گذر ہو اور وہ گیارہ مرتبہ **قل هو الله احد** پڑھ کر اس کا اجر مرنے والوں کو بخش دے تو (اس قبرستان میں) جتنے مردے ہیں اتنا ہی اجر عطا کر دیا جائے گا۔

بخاری، مسلم، مسند احمد، ابن ماجہ، طبرانی (فی الاوسط) مستدرک اور ابن ابی شیبہ میں حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا، ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ بن عبداللہ، حضرت ابورافع رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، حضرت ابوطلحہ انصاری، اور حذیفہ بن اسید الغفاری کی متفقہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو مینڈھے کہ ایک اپنی اور اپنے گھر والوں کی طرف سے قربان کیا اور دوسرا اپنی امت کی طرف سے۔

مسلم و بخاری، مسند احمد، ابوداؤد اور نسائی میں حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میری والدہ کا اچانک انتقال ہو گیا ہے، میرا خیال ہے کہ اگر انہیں بات کرنے کا موقع ملتا تو وہ ضرور صدقہ کرنے کے لئے کہتیں، اب اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا ان کے لئے اجر ہے؟ فرمایا ہاں!

یہ کثیر روایتیں جو ایک دوسرے کی تائید کر رہی ہیں اس امر کی تصریح کرتی ہیں کہ ایصال ثواب نہ صرف ممکن ہے بلکہ ہر طرح کی عبادات اور نیکیوں کے ثواب کا ایصال ہو سکتا ہے اور اس میں کسی خاص نوعیت کے اعمال کی تخصیص نہیں ہے۔

ایصال عذاب ممکن نہیں:

ایصال ثواب تو ممکن ہے مگر ایصال عذاب ممکن نہیں، یعنی یہ تو ہو سکتا ہے کہ آدمی نیکی کر کے کسی دوسرے کے لئے اجر بخش دے اور وہ اس کو پہنچ جائے مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ آدمی گناہ کر کے اس کا عذاب کسی کو بخش دے اور وہ اسے پہنچ جائے۔

خالص بدنی عبادات میں نیابت اور ان کا ایصال ثواب:

خالص مالی عبادات یا مالی اور بدنی عبادات سے مرکب عبادات میں نیابت اور ایصال ثواب کا واضح ثبوت ملتا ہے، اب رہیں خالص بدنی عبادات میں نیابت اور ایصال ثواب کا ثبوت تو بعض احادیث ایسی بھی ہیں جن سے اس نوعیت کی عبادات میں نیابت کا جواز ثابت ہوتا ہے، مثلاً ابن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا کی یہ روایت کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ میری ماں نے روزے کی نذر مانی تھی اور وہ پوری کئے بغیر مرگئی، کیا میں اس کی طرف سے روزہ رکھ سکتی ہوں، آپ نے فرمایا اس کی طرف سے روزہ رکھ لے۔ (بخاری و مسلم، احمد، نسائی، ابو داؤد)

اور حضرت بریدہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کی یہ روایت کہ ایک عورت نے اپنی ماں کے متعلق پوچھا کہ اس کے ذمہ ایک مہینے کے روزے (یا دوسری روایت کے مطابق دو مہینے) کے روزے تھے، کیا میں یہ روزے ادا کر دوں؟ آپ نے اس کو بھی اس کی اجازت دے دی۔ (مسلم، احمد، ترمذی، ابو داؤد)

اور حضرت عائشہ کی یہ روایت کہ آپ ﷺ نے فرمایا مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عنه وليهُ جو شخص مرجائے اور اس کے ذمہ روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھ لے۔ (بخاری، مسلم، احمد) بزار کی روایت میں حضور ﷺ کے الفاظ یہ ہیں فَلْيَصُمْ عَنْهُ وليُهُ اِنْ شَاءَ یعنی اگر اس کا ولی چاہے تو اس کی طرف سے روزے رکھ لے، انہی احادیث کی بناء پر اصحاب الحدیث، اور امام اوزاعی اور ظاہر یہ اس کے قائل ہیں کہ بدنی عبادات میں بھی نیابت جائز ہے، مگر امام ابوحنیفہ، امام مالک، اور امام شافعی اور امام زید بن علی کا فتویٰ یہ ہے کہ میت کی طرف سے روزہ نہیں رکھا جا سکتا، اور امام احمد، امام لیث اور اسحق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ صرف اس صورت میں ایسا کیا جا سکتا ہے جب مرنے والے نے اس کی نذر مانی ہو اور وہ اسے پورا نہ کر سکا ہو۔

مانعین کا استدلال:

مانعین کا استدلال یہ ہے کہ جن احادیث سے اس کے جواز کا ثبوت ملتا ہے ان کے راویوں نے خود اس کے خلاف فتویٰ دیا ہے، حضرت ابن عباس کا فتویٰ نسائی نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے لَا يُصَلِّ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَلَا يَصُمْ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ کوئی شخص نہ کسی کی طرف سے نماز پڑھے اور نہ روزہ رکھے، اور حضرت عائشہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا کا فتویٰ عبد الرزاق کی

روایت کے مطابق یہ ہے لَا تَصُومُوْا عَنْ موتکُمْ واَطعِمُوا عَنْھُمْ اپنے مردوں کی طرف سے روزہ نہ رکھو بلکہ ان کی طرف سے کھانا کھلاؤ، حضرت عبداللہ بن عمر سے بھی عبدالرزاق نے یہی بات نقل کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءً بدنی عبادات میں نیابت کی اجازت تھی، مگر آخری حکم یہی قرار پایا کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے، ورنہ کس طرح ممکن تھا کہ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ احادیث نقل کی ہوں وہ خود ان کے خلاف فتویٰ دیں۔

فائدہ: اس سلسلہ میں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ نیابۃً فریضہ کی ادائیگی کے قائلین کے نزدیک بھی نیابۃً ادائیگی صرف اسی صورت میں مفید ہو سکتی ہے جبکہ وہ خود ادائے فرض کے خواہشمند رہے ہوں اور معذوری کی وجہ سے قاصر رہ گئے ہوں لیکن اگر کوئی شخص استطاعت کے باوجود قصداً حج سے مجتنب رہا اور اس کے دل میں اس فرض کا احساس تک نہ تھا اس کے لئے خواہ کتنے ہی حج بدل کئے جائیں وہ اس کے حق میں مفید نہیں ہو سکتے، یہ ایسا ہی ہے کہ ایک شخص نے کسی کا قرض جان بوجھ کر مار رکھا ہے اور مرتے دم تک اس کا کوئی ارادہ قرض ادا کرنے کا نہ تھا اس کی طرف سے اگر قرض ادا کر دیا جائے، اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں وہ قرض مارنے والا ہی شمار ہوگا، دوسرے کے ادا کرنے سے سبکدوش صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جو اپنی زندگی میں ادائے قرض کا خواہشمند ہو اور مجبوری کی وجہ سے ادا نہ کر سکا ہو۔ (واللہ اعلم بالصواب)

وَاَنَّ سَعْیَہٗ سَوْفَ یُرٰی (الآیۃ) یعنی دنیا میں اس نے جو بھی اچھا برا کیا چھپ کر کیا یا علانیہ کیا قیامت کے دن سامنے آجائے گا، اس پر اسے پوری جزاء دی جائے گی۔

وَاَنَّہٗ ھُوَ اَضْحَکَ وَاَبْکٰی یعنی خوشی اور غمی دونوں کے اسباب اسی کی طرف سے ہیں اچھی اور بری قسمت کا سر رشتہ اسی کے ہاتھ میں ہے کسی کو اگر راحت اور مسرت نصیب ہوتی ہے تو اسی کے دینے سے ہوتی ہے اور اگر کسی کو مصائب و آلام سے سابقہ پڑتا ہے تو اسی کی مشیت سے پڑتا ہے، کوئی دوسری ہستی اس کائنات میں ایسی نہیں کہ جو قسمتوں کے بنانے اور بگاڑنے میں کسی قسم کا دخل رکھتی ہو۔

وَاَنَّہٗ ھُوَ اَغْنٰی واَقْنٰی اغناء کے معنی دوسرے کو غنی کرنا اور اَقْنٰی قُنْیَۃٌ سے مشتق ہے جس کے معنی محفوظ اور ریز رو سرمایہ کے ہیں مراد آیت کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی لوگوں کو مالدار اور غنی بناتا ہے اور وہی جس کو چاہے اتنا سرمایہ دیتا ہے کہ اس کو ذخیرہ کر سکے۔

وَاَنَّہٗ ھُوَ رَبُّ الشِّعْرٰی شِعریٰ شین کے کسرہ کے ساتھ ایک ستارے کا نام ہے جو جوزاء ستارے کے پیچھے رہتا ہے عرب کی بعض قومیں مثلاً بنو خزاعہ اس کی پرستش کرتی تھیں اس لئے خصوصیت سے اس کا نام لے کر بتلایا گیا ہے کہ اس ستارے کا بھی جس کی تم پرستش کرتے ہو مالک اور پروردگار اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

وَاَنَّہٗ اَھْلَکَ عَادَنِ الْاُوْلٰی وثَمُوْدَا فَمَا اَبْقٰی ''عاد اولیٰ'' سے مراد قدیم قوم عاد ہے جس کی طرف حضرت ہود علیہ السلام بھیجے گئے تھے قوم عاد دنیا کی قوی ترین اور سخت ترین قوم تھی ان کے دو طبقے یکے بعد دیگرے عاد اولیٰ اور عاد اخریٰ کے نام سے موسوم ہیں یہ قوم جب حضرت ہود علیہ السلام کو جھٹلانے کی پاداش میں طوفان کے عذاب کے ذریعہ ہلاک کر دی گئی، قوم

نوح کے بعد ہلاک ہونے والی یہ پہلی قوم ہے اسی کو عادِ اولیٰ کہتے ہیں، صرف وہ لوگ بچے تھے جو حضرت ہود علیہ السلام پر ایمان لائے تھے ان کی نسل کو عادِ اخریٰ یا عادِ ثانیہ کہتے ہیں، عادِ اخریٰ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی، ان لوگوں نے بھی جب حضرت صالح علیہ السلام کی نافرمانی کی تو ان کو سخت آواز کے عذاب سے ہلاک کر دیا گیا۔

وَالْمُؤْتَفِكَةَ أَهْوٰى، مُؤْتَفِكَة کے لغوی معنی اوندھی ہونے والی بستیاں، یہ چند بستیاں متصل متصل تھیں ان کا مرکزی مقام سدوم یا سندوم تھا، یہ وہی مقام ہے جہاں اس وقت بحرِ میت واقع ہے، ان بستی والوں کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا، نافرمانی اور بے حیائی کے اعمال کی سزا میں ان بستیوں کو حضرت جبرئیل نے اُلٹ دیا تھا، اور اوپر سے ان کے اوپر پتھروں کی بارش کردی تھی۔

فَغَشّٰهَا مَا غَشّٰى، یعنی ڈھانپ لیا ان کو جس چیز نے ڈھانپ لیا مراد وہ پتھراؤ ہے جو بستیاں الٹنے کے بعد ان پر کیا گیا، یہاں تک صحف موسیٰ اور صحف ابراہیم کے حوالہ سے جو تعلیمات بیان کرنی تھیں وہ ختم ہوگئیں۔

فَبِاَيِّ آلَاءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى، تَمَارِی کے معنی جھگڑنے اور مخالفت کرنے کے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ خطاب ہر انسان کو ہے کہ سابقہ آیات اور صحف موسیٰ اور صحف ابراہیم میں آئی ہوئی آیات ربانی میں کوئی ذرا بھی غور وفکر کرے تو اس کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کی وحی اور تعلیمات کے حق ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی، اور اقوام سابقہ کی ہلاکت وعذاب کے واقعات سن کر مخالفت سے باز آنے کا اچھا موقع ملتا ہے جو حق تعالیٰ کی ایک نعمت ہے اس کے باوجود تم اللہ تعالیٰ کی کس کس نعمت میں جھگڑا اور خلاف کرتے رہوگے۔

هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى هٰذا کا اشارہ محمد رسول اللہ ﷺ یا قرآن کی طرف ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ بھی پہلے رسولوں اور کتابوں کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے نذیر بنا کر بھیجے گئے ہیں جو دین اور دنیا کے فلاح پر مشتمل ہدایات لے کر آئے ہیں اور ان کی مخالفت کرنے والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے ہیں۔

اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ، اَزِفَ بمعنی قَرُبَ یعنی قریب آنے والی قریب آ پہنچی، اللہ کے سوا اس کا کوئی ہٹانے والا نہیں، مراد قیامت ہے، اس آیت میں قربِ قیامت کی خبر دی گئی ہے تاکہ لوگ عمل کر کے قیامت کے لئے تیاری کریں، مطلب یہ ہے کہ یہ خیال نہ کرو کہ سوچنے کے لئے ابھی بہت وقت پڑا ہے، کیا جلدی ہے؟ کہ ان باتوں پر ہم فوراً ہی سنجیدگی سے غور کریں اور انہیں ماننے یا نہ ماننے کا بلا تاخیر فیصلہ کر ڈالیں نہیں، تم میں سے کسی کو بھی یہ معلوم نہیں ہے کہ اس کے لئے زندگی کی کتنی مہلت باقی ہے، ہر وقت تم میں سے ہر کسی کی موت آسکتی ہے اور قیامت بھی اچانک آسکتی ہے، اس لئے فیصلہ کی گھڑی کو دور نہ سمجھو، کیونکہ ہر سانس کے بعد یہ ممکن ہے کہ دوسرا سانس لینا نصیب نہ ہو، اور جب یہ فیصلے کی گھڑی آجائے گی تو تم اس کو روک نہ سکو گے، اور نہ تمہارے معبودانِ باطلہ میں سے کسی میں یہ بل بوتا ہے کہ وہ اسے ٹال سکیں ٹال سکتا ہے تو اللہ ہی ٹال سکتا ہے، اور وہ اسے ٹالنے والا نہیں۔

اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ هذا الحديث سے مراد قرآن کریم ہے، معنی آیت کے یہ ہیں کہ قرآن کریم جیسا کلام الٰہی جو خود ایک معجزہ ہے تمہارے سامنے آچکا ہے، کیا اس پر بھی تم تعجب کرتے ہو اور بطور استہزاء کے

ہنستے ہو اور اپنی معصیت یا عمل میں کوتاہی پر روتے نہیں۔

وَاَنْتُمْ سَامِدُوْنَ، سمود کے معنی غفلت اور بے فکری کے ہیں سامِدُوْنَ بمعنی غافلون ہے اور ایک معنی سمود کے گانے کے بھی آتے ہیں وہ بھی اس جگہ مراد ہو سکتے ہیں (معارف) اگر سامدون کے دوسرے معنی مراد لئے جائیں تو اشارہ اس طرف ہوگا کہ کفار مکہ قرآن کی آواز کو دبانے اور لوگوں کی توجہ دوسری طرف ہٹانے کے لئے زور زور سے گانا شروع کر دیتے تھے۔

فَاسْجُدُوْا لِلّٰہِ وَاعْبُدُوْا یعنی پچھلی آیات جو غور کرنے والے انسان کو عبرت و موعظت کا سبق دیتی ہیں اس کا مقتضی یہ ہے کہ تم سب اللہ کے سامنے خشوع اور تواضع کے ساتھ جھکو اور سجدہ کرو اور صرف اسی کی عبادت کرو۔

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے کہ سورۂ نجم کی اس آیت پر رسول اللہ ﷺ نے سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مسلمانوں اور مشرکوں اور تمام جن وانس نے سجدہ کیا، عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی دوسری روایت میں ہے کہ تمام حاضرین نے سجدہ کیا مگر صرف ایک قریشی بوڑھے نے جس کا نام (امیہ بن خلف) ہے سجدہ نہ کیا بلکہ زمین سے مٹی اٹھا کر پیشانی سے لگالی، اور کہا مجھے یہی کافی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا پھر میں نے اس شخص کو حالت کفر میں مقتول پڑا ہوا دیکھا۔

مَسْئَلَۃ: امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی، امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اور اکثر اہل علم کے نزدیک اس آیت پر سجدہ کرنا لازم ہے، امام مالک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اگرچہ خود اس آیت کی تلاوت کے بعد سجدہ کا التزام فرماتے تھے (جیسا کہ قاضی ابوبکر ابن العربی نے احکام القرآن میں نقل کیا ہے) مگر ان کا مسلک یہ تھا کہ یہاں سجدہ کرنا لازم نہیں ہے، ان کی اس رائے کی بناء حضرت زید بن ثابت کی یہ روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سورۂ نجم پڑھی اور حضور نے سجدہ نہ کیا (بخاری، مسلم، احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی) لیکن یہ حدیث سجدہ لازم ہونے کی نفی نہیں کرتی کیونکہ زیادہ سے زیادہ اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس وقت سجدہ نہیں کیا لیکن بعد میں بھی سجدہ نہیں کیا یہ ثابت نہیں ہوتا، یہ احتمال موجود ہے کہ آپ نے بعد میں سجدہ کر لیا ہو، دوسری روایات اس باب میں صریح ہیں کہ اس آیت پر التزاماً سجدہ کیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ، ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا، اور مطلب بن ابی وداعہ کی متفق علیہ روایات یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جب پہلی مرتبہ حرم میں یہ سورت تلاوت فرمائی تو آپ نے سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مسلم و مشرک سب سجدہ میں گر گئے (بخاری، احمد، نسائی) ابن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت یہ ہے کہ حضور نے نماز میں سورۂ نجم پڑھ کر سجدہ کیا اور دیر تک سجدہ میں پڑے رہے۔ (بیہقی، ابن مردویہ) سبرۃ الجہنی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فجر کی نماز میں سورۂ نجم پڑھی اور سجدہ کیا اور پھر اٹھ کر سورۂ زلزال پڑھی اور رکوع کیا۔ (سعید بن منصور)

فَائِدَۃ: پہلی سورت جس میں آیت سجدہ نازل ہوئی وہ سورۂ نجم ہے۔ (بخاری)

مَسْئَلَۃ: اس آیت پر سجدۂ تلاوت واجب ہے۔

مَسْئَلَۃ: یہ درست نہیں کہ جس چیز پر سجدہ کرے اس پر جھکنے کے بجائے اس شی کو بلند کرے۔

سُوْرَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّخَمْسُوْنَ ايَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ القَمَرِ مَكِّيَّةٌ اِلَّا سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ، (الاٰية)، وَهِيَ خَمْسٌ وَّخَمْسُوْنَ ايةً.

سورۂ قمر مکی ہے، سوائے سَيُهْزَمُ الجَمْعُ پوری آیت کے اور وہ ۵۵ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ قَرُبَتِ القِيَامَةُ **وَانْشَقَّ الْقَمَرُ**① اِنفَلَقَ فِلقَتَيْنِ علی اَبِی قُبَيسٍ وقُعَيقِعَان ايَةً له صلی اللّٰه عليه وسلَّمَ وقد سُئِلها فقَالَ اشهَدُوا، رواهُ الشيخان **وَاِنْ يَّرَوْا** ای كُفَّارُ قُرَيش **اٰيَةً** مُعجزَةً له صلی اللّٰه عليه وسلم كَانشِقَاقِ القَمَرِ **يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا** هذا **سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ**② قَوِیٌّ مِنَ المِرَّةِ القُوَّةِ او دَائِمٌ **وَكَذَّبُوْا** النَّبِیَّ صلی اللّٰه عليه وسلم **وَاتَّبَعُوْا اَهْوَآءَهُمْ** فی البَاطِل **وَكُلُّ اَمْرٍ** مِنَ الخَيرِ والشَّرِّ **مُّسْتَقِرٌّ**③ باهلِهِ فی الجَنَّةِ اَوِالنَّار **وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْبَآءِ** اَخبَارُ هَلَاكِ الاُمَمِ المُكَذِّبَةِ رُسُلَهم **مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ**④ لهم اسمُ مَصْدَرٍ اواسمُ مَكَانٍ والدَّالُ بَدَلٌ مِن تَاءِ الافتِعَالِ وازْدَجَرتُه وزَجَرتُه نَهَيتُه بغِلظَةٍ ومَا مَوصُولَةٌ اوموصُوفَةٌ **حِكْمَةٌ** خَبَرُ مُبتَدَأٍ مَحذُوفٍ اوبدَلٌ مِنَ مَا او مِن مُزْدَجَرٍ **بَالِغَةٌ** تَامَّةٌ **فَمَا تُغْنِ** تَنفَعُ فيهم **النُّذُرُ**⑤ جَمعُ نَذِيرٍ بمعنی مُنذِرٍ ای الاُمُورُ المُنذِرَةُ لهم ومَا للنَّفيِ او لِلاستِفهَامِ الانكَارِی وهی علی الثانی مَفعُولٌ مُقدَّمٌ **فَتَوَلَّ عَنْهُمْ** هُوَ فَائِدَةُ مَا قَبلَه وبه تَمَّ الكَلَامُ **يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ** هُوَ اِسْرَافِيلُ وناصِبُ يومَ يَخرُجُونَ بعدُ **اِلٰی شَیْءٍ نُّكُرٍ**⑥ بِضَمِّ الكَافِ وسُكُونِهَا ای مُنكَرٍ تُنكِرُهُ النُّفُوسُ لِشِدَّتِه وهو الحِسَابُ **خُشَّعًا** ذَلِيلًا وفی قِراءَةٍ خَاشِعًا بِضَمِّ الخَاءِ وفَتحِ الشِّينِ مُشَدَّدَةً **اَبْصَارُهُمْ** حالٌ مِن فَاعِل **يَخْرُجُوْنَ** ای النَّاسُ **مِنَ الْاَجْدَاثِ** القُبُورِ **كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ**⑦ لَا يَدرُونَ اَينَ يَذهَبُونَ مِنَ الخَوفِ والحيرة

وقف لازم

والجملةُ حالٌ من فاعلِ يخرُجون وكذا قوله مُّهْطِعِيْنَ اى مُسرعِينَ مادِّى اَعناقِهم اِلَى الدَّاعِ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ منهم هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ اى صعْبٌ على الكافرِينَ كما في المُدثر يَوْمٌ عَسِيرٌ على الكافِرِينَ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قبل قُرَيْشٍ قَوْمُ نُوْحٍ تانيثُ الفِعلِ لمعنى قوم فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا نوحًا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ اى انتهَروه بالسَّبِّ وغيره فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ بالفتحِ اى بانّي مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ فَفَتَحْنَآ بالتخفيفِ والتشديدِ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ مُنْصَبٍّ اِنْصِبابًا شدِيدًا وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا تنبعُ فَالْتَقَى الْمَآءُ ماءُ السَّماءِ والارض عَلٰٓى اَمْرٍ حالٌ قَدْ قُدِرَ به في الأزلِ وهُو هلاكُهم غرقًا وَحَمَلْنٰهُ اى نوحًا عَلٰى سفينةٍ ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ وهى ماتُشَدُّ به الالواحُ من المَسامِيرِ وغيرِها واحدُها دِسارٌ ككِتابٍ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا بمَرأى منّا اى محفوظةً بحفظِنا جَزَآءً منصوبٌ بفعلٍ مُقدَّرٍ اى أُغرقوا انتصارًا لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ وهو نوحٌ عليه السلام وقُرِئ كَفَرَ بناءً لِلفاعلِ اى أُغرِقوا عِقابًا لهم وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اى ابقينا هذه الفِعلةَ اٰيَةً لمن يَعتبِرُبها اى شاعَ خبرُها واستمرَّ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ مُعتبرٍ ومُتَّعِظٍ بها واصلُه مُذْتَكِرٌ أُبدِلت التاءُ دالًا مهملةً وكذا المُعجمةُ وأُدغِمت فيها فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ اى اِنذارى استفهامُ تقريرٍ وكيف خبرُ كانَ وهِيَ لِلسُّوالِ عن الحالِ والمعنى حَمْلُ المُخاطَبِينَ على الإقرارِ بوقوعِ عذابِه تعالى بالمُكذِّبِينَ بنوحٍ موقِعَهُ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ سهَّلناهُ لِلحفظِ او هيَّأناهُ لِلتذكُّرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ مُتَّعِظٍ به وحافِظٍ له والاستفهامُ بمعنى الأمرِ اى احفَظُوه واتَّعِظُوا وليس يُحفَظُ من كُتُبِ اللهِ عن ظَهرِ القلبِ غيرُه كَذَّبَتْ عَادٌ نبيَّهم هودًا فعُذِّبوا فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ اى اِنذارى لهم بالعذابِ قبلَ نُزولِه اى وَقَعَ موقِعَه وبيَّنه بقوله اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا اى شديدَ الصوتِ فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ شؤمٍ مُّسْتَمِرٍّ دائمِ الشؤمِ او قويّةٍ وكانَ يومَ الاربعاءِ آخرَ الشهرِ تَنْزِعُ النَّاسَ تقلعُهم من حُفَرِ الارضِ المُندَسِّينَ فيها وتصرَعُهم على رُؤسهم فتدُقُّ رقابَهم فتبِينُ الرأسُ عن الجسدِ كَاَنَّهُمْ وحالُهم ماذُكِرَ اَعْجَازُ اُصولُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ مُنقلِعٍ ساقطٍ على الارضِ وشُبِّهوا بالنخلِ لِطولِهم ذُكِّرَهُنا وأُنِّثَ في الحاقَّةِ نخلٍ خاويةٍ مُراعاةً لِلفواصلِ في الموضعَين فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، قیامت قریب آگئی، اور چاند شق ہوگیا یعنی دو ٹکڑے ہوگیا، ایک ٹکڑا (جبل) ابی قبیس پر اور (دوسرا جبل) قُعَیقِعَان پر (تھا) آپ ﷺ کے معجزے کے طور پر جبکہ آپ سے معجزے کا سوال کیا گیا، تو آپ نے فرمایا گواہ رہو (رواہ الشیخان) اور اگر کفار قریش آپ کا کوئی معجزہ دیکھتے ہیں جیسا کہ شق القمر کا تو اعراض کرتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ بڑا بھاری جادو ہے قوی جادو ہے یہ مرۃ بمعنی قوۃ یا بمعنی

دائم ہے (سابق سے چلا آنے والا) اوران لوگوں نے نبی ﷺ کی تکذیب کی اور باطل میں اپنی خواہشات کی پیروی کی اور ہر کام خواہ خیر ہو یا شر اس کے مستحقین پر جنت یا دوزخ میں واقع ہونے والا ہے، اور یقیناً ان کے پاس اپنے رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کی خبریں آچکی ہیں جن میں ان کے لئے جھڑک ہے (مزدجر) اسم مصدر ہے یا اسم مکان ہے اور دال تائے افتعال سے بدلی ہوئی ہے اور ازدجرته، زجرته کے معنی میں ہے، میں نے اس کو سختی سے جھڑک دیا، اور ما موصولہ ہے یا موصوفہ اور قرآن کامل عقل کی بات ہے لیکن ان کو ڈرانے والی باتوں نے بھی کوئی فائدہ نہیں دیا نذر نذیر کی جمع ہے معنی منذر کے ہے، یعنی وہ باتیں جو ان کو ڈرانے والی ہیں اور ما نفی کے لئے ہے، یا استفہام انکاری ہے، ثانی صورت میں (تُغنِ کا) مفعول مقدم ہوگا سوائے نبی آپ ان سے اعراض کریں یا ماقبل کا فائدہ ہے اور اس پر کلام تام ہوا جس دن ایک پکارنے والا ایک ناگوار چیز کی طرف پکارے گا وہ اسرافیل ہے، اور یوم کا ناصب بعد میں آنے والا یخرجون ہے نکر کاف کے ضمہ اور سکون کے ساتھ ہے یعنی ناپسندیدہ شئ جس کو نفوس اس کی شدت کی وجہ سے ناگوار سمجھتے ہوں اور وہ حساب ہے یہ لوگ ذلت کے ساتھ نظریں نیچے کئے ہوئے اور ایک قراءت میں خُشَّعًا خاء کے ضمہ اور شین مشدد کے ساتھ ہے، قبروں سے تیزی سے نکل پڑیں گے خُشَّعًا، یَخرجونَ کی ضمیر فاعل سے حال ہے گویا کہ وہ پھیلی (منتشر) ٹڈیاں ہیں وہ خوف اور حیرت کی وجہ سے یہ بھی نہ سمجھ رہے ہوں گے کہ وہ کہاں جا رہے ہیں؟ اور جملہ، یَخرجُونَ کے فاعل سے حال ہے اور اسی طرح اللہ کا قول مُهْطِعِيْنَ ہے یعنی تیزی سے گردن اٹھائے ہوئے داعی کی طرف نکل پڑیں گے، ان میں سے کافر کہیں گے یہ سخت دن ہے یعنی کافروں پر سخت ہے جیسا کہ سورۂ مدثر میں یَوْمٌ عَسِيْرٌ علیٰ الکافرینَ ہے ان سے یعنی قریش سے پہلے قوم نوح نے بھی ہمارے بندے نوح کو جھٹلایا تھا اور مجنون کہہ کر جھڑک دیا تھا یعنی گالی وغیرہ دے کر ڈانٹ دیا تھا، پس اس نے اپنے رب سے دعاء کی أنِّي فتحہ کے ساتھ یعنی بأنِّي ہے میں بے بس ہوں تو میری مدد کر تو ہم نے آسمان کے دروازوں کو زوردار (بہنے والے) پانی کے لئے کھول دیا فَفَتَحْنَا تاء کی تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے، پس ہم نے زمین کے چشموں کو جاری کر دیا تو زمین سے چشمے ابل پڑے پھر پانی مل گیا یعنی آسمان اور زمین کا پانی اس حالت پر ہو گیا کہ جس حالت پر ازل میں مقدر کر دیا گیا تھا اور وہ حالت ان کا غرق ہو کر ہلاک ہونا ہے اور ہم نے نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تختوں اور میخوں والی کشتی پر سوار کر دیا دُسُر وہ چیز جس کے ذریعہ تختوں کو جوڑا جائے، میخیں وغیرہ اس کا واحد دِسَارٌ ہے جیسے (کُتُب) کتاب کی جمع ہے جو ہماری نگرانی ہماری نظروں کے سامنے یعنی ہماری حفاظت میں چل رہی تھی ان کو اس شخص کے انتقام میں غرق کر دیا گیا جس کی ناشکری کی گئی، جزاءً فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے، ای أغرِقوا انتصارًا (انتقامًا) اور وہ شخص نوح تھا، کَفَرَ کو معروف بھی پڑھا گیا ہے، یعنی ان کو غرق کر دیا گیا ان کے نافرمانی کرنے کی وجہ سے بے شک ہم نے اس کو یعنی فعل (واقعہ) کو نشانی بنا کر باقی رکھا اس شخص کے لئے جو اس واقعہ سے عبرت حاصل کرے، یعنی اس واقعہ کی خبر شائع ہوگئی اور باقی رہ گئی، پس کیا کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا یعنی عبرت و نصیحت حاصل کرنے والا (مُدَّکر) کی اصل مُذتکر ہے تاء کو دال مہملہ سے

بدل دیا گیا، اسی طرح ذال معجمہ کو دال سے بدل دیا گیا اور دال کو دال میں ادغام کر دیا گیا سو کیسا رہا میرا عذاب اور ڈرانا نُذُر بمعنی اِنــــــذارِی ہے، استفہام تقریری ہے، اور کیف کان کی خبر ہے، اور کیف حالت سے سوال کرنے کے لئے ہے اور معنی (آیت کے) مخاطبین کو نوح علیہ السلام کے مکذبین پر وقوع عذاب کے اقرار پر آمادہ کرتا ہے کہ عذاب برمحل واقع ہوا، اور اس کو اپنے قول اِنَّا اَرْسَلْنَا الخ سے بیان فرمایا کہ ہم نے ان پر ایک منحوس دن میں دائمی نحوست والی تیز و تند مسلسل چلنے والی یا قوی ہوا بھیجی یعنی سخت آواز والی اور وہ مہینے کا آخری چہار شنبہ تھا، جو گڑھوں میں چھپے ہوئے لوگوں کو (بھی) نکال کر پھینک رہی تھی، اور ان کو سر کے بل پٹخ رہی تھی، اور ان کی گردنوں کو کوٹ دیتی تھی جس کی وجہ سے ان کا سر جسم سے جدا ہو جاتا تھا یعنی ان کا مذکورہ حال ایسا تھا گویا کہ وہ زمین پر پڑے ہوئے کھجور کے کٹے ہوئے تنے ہیں اور ان کے دراز قد ہونے کی وجہ سے ان کو کھجوروں کے تنوں سے تشبیہ دی ہے نخل کو یہاں مذکر اور سورۂ حاقہ میں مونث دونوں جگہ فواصل کی رعایت کی وجہ سے نــخـل خاویۃ مؤنث ذکر کیا ہے تو کیسا رہا میرا عذاب اور ڈرانا؟ اور بے شک ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا پس ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: قَرُبَتِ القِیَامَۃُ، اِقْتَرَبَ کی تفسیر قَرُبَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ مزید بمعنی مجرد ہے جیسے اِقْتَدَرَ بمعنی قَدَرَ.

سوال: مجرد کو مزید سے کیوں تعبیر کیا؟

جواب: قرب کے معنی میں مبالغہ ظاہر کرنے کے لئے، اس لئے کہ زیادتی حروف زیادتی معنی پر دلالت کرتی ہے۔

قولہ: اِنْشَقَّ القَمَرُ تیسری اور چودھویں شب کے درمیانی چاند کو قمر کہتے ہیں، اس سے پہلے کے چاند کو ہلال اور چودھویں شب کے چاند کو بدر کہتے ہیں۔

قمر ہمارے نظام شمسی کا قریب ترین سیارہ ہے، سابقہ تحقیق کے مطابق قمر زمین سے دو لاکھ چالیس ہزار میل کی مسافت پر واقع تھا، مگر اب جدید تحقیق کے مطابق زمین سے چاند کا فاصلہ دو لاکھ چھبیس ہزار نو سو ستر اعشاریہ نو میل ہے، اس سے پہلے اتنی صحیح پیمائش کبھی نہیں کی گئی تھی جو کیلی فورنیا (امریکہ) کی یونیورسٹی کی رصد گاہ سے چھوڑے گئے اپالو گیارہ میں نصب کئے گئے مسافت پیما آلے کے ذریعہ کی گئی ہے اپالو گیارہ ۱۶ جولائی بروز چہار شنبہ ۱۹۶۹ء کو خلائی سفر پر روانہ ہوا تھا۔ (فلکیات جدیدہ)

قولہ: قَوِیٌّ او دائمٌ اس اضافہ کا مقصد مُسْتَمِرٌّ کے معنی کو بیان کرنا ہے، مفسر علام نے مُسْتَمِرٌّ کے دو معنی بیان کئے ہیں، اول بمعنی قوی، اس صورت میں مِـرَّۃ سے ماخوذ ہوگا اس لئے کہ مِـرَّۃ کے معنی قوت کے ہیں، جب امر قوی اور مستحکم ہو جاتا ہے تو بولا جاتا ہے، اِسْتَمَرَّ الشئ ای قوِیَ واسْتَحْکَمَ مطلب یہ ہے کہ یہ بڑا طاقتور جادو ہے، دوم بمعنی دائمٌ اس صورت میں استمرار سے مشتق ہوگا جس کے معنی ہیں دائمی یا سابق سے چلا آرہا، مطلب یہ ہے کہ محمد نے شب و روز کی

جادوگری کا جو سلسلہ چلا رکھا ہے یہ بھی اسی کی ایک کڑی ہے، مذکورہ دو معانی کے علاوہ مُسْتَمِرٌّ کے دو معنی اور بھی ہیں جن کو بعض مفسرین نے اختیار فرمایا ہے، (اول) گذر جانے والا، فنا ہو جانے والا، باقی نہ رہنے والا، اس صورت میں مَارٌّ بمعنی ذاھِبٌ سے مشتق ہوگا، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح اور جادو گذر گئے یہ بھی گذر جائے گا اس کا اثر بھی دیرپا نہ ہوگا (دوسرے) معنی بدمزہ ناخوشگوار، کڑوے کے ہیں، اس صورت میں مُرٌّ سے مشتق ہوگا جس کے معنی کڑوے کسیلے اور بدمزہ کے ہیں، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح کڑوی اور بدمزہ چیز حلق سے نیچے نہیں اترتی اسی طرح محمد کی باتیں اور معجزے بھی ہمارے حلق سے نہیں اترتے۔

سَوَال: کَذَّبوا کا عطف یُعْرِضُوْا پر ہے، معطوف علیہ مضارع ہے اور معطوف ماضی، اس میں کیا نکتہ ہے؟

جَوَاب: اس میں نکتہ یہ ہے کہ ماضی کا صیغہ لاکر اشارہ کر دیا کہ تکذیب اور اتباع ہوی یہ ان کی پرانی اور قدیم عادت ہے کوئی نئی عادت نہیں ہے۔

قِوْلُہٗ: وَلَقَدْ جَاءَ هُمْ مِنَ الْاَنْبَاءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ میں مِن تبعیضیہ ہے مراد امم مکذبہ کی وہ خبریں ہیں جو قرآن میں بیان کی گئی ہیں۔

قِوْلُہٗ: مُزْدَجَرٌ مصدر میمی ہے معنی میں اِزْدِجَارٌ کے ہے، اسم مکان بھی ہوسکتا ہے یعنی ان کے پاس ایسی خبریں آئیں کہ جو مقام اِزْدِجَار میں ہیں، مِنَ الْاَنْبَاءِ حال ہونے کی وجہ سے محل میں نصب کے ہے، اور ما ذوالحال ہے ما موصولہ اور موصوفہ دونوں ہوسکتا ہے، اور دونوں صورتوں میں ما، جاءَ کا فاعل ہے اور فیہ خبر مقدم اور مُزْدَجَرٌ مبتداء مؤخر ہے، اور جملہ ما کا صلہ ہے۔

قِوْلُہٗ: فَمَا تُغْنِ النُّذُر.

قِوْلُہٗ: خبرُ مبتداءٍ محذوفٍ ای هو حکمة.

قِوْلُہٗ: مُهْطِعِيْنَ اِهْطَاعٌ سے اسم فاعل ہے اور یَخْرُجُوْنَ کی ضمیر سے حال ہے معنی گردن اٹھا کر تیزی سے چلنا۔

قِوْلُہٗ: يَقُوْلُ الكافِرُوْنَ یہ جملہ مستانفہ ہے، اس صورت میں ایک سوال مقدر کا جواب ہوگا، روز قیامت کی شدت اور اس کی ہولناکی کے بیان سے سوال پیدا ہوا کہ اس وقت کافروں کا کیا ہوگا؟ جواب دیا: وہ کہیں گے کہ یہ دن تو بڑا سخت ہے اور بعض حضرات نے یَخْرُجُوْنَ کی ضمیر سے حال قرار دیا ہے لیکن اس صورت میں ایک سوال پیدا ہوگا کہ جملہ جب حال واقع ہو تو اس میں رابطہ کا ہونا ضروری ہے حالانکہ یہاں کوئی رابطہ نہیں ہے۔

جَوَاب: مفسر علام نے مِنْهُمْ مقدر مان کر اسی سوال کا جواب دیا ہے۔

قِوْلُہٗ: اَنَّثَ الفعل لمعنی قومٍ اس عبارت سے بھی ایک سوال مقدر کا جواب مقصود ہے۔

سَوَال: سوال یہ ہے کہ قَوْمٌ جو کہ مذکر ہے کَذَّبَت کا فاعل ہے، فعل و فاعل میں مطابقت نہیں ہے۔

جَوَابٌ: قـــوم معنی کے اعتبار سے مؤنث ہے یعنی اُمَّۃٌ کے معنی میں ہے افراد کثیرہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے مؤنث معنوی ہے۔

قَوْلُہٗ: فَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُیُوْنًا، عیُونًا تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے جو کہ مفعول سے محول ہے، تقدیر عبارت یہ ہے فَجَّرْنَا عُیُوْنَ الْاَرْضِ. اور بعض حضرات نے فاعل سے محول قرار دیا ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہوگی اِنْفَجَرَتْ عُیُوْنُ الْاَرْضِ.

تَفسِیر وتَشریح

ربط:

گذشتہ سورت (النجم) اَزِفَـــتِ الْآزِفَۃِ الــخ پر ختم ہوئی ہے جس میں قیامت کے قریب آجانے کا ذکر ہے، اس سورت کو اسی مضمون سے شروع کیا گیا ہے، اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ آگے قرب قیامت کی دلیل معجزۂ شق القمر کا ذکر فرمایا گیا۔ (معارف)

زمانہ نزول:

اس سورت میں واقعۂ شق القمر مذکور ہے، اس سے اس سورت کا زمانہ نزول متعین ہو جاتا ہے، محدثین ومفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے تقریباً پانچ سال قبل مکہ معظمہ میں منیٰ کے مقام پر پیش آیا۔

یہ سورت بھی ان سورتوں میں سے ہے، جن کو آپ نماز عید میں پڑھا کرتے تھے۔

معجزۂ شق القمر:

مشرکین مکہ نے آپ کی نبوت کی صداقت کے ثبوت کے طور پر شق القمر کا معجزہ طلب کیا تھا بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلق نشانی کا مطالبہ کیا تھا، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ متعین طور پر شق القمر کا معجزہ طلب کیا تھا جیسا کہ حضرت انس کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، ہجرت سے تقریباً پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے کہ آنحضور ﷺ ایک رات مقام منیٰ میں تشریف فرما تھے، مشرکین مکہ کے کچھ سردار موجود تھے جن میں ولید، ابوجہل، عاص بن وائل، اسود بن عبدالمطلب اور نضر بن الحارث شامل تھے، چاندنی رات تھی چودھویں کا چاند تھا، ان حضرات نے دلیل صداقت کے طور پر چاند کے دو ٹکڑے کرنے کا مطالبہ کیا، آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں ایسا کر دوں تو تم ایمان لے آؤ گے؟ سب نے کہا ہاں! رسول اللہ ﷺ نے اللہ رب العالمین سے دعاء فرمائی حق تعالیٰ نے شق القمر کا معجزہ ظاہر فرما دیا، آپ ﷺ نے فرمایا یــا ابــا سـلـمــہ عبد الاسـد والارقم بن الارقم

اشهدوا اے فلاں وفلاں دیکھو اور گواہی دو۔

معجزہ کا ثبوت قرآن کریم کی اس آیت سے ہے، وانشق القمر اور احادیث صحیحہ جو صحابہ کرام کی ایک جماعت کی روایت سے آئی ہیں جن میں حضرت علی عبداللہ بن مسعود عبداللہ بن عمر جبیر بن مطعم ابن عباس انس بن مالک حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ شامل ہیں، ان میں سے تین بزرگ یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت حذیفہ اور حضرت جبیر بن مطعم تصریح کرتے ہیں کہ وہ اس واقعہ کے عینی شاہد ہیں، اور دو بزرگ ایسے ہیں کہ جو اس واقعہ کے عینی شاہد تو نہیں ہو سکتے، کیونکہ یہ ان میں سے ایک یعنی عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی پیدائش سے پہلے کا واقعہ ہے، اور دوسرے یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مالک اس وقت بچے تھے، لیکن چونکہ یہ دونوں حضرات صحابی ہیں اس لئے ظاہر ہے کہ انہوں نے ایسے سن رسیدہ صحابیوں سے سن کر ہی اسے روایت کیا ہوگا جو اس واقعہ کا براہ راست علم رکھتے تھے، امام طحاوی اور ابن کثیر نے واقعہ شق القمر کی روایات کو متواتر قرار دیا ہے اس لئے اس معجزہ کا قطعی دلائل سے ثبوت ہے۔

واقعہ کی تفصیل:

مشرکین مکہ کے مطالبہ پر حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کی صداقت کے طور پر معجزہ ظاہر فرمایا چاند کے دو ٹکڑے ہو کر ایک مشرق کی طرف اور دوسرا مغرب کی طرف چلا گیا اور دونوں ٹکڑوں کے درمیان پہاڑ حائل نظر آنے لگا، رسول اللہ ﷺ نے حاضرین سے فرمایا کہ دیکھو اور شہادت دو جب سب لوگوں نے صاف طور پر یہ معجزہ دیکھ لیا تو یہ دونوں ٹکڑے پھر آپس میں مل گئے۔

کفار کا دلیل صداقت کو ماننے سے انکار:

اس کھلے ہوئے معجزے کا انکار تو کسی آنکھوں والے سے ممکن نہ ہو سکتا تھا مگر برا ہو تعصب اور ہٹ دھرمی کا کہ مشرکین کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) نے ہم پر جادو کر دیا تھا اس لئے ہماری آنکھوں نے دھوکا کھایا، دوسرے لوگ بولے کہ محمد ﷺ ہم پر جادو کر سکتے ہیں تمام لوگوں پر تو جادو نہیں کر سکتے، باہر کے لوگوں کو آنے دو ان سے معلوم کریں گے کہ یہ واقعہ انہوں نے بھی دیکھا یا نہیں؟ باہر سے جب کچھ لوگ آئے اور ان سے دریافت کیا تو انہوں نے شہادت دی کہ وہ بھی یہ منظر دیکھ چکے ہیں۔

ایک مغالطہ:

بعض روایات جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہیں ان کی بناء پر یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ شق القمر کا واقعہ ایک مرتبہ نہیں بلکہ دو مرتبہ پیش آیا تھا، لیکن اول تو صحابہ میں سے کسی اور نے یہ بات بیان نہیں کی، دوسری بات یہ کہ خود انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بعض روایات میں مرتین کے بجائے فِرْقَتَیْن اور شِقَّتَیْن کے الفاظ ہیں، تیسرے یہ کہ قرآن مجید صرف ایک ہی انشقاق کا ذکر کرتا ہے، ان شواہد کی روشنی میں صحیح بات یہی ہے کہ یہ واقعہ صرف ایک ہی مرتبہ پیش آیا تھا۔

چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے یا قرب قیامت میں ہوں گے:

بعض لوگوں نے (وَانْشَقَّ الْقَمر) کا مطلب یہ لیا ہے کہ چاند پھٹ جائے گا، لیکن عربی زبان کے لحاظ سے چاہے یہ مطلب لینا ممکن ہو مگر عبارت کا سیاق وسباق اس معنی کو مراد لینے سے صاف انکار کرتا ہے، اول تو یہ معنی مراد لینے سے پہلا فقرہ بے معنی ہو جاتا ہے، چاند اگر اس کلام کے نزول کے وقت پھٹا نہیں تھا، بلکہ وہ آئندہ کبھی پھٹنے والا ہے تو اس کی بناء پر یہ کہنا بالکل مہمل بات ہے کہ قیامت کی گھڑی قریب آگئی ہے، مستقبل میں پیش آنے والا کوئی واقعہ اس کے قرب کی علامت کیسے قرار پا سکتا ہے، کہ اسے شہادت کے طور پر پیش کرنا ایک معقول طرز استدلال ہو، دوسرے یہ مطلب لینے کے بعد جب ہم آگے کی عبارت پڑھتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتی، آگے کی عبارت صاف بتا رہی ہے کہ لوگوں نے اس وقت کوئی نشانی دیکھی تھی جو امکان قیامت کی صریح علامت تھی مگر انہوں نے اسے جادو قرار دیکر جھٹلا دیا اور اپنے اس خیال پر جمے رہے کہ قیامت کا آنا ممکن نہیں ہے، اس سیاق وسباق میں اِنْشَقَّ الْقَمرُ کے الفاظ اسی صورت میں ٹھیک بیٹھ سکتے ہیں جب ان کا مطلب ''چاند پھٹ گیا'' لیا جائے، اور اگر انشقَّ القمر کو چاند پھٹ جائے گا کے معنی میں لے لیے جائیں تو بعد کی ساری بات بے جوڑ ہو جاتی ہے، سلسلہ کلام میں اس فقرے کو رکھ کر دیکھئے آپ کو خود محسوس ہو جائے گا کہ اس کی وجہ سے ساری عبارت بے معنی ہو گئی۔

معجزۂ شق القمر پر اعتراضات:

معترضین شق القمر پر دو طرح کے اعتراضات کرتے ہیں اول تو ان کے نزدیک ایسا ہونا ممکن ہی نہیں ہے کہ چاند جیسے عظیم کرہ کے دو ٹکڑے پھٹ کر الگ ہو جائیں اور سینکڑوں بلکہ ہزاروں میل کے فاصلہ تک ایک دوسرے سے دور جانے کے بعد پھر دوبارہ جڑ جائیں، دوسرے وہ کہتے ہیں کہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو یہ دنیا بھر میں مشہور ہو جاتا، تاریخی کتابوں میں اس کا ذکر آتا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ دونوں اعتراضات بالکل بے وزن اور بے حقیقت ہیں۔

جواب: اول تو کسی دلیل عقلی سے اس کا محال ہونا اب تک ثابت نہیں کیا جا سکا ہے، اور محض استبعاد کی بناء پر ایسی قطعی الثبوت چیزوں کو رد نہیں کیا جا سکتا، بلکہ استبعاد تو اعجاز کے لئے لازم ہے جہاں تک اس کے امکان کی بحث ہے، قدیم زمانہ میں تو شاید وہ چل بھی سکتی تھی، لیکن موجودہ دور میں سیاروں کی ساخت کے متعلق انسان کو جو معلومات حاصل ہوئی ہیں ان کی بناء پر یہ بات بالکل ممکن ہے کہ ایک کرہ اپنے اندر آتش فشانی کے باعث پھٹ جائے اور اس زبردست انفجار سے اس کے دو ٹکڑے ہو کر دور تک چلے جائیں اور پھر اپنی مرکزی قوت جاذبہ کے سبب وہ آپس میں آملیں، اور اگر یہ انفجار اتنا شدید اور طاقتور ہو کہ مرکزی قوت جاذبہ کی گرفت سے باہر ہو جائے تو یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ٹکڑے پھر آپس میں نہ ملیں، اور اس کا صرف امکان ہی نہیں بلکہ واقعہ بھی ہے۔

کرۂ ارض ایک زمانہ میں متصل ایک کرہ تھا:

ماہرین کی غالب اکثریت اس پر متفق ہے کہ دنیا کے تمام براعظم کسی زمانہ میں ایک دوسرے سے پیوست ایک کرہ تھے، کوئی بیس کروڑ سال ہوئے زمین کے اندر کی آتش فشانی اور قوت طاردہ کی وجہ سے کرۂ ارض میں انفجار پیدا ہوا اور یہ کرہ کئی حصوں میں تقسیم ہوگیا، اس کے ثبوت کی متعدد دلیلیں ہیں، اس بات کا خیال رہے کہ دیگر سیارات کے مانند زمین اور چاند بھی سیارے ہیں بلکہ سائنس جدید کی تحقیق کے نتیجے سے معلوم ہوتا ہے کہ چاند زمین کا ایک حصہ ہے کسی زمانہ میں کسی سیارہ کے تصادم یا اندرونی آتش فشانی کے نتیجے میں، بحرالکاہل کے مقام سے الگ ہوکر زمین کے گرداگرد گردش کرنے لگا، اور زمین سورج سے جدا شدہ ایک کرہ ہے جو سورج کے گرداگرد گردش کر رہا ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''فلکیات جدیدہ''۔

انفجار ارض کی پہلی دلیل:

اگر تمام براعظموں کو ایک دوسرے سے ملا کر پیوست کر دیا جائے تو ان کے ساحل ایک دوسرے سے اس طرح مل جائیں گے جیسے کسی ٹوٹی ہوئی چیز کے ٹکڑوں کو ملا کر ایک کر دیا جاتا ہے اور وہ اپنی سابقہ حالت پر معلوم ہونے لگتی ہے۔

دوسری دلیل:

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ طویل و عریض سمندروں کے آر پار مختلف براعظموں کے مقابل ساحلوں پر جو پہاڑ ہیں یوں لگتا ہے جیسے ایک ہی سلسلہ کوہ کے حصے ہوں۔

تیسری دلیل:

براعظم کے ایک دوسرے سے کسی زمانہ میں متصل ہونے کے حیاتیاتی شواہد بھی موجود ہیں، جنوبی امریکہ اور افریقہ میں بیسوں اقسام کے جانور ملتے ہیں جو ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ مماثلث و مشابہت بے وجہ نہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں یہ دونوں براعظم ایک ہی تھے۔

جب کرۂ ارضی میں انفجار و انشقاق مشاہداتی اور عقلیاتی دلائل سے ثابت ہے تو کیا وجہ ہے کہ کرۂ قمر میں یہ انفجار و انشقاق نہیں ہوسکتا؟ مذکورہ دلائل سے ان لوگوں کا نظریہ باطل ہوگیا جو کرۂ قمر میں خرق والتیام کو محال کہہ کر معجزۂ شق القمر کا انکار کرتے ہیں۔

دوسرا اعتراض:

دوسرا، میانہ اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو یہ واقعہ دنیا بھر میں مشہور ہوجاتا، تاریخی کتابوں میں اس کا ذکر آتا۔

جَوَابٌ: یہ اعتراض اس لئے بے وزن ہے کہ یہ واقعہ اچانک بس ایک لمحہ کے لئے پیش آیا تھا، ضروری نہیں تھا کہ اس

خاص لحہ میں دنیا بھر کی نگاہیں چاند کی طرف لگی ہوئی ہوں، نیز اس سے کوئی زوردار دھما کہ نہیں ہوا تھا کہ لوگوں کی توجہ اس کی طرف منعطف ہوتی، اور پہلے سے اس کی کوئی اطلاع بھی نہیں تھی کہ لوگ اس کے منتظر ہو کر آسمان کی طرف دیکھ رہے ہوتے، اس کے علاوہ پوری روئے زمین پر اسے دیکھا نہیں جا سکتا تھا، بلکہ صرف عرب اور اس کے مشرقی جانب کے مما لک ہی میں اس وقت چاند نکلا ہوا تھا، باقی بہت سے مما لک میں تو اس وقت دن ہوگا، جہاں رات ہوگی بھی تو کہیں نصف شب اور آخر شب کا وقت ہوگا جس وقت عام دنیا سوتی ہے اور جاگنے والے بھی تو ہر وقت چاند کو نہیں تکتے رہتے اس کے علاوہ زمین پر پھیلی ہوئی چاندنی میں چاند کے دو ٹکڑے ہونے سے کچھ فرق بھی نہیں پڑتا جس کی وجہ سے اس کی طرف کسی کو توجہ ہوتی پھر یہ تھوڑی دیر کا قصہ تھا، روزمرہ دیکھا جاتا ہے کہ کسی ملک میں چاند گہن ہوتا ہے اور آج کل تو پہلے سے اس کے اعلانات بھی ہو جاتے ہیں اس کے باوجود ہزاروں لاکھوں آدمی اس سے بالکل بے خبر رہتے ہیں، تو کیا اس بے خبری کو اس بات کی دلیل بنایا جا سکتا ہے کہ چاند گہن ہوا ہی نہیں ہے اس لئے دنیا کی عام تاریخوں میں مذکور نہ ہونے سے اس واقعہ کی تکذیب نہیں ہو سکتی۔

دوسرا جواب: سابقہ آسمانی کتابوں میں بعض ایسے ہی واقعات کا ذکر ہے مگر کسی تاریخی کتاب میں اس کا تذکرہ نہیں ہے تو کیا یہ مان لیا جائے کہ یہ واقعات ہوئے ہی نہیں، ہم ان واقعات میں سے صرف دو واقعہ کا تذکرہ کرتے ہیں۔

پہلا واقعہ:

کتاب یشوع (ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء کے مطابق) کے باب نمبر ۱۰ آیت نمبر ۱۲ میں ہے، ''اور اس دن جب خداوند نے اموریوں کو بنی اسرائیل کے قابو میں کر دیا، یشوع نے خداوند کے حضور بنی اسرائیل کے سامنے یہ کہا اے سورج تو جبعون پر اور اے چاند تو وادی ایالون پر ٹھہرا رہ، سورج ٹھہر گیا، اور چاند تھما رہا، جب تک قوم نے اپنے دشمنوں سے اپنا انتقام نہ لے لیا، اور سورج آسمانوں کے بیچوں بیچ ٹھہرا رہا اور تقریباً سارے دن ڈوبنے میں جلدی نہ کی''۔

اور کتاب تحقیق الدین الحق مطبوعہ ۱۸۴۶ء حصہ نمبر ۳ کے باب ۴ صفحہ ۳۶۲ میں یوں ہے کہ ''یوشع کی دعاء سے سورج ۲۴ گھنٹے کھڑا رہا'' ظاہر ہے کہ یہ واقعہ بڑا عظیم الشان تھا اور عیسائی نظریئے کے مطابق مسیح کی پیدائش سے ایک ہزار چار سو سال قبل پیش آیا، اگر یہ واقعہ صحیح ہوتا تو اس کا علم تمام روئے زمین کے انسانوں کو ہونا ضروری تھا، بڑے سے بڑا بادل بھی اس کے علم سے مانع نہیں ہو سکتا تھا، اور نہ اس کا اختلاف اس میں مزاحم، اس لئے کہ اگر ہم یہ بھی تسلیم کر لیں کہ بعض مقامات پر اس وقت رات تھی تب بھی اس کا ظاہر ہونا اس لئے ضروری تھا کہ ان کی رات اس دن چوبیس گھنٹے رہی ہو، نیز یہ زبردست حادثہ نہ ہندوستان کی تاریخ میں کہیں موجود ہے نہ اہل چین واہل فارس کی کتابوں میں اس کا تذکرہ ہے، ہم نے خود ہندوستان کے علماء سے اس کی تکذیب سنی ہے، اور ان کو اس کے غلط ہونے کا یقین کامل ہے۔

دوسرا واقعہ:

کتاب الاشعیاء، باب ۳۸ آیت ۸ میں حضرت اشعیاء کے معجزے رجوع شمس کے سلسلہ میں یوں کہا گیا ہے، ''چنانچہ آسمان جن درجوں سے ڈھل گیا تھا ان میں کے دس درجے پھر لوٹ گیا''۔

یہ حادثہ بھی عظیم الشان ہے اور چونکہ دن میں پیش آیا تھا اس لئے ضروری ہے کہ دنیا کے اکثر انسانوں کو اس کا علم ہو مسیح کی ولادت سے ۷۱۳ سال شمسی قبل واقع ہوا، مگر اس کا تذکرہ نہ تو ہندوستان کی تاریخوں میں پایا جاتا ہے اور نہ اہل چین و اہل فارس کی کتابوں میں (ملخصاً) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے، مولانا رحمت اللہ مرحوم کی مشہور کتاب اظہار الحق کا ترجمہ بائبل سے قرآن تک۔ (ص ۱۲٦ تا ۱۳٤)

تاریخی شہادت:

اس کے علاوہ ہندوستان کی مستند و مشہور تاریخ، تاریخ فرشتہ کے مقالہ نمبر ۱۱ میں اس کا ذکر موجود ہے کہ ہندوستان میں مہاراجہ ملیبار نے یہ واقعہ بچشم خود دیکھا اور اپنے روزنامچہ میں لکھوایا اور یہی واقعہ اس کے اسلام لانے کا سبب بنا، حافظ مزی نے ابن تیمیہ سے نقل کیا ہے کہ ایک مسافر کا بیان ہے کہ میں نے ہندوستان کے ایک مشہور شہر میں ایک پرانی عمارت دیکھی جس پر عمارت کی تاریخ تعمیر کے سلسلے میں لکھا تھا کہ یہ عمارت شق قمر والی رات میں بنائی گئی۔

(ترجمہ اظہار الحق، بائبل سے قرآن تک، ص ۱۳٤)

اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ قوم عاد کو ہوا کے طوفان کے عذاب سے ہلاک کیا گیا تھا، کہتے ہیں کہ بدھ کی شام تھی جب اس تیز و تند یخ بستہ اور شاں شاں کرتی ہوئی ہوا کا آغاز ہوا، پھر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن برابر چلتی رہی یہ ہوا گھروں اور قلعوں میں بند اور گڑھوں میں چھپے ہوئے لوگوں کو اٹھاتی اور اس زور سے انہیں زمین پر پٹختی کہ ان کے سران کے دھڑ سے الگ ہو جاتے، یہ دن ان کیلئے عذاب کے اعتبار سے منحوس ثابت ہوا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ بدھ کے دن یا کسی اور دن میں نحوست ہے جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں مستمر کا مطلب ہے کہ یہ عذاب اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ سب ہلاک نہیں ہو گئے۔

كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ یہ درازیٔ قد کے ساتھ ان کے بے بسی اور لاچاری کا بھی اظہار ہے کہ عذاب الٰہی کے سامنے وہ کچھ نہ کر سکے درانحالیکہ انہیں اپنی قوت و طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ۝ جَمْعُ نَذِيرٍ بِمَعْنَى مُنْذِرٍ اي بِالْاُمُوْرِ الَّتِي اَنْذَرَهُم بِهَا نَبِيُّهُم صَالِحٌ اِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ

ويتبعوه **فَقَالُوٓا أَبَشَرًا** منصوبٌ على الاشتغالِ **مِّنَّا وَاحِدًا** صفتان لبشرٍ **نَّتَّبِعُهُ** مفسِّرٌ للفعلِ النّاصِبِ له والاستفهامُ بمعنى النَّفي المعنى كيفَ نتّبعُه ونحنُ جماعةٌ كثيرةٌ وهو واحدٌ مِنّا وليس بمَلِكٍ اى لا نتّبعه **إِنَّآ إِذًا** اى ان اتبعْناه **لَّفِي ضَلَٰلٍ** ذهابٍ عنِ الصَّوابِ **وَسُعُرٍ** جنونٍ **ءَأُلْقِيَ** بتحقيقِ الهمزتينِ وتسهيلِ الثّانية وادخالِ الفٍ بينهما على الوجهينِ وتركِه **الذِّكْرُ** الوحيُ **عَلَيْهِ مِنۢ بَيْنِنَا** اى لم يُوحَ اليه **بَلْ هُوَ كَذَّابٌ** في قولِه انّه أُوحيَ اليه ما ذكره **أَشِرٌ** متكبّرٌ بطرٌ قال تعالىٰ **سَيَعْلَمُونَ غَدًا** اى في الاخرةِ **مَّنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ** وهو هُم بأنْ يُعذَّبوا على تكذيبِهم لنبيّهم صالحٍ **إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ** مُخرجوها من الهضبةِ الصخرةِ كما سألوا **فِتْنَةً** محنةً **لَّهُمْ** لنختبرَ هم **فَارْتَقِبْهُمْ** يا صالحُ اى انتظِرْ ماهم صانعون وما يُصنعُ بهم **وَاصْطَبِرْ** الطاءُ بدلٌ من تاءِ الافتعالِ اى اصبِرْ على أذاهم **وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌ** مقسومٌ **بَيْنَهُمْ** وبينَ النّاقةِ فيومٌ لهم ويومٌ لها **كُلُّ شِرْبٍ** نصيبٍ من الماءِ **مُّحْتَضَرٌ** يحضُرُه القومُ يومَهم والنّاقةُ يومَها فتمادُوا على ذلك ثم ملّوه فهمُّوا بقتلِ النّاقةِ **فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ** قُدارًا ليقتلَها **فَتَعَاطَىٰ** تناولَ السّيفَ **فَعَقَرَ** به النّاقةَ اى قتلَها موافقةً لهم **فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ** اى انذاري لهم بالعذابِ قبلَ نزولِه اى وقعَ موقعَه وبيّنه بقولِه **إِنَّآ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ** هو الّذي يجعلُ لغنمِه حظيرةً من يابسِ الشّجرِ والشّوكِ يحفظُهنّ فيها من الذّئابِ والسّباعِ وما سقطَ من ذلك فداستْه هو الهشيمُ **وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْءَانَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ۝ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍۭ بِالنُّذُرِ** اى بالأمورِ المنذرةِ لهم على لسانِه **إِنَّآ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا** ريحًا ترميهم بالحصباءِ وهي صغارُ الحجارةِ الواحدةِ دونَ ملءِ الكفِّ فهلكوا **إِلَّآ ءَالَ لُوطٍ** وهم ابنتاه معَه **نَّجَّيْنَٰهُم بِسَحَرٍ** من الأسحارِ اى وقتَ الصُّبحِ من يومٍ غيرِ معيّنٍ ولو أُريدَ من يومٍ معيّنٍ لَمُنِعَ الصّرفُ لانّه معرفةٌ معدولٌ عنِ السّحرِ لأنّ حقَّه ان يستعمل في المعرفةِ بالْ وهل أُرسِلَ الحاصبُ على آلِ لوطٍ اولا، قولان وعبر عن الاستثناءِ على الاوّلِ بانّه متّصلٌ وعلى الثّاني بانّه منقطعٌ وان كانَ من الجنسِ تسمُّحا **نِّعْمَةً** مصدرٌ اى انعامًا **مِّنْ عِندِنَا كَذَٰلِكَ** اى مثلُ ذلك الجزاءِ **نَجْزِي مَن شَكَرَ** انعمَنا وهو مؤمنٌ او من آمنَ باللّٰه تعالىٰ ورسُلِه وأطاعهم **وَلَقَدْ أَنذَرَهُم** خوّفهم لوطٌ **بَطْشَتَنَا** اخذتَنا إيّاهم بالعذابِ **فَتَمَارَوْا** تجادلوا وكذّبوا **بِالنُّذُرِ** بانذارِه **وَلَقَدْ رَٰوَدُوهُ عَن ضَيْفِهِۦ** اى سألوه ان يُخلّيَ بينَه وبينَ القومِ الّذين أتوه في صورةِ الأضيافِ ليَخبُثوا بهم وكانوا ملائكةً **فَطَمَسْنَآ أَعْيُنَهُمْ** أعميناها وجعلناها بلاشقٍّ كباقي الوجهِ بان صفقها جبريلُ بجناحِه **فَذُوقُوا** فقلنا لهم ذوقوا **عَذَابِي وَنُذُرِ** اى انذاري وتخويفي اى ثمرتَه وفائدتَه **وَلَقَدْ صَبَّحَهُم بُكْرَةً** وقتَ الصّبحِ من يومٍ غيرِ معيّنٍ **عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ** دائمٌ متّصلٌ بعذابِ الاخرةِ **فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ ۝ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْءَانَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ**

ترجمہ: ثمود نے ڈرانے والی چیزوں (یعنی تنبیہات) کی تکذیب کی نُذُر، نَذِیر کی جمع ہے یعنی ان امور کی کہ جن کے ذریعہ ان کو ان کے نبی صالح نے ڈرایا، اگر وہ ان پر ایمان نہ لائے اور ان کی پیروی نہ کی تو انہوں نے کہا کیا ہم ایسے شخص کی اتباع کریں جو ہم ہی میں کا ایک فرد ہے؟ بشرًا، ما اُضمِرَ کے قاعدہ سے منصوب ہے، مِنّا اور واحدًا دونوں بشرٌ کی صفت ہیں، اور نَتَبِعُهٗ، بَشَرًا کے فعل ناصب کا مفسر ہے، اور استفہام بمعنی نفی ہے معنی یہ ہیں کہ ہم اس کی کیوں اتباع کریں؟ اور ہم بڑی جماعت ہیں اور وہ ہم میں کا ایک ہے اور فرشتہ بھی نہیں ہے یعنی ہم اس کی اتباع نہیں کریں گے، اگر ہم نے اس کی اتباع کی تو ہم گمراہی میں یعنی راہِ راست سے بھٹکے ہوئے ہوں گے اور (حالت) جنون میں ہوں گے، کیا ہم میں سے اس پر وحی نازل کی گئی؟ یعنی اس کی طرف وحی نہیں بھیجی گئی (اَءُلْقِیَ) دونوں ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ اور دوسرے کی تسہیل کے ساتھ اور دونوں صورتوں میں دونوں کے درمیان ہمزہ داخل کر کے اور ادخال کو ترک کر کے (نہیں) بلکہ وہ اپنے اس دعوے میں کہ جو کچھ اس نے بیان کیا وہ اس پر بذریعہ وحی بھیجا گیا ہے جھوٹا متکبر شیخی خورہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کو عنقریب کل یعنی آخرت میں معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا اور شیخی خورہ کون ہے؟ حالانکہ جھوٹے وہ خود ہیں اس لئے کہ ان کو اپنے نبی صالح کی تکذیب پر عذاب دیا جائے گا، ہم ان کی آزمائش کے لئے ایک اونٹنی ان کے مطالبہ کے مطابق پتھر سے نکالنے والے ہیں تاکہ ہم ان کو آزمائیں، اے صالح تو ان کا انتظار کر کہ وہ کیا کرنے والے ہیں؟ اور ان کے ساتھ کیا (معاملہ) کیا جانے والا ہے؟ اور تو ان ایذا رسانیوں پر صبر کر (اصطبر) کی طاء تاء افتعال سے بدلی ہوئی ہے اور ان کو بتادو کہ پانی ان کے اور اونٹنی کے درمیان تقسیم شدہ ہے ایک دن ان کی باری ہے اور ایک دن اونٹنی کی ہر ایک اپنی اپنی باری پر حاضر ہوگا قوم اپنی باری کے دن حاضر ہوگی اور اونٹنی اپنی باری پر، وہ لوگ اس طریقہ پر ایک زمانہ تک قائم رہے، پھر وہ اس سے اکتا گئے تو انہوں نے اونٹنی کے قتل کا ارادہ کر لیا تو انہوں نے اپنے ساتھی قدار کو اس اونٹنی کے قتل کے لئے آواز دی تو اس نے تلوار لی اور اس تلوار سے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں یعنی ان کی موافقت (اور مشورہ سے) اس اونٹنی کو قتل کر دیا تو کیسا رہا میرا عذاب اور ڈرانا؟ یعنی میرا ان کو عذاب نازل کرنے سے پہلے عذاب سے ڈرانا (کیسا رہا) یعنی وہ برمحل واقع ہوا، اور اس عذاب کو (اللہ تعالیٰ نے) اپنے قول انا ارسلنا علیهم صَیْحَةً الخ سے بیان فرمایا ہے تو ہم نے ان پر ایک چیخ بھیج دی، تو وہ ایسے ہو گئے جیسے باڑھ بنانے والے کی (باڑھ) کی روندی ہوئی گھاس، محتظر وہ شخص جو اپنی بکریوں (کی حفاظت) کے لئے سوکھی گھاس اور کانٹوں (وغیرہ) سے باڑھ بناتا ہے، اس میں بکریوں کی بھیڑیوں اور درندوں سے حفاظت کرتا ہے، اور اس گھاس سے (جب کچھ) گر جاتا ہے تو بکریاں اس کو روند دیتی ہیں یہی هشیم ہے، بے شک ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا ہے، کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا، قوم لوط نے (بھی) ان چیزوں کو جھٹلایا جن سے ان کو لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانی ڈرایا گیا، بے شک ہم نے ان پر پتھر

برسانے والی ہوا بھیجی یعنی ایسی ہوا جو ان پر کنکریاں برساتی تھی اور وہ چھوٹی کنکریوں سے ایک تھی نہ کہ مٹھی بھر کر تو وہ ہلاک ہو گئے سوائے آل لوط کے اور آل لوط مع لوط کے ان کی دو بیٹیاں تھیں، ہم نے ان کو ایک صبح کے وقت نجات دی یعنی غیر متعین دن کی صبح میں اور اگر یوم معین (کی صبح) مراد ہو تو غیر منصرف ہوگا، اس لئے کہ یہ معرفہ ہے اور السَّحر سے معدول ہے، اس لئے کہ اس کا حق یہ ہے کہ معرفہ میں الف لام کے ساتھ استعمال ہو (رہی) یہ بات کہ آل لوط پر پتھر برسانے والی ہوا بھیجی گئی یا نہیں اس میں دو قول ہیں، پہلی صورت (یعنی بھیجنے کی صورت) میں تعبیر استثناء متصل ہوگی اور دوسری صورت (یعنی نہ بھیجنے کی صورت) میں تعبیر استثناء منقطع ہوگی، تساھلا (چشم پوشی کرتے ہوئے) اگر مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو ہمارے خصوصی انعام (احسان) کے طور پر (نعمةً) مصدر ہے، انعامًا کے معنی میں ہم ایسی ہی یعنی اس چیز کے مثل ہر اس شخص کو جزاء دیتے ہیں جو ہماری نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے حال یہ ہے کہ وہ مومن ہو یا جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لایا ہو اور اس کی اطاعت کی ہو اور ان کو لوط عَلِیْجَمُ الشَّلَا نے ہماری پکڑ سے عذاب کے ذریعہ ڈرایا تو وہ جھگڑنے لگے، اور ان کے ڈرانے کی تکذیب کی اور حضرت لوط سے ان کے مہمانوں کا مطالبہ کیا یعنی ان سے اس بات کا مطالبہ کیا کہ ان کے اور ان لوگوں کے درمیان آڑے نہ آئے جو اس کے پاس مہمانوں کی شکل میں آئے ہیں تاکہ ان کے ساتھ وہ عمل خبیث کریں، اور وہ مہمان فرشتے تھے تو ہم نے ان کی آنکھیں ملیا میٹ کر دیں یعنی ان کو اندھا کر دیا، اور آنکھوں کو بدون گڑھوں کے باقی چہرے کے مانند (ہموار) کر دیا، اس طریقہ سے کہ جبرئیل نے ان کی آنکھوں پر اپنا پر مار دیا، اور ہم نے ان سے کہا میرا عذاب اور ڈراوا چکھو یعنی میرے عذاب اور ڈرانے کا ثمرہ اور نتیجہ (چکھو) اور بلاشبہ ان کو ایک دن صبح تڑکے دائمی عذاب نے پکڑ لیا یعنی آخرت کے عذاب سے جا ملنے والے عذاب نے (ان کو پکڑ لیا) پس میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ چکھو اور بلاشبہ ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا، کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوَلْہُ: بالامور التی انذرھم بھا، منذر کی تفسیر الامور المنذر بھا سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہاں مُنذِرٌ سے مراد انبیاء نہیں ہیں بلکہ وہ امور مراد ہیں جن سے ڈرایا گیا ہے، دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ نُذُر، نذیر بمعنی رسل کی جمع ہو اور نُذُر سے مراد رسول ہوں، اور نذیر کے بجائے نُذُر جمع کا صیغہ لانے میں یہ نکتہ ہو سکتا ہے کہ ایک رسول کی تکذیب تمام رسولوں کی تکذیب ہے۔

قِوَلْہُ: منصوبٌ علی الاشتغال یعنی بشرًا ما اُضمِرَ عاملُہ کے قاعدہ سے منصوب ہے، تقدیر عبارت یہ ہے ''اَنَتَّبِعُ بَشَرًا مِنَّا وَاحِدًا نَتَّبِعُهُ'' فعل ناصب محذوف کا مفسر ہے۔

قِوَلْہُ: جُنُونٌ، سُعُر کی تفسیر جنون سے کر کے اشارہ کر دیا کہ سُعُر مفرد ہے، جمع نہیں ہے، اس کے معنی خفت عقل کے

ہیں، بولا جاتا ہے ناقۃٌ مسعورۃ مجنون کے مانند چلنے والی اونٹنی، اور سعرٍ بمعنی نار کی جمع ہوسکتی ہے (أءُ لْقِیَ) میں چار قراتیں ہیں اور چاروں سبعیہ ہیں۔

قِوْلَہٗ: فِتْنَۃً، فِتْنَۃً، مُرسِلُوا کا مفعول لہ ہے یعنی ہم ان کی آزمائش کے لئے پتھر کی ایک چٹان سے ایک اونٹنی نکالیں گے۔

قِوْلَہٗ: وبَیْنَ الناقۃِ مفسر علام کا مقصد اس اضافہ سے اس شبہ کو دور کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول الماء قسمۃٌ بینھُمْ سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی کی باری صالح علیہ السلام کی قوم کے درمیان تھی، حالانکہ پانی کی تقسیم قوم اور اونٹنی کے درمیان تھی، اسی شبہ کو دور کرنے کے لئے وبَیْنَ الناقۃ کا اضافہ فرمایا۔

قِوْلَہٗ: مُـوافِقَۃً لَھُمْ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد اس آیت اور سورۂ شعراء کی آیت میں تطبیق دینا ہے، سورۂ شعراء میں فَعَقَرُوھا جمع کے صیغے کے ساتھ ہے اور یہاں فَعَقَرَ واحد کے صیغہ کے ساتھ ہے، تطبیق کی صورت یہ ہے کہ قاتل بالمباشر تو قدار ہی تھا، مگر قتل کے مشورہ میں سب شریک تھے، اسی وجہ سے یہاں بالمباشر قاتل کی طرف قتل کی نسبت کردی اور سورۂ شعراء میں بالواسطہ قاتلوں کو بھی قتل میں شریک کرتے ہوئے جمع کا صیغہ استعمال کیا۔

قِوْلَہٗ: ھشیمٌ صیغہ صفت مشبہ بمعنی مَھْشُوْمٌ اسم مفعول، ریزہ ریزہ شدہ، روندا ہوا۔

قِوْلَہٗ: مِنَ الْاَسْحَارِ اس اضافے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ سَحر نکرہ ہے یعنی غیر معین دن کی صبح۔

قِوْلَہٗ: وَلَوْاُرِیْدَ مِنْ یوم معیّن لمنع مِنَ الصرف الخ اس اضافے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ بِسَحَرٍ منصرف ہے اس لئے کہ اس کو نکرہ ماننے کی صورت میں اسباب منع صرف میں سے ایک سبب صرف عدل پایا جارہا ہے کیونکہ سَحَر السَّحَر سے معدول ہوکر آیا ہے اور اگر اس سے یوم معین کی صبح مراد لی جائے تو اس میں علمیت بھی موجود ہوگی، اس صورت میں اس میں دو سبب یعنی عدل اور علمیت ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہوگا۔

قِوْلَہٗ: تَسَمُّحًا ایک نسخہ میں تَسَامُحًا ہے، مطلب یہ ہے کہ اِلَّا آل لوط کو مستثنیٰ منقطع قرار دینا چشم پوشی کرتے ہوئے ہوسکتا ہے ورنہ اس کی کوئی صورت نہیں ہے اس لئے کہ آل لوط بھی قوم کے افراد ہیں جس کی وجہ سے مستثنیٰ منہ میں داخل ہیں لہٰذا یہ مستثنیٰ متصل ہوگا مگر ظاہر حال پر نظر کرتے ہوئے اس کو مستثنیٰ منقطع قرار دیا ہے۔

قِوْلَہٗ: نعمۃً مصدرٌ یعنی نِعْمَۃً نَجَّیْنَا کا مفعول مطلق بغیر لفظہ تاکید کے لئے ہے اس لئے کہ نَجَّیْنَا، اَنْعَمْنَا کے معنی میں ہے اور نَجَّیْنَا کا مفعول لہٗ بھی ہوسکتا ہے اور فعل محذوف کا مفعول مطلق بلفظہٖ بھی ہوسکتا ہے ای اَنْعَمْنَا نِعْمَۃً.

قِوْلَہٗ: اَوْمَنْ آمَنَ باللہِ ورسولہ واَطَاعَھَا یہ پورا جملہ وَھُوَ مؤمنٌ کا عطف تفسیری ہے۔

قِوْلَہٗ: تُجَادِلُوا و کذّبوا یہ فَتَمَارَوْا کی تفسیر ہے اس کا مقصد ایک شبہ کو دفع کرنا ہے، شبہ یہ ہے کہ تَمَارَوْا کا صلہ باء نہیں آتا حالانکہ یہاں صلہ باء واقع ہے۔

جَوَابٌ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ تَـمَارَوْا تُـجَادِلُوا اور کَذّبوا کے معنی کو متضمن ہے جس کی وجہ سے باء کے ذریعہ تعدیہ درست ہے۔

تفسیر وتشریح

کَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ سورۂ قمر کو قرب قیامت کے ذکر سے شروع کیا گیا تاکہ کفار ومشرکین جو دنیا کی ہوا وہوس میں مبتلا اور آخرت سے غافل ہیں وہ ہوش میں آجائیں، پہلے روز قیامت کے عذاب کو بیان کیا گیا، اس کے بعد دنیا میں اس کے انجام بد کو بتلانے کے لئے پانچ مشہور عالم اقوام کے حالات اور انبیاء علیہم السلام کی مخالفت پر ان کے انجام بد اور دنیا میں بھی طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہونا بیان کیا گیا ہے۔ (معارف)

سب سے پہلے قوم نوح کا ذکر کیا گیا، کیونکہ یہی دنیا کی سب سے پہلی قوم ہے جو عذاب الٰہی میں پکڑی گئی، یہ قصہ سابقہ آیات میں گذر چکا ہے، مذکورۃ الصدر آیات میں چار اقوام کا ذکر ہے، عاد، ثمود، قوم لوط، قوم فرعون، ان کے مفصل واقعات قرآن کے متعدد مقامات میں بیان ہوئے ہیں یہاں ان کا اجمالی ذکر ہے، مذکورہ چاروں اقوام میں سے سب سے پہلے قوم ثمود کا ذکر ہے جو حضرت صالح علیہ الصلاۃ والسلام کی امت تھی، اس قوم کو عاد اخریٰ بھی کہتے ہیں۔

قوم ثمود کو حضرت صالح علیہ الصلاۃ والسلام کی پیروی سے انکار تین وجہ سے تھا، ایک یہ کہ وہ بشر ہیں، دوسرے یہ کہ وہ اکیلے تنہا ہیں اور عام آدمی ہیں کوئی بڑے سردار نہیں، اور نہ ان کے ساتھ کوئی جتھا ہے، تیسرے یہ کہ وہ ہماری قوم کے ایک فرد ہیں، ہم پر ان کو کوئی فضیلت وفوقیت حاصل نہیں، لہٰذا ایسی صورت میں ہمارا ان کی پیروی کرنا اور ان کو اپنا بڑا مان لینا غلطی اور پاگل پن کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ، اَشِرٌ ایسے برخود غلط اور خود پسند شخص کو کہتے ہیں جس کے دماغ میں اپنی بڑائی کا سودا سمایا ہوا ہو اور اس بناء پر ڈینگیں مارتا ہو، مطلب یہ ہے کہ جب نہ تو یہ مافوق البشر قوتوں کا مالک ہے اور نہ یہ جتھا بند شخص ہے کہ اس کو عوام کی تائید وحمایت حاصل ہو اور نہ ہی یہ اوپر سے نازل کیا ہوا یا باہر سے آیا ہوا شخص ہے کہ اس کی کچھ اہمیت ہو، تو ایسی صورت میں اس کے نبوت کا دعویٰ کرنے کے دو ہی مقصد ہو سکتے ہیں یا تو یہ پرلے درجہ کا جھوٹا شخص ہے یا پھر ہم پر اپنی بڑائی جتانا اور ہمارے مقابلہ میں شیخی بگھارنا مقصد ہے، لہٰذا ہم ایسے کذاب اور شیخی خورے کی ہرگز پیروی نہ کریں گے۔

حضرت صالح علیہ الصلاۃ والسلام جس قوم میں پیدا ہوئے اس کو ثمود کہتے ہیں اور اس کو عاد اخریٰ بھی کہتے ہیں، قوم ثمود کا ذکر قرآن کریم میں نو سورتوں میں کیا گیا ہے، اعراف، ہود، حجر، نمل، النجم، القمر، الحاقہ، الشمس.

حضرت صالح علیہ الصلاۃ والسلام کا نسب نامہ:

علماء انساب، حضرت صالح علیہ الصلاۃ والسلام کے نسب نامہ میں مختلف نظر آتے ہیں مگر زیادہ صحیح اور قرین قیاس وہ سلسلۂ نسب ہے جو علامہ بغوی نے بیان کیا ہے جو پانچ واسطوں سے قوم صالح کے جد اعلیٰ ثمود تک پہنچتا ہے۔ (قصص القرآن، سیوہاروی)

قوم ثمود کی بستیاں:

قوم ثمود کے بارے میں یہ بات طے شدہ ہے کہ ان کی آبادیاں مقام حجر میں حجاز اور شام کے درمیان وادی قری تک پھیلی ہوئی تھیں، جو آج کل ''فج الناقۃ'' کے نام سے مشہور ہے، قوم ثمود کی بستیوں کے آثار اور کھنڈرات آج تک موجود ہیں، بعض مصری اہل تحقیق نے ان کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے، ان کا بیان ہے کہ وہ ایک ایسے مکان میں داخل ہوئے جو شاہی حویلی کہی جاتی ہے، اس میں متعدد کمرے ہیں اور اس حویلی کے ساتھ ایک بہت بڑا حوض ہے اور یہ پورا مکان پہاڑ کاٹ کر بنایا گیا ہے۔

(قصص القرآن مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی)

واقعہ کی تفصیل:

قوم ثمود جب حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تبلیغ حق سے اکتا گئی تو اس کے سرخیل اور سرکردہ افراد نے قوم کی موجودگی میں حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مطالبہ کیا کہ اے صالح! اگر تو واقعی خدا کا فرستادہ ہے تو کوئی نشانی دکھا، تا کہ ہم تیری صداقت پر ایمان لے آئیں، حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ نشانی آنے کے بعد انکار پر مصر اور سرکشی پر قائم رہو، قوم کے ان سرداروں نے بتاکید وعدہ کیا کہ ہم فوراً ایمان لے آئیں گے، تب حضرت صالح نے ان ہی سے دریافت کیا کہ وہ کس قسم کا نشان چاہتے ہیں؟ انہوں نے مطالبہ کیا کہ سامنے والے پہاڑ میں سے یا فلاں پتھر سے جو بستی کے کنارہ پر نصب ہے ایک ایسی اونٹنی ظاہر کر کہ جو گابھن ہو اور فوراً بچہ دے، حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے درگاہ الٰہی میں دعاء کی تو اسی وقت اس پتھر سے ایک حاملہ اونٹنی ظاہر ہوئی، اور اس نے بچہ دیا یہ دیکھ کر ان سرداروں میں سے جندع بن عمرو اسی وقت ایمان لے آیا، اور دوسرے سرداروں نے بھی جب اس کی پیروی میں اسلام لانے کا ارادہ کیا تو ان کے ہیکلوں اور مندروں مہنتوں نے ان کو باز رکھا۔

حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قوم کو تنبیہ کی کہ دیکھو یہ نشانی تمہاری طلب پر بھیجی گئی ہے خدا کا یہ فیصلہ ہے کہ پانی کی باری مقرر ہو، ایک دن اس ناقہ کا ہوگا اور ایک دن قوم کے تمام جانوروں کا، اور خبردار اس کو اذیت نہ پہنچے، اگر اس کو آزار پہنچا تو پھر تمہاری بھی خیر نہیں، کچھ روز تک اسی دستور پر رہے مگر کچھ روز بعد وہ اس طرز عمل سے اکتا گئے، آپس میں صلاح ومشورے ہونے لگے کہ اس ناقہ کا خاتمہ کر دیا جائے تو اس باری کے اس قصہ سے نجات مل سکتی ہے یہ باتیں اگر چہ ہوتی رہتی تھیں مگر ناقہ کو قتل کرنے کی کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی مگر ایک حسین وجمیل مال دار عورت صدوق نے خود کو ایک شخص مصدع کے سامنے اور ایک مالدار عورت عنیزہ نے اپنی ایک خوبصورت لڑکی قدار (قیدار) کے سامنے یہ کہہ کر پیش کی کہ اگر وہ دونوں ناقہ کو ہلاک کر دیں تو یہ تمہاری ملک ہیں، آخر قیدار بن سالف اور مصدع کو اس کے لئے آمادہ کر لیا گیا، اور طے پایا کہ وہ رات میں چھپ کر بیٹھ جائیں گے اور ناقہ جب چراگاہ جانے لگے تو اس پر حملہ کر دیں گے، اور دیگر چند آدمیوں نے بھی مدد کا وعدہ کیا۔

غرض ایسا ہی ہوا اور ناقہ کو سازش کر کے ہلاک کر دیا، اس کے بعد سب نے قسم کھائی کہ رات کے وقت ہم سب صالح اور اس کے اہل کو بھی قتل کر دیں گے اور پھر اس کے اولیا کو قسمیں کھا کر یقین دلائیں گے کہ یہ کام ہمارا نہیں ہے۔

بچہ یہ دیکھ کر بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا، اور چیختا چلاتا ہوا پہاڑی میں غائب ہو گیا، صالح علیہ الصلاۃ والسلام کو جب خبر ہوئی تو حسرت اور افسوس کے ساتھ قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آخر وہی ہوا جس کا مجھے خوف تھا، اب خدا کے عذاب کا انتظار کرو، جو تین دن کے بعد تم کو تباہ کر دے گا، اور پھر بجلی کی چمک اور کڑک کا عذاب آیا اور اس نے رات میں سب کو تباہ کر دیا، اور آنے والے انسانوں کے لئے تاریخی عبرت کا سبق دے گیا۔ (اختصاراً، قصص القرآن سیوہاروی)

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا القرآن لِلذِّكر فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِر اور ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا پس کیا ہے کوئی جو نصیحت قبول کرے، اس آیت کو ہر معذب قوم کا ذکر کرنے کے بعد دہرایا گیا ہے تاکہ مشرکین مکہ ان واقعات سے عبرت و نصیحت حاصل کریں۔

قوم لوط علیہ الصلاۃ والسلام کا اجمالی واقعہ:

كَذَّبَتْ قوم لُوطٍ بِالنُّذُرِ یہاں سے قوم لوط کی ہلاکت کا اختصار کے ساتھ ذکر ہے، اس قوم پر ایسی تیز و تند ہوا کا عذاب بھیجا کہ جو ان پر کنکر پتھر برساتی تھی اور ان کی بستیوں کو تہ و بالا کر دیا گیا، سورۂ ہود میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے، آل لوط سے مراد خود حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام اور ان پر ایمان لانے والے لوگ ہیں جن میں حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام کی بیوی شامل نہیں، کیونکہ وہ مومنہ نہیں تھی، البتہ لوط علیہ الصلاۃ والسلام کی دو بیٹیاں ان کے ساتھ تھیں جن کو نجات دی گئی۔

وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهِ تفصیل تو سورۂ ہود میں گذر چکی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر عذاب بھیجنے کا فیصلہ فرمایا تو چند فرشتوں کو جن میں جبرئیل و میکائیل بھی شامل تھے نہایت خوبصورت لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام کے یہاں مہمان کے طور پر بھیج دیا، یہ فرشتے اول حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس پہنچے اور ان کو ایک فرزند ارجمند کی خوشخبری دی اس کے بعد حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس پہنچے، ان کی قوم کے لوگوں نے جب دیکھا کہ ان کے یہاں ایسے خوبصورت مہمان آئے ہیں، وہ ان کے گھر پر چڑھ دوڑے اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے ان مہمانوں کو بدکاری اور ذوق خبیث کی تسکین کے لئے ان کے حوالہ کر دیں، حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کی بے حد منت و سماجت کی کہ وہ اس ذلیل حرکت سے باز آجائیں، مگر وہ نہ مانے اور گھر میں گھس کر مہمانوں کو زبردستی نکال لینے کی کوشش کی، اس آخری مرحلہ میں حضرت جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کی آنکھوں پر پر مار کر آنکھوں کے ڈھیلے باہر کر دیئے، اور فرشتوں نے حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام سے فرمایا کہ وہ اور ان کے اہل و عیال صبح ہونے سے پہلے پہلے بستی سے نکل جائیں، اور ان کے نکلتے ہی ان پر ایک ہولناک عذاب نازل ہو گیا، یہ واقعہ بائبل میں ان الفاظ میں مذکور ہے۔

بائبل کے الفاظ:

''تب وہ اس مرد یعنی لوط علیہ السلام پر پل پڑے اور نزدیک آئے تا کہ کواڑ توڑ ڈالیں لیکن ان مردوں (یعنی فرشتوں) نے اپنے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے پاس گھر میں کھینچ لیا اور دروازہ بند کر دیا، اور لوگوں کو جو گھر کے دروازے پر تھے کیا چھوٹے کیا بڑے اندھا کر دیا، سو وہ دروازہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئے''۔ (پیدائش ۱۹-۹-۱۱)

وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ قومه معهٗ **النُّذُرُ** الانذارُ على لِسان موسٰى وهارُونَ فلم يُؤمنوا بل **كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كُلِّهَا** اى التسع التي أوتيها موسى **فَأَخَذْنَاهُمْ** بالعذاب **أَخْذَ عَزِيزٍ** قَوِيٍّ **مُقْتَدِرٍ** قادر لا يُعجزه شيءٌ **أَكُفَّارُكُمْ** يا قُريش **خَيْرٌ مِنْ أُولَئِكُمْ** المذكورين من قوم نوح الى فرعون فلم يُعذبوا **أَمْ لَكُمْ** يا كُفار قُريش **بَرَاءَةٌ** مِن العذاب **فِي الزُّبُرِ** الكُتب والاستفهامُ في الموضعين بمعنى النَّفي اى ليس الأمرُ كذلك **أَمْ يَقُولُونَ** اى كُفَّارُ قُريش **نَحْنُ جَمِيعٌ** اى جَمْعٌ **مُنْتَصِرٌ** على محمدٍ ولَمَّا قال ابوجهل يومَ بدر إنَّا جمعٌ مُنتصرٌ نزل **سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ** فهُزِموا ببدرٍ ونُصر رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم عليهم **بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ** بالعذاب **وَالسَّاعَةُ** اى عذابُها **أَدْهَى** أعظمُ بليةً **وَأَمَرُّ** أشدُّ مرارةً مِن عذاب الدنيا **إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ** هلاكٍ بالقتل في الدنيا **وَسُعُرٍ** نارٍ مُسعَّرةٍ بالتشديد اى مُهيَّجةٍ في الاخرة **يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوهِهِمْ** اى في الاخرة ويُقال لهم **ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ** إصابة جهنم لكم **إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ** منصوبٌ بفعلٍ يُفسِّره **خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ** بتقدير حال مِن كُلّ اى مُقدَّرًا وقُرِئ كُلُّ بالرفع مُبتدأ خبره خلقناه **وَمَا أَمْرُنَا** لشيءٍ نُريدُ وُجودَه **إِلَّا** أمرةٌ **وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ** في السُّرعة وهي كُن فيُوجد إنما أمرُه إذا أراد شيئًا أن يقولَ له كُن فيكونُ **وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ** أشباهكم في الكُفر مِن الأُمم الماضية **فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ** استفهام بمعنى الأمرِ اى اذكُروا واتَّعِظوا **وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ** اى العِبادُ مكتوبٌ **فِي الزُّبُرِ** كُتب الحفظة **وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ** مِن الذَّنب او العمل **مُسْتَطَرٌ** مُكتتبٌ في اللوح المحفوظ **إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ** بساتين **وَنَهَرٍ** أُريد به الجنسُ وقُرِئ بضمّ النُّون والهاء جمعًا كأسدٍ وأُسُدٍ، المعنى أنَّهم يشربون مِن أنهارها الماء واللبنَ والعسلَ والخمرَ **فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ** مجلسِ حقٍّ لا لغوَ فيه ولا تأثيم وأُريد به الجنسُ وقُرِئ مقاعد، المعنى أنهم في مجالسَ مِن الجنّات سالمةٍ مِن اللغو والتأثيم بخلاف مجالسِ الدنيا فقلَّ أن تسلمَ مِن ذلك وأُعرِبَ هذا خبرًا ثانيًا وبدلاً وهو صادقٌ ببدل البعض وغيره **عِنْدَ مَلِيكٍ** مِثالُ مُبالغةٍ اى عزيزِ المُلك واسعه **مُقْتَدِرٍ** قادرٍ لا يُعجزه شيءٌ وهو اللهُ تعالى وعند اشارةٌ الى الرُّتبة والقُدرة مِن فضله تعالى

ترجمہ: اور فرعونیوں یعنی فرعون کی قوم کے پاس مع فرعون کے ڈراوے (ڈرنے کی باتیں) حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی زبانی آئے مگر وہ ایمان نہ لائے بلکہ تمام نشانیوں کو جھٹلا دیا جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا کی گئی تھیں چنانچہ ہم نے ان کو عذاب میں پکڑلیا قوی اور قادر کے پکڑنے کے مانند کہ اس کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی، اے قریشیو! کیا تمہارے کافر ان کافروں سے جو قوم نوح سے لے کر قوم فرعون تک مذکور ہوئے کچھ بہتر ہیں، کہ ان کو عذاب نہ دیا جائے یا تمہارے لئے اے قریش کے کافرو! کتابوں میں عذاب سے براءت لکھی ہوئی ہے اور استفہام دونوں جگہ بمعنی نفی ہے یعنی ایسی بات نہیں ہے کیا کفار قریش یہ کہتے ہیں کہ ہم محمد پر غالب آنے والی جماعت ہیں اور جبکہ بدر کے دن ابو جہل نے کہا کہ ہم غالب آنے والی جماعت ہیں تو آیت سَيُهْزَمُ الجمع ويُوَلُّونَ الدُّبُر نازل ہوئی، عنقریب یہ جماعت شکست خوردہ ہو کر پیٹھ پھیر کر بھاگے گی چنانچہ بدر میں ان کو شکست ہوئی اور محمد ﷺ ان پر غالب ہوئے بلکہ قیامت ان سے عذاب کے وعدہ کا وقت ہے اور قیامت یعنی اس کا عذاب بڑی آفت اور دنیا کے عذاب سے سخت ناگوار ہے بلاشبہ مجرمین گمراہی یعنی دنیا میں قتل کے ذریعہ ہلاکت میں ہیں اور بھڑکتی ہوئی آگ میں ہیں مُسْعَرة تشدید کے ساتھ ہے یعنی آخرت میں بھڑکتی ہوئی آگ جس دن کہ ان کو آگ میں منہ کے بل گھسیٹا جائے گا یعنی آخرت میں اور ان سے کہا جائے گا دوزخ کی آگ لگنے کا مزا چکھو، تمہارے جہنم میں داخل ہونے کی وجہ سے ہم نے ہر چیز کو اندازہ سے پیدا کیا کُلَّ شَیْءٍ کا فعل ناصب وہ فعل مقدر ہے جس کی تفسیر خَلَقْنٰهُ کر رہا ہے بِقَدَرٍ کُلَّ شَیْءٍ سے حال ہے، ای مقدرًا اور کُلُّ کو مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع بھی پڑھا گیا ہے اس کی خبر خَلَقْنٰهُ ہے اور ہمارا حکم اس شی کے لئے جس کے وجود کا ہم ارادہ کرتے ہیں صرف ایک مرتبہ ہوتا ہے سرعت میں پلک جھپکنے کے مانند ہوتا ہے، اور وہ حکم کلمہ کن ہے، تو وہ چیز (بلاتوقف) موجود ہو جاتی ہے، اور اس کا حکم اسی وقت ہوگا جب وہ کسی شی کے لئے کن کہنے کا ارادہ کر لیتا ہے، تو وہ شی ہو جاتی ہے، اور ہم نے امم ماضیہ میں سے کفر میں تمہارے ہم مشرب لوگوں کو ہلاک کر دیا پس کوئی ہے نصیحت لینے والا؟ استفہام بمعنی امر ہے یعنی پند و نصیحت حاصل کرو جو اعمال بھی یہ لوگ کرتے ہیں وہ اعمال ناموں یعنی حفاظت کے فرشتوں کی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں ہر چھوٹا اور بڑا گناہ یا عمل، لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے یقیناً ہمارا ڈر رکھنے والے باغوں اور نہروں (کی فضا) میں ہوں گے نہر سے جنس کا ارادہ کیا گیا ہے، اور جمع کے طور پر نون اور ہاء کے ضمہ کے ساتھ (بھی) پڑھا گیا ہے، جیسا کہ اَسَدٌ اور اُسُدٌ میں، معنی یہ ہیں کہ وہ پانی اور دودھ اور شہد اور شراب کے نہروں سے پئیں گے ایک عمدہ مقام یعنی مجلس حق میں ہوں گے نہ وہاں لغویات ہوں گی اور نہ گناہ کی باتیں اور (مَقْعَدٍ) سے جنس کا ارادہ کیا گیا ہے اور مقاعد بھی پڑھا گیا ہے معنی یہ ہیں کہ وہ جنت میں ایسی مجلسوں میں ہوں گے جو لغویات اور گناہوں کی باتوں سے محفوظ ہوں گی، بخلاف دنیا کی مجلسوں کے کہ (دنیا کی مجلسیں) ان باتوں سے بہت کم خالی ہوتی ہیں اور (مَقْعَدِ صدقٍ) کو (اِنَّ) کی خبر ثانی کے طور پر بھی اعراب دیا گیا ہے، اور (جنّٰت) سے بدل کے طور پر بھی، اور وہ بدل

البعض وغیرہ پر صادق آتا ہے قدرت والے بادشاہ کے پاس یعنی عِنْدَ مَلِيْكٍ مثال بطور مبالغہ ہے (حقیقۃ عندیت مراد نہیں ہے) یعنی وہ غالب وسعت والا بادشاہ ایسا قادر ہے کہ کوئی شئ اس کو عاجز نہیں کر سکتی اور وہ اللہ تعالیٰ ہے اور عند سے قربت ربی کی طرف اشارہ ہے اور قدرت (قربة) اللہ کے فضل سے ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلَهُ: اَلْإِنْذَارُ مفسر علام نے نُذُرٌ کی تفسیر الانذار سے کر کے اشارہ کر دیا کہ نُذُرٌ مصدر ہے بمعنی ڈراوا، ڈرانے والی نشانیاں، یہاں نُذُرٌ کی جمع بھی ہو سکتی ہے، ڈرانے والے (الآیات التسع) ① العصاء ② الید البیضاء ③ والسنین ④ الطمس ⑤ الطوفان ⑥ الجراد (ٹڈی) ⑦ القمل (جوں) ⑧ الضفادِع (مینڈک) ⑨ الدَّم.

قَوْلَهُ: خیرٌ من اُولٰئِكُمْ یعنی اے قریش کیا تمہارے کافر سابقہ قوموں کے کافروں سے قوت و شدت میں بڑھے ہوئے ہیں، ظاہر ہے کہ نہیں۔

قَوْلَهُ: اَدْهٰی یہ دَاهِيَةٌ سے اسم تفضیل ہے بمعنی بڑی آفت جس سے خلاصی ممکن نہ ہو۔

قَوْلَهُ: اَمَرّ سخت تر، تلخ تر۔

قَوْلَهُ: سُعُر ای نارٌ مُسَعَّرَةٌ دہکتی ہوئی آگ۔

قَوْلَهُ: یَوْمَ یُسْحَبُوْنَ، یَوْمَ فعل مقدر کا ظرف ہے تقدیر عبارت یہ ہے ویقال لَهُمْ یومَ الخ نیز سُعُر کا بھی ظرف ہو سکتا ہے۔

قَوْلَهُ: اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ مَنْصُوْبٌ بفعل الخ كُلَّ کے نصب کے ساتھ ما اضمر کے قاعدہ سے جمہور کی قراءت ہے اور یہی راجح ہے، اس لئے کہ كُلُّ کا رفع اعتقاد فاسد کی طرف موہم ہے، اس طریقہ پر کہ كُلُّ کو مبتداء قرار دیں، اور خَلَقْنَاهُ جملہ ہو کر شیءٍ کی صفت ہو اور بِقَدَرٍ اس کی خبر، اب اس کا ترجمہ ہوگا ہر وہ چیز جس کو اللہ نے پیدا کیا ہے اندازہ سے ہے، اس سے وہم ہوتا ہے کہ بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جو اللہ کی مخلوق نہیں ہیں، حالانکہ اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر شئ اللہ کی مخلوق ہے اور اندازہ سے ہے نصب کی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا، ہم نے ہر چیز ایک تقدیر (منصوبہ) کے ساتھ پیدا کی ہے۔

خلاصۂ کلام:

اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ، كُلُّ میں دو احتمال ہیں رفع اور نصب، پھر رفع کی صورت میں دو احتمال ہیں ایک صحیح اور دوسرا فاسد، خَلَقْنَاهُ کو كُلُّ کی خبر بنایا جائے تو یہ صورت صحیح ہوگی، معنی یہ ہوں گے کہ ہر شئ ہم نے اندازہ سے پیدا کی ہے،

یہی اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے، لیکن رفع کی صورت میں ایک دوسرا احتمال بھی ہے جو کہ فاسد ہے اور وہ یہ ہے کہ خَلَقْنَاهُ، شیءٍ کی صفت ہو اور بقدرٍ کُلُّ کی خبر ہو تو یہ معنی اہل سنت کے نزدیک فاسد ہیں اس کا مطلب ہوگا ہر وہ چیز جو ہم نے پیدا کی ہے وہ اندازہ سے ہے، اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جو غیر اللہ کی پیدا کردہ ہیں، اور وہ اندازہ سے نہیں ہیں، یہ مذہب معتزلہ کا ہے، بخلاف کُلَّ پر نصب پڑھنے کے کہ اس میں فاسد معنی کا احتمال نہیں ہے اور نصب کی صورت یہ ہوگی کہ کُلَّ فعل محذوف کا مفعول ہوگا جس کی تفسیر بعد والا فعل (خلقناه) کر رہا ہے اس کو باب اشتغال اور مَا اُضمِرَ عامِلُهٗ علی شریطةِ التفسیر کا قاعدہ کہتے ہیں بقدرٍ، بتقدیرٍ کے معنی میں ہے اور فعل سے متعلق ہے، اس صورت میں خَلَقْنَاهُ کو کُلَّ شَیْءٍ کی صفت بنانے کا احتمال نہیں ہے کہ فساد معنی کا وہم ہو اس لئے کہ صفت، موصوف میں عامل نہیں ہوا کرتی اور جو عامل نہ ہو وہ عامل کی تفسیر بھی نہیں کر سکتی۔ (اعراب القرآن، للدرویش)

قَوْلُهٗ: وکلُّ شی فعلوہُ فی الزبر یہاں سابق کے برخلاف کلُّ پر رفع متعین ہے اس لئے کہ نصب کی صورت میں معنی کا فساد ظاہر ہے، اس لئے کہ اگر کلَّ پر نصب پڑھا جائے تو تقدیر عبارت یہ ہوگی فَعَلُوا کلَّ شیْءٍ فِی الزُّبُرِ انہوں نے ہر شئی کو لوح محفوظ میں داخل کیا ہے، حالانکہ لوح محفوظ میں داخل کرنے کا کام اللہ کا ہے نہ کہ مخلوق کا، اس کے علاوہ عالمین کے افعال کے علاوہ لوح محفوظ میں اور بہت سی چیزیں ہیں جن کا عالمین سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور رفع کی قراءت کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جو عمل بھی وہ کرتے ہیں وہ لوح محفوظ میں محفوظ ہے۔

قَوْلُهٗ: اُرِیدَ به الجنس، نَهَرٌ اگرچہ واحد ہے مگر جَنّٰت چونکہ جمع ہے لہٰذا اس کی مناسبت سے جنس مراد ہے تاکہ اس میں جمع کے معنی کا لحاظ ہو جائے، فواصل کی رعایت کے لئے مفرد لایا گیا ہے اور بعض قراءتوں میں نُهُرٌ جمع کے صیغہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

قَوْلُهٗ: فی مَقْعَدِ صدقٍ ای مقامِ حسنٍ میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہے فی مقعدِ صدقٍ میں دو ترکیبیں ہو سکتی ہیں اول یہ کہ اِنَّ کی خبر ثانی ہو اور فی جنّٰتٍ خبر اول ہے، دوسری یہ کہ جنات سے بدل البعض ہو اس لئے کہ مقعد صدق جنات کا بعض ہے۔

قَوْلُهٗ: وغیرہ یہ اشارہ ہے کہ فی مقعدِ صدقٍ بدل الاشتمال بھی ہو سکتا ہے اس لئے کہ جنات، مقعد صدق پر مشتمل ہے۔

قَوْلُهٗ: عند ملیكٍ اگر مقعد صدقٍ کو بدل قرار دیا جائے تو عند مَلیكٍ اِنَّ کی خبر ثانی ہوگی اور اگر مقعد صدقٍ کو اِنَّ کی خبر ثانی قرار دیا جائے تو عند ملیكٍ خبر ثالث ہوگی۔

قَوْلُهٗ: عِنْدَ اشارۃ الی الرتبة، عندملیكٍ میں عندیت بطور مبالغہ تقرب فی المرتبہ کی تمثیل ہے اور عند سے قرب رتبی کو بیان کرنا مقصود ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے قرب مکانی مقصود نہیں ہے چونکہ وہ جسم سے منزہ اور پاک ہے اور قرب و بعد مکانی جسم و جسمیات کا خاصہ ہے۔

تفسیر وتشریح

أَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ أُولٰئِكُمْ (الآية) یہ مشرکین قریش سے خطاب ہے، مطلب یہ ہے کہ آخر تم میں کیا خوبی ہے یا تم میں کونسے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں یا تمہارے لعل لٹکے ہوئے ہیں کہ جس کفر وتکذیب اور ہٹ دھرمی کی روش پر دوسری قوموں کو سزا دی جا چکی ہے وہی روش تم اختیار کرو تو تمہیں سزا نہ دی جائے؟ اور یہ کہ طاقت وقوت نیز دولت وثروت میں بھی تم ان سے بڑھے ہوئے نہیں ہو بلکہ ان سے بدرجہا کمزور وناتواں ہو جب ہم نے ان کو ان جرائم کی پاداش میں ہلاک کر دیا تو تمہاری کیا حقیقت وحیثیت اور تمہارا وجود ''چہ پدی چہ پدی کا شوربا'' تم بلاوجہ اپنے منہ میاں مٹھو بنے ہوئے ہو۔

یا آسمانی کتابوں میں تمہارے لئے کوئی معافی نامہ لکھا ہوا ہے کہ تم جو چاہو کرتے رہو تم سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا، اور نہ تم پر کوئی غالب آسکتا ہے۔

یا ان کا کہنا یہ ہے کہ تعداد کی کثرت اور وسائل کی قوت کی وجہ سے کسی اور کا ہم پر غالب آنے کا امکان نہیں ہے یا مطلب یہ ہے کہ ہمارا معاملہ مجتمع ہے اور ہم جتھا بند ہیں ہم دشمن سے انتقام لینے پر قادر ہیں۔

ایک پیشگوئی:

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مشرکین مکہ کے زعم باطل کی تردید فرمائی ہے، یہ صریح پیشگوئی ہے جو ہجرت سے پانچ سال پہلے کر دی گئی تھی کہ قریش کی جمعیت جس کی طاقت کا انہیں بڑا زعم تھا، عنقریب مسلمانوں سے شکست کھا جائے گی، اس وقت کوئی شخص یہ تصور تک نہیں کر سکتا تھا کہ مستقبل قریب میں یہ انقلاب کیسے ہوگا؟ مسلمانوں کی بے بسی کا یہ حال تھا کہ ان میں سے ایک گروہ ملک چھوڑ کر حبش میں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا تھا، اور باقی ماندہ اہل ایمان شعب ابی طالب میں محصور تھے جنہیں قریش کے مقاطعہ اور محاصرہ نے بھوکوں مار دیا تھا، اس حالت میں کون یہ سمجھ سکتا تھا کہ سات ہی برس کے اندر نقشہ بدل جائے گا؟ حضرت عبداللہ بن عباس کے شاگرد عکرمہ کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ جب سورۂ قمر کی یہ آیت نازل ہوئی تو میں حیران تھا کہ آخر یہ کونسی جمعیت ہے جو شکست کھا جائے گی، مگر جب جنگ بدر میں کفار شکست کھا کر بھاگ رہے تھے اس وقت میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ زرہ پہنے ہوئے آگے کی طرف جھپٹ رہے ہیں اور آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہیں سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ جب میری سمجھ میں آیا کہ یہ تھی وہ ہزیمت جس کی خبر دی گئی تھی۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم)

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهٰى وَأَمَرُّ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں غزوۂ بدر کے موقع پر جو مشرکین مکہ کو سزا ملی قتل کئے گئے اور قیدی بنائے گئے، یہ ان کی آخری سزا نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت سزائیں ان کو قیامت والے دن دی

جائیں گی جن کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

مسئلہ تقدیر:

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خلقناه بقدرٍ ائمہ اہل سنت نے اس آیت اور اسی جیسی دیگر آیات سے استدلال کرتے ہوئے تقدیر الٰہی کا اثبات کیا ہے جس کا فرقہ قدریہ انکار کرتا ہے، مطلب یہ ہے کہ دنیا کی کوئی چیز الل ٹپ نہیں پیدا کر دی گئی ہے، بلکہ ہر چیز کی ایک تقدیر اور منصوبہ بندی ہے جس کے مطابق وہ ایک مقرر وقت پر بنتی ہے اور خاص شکل و صورت اختیار کرتی ہے ایک خاص مدت تک نشو و نما پاتی ہے ایک خاص مدت تک باقی رہتی ہے اور ایک خاص وقت پر ختم ہو جاتی ہے، اسی عالمگیر ضابطہ کے مطابق خود اس دنیا کی بھی ایک تقدیر ہے جس کے مطابق ایک وقت خاص تک یہ چل رہی ہے اور ایک وقت خاص پر اسے ختم ہونا ہے۔

وَمَا اَمْرُنَا اِلَّا وَاحِدَةٌ (الآية) یعنی قیامت برپا کرنے کے لیے ہمیں کوئی بڑی تیاری نہیں کرنی ہوگی اور نہ اسے لانے میں کوئی بڑی مدت صرف ہوگی، ہماری طرف سے ایک حکم صادر ہونے کی دیر ہے، حکم صادر ہوتے ہی پلک جھپکتے قیامت برپا ہو جائے گی۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنا اشياعَكم فهل من مدّكر یعنی اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ کسی خدائے حکیم و عادل کی خدائی نہیں بلکہ کسی اندھے راجا کی چوپٹ نگری ہے جس میں آدمی جو کچھ چاہے کرتا پھرے، کوئی اس سے باز پرس کرنے والا نہیں تو تمہاری آنکھ کھولنے کے لئے انسانی تاریخ موجود ہے جس میں اسی روش پر چلنے والی قومیں پے در پے تباہ کی جاتی رہی ہیں۔

وَكُلُّ شَيْءٍ فعلوه فِي الزُّبُرِ (الآية) یعنی یہ لوگ اس غلط فہمی میں بھی نہ رہیں کہ ان کے کئے ہوئے کالے کرتوت غائب اور مفقود ہو گئے ہیں، نہیں، ہر شخص، ہر گروہ اور ہر قوم کا پورا پورا ریکارڈ محفوظ ہے اور اپنے وقت پر وہ سامنے آ جائے گا۔

﴿ تمت ﴾

سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ مَكِّيَّةٌ او اِلَّا يَسْاَلُهٗ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اَلْاٰيَة) فَمَدَنِيَّةٌ وهى سِتٌّ اوثمانٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ رحمٰن مکی ہے (یا) اِلَّا يسألُهٗ الآية مدنی ہے اور وہ ۷۶/۷۸ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اَلرَّحْمٰنُ ۝۱ عَلَّمَ مَن شاءَ الْقُرْاٰنَ ۝۲ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝۳ اى الجِنسَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝۴ النُطقَ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝۵ بِحِسَابٍ يَجْرِيَان وَّالنَّجْمُ مَالَا سَاقَ له مِنَ النَّبَاتِ وَالشَّجَرُ ماله سَاقٌ يَسْجُدٰنِ ۝۶ يَخضَعَانِ بِمَا يُرَادُ منهما وَالسَّمَاۗءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝۷ اَثبَتَ العَدلَ اَلَّا تَطْغَوْا اى لِاَجلِ اَنْ لَا تَجُورُوا فِي الْمِيْزَانِ ۝۸ مَا يُوزَنُ به وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ بالعَدلِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝۹ تَنقُصُوا المَوزُونَ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا اَثبَتَها لِلْاَنَامِ ۝۱۰ لِلخَلقِ الاِنسِ والجِنِّ وغيرِهم فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ المَعهُودُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۝۱۱ اَوعِيَةُ طَلعِها وَالْحَبُّ كَالحِنطَةِ والشَعِير ذُو الْعَصْفِ التِبنِ وَالرَّيْحَانُ ۝۱۲ الورَقُ والمَشمُومُ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ نِعَمِ رَبِّكُمَا يايُّهَ الاِنسُ وَالجِنُّ تُكَذِّبٰنِ ۝۱۳ ذُكِرَت احدٰى وثلٰثِينَ مَرَّةً وَالاِستِفهامُ فِيهَا لِلتَّقرِيرِ لما روى الحَاكِمُ عَن جَابِرٍ قَالَ قرأ علينا رَسُولُ اللّٰهِ صلى اللّٰه عليه وسلم سُورَةَ الرَّحمٰنِ حَتّٰى خَتَمَها ثم قالَ مالِي اَراكُم سُكُوتًا لَلجِنُّ كَانُوا اَحسَنَ منكم رَدًّا مَا قَرَأتُ عليهم هٰذه الآيةَ مِن مَرَّةٍ فَبِاَيِّ اٰلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ، الا قالُوا ولا بِشَيءٍ مِن نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الحَمدُ خَلَقَ الْاِنْسَانَ اٰدمَ مِنْ صَلْصَالٍ طِينٍ يَابِسٍ يُسمَعُ له صَلصَلَةٌ اى صوتٌ اذا نُقِرَ كَالْفَخَّارِ ۝۱۴ وهُو مَا طُبِخَ مِنَ الطِّينِ وَخَلَقَ الْجَاۗنَّ ابا الجِنِّ وهُو ابلِيسُ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝۱۵ هُو لَهَبُها الخَالِصُ مِنَ الدُّخَانِ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۱۶ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ مَشرِقِ الشِّتَاءِ ومَشرِقِ الصَّيفِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۝۱۷ كذالكَ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۱۸ مَرَجَ اَرسَلَ الْبَحْرَيْنِ العَذبَ والمِلحَ يَلْتَقِيٰنِ ۝۱۹ فِي رَأيِ العَينِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ حَاجِزٌ مِن قُدرَتِه تعالى لَّا يَبْغِيٰنِ ۝۲۰ لايَبغِي وَاحِدٌ منهما على الآخَرِ فَيَختَلِطُ به فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۲۱ يَخْرُجُ

بالبناء للمفعولِ والفاعِلِ مِنْهُمَا من مجموعِهما الصادق باحدِهما وهو الملحُ اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ خرزٌ احمرُ اوصغارُ اللؤلؤ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، رحمٰن نے جس کو چاہا قرآن سکھلایا انسان یعنی جنس انسان کو پیدا فرمایا اس کو گفتگو کرنا سکھلایا سورج اور چاند مقررہ حساب سے چلتے ہیں اور بیلیں یعنی وہ گھاس جس کا تنا نہ ہو اور شجر یعنی تنے دار درخت، جو ان سے مطلوب ہے اس کے تابع ہیں، اور اسی نے آسمان کو بلند و بالا کیا اور میزان رکھ دی یعنی انصاف قائم کیا تاکہ تم لوگ تول میں تجاوز نہ کرو اور تاکہ انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول میں کم نہ دو یعنی وزن میں کمی نہ کرو اور مخلوق یعنی جن و انس وغیرہ کے لئے زمین بچھا دی جس میں میوے ہیں اور کھجور کے درخت ہیں جو معموم ہیں جن کے (پھلوں) پر غلاف ہوتا ہے (اَکْمَام) شگوفہ کا غلاف، اور غلہ جیسے کہ گندم اور جو بھوسے والے اور پتوں والے (یا) خوشبو والے پھول پیدا کئے تو اے جن اور انسانو! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ (یہ آیت) ۳۱ مرتبہ ذکر کی گئی ہے اور استفہام اس میں تقریر کے لئے ہے، جیسا کہ حاکم نے جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کیا ہے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو سورۂ رحمٰن پوری پڑھ کر سنائی، پھر فرمایا کیا بات ہے کہ میں تم کو خاموش دیکھ رہا ہوں؟ جنات جواب کے اعتبار سے یقیناً تم سے بہتر تھے، میں نے جب بھی ان کو یہ آیت فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ پڑھ کر سنائی کبھی ایسا نہیں ہوا کہ انہوں نے وَلَا بِشَيْءٍ مِنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ نہ کہا ہو (اے ہمارے پروردگار ہم تیری کسی نعمت کی بھی تکذیب (ناشکری) نہیں کرتے، تیرے ہی لئے سب تعریفیں ہیں) اسی نے انسان آدم کو ایسی مٹی سے جو ٹھیکرے کی طرح کھنکتی تھی پیدا کیا (یعنی) ایسی خشک مٹی سے جس میں آواز تھی جب بجایا جائے اور وہ ایسی مٹی ہے جس کو پکایا گیا ہو اور جنات کو (یعنی) ابوالجن کو اور وہ ابلیس ہے خالص آگ سے پیدا کیا، اور مارج آگ کا وہ شعلہ جس میں دھواں نہ ہو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ وہ دونوں مشرقوں سردیوں کی مشرق اور گرمیوں کی مشرق اور اسی طرح دونوں مغربوں کا رب ہے تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ شور اور شیریں دو دریاؤں کو جاری کیا جو بظاہر ملے ہوئے ہیں، حقیقت میں ان دونوں کے درمیان آڑ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی آڑ ہے کہ دونوں بڑھ نہیں سکتے، یعنی ان دونوں میں سے کوئی دوسرے پر تجاوز نہیں کر سکتا کہ اس سے خلط ملط ہو جائے تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ اور ان دونوں سے یعنی دونوں کے مجموعہ سے موتی اور مونگے برآمد ہوتے ہیں مجموعہ کا اطلاق ایک پر بھی ہوتا ہے اور وہ (دریائے) شور ہے یخرجُ معروف اور مجہول دونوں ہے (لؤلؤ) بڑے سرخ موتی (مرجان) چھوٹے موتی تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ اللہ ہی کی ملک ہیں وہ جہاز (کشتیاں) جو دریا میں پہاڑوں کے مانند بلند ہیں، بلند اور عظیم

ہونے میں پہاڑوں کے مانند ہیں تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: الرَّحمن مبتداء، مابعد اس کی خبر، تعدید اور اقامت حجۃ کے طور پر خبر بغیر عطف کے متعدد بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ یہاں بغیر عطف کے خبر متعدد ہیں، الرحمٰن مبتداء اور مابعد اس کی خبر، یہ ان لوگوں کے نزدیک ہے جو الرَّحمن کو پوری آیت نہیں مانتے اور جو لوگ پوری آیت مانتے ہیں، ان کے نزدیک الرحمٰن مبتداء محذوف کی خبر ہے ای اللّٰہ الرحمن یا الرحمن مبتداء ہے اور ربنا اس کی خبر محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: مَنْ شاءَ اس عبارت کے اضافہ سے اشارہ کر دیا کہ عَلَّمَ متعدی بدو مفعول ہے اور مفعول اول اس کا محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: النطق گویائی، اظہار مافی الضمیر، یہ قوت حیوانات میں نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: بحُسبان یہ حَسِبَ کا مصدر مفرد ہے بمعنی حساب جیسا کہ غُفران و کُفران اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حِسَابٌ کی جمع ہو جیسے کہ شِهَابٌ کی جمع، شُهْبَان اور رَغِيْفٌ کی جمع رُغْفَانٌ (چپاتی) مطلب یہ ہے کہ شمس و قمر مقررہ حساب سے اپنے اپنے برجوں میں چلتے ہیں سر مو انحراف نہیں کرتے۔

فَائِدَہ: آفتاب کا قطر ۸۶۶۵۰۰ (آٹھ لاکھ چھیاسٹھ ہزار پانچ سو میل) ہے، اور وہ تیرہ لاکھ زمینوں کے مساوی ہے، آفتاب زمین کے مانند ٹھوس نہیں ہے اور نہ پانی کی طرح سیال بلکہ پانی سے ڈیڑھ گنا کثیف ہے (پتلے شہد کے مانند) (فلکیات جدیدہ)۔ (واللّٰہ اعلم بالصواب)

قَوْلُہٗ: ای لِاَجْلِ اَنْ لَّا تَجُوْرُوْا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اَلَّا تَطْغَوْا میں اَنْ مصدریہ ہے نہ کہ نافیہ اور اَنْ سے پہلے لام علت مقدر ہے۔

قَوْلُہٗ: اَکْمَام، اکمام جمع کِمٌّ بمعنی شگوفہ کا غلاف، جھلی۔

قَوْلُہٗ: آلَاۗءِ نعمتیں واحد اِلْیٌ و اَلْیٌ جیسے مِعْیٌ و حَضْیٌ و اِلْیٌ اَلْیٌ.

قَوْلُہٗ: رَبُّ المشرقین، رَبُّ کے رفع کے ساتھ، رفع کی تین وجہیں ہو سکتی ہیں ① یہ کہ ربُّ المشرقین بترکیب اضافی مبتداء اور مَرَجَ البحرین اس کی خبر، اور مبتداء خبر کے درمیان جملہ معترضہ ہو ② یہ کہ ربُّ المشرقین مبتداء محذوف کی خبر، ای هُوَ رَبُّ المشرقَين ③ یہ کہ خلَقَ کے فاعل سے بدل ہو، اور بعض حضرات نے مِن رَّبِّكُمَا سے بدل مان کر مجرور بھی پڑھا ہے۔

قَوْلُہٗ: يَلْتَقِيَان یہ بَحْرَيْن سے حال ہے۔

قَوْلُہٗ: مجموعُهُما الصَّادِقُ بِاَحَدِهِمَا شارح کا یہ فرمانا کہ دونوں کے مجموعہ پر بھی واحد کا اطلاق صحیح ہے، صحیح نہیں ہے اس لئے کہ مجموعہ سے بعض اسی وقت مراد لینا صحیح ہے جبکہ بعض سے متعدد مراد ہوں ورنہ تو جمع بول کر واحد مراد لینا درست نہیں ہے۔

تفسیر وتشریح

نام:

اس سورت کا نام ''سورۂ رحمٰن'' ہے، جو کہ پہلے ہی لفظ سے ماخوذ ہے، حدیث میں اس کو عروس قرآن بھی کہا گیا ہے آپ نے فرمایا لکل شئ عروس وعروس القرآن، الرحمن (خازن) اس سورت کے مکی، مدنی ہونے میں اختلاف ہے، امام قرطبی نے چند روایات حدیث کی وجہ سے مکی ہونے کو ترجیح دی ہے، ابن جوزی نے کہا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے، مگر علماء تفسیر اس سورت کو بالعموم مکی قرار دیتے ہیں، اگرچہ بعض روایات میں حضرت عبداللہ بن عباس رَضِحَاللَّهُ تَعَالَىٰ عَنْهُمَا، اور عکرمہ رَضِحَاللَّهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ اور قتادہ سے یہ قول منقول ہے کہ یہ سورت مدنی ہے، لیکن اول تو ان بزرگوں سے بعض دوسری روایات اس کے خلاف بھی منقول ہیں دوسرے اس کا مضمون مدنی سورتوں کی بہ نسبت مکی سورتوں سے زیادہ مشابہ ہے، ترمذی میں حضرت جابر رَضِحَاللَّهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے سامنے سورۂ رحمٰن پوری تلاوت فرمائی لوگ سن کر خاموش رہے، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے لیلۃ الجن میں جنات کے سامنے یہ سورت تلاوت کی تو اثر قبول کرنے کے اعتبار سے وہ تم سے بہتر رہے کیونکہ جب میں قرآن کے اس جملہ پر پہنچتا تھا فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ تو جنات سب کے سب بول اٹھتے تھے (لا بشيءٍ مِن نِعَمِكَ رَبَّنا نكذبُ فلكَ الحمد) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ سورت مکی ہے کیونکہ لیلۃ الجن کا واقعہ مکہ میں پیش آیا تھا۔

سیرتِ ابن ہشام کی ایک روایت:

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت مکہ معظمہ کے ابتدائی دور کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے، ابن اسحق حضرت عروہ بن زبیر سے یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک روز صحابہ کرام نے آپس میں کہا کہ قریش نے کبھی کسی کو علانیہ باآواز بلند قرآن پڑھتے نہیں سنا ہے، ہم میں کون ہے جو ان کو ایک دفعہ یہ کلام پاک سنا ڈالے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا میں یہ کام کرتا ہوں، صحابہ نے کہا ہمیں ڈر ہے کہ وہ تم پر زیادتی کریں گے، ہمارے خیال میں کسی ایسے شخص کو یہ کام کرنا چاہئے کہ جس کا خاندان زبردست ہو، تاکہ اگر قریش کے لوگ اس پر دست درازی کریں، تو اس کے خاندان والے اس کی حمایت پر اٹھ کھڑے ہوں، حضرت عبداللہ نے فرمایا مجھے یہ کام کر ڈالنے دو، میرا محافظ اللہ ہے پھر وہ دن چڑھے حرم میں پہنچے، جبکہ قریش کے سردار وہاں اپنی اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوئے تھے، حضرت عبداللہ نے مقام ابراہیم پر پہنچ کر پورے زور سے سورۂ رحمٰن کی تلاوت شروع کر دی، قریش کے لوگ پہلے تو سوچتے رہے کہ عبداللہ کیا کہہ رہے ہیں؟ پھر جب انہیں پتہ چلا کہ یہ وہ کلام ہے جسے محمد ﷺ خدا کے کلام کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں تو وہ ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کے منہ پر تھپڑ

مارنے لگے مگر حضرت عبداللہ نے پرواہ نہ کی، پٹتے جاتے تھے اور پڑھتے جاتے تھے، جب تک ان کے دم میں دم رہا قرآن سناتے چلے گئے، آخر کار جب وہ اپنا سوجا ہوا منہ لیکر پلٹے تو ساتھیوں نے کہا ہمیں اسی چیز کا ڈر تھا، انہوں نے جواب دیا آج سے بڑھ کر یہ خدا کے دشمن میرے لئے کبھی ہلکے نہ تھے، تم کہو تو کل پھر ان کو قرآن سناؤں، سب نے کہا بس اتنا ہی کافی ہے، جو کچھ وہ نہیں سننا چاہتے تھے وہ تم نے انہیں سنا دیا۔ (سیرت ابن هشام: جلد اول ص ۳۳٦)

شانِ نزول:

کہا گیا ہے کہ الرحمن علّمَ القرآن اہل مکہ کے اس قول کے جواب میں نازل ہوئی کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اس کو کوئی بشر سکھلاتا ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ان کے اس قول کے جواب میں نازل ہوئی وہ کہا کرتے تھے کہ رحمٰن کیا ہے؟ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بہت سی نعمتیں شمار کرائی ہیں، عَلّمَ القرآن میں اللہ تعالیٰ نے نعمتوں میں جو سب سے بڑی نعمت ہے اس کے ذکر سے ابتداء کی ہے اور وہ نعمت قرآن ہے اس لئے کہ قرآن پر دارین کی سعادت کا مدار ہے۔ (فتح القدیر شوکانی) عَلّمَ القرآن کے فقرے سے آغاز کرنے کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ نہ تو یہ کلام آپ کا خود طبع زاد ہے اور نہ کسی انسان وغیرہ کا سکھلایا ہوا، بلکہ یہ اللہ الرحمٰن کا تعلیم فرمودہ ہے۔

خَلَقَ الانسانَ یعنی انسان بندر وغیرہ سے ترقی کرتے کرتے انسان نہیں بن گیا جیسا کہ ڈارون کا فلسفۂ ارتقاء ہے! بلکہ انسان کو اسی شکل وصورت میں اللہ نے پیدا فرمایا ہے جو جانوروں سے الگ ایک مستقل مخلوق ہے، انسان کا لفظ بطور جنس کے استعمال ہوا ہے۔

عَلّمَهُ البیانَ بیان سکھلانے کا مطلب ہے اظہار مافی الضمیر کا طریقہ سکھلایا، ہر شخص اپنی مادری زبان میں اپنے مافی الضمیر کو بغیر سکھلائے خود بخود ادا کر لیتا ہے یہی تعلیم الٰہی کا نتیجہ ہے جس کا اس آیت میں ذکر ہے۔

الشمسُ والقمرُ بِحُسبانٍ انسان کے لئے جو نعمتیں حق تعالیٰ نے زمین وآسمان میں پیدا فرمائی ہیں اس آیت میں علویات میں سے شمس وقمر کا ذکر خصوصیت سے شاید اس لئے کیا ہے کہ عالم دنیا کا سارا نظام ان دونوں سیاروں کی حرکت اور ان کی شعاعوں سے وابستہ ہے۔

فَبِاَیِّ آلاءِ ربِّکُما تُکَذِّبٰنِ یہ انسان اور جنوں دونوں سے خطاب ہے، اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں گنوا کر ان سے پوچھ رہا ہے، یہ تکرار اس شخص کی طرح ہے جو کسی پر مسلسل احسان کرے لیکن وہ اس کے احسان کا منکر ہو، جیسے کہے میں نے تیرا فلاں کام کیا، یہ تو انکار کرتا ہے، فلاں چیز تجھے دی، کیا تجھے یاد نہیں؟ تجھ پر فلاں احسان کیا تجھے ہمارا ذرا خیال نہیں؟ (فتح القدیر)

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ الخ انسان کو بجتی ہوئی خشک مٹی سے پیدا کیا۔

سَوَال: یہاں انسان کی تخلیق کو صلصال سے بتایا گیا، اور سورۃ الحجر میں مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَاٍ مَسْنُوْنٍ کالی سڑی ہوئی سیاہ مٹی سے تخلیق کرنا بیان کیا گیا، اور سورۃ الصافات میں مِنْ طِینٍ لازبٍ یعنی چپکتی ہوئی مٹی سے تخلیق بیان کی گئی ہے، اور سورۃ

آل عمران میں خلقه من تراب عام مٹی سے تخلیق بیان ہوئی، آدم علیہ السلام کی تخلیق چار قسم کی مٹی سے قرآن سے معلوم ہوتی ہے اور مذکورہ چاروں قسمیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، بظاہر تعارض وتضاد معلوم ہوتا ہے۔

جَوَابٌ: چاروں میں کسی قسم کا تضاد وتعارض نہیں ہے اس لئے کہ مذکورہ چاروں حالات مختلف زمانوں کے ہیں، تعارض کے لئے زمانہ کا متحد ہونا شرط ہے، اول اللہ تعالیٰ نے زمین سے تراب (مٹی) لی پھر اس مٹی میں پانی ملا کر آمیزہ (گارہ) بنایا جس میں چپکاہٹ پیدا ہوگئی، پھر اس کو ایک زمانہ تک اسی حالت پر چھوڑ دیا تو حمأ مسنون سڑی ہوئی سیاہ رنگ کی ہوگئی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تصویر سازی کی جیسا کہ مٹی کے برتن بنائے جاتے ہیں اور پھر اس کو سکھاتے ہیں حتیٰ کہ وہ سوکھ کر نہایت سخت ٹھیکرے کے مانند بجنے والی ہوجاتی ہے، یہاں پر آخری مرحلہ کا بیان ہے اس کے علاوہ میں کہیں ابتدائی مرحلہ کا بیان ہے اور کہیں درمیانی مرحلہ کا بیان ہے۔

وَخَلَقَ الجَانَّ مِنْ مَارِجٍ مِنْ نَارٍ، جانٌّ سے جنس جنات مراد ہے، اور مارج آگ کے شعلہ کو کہتے ہیں، انسان کی طرح جن بھی عناصر اربعہ سے بنا ہوا ہے، مگر جن میں ناری عنصر غالب ہے جیسا کہ انسان میں خاکی عنصر غالب ہے رَبُّ المشرقين وربُّ المغربَين سے سردی گرمی کے مشرق ومغرب مراد ہیں شمس وقمر کا مطلع اور مغرب اگرچہ بہت قلیل مقدار میں روزانہ ہی بدلتا رہتا ہے اس لئے آسانی سے اس کا احساس نہیں ہوتا، گرمی سردی کے مشرق ومغرب میں چونکہ بین فرق اور نمایاں فاصلہ ہوتا ہے اس لئے صرف ان کا ہی ذکر کردیا ہے، اور بعض حضرات نے مشرقین اور مغربین سے شمس وقمر کے مشرق ومغرب مراد لئے ہیں۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا اى الارض مِنَ الحَيَوان فَانٍ ﴿۲۶﴾ هَالِكٌ وعُبِّرَ بِمَنْ تَغْلِيبًا لِلعُقَلاءِ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذاته ذُو الْجَلَٰلِ العَظَمَةِ وَالْإِكْرَامِ ﴿۲۷﴾ لِلمُؤمِنِين بِأنعُمِه عليهم فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۲۸﴾ يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ اى بِنُطقٍ اوحالٍ ما يحتَاجُونَ اليه مِنَ القُوَّةِ على العِبَادَةِ والرزقِ والمَغْفِرَةِ وغير ذلك كُلَّ يَوْمٍ وَقْتٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ﴿۲۹﴾ أَمْرٍ يُظْهِرُه في العَالَمِ على وَفْقِ ما قَدَّرَه في الأزلِ مِن احيَاءٍ وإماتَةٍ وإعْزَازٍ وإذلالٍ وإغناءٍ وإعْدَامٍ وإجابَةِ داعٍ وإعطاءِ سائلٍ وغير ذلك فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۳۰﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ سَنَقْصِدُ لِحِسَابِكُمْ أَيُّهَ الثَّقَلَانِ ﴿۳۱﴾ الانسُ والجنُّ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۳۲﴾ يَٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَن تَنفُذُوا تَخْرُجُوا مِنْ أَقْطَارِ نَوَاحِي السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ فَانفُذُوا أمرُ تعجيزٍ لَا تَنفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَٰنٍ ﴿۳۳﴾ بِقُوَّةٍ وَلَا قُوَّةَ لكم علىٰ ذلك فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۳۴﴾ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّن نَّارٍ هُوَ لَهِيبُها الخَالِصُ مِنَ الدُخان اومَعَهُ وَنُحَاسٌ اى دُخانٌ لالَهَبَ فيه فَلَا تَنتَصِرَانِ ﴿۳۵﴾ تَمْتَنِعَانِ مِن ذلك بل يَسُوقُكم الى المَحشَرِ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۳۶﴾ فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ انفَرَجَتْ ابوابًا لِنُزولِ المَلائكةِ فَكَانَتْ وَرْدَةً اى مِثْلَها مُحمَرَّةً كَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾ كالأدِيمِ الأحمَرِ على خِلافِ العَهْدِ بها

وجوابُ اِذَا فَمَا اَعْظَمَ الْهَوْلَ ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾٣٨ ﴿فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ﴾٣٩ عن ذنبه ويُسْئَلُونَ فى وَقْتٍ آخَرَ فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ والجَانُّ هُنا وفيما سياتى بمعنى الجِنّيِّ والاِنْسُ فيهما بمعنى الاِنْسِىِّ ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾٤٠ ﴿يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ﴾ اى سَوَادِ الوُجُوهِ وزُرْقَةِ العيون ﴿فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِىْ وَالْاَقْدَامِ﴾٤١ ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾٤٢ اى تُضَمُّ نَاصِيَةُ كُلٍّ منهما الى قدمَيه من خلفٍ او قُدَّام ويُلْقٰى فى النَّارِ ويُقَالُ لهم ﴿هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِىْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ﴾٤٣ ﴿يَطُوْفُوْنَ﴾ يَسْعَوْنَ ﴿بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ﴾ مَاءٍ حارٍ ﴿اٰنٍ﴾٤٤ شديدِ الحرارةِ يُسْقَوْنَه اِذا اسْتغاثُوا من حرِّ النَّارِ وهو منقوصٌ كقاضٍ ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾٤٥

ترجمہ: جو کچھ اس پر یعنی زمین پر ہے سب فنا ہونے والا ہے ذوی العقول کو غلبہ دیتے ہوئے مَنْ سے تعبیر کیا ہے (صرف) تیرے باعظمت مومنین پر اپنے انعاموں کا احسان کرنے والے رب کی ذات باقی رہ جائے گی سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ اور سب آسمان اور زمین والے اسی سے مانگتے ہیں یعنی زبان قال سے یا زبان حال سے (طلب کرتے ہیں) جس چیز کی ان کو حاجت ہوتی ہے خواہ عبادت پر قدرت ہو، یا رزق یا مغفرت وغیرہ وغیرہ وہ ہر وقت ایک شان میں رہتا ہے (یعنی ہمہ وقت) ایسے شغل میں رہتا ہے جس کو وہ عالم میں اس کے مطابق جو اس نے ازل میں مقدر کر دیا ہے مثلاً زندگی دینا اور موت دینا اور عزت دینا اور ذلیل کرنا، اور مالدار کرنا اور مفلس کرنا اور داعی کی دعاء کو قبول کرنا، اور سائل کو عطا کرنا وغیرہ وغیرہ سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ اے انسانو اور جنو! ہم عنقریب تمہارے لئے فارغ ہوں گے یعنی تمہارے حساب کی طرف متوجہ ہوں گے تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ اے جن اور انسانوں کی جماعتو اگر تم آسمانوں اور زمین کی حدود سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ امر تعجیز کے لئے ہے تم طاقت کے بغیر نہیں نکل سکتے اور تم کو اس کی طاقت نہیں سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے وہ تمہارے اوپر آگ کے شعلے چھوڑے گا (شواظ) آگ کا وہ شعلہ جس میں دھواں نہ ہو، یا مع دھوئیں کے، اور خالص دھواں چھوڑے گا یعنی ایسا دھواں کہ جس میں شعلہ نہ ہو پھر تم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے بلکہ وہ تم کو محشر کی طرف کھینچ کر لے جائے گا سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ پس جب آسمان پھٹ جائے گا یعنی ملائکہ کے نزول کے لئے دروازے کھل جائیں گے اور چمڑے کے مانند سرخ ہو جائے گا جیسا کہ سرخ چمڑا (یعنی) سابقہ حالت کے برخلاف اور اِذَا کا جواب فَمَا اَعْظَمَ الْهَوْلَ (محذوف ہے) یعنی کس قدر ہولناک منظر ہوگا؟ سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ اس دن کسی انسان اور جن کے گناہوں کی پرسش نہ ہوگی اور دوسرے وقت میں پرسش ہوگی (جیسا کہ فرمایا) فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ یعنی قسم ہے تیرے رب کی ہم ضرور ان سے باز پرس کریں گے، اور جانٌّ یہاں اور آئندہ جِنّیٌّ کے معنی میں ہے، اور انس بھی مذکورہ مقاموں میں انسیٌّ کے معنی میں ہے سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ مجرم اپنے حلیوں سے پہچانے جائیں گے یعنی چہروں

کی سیاہی اور آنکھوں کی نیلگونی سے، ان کی پیشانیوں کے بال اور قدم پکڑے جائیں گے، تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ یعنی ان میں سے ہر ایک کی پیشانی پیچھے سے یا آگے سے قدموں سے ملادی جائے گی اور جہنم میں ڈالدیا جائے گا، اور ان سے کہا جائے گا، یہی ہے وہ جہنم جس کی مجرم تکذیب کرتے تھے، جہنم اور شدید گرم پانی کے درمیان چکر لگائیں گے (یعنی) دوڑیں گے، آگ کی گرمی سے جب فریاد کریں گے تو گرم پانی پلائے جائیں گے، (آنٍ) قاضٍ کے مانند منقوص ہے سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: ای الارض من الحیوان مفسر علام نے عَلَیْھَا کی تفسیر ای الْاَرْضِ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ جنت و نار، حور و غلمان فنا نہیں ہوں گے؛ بلکہ زمین کی اشیاء فنا ہوں گی، نیز کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِی شَانٍ سے یہود پر رد ہو گیا، یہود کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چھ دن میں پوری کائنات کو پیدا فرمایا جمعہ کے دن آخری وقت میں حضرت آدم کی تخلیق فرمائی اور شنبہ کے دن کوئی کام نہیں کیا، یہی وجہ ہے کہ یہود ہفتہ کو چھٹی کرتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: سَنَقْصِدُ، سنفرغ لکم کی تفسیر سَنَقْصِدُ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ فراغت سے مراد توجہ اور قصد کرنا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو ایسی مصروفیت نہیں ہوتی کہ دیگر امور میں مشغولیت سے مانع ہو، اس قسم کی مشغولیت مخلوق کا خاصہ ہے۔

قَوْلُہٗ: ثقلان جن وانس کو ثقلان اس لئے کہتے ہیں کہ یہ حیاۃ و مماۃ زمین پر ثقل ہوتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: فَانفذُوا امر تعجیز کے لئے ہے یعنی اگر تم ہماری حدود سلطنت سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ فاتوا بسورۃٍ مِّن مِّثلہٖ.

قَوْلُہٗ: کالدِّھَان، کانت کی خبر ثانی بھی ہو سکتی ہے اور وردۃً کی صفت بھی نیز کانت کے اسم سے حال بھی، دِھَانٌ دُھْنٌ کی جمع بھی ہو سکتی ہے، جیسے رُمْحٌ و رِمَاحٌ اس صورت میں دِھان تلچھٹ کے معنی میں ہوگا، جیسا کہ دوسری آیت میں آسمان کو تلچھٹ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کما قال اللّٰہ تعالیٰ یومَ تکُوْنُ السَّمَاءُ کَالْمُھْلِ اور مُھْل تیل کی تلچھٹ کو کہتے ہیں، دوسری صورت یہ ہے کہ دھان اسم مفرد ہو جیسا کہ زمخشری نے کہا ہے کہ دھان اسم لِمَا یُدَّھَنُ بہٖ.

قَوْلُہٗ: وَالْجَانُّ ھُنَا وفیما سیاتی بمعنی الجنیّ وَالاِنس فیھِمَا بمعنی الاِنْسِیّ اس پوری عبارت کے اضافہ سے مفسر علام کا مقصد ایک سوال کا جواب دینا ہے۔

سُوَال: یہ ہے کہ جانّ اور اِنس یہ دونوں اسم جنس ہیں اور سوال جنس سے نہیں بلکہ افراد جنس سے ہوتا ہے۔

جَوَاب: اس سوال کا جواب دینے کے لئے مفسر علام نے فرمایا جَانٌّ، جِنِّیٌّ کے اور اِنسٌ، اِنسیٌّ کے معنی میں ہے اور یہ

دونوں جنس کے افراد میں سے ہیں، یہ دونوں ان الفاظ میں سے ہیں کہ جن کی جنس اور فرد میں امتیاز یاء کے اضافہ سے ہوتا ہے، جیسے زنج اور زنجیٌّ میں ہے۔

قِوْلُہ: زرقة العیون نیلگوں آنکھیں، اس کو گربہ چشم بھی کہتے ہیں، اس کو کرنجی آنکھیں بھی کہتے ہیں۔

قِوْلُہ: آنٍ یہ اِنیٰ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے کھولتا ہوا پانی۔

تفسیر وتشریح

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ، عَلَيْهَا کی ضمیر کا مرجع، ارض ہے جس کا ذکر وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ماقبل میں گذر چکا ہے، اس کے علاوہ الارض ان عام اشیاء میں سے ہے جن کی طرف ضمیر راجع کرنے کے لئے پہلے، مرجع کا ذکر لازم نہیں، مطلب یہ ہے کہ جو جنات اور انسان زمین پر ہیں سب فنا ہونے والے ہیں، اس میں جن وانس کے ذکر کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ اس سورت میں مخاطب یہی دونوں ہیں، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آسمان اور آسمان والی مخلوقات فانی نہیں ہیں، کیونکہ دوسری آیت میں حق تعالیٰ نے عام لفظوں میں پوری مخلوقات کا فانی ہونا بھی واضح فرمادیا ہے كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ مذکورہ دوسری آیت سے لیکر آیت ۳۰ تک اللہ تعالیٰ نے دو حقیقتوں کو بیان فرمایا ہے۔

ایک یہ کہ نہ تو تم خود لافانی ہو اور نہ وہ سروسامان لازوال ہے جس سے تم اس دنیا میں متمتع ہو رہے ہو، لازوال اور لافانی تو صرف اس خدائے بزرگ و برتر کی ذات ہے جس کی عظمت پر یہ کائنات گواہی دے رہی ہے اور جس کے کرم سے تم کو یہ کچھ نعمتیں نصیب ہوئی ہیں، اب اگر تم میں سے کوئی شخص گھمنڈ وغرور میں مبتلا ہو کر ''ہم چومن دیگرے نیست'' کا نعرہ بلند کرتا ہے تو یہ محض اس کی بے وقوفی اور کم ظرفی ہے، اپنے ذرا سے دائرۂ اختیار میں کوئی بے وقوف کبریائی کے ڈنکے بجالے، چند بندے جو اس کے گرد جمع ہو جائیں، ان کا بزعم خویش خدا بن بیٹھے، تو یہ دھوکے کی ٹٹی کتنی دیر کھڑی رہ سکتی ہے، کائنات کی وسعتوں میں جس زمین کی حیثیت ایک رائی کے دانے کے برابر نہیں ہے، اس کے ایک کونے میں دس بیس سال یا سو پچاس سال جو خدائی اور کبریائی چلے اور قصہ پارینہ اور داستان ماضی بن جائے وہ آخر کیا خدائی؟ اور کیا کبریائی ہے؟ جس پر پھولے نہ سمائے۔

دوسری اہم حقیقت جس پر ان دونوں مخلوقوں کو متنبہ کیا گیا ہے یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کے سوا دوسری جن ہستیوں کو بھی تم معبود و مشکل کشا اور حاجت روا بنائے ہوئے ہو خواہ وہ فرشتے ہوں یا انبیاء واولیاء یا چاند اور سورج یا دیوی دیوتا یا اور کسی قسم کی مخلوق، ان میں سے کوئی تمہاری حاجت کو پورا نہیں کرسکتا، وہ بے چارے تو خود اپنی ضروریات اور حاجات کے لئے اللہ کے محتاج ہیں، ان کے ہاتھ تو خود اس کے آگے پھیلے ہوئے ہیں وہ خود اپنی حاجت روائی نہیں کرسکتے تو تمہاری مشکل کشائی کیا خاک کریں گے، اس ناپیدا کنار کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، تنہا ایک خدا کے حکم سے ہو رہا ہے، اس کی کارفرمائی میں کسی کا کوئی دخل نہیں ہے۔

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَأْنٍ یعنی ہر وقت اس کارگاہ عالم میں اس کی کارفرمائی کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہے، ظاہر ہے کہ پوری کائنات میں ارضی اور سمائی مخلوقات کی بے شمار حاجتیں ہیں، جن کو ہر گھڑی اور ہر آن سوائے اس عظمت وجلال والے قادر مطلق کے کون سن سکتا ہے، اور کون ان کو پورا کرسکتا ہے، اسی لئے كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَأْنٍ یعنی ہر لحظہ اور ہر لمحہ حق تعالیٰ کی ایک شان ہوتی ہے وہ کسی کو زندہ کرتا ہے کسی کو موت دیتا ہے کسی کو عزت دیتا ہے تو کسی کو ذلیل کرتا ہے کسی تندرست کو بیمار کرتا ہے تو کسی مریض کو تندرست کرتا ہے، کسی مصیبت زدہ کو مصیبت سے نجات دیتا ہے تو کسی کو مصیبت میں مبتلا کرتا ہے کسی کو رُلاتا ہے تو کسی کو ہنساتا ہے، کسی کو عطا کرتا ہے تو کسی سے سلب کرتا ہے، کسی کو بااقتدار کرتا ہے تو کسی کو اقتدار سے محروم کرتا ہے، کسی کو سربلند کرتا ہے تو کسی کو قعر مذلت میں دھکیل دیتا ہے، غرضیکہ اللہ جل شانہ کی ہر آن اور ہر لمحہ ایک عجیب و نرالی شان ہوتی ہے۔

سَنَفْرُغُ لَكُمْ أَيُّهَ الثَّقَلَانِ، ثَقَلَانِ، ثِقْلٌ کا تثنیہ ہے، ثِقل خاص طور پر اس بوجھ کو کہتے ہیں جو کسی پر لدا ہوا ہو اور قابل قدر شئ کو بھی کہتے ہیں ایک حدیث میں یہی معنی مراد ہیں، مراد اس سے جنات اور انسان ہیں اس لئے کہ شروع سے روئے سخن انہی کی طرف ہے، مطلب یہ ہے کہ اے جن اور انسانو! جو زمین پر بوجھ بنے ہوئے ہو میں عنقریب تمہاری خبر لینے کے لئے متوجہ ہونے والا ہوں، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس وقت اللہ تعالیٰ ایسا مشغول ہے کہ اسے ان نافرمانوں سے باز پرس کرنے کی فرصت نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر کام کے لئے ایک خاص اوقات نامہ مقرر کر رکھا ہے جس کے مطابق وہ اس کائنات کے تصرفات میں عمل پیرا ہے جب جس کام کا وقت آجائے گا تو وہ کام اس وقت پر ہو جائے گا، فی الوقت اس امتحان گاہ میں پہلے دور (امتحان) کا سلسلہ چل رہا ہے، وقت پورا ہوتے ہی یک لخت امتحان کا سلسلہ ختم کر دیا جائے گا اور یہ امتحان گاہ بھی ختم کر دی جائے گی، اس کے بعد اس سلسلہ کا دوسرا دور شروع ہوگا، جس میں جن اور انسانوں کے اعمال کی جانچ شروع ہوگی اولین و آخرین کو از سر نو زندہ کر کے جمع کیا جائے گا، اس اوقات نامہ کے اعتبار سے یہ دوسرے دور کی کارروائی ہوگی، اس اوقات نامے کے لحاظ سے فرمایا گیا ہے کہ ابھی پہلے دور کا کام چل رہا ہے، دوسرے دور کا وقت ابھی نہیں آیا۔

يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ (الآية) اس کا مطلب یہ ہے کہ اے جن اور انسانو! اگر تمہیں یہ گمان ہو کہ ہم بھاگ جائیں گے اور موت کے چنگل سے بچ جائیں گے، یا میدان حشر سے بھاگ کر نکل جائیں گے، اور حساب و کتاب سے بچ جائیں گے تو لو اپنی قوت آزما دیکھو، اگر تمہیں اس پر قدرت ہے کہ آسمان اور زمین کے دائرہ سے باہر نکل جاؤ، تو نکل کر دکھاؤ، یہ کوئی آسان کام نہیں۔

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ (الآية) حضرت ابن عباس اور دیگر ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ شُوَاظٌ ضمہ شین کے ساتھ، آگ کا وہ شعلہ جس میں دھواں نہ ہو اور نحاس اس دھوئیں کو کہا جاتا ہے جس میں آگ نہ ہو، اس آیت میں بھی جن وانس کو مخاطب کر کے ان پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑنے کا بیان ہے، مطلب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے جہنم کے مجرمین کو مذکورہ دونوں قسم کا عذاب دیا جائے، اور بعض مفسرین نے اس آیت کو پچھلی آیت کا تکملہ قرار دے کر یہ معنی کئے ہیں کہ اے جن وانسانو! آسمانوں کی حدود سے نکل

جانا تمہارے بس کی بات نہیں، اگر تم ایسا ارادہ کر بھی لو تو جس طرف تم بھاگ کر جاؤ گے تو آگ کے شعلے اور دھوئیں کے بگولے تمہیں گھیر لیں گے (ابن کثیر) اس وقت تمہاری کوئی مدد نہ کرے گا۔

فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌّ اس کی تشریح آگے والا فقرہ **يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْأَقْدَامِ** کر رہا ہے، کہ مجرم اپنے چہروں سے پہچان لئے جائیں گے، مطلب یہ ہے کہ اس عظیم الشان مجمع میں جہاں تمام اولین اور آخرین جمع ہوں گے، یہ پوچھتے پھرنے کی ضرورت نہ ہوگی کہ کون کون لوگ مجرم ہیں؟ مجرموں کے اترے ہوئے چہرے اور ذلت وندامت سے جھکی ہوئی آنکھیں اور بدن سے چھوٹتا ہوا پسینہ خود ہی یہ راز فاش کر دیں گے، اگر باز پرس ہوگی تو اس بات کی کہ تم نے یہ جرم کیوں کیا؟ نہ یہ کہ کیا یا نہیں، یہ بعض مقام کا بیان ہے۔

نَوَاصِيْ، ناصية کی جمع ہے، پیشانی کے بالوں کو کہتے ہیں **نَوَاصِي والاقدام** سے پکڑنے کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ کسی کو سر کے بال پکڑ کر گھسیٹا جائے گا، اور کسی کو ٹانگیں پکڑ کر یا کبھی اس طرح اور کبھی اس طرح، اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ پیشانی کے بالوں اور ٹانگوں کو ایک جگہ جکڑ دیا جائے گا اور ڈنڈا ڈولی کر کے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

(واللہ اعلم بالصواب)

وَلِمَنْ خَافَ اي لِكُلٍّ منهما او لِمَجموعِهِم **مَقَامَ رَبِّهٖ** قيامَهُ بَينَ يَدَيهِ لِلحسَابِ فَتَرَكَ مَعْصِيَتَهُ **جَنَّتٰنِ** ﴿۴۶﴾ **فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۴۷﴾ **ذَوَاتَاۤ** تَثنِيَةُ ذَوَاتٍ على الأصلِ ولامُها ياءٌ **اَفْنَانٍ** ﴿۴۸﴾ اَغْصَانٍ جمعُ فَنَنٍ كطَلَلٍ **فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۴۹﴾ **فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ** ﴿۵۰﴾ **فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۵۱﴾ **فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ** في الدنيا او كُلِّ ما يُتَفَكَّهُ به **زَوْجٰنِ** ﴿۵۲﴾ نوعانِ رَطْبٌ ويابِسٌ والمُرُّ منهما في الدنيا كالحَنظَلِ حُلْوٌ **فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۵۳﴾ **مُتَّكِـِٕيْنَ** حالٌ عامِلُه محذوفٌ اي يَتَنَعَّمُونَ **عَلٰى فُرُشٍۢ بَطَاۗىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ** ما غَلُظَ من الدِّيباجِ وخَشُنَ والظَّهائِرُ مِنَ السُّنْدُسِ **وَجَنَى الْجَنَّتَيْنِ** ثَمَرُهُما **دَانٍ** ﴿۵۴﴾ قريبٌ يَنالُه القائِمُ والقاعِدُ والمُضطَجِعُ **فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۵۵﴾ **فِيْهِنَّ** في الجَنَّتَيْنِ وما اشتَمَلَتا عليه مِنَ العَلالِيّ والقُصورِ **قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ** العينِ على أزواجِهِنَّ المُتَّكِئِينَ مِنَ الإنسِ والجِنِّ **لَمْ يَطْمِثْهُنَّ** يَفتَضَّهُنَّ وهُنَّ مِنَ الحُورِ او مِن نساءِ الدنيا المُنشَآتِ **اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَاۗنٌّ** ﴿۵۶﴾ **فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۵۷﴾ **كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ** صَفاءً **وَالْمَرْجَانُ** ﴿۵۸﴾ اي اللُّؤلُؤُ بَياضًا **فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۵۹﴾ **هَلْ** ما **جَزَاۗءُ الْاِحْسَانِ** بالطاعةِ **اِلَّا الْاِحْسَانُ** ﴿۶۰﴾ بالنَّعيمِ **فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۶۱﴾ **وَمِنْ دُوْنِهِمَا** اي الجَنَّتَيْنِ المذكورتَينِ **جَنَّتٰنِ** ﴿۶۲﴾ ايضًا لِمَن خافَ مَقامَ رَبِّه **فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۶۳﴾ **مُدْهَاۗمَّتٰنِ** ﴿۶۴﴾ سَوداوانِ مِن شِدَّةِ خُضرَتِهِما **فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۶۵﴾ **فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ** ﴿۶۶﴾ فَوّارَتانِ بالماءِ لا يَنقَطِعانِ **فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۶۷﴾ **فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ** ﴿۶۸﴾ هما منها وقيلَ مِن غيرِها

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۝ فِيْهِنَّ اى الجنتين وقصورهما خَيْرٰتٌ اخلاقا حِسَانٌ۝ وجوها فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۝ حُوْرٌ شديدات سواد العيون وبياضها مَّقْصُوْرٰتٌ مستورات فِي الْخِيَامِ۝ من در مجوف مضافة الى القصور شبيهة بالخدور فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۝ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ قبل ازواجهن وَلَا جَاۗنٌّ۝ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۝ مُتَّكِـــِٕيْنَ اى ازواجهن واعرابه كما تقدم عَلٰي رَفْرَفٍ خُضْرٍ جمع رفرفة اى بسط او وسائد وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ۝ جمع عبقرية اى طنافس فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۝ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ۝ تقدم ولفظ اسم زائد.

ترجمہ: اور اس شخص کے لئے یعنی ان میں سے ہر ایک کے لئے یا دونوں کے مجموعہ کے لئے جو اپنے رب کے روبرو حساب کے لئے کھڑے ہونے سے ڈرا اور اس نے اس کی نافرمانی ترک کردی دو باغ ہیں سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے؟ (دونوں باغ) کثیر شاخوں والے (گھنے) ہوں گے ذَوَاتَا، ذَوَاتٌ کا تثنیہ ہے اصل کے مطابق اور اس کا لام یاء ہے، اَفْنَان، فَنَن کی جمع ہے (جیسا کہ) اَطْلَال، طَلَل کی جمع ہے، سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ ان دونوں باغوں میں دو بہتے ہوئے چشمے ہیں، سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ ان دونوں باغوں میں دنیاوی ہر قسم کے میووں کی یا ہر اس میوے کی جس سے تفکہ حاصل کیا جائے دو قسمیں ہیں تر اور خشک اور ان دونوں قسم کے میووں سے دنیا میں جو کڑوا ہے، جنت میں وہ شیریں ہوگا، جیسا کہ حنظل (صبر) سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ جنتی ایسے فرشوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے جن کے استر دبیز سبز ریشم کے ہوں گے مُتَّكِـــِٕيْنَ حال ہے، اس کا عامل يَتَنَعَّمُوْنَ محذوف ہے، استبرق، ریشم کے اس کپڑے کو کہتے ہیں جو دبیز اور کھردرا ہو اور ابرا (اوپر کا کپڑا) سندس یعنی باریک ریشم کا ہوگا، اور ان دونوں باغوں کے پھل بالکل قریب قریب ہوں گے جن کو کھڑے ہونے والا اور بیٹھنے والا اور لیٹنے والا (بھی) لے سکتا ہے، سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ ان باغوں میں اور جس پر وہ باغ مشتمل ہوں گے (مثلاً) بالا خانے اور محلات وغیرہ ایسی عورتیں ہوں گی جو اپنی نظروں کو جن وانس میں سے اپنے شوہروں پر محبوس کئے ہوں گی جو ٹیک لگائے ہوں گے ان سے پہلے ان میں نہ کسی انسان نے تصرف کیا ہوگا اور نہ جن نے یعنی ان سے کسی نے وطی نہ کی ہوگی اور وہ حوروں کے قبیل سے ہوں گی، یا دنیا کی عورتوں کے قبیل سے ہوں گی جن کو (ولادت کے توسط کے بغیر) پیدا کیا گیا ہوگا، سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ وہ حوریں صفائی میں یاقوت کے اور سفیدی میں موتی کے مانند ہوں گی سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ بھلا اطاعت کا بدلہ نعمتوں کے احسان کے سوا اور کچھ ہوسکتا ہے؟ سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے؟ مذکورہ دونوں باغوں کے علاوہ دو باغ اور بھی ہیں جو درجے میں ان سے کم ہوں گے، اس کے لئے جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے؟ دونوں باغ گہرے سبز رنگ کے ہوں گے ان کی سبزی کے زیادہ ہونے کی وجہ سے سو تم اپنے رب کی کون کون سی

نعمتوں کا انکار کرو گے؟ ان دونوں باغوں میں دو چشمے ہوں گے جو ایسے پانی سے جوش مارتے ہوں گے جو کبھی منقطع نہ ہوگا سوتم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے؟ اور ان دونوں باغوں میں میوے اور کھجوریں اور انار ہوں گے وہ دونوں (یعنی) کھجور اور انار فواکہ سے ہوں گے، اور کہا گیا ہے کہ ان کے علاوہ سے ہوں گے، سوتم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے؟ اور ان باغوں (کے مکانوں میں) خوبصورت عورتیں ہوں گی سوتم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے؟ وہ عورتیں گوری گوری رنگت والی اور ان کی آنکھوں کی سیاہی نہایت سیاہ اور سفیدی نہایت سفید ہوگی، وہ دُرِّ مجوف کے خیموں میں مستور ہوں گی، حال یہ کہ وہ خیمے محلوں پر اضافہ شدہ اوڑھنی کے مشابہ ہوں گے، سوتم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے؟ ان سے پہلے ان پر نہ تو کسی انسان نے تصرف کیا ہوگا، اور نہ کسی جن نے، یعنی ان کے شوہروں سے پہلے سوتم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے؟ ان کے شوہر سبز مسندوں اور عمدہ گدوں پر تکیہ لگائے ہوں گے، اور اس کا اعراب ماقبل میں گذرے ہوئے کے مانند ہے، رَفرف، رفرفة کی جمع ہے سبز تکیوں کو کہتے ہیں، سوتم اپنے رب کی کون کون سے نعمتوں کا انکار کرو گے؟ تیرے پروردگار کا نام بابرکت ہے جو عزت اور جلال والا ہے اور لفظ اِسمُ زائد ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: قِیَامَہٗ یہ مَقَامُ کی تفسیر ہے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مقام مصدر ہے۔

قَوْلُہٗ: ذوات علی الاصل ولامُهایاءٌ، ذَاتٌ کے تثنیہ میں دو لغت ہیں، ایک اصل کے اعتبار سے دوسرے لفظ کے اعتبار سے، ذاتٌ کی اصل ذَوَیَةٌ ہے اس میں عین کلمہ واؤ ہے اور لام کلمہ یاء ہے، اس کا مفرد اصل میں ذَوَاتٌ ہے، اصل کے مطابق اس کا تثنیہ ذَوَاتَان ہے، اضافت کی وجہ سے نونِ تثنیہ ساقط ہوگیا، جس کی وجہ سے ذَوَاتَا رہ گیا، اور مفرد کو خلاف اصل ذَاتٌ ہی استعمال کیا۔ (ترویح الارواح)

قَوْلُہٗ: جَمْعُ فَنَنٍ جیسا کہ اَطْلَال جمع طَلَلٍ اس اضافہ وتشریح سے مفسر علام کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اَفْنَانٌ، فَنَنٌ کی جمع ہے نہ کہ فَنٌّ کی جیسا کہ اَطلال، طَلَلٌ کی جمع ہے نہ کہ طَلٌّ کی۔

قَوْلُہٗ: وجَنَا الجَنَّتین دَانٍ، جَنَا الجَنَّتَیْنِ مبتداء اور دَانٍ اس کی خبر جَنٰی بمعنی مجنًی ہے اور دَانٍ اصل میں دانوٌ تھا۔

قَوْلُہٗ: فِی الْجَنَّتَیْنِ ومَا اشتمَلَتَا الخ یہ فِیْهِنَّ کی تفسیر ہے اس تفسیر کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سُوَال: فِیْهِنَّ کا مرجع جنتان ہے جو کہ تثنیہ ہے لہٰذا اس کی طرف لوٹنے والی ضمیر بھی تثنیہ ہونی چاہئے تاکہ ضمیر اور مرجع میں مطابقت ہو جائے مفسر علام نے وماشتملتا علیه من العَلَالی والقصور کا اضافہ کرکے اسی سوال مقدر کا جواب دیا ہے۔

جَوَابُ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ فِیْهِنَّ کا مرجع فقط جَنَّتَان ہی نہیں ہے بلکہ وہ بھی ہیں جن کو جنتان شامل ہیں مثلاً محلات اور بالاخانے وغیرہ۔

قَوْلُہٗ: مِن نساءِ الدنیا المنشآت، اَلمنشآت، نساء الدنیا کی صفت المنشآت لاکر اشارہ کردیا کہ دنیا کی عورتیں بھی اہل جنت کو ملیں گی مگر ان کو نئے سرے سے بنایا جائے گا یعنی دوبارہ ان کی تخلیق ہوگی مگر یہ تخلیق ولادت کے واسطہ سے نہیں ہوگی، بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے دست قدرت سے بنائیں گے۔

قَوْلُہٗ: صفاءً وبَیَاضًا جنتی عورتوں کو صفائی میں یاقوت اور سفیدی میں لؤلؤ کے ساتھ تشبیہ دینا مقصود ہے نہ کہ ان کی تمام صفات میں۔

قَوْلُہٗ: هَلْ ما جَزَاءُ الإحسان اِلَّا الا حسان، هَلْ کا استعمال چار طریقہ پر ہوتا ہے بمعنی قَدْ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ① هَلْ اَتٰی عَلَی الإنسَان ② بمعنی استفہام، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ③ بمعنی الامر، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول فَهَلْ اَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ ④ بمعنی نفی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول فَهَلْ عَلَی الرُّسُلِ اِلَّا البَلَاغُ المبینُ یہاں بھی هَلْ بمعنی نفی ہے۔

قَوْلُہٗ: مُدْهَامَّتَان یہ الدُّهْمَةُ سے ماخوذ ہے اس کے معنی ہیں سیاہی، اسی سے فَرسٌ ادْهم ہے، اور سبزی جب شدید ہوجاتی ہے تو وہ سیاہی مائل ہوتی ہے۔

قَوْلُہٗ: وَهُمَامِنها یعنی نَخْلٌ اور رُمَّان یہ دونوں امام ابو یوسف رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اور محمد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک فواکہ میں شمار ہیں اور امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک فواکہ میں شامل نہیں ہیں، اس لئے کہ عطف مغائرت کو چاہتا ہے۔

قَوْلُہٗ: مِنْ دُرٍّمُجَوَّفٍ، مُضَافةً الی القصور شبیهًا بالخُدُور یعنی وہ خیمے در مجوف کے ہوں گے یعنی اتنا بڑا موتی ہوگا کہ جس کو اندر سے خالی کر کے خیمہ بنایا جائے گا، اور مضافة الی القصور کا مطلب ہے وہ خیمے قصر (محل) کے اندر ہوں گے اور بمنزلہ اوڑھنی کے ہوں گے جیسا کہ گھر کے اندر عورتیں ہوتی ہیں اور ان کے سروں پر اوڑھنی بھی ہوتی ہے۔

قَوْلُہٗ: عَبْقَرِيّ یہ عَبْقَر کی طرف منسوب ہے عرب کا خیال ہے کہ وہ جنوں کی ایک بستی ہے لہٰذا ہر عجیب وغریب چیز کو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور قاموس میں ہے کہ عَبْقر اس مقام کا نام ہے جہاں جنات بکثرت ہوتے ہیں، اور عَبْقَرِی اس کو کہتے ہیں جو ہر طرح سے کامل ہو۔ (اعراب القرآن ملخصًا)

تفسیر و تشریح

ربط:

سابقہ آیتوں میں جن وانس پر دنیوی نعمتوں اور مجرمین کی سزاؤں کا ذکر تھا، ان آیات میں اخروی نعمتوں اور صالحین کے بہتر صلہ کا ذکر ہے، اور اہل جنت کے دو باغوں کا ذکر اور ان میں جو نعمتیں ہیں ان کا بیان ہے اس کے بعد دوسرے

باغوں کا اور ان میں مہیا کی ہوئی نعمتوں کا ذکر ہے۔

پہلے دو باغ جن حضرات کے لئے مخصوص ہیں ان کو تو لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ سے متعین کر کے بتلا دیا ہے، یعنی ان اعلیٰ قسم کے دو باغوں کے مستحق وہ لوگ ہوں گے جو ہر وقت ہر حال میں اللہ کے سامنے قیامت کے روز کی پیشی اور حساب و کتاب سے ڈرتے رہتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ کسی گناہ کے پاس نہیں جاتے اور وہ اس بات کا احساس رکھتے ہیں کہ انہیں دنیا میں غیر ذمہ دار شتر بے مہار بنا کر نہیں چھوڑا گیا بلکہ ایک روز مجھے اپنے رب کے سامنے پیش ہونا اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے، ظاہر بات ہے کہ جس شخص کا یہ عقیدہ ہو گا وہ لامحالہ خواہشات نفس کی بندگی سے بچے گا، اور حق و باطل، ظلم و انصاف، حلال و حرام، پاک و ناپاک میں تمیز کرے گا، ظاہر ہے کہ ایسے لوگ سابقین اور مقربین خاص ہی ہو سکتے ہیں۔

دوسرے دو باغوں کے مستحق کون لوگ ہوں گے؟ اس کی تصریح آیات مذکورہ میں نہیں کی گئی، مگر یہ بتلا دیا گیا ہے کہ یہ دونوں باغ پہلے دو باغوں کی بہ نسبت کم درجے کے ہوں گے ومن دونهما جنتٰن یعنی پہلے دو باغوں سے یہ دونوں باغ کمتر ہوں گے، اس سے بقرینہ مقام معلوم ہو گیا، کہ ان دو باغوں کے مستحق عام مومنین ہوں گے، جو مقربین خاص سے درجہ میں کم ہیں، روایات حدیث سے بھی یہی تفسیر راجح معلوم ہوتی ہے، درمنثور میں منقول ایک مرفوع حدیث بھی اسی تفسیر کی تائید کرتی ہے کہ آپ ﷺ نے مذکورہ دونوں باغوں کی تفسیر میں فرمایا مقربین کے لئے سونے کے دو باغ ہوں گے اور اصحاب الیمین کے لئے دو باغ چاندی کے ہوں گے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ پہلے دو باغ اعلیٰ درجہ کے اور دوسرے دو باغ اس سے کم درجہ کے ہوں گے۔

اور قرطبی وغیرہ بعض مفسرین نے ''قیام رب'' کی یہ تفسیر بھی کی ہے کہ جو شخص اس بات سے ڈرا کہ ہمارا رب ہمارے ہر قول و فعل خفیہ و علانیہ عمل پر نگران اور قائم ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰی کُلِّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ مجاہد اور نخعی نے کہا کہ مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ سے وہ شخص مراد ہے جس نے کسی معصیت کا ارادہ کیا ہو اور پھر وہ خوف خدا کی وجہ سے اس معصیت کے ارتکاب سے باز رہا ہو۔ (فتح القدیر شوکانی)

﴿ تمت ﴾

سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتٌّ وَتِسْعُونَ آيَةً وَثَلٰثُ رُكُوعَاتٍ

سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ اِلَّا: اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ الآية وثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ الآية، وهيَ سِتٌّ او سَبْعٌ اَوْتِسْعٌ وتِسْعُوْنَ آيةً.

سورۂ واقعہ مکی ہے، سوائے اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ (الآية) اور ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ (الآية) کے اور ۹۶/ ۹۷/ ۹۹ آیتیں ہیں۔ ابن عباس اور قتادہ سے آیات کی تعداد ۹۹ حجازی اور شامی ہیں، اور ۹۷ بصری، ۹۶ کوفی ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١﴾ قامت القيامةُ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿٢﴾ نفسٌ تُكَذِّبُ بِاَنْ تنفيها كما نفتها في الدُّنيا خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿٣﴾ هِيَ مُظْهِرَةٌ لِخَفضِ اَقْوَام بدُخُولِهِمُ النار ولِرَفعِ آخرِيْنَ بِدُخُولِهِمُ الجنة اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ﴿٤﴾ حُرِّكت حَرَكةً شديدةً وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿٥﴾ فُتِّتتْ فَكَانَتْ هَبَاءً عُبارًا مُّنْبَثًّا ﴿٦﴾ مُنتَشِرًا واذا الثانيةُ بَدَلٌ مِن الاولى وَّكُنْتُمْ في القيمةِ اَزْوَاجًا اَصنافًا ثَلٰثَةً ﴿٧﴾ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ وهُمُ الذينَ يُؤتَونَ كُتُبَهم بِاَيْمَانِهم مُبتدأٌ خبره مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿٨﴾ تعظيمٌ لشانهم بدُخُولهم الجنَّة وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ الشِّمالِ بان يُؤتى كُلٌّ منهم كتابَهُ بشِمَالِه مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿٩﴾ تحقيرٌ لشانهم بدُخُولهم النارَ وَالسّٰبِقُوْنَ الى الخير وهُمُ الانبياءُ مُبتدأٌ السّٰبِقُوْنَ ﴿١٠﴾ تاكِيدٌ لتعظِيم شانهم والخبرُ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿١١﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿١٢﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣﴾ مُبتدأٌ اى جماعةٌ من الأممِ الماضيةِ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٤﴾ من اُمّةِ محمد صلى الله عليه وسلم وهُم السابقُونَ من الاُمَمِ الماضِيَةِ وهذه الاُمّة والخبرُ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿١٥﴾ منسُوجَةٍ بقضبانِ الذهبِ والجواهِرِ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿١٦﴾ حالان مِنَ الضمير في الخبر يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿١٧﴾ اى على شَكلِ الاولادِ لَا يهرَمُونَ بِاَكْوَابٍ اَقداحٍ لاعُرى لها

وَّاَبَارِيْقَ لها عُرًى وخراطيمُ وَكَاْسٍ اِناءِ شُرْب الخَمْرِ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۱۸﴾ اى خَمْرٍ جارِيَةٍ مِن مَّنْبَعٍ لا يَنقطعُ ابدًا لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ بفتحِ الزَّايِ وكسرِهَا مِن نَزَفَ الشَّارِبُ وانْزَفَ اى لا يَحْصُلُ لهم منها صُداعٌ ولا ذِهاب عقلٍ بخلافِ خَمْرِ الدنيا وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ لهم للاسْتِمْتَاعِ حُوْرٌ نِساءٌ شَدِيداتُ سَوادِ العُيُون وبَياضِها عِيْنٌ ﴿۲۲﴾ ضِخَامُ العُيُون كُسِرَتْ عَيْنُهُ بدَلَ ضَمِّها لِمُجَانَسَةِ اليَاءِ مُفْرَدُه عَيْناءُ كحَمْراء وفى قراءةٍ بجَرِّ حورٍ عينٍ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾ المَصُون جَزَآءً مفعولٌ له او مَصْدرٌ والعَامِلُ مُقدَّرٌ اى جَعَلنالهم ما ذُكِرَ للجزاءِ او جَزَيْنَاهم بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا فى الجَنَّةِ لَغْوًا فاحِشًا مِنَ الكَلامِ وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿۲۵﴾ ما يُوثِمُ اِلَّا لكن قِيْلًا قولًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾ بَدَلٌ مِن قِيْلًا فانَّهم يَسْمَعُونَه وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ مَا اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿۲۷﴾ فِىْ سِدْرٍ شجرِ النَّبِق مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾ لا شَوْكَ فيه وَّطَلْحٍ شجرِ المَوْزِ مَّنْضُوْدٍ ﴿۲۹﴾ بالحَمْلِ مِن اَسْفَلِه الى اَعلاهُ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿۳۰﴾ دائمٍ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿۳۱﴾ جارٍ دائمًا وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿۳۲﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ فى زَمَنٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿۳۳﴾ بثَمَنٍ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿۳۴﴾ على السُّرُرِ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ اى الحُورَ العِينَ مِن غيرِ ولادةٍ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عَذارى كُلَّمَا اَتَاهُنَّ اَزْواجُهُنَّ وجَدُوهن عذارى ولا وَجَعَ عُرُبًا بِضَمِّ الراءِ وسُكُونِها جمعُ عَرُوبٍ وهى المُتَحَبِّبَةُ الى زَوْجِها عِشْقًا له اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ جمعُ تِربٍ اى مُسْتَوِياتٍ فى السِّنِّ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۳۸﴾ صِلَةُ اَنْشَاْنَاهُنَّ او جَعَلْنَاهُنَّ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے جب واقع ہونے والی واقع ہوگی یعنی قیامت قائم ہوگی اس کے وقوع کی کوئی نفس تکذیب کرنے والا نہیں ہوگا کہ اس کا انکار کردے جیسا کہ دنیا میں اس کا انکار کیا تھا وہ بلند اور پست کرنے والی ہوگی وہ قوموں کی پستی کو ظاہر کرنے والی ہوگی، ان کے جہنم میں داخل ہونے کی وجہ سے اور دوسری قوموں کو بلند کرنے والی ہوگی ان کے جنت میں داخل ہونے کی وجہ سے جبکہ زمین پوری طرح ہلادی جائے گی، یعنی شدید حرکت دیدی جائے گی اور پہاڑ ریزہ ریزہ کردیئے جائیں گے تو وہ منتشر غبار کے مانند ہوجائیں گے ثانی اِذَا پہلے اِذَا سے بدل ہے تم قیامت میں تین قسم کے گروہ ہوجاؤ گے تو داہنے ہاتھ والے اور وہ وہ ہوں گے جن کے اعمال نامے ان کے داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے (فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ) مبتداء ہے اور مَا اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ اس کی خبر، کیا ہی خوب ہوں گے داہنے ہاتھ والے ان کے جنت میں داخل ہونے کی وجہ سے، ان کی تعظیم شان کا بیان ہے، اور بائیں ہاتھ والے، بایں طور کہ ان میں سے ہر ایک کا اعمال نامہ ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا کیا ہی برے ہیں بائیں ہاتھ والے؟ ان کے دوزخ میں داخل ہونے کی وجہ سے، ان کی تحقیر شان کا بیان ہے، اور خیر کی طرف سبقت کرنے والے اور وہ انبیاء علیہم السلام ہیں مبتداء ہے۔ سبقت کرنے والے ہیں ان کی تعظیم شان کے لئے تاکید ہے یہی لوگ ہیں مقرب نعمتوں والی جنت میں ایک بڑا گروہ تو پہلے لوگوں میں سے (ثُلَّةٌ مِّنَ

الْاَوَّلِیْنَ مبتداء ہے یعنی گذشتہ امتوں میں سے ایک بہت بڑی جماعت اور بعد والوں میں سے ایک چھوٹا گروہ امت محمد ﷺ سے یہ امم ماضیہ میں سے اور اس امت میں سے سبقت کرنے والے ہیں ایسی مسہریوں پر ہوں گے جو سونے اور جواہرات کے تاروں سے بنی ہوئی ہوں گی ان پر ٹیک لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے خبر کی ضمیر سے دونوں حال ہیں ان کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے یعنی لڑکوں ہی کی شکل میں رہیں گے، بوڑھے نہ ہوں گے، ایسے آبخورے لئے کہ جن میں دستہ نہیں ہوگا اور لوٹے لئے کہ جن میں دستہ اور ٹونٹی (نائزہ) ہوگی آمد ورفت کریں گے اور بہتی شراب سے بھرے ہوئے جام شراب لے کر (آمد ورفت کریں گے) کاسٌ شراب پینے کے برتن کو کہتے ہیں یعنی ایسے چشمے کی شراب کہ جو کبھی منقطع نہ ہوگا نہ اس سے سر میں درد ہوگا اور نہ عقل میں فتور آئے گا (یُنْزِفُوْنَ) زاء کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ، یہ نَزَفَ الشاربُ وانْزَفَ سے مشتق ہے، یعنی نہ ان کو درد سر لاحق ہوگا اور نہ عقل زائل ہوگی بخلاف دنیوی شراب کے اور ایسے میوے لئے ہوئے جو ان کو پسند ہوں اور پرندوں کا گوشت لئے ہوئے جو ان کو مرغوب ہو اور ان کے استفادے کے لئے بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہیں یعنی ایسی عورتیں کہ جن کی آنکھوں کی سیاہی نہایت سیاہ اور ان کی سفیدی نہایت سفید ہوگی (عُیُوْنٌ) میں عین کو ضمہ کے عوض کسرہ دیا گیا، یاء کی موافقت کی وجہ سے، اس کا واحد عَیْنَاءُ ہے، جیسا کہ حُمْرٌ کا واحد حَمْرَاءُ ہے، اور ایک قراءت میں حورٍ عینٍ جر کے ساتھ ہے، جو محفوظ موتی کی طرح ہیں یہ صلہ ہے ان کے اعمال کا جــــــزاءً مفعول لہ ہے، یا مصدر ہے اور عامل محذوف ہے (تقدیر عبارت یہ ہے) جَعَلْنَا لَهُمْ مَا ذُكِرَ للجزاء (یا) جَزَيْنَاهُمْ نہ وہاں (یعنی جنت میں) بکواس یعنی فحش کلام سنیں گے، اور نہ گناہوں کی بات سنیں گے، صرف سلام ہی سلام کی آواز سنیں گے، (سلاماً سلاماً) قِیلاً سے بدل ہے یعنی وہ اس آواز کو سنیں گے اور داہنے ہاتھ والے کیا ہی خوب ہیں داہنے ہاتھ والے وہ بغیر خار کے بیروں میں ہوں گے سِدرٌ بیر کے درخت کو کہتے ہیں اور تہ بہ تہ کیلوں میں ہوں گے طَلْحٌ کیلے کے درخت کو کہتے ہیں جو نیچے سے اوپر تک لدے ہوئے ہوں گے اور دراز دراز ہمیشہ رہنے والے سایوں میں ہوں گے اور ہمیشہ جاری پانی میں ہوں گے اور بکثرت پھلوں میں ہوں گے، نہ وہ کسی وقت ختم ہوں گے اور نہ ادائیگی ثمن کے لئے روکے جائیں گے اور مسہریوں پر اونچے اونچے غالیچوں پر ہوں گے ہم نے ان حوروں کو خاص طور پر بغیر ولادت کے بنایا ہے اور ہم نے ان کو باکرہ بنایا ہے یعنی ایسی دوشیزہ کہ جب بھی ان کے پاس ان کے شوہر آئیں گے تو ان کو دوشیزہ ہی پائیں گے اور کوئی تکلیف بھی نہ ہوگی، محبت کرنے والیاں ہم عمر ہوں گی (عُرُبًا) راء کے ضمہ اور سکون کے ساتھ عورتیں دائیں ہاتھ والوں کے لئے (لِاَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ) أنشاناهُنَّ سے متعلق ہے، یا جَعَلْنَاهُنَّ سے متعلق ہے، (یعنی یہ سب چیزیں اصحاب الیمین کے لئے ہوں گی)۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ، ''وَاقِعَہ'' قیامت کے متعدد ناموں میں سے ایک نام ہے، قیامت کو واقعہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ لامحالہ واقع ہوگی اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ، اِذَا میں چند وجوہ ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں، اِذَا ظرف محض کے لئے

ہے یعنی اس میں شرط کے معنی نہیں ہیں اور اس کا عامل لَیْسَ ہے، اس کے معنی نفی پر متضمن ہونے کی وجہ سے گویا کہ کہا گیا ہے اِنْتَفَی التکذیبُ وقتَ وُقُوعِهَا یا شرطیہ ہے اس کا جواب محذوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اِذَا وَقَعَتِ الواقِعَة کان کَیْتَ و کَیْتَ اور یہی اس میں عامل ہے۔

قَوْلُہٗ: لَیْسَ لِوَقْعَتِهَا لام، بمعنی فی ہے، مضاف محذوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے لَیْسَ نَفْسٌ کَاذِبَة تُوْجَدُ فِی وَقْتِ وُقُوْعِهَا، کَاذِبَۃٌ کا موصوف نفسٌ محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: خافِضَۃٌ رافِعَۃٌ، هِیَ مبتداء محذوف کی خبر ہے جیسا کہ مفسر علام نے هِیَ کا اضافہ کرکے اشارہ کردیا ہے مُظْهِرَۃٌ کے لفظ سے اشارہ کردیا کہ خفض و رفع تو علم ازلی کے اعتبار سے مقدر ہو چکا ہے قیامت اس کو ظاہر کردے گی۔

قَوْلُہٗ: اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ یا تو اول اِذَا سے بدل ہے جیسا کہ مفسر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا مختار ہے یا پھر ثانی اِذَا اولی کی تاکید ہے یا پھر شرطیہ ہے اور اس کا عامل مقدر ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد والا فعل (رُجَّتْ) عامل ہو۔

قَوْلُہٗ: فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَۃِ مَا اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَۃِ، اَصْحٰبُ المیمنة مبتداء اول اور ما استفہامیہ مبتداء ثانی اَصْحٰبُ المیمنة جملہ ہو کر مبتداء ثانی کی خبر، مبتداء ثانی اپنی خبر سے مل کر مبتداء اول کی خبر۔

سُوَال: خبر جب جملہ ہوتی ہے تو اس میں عائد ہونا ضروری ہوتا ہے یہاں عائد نہیں ہے۔

جَوَاب: اسم ظاہر قائم مقام ضمیر کے ہے، لہٰذا عائد کی ضرورت نہیں بعد والے جملہ کی بھی یہی ترکیب ہوگی، ما اگرچہ شیٔ کی حقیقت سے سوال کے لئے آتا ہے مگر کبھی اس کے ذریعہ صفت اور حالت کا سوال بھی مطلوب ہوتا ہے جیسا کہ تو کہے مَا زیدٌ فیقال عالم اور طبیبٌ. (روح المعانی)

قَوْلُہٗ: ثُلَّۃٌ ضمہ کے ساتھ انسانوں کی بڑی جماعت اور فتحہ کے ساتھ بکریوں کا ریوڑ۔

قَوْلُہٗ: مَوْضُوْنَۃ، اَلوضنُ بمعنی نَضْنُ الدِّرْعِ زرہ بنانا، یہاں مطلق بُننے کے معنی میں ہے۔

قَوْلُہٗ: عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَۃٍ یہ ثُلَّۃٌ مِنَ الْاَوَّلِیْنَ مستقرین کے متعلق ہو کر مبتداء کی خبر ہے اور مُتَّکِئِیْنَ عَلَیْهَا مُتَقٰبِلِیْنَ یہ دونوں مستقرین کی ضمیر سے حال ہیں۔

قَوْلُہٗ: یطوفُ عَلَیْهِم یہ جملہ مستانفہ ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ مُقَرَّبُوْنَ سے حال ہو المعنٰی یَدُوْرُ حولَهُمْ لِلْخِدْمَةِ غِلْمَانٌ لا یَهْرَمُوْنَ وَلَا یَتَغَیَّرُوْنَ.

قَوْلُہٗ: لَا یَهْرَمُوْنَ یہ مخلدون کی تفسیر ہے۔

قَوْلُہٗ: اَبَارِیْقُ، اِبریق کی جمع ہے آفتابہ (لوٹا) یہ بَرْقٌ سے مشتق ہے، آفتابے چونکہ بہت زیادہ چمکدار ہوں گے اس لئے اس کو ابریق کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: حُوْرٌ عِیْنٌ مبتداء ہے اس کی خبر محذوف ہے، جس کی طرف مفسر علام نے اپنے قول لَهُمْ للاستمتاع سے اشارہ کردیا ہے۔

قِوْلَہٗ: مخضودٌ، خَضَدَ الشجرَ خَضْدًا سے ماخوذ ہے (ض) کانٹے توڑنا۔

قِوْلَہٗ: بِثَمَنٍ اگر مفسر علام شي فرماتے تو زیادہ بہتر ہوتا، اس لئے کہ صرف ثمن اور قیمت ہی کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی بھی وجہ سے جنتیوں کو منع نہیں کیا جائے گا۔

تفسیر و تشریح

ربط:

سورۂ رحمٰن اور اس سورت کے مضمون میں یکسانیت ہے اس لئے کہ دونوں سورتوں میں قیامت، دوزخ اور جنت کے حالات واوصاف بیان کئے گئے ہیں، اور بحر میں کہا ہے کہ دونوں میں مناسبت یہ ہے کہ دونوں سورتوں میں مجرمین کی سزا اور مطیعین کی جزاء کا ذکر ہے۔

سورۂ واقعہ کی خصوصی فضیلت:

الشعب میں ابن مسعود سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ الْوَاقِعَةِ كُلَّ لَيْلَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ جو شخص روزانہ رات کو سورۂ واقعہ تلاوت کرے گا اس کو فاقہ کی نوبت نہیں آئے گی، اور ابن عساکر نے ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مرفوعاً اسی کے مثل روایت کیا ہے اور ابن مردویہ نے حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے سورةُ الواقعةِ سورة الغِنٰی فاقرء وھا وعَلِّمُوھا اَوْلَادَكُمْ سورۂ واقعہ سورۂ غنا ہے تم اسے پڑھا کرو اور اپنے بچوں کو سکھاؤ۔ (روح المعانی)

عبداللہ بن مسعود کے مرض الوفات کا سبق آموز واقعہ:

ابن کثیر نے بحوالہ ابن عساکر ابوظبیہ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے مرض وفات میں حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عیادت کے لئے تشریف لے گئے، حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے پوچھا مَا تَشْتَكِي آپ کو کیا تکلیف ہے) تو فرمایا ذُنُوبِيْ (اپنے گناہوں کی تکلیف ہے) پھر پوچھا مَا تَشْتَهِيْ آپ کی کیا خواہش ہے تو فرمایا رَحْمَةَ رَبِّيْ یعنی اپنے رب کی رحمت چاہتا ہوں، پھر حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا، میں آپ کے لئے کسی طبیب کو بلاتا ہوں تو فرمایا الطَّبِيْبُ اَمْرَضَنِيْ (مجھے طبیب ہی نے بیمار کیا ہے) پھر حضرت عثمان نے فرمایا کہ میں آپ کے لئے بیت المال سے کوئی عطیہ بھیج دوں، تو فرمایا لَا حَاجَةَ لِيْ فِيْهَا (مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں) حضرت عثمان نے فرمایا کہ عطیہ لے لیجئے، وہ آپ کے بعد آپ کی لڑکیوں کے کام آئے گا، تو فرمایا کیا آپ کو میری لڑکیوں کے بارے میں یہ

فکر ہے کہ وہ فقر و فاقہ میں مبتلا ہو جائیں گی، مگر مجھے یہ فکر اس لئے نہیں کہ میں نے اپنی لڑکیوں کو تاکید کر رکھی ہے کہ ہر رات سورۂ واقعہ پڑھا کریں، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ الْوَاقِعَةِ كُلَّ لَيْلَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ اَبَدًا (ابن کثیر، معارف) (ترجمہ) جو شخص ہر رات سورۂ واقعہ پڑھے گا وہ کبھی فاقہ میں مبتلا نہ ہوگا۔

لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ اس آیت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ① اول یہ ہے کہ دنیا میں تو وقوع قیامت کی تکذیب کرنے والے بے شمار لوگ ہیں مگر جب قیامت برپا ہوگی اور روز روشن کی طرح سامنے آکھڑی ہوگی تو کوئی متنفس یہ کہنے والا نہ ہوگا کہ یہ واقعہ پیش نہیں آیا ہے، مفسر علام نے بھی اسی مطلب کو اختیار کیا ہے ② دوسرا یہ کہ اس کے وقوع کا ٹل جانا ممکن نہ ہوگا اور خدا کے سوا اس کو کوئی ٹال بھی نہیں سکتا مگر وہ ٹالے گا نہیں۔

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ وہ سب کو الٹ پلٹ اور تہ و بالا کر کے رکھ دے گی اور دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اٹھانے والی اور گرانے والی ہوگی، مطلب یہ کہ دنیا میں جو بلند مرتبہ اور عالی مقام سمجھے جاتے ہیں وہ قیامت کے روز ذلیل و خوار ہوں گے، اور دنیا میں جو لوگ حقیر اور بے حیثیت سمجھے جاتے ہیں وہ عالی مقام اور سرخ رو ہوں گے یعنی قیامت کے روز عزت و ذلت کا فیصلہ ایک دوسری بنیاد پر ہوگا جو دنیا میں بڑی عزت والے بنے پھرتے ہیں وہ ذلیل ہو جائیں گے اور جو ذلیل سمجھے جاتے ہیں وہ عزت پائیں گے۔

میدان حشر میں حاضرین کی تین قسمیں ہوں گی:

ایک جماعت تو وہ ہوگی جن کے اعمال نامے ان کے داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے یہ اصحاب الیمین ہوں گے اور یہ عرش کے دائیں جانب ہوں گے یہ سب لوگ جنتی ہوں گے، اور ایک جماعت وہ ہوگی جن کے اعمال نامے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے، یہ اصحاب الشمال ہوں گے، اور ان کا مقام عرش کے بائیں جانب ہوگا، اور یہ سب لوگ جہنمی ہوں گے، تیسری جماعت ایک اور ہوگی یہ سابقین و مقربین کی ہوگی، اور ان لوگوں کا مقام عرش کے سامنے خصوصی امتیاز اور قرب کے مقام میں ہوگا۔ (ابن کثیر ملخصًا)

سابق سے قیامت کے احوال اور اہوال کا ذکر چل رہا ہے اسی سلسلہ میں فرمایا گیا کہ زمین کو زلزلے کے شدید جھٹکے سے دوچار کر دیا جائے گا، اور یہ جھٹکا مقامی یا علاقائی نہ ہوگا بلکہ عالمی ہوگا، اس جھٹکے کے نتیجے میں پہاڑ جیسی مضبوط اور پائیدار مخلوق ریزہ ریزہ ہو کر ریگ رواں اور پراگندہ غبار ہو جائے گی۔

وَكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً، كُنْتُمْ کا خطاب اگرچہ بظاہر ان لوگوں سے ہے جن کو یہ کلام سنایا جا رہا ہے یا اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو اس کو پڑھ اور سن رہے ہیں، مگر مراد اس سے تمام مکلفین ہیں خواہ جن ہوں یا انس، جو روز آفرینش سے قیامت تک پیدا ہوئے ہیں، یہ سب کے سب تین گروہوں میں تقسیم کر دیئے جائیں گے۔

فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ الخ اس جگہ میمنة کا لفظ استعمال ہوا ہے، مَیْمَنة یمین سے بھی ہو سکتا ہے جس کے معنی

داہنے ہاتھ کے ہیں اور یمن سے بھی ہوسکتا ہے جس کے معنی نیک فال کے اور نیک شگون کے ہیں، اگر اس کو یمین سے مشتق مانا جائے تو اصحاب المیمنة کے معنی ہوں گے، داہنے ہاتھ والے اس کا ایک مطلب تو وہ ہے جو ظاہر ہے کہ اصحاب الیمین سے وہ لوگ مراد ہیں جن کا اعمالنامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا، یا خوش نصیب اور سعید لوگ مراد ہوں گے، اور دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اصحاب الیمین سے مراد عالی مرتبہ لوگ ہوں، اہل عرب سیدھے ہاتھ کو قوت اور عزت کا نشان سمجھتے تھے، جس کا احترام مقصود ہوتا تھا اس کو مجلس میں داہنے ہاتھ کی طرف بٹھاتے تھے، اگر عرب کسی کے متعلق عزت واحترام کا کلمہ کہنا چاہتے تو کہتے فُلانٌ منّی بالیمین.

وَاَصْحٰبُ المشئمةِ اس آیت میں لفظ المشئمة استعمال ہوا ہے مشئمة، شُوْمٌ سے ہے جس کے معنی بدبختی نحوست اور بدفالی کے ہیں اور عربی زبان میں بائیں ہاتھ کو شومیٰ بولا جاتا ہے، شومی قسمت اسی سے ماخوذ ہے پس اصحاب المشئمة سے مراد بدبخت لوگ ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے یہاں ذلت سے دوچار ہوں گے اور دربار الٰہی میں بائیں طرف کھڑے ہوں گے۔

وَالسّٰـبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ امام احمد نے حضرت صدیقہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے سوال کیا کہ تم جانتے ہو کہ قیامت کے روز ظل اللہ کی طرف سبقت کرنے والے کون لوگ ہوں گے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا، اللّٰـه ورسوله اعلم.

آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو حق کی طرف دعوت دیجائے تو اس کو قبول کرلیں، اور جب ان سے حق مانگا جائے تو ادا کردیں، اور لوگوں کے معاملات میں وہ فیصلہ کریں جو اپنے حق میں کرتے ہیں۔

مجاہد رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ نے فرمایا سابقین سے مراد انبیاء ہیں، ابن سیرین نے فرمایا کہ جن لوگوں نے دو قبلوں یعنی بیت المقدس اور بیت اللہ کی طرف نماز پڑھی ہے وہ سابقین میں ہیں، اور حضرت حسن رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ نے فرمایا کہ ہر امت میں سابقین ہوں گے ابن کثیر نے ان تمام اقوال کو نقل کرنے کے بعد فرمایا یہ سب اقوال اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں ان میں کوئی اختلاف وتضاد نہیں ہے، کیونکہ سابقین سے وہی لوگ مراد ہیں جنہوں نے دنیا میں نیک اعمال کی طرف سبقت کی ہو، اور دوسروں سے آگے نکل گئے ہوں، خواہ جہاد کا معاملہ ہو یا انفاق فی سبیل اللہ کا، یا خدمت خلق کا معاملہ ہو یا دعوت الی الحق کا، غرض دنیا میں خیر پھیلانے اور برائی مٹانے کے لئے ایثار و قربانی اور محنت و جانفشانی میں پیش پیش رہے ہوں، اسی وجہ سے آخرت میں بھی یہی لوگ سب سے آگے ہوں گے، گویا وہاں اللہ کے دربار کا نقشہ یہ ہوگا کہ دائیں طرف صالحین اور بائیں جانب فاسقین، اور سب سے آگے بارگاہِ خداوندی کے قریب سابقین ہوں گے، جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ کی حدیث سے ظاہر ہے۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْآخِرِیْنَ، ثُلَّةٌ ثاء کے ضمہ کے ساتھ، جماعت کو کہتے ہیں، زمخشری نے کہا ہے کہ بڑی جماعت کو کہتے ہیں (روح المعانی) یہاں اولین وآخرین سے کیا مراد ہے؟ اولین وآخرین کے مصداق کی تعیین میں مفسرین کا اختلاف ہے، ایک جماعت کا خیال ہے کہ آدم عَلَيْهِ السَّلَامُ کے وقت سے نبی ﷺ کی بعثت تک جتنی امتیں گذری ہیں وہ اولین ہیں، اور آپ کی بعثت کے بعد سے قیامت تک کے لوگ آخرین ہیں، اس اعتبار سے آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ بعثت محمدی سے

پہلے ہزار ہا برس کے دوران جتنے انسان گذرے ہیں ان کے سابقین کی تعداد زیادہ ہوگی اور آپ کی بعثت کے بعد سے قیامت تک آنے والے انسانوں میں جو لوگ سابقین کا مرتبہ پائیں گے ان کی تعداد کم ہوگی۔

دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ یہاں اولین و آخرین سے آپ ﷺ کی امت کے اولین و آخرین مراد ہیں، یعنی آپ ﷺ کے ابتدائی دور کے لوگ اولین ہیں جن میں سابقین کی تعداد زیادہ ہوگی، اور بعد کے لوگ آخرین ہیں جن میں سابقین کی تعداد کم ہوگی۔

تیسری جماعت کہتی ہے کہ اس سے ہر نبی کی امت کے اولین و آخرین مراد ہیں یعنی ہر نبی کے ابتدائی پیروؤں میں سابقین زیادہ ہوں گے اور بعد کے آنے والے لوگوں میں کم ہوں گے، آیت کے الفاظ ان تینوں مفہوموں کے حامل ہیں اور بعید نہیں کہ یہ تینوں ہی صحیح ہوں کیونکہ ان تینوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ اس سے مراد ایسے لڑکے ہیں جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے، ان کی عمر ہمیشہ ایک ہی حالت پر رہے گی، ان جنتی غلمانوں کے متعلق راجح تحقیق یہ ہے کہ وہ حوروں کی طرح جنت ہی میں پیدا ہوئے ہوں گے، اور یہ سب اہل جنت کے خادم ہوں گے، حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ یہ اہل دنیا کے وہ بچے ہوں گے جو بالغ ہونے سے پہلے فوت ہو گئے ہوں گے، چونکہ ان کی نیکی بدی کچھ نہ ہوگی جس کی وجہ سے وہ نہ جزاء کے مستحق ہوں گے اور اور نہ سزا کے، خیال رہے کہ اہل دنیا سے وہی لوگ مراد ہیں جن کو جنت نصیب نہ ہوئی ہو، ورنہ تو مومنین صالحین کے بچوں کے بارے میں خود قرآن نے شہادت دی ہے کہ وہ اپنے آباء کے ساتھ جنت میں ہوں گے اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (الآية) سورۂ طور آیت ۲۱۔ (مظہری، معارف ملخصًا)

اِنَّا اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَاءً، انشاء کے معنی پیدا کرنے کے ہیں، آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے جنت کی عورتوں کی تخلیق ایک خاص انداز سے کی ہے یہ خاص انداز حوران جنت کے لئے تو اس طرح ہے کہ وہ جنت ہی میں بغیر واسطہ ولادت کے پیدا کی گئی ہیں اور دنیا کی عورتیں جو جنت میں جائیں گی ان کی خاص تخلیق سے مطلب یہ ہوگا کہ جو دنیا میں بدشکل سیاہ رنگ یا بوڑھی تھی اب اس کو حسین شکل وصورت میں جوان رعنا کر دیا جائے گا، جیسا کہ ترمذی اور بیہقی میں حضرت انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اِنَّا اَنْشَاْنٰهُنَّ کی تفسیر میں فرمایا کہ جو عورتیں دنیا میں بوڑھی چندھی سفید بال بدشکل تھیں انھیں یہ نئی تخلیق حسین اور نوجوان بنا دے گی، اور بیہقی نے حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے روایت کیا ہے کہ ایک روز آپ ﷺ گھر میں تشریف لائے میرے پاس ایک بڑھیا بیٹھی ہوئی تھیں، آپ نے دریافت فرمایا یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میری رشتہ کی خالہ ہے، آنحضرت نے بطور مزاح فرمایا لَاتَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَجُوْزٌ یعنی جنت میں کوئی بڑھیا نہیں جائے گی، یہ بیچاری بہت غمگین ہوئیں، بعض روایات میں ہے کہ رونے لگیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو تسلی دی اور اپنی بات کی حقیقت بیان فرمائی، کہ جس وقت یہ جنت میں جائیں گی تو بوڑھی نہ ہوں گی بلکہ جوان ہو کر داخل ہوں گی اور یہی آیت تلاوت فرمائی۔

(مظہری، معارف)

وهم ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٣٩﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿٤٠﴾ وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿٤١﴾ فِىْ سَمُوْمٍ ريح حارّة مِن النّار تنفُذُ في المسامِ وَّحَمِيْمٍ ﴿٤٢﴾ ماءٍ شديدِ الحرارةِ وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ﴿٤٣﴾ دُخان شديد السَّوادِ لَّا بَارِدٍ كغيره مِن الظِلال وَّلَا كَرِيْمٍ ﴿٤٤﴾ حسَن المنظرِ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ في الدُّنيا مُتْرَفِيْنَ ﴿٤٥﴾ مُنعَمِينَ لا يَتعَبُونَ في الطاعةِ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الذنب الْعَظِيْمِ ﴿٤٦﴾ اي الشِرك وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿٤٧﴾ في الهمزتَين في الموضعَين التحقيقُ وتسهيلُ الثانيةِ وادخالُ ألِفٍ بينهما على الوجهَين اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿٤٨﴾ بفتح الواو للعطفِ والهمزةِ للاستفهام وهو في ذلك وفيما قبله للإستبعادِ وفي قِراءةٍ بسُكون الواو عطفًا بأوْ والمعطوفُ عليه محَلُّ إنَّ واسمها قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿٤٩﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ لِوَقتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٥٠﴾ اي يوم القيمة ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿٥١﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿٥٢﴾ بيانٌ للشجر فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا من الشجرِ الْبُطُوْنَ ﴿٥٣﴾ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ اي الزَّقُّومِ المأكول مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿٥٤﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ بفتح الشِين وضمِّها مَصدَرٌ الْهِيْمِ ﴿٥٥﴾ الابلِ العِطَاشِ جمعُ هَيمَان لِلذكَرِ وهَيمى لِلانثى كعَطشَان وعَطشى هٰذَا نُزُلُهُمْ ما أُعِدَّلهم يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿٥٦﴾ يومَ القيمةِ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ اوجدناكم عَن عدمٍ فَلَوْلَا هَلَّا تُصَدِّقُوْنَ ﴿٥٧﴾ بالبعثِ إذ القادِرُ على الإنشاءِ قادرٌ على الإعادةِ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿٥٨﴾ تُرِيقُونَ المَنِيَّ في أرحامِ النِّساءِ ءَاَنْتُمْ بتحقيقِ الهمزتَين وإبدالِ الثانيةِ ألِفًا وتسهيلِها وادخال ألفٍ بَينَ المُسهَّلة والأخرى وتركه في المَواضعِ الأربعَةِ تَخْلُقُوْنَهٗ اي المَنِيَّ بشرًا اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿٥٩﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بالتشديدِ والتخفيفِ بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿٦٠﴾ بعاجزين عَلٰى عن اَنْ نُّبَدِّلَ نجعَل اَمْثَالَكُمْ مكانكم وَنُنْشِئَكُمْ نَخلُقكُم فِىْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦١﴾ من الصُورِ كالقِرَدةِ والخَنازِير وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى وفي قِراءةٍ بسُكون الشينِ فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٦٢﴾ فيه إدغامُ التاءِ الثانيةِ في الاصل في الذال اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿٦٣﴾ تُثيرونَ الارضَ وتُلقونَ البَذرَ فيها ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ تُنبِتُونه اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿٦٤﴾ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا نباتًا يابسًا لا حَبَّ فيه فَظَلْتُمْ أصلُه ظَلِلتُم بكسر اللام فحُذِفَت تخفيفًا اي اَقمتُم نهارًا تَفَكَّهُوْنَ ﴿٦٥﴾ حُذِفَ منه إحدى التائين في الاصل تَعجَّبُونَ مِن ذلك وتقولُونَ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿٦٦﴾ نفقة زرعِنا بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿٦٧﴾ ممنُوعُون رِزقَنا اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِىْ تَشْرَبُوْنَ ﴿٦٨﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ السحاب جمعُ مُزنَةٍ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿٦٩﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا مِلحًا لايمكِنُ شربُه فَلَوْلَا فهلاّ تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِىْ تُوْرُوْنَ ﴿٧١﴾ تُخرِجُونَ من الشجرِ الاخضرِ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ كالمَرخِ والعَفارِ والكَلخِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ ﴿٧٢﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً لنارِ جهنّم وَّمَتَاعًا بُلغةً لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿٧٣﴾ للمُسافرِينَ مِن اقوى القوم اي صارُوا بالقِوىٰ بالقصرِ والمدِّ اي القفرُ وهو مَفازةٌ لا نبات فيها ولا ماء فَسَبِّحْ نزِّهْ بِاسْمِ زائدٌ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٧٤﴾ اي اللّٰه.

ترجمہ: ایک بڑی جماعت اولین میں سے ہوگی اور ایک بڑی جماعت آخرین میں سے ہوگی اور اصحاب الشمال یا ہی بُرے ہیں یعنی بائیں ہاتھ والے یہ لوگ آگ کی گرم ہوا (لُــو) میں ہوں گے جو مسامات میں نفوذ کر جائے گی اور کھولتے ہوئے پانی میں ہوں گے جو نہایت ہی گرم ہوگا اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں ہوں گے یَحْمُوم وہ دھواں جو نہایت سیاہ ہو، جو نہ ٹھنڈا ہوگا، جیسا کہ دیگر سائے ٹھنڈے ہوتے ہیں اور نہ فرحت بخش یعنی خوش منظر یہ لوگ اس سے پہلے دنیا میں بڑی خوشحالی میں رہتے تھے طاعت کے لئے مشقت نہیں اٹھاتے تھے بڑے بھاری گناہ پر اصرار کرتے تھے یعنی شرک پر اور یوں کہا کرتے تھے کہ جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں رہ جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے؟ (اَوَ) واؤ مفتوح کے ساتھ عطف کے لئے ہے اور ہمزہ استفہام کے لئے ہے، اور یہ استفہام یہاں اور اس سے پہلے استبعاد کے لئے ہے اور ایک قراءت میں واؤ کے سکون کے ساتھ ہے عطف کے طور پر، اور معطوف علیہ اِنَّ اور اس کے اسم کا محل ہے آپ کہہ دیجئے اگلے پچھلے سب جمع کئے جائیں گے ایک معین وقت پر یعنی قیامت کے دن پھر تم کو اے گمراہو! جھٹلانے والو! تھوہڑ کے درخت سے کھانا ہوگا (مِن زَقُّوم) شجرٌ کا بیان ہے پھر اس سے پیٹ بھرنا ہوگا پھر اس پر یعنی زقوم کے کھانے کے بعد کھولتا ہوا پانی پینا ہوگا اور پھر پینا بھی پیاسے اونٹوں کے مانند شُرْبٌ شین کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ مصدر ہے اَلْهِيم پیاسے اونٹ کو کہتے ہیں، یہ هَيْمَانُ کی جمع ہے هَيْمٰی اس کی مؤنث ہے پیاسی اونٹنی، جیسے عطشان و عَطْشٰی (غرض یہ کہ) یہ ان کی ضیافت ہوگی جو ان کے لئے قیامت میں تیار کی گئی ہے ہم نے تم کو پیدا کیا یعنی عدم سے وجود میں لائے پھر تم کس لئے بعث بعد الموت کی (موت کے بعد زندہ ہونے کی) تصدیق نہیں کرتے؟ اس لئے کہ جو ذات ابتداء پیدا کرنے پر قادر ہے وہ اعادہ پر بھی قادر ہے کیا تم نے کبھی اس بات پر غور کیا کہ منی کا جو نطفہ تم عورتوں کے رحم میں پہنچاتے ہو کیا تم اس منی کو انسان بناتے ہو؟ (أَأَنْتُــمْ) میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کو الف سے بدل کر اور اس کی تسہیل کے ساتھ اور مسہلہ اور دوسرے ہمزہ کے درمیان الف داخل کرکے اور ترکِ ادخال کرکے چاروں جگہ پر اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کی موت کا وقت مقرر کیا ہے (قَدَّرْنَا) میں دال کی تشدید اور تخفیف کے ساتھ اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں، کہ ہم تمہاری جگہ تمہارے جیسے پیدا کردیں اور تمہاری ایسی صورت بنادیں کہ تم جانتے بھی نہیں ہو جیسا کہ بندر اور خنزیر اور تم کو اول پیدائش کا علم ہے اور ایک قراءت میں (نشأة) میں شین کے سکون کے ساتھ ہے پھر تم کیوں نہیں سمجھتے؟ (تَذَكَّرُوْنَ) میں تائے ثانیہ کا اصل میں ذال میں ادغام ہے کیا تم نے کبھی اس بات پر غور کیا؟ جو تم کاشت کرتے ہو (یعنی) زمین کو جوتتے ہو اور اس میں تخم ریزی کرتے ہو کیا اس کو تم اگاتے ہو؟ یا اس کو ہم اگاتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اس (پیداوار) کو چورہ چورہ کردیں یعنی خشک گھاس کردیں کہ اس میں ایک بھی دانہ نہ ہو تو تم دن بھر تعجب کرتے رہ جاؤ (ظَلْتُمْ) کی اصل ظَلِلْتُمْ لام کے کسرہ کے ساتھ ہے لام کو تخفیفاً حذف کردیا گیا ہے، یعنی تم دن بھر حیرت زدہ رہ جاؤ (تَفَكَّهُوْنَ) میں اصل میں ایک تاء حذف کردی گئی ہے یعنی تم اس سے تعجب میں رہ جاؤ اور کہنے لگو ہم پر تو کھیتی کی لاگت کا بھی تاوان پڑ گیا، بلکہ ہم تو

رزق سے بالکل ہی محروم رہ گئے یا تم نے کبھی اس پانی میں غور کیا؟ جس کو تم پیتے ہو کیا اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا ہم برساتے ہیں؟ (مُـزْنٌ) مُـزْنَةٌ کی جمع ہے بمعنی بادل اگر ہم چاہیں تو اس کو نمکین کر دیں کہ اس کا پینا ہی ممکن نہ رہے تو تم شکر کیوں نہیں کرتے؟ کیا تم نے کبھی اس آگ پر غور کیا جس کو تم روشن کرتے ہو؟ (یعنی) سبز درخت سے نکالتے ہو کیا تم نے اس درخت کو پیدا کیا؟ جیسا کہ مَرْخ، عِفَار اور کَلْخ یا ہم پیدا کرنے والے ہیں ہم نے اس کو یعنی ان درختوں کو نار جہنم کے لئے یاددہانی کی چیز اور مسافروں کے لئے کامل فائدہ کی چیز بنایا ہے (مُـقْـوِیْـنَ) اَقْوَی الْقَوْمُ سے ماخوذ ہے یعنی چٹیل میدان میں پہنچ گئے (اَلْقِوی) قاف کے کسرہ اور یاء کے مد کیساتھ یعنی قَفْر (چٹیل میدان) ایسا جنگل کہ جس میں آب و گیاہ کچھ نہ ہو سو اپنے عظیم الشان رب کی یعنی اللہ کی پاکی بیان کیجئے اسم کا لفظ زائد ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: هُمْ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ الخ یہ هُمْ مبتداء محذوف کی خبر ہے جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ کر دیا ہے۔

قَوْلُہٗ: سَمُوْمٌ، لُو، تیز بھاپ، وہ گرم ہوا جو زہر کے مانند اثر کرے، مؤنث سائی ہے (ج) سَمَائِمُ، سموم کو سموم اس لئے کہتے ہیں کہ وہ جسم کے مسامات میں داخل ہو جاتی ہے اسی سے السَّمّ بمعنی زہر ماخوذ ہے، اس لئے کہ زہر بھی مسامات میں داخل ہو کر ہلاک کر دیتا ہے۔

قَوْلُہٗ: اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِیْنَ یہ جملہ ماقبل کی علت ہونے کی وجہ سے تعلیلیہ ہے، یعنی اصحاب شمال مذکورہ عذاب کے مستحق اس لئے ہوں گے کہ وہ اپنی خوشحالی میں مگن اور مست ہونے کے ساتھ ساتھ شرک و کفر پر جو کہ سب سے بڑا گناہ ہے مصر تھے اور بعث بعد الموت کے منکر۔

قَوْلُہٗ: اِدْخَالُ الْفٍ بَیْنَهُمَا علی الْوَجْهَیْنِ مفسر علام کے لئے مناسب تھا کہ وَتَرْكِهٖ کا اضافہ فرماتے تاکہ چار قراءتیں ہو جاتیں، مفسر علام کی عبارت سے صرف دو قراءتیں مفہوم ہوتی ہیں۔

قَوْلُہٗ: والمعطوف علیه محل اِنَّ واسمها اِنَّ واسمها میں واؤ بمعنی مع ہے یعنی اٰبَاؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ کا عطف اِنَّ کے محل پر ہے مع اس کے اسم کے اسی وجہ سے آبَاؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ مرفوع ہے، یہ اس صورت میں ہے جبکہ معطوف کو اِنَّا کی خبر لَمَبْعُوْثُوْنَ پر مقدم مانا جائے، تقدیر عبارت یہ ہو اِنَّا وَاٰبَاؤُنَا لَمَبْعُوْثُوْنَ ورنہ تو عطف لَمَبْعُوْثُوْنَ کی ضمیر مرفوع مستتر پر ہوگا۔

سُوَال: ضمیر مرفوع مستتر متصل پر عطف کے لئے ضروری ہے کہ ضمیر مرفوع منفصل کے ذریعہ تاکید لائی جائے جو یہاں موجود نہیں ہے، تقدیر عبارت لَمَبْعُوْثُوْنَ نَحْنُ ہونی چاہئے۔

جَوَاب: ضمیر منفصل کے ذریعہ تاکید اس وقت ضروری ہے جب معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان فصل نہ ہو ورنہ تو ضروری نہیں ہے، یہاں اَوَ آبَاؤُنَا میں ہمزہ استفہام کا فصل موجود ہے۔

قَوْلُہٗ : لِوَقْتٍ ای فی وَقْتِ میقات بمعنی وقت ہے اور لام بمعنی فی ہے۔

سَوَال: لَمَجْمُوْعُوْنَ کا صلہ فی آتا ہے نہ کہ الی حالانکہ یہاں الی لایا گیا ہے۔

جَوَاب: لَمَجْمُوْعُوْنَ لَمَسُوْقُوْنَ کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے اس کا صلہ الی لایا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ : مَالِئُوْنَ مِنْهَا، مِنْهَا کی ضمیر شجر کی طرف لوٹ رہی ہے اسم جنس ہونے کی وجہ سے اس لئے کہ اسم جنس میں مذکر اور مؤنث دونوں کی گنجائش ہوتی ہے۔ (جمل)

قَوْلُہٗ : اَلْهِيْم شدید پیاسے اونٹ کو کہتے ہیں، هَيَامٌ مرض استسقاء جس میں پیاس زیادہ لگتی ہے پانی پینے سے سیرابی نہیں ہوتی ہے، اس مرض کو جلندھر بھی کہتے ہیں، مفسر علام کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ هیمٌ هَيْمَانٌ مذکر اور هَيْمىٰ مؤنث دونوں کی جمع ہے، مفسر علام کا هِيْمٌ کو هَيْمَان کی جمع لکھنا سبقت قلم ہے، درست یہ ہے کہ اَهْيَمْ کی جمع ہے، اس لئے کہ هِيْمٌ اصل میں هُيْمٌ تھا، ضمہ ہاء کے ساتھ ہے بروزن حُمْرٌ ہاء کے ضمہ کو یاء کی موافقت کے لئے کسرہ سے بدل دیا، اور فُعْلٌ اَفْعَلُ کی جمع ہے جیسے حُمْرٌ اَحْمَرُ کی جمع ہے۔

قَوْلُہٗ : لَوْنَشَاءُ جَعَلْنَاهُ اُجَاجًا.

سَوَال: لو کے جواب میں لام لانا ضروری ہوتا ہے لہٰذا لَجَعَلْنَاهُ ہونا چاہئے، لام تاکید کو کس مصلحت کے لئے حذف کیا گیا؟

جَوَاب: یہاں لام تاکید کی حاجت نہیں ہے اس لئے کہ بادلوں کی ملکیت اور ان کے پانی کو کھارا بنانا یہ کسی بشر کی قدرت میں نہیں ہے یہ کام تو مالک الکل اللہ رب العالمین ہی کا ہے، بخلاف کھیتی اور زمین کے، اس میں ملک کا شائبہ ہے اسی وجہ سے سابق میں لَوْنَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا میں لام تاکید لایا گیا ہے۔

تفسیر وتشریح

ثُلَّةٌ مِنَ الْاَوَّلِيْنَ وَثُلَّةٌ مِنَ الْآخِرِيْنَ، ثُلَّةٌ بڑی جماعت کو کہتے ہیں، اولین و آخرین کی تفسیر میں حضرات مفسرین کے دو قول اوپر سابقون کے بیان میں بیان ہو چکے ہیں، اگر اولین سے مراد حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے لے کر آپ ﷺ کی بعثت تک کے لوگ مراد ہوں اور آخرین سے آپ ﷺ کی امت تا قیامت مراد ہو جیسا کہ بعض مفسرین نے فرمایا ہے تو اس آیت کا حاصل یہ ہوگا کہ اصحاب الیمین یعنی مومنین متقین کی تعداد پچھلی امتوں کے مجموعہ میں ایک بڑی جماعت ہوگی، اور تنہا امت محمدیہ میں ایک بڑی جماعت ہوگی، اس صورت میں اول تو امت محمدیہ کی فضیلت کے لئے یہ بھی کچھ کم نہیں کہ پچھلے لاکھوں انبیاء علیہم السلام کی امتوں کی برابر یہ امت ہو جائے جس کا زمانہ بہت مختصر ہے، اس کے علاوہ لفظ ثلۃ میں اس کی بھی گنجائش ہے، یہ ثُلَّةٌ آخرین تعداد میں اولین سے بڑھ جائیں۔

اور اگر دوسری تفسیر مراد لی جائے کہ اولین و آخرین دونوں اسی امت کے مراد ہیں، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بغوی نے اور ابن مردویہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا هُمَا مِن

اُمَّتِـیْ یعنی یہ اولین وآخرین میری امت ہی کے دو طبقے ہیں، اس معنی کے لحاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ سابقین اولین صحابہ وتابعین وغیرہ جیسے حضرات سے بھی یہ امت آخر تک محروم نہ ہوگی اگرچہ آخری دور میں ایسے لوگ بہت کم ہوں گے، اور مومنین ومتقین اولیاء اللہ تو اس پوری امت کے اول وآخر میں بھاری تعداد میں رہیں گے، اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو صحیح بخاری ومسلم میں حضرت معاویہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی اور ہزاروں مخالفوں کے نرغے میں بھی وہ اپنا رشد وہدایت کا کام کرتی رہے گی، اس کو کسی کی مخالفت نقصان نہ پہنچا سکے گی، حتی کہ یہ جماعت تا قیام قیامت اپنے کام میں لگی رہے گی۔ (معارف القرآن)

نَحْنُ خَلَقْنٰکُمْ فَلَوْ لَا تُصَدِّقُوْنَ الخ شروع سورت سے یہاں تک محشر میں انسانوں کی تین قسموں کا ذکر تھا، مذکورۃ الصدر آیات میں ان گمراہ لوگوں کو تنبیہ ہے جو سرے سے قیامت قائم ہونے اور دوبارہ زندہ ہونے کے قائل نہیں اور اس کی توحید کے قائل ہونے کے بجائے مختلف مظاہر قدرت کو شریک ٹھہراتے ہیں۔

مذکورہ مختصر فقرے میں ایک بڑا اہم سوال انسان کے سامنے پیش کیا گیا ہے، دنیا کی تمام چیزوں کو چھوڑ کر انسان صرف اسی ایک بات پر غور کرے کہ وہ خود کس طرح پیدا ہوا ہے، تو اسے نہ قرآن کی تعلیم توحید میں کوئی شک رہ سکتا ہے نہ اس کی تعلیم آخرت میں، انسان آخر اسی طرح تو پیدا ہوتا ہے کہ مرد اپنا نطفہ عورت کے رحم تک پہنچا دیتا ہے مگر کیا اس نطفہ میں بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت خود بخود پیدا ہوگئی ہے؟ یا انسان نے خود پیدا کی ہے یا خدا کے سوا کسی اور نے پیدا کردی ہے؟ پھر استقرار حمل سے وضع حمل تک ماں کے پیٹ میں بچے کی درجہ بدرجہ تخلیق وپرورش اور ہر بچہ کی الگ الگ صورت گری اور ہر بچے کے اندر مختلف ذہنی صلاحیتوں اور جسمانی قوتوں کو ایک خاص تناسب کے ساتھ رکھنا جس سے وہ ایک خاص شخصیت کا انسان بن کر اٹھے کیا یہ سب کچھ ایک خدا کے سوا کسی اور کا کام ہے؟ اگر کوئی شخص ضد اور ہٹ دھرمی میں مبتلا نہ ہو تو وہ خود محسوس کرے گا کہ شرک یا دہریت کی بنیاد پر ان سوالات کا کوئی معقول جواب نہیں دیا جا سکتا۔

ظاہر بیں نظریں ظاہری اسباب میں الجھ کر رہ جاتی ہیں اور تخلیق کائنات کو ان ہی اسباب کی طرف منسوب کرنے لگتی ہیں، اصل قدرت اور حقیقی قوت فاعلہ جو ان اسباب ومسببات کو گردش دینے والی ہے اس کی طرف التفات نہیں کرتی۔

نحن قَدَّرْنَا بَیْنَکُمُ الموتَ ومَا نحن بِمَسْبُوْقِیْنَ یعنی جس طرح ہم انسانی زندگی کے خالق اور مالک ہیں اس میں ہمارا نہ کوئی شریک ہے اور نہ مددگار، اسی طرح ہم ہر متنفس کی موت کے بھی تنہا مالک ہیں اور ہر شخص کی موت کا وقت مقرر کر دیا ہے جس سے کوئی تجاوز نہیں کرسکتا چنانچہ کوئی رحم مادر میں تو کوئی بچپن میں تو کوئی جوانی میں تو کوئی بڑھاپے میں فوت ہوتا ہے۔

علی أن نُبَدِّلَ اَمْثَالَکم یعنی اگر ہم چاہیں تو تمہاری صورتیں مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنادیں اور تمہاری جگہ کوئی دوسری مخلوق پیدا کردیں۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰی یعنی تم یہ کیوں نہیں سمجھتے جس طرح اس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا جس کا تمہیں علم ہے وہ دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے۔

ءَ اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ پہلا سوال لوگوں کو اس حقیقت کی طرف توجہ دلا رہا تھا کہ تم از خود پیدا نہیں ہو گئے بلکہ اللہ کے ساختہ پرداختہ ہو، اور اسی کی تخلیق سے وجود میں آئے ہو، اب یہ دوسرا سوال ایک دوسری اہم حقیقت کی طرف توجہ دلا رہا ہے، کہ جس رزق پر تم پلتے ہو وہ بھی اللہ ہی تمہارے لئے پیدا کرتا ہے جس طرح تمہاری پیدائش میں انسانی کوشش کا دخل اس سے زائد کچھ نہیں کہ تمہارا باپ تمہاری ماں کے رحم میں نطفہ ڈال دے اسی طرح تمہارے رزق کی پیداوار میں بھی انسان کی کوشش کا دخل اس سے بڑھ کر کچھ نہیں کہ کسان زمین میں بیج ڈال دے، زمین جس میں کسان بیج ڈالتا ہے تمہاری بنائی ہوئی نہیں ہے اس کے اندر جو بیج تم ڈالتے ہو اس کو نشو و نما کے قابل تم نے نہیں بنایا، ان میں سے کوئی چیز بھی تمہاری تدبیر کا نتیجہ نہیں ہے یہ سب کچھ اللہ ہی کی قدرت اور اسی کی پروردگاری کا کرشمہ ہے، جب تم وجود میں اسی کے لانے سے آئے ہو اور اسی کے پیدا کردہ رزق سے پل رہے ہو تو تم کو اس کے مقابلہ میں خود مختاری کا یا اس کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے کا حق آخر کیسے پہنچتا ہے؟

اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ تمہاری بھوک مٹانے کا ہی نہیں تمہاری پیاس بجھانے کا انتظام بھی ہمارا ہی کیا ہوا ہے، یہ پانی جو تمہاری زندگی کے لئے روٹی سے بھی زیادہ ضروری ہے تمہارا اپنا فراہم کیا ہوا نہیں ہے بلکہ اسے ہم نے فراہم کیا ہے۔

نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِیْنَ مقوین اقواء سے مشتق ہے اور وہ قواء بمعنی صحرا سے مشتق ہے مقوی کے معنی ہوئے صحرا میں فروکش ہونے والا، مراد اس سے وہ مسافر ہے جو جنگل میں کہیں ٹھہر کر اپنے کھانے کے انتظام میں لگا ہو مراد آیت کی یہ ہے کہ سب تخلیقات ہماری ہی قدرت و حکمت کا نتیجہ ہیں۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ اس کا لازمی اور عقلی نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ انسان حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور توحید پر ایمان لائے اور اپنے رب عظیم کی تسبیح پڑھا کرے کہ یہی اس کی نعمتوں کا شکر ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ لا زائدۃ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ بمساقطها لغروبها وَاِنَّهٗ ای القسم بها لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾ ای لو كنتم من ذوی العلم لعلمتم عظم هذا القسم اِنَّهٗ ای المتلو علیکم لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾ فِیْ كِتٰبٍ مکتوب مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ مصون وهو المصحف لَّا يَمَسُّهٗٓ خبر بمعنى النهي اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾ ای الذین طهروا انفسهم من الاحداث تَنْزِيْلٌ منزل مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ القرآن اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾ متهاونون مكذبون وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ من المطر ای شكره اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾ بسقيا الله حيث قلتم مطرنا بنوء كذا فَلَوْلَآ فهلا اِذَا بَلَغَتِ الروح وقت النزع الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وهو مجرى الطعام وَاَنْتُمْ يا حاضری الميت حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ اليه وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ بالعلم وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ من البصيرة ای لا تعلمون ذلك فَلَوْلَآ فهلا اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ مجزيين بان تبعثوا ای غير مبعوثين بزعمكم تَرْجِعُوْنَهَآ تردون الروح الى الجسد بعد بلوغ الحلقوم اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾

فیما زعمتم فلو لا الثانیة تاکید للاولی واذا ظرف لِترجعُوْنَ المُتعلِّق به الشرطان والمعنی ھلّا ترجعُونھا ان نفیتم البعث صدقین فی نفیه ای لِینتفی عن محلّها الموت فَاَمَّآ اِنْ كَانَ الميتُ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٨٨﴾ فَرَوْحٌ ای فله استراحة وَّرَيْحَانٌ ۙ رزق حسن وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿٨٩﴾ وھل الجواب لِاَمَّا اولِاِن اَولھُما اقوال وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩٠﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ ای له السلامة من العذاب مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩١﴾ من جهة انه منھم وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٩٢﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿٩٣﴾ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿٩٤﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿٩٥﴾ من اضافة الموصوف الی صفته فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٩٦﴾ تقدم۔

ترجمہ: سو میں قسم کھاتا ہوں غروب ہونے کے لئے چھپنے والے ستاروں کی اگر تم سمجھو تو یہ یعنی ان کی قسم ایک بڑی قسم ہے یعنی اگر تم اہل علم میں سے ہو تو اس قسم کی عظمت کو جان لوگے یہ یعنی جو تم کو سنایا جا رہا ہے مکرم قرآن ہے جو ایک محفوظ کتاب میں ہے اور وہ مصحف ہے اس کو پاک (لوگ) ہی چھوتے ہیں (لا یمسّہ) نہی بمعنی خبر ہے یعنی وہ جنہوں نے خود کو احداث سے پاک کر لیا رب العالمین کی جانب سے نازل کردہ ہے تو کیا اس کلام یعنی قرآن کو سرسری کلام سمجھتے ہو اہمیت نہیں دیتے ہو تکذیب کرتے ہو کیا تم نے اس کی تکذیب ہی کو غذا (دھندا) بنالیا ہے؟ اور تم بارش کے ذریعہ اس کے رزق کے شکر کے بجائے ناشکری کرتے ہو یعنی اللہ کی سیرابی کی **مطرنا بنوءِ کذا** کہہ کر ناشکری کرتے ہو (یعنی فلاں ستارے کے طلوع یا غروب کی وجہ سے بارش ہوئی ہے) پس جب روح نزع کے وقت نرخرے تک پہنچ جائے اور وہ کھانے کی نلی ہے، اور اے میت کے پاس حاضر لوگو! تم اس مرنے والے کو دیکھ رہے ہو اور ہم مرنے والے سے تمہاری بہ نسبت علم کے اعتبار سے زیادہ قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھ نہیں سکتے (تبصرون) بصیرت سے ماخوذ ہے، یعنی تم کو ہماری موجودگی کا علم نہیں ہوتا، پس اگر تم کو زندہ کر کے تمہارا احساب کتاب ہونے والا نہیں ہے یعنی تمہارے اعتقاد کے مطابق تم کو زندہ کیا جانے والا نہیں ہے تو کس لئے تم روح کو حلق میں پہنچنے کے بعد جسم کی طرف نہیں لوٹا لیتے اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو ثانی لولا پہلے لولا کی تاکید ہے، اور اذا بَلَغَتْ میں اِذَا، ترجعون کا ظرف ہے، اور ترجعون سے دو شرطیں متعلق ہیں یعنی اگر بعث کی نفی میں تم سچے ہو تو اس کو کیوں نہیں لوٹا لیتے ہو، تاکہ موت نفس کے محل سے منتفی ہو جائے پس اگر میت مقربین میں سے ہے تو اس کے لئے راحت ہے اور رزق حسن ہے اور آرام والی جنت ہے (فروحٌ) یا تو اَمّا کا جواب ہے یا اِنْ کا یا دونوں کا (اس میں) تین قول ہیں اور جو شخص اصحاب الیمین میں سے ہے تو تیرے لئے یعنی **اصحاب الیمین** کے لئے عذاب سے سلامتی ہے اس وجہ سے کہ وہ **اصحاب الیمین** میں سے ہے لیکن اگر کوئی جھٹلانے والوں گمراہوں میں سے ہو تو کھولتے ہوئے گرم پانی کی ضیافت ہے اور دوزخ میں جانا ہے یہ خبر سراسر حق قطعاً یقینی ہے، موصوف کی اپنی صفت کی طرف اضافت کے قبیل سے ہے، پس تو اپنے عظیم الشان رب کی تسبیح بیان کر جیسا کہ سابق میں گذر چکا ہے۔

(تحقیق وترکیب)

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُوْمِ، لَا جمہور مفسرین کے نزدیک تاکید کے لئے زائدہ ہے معنی میں فَاُقْسِمُ کے ہے، جیسے لَا وَاللّٰہِ اور بعض حضرات نے یہ توجیہ کی ہے کہ لَا مخاطب کے گمان کی نفی کرنے کے لئے اور منفی محذوف ہے اور وہ کفار کا کلام ہے اور یہ لیس کما تقول کے معنی میں ہے، فرّاء نے کہا ہے کہ یہ لا نفی کے لئے ہے اور لَیْسَ الْاَمْرُ کَمَا تَقُوْلُوْنَ کے معنی میں ہے بعض حضرات نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ (فتح القدیر شوکانی)

قولہ: مَوَاقِع، موقعٌ کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں ستاروں کے غروب ہونے کی جگہ یا وقت، بعض حضرات نے مَوَاقِع سے مراد نجوم کی منزلیں اور بعض نے نزولِ قرآن مراد لیا ہے، اس لئے کہ قرآن کریم بھی بتدریج آپ پر نازل ہوا ہے۔

قولہ: وَاِنَّہٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تعلمونَ عظیمٌ، لَا اُقْسِمُ قسم ہے اور لقرآنٌ کریمٌ جواب قسم ہے اور اِنَّہٗ لقسمٌ لو تعلمونَ عظیمٌ، قسم اور جواب قسم کے درمیان جملہ معترضہ ہے، اور جملہ معترضہ میں بھی موصوف وصفت کے درمیان جملہ معترضہ اور وہ لو تَعْلَمُوْنَ ہے۔

قولہ: لَعَلِمْتُمْ عظمَ ھٰذا القسم اس کے اضافہ سے مفسر علام نے جواب لو کے حذف کی طرف اشارہ کردیا۔

قولہ: وَھُوَ المصحَفُ بعض حضرات نے کتاب مکنون سے لوح محفوظ مراد لی ہے، اس صورت میں لا یمسُّہٗ کے معنی ہوں گے لا یطّلِعُ علیہِ اِلَّا الملائکۃ المُطَھَّرُوْنَ اس صورت میں یہ آیت بغیر طہارت قرآن کو چھونے کے عدم جواز کی دلیل نہ ہوگی۔

قولہ: خبرٌ بمعنی النھي اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: قرآن میں کہا گیا ہے لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ یہ خلاف واقعہ ہے اس لئے کہ بہت سے لوگ قرآن بغیر طہارت کے چھوتے ہیں، اور قرآن خلاف واقعہ کی خبر نہیں دے سکتا۔

جَوَاب: خبر بمعنی نہی ہے۔

قولہ: مُنَزَّلٌ اس سے اشارہ کردیا کہ تَنْزِیْلٌ مصدر بمعنی مُنَزَّلٌ اسم مفعول ہے۔

قولہ: اَفَبِھٰذَا الحدیث میں استفہام توبیخی ہے یعنی تمہارے لئے یہ مناسب نہیں ہے۔

قولہ: مُدْھِنُوْنَ یہ اِدْھَانٌ سے ہے اِدْھَان اور تدھین کے معنی ہیں کسی چیز پر تیل لگا کر چکنا اور نرم کرنا، مُداھنت فی الدین اسی سے ہے دین میں مداہنت اختیار کرنا اور اس کے لازم معنی نفاق کے بھی ہیں، جس چیز پر تیل وغیرہ لگا کر نرم اور چکنا کیا جاتا ہے اس کا باطن ظاہر کے خلاف ہوتا ہے اوپر سے نرم اور چکنی معلوم ہوتی ہے حالانکہ اندر اس کے عکس ہوتا ہے نفاق میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے، یہاں مراد مطلقاً کفر ہے اور قرآن کو سرسری، معمولی سمجھنا اور حیثیت نہ دینا بھی اِدھان کا مصداق ہے۔

قولہ: مِنَ المطر اس میں اشارہ ہے کہ رزق سے مراد سبب رزق ہے اور اَیْ شکرہٗ سے اشارہ کردیا کہ عبارت حذف

مضاف کے ساتھ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے، تَكْفُرُوْنَ شُكْرَ الْمَطَر یعنی خدا کی نعمتوں کی ناشکری کرنا تم نے اپنا مشغلہ اور اپنی غذا بنالیا ہے، حتی کہ خدا داد بارش کو بعض ستاروں کے طلوع وغروب کی طرف منسوب کرتے ہو۔

قِوْلَهُ: بِسُقْيَا اللّٰهِ یہ مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے اصل میں سَقَى اللّٰهُ ہے۔

قِوْلَهُ: اِذَا ظرف لِتَرْجِعُوْنَ، اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوم، تَرْجِعُوْنَ کا ظرف مقدم ہے تَرْجِعُوْنَ سے دو شرطیں متعلق ہیں اور وہ اِنْ كُنتم غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ اور ان كنتم صَادِقِيْنَ ہیں، متعلق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دونوں کی جزاء ہیں۔

فَائِدَة: کلام میں قلب ہے معنی یہ ہیں هَلَّا ترجِعُونَهَا اِنْ نَفَيْتُمُ الْبَعْثَ صَادِقِيْن فِى نفيِهٖ.

قِوْلَهُ: فَلَهٗ رَوْحٌ اس میں اشارہ ہے کہ رَوْحٌ مبتداء ہے اور فَلَهٗ خبر مقدم ہے۔

قِوْلَهُ: هل الجواب لأمّا او لِاِنْ اولَهُما، فَرَوْحٌ الخ جواب ہے، اس میں تین قول ہیں ① اَمّا کا جواب ② اِنْ کا جواب ③ دونوں کا جواب ہو، راجح یہ ہے کہ فَرَوْحٌ و رَيْحان الخ، اَمّا کا جواب ہے اور اِنْ کا جواب محذوف ہے اس لئے کہ اِنْ کے جواب کا حذف کثیر الوقوع ہے۔

قِوْلَهُ: اَىْ لَهُ السَّلَامة مِنَ الْعَذَابِ اس میں اشارہ ہے کہ سلام بمعنی سلامت ہے۔

قِوْلَهُ: مِنْ جِهةِ اَنَّهٗ مِنْهُمْ اس میں اشارہ ہے کہ مِنْ اصحٰبِ اليمين میں من تعليليه ہے اى مِنْ اجل اَنَّهٗ مِنْهُمْ.

قِوْلَهُ: فَنُزُلٌ مبتداء ہے اس کی خبر لہٗ محذوف ہے اى لَهٗ نُزُلٌ.

قِوْلَهُ: تَقَدَّمَ یعنی سَبِّحْ نَزِّه اور لفظ اسم زائدہ ہے۔

تفسیر وتشریح

سابقہ آیات میں عقلی اور مشاہداتی دلائل سے دوبارہ زندہ ہونے کا ثبوت حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اس دنیا کی تخلیق کے ذریعہ دیا گیا تھا، آگے حق تعالیٰ کی طرف سے قسم کے ساتھ نقلی دلیل پیش کی گئی ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ اگر لَا کو قرآن کے بارے میں مزعوم اور ظن باطل کی نفی کے لئے لیا جائے جیسا کہ بعض مفسرین کا یہی خیال ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ قرآن شاعری یا کہانت نہیں ہے جیسا کہ تمہارا خیال ہے بلکہ ستاروں کے گرنے یا ان کے مطلع ومغرب کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ قرآن بڑا باعظمت ہے۔

ستاروں اور تاروں کے مواقع سے مراد ان کے مقامات، ان کے مدار، اور منزلیں ہیں اور قرآن کے بلند پایہ کتاب ہونے پر ان کی قسم کھانے کا مطلب یہ ہے کہ عالم بالا میں اَجرام فلکی کا نظام جیسا محکم اور مضبوط ہے ویسا ہی مضبوط اور محکم یہ کلام بھی ہے جس خدا نے وہ نظام بنایا ہے اسی خدا نے یہ کلام نازل فرمایا ہے۔

بعض حضرات نے یہ ترجمہ کیا ہے، میں قسم کھاتا ہوں آیتوں کے پیغمبروں کے دلوں پر اترنے کی، نجوم سے مراد آیات لی ہیں اور مواقع النجوم سے پیغمبروں کے قلوب (موضح القرآن) اور بعض حضرات نے قیامت کے دن ستاروں کا گرنا اور جھڑنا مراد لیا ہے۔

فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ کے معنی ہیں چھپی ہوئی کتاب، مراد اس سے لوح محفوظ ہے۔

لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ یہاں دو مسئلے غور طلب ہیں اور ائمہ تفسیر میں مختلف فیہ ہیں، اول یہ کہ جس کتاب کی صفت مَكْنُونٌ بیان کی گئی ہے یہ جملہ اسی کتاب کی دوسری صفت ہے، اور لَا يَمَسُّهُ کی ضمیر اسی کتاب کی طرف راجع ہے، اس صورت میں معنی آیت کے یہ ہوں گے کتابِ مکنون یعنی لوح محفوظ کو سوائے پاک ہستیوں کے کوئی نہیں چھوسکتا، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس صورت میں مُطَهَّرُونَ سے مراد صرف فرشتے ہی ہو سکتے ہیں جن کی رسائی لوح محفوظ تک ہو سکے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس صورت میں مَسٌّ سے مراد حقیقی معنی یعنی ہاتھ سے چھونا مراد نہیں لیا جاسکتا، بلکہ لازمی اور مرادی معنی یعنی مطلع ہونا مراد ہو سکتے ہیں اس لئے کہ لوح محفوظ کو چھونا کسی مخلوق کا کام نہیں۔

دوسرا احتمال اس جملہ کی ترکیب نحوی میں یہ ہے کہ اس کو قرآن کی صفت بنایا جائے جو اوپر إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ میں مذکور ہے، اس صورت میں لَا يَمَسُّهُ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہوگی اور اس سے مراد وہ صحیفہ ہوگا جس میں قرآن لکھا ہوا ہو، اور لفظ مَسّ سے ہاتھ سے چھونے کے حقیقی معنی مفہوم ہوں گے۔

قرآن بے طہارت چھونے کے مسئلہ میں فقہاء کے مسالک:

❶ مسلک حنفی:

مسلک حنفی کی تشریح امام علاؤالدین کاشانی نے بدائع والصنائع میں یوں کی ہے، جس طرح بے وضو نماز پڑھنا جائز نہیں اسی طرح قرآن کریم کو بھی ہاتھ لگانا جائز نہیں، البتہ اگر غلاف کے اندر ہو تو ہاتھ لگایا جاسکتا ہے، غلاف سے بعض فقہاء کے نزدیک جلد اور بعض کے نزدیک وہ جز دان مراد ہے، جس میں قرآن لپیٹ کر رکھا جاتا ہے، رہا قرآن کو بے وضو حفظ پڑھنا تو یہ درست ہے، فتاویٰ عالمگیری میں اس حکم سے بچوں کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، تعلیم کے لئے بچوں کو قرآن مجید بے وضو ہاتھ میں دیا جاسکتا ہے۔

❷ مسلک شافعی:

امام نووی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى نے المنہاج میں مسلک شافعی کو یوں بیان فرمایا ہے نماز اور طواف کی طرح مصحف کو ہاتھ لگانا اور اس کے کسی ورق کو بے وضو چھونا ممنوع ہے، حتی کہ قرآن کریم جز دان یا لفافے وغیرہ میں ہو تب بھی جائز نہیں البتہ قرآن کسی کے سامان میں رکھا ہوا ہو یا سکہ پر کوئی آیت لکھی ہو تو اس کو ہاتھ لگانا جائز ہے، بچہ اگر بے وضو ہو تو وہ بھی قرآن کو ہاتھ لگا سکتا ہے۔ (ملخصا)

❸ مالکی مسلک:

جمہور فقہاء کے ساتھ وہ اس امر میں متفق ہیں کہ قرآن کو ہاتھ لگانے کے لئے وضو شرط ہے لیکن قرآن کی تعلیم کے لئے وہ استاذ اور شاگرد دونوں کے لئے ہاتھ لگانا جائز قرار دیتے ہیں، ابن قدامہ نے مغنی میں امام مالک کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جنابت کی حالت میں قرآن پڑھنا ممنوع ہے مگر عورت حالتِ حیض میں قرآن پڑھ سکتی ہے، کیونکہ ایک عرصہ تک اگر ہم اس کو قرآن کی تلاوت سے روکیں گے تو اس کے بھول جانے کا امکان ہے۔ (الفقه على المذاهب الاربعة)

❹ مسلک حنبلی:

مذہب حنبلی کے مسائل جو ابن قدامہ نے نقل کئے ہیں وہ یہ ہیں، حالت جنابت وحیض ونفاس میں قرآن یا اس کی پوری آیت کا پڑھنا جائز نہیں ہے، البتہ بسم اللہ اور الحمد للہ وغیرہ کہہ سکتی ہے، رہا بلا وضو قرآن کو ہاتھ لگانا تو یہ کسی حالت میں درست نہیں۔

لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ اگرچہ جملہ خبریہ ہے مگر معنی میں نہی کے ہے یہ تفسیر حضرت عطاء طاؤس سالم اور حضرت محمد باقر رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ سے منقول ہے۔ (روح المعانی ملخصاً) مطلب یہ ہے کہ قرآن کو چھونے کیلئے حدثِ اصغر اور اکبر نیز ظاہر نجاست سے بھی ہاتھ کا پاک ہونا ضروری ہے، قرطبی نے اسی تفسیر کو اظہر کہا ہے، تفسیر مظہری میں اسی کی ترجیح پر زور دیا ہے۔

فاروق اعظم کے اسلام لانے کے واقعہ میں جو مذکور ہے کہ انہوں نے اپنی بہن کو قرآن پڑھتے ہوئے پایا تو قرآن کے اوراق کو دیکھنا چاہا، ان کی بہن نے یہی آیت پڑھ کر اوراق حضرت عمر رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ کے ہاتھ میں دینے سے انکار کر دیا کہ اس کو پاک لوگوں کے سوا کوئی نہیں چھو سکتا، فاروق اعظم نے مجبور ہو کر اول غسل کیا، پھر یہ اوراق ان کے ہاتھ میں دیئے گئے، اس واقعہ سے بھی اسی تفسیر کی ترجیح ثابت ہوتی ہے، روایات حدیث جن میں غیر طاہر کو قرآن کے چھونے سے منع کیا گیا ہے ان روایات کو بھی بعض حضرات نے اس آخری تفسیر کی ترجیح کے لئے پیش کیا ہے۔

مگر چونکہ اس مسئلہ میں حضرت ابن عباس رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُمَا اور حضرت انس رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ وغیرہ کا اختلاف ہے اس لئے بہت سے حضرات نے بے وضو قرآن کو ہاتھ لگانے کی ممانعت کے مسئلہ میں آیت مذکورہ سے استدلال چھوڑ کر صرف روایات حدیث کو پیش کیا ہے وہ احادیث یہ ہیں:

امام مالک نے مؤطا میں رسول اللہ ﷺ کا وہ مکتوب گرامی نقل کیا ہے جو خط آپ نے حضرت عمرو بن حزم کو لکھا تھا جس میں ایک جملہ یہ بھی ہے لَا يَمَسَّ القرآنَ إِلَّا الطَّاهِر (ابن کثیر) یعنی قرآن کو وہ شخص نہ چھوئے جو طاہر نہ ہو اور روح المعانی میں یہ روایت مسند عبدالرزاق، ابن ابی داؤد اور ابن المنذر سے بھی نقل کی ہے، اور طبرانی میں ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لَا يَمَسَّ القرآنَ إِلَّا طَاهِرٌ۔

مذکورہ روایت کی بناء پر جمہور امت اور ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم کو ہاتھ لگانے کے لئے طہارت

ضروری ہے، اور ظاہری نجاست سے ہاتھ کا پاک صاف ہونا بھی ضروری ہے، حضرت علی، ابن مسعود، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ، اور زہری، نخعی، حکم، حماد، امام مالک، شافعی، ابوحنیفہ رَحِمَہُمُ اللّٰہُ تَعَالیٰ سب کا یہی مسلک ہے اوپر جو اختلاف نقل کیا گیا ہے وہ صرف اس بات میں ہے کہ یہ مسئلہ جو احادیث مذکورہ سے ثابت ہے اور جمہور امت کے نزدیک مسلم صحیح، کیا یہ بات قرآن کی آیت مذکورہ سے بھی ثابت ہے یا نہیں، بعض حضرات نے ان احادیث اور آیت مذکورہ کا مفہوم ایک قرار دیا ہے، دوسرے حضرات نے آیت کو استدلال میں پیش کرنے سے بوجہ اختلاف صحابہ احتیاط کی ہے، اس لئے کہ اختلاف مسئلہ میں نہیں بلکہ اس کی دلیل میں ہے۔

مَسْئَلَۃٌ: قرآن کا غلاف جس کو چولی کہتے ہیں جو قرآن کے ساتھ سلی ہوتی ہے وہ بھی قرآن کے حکم میں ہے اس کے ساتھ بھی قرآن کو بے وضو ہاتھ لگانا درست نہیں، البتہ جزدان جس میں قرآن کو رکھتے ہیں اگر قرآن اس میں رکھا ہو تو اس کو بلا وضو چھونا جائز ہے، مگر امام مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ اور امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے نزدیک یہ بھی جائز نہیں ہے۔ (مظہری)

مَسْئَلَۃٌ: جو کپڑا آدمی پہنے ہوا ہے اس کی آستین یا دامن سے قرآن کو بلا وضو چھونا بھی جائز نہیں البتہ علیحدہ رومال یا چادر یا ٹوپی وغیرہ سے چھونا جائز ہے۔ (مظہری)

وَاَنْتُمْ حِیْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ یعنی روح نکلتے ہوئے تم بے بسی اور لاچاری کے ساتھ دیکھتے ہو لیکن اس کو ٹال سکنے کی یا اسے کوئی فائدہ پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے، اس وقت تمہاری بہ نسبت علم کے اعتبار سے ہم اس سے زیادہ قریب ہوتے ہیں مگر تم کو نظر نہیں آتے۔

فَلَوْلَا اِنْ کُنْتُمْ غَیْرَ مَدِیْنِیْنَ، مَدِیْنِیْنَ، دان یدینُ سے ہے، اس کے ایک معنی ہیں ماتحت ہونا، دوسرے معنی ہیں بدلہ دینا یعنی اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ کوئی تمہارا آقا اور مالک نہیں جس کے تم زیر فرمان اور ماتحت ہو یا کوئی جزا سزا کا دن نہیں آئے گا تو اس قبض کی ہوئی روح کو اپنی جگہ پر واپس لوٹا کر دکھاؤ اور اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تمہارا گمان باطل ہے، یقیناً تمہارا ایک آقا ہے اور یقیناً ایک دن آئے گا جس میں وہ آقا ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا دے گا۔

فَاَمَّا اِنْ کَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ سورت کے شروع میں اعمال کے لحاظ سے انسانوں کی جو تین قسمیں بیان کی گئی تھیں ان کا پھر ذکر کیا جا رہا ہے یہ ان کی پہلی قسم ہے جنہیں مقربین کے علاوہ سابقین بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ نیکی کے ہر کام میں آگے آگے ہوتے ہیں، اور قبول ایمان میں بھی دوسروں سے سبقت کرتے ہیں، اور اپنی اسی خوبی کی وجہ سے وہ مقربین بارگاہ الٰہی قرار پاتے ہیں۔

وَاَمَّا اِنْ کَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ یہ دوسری قسم ہے، یہ عام مومنین ہیں یہ بھی جہنم سے بچ جائیں گے، اور جنت میں جائیں گے تاہم درجات میں سابقین سے کم ہوں گے، موت کے وقت ان کو بھی سلامتی کی خوشخبری دیتے ہیں۔

وَاَمَّا اِنْ کَانَ مِنَ الْمُکَذِّبِیْنَ الضَّالِّیْنَ یہ تیسری قسم ہے جن کو آغاز سورت میں اصحاب المشئمة کہا گیا تھا، بائیں ہاتھ والے یا حاملین نحوست یہ اپنے کفر کی سزا عذاب جہنم کی صورت میں بھگتیں گے۔

سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَعِشْرُوْنَ آيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ آيَةً.

سورۂ حدید مکی ہے یا مدنی ہے، ۲۹ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اى نَزَّهَهُ كُلُّ شَيْءٍ فَاللَّامُ مزيدةٌ وجيءَ بما، دُونَ مَن تغليبًا لِلاكثرِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ في مُلكِهِ الْحَكِيْمُ ① في صُنعِه لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُحْيٖ بالانشاءِ وَيُمِيْتُ بعدَه وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ② هُوَ الْاَوَّلُ قبلَ كُلِّ شيءٍ بلا بدايةٍ وَالْاٰخِرُ بعدَ كُلِّ شيءٍ بلانهايةٍ وَالظَّاهِرُ بالادلةِ عليه وَالْبَاطِنُ عن ادراكِ الحواسِّ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ③ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ مِن ايامِ الدُنيا اوّلُها الاحدُ واٰخرُها الجُمعةُ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ الكُرسيِّ اِسْتِوَاءً يَليقُ به يَعْلَمُ مَا يَلِجُ يدخلُ فِي الْاَرْضِ كالمطرِ والاموات وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا كالنّباتِ والمَعَادِنِ وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ كالرّحمةِ والعذابِ وَمَا يَعْرُجُ يَصعَدُ فِيْهَا كالاعمالِ الصّالحةِ والسّيئةِ وَهُوَ مَعَكُمْ بعِلمِه اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ④ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ⑤ الموجوداتُ جميعُها يُوْلِجُ الَّيْلَ يُدخِلُه فِي النَّهَارِ فيزيدُ ويَنقُصُ اللّيلُ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ فيزيدُ ويَنقُصُ النّهارُ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑥ بما فيها مِنَ الاَسرارِ والمُعتقَداتِ اٰمِنُوْا دوموا على الايمان بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا في سبيلِ اللّٰهِ مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ مِن مالِ مَن تَقَدَّمَكم ويَستَخلِفُكم فيه مَن بَعدَكم نَزَلَ في غزوةِ العُسرةِ وهي غزوةُ تبوكٍ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا اِشارةٌ الى عُثمانَ رضي اللّٰهُ تعالى عنه لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑦ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ خطابٌ لِلكُفّارِ اى لا مانعَ لكم مِن الايمان بِاللّٰهِ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ بضمّ الهمزةِ وكسرِ الخاءِ وبفتحِهما ونصبِ ما بَعدَه مِيْثَاقَكُمْ عليه اى اَخَذَهُ اللّٰهُ في عالَمِ الذَّرِّ، حينَ اَشهدَهُم على انفسِهِم اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ؟ قالوا بلى اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑧ اى مريدينَ الايمانَ به فبادِروا اليه هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ آياتِ القُرانِ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ الكفرِ اِلَى النُّوْرِ الايمانِ

وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ في إخراجكم من الكفر إلى الإيمان لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَمَا لَكُمْ بعد إيمانكم اَلَّا فيه إدغام نون أن في لام لا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بما فيهما فيصل إليه أموالكم من غير أجر الإنفاق بخلاف ما لو أنفقتم فتؤجرون لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ لمكة وَقَاتَلَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ۭ وَكُلًّا من الفريقين وفي قراءة بالرفع مبتدأ وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ الجنة وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ فيجازيكم به

ع ۱۰ / ۱۷

ترجمہ: میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے وہ اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے یعنی ہر چیز اس کی پاکی بیان کرتی ہے (لِلّٰہ) میں لام زائدہ ہے من کے بجائے ما کا استعمال اکثر کو غلبہ دینے کے اعتبار سے ہے وہ اپنے ملک میں زبردست اور اپنی صنعت میں حکمت والا ہے زمین اور آسمان کی بادشاہت اسی کی ہے پیدا کر کے زندگی دیتا ہے اس کے بعد موت دیتا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہی اول ہے بغیر ابتداء کے ہر چیز سے پہلے اور وہی آخر ہے یعنی بلانہایت کے ہر چیز کے بعد رہے گا وہی ظاہر ہے اس پر دلائل موجود ہونے کی وجہ سے اور وہ حواس کے ادراک سے مخفی ہے اور ہر شی کو جاننے والا ہے وہی ہے جس نے آسمان اور زمین کو دنیا کے ایام کے مطابق چھ دنوں میں پیدا فرمایا ان میں پہلا دن یکشنبہ (اتوار) کا ہے اور آخری دن جمعہ کا، پھر وہ عرش کرسی پر مستوی ہو گیا ایسا استواء، جو اس کی شان کے لائق ہے وہ اس چیز کو بھی جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتی ہے جیسے کہ بارش کا پانی اور مردے، اور اس کو بھی جو زمین سے نکلتی ہے جیسا کہ نباتات اور معدنیات اور جو آسمان سے نازل ہو، جیسا کہ رحمت اور عذاب اور جو اس کی طرف چڑھے، جیسے کہ اعمال صالحہ اور اعمال سیئہ اور تم جہاں کہیں ہو وہ علم کے اعتبار سے تمہارے ساتھ ہے اور تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے، آسمان اور زمین کی بادشاہت اسی کی ہے اور اسی کی طرف تمام امور لوٹائے جائیں گے یعنی تمام موجودات، وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے تو دن بڑھ جاتا ہے اور رات گھٹ جاتی ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے تو رات بڑھ جاتی ہے اور دن گھٹ جاتا ہے اور وہ سینوں کے رازوں کا پورا عالم ہے یعنی سینوں میں جو راز اور معتقدات ہیں ان کو بخوبی جانتا ہے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ یعنی ایمان پر دائم رہو، اللہ کے راستہ میں اس مال میں سے خرچ کرو جس میں تم کو نائب بنایا ہے ان لوگوں کے مال میں جو تم سے پہلے گذر چکے اور اس میں تمہارے بعد والوں کو تمہارا خلیفہ بنائے گا، یہ آیت غزوۂ عسرہ کے بارے میں نازل ہوئی اور وہ غزوۂ تبوک ہے پس تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور خرچ کیا ان کے لئے بڑا اجر ہے (اس میں) حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی طرف اشارہ ہے، تم اللہ پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ یہ کفار کو خطاب ہے یعنی اللہ پر ایمان لانے سے کوئی چیز تم کو مانع نہیں ہے حالانکہ خود رسول تمہیں اپنے رب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے، اور خود خدا نے تم سے اس پر عہد لیا تھا، اگر تم کو ایمان لانا ہو یعنی اگر اس پر ایمان لانے کا ارادہ ہو تو اس کی طرف سبقت کرو (اُخِذَ) ہمزہ کے ضمہ اور خاء کے کسرہ کے

ساتھ اور دونوں کے فتحہ کے ساتھ اور اس کے مابعد فتحہ کے ساتھ ہے، یعنی اللہ نے انسان سے عالم ذر (نمس) میں جبکہ ان کو خود ان کے اوپر اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے ذریعہ شاہد بنایا تھا تو سب نے جواب دیا تھا بلیٰ وہی ہے جو اپنے بندے پر قرآن کی واضح آیتیں نازل کرتا ہے تاکہ تم کو کفر کی ظلمت سے ایمان کے نور کی طرف نکالے یقیناً اللہ تعالیٰ تم کو کفر سے ایمان کی طرف نکال کر تم پر بڑا نرمی کرنے والا رحم کرنے والا ہے تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ ایمان کے بعد اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کرتے؟ آسمانوں اور زمین کی میراث مع تمام ان چیزوں کے جو ان میں ہیں اللہ کے لئے ہے تمہارے اموال بغیر اجر انفاق کے اسی کے پاس پہنچ جائیں گے، بخلاف اس مال کے جس کو تم نے خرچ کیا تو اس پر تم کو اجر عطا کیا جائے گا، تم میں سے جو لوگ فتح مکہ سے پہلے (فی سبیل اللہ) خرچ کر چکے اور (فی سبیل اللہ) لڑ چکے برابر نہیں یہی لوگ ہیں بڑے درجے والے ان لوگوں سے جنہوں نے (فتح مکہ کے بعد) خرچ کیا اور قتال کیا، دونوں فریقوں میں سے ہر ایک سے اللہ کا جنت کا وعدہ ہے اور ایک قراءت میں (کُلٌّ) رفع کے ساتھ مبتداء ہے جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے سو وہ اس کی تم کو جزاء دے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

سَوَال: سَبَّحَ لِلّٰهُ میں سَبَّحَ کو متعدی بالام لایا گیا ہے حالانکہ سبح متعدی بنفسہ استعمال ہوتا ہے۔

جَوَاب: لام زائدہ تاکید کے لئے ہے جیسے نَصَحْتُ لهٗ وشکَرْتُ له یا تعلیل کے لئے ہے، مفسر علام نے سَبَّحَ لِلّٰهِ کی تفسیر نَزَّهَهٗ سے کر کے اور فاللّام مزیدۃ کا اضافہ کر کے اسی اعتراض کا جواب دیا ہے۔

قَوْلُہٗ: بالانشاء اس لفظ سے اشارہ کر دیا کہ یُحْیِیْ سے مراد زندہ چھوڑنا نہیں ہے جیسا کہ نمرود بعض کو قتل کر دیتا تھا اور بعض کو زندہ چھوڑ دیتا تھا، نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے محاجہ کرتے ہوئے انا اُحیِی و اُمیتُ کہا اور دو آدمیوں کو بلایا جن میں سے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا اور کہا انا اُحیِی و اُمیتُ بعض کو قتل نہ کرنا زندہ کرنا نہیں ہے بلکہ یُحْیِیْ سے مراد انشاء حیات ہے۔

قَوْلُہٗ: الکرسی مناسب تھا کہ العرش کی تفسیر کرسی سے کرنے کے بجائے اپنی حالت پر رہنے دیتے۔

قَوْلُہٗ: استواء یلیق بہ یہ سلف کی تفسیر ہے، خلف اس کی تاویل قہر اور غلبہ سے کرتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: والسَّیِّـــئة بہتر ہوتا کہ اس کو حذف کر دیتے اس لئے کہ آسمان کی طرف کلمات طیبات صعود کرتے ہیں نہ کہ کلمات سیئہ۔

قَوْلُہٗ: دُوْمُوْا علیٰ الایمان اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: خطاب مومنین کو ہے لہٰذا ان سے آمنوا کہنا تحصیل حاصل ہے۔

جَوَاب: آمنوا سے مراد دوام و قرار علی الایمان ہے جو کہ مومنین سے بھی مطلوب ہے۔

قَوْلُہٗ: والرسول یدعوکم یہ لا تؤمنون کی ضمیر سے حال ہے۔

قَوْلُہٗ: وَقَدْاَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ یہ یَدْعوکم کے کُمْ ضمیر سے حال ہے۔

قَوْلُہٗ: ای مُرِیدینَ الْاِیْمَانَ یہ عبارت بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سِوَال: اول فرمایا مالکم لاتؤمنون باللّٰہ جس کا مقتضی ہے کہ مخاطب مومن نہیں ہے اس کے بعد ارشاد فرمایا اِنْ کُنْتُمْ مومنینَ جس کا مقتضی ہے کہ مخاطب مومن ہے۔

جَوَاب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ تم اللہ کے رسول محمد ﷺ پر ایمان لے آؤ اگر تم موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہو، اس لئے کہ ان حضرات کی شریعت بھی اس بات کی مقتضی ہے کہ تم محمد پر ایمان لاؤ۔

قَوْلُہٗ: فَبَادِرُوْا اِلَیْهِ اس میں اشارہ ہے کہ جواب شرط محذوف ہے اور وہ فَبَادِرُوْا الخ ہے۔

قَوْلُہٗ: مَنْ اَنْفَقَ من قبل یہ لا یستوی کا فاعل ہے اور اِسْتَوٰی دو چیزوں سے کم میں نہیں ہوتا، معلوم ہوا اس کا مقابل اس کے واضح ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے اور وہ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ بَعْدِ الفتح ہے۔

قَوْلُہٗ: کُلًّا، وَعَدَاللّٰہُ کا مفعول مقدم ہے، اور ابن عامر نے کُلٌّ مبتداء ہونے کی وجہ سے رفع کے ساتھ پڑھا ہے اور ما بعد اس کی خبر ہے۔

تفسیر و تشریح

ربط:

سورۂ واقعہ کو فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ پر ختم فرمایا ہے، اس میں تسبیح کا حکم دیا گیا ہے اور سورۂ حدید کو سَبَّحَ لِلّٰهِ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے شروع فرمایا ہے، تو گویا کہ سورۂ حدید کی ابتداء علت ہے سورۂ واقعہ کے اختتامی مضمون کی، گویا کہ فرمایا گیا فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ العظيم لِاَنَّهٗ سَبَّحَ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ.

سورۂ حدید کے فضائل:

ابوداؤد، ترمذی، نسائی میں حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو سونے سے پہلے مُسَبِّحَات پڑھا کرتے تھے اور آپ نے فرمایا اِنَّ فِيهِنَّ آيَةً اَفْضَلُ مِنَ اَلْفِ آيَةٍ آپ نے فرمایا ان میں ایک آیت ایسی ہے جو ایک ہزار آیتوں سے افضل ہے، اور ابن ضریس نے یحییٰ بن ابی کثیر سے بھی ایسا ہی روایت کیا ہے، اور یحییٰ نے کہا کہ ہم ہزار آیتوں کے مساوی آیت سورۂ حشر کی آخری آیت کو سمجھتے تھے۔ (روح)

سُوَر مُسَبِّحَات پانچ سورتوں کو حدیث میں مسبحات سے تعبیر کیا گیا ہے جن کے شروع میں سبح یا یسبح آیا ہے ان میں پہلی

سورت سورۂ حدید ہے، دوسری حشر، تیسری صف، چوتھی جمعہ، پانچویں تغابن، ان پانچوں سورتوں میں سے تین یعنی حدید، حشر، صف میں، سَبَّحَ بصیغۂ ماضی آیا ہے، اور آخری دو سورتوں یعنی جمعہ اور تغابن میں یُسَبِّحُ بصیغۂ مضارع آیا ہے، اس میں اشارہ اس طرف ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور اس کا ذکر ہر زمانے اور ہر وقت خواہ ماضی ہو یا مستقبل و حال، جاری رہنا چاہئے، اور کائنات کا ذرہ ذرہ ہمیشہ اپنے خالق کی پاکی بیان کرتا رہتا ہے آج بھی کر رہا ہے اور ہمیشہ کرتا رہے گا۔

هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ حصر کے ساتھ فرمایا، وہی عزیز اور حکیم ہے، عزیز کے معنی ہیں قوی طاقتور، اور حکیم کے معنی ہیں حکمت کے ساتھ کام کرنے والا یعنی وہ جو کچھ بھی کرتا ہے حکمت اور دانائی کے ساتھ کرتا ہے، اس کی تخلیق اس کی تدبیر، اس کی فرمانروائی، اس کے احکام، اس کی ہدایات سب حکمت پر مبنی ہیں، اس کے کسی کام میں نادانی اور حماقت و جہالت کا شائبہ تک نہیں ہے، اور وہ ایسا عزیز و طاقتور ہے کہ وہ کائنات میں جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔

لطیف نکتہ:

اس مقام پر ایک لطیف نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے، جسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے، قرآن مجید میں کم ہی مقامات ایسے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی صفت عزیز کے ساتھ قویٌ، مقتدرٌ، جبّارٌ، ذو انتقام جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، جن سے محض اس کے اقتدار مطلق کا اظہار ہوتا ہے، اور وہ بھی صرف ان مواقع پر استعمال ہوا ہے، جہاں سلسلۂ کلام اس بات کا متقاضی تھا کہ ظالموں اور نافرمانوں کو اللہ کی پکڑ سے ڈرایا جائے، اس طرح کے چند مقامات کو چھوڑ کر باقی جہاں بھی اللہ تعالیٰ کے لئے عزیزٌ کا لفظ استعمال ہوا ہے، وہاں اس کے ساتھ حکیمٌ، علیمٌ، غفورٌ، وھابٌ اور حمیدٌ میں سے کوئی لفظ ضرور استعمال ہوا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی ہستی ایسی ہو جسے بے پناہ طاقت حاصل ہو مگر اس کے ساتھ وہ نادان ہو، جاہل ہو، بے رحم ہو، معاف اور درگذر کرنا جانتی ہی نہ ہو، بخیل ہو اور بد سیرت اور تندخو ہو، ضدی اور ہٹ دھرم ہو تو اس کے اقتدار کا نتیجہ ظلم کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا دنیا میں جہاں کہیں بھی ظلم ہو رہا ہے اس کا بنیادی سبب یہی ہے کہ جس شخص یا جماعت کو دوسروں پر بالا دستی حاصل ہے، وہ اپنی طاقت کو یا تو نادانی اور جہالت کے ساتھ استعمال کر رہا ہے، یا وہ بے رحم اور سنگ دل ہے، طاقت کے ساتھ ان بُری صفات کا اجتماع جہاں کہیں بھی ہو وہاں کسی خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی، اسی لئے اللہ تعالیٰ کے لئے اس کی صفت عزیز کے ساتھ اس کے حکیم وعلیم، اور رحیم و غفور اور حمید و وہاب ہونے کا ذکر لازماً کیا گیا ہے اور یہ تمام صفت کمال اس کی ذات میں شامل ہیں۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وہی اول ہے یعنی اس سے پہلے کچھ نہ تھا اس لئے کہ تمام موجودات اسی کی پیدا کردہ ہیں اور آخِرُ کے معنی بعض حضرات نے یہ کئے ہیں تمام موجودات کے فنا ہونے کے بعد بھی وہ موجود رہیگا جیسا کہ کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ میں اس کی تصریح موجود ہے، مطلب یہ ہے کہ جب کچھ نہ تھا تو وہ تھا اور جب کچھ نہ رہے گا تو وہ رہے گا، اور سب ظاہروں سے بڑھ کر ظاہر ہے کیونکہ دنیا میں جو کچھ بھی ظہور ہے اسی کی صفات اسی کے افعال اور اسی کے نور کا ظہور ہے، اور وہ ہر مخفی سے بڑھ کر مخفی ہے، کیونکہ حواس سے اس کی ذات اور اس کی کنہ کو محسوس کرنا تو درکنار عقل وفکر وخیال تک

اس کی کنہ اور حقیقت کو نہیں پا سکتے، اور وہ اپنی ذات اور کنہ کے اعتبار سے ایسا باطن اور مخفی ہے کہ اس کی حقیقت تک کسی عقل وخیال کی رسائی نہیں ہوسکتی۔ ؎

اے برتر از قیاس و گمان و خیال و وہم — واز ہر چہ دیدہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم

اس کی بہترین تفسیر نبی ﷺ کی دعاء کے وہ الفاظ ہیں، جو آپ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو سکھائے تھے اور پڑھنے کی تاکید فرمائی تھی۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰاتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ مُنْزِلَ التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْفُرْقَانِ، فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى، اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ اَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهٖ، اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ اقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَاَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ۔ (بخاری، مسلم کتاب الذکر والدعاء)

اس دعاء میں جو ادائیگی قرض کے لئے مسنون ہے اور اول وآخر وظاہر وباطن کی بہترین تفسیر ہے۔

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا (الآیۃ) یعنی زمین میں بارش کے جو قطرات اور غلہ جات ومیوہ جات ہیں اور جو بیج داخل ہوتے ہیں ان کی کیت وکیفیت کو وہ جانتا ہے وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ یعنی اللہ علم کے اعتبار سے تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو اس معیت کی حقیقت اور کیفیت کسی مخلوق کے احاطۂ علم میں نہیں آسکتی مگر اس کا وجود یقینی ہے اس کے بغیر انسان کا نہ وجود قائم رہ سکتا ہے اور نہ کوئی کام اس سے ہوسکتا ہے اس کی مشیت اور قدرت ہی سے سب کچھ ہوتا ہے جو ہر حال اور ہر جگہ میں ہر انسان کے ساتھ رہتی ہے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ یہ آیت غزوۂ تبوک کے بارے میں نازل ہوئی ہے، روح المعانی میں ہے وَالْاٰيَةُ عَلٰى مَا رُوِيَ عَنِ الضَّحَّاكِ نَزَلَتْ فِيْ تَبُوْكَ فَلَا تَغْفَلْ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خطاب کا روئے سخن مسلمانوں کی طرف ہے اس لئے کہ جن حالات میں انفاق فی سبیل اللہ کی بڑے زور دار اور نئے انداز سے اپیل کی جارہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپیل اور ترغیب غیر معمولی حالات کے پیش نظر کی جارہی ہے، جس میں حضرت ابوبکر صدیق نے اپنا کل مال اور حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے نصف مال اس ہنگامی فوجی اور قومی ضرورت کے لئے خدمت میں پیش کیا اور حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس غزوہ میں ایک ہزار دینار اور تین سو اونٹ مع ساز وسامان کے پیش کئے، اور ایک دوسری روایت کی رو سے اس ہنگامی اور فوری ضرورت کے لئے حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ایک ہزار اونٹ اور ستر گھوڑے مع ان کے ساز وسامان کے پیش کئے، اسی موقع پر آپ ﷺ نے حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے حق میں فرمایا ما علی عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ بعد هذه اور ایک روایت میں ہے، آپ نے فرمایا: غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ يَا عُثْمَانُ مَا اَسْرَرْتَ وَمَا اَعْلَنْتَ وَمَا هُوَ كَائِنٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا يُبَالِيْ مَا عَمِلَ بَعْدَهَا۔ (صاوی)

ان قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطاب غیر مسلموں سے نہیں ہے بلکہ بعد کی پوری تقریر یہ ظاہر کر رہی ہے کہ مخاطب وہ مسمان ہیں جو کلمۂ اسلام کا اقرار کر کے مسلمانوں کے گروہ میں بظاہر شامل ہو چکے تھے مگر ایمان کے تقاضے پورا کرنے سے پہلو تہی کر رہے تھے، ظاہر ہے کہ غیر مسلموں کو ایمان کی دعوت دینے کے ساتھ فوراً ہی ان سے یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ جہد فی سبیل اللہ کے مصارف میں دل کھول کر اپنا حصہ ادا کرو اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تم میں سے جو فتح مکہ سے پہلے جہاد اور انفاق فی سبیل اللہ کرے گا اس کا درجہ ان لوگوں سے بلند تر ہوگا جو بعد میں یہ خدمت انجام دیں گے غیر مسلم کو دعوت ایمان دینے کی صورت میں تو پہلے اس کے سامنے ایمان کے ابتدائی تقاضے پیش کئے جاتے ہیں نہ کہ انتہائی، اگرچہ آمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ الخ کے عموم کے لحاظ سے اس بات کی گنجائش ہے کہ مخاطبین میں غیر مسلمین بھی شامل ہوں مگر سیاق وسباق اور فحوائے کلام کے لحاظ سے یہاں آمنوا باللّٰہِ ورسولہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اے وہ لوگو جو ایمان کا دعویٰ کر کے مسلمانوں کے گروہ میں شامل ہو گئے ہو، اللہ اور اس کے رسول کو سچے دل سے مانو اور وہ طرز عمل اختیار کرو جو اخلاص کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اختیار کرنا چاہئے۔

سیاق وسباق اور آیت کے شان نزول اور موقع نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر خرچ کرنے سے مراد عام بھلائی کے کاموں میں خرچ کرنا نہیں ہے بلکہ آیت نمبر ۱۰ کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ یہاں اس جدوجہد کے مصرف مین حصہ لینا مراد ہے جو اس وقت کفر کے مقابلہ میں اسلام کو سربلند کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں جاری تھی، خاص طور پر اس وقت دو ضرورتیں تھیں جن کے لئے فراہمی مالیات کی طرف فوری توجہ کرنے کی سخت ضرورت تھی، ایک جنگی ضروریات اور دوسرے ان مظلوم مسلمانوں کی بازآبادکاری جو کفار کے ظلم وستم سے تنگ آکر عرب کے ہر حصہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے اور آ رہے تھے، مخلص اہل ایمان ان مصارف کو پورا کرنے کے لئے اپنے اوپر اتنا بوجھ برداشت کر رہے تھے جو ان کی طاقت ووسعت سے بہت زیادہ تھا، لیکن مسلمانوں کے گروہ میں بکثرت اچھے خاصے کھاتے پیتے لوگ ایسے موجود تھے جو کفر واسلام کی اس کشمکش کو محض تماشائی بن کر دیکھ رہے تھے اور اس بات کا انہیں کوئی احساس نہ تھا کہ جس چیز پر وہ ایمان لانے کا دعویٰ کر رہے ہیں اس کے کچھ حقوق بھی ان کی جان ومال پر عائد ہوتے ہیں، یہی دوسرے قسم کے لوگ اس آیت کے مخاطب ہیں، ان سے کہا جا رہا ہے کہ سچے مومن بنو اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو۔

راہِ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب وفضیلت:

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ روح المعانی میں اس آیت کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں، ایک یہ کہ جو مال تمہارے پاس ہے یہ دراصل تمہارا ذاتی مال نہیں بلکہ اللہ کا بخشا ہوا مال ہے اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے، اللہ نے اپنے خلیفہ کی حیثیت سے یہ تمہارے تصرف میں دیا ہے، لہٰذا اصل مالک کی خدمت میں اسے صرف کرنے سے دریغ نہ کرو، نائب کا یہ کام نہیں کہ مالک کے مال کو مالک ہی کے کام میں خرچ کرنے سے جی چرائے۔

دوسرا مطلب وَقِيْلَ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ مِمَّنْ تَرِثُوْنَهٗ وَسَيَنْتَقِلُ اِلٰى غَيْرِكُمْ مِمَّنْ يَرِثُكُمْ

فَلَا تَبْخَلُوْا بِهٖ (روح المعانی) اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مال ہمیشہ سے نہ تمہارے پاس تھا نہ ہمیشہ تمہارے پاس رہنے والا ہے، کل یہ دوسرے لوگوں کے پاس تھا پھر اللہ نے تم کو ان کا جانشین بنا کر اسے تمہارے حوالہ کیا، پھر ایک وقت آئے گا کہ جب یہ تمہارے پاس نہ رہے گا، دوسرے لوگ اس پر تمہارے جانشین بن جائیں گے، اس عارضی جانشینی کی تھوڑی سی مدت میں جب یہ تمہارے قبضہ و تصرف میں ہے، اسے اللہ کے کام میں خرچ کرو تا کہ آخرت میں اس کا مستقل اور دائمی اجر تمہیں حاصل ہو، اسی مطلب کے مطابق اس اعرابی کا قول ہے جس سے کسی نے سوال کیا لِمَنْ هذه الابلُ؟ فقال هِيَ لِلّٰهِ تعالٰی عندی یہ اللہ کا اونٹ ہے جو میرے پاس امانت ہے۔

اسی مضمون کو حضور ﷺ نے ایک حدیث میں بیان فرمایا ہے، ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک روز ہم نے ایک بکری ذبح کی جس کا اکثر حصہ تقسیم کر دیا، ایک دست گھر کے لئے رکھ لیا، آنحضرت ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ اس بکری میں سے تقسیم کے بعد کیا باقی رہا؟ حضرت عائشہ نے عرض کیا مَا بَقِيَ اِلَّا كَتِفُهَا ایک شانے کے سوا کچھ نہیں بچا، آپ ﷺ نے فرمایا بَقِيَ كُلُّهَا اِلَّا كَتِفُهَا ایک شانے کے سوا پوری بکری باقی رہ گئی یعنی خدا کی راہ میں جو کچھ دیدیا در اصل وہی باقی رہ گیا۔

بخاری اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا يَقُوْلُ ابنُ آدم مَالِي مَالِي، وَهَلْ لَكَ مِنْ مَالِكَ اِلَّا مَا اَكَلْتَ فَافْنَيْتَ، اَوْ لَبِسْتَ فَاَبْلَيْتَ اَوْ تَصَدَّقْتَ فَاَمْضَيْتَ وما سِوَا ذٰلِكَ فَذَاهِبٌ وتَارِكُهٗ لِلنَّاس.

آدمی کہتا ہے کہ میرا مال میرا مال، حالانکہ تیرے مال میں تیرا حصہ اس کے سوا کیا ہے جو تو نے کھا کر ختم کر دیا یا پہن کر پرانا کر دیا یا صدقہ کر کے آگے بھیج دیا، اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ تیرے ہاتھ سے جانے والا ہے، اور اسے دوسروں کے لئے چھوڑ جانے والا ہے۔ (مسلم)

گذشتہ آیات میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی تاکید بیان فرمانے کے بعد اگلی آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں جو خرچ کیا جائے ثواب تو ہر ایک کو ہر حال میں ملے گا، لیکن ثواب کے درجات میں ایمان واخلاص اور مسابقت کے اعتبار سے فرق ہوگا، اس کے لئے فرمایا۔

لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ یعنی اجر کے مستحق تو دونوں ہی ہیں لیکن ایک گروہ کا رتبہ دوسرے گروہ سے لازماً بلند تر ہے کیونکہ اس نے زیادہ سخت حالات میں اللہ تعالیٰ کی خاطر وہ خطرات مول لئے جو دوسرے گروہ کو درپیش نہ تھے، اس نے ایسی حالت میں مال خرچ کیا کہ جب دور دور کہیں یہ امکان نظر نہ آتا تھا کہ کبھی فتوحات سے اس خرچ کی تلافی ہو جائے گی اور اس نے ایسے نازک دور میں کفار سے جنگ مول لی جب ہر وقت یہ اندیشہ تھا کہ دشمن غالب آ کر اسلام کا نام لینے والوں کو پیس ڈالیں گے۔

مجاہد وقتادہ وغیرہ کہتے ہیں کہ یہاں فتح سے مراد فتح مکہ ہے اور عامر وشعبی وغیرہ کہتے ہیں کہ صلح حدیبیہ مراد ہے پہلے قول کو اکثر مفسرین نے اختیار کیا ہے۔

اُولٰئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے درمیان شرف وفضل میں تفاوت تو ضرور ہے لیکن تفاوت درجات کا مطلب یہ نہیں کہ بعد میں مسلمان ہونے والے صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ ایمان واخلاق کے اعتبار سے بالکل گئے گذرے تھے جیسا کہ بعض حضرات امیر معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اوران کے والد حضرت ابوسفیان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور دیگر بعض ایسے ہی جلیل القدر صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے بارے میں ہرزہ سرائی یا انہیں طلقاء کہہ کر ان کی تنقیص واہانت کرتے ہیں، نبی ﷺ نے تمام صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے بارے میں فرمایا لَاتَسُبُّوْا اصحابی میرے اصحاب پر سب وشتم نہ کرو قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر اللہ کی راہ میں خرچ کرے وہ میرے صحابی کے خرچ کئے ہوئے ایک مد بلکہ نصف مد کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔

(صحیح بخاری، صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابة)

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ بانفاقِ مالهٖ في سبيلِ اللهِ قَرْضًا حَسَنًا بان يُنفقهُ لله تعالى فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وفي قراءةٍ فيُضَعِّفَهُ بالتشديدِ من عشرٍ الى اكثرَ من سبع مائةٍ كما ذُكِرَ في البقرة وَلَهٗٓ مع المُضاعفةِ اَجْرٌ كَرِيْمٌ مُقترنٌ به رضًى واقبالٌ، اُذكر يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ امامَهم وَ يكون بِاَيْمَانِهِمْ ويُقالُ لهم بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ اي دُخولُها تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا انصرُوا وفي قراءةٍ بفتحِ الهمزةِ وكسرِ الظاءِ اي امهِلونا نَقْتَبِسْ نأخُذِ القَبَسَ والاضاءةَ مِنْ نُّوْرِكُمْ قِيْلَ لهم استهزاءً بهم ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا فرَجعُوا فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ وبينَ المؤمنين بِسُوْرٍ قيل هو سورُ الاعراف لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ من جهة المؤمنين وَظَاهِرُهٗ من جهةِ المنافقين مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ على الطاعةِ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بالنفاقِ وَتَرَبَّصْتُمْ بالمؤمنين الدوائرَ وَارْتَبْتُمْ شككتم في دينِ الاسلامِ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ الاطماعُ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ الموتُ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ الشيطانُ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ بالياءِ والتاءِ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۖ هِيَ مَوْلٰىكُمْ اَولى بكم وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ هي اَلَمْ يَاْنِ يحِن لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا نزلت في شانِ الصحابةِ لما اكثرُوا المزاحَ اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ بالتخفيفِ والتشديدِ مِنَ الْحَقِّ القرانِ وَلَا يَكُوْنُوْا معطوفٌ على تخشعَ كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ هُم اليهودُ والنصارى فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ الزمنُ بينهم وبين انبيائهم فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۖ لم تلِن لذكرِ اللهِ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ اِعْلَمُوْٓا خطابٌ للمؤمنين المذكورين اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ بالنباتِ فكذلك يفعلُ بقلوبِكم بردِّها الى الخشوعِ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ الدالةَ على قدرتِنا بهذا وغيرِه لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ من التصدُّقِ وأدغمت التاءُ

في الصَّادِ اي الذين تصدَّقوا **وَالْمُصَّدِّقٰتِ** اللاتي تصدَّقن وفي قراءةٍ بتخفيفِ الصَّاد فيهما من التَّصديق الايمان **وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا** راجعٌ الى الذُّكورِ والاناث بالتَّغليبِ وعطفُ الفعلِ على الاسم في صلة أل لأنَّهُ فيها حَلَّ محلَّ الفعلِ وذكرُ القرض بوصفه بعدَ التَّصدُّق تقييدٌ له **يُّضٰعَفُ** وفي قراءةٍ يُضَعَّفُ بالتَّشديد اي قرضهم **لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ** المبالغون في التَّصديق **وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ** على المكذِّبين من الامم **لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ** الدالَّة على وحدانيَّتنا **اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ** النار

تَرجَمہ: کون شخص ہے کہ جو اپنا مال اللہ کو قرض حسن کے طور پر دے یعنی اللہ کے راستہ میں خرچ کرے؟ اس طریقہ پر کہ (خالص) اللہ کے لئے خرچ کرے پھر اللہ تعالیٰ اس قرض کو اس شخص کے لئے بڑھاتا چلا جائے، اور ایک قراءت میں فَيُضَعِّفَهُ تشدید کے ساتھ ہے دس گنے سے سات سو تک زیادہ جیسا کہ سورۂ بقرہ میں مذکور ہوا، اور اس کے لئے (اجر) بڑھانے کے ساتھ پسندیدگی کا اجر بھی ہے (یعنی) اس اجر کے ساتھ رضامندی اور قبولیت ہے، اس دن کا ذکر کیجئے کہ جس دن آپ مومنین اور مومنات کو دیکھیں گے، کہ ان کا اجر ان کے سامنے ہے اور نور ان کے داہنی جانب دوڑتا ہوگا اور ان سے کہا جائے گا آج تمہارے لئے ایسی جنت کی یعنی اس میں داخل ہونے کی خوشخبری ہے کہ جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے، جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے (ذرا) ہماری طرف (بھی) دیکھ لو اور ایک قراءت میں ہمزہ کے فتحہ اور ظاء کے کسرہ کے ساتھ ہے (یعنی ذرا ہمارا بھی) انتظار کرلو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کرلیں ان سے استہزاء کے طور پر کہا جائے گا تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ اور روشنی تلاش کرو تو وہ لوٹ جائیں گے، تو ان کے اور مومنین کے درمیان ایک دیوار حائل کردی جائے گی کہا گیا ہے کہ وہ اعراف کی دیوار ہوگی اس کا ایک دروازہ ہوگا اس کے اندرونی حصہ میں مومنین کی جانب رحمت ہوگی اور اس کے باہر منافقین کی جانب عذاب ہوگا یہ لوگ چلا کر ان سے کہیں گے کیا طاعت میں ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ وہ کہیں گے ہاں تھے تو سہی لیکن تم نے خود کو نفاق کے فتنہ میں پھنسا رکھا تھا اور مومنین پر حوادثات کے منتظر رہا کرتے تھے اور دین اسلام میں شبہ کرتے تھے اور تمہیں تمہاری (فضول) تمناؤں نے دھوکے میں رکھا یہاں تک کہ اللہ کا حکم یعنی موت آپہنچی، اور تمہیں اللہ کے بارے میں ایک دھوکہ باز شیطان نے دھوکے ہی میں رکھا، الغرض! آج تم سے نہ فدیہ قبول کیا جائے گا یاء اور تاء کے ساتھ اور نہ کافروں سے، تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہی تمہارے لائق ہے (یعنی) تمہارے لئے اولیٰ ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے کیا ایمان والوں کے لئے اب تک وہ وقت نہیں آیا؟ یہ آیت صحابہ کرام کی شان میں اس وقت نازل ہوئی کہ جب وہ مذاق، دل لگی زیادہ کرنے لگے کہ ان کے قلوب ذکر الٰہی سے اور اس حق یعنی قرآن سے نرم ہو جائیں جو

نازل ہو چکا ہے (نَزَّلَ) تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے ان لوگوں کے مانند کہ جن کو ان سے پہلے کتاب دی گئی اور وہ یہود ونصاریٰ ہیں پھر جب ان پر ایک طویل زمانہ گذر گیا یعنی ان کے اور ان کے انبیاء کے درمیان (زمانہ دراز گذر گیا) تو ان کے قلوب سخت ہو گئے اللہ کے ذکر کے لئے نرم نہ رہے اور ان میں بہت سے فاسق ہیں یقین مانو مومنین مذکورین کو خطاب ہے کہ اللہ ہی زمین کو گھاس اگا کر اس کی موت کے بعد اس کو زندہ کر دیتا ہے چنانچہ تمہارے قلوب کے ساتھ بھی ایسا ہی کرے گا ان کو خشوع کی جانب لوٹا کر ہم نے تمہارے لئے اپنی آیتیں بیان کر دیں جو ہر طریقہ سے ہماری قدرت پر دلالت کرتی ہیں تاکہ تم سمجھو، بلاشبہ صدقہ دینے والے مرد یہ تَصدق سے ماخوذ ہے تاء کو صاد میں ادغام کر دیا گیا ہے یعنی وہ لوگ جنہوں نے صدقہ کیا اور وہ عورتیں جنہوں نے صدقہ کیا اور ایک قراءت میں صاد کی تخفیف کے ساتھ ہے، تصدیق سے ماخوذ ہے، اور مراد ایمان ہے اور جو خلوص کے ساتھ قرض حسن دے رہے ہیں یہ تغلیباً ذکور اور اناث دونوں کی طرف راجع ہے، اور فعل کا عطف اس اسم پر ہے جو الف لام کے صلہ میں ہے اس لئے (جائز ہے) کہ اسم یہاں فعل کے معنی میں واقع ہو، تصدق کے ذکر کے بعد قرض کو اس کی صفت کے ساتھ ذکر کرنا تصدق کو مقید کرنے کے لئے ہے ان کا قرض ان کے لئے بڑھا دیا جائے گا اور ایک قراءت میں يُضَعَّفُ تشدید کے ساتھ ہے، اور ان کے لئے پسندیدہ اجر ہے اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں ایسے ہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیق یعنی تصدیق میں مبالغہ کرنے والے ہیں اور تکذیب کرنے والی امم سابقہ پر گواہ ہیں ان کے لئے ان کا اجر اور ان کا نور ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری وحدانیت پر دلالت کرنے والی آیتوں کو جھٹلایا ان کے لئے جہنم کی آگ ہے۔

تَحقِیق وتَرکیب وتَسہیل وتَفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: مَنْ ذَا الَّذِی يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا اس میں ترکیب کے اعتبار سے چند صورتیں ہیں ① مَنْ استفہامیہ مبتداء ذَا اس کی خبر، اور الَّذِی يُقْرِضُ اللّٰهَ اس سے بدل یا صفت ② مَنْ ذا مبتداء اور الَّذِی اس کی خبر ③ ذا مبتداء موصوف اور الَّذِی يُقْرِضُ اللّٰهَ موصول صلہ سے مل کر صفت اور مَنْ خبر مقدم، اس میں معنی استفہام ہونے کی وجہ سے مقدم کر دیا۔

قَوْلُہٗ: يُضَاعِفَهٗ فاء کے بعد اَنْ مقدرہ کے ذریعہ جواب استفہام ہونے کی وجہ سے منصوب، استیناف یا يقرضُ پر عطف ہونے کی وجہ سے مرفوع۔

قَوْلُہٗ: رِضًا واِقبالٌ معطوف علیہ معطوف سے مل کر مُفْتَرَنٌ کا فاعل۔

قَوْلُہٗ: اُذْكُرْ مفسر علام نے اُذْكُرْ محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ يَوْمَ فعل محذوف کا ظرف ہے، یعنی اس دن کو یاد کرو الخ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اَجْرٌ كَرِيْمٌ کا ظرف ہو یعنی اس دن میں اجر کریم ہے اور تیسری صورت یہ بھی جائز ہے کہ يَسْعٰی کا

ظرف ہو یعنی تو دیکھے گا کہ مومنین و مومنات کا نور اس دن میں ان کے سامنے دوڑے گا۔

قَوْلُہٗ: یَسْعٰی نُورُھم جملہ حالیہ ہے مگر یہ اس صورت میں ہے کہ یسعٰی کو یومَ میں عامل نہ قرار دیا جائے۔

قَوْلُہٗ: ویکونُ، یکون کو مقدر مان کر اس احتمال کو ختم کر دیا کہ وبِاَیْمَانِھِمْ، یسعٰی کے ماتحت ہو اور معنی یہ ہوں کہ نوران کی داہنی جانب ان سے دور ہوگا، اس لئے کہ ایمانٌ سے جمیع جہات مراد ہیں۔

قَوْلُہٗ: دُخولُهَا اس کو محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ جنّٰتٌ حذف مضاف کے ساتھ ہے بُشرٰکم مبتداء کی خبر ہے تقدیر عبارت یہ ہے بُشرٰکم الیَوْمَ بدخول الجنة.

قَوْلُہٗ: ذٰلك ای دخول الجنة.

قَوْلُہٗ: یَوْمَ یَقُوْلُ المنافِقُوْنَ یہ یومَ تری سے بدل ہے۔

قَوْلُہٗ: لَهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِیْهِ الرَّحمَة، لهٗ بابٌ جملہ ہوکر نورٌ کی صفت اول ہے اور بَاطِنُهٗ فیه الرحمة صفت ثانی ہے۔

قَوْلُہٗ: الغُرُور بالفتح بمعنی شیطان کما قال المفسر وبالضم شذوذًا مصدر بمعنی اغتراء بالباطل۔

قَوْلُہٗ: مَاوَاکُمُ النَّارُ ما واکم خبر مقدم النَّارُ مبتداء مؤخر اس کا عکس بھی جائز ہے۔

قَوْلُہٗ: هِیَ مَولاکم، مولا مصدر بھی ہوسکتا ہے ای وِلَایتکم ای ذاتُ وِلَایتکم یا بمعنی مکان ہو ای مکانُ وِلَایتکم یا بمعنی اولیٰ ہوسکتا ہے جیسا کہ ھو مَولَاهُ ای اَولیٰ هِیَ ناصِرُکم وہ آگ ان کی ناصر و مددگار ہے اور یہ استهزاءً ہے۔

قَوْلُہٗ: اَلم یأنِ للذین آمنوا جمہور کے نزدیک یأنِ سکون ہمزہ اور نون کے کسرہ کے ساتھ انی یانی (رَمٰی یرمی) کا مضارع واحد مذکر غائب ہے، پھر یا کو جو کہ عین کلمہ ہے التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف کر دیا۔

قَوْلُہٗ: رَاجِعٌ الی الذکور والاناث اس عبارت کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ واقرِضُوا اللّٰه کا عطف دونوں فعلوں یعنی المصدقین والمصدقات پر ہے صرف اول پر ماننے کی صورت میں صلہ کے تام ہوئے بغیر عطف لازم آئے گا جو کہ جائز نہیں ہے۔

سَوال: اَقرِضُوا اللّٰه کا عطف المصَّدِقِینَ پر ہے، جو کہ اسم ہے، لہٰذا فعل کا عطف اسم پر لازم آتا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔

جَواب: جس اسم پر الف لام بمعنی الَّذِیْ داخل ہو تو وہ اسم بھی فعل کے حکم میں ہوجاتا ہے لہٰذا عطف درست ہے۔

قَوْلُہٗ: وذکر القرض بوصفهٖ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: المصَّدِّقین تشدید کے ساتھ بمعنی صدقہ دینے والے ہے، پھر اس کے بعد فرمایا وَاَقرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حسنًا اس کا مطلب بھی صدقہ کرنا ہے تو المصَّدِّقین کے ذکر کرنے کے بعد واقرضوا اللّٰه قرضًا حسنًا کے ذکر کی کیا

ضرورت رہتی ہے یہ تو تکرار ہے۔

جَوَابُ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس اضافہ کا مقصد صدقہ کو صفت حسن کے ساتھ متصف کرنا ہے یعنی صدقہ اخلاص اور للّٰہیت کے ساتھ دیا جائے، لہٰذا یہ تکرار بے فائدہ نہیں۔

قَوْلُهُ: وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ أُولٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ، والَّذِينَ آمنوا مبتداء، اولئكَ مبتداء ثانی اور هُمْ میں یہ بھی جائز ہے کہ مبتداء ثالث ہو اور الصدّیقون اس کی خبر مبتداء خبر سے مل کر خبر مبتداء ثانی کی اور مبتداء ثانی اپنی خبر سے مل کر خبر ہوئی مبتداء اول کی اور یہ بھی جائز ہے کہ هُمْ ضمیر فصل ہو اور اولئكَ اور اس کی خبر مل کر مبتداء اول کی خبر ہو۔

تَفْسِيْر وَتَشْرِيْح

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا الخ یہ وہ عجیب وغریب، پُر تاثیر، دردانگیز الفاظ ہیں کہ جو کفر کے مقابلہ میں اسلام کی جانی اور مالی نصرت کی اپیل کے لئے استعمال کئے گئے ہیں، خدا کی یہ شان کریمی ہی تو ہے کہ آدمی اگر اس کے عطا کئے ہوئے مال کو اسی کی راہ میں صرف کرے تو اسے وہ اپنے ذمہ قرض قرار دے بشرطیکہ وہ قرض حسن ہو لوجہ اللہ خلوص نیت کے ساتھ ہو، اس قرض کے متعلق اللہ کے دو وعدے ہیں ایک یہ کہ وہ اس کو کئی گنا بڑھا کر واپس کر دے گا دوسرے یہ کہ وہ اس پر اپنی طرف سے بہترین اجر بھی عطا کرے گا۔

انفاق فی سبیل اللہ کا عجیب واقعہ:

حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اور آپ ﷺ کی زبان مبارک سے لوگوں نے اسے سنا تو حضرت ابوالدحداح انصاری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض چاہتا ہے؟ حضور نے فرمایا ہاں! اے ابوالدحداح! انہوں نے کہا ذرا اپنا ہاتھ دکھائیے، آپ نے اپنا ہاتھ ان کی طرف بڑھا دیا، انہوں نے آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا، میں نے اپنے رب کو اپنا باغ قرض دیدیا، حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ اس باغ میں کھجور کے چھ سو درخت تھے، اسی میں ان کا گھر تھا وہیں ان کے بال بچے رہتے تھے، رسول اللہ ﷺ سے یہ بات کر کے وہ سیدھے گھر پہنچے اور بیوی کو پکار کر کہا دحداح کی ماں باہر نکل آؤ میں نے یہ باغ اپنے رب کو قرض دیدیا ہے، وہ بولیں تم نے نفع کا سودا کیا، دحداح کے باپ! اور اسی وقت اپنا سامان اور اپنے بچے لے کر باغ سے نکل گئیں (ابن ابی حاتم) اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مخلص اہل ایمان کا طرز عمل اس وقت کیا تھا؟ اور اسی سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ وہ کیسا قرض حسن ہے جسے کئی گنا بڑھا کر واپس دینے اور پھر اوپر سے اجر کریم عطا کرنے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (الآية) "اس دن" سے مراد قیامت کا دن ہے اور یہ نور عطا ہونے کا معاملہ پل صراط پر چلنے سے کچھ پہلے پیش آئے گا، میدان حشر سے جس وقت پل صراط پر جائیں گے، کھلے کافر تو پل صراط تک پہنچنے

سے پہلے ہی جہنم میں دھکیل دیئے جائیں گے، البتہ کسی بھی نبی کے سچے یا کچے امتیوں کو پل صراط پر چلنے سے پہلے روشنی عطا کی جائے گی، وہاں روشنی جو کچھ بھی ہوگی صالح عقیدے اور صالح عمل کی ہوگی، ایمان کی صداقت اور کردار کی پاکیزگی ہی نور میں تبدیل ہو جائے گی، جس شخص کا عمل جتنا تابندہ ہوگا اس کی روشنی اتنی ہی زیادہ تیز ہوگی اور جب وہ محشر سے جنت کی طرف چلیں گے تو ان کی روشنی ان کے سامنے اور داہنی جانب ہوگی، اس کی بہترین تشریح قتادہ رَضَاللہُتَعَالیٰ کی ایک مرسل روایت میں ہے، جس میں وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی کا نور اتنا تیز ہوگا کہ جتنی مدینہ سے عدن تک کی مسافت ہے اور کسی کا نور مدینہ سے صنعاء کی مسافت کی مقدار ہوگا، اور کسی کا اس سے کم یہاں تک کہ کوئی مومن ایسا بھی ہوگا جس کا نور اس کے قدموں سے آگے نہ بڑھے گا۔ (ابن جریر ملخصًا)

حضرت ابوامامہ باہلی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ظلمت شدیدہ کے وقت مومنین اور مومنات کو نور تقسیم کیا جائے گا تو منافقین اس سے بالکل محروم رہیں گے۔

مگر طبرانی نے حضرت ابن عباس رَضَاللہُتَعَالیٰعَنْہُمَا سے ایک مرفوع روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''پل صراط کے پاس اللہ تعالیٰ ہر مومن و منافق کو نور عطا کرے گا جب یہ پل صراط پر پہنچ جائیں گے تو منافقین کا نور سلب کر لیا جائے گا''۔

بہر حال خواہ ابتداء ہی سے منافقین کو نور نہ ملا ہو یا مل کر بجھ گیا ہو، اس وقت وہ مومنین سے درخواست کریں گے کہ ذرا ٹھہرو ہم بھی تمہارے نور سے کچھ فائدہ اٹھالیں، کیونکہ ہم دنیا میں بھی نماز، زکوۃ، حج، جہاد سب چیزوں میں تمہارے شریک رہا کرتے تھے، تو ان کو ان درخواست کا جواب نامنظوری کی شکل میں دیا جائے گا، اور ان سے کہا جائے گا کہ روشنی پیچھے تلاش کرو پیچھے تقسیم ہو رہی ہے، وہ لوگ روشنی حاصل کرنے کے لئے پیچھے کی طرف پلٹیں گے تو ان کے اور جنتیوں کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی۔

سَوال: حضرت ابن عباس رَضَاللہُتَعَالیٰعَنْہُمَا اور حضرت ابوامامہ باہلی کی روایتوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے ان میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟

جَوابِ: تفسیر مظہری میں دونوں روایتوں کے درمیان تطبیق اس طرح بیان کی گئی ہے کہ اصل منافقین جو کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں تھے ان کو تو شروع ہی سے کفار کی طرح کوئی نور نہ ملے گا، مگر وہ منافقین جو اس امت میں رسول اللہ ﷺ کے بعد ہوں گے جن کو منافق کا نام تو نہیں دیا جا سکتا اس لئے کہ وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے لہٰذا کسی کے لئے قطعی طور پر منافق کہنا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اللہ تعالیٰ دلوں کے حال سے واقف ہے سے معلوم ہے کہ کون منافق ہے اور کون مومن؟ لہٰذا سلب نور کا یہ معاملہ ایسے ہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے علم میں منافق ہوں گے۔ (ملخصًا)

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ (الآية) الفاظ اگرچہ عام ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خطاب عام مومنین کو ہے، مگر تمام مسلمان مراد نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں کا وہ خاص گروہ مراد ہے کہ جو زبانی ایمان کا اقرار کر کے رسول اللہ ﷺ کے ماننے والوں میں شامل ہو گیا تھا اس کے باوجود اسلام کے درد سے اس کا دل خالی تھا، آنکھوں سے دیکھ رہا تھا کہ کفر کی

تمام طاقتیں اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹانے پر تلی ہوئی ہیں، چاروں طرف سے انہوں نے اہل ایمان پر نرغہ کر رکھا ہے عرب کی سرزمین میں جگہ جگہ مسلمانوں کو تختۂ مشق بنایا جا رہا ہے، گوشے گوشے سے مظلوم مسلمان سخت بے سروسامانی کی حالت میں پناہ لینے کے لئے مدینے کی طرف بھاگے چلے آرہے ہیں، مخلص مسلمانوں کی کمر ان مظلوموں کو سہارا دیتے دیتے ٹوٹی جا رہی ہے، اور دشمن کے مقابلہ میں بھی یہی مخلص مومن سر بکف ہیں مگر یہ سب کچھ دیکھ کر بھی ایمان کا دعویٰ کرنے والا یہ گروہ ٹس سے مس نہیں ہو رہا تھا، اس پر ان لوگوں کو شرم دلائی جا رہی ہے کہ تم کیسے ایمان والے ہو؟ اسلام کے لئے حالات نزاکت کی اس حد کو پہنچ چکے ہیں، کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ اللہ کا ذکر سن کر تمہارے دل پگھلیں اور اس کے دین کے لئے تمہارے دلوں میں ایثار و قربانی اور سرفروشی کا جذبہ پیدا ہو؟ کیا ایمان لانے والے ایسے ہی ہوتے ہیں کہ اللہ کے دین پر بُرا وقت آئے اور وہ اس کی ذرا سی ٹیس بھی اپنے دل میں محسوس نہ کریں، اللہ کے نام پر انہیں پکارا جائے اور وہ اپنی جگہ سے ہلیں تک نہیں، اللہ اپنی نازل کردہ کتاب میں خود چندے کی اپیل کرے اور اسے اپنے ذمہ قرض قرار دے اور صاف صاف یہ سنا دے کہ ان حالات میں جو اپنے مال کو میرے دین سے عزیز تر رکھے گا وہ مومن نہیں بلکہ منافق ہوگا، اس پر بھی ان کے دل نہ خدا کے خوف سے کانپیں اور نہ اس کے آگے جھکیں، یعنی ایمان وہی ہے کہ دل نرم ہو نصیحت اور خدا کی یاد کا اثر جلد قبول کرے شروع میں اہل کتاب یہ باتیں اپنے پیغمبروں سے پاتے تھے، مدت کے بعد ان پر غفلت چھا گئی، دل سخت ہو گئے، وہ بات نہ رہی، اکثروں نے نہایت سرکشی اور نافرمانی شروع کر دی، اب مسلمانوں کی باری آئی ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کی صحبت میں رہ کر نرم دلی، انقیاد کامل اور خشوع لذکر اللہ کی صفات سے متصف ہوں اور مقام بلند پر پہنچیں جہاں کوئی امت نہیں پہنچی۔

اِعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا قرآن مجید میں متعدد مقامات پر نبوت کے نزول کو بارش کی برکات سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ انسانیت پر اس کے وہی اثرات مرتب ہوتے ہیں جو زمین پر بارش کے ہوتے ہیں جس طرح مردہ پڑی ہوئی زمین بارانِ رحمت کا ایک چھینٹا پڑتے ہی لہلہا اٹھتی ہے، اسی طرح جس ملک میں اللہ کی رحمت سے ایک نبی مبعوث ہوتا ہے اور وحی کتاب کا نزول شروع ہوتا ہے وہاں مری ہوئی انسانیت یکا یک جی اٹھتی ہے۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ تزيينٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ اى الاشتغالُ فيها واما الطاعاتُ وما يُعِينُ عليها فمِن اُمُورِ الأخِرَةِ كَمَثَلِ اى هى فى اعْجَابِهَا لكم واضمحلالِها كمثل غَيْثٍ مَطر اَعْجَبَ الْكُفَّارَ الزُّرَّاعَ نَبَاتُهٗ الناشِئ عنه ثُمَّ يَهِيْجُ يَيْبَسُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ۭ فُتَاتًا يضمحلُ بالرِّيحِ وَفِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ لِمَن آثرَ عليها الدنيا وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ لِمَن لم يُؤثِر عليها الدُّنيا وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ ما التَّمَتُّعُ فيها اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۙ لو وُصِلَت اِحداهُما بالأخرى والعَرْضُ السَّعَةُ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ بالجدب وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ كالمرض وفقد الولد اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ يعنى اللوح المحفوظ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا نخلقها ويقال في النعمة كذلك اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۲۲﴾ لِّكَيْلَا كى ناصبة للفعل بمعنى أن اى أخبر بذلك تعالى لِئَلَّا تَاْسَوْا تحزنوا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا أى فرح بطر بل فرح شكر على النعمة بِمَآ اٰتٰىكُمْ بالمد اعطاكم وبالقصر جاء كم منه وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ متكبر بما أوتي فَخُوْرٍ ﴿۲۳﴾ به على الناس اِلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بما يجب عليهم وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ به لهم وعيد شديد وَمَنْ يَّتَوَلَّ عما يجب عليه فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ ضمير فصل وفي قراءة بسقوطه الْغَنِيُّ عن غيره الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾ لأوليائه لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا الملائكة الى الانبياء بِالْبَيِّنٰتِ بالحجج القواطع وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بمعنى الكتب وَالْمِيْزَانَ العدل لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ أخرجناه من المعادن فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ يقاتل به وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ علم مشاهدة معطوف على ليقوم الناس مَنْ يَّنْصُرُهٗ بآلات الحرب من الحديد وغيره وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ حال من هاء ينصره اى غائبا عنهم في الدنيا قال ابن عباس رضي الله عنه ينصرونه ولا يبصرونه اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾ لا حاجة له الى النصرة لكنها تنفع من يأتي بها.

ترجمہ: خوب جان لو دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشا زینت اور آپس میں فخر (غرور) اور مال و اولاد کو ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر جتلانا ہے یعنی ان میں مشغول ہو جانا ہے، لیکن طاعت اور وہ چیزیں جو اس میں معاون ہوں (مثلاً) تو یہ امور آخرت سے ہیں (مذکورہ چیزوں کی مثال) ان چیزوں کی مثال تیرے لئے تعجب خیز ہونے میں اور (جلدی) مضمحل ہونے میں ایسی ہے جیسے بارش سے پیدا ہونے والی کھیتی کسانوں کو خوش کرتی ہے پھر جب وہ خشک ہو جاتی ہے تو تم اس کو زرد دیکھتے ہو پھر وہ چورہ چورہ ہو جاتی ہے پھر ہوا کے ذریعہ نیست و نابود ہو جاتی ہے اور آخرت میں اس کے لئے سخت عذاب ہے جو آخرت پر دنیا کو ترجیح دیتا ہے اور اللہ کی طرف سے نصرت اور خوشنودی ہے اس شخص کے لئے جس نے دنیا کو آخرت پر ترجیح نہیں دی اور دنیا کی زندگی یعنی اس سے تمتع حاصل کرنا محض دھوکے کا سامان ہے تم اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور جنت کی طرف دوڑو جس کی وسعت آسمان اور زمین کے برابر ہے اگر ایک کو دوسرے کے ساتھ ملا لیا جائے اور عرض سے مراد وسعت ہے (نہ کہ چوڑائی) یہ ان کے لئے بنائی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا کرے اور اللہ بڑے فضل والا ہے نہ دنیا میں کوئی مصیبت آتی ہے خشک سالی وغیرہ اور نہ خاص تمہارے نفس میں جیسا کہ مرض اور بچے (وغیرہ) کا فوت ہو جانا، مگر یہ کہ وہ کتاب یعنی لوح محفوظ میں لکھی ہوتی ہے ان نفوس کو پیدا کرنے سے پہلے اور نعمت میں بھی ایسا ہی کہا جائے گا (جیسے کہ مصیبت کے بارے میں کہا گیا) یہ کام اللہ کے لئے بالکل آسان ہے (لِكَيْلَا) میں کَیْ فعل کا ناصب ہے أن کے معنی میں یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر دی تاکہ تم فوت شدہ چیز پر رنجیدہ نہ ہو اور نہ تم اس نعمت پر جو تم کو عطا کی گئی ہے

اترانے کے طور پر خوشی کا اظہار کرو بلکہ نعمت پر شکریہ کے طور پر اظہار مسرت کرو (اتکُمْ) مد کے ساتھ اَعْطَاکُمْ کے معنی میں ہے اور قصر کے ساتھ جَاءَ کُمْ مِنْه کے معنی میں ہے اور اللہ تعالیٰ عطا کردہ نعمت پر کسی اترانے والے اور اس نعمت کی وجہ سے لوگوں پر فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا اور جو لوگ خود (بھی) اپنے اوپر واجبات میں بخل کرتے ہیں اور اس میں لوگوں کو (بھی) بخل کی تعلیم دیتے ہیں تو ان کے لئے سخت وعید ہے (سنو) جو شخص بھی اپنے اوپر واجبات سے منہ پھیرے بلاشبہ اللہ هُوَ ضمیر فصل ہے اور ایک قراءت هُــوَ کے سقوط کے ساتھ ہے، بے نیاز ہے اور اپنے اولیاء کی حمد کا سزاوار ہے یقیناً ہم نے اپنے رسول ملائکہ کو اپنے انبیاء کی طرف حجج قاطعہ دیکر بھیجے اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب بمعنی کتب اور ترازو (یعنی) عدل کو نازل کیا تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں اور ہم نے لوہے کو اتارا یعنی معادن سے نکالا جس میں شدید ہیبت ہے اس کے ذریعہ قتال کیا جاتا ہے، اور لوگوں کے لئے (اور بھی) بہت سے فوائد ہیں اور اس لئے بھی تاکہ اللہ مشاہدہ کے طور پر جان لے (لِيَعْلَمَ) کا عطف لِيَقُوْمَ النَّاسُ پر ہے کہ کون اس کی اور اس کے رسول کی بغیر دیکھے مدد کرتا ہے؟ (یعنی) کون اس کے دین کی لوہے کے آلات وغیرہ کے ذریعہ مدد کرتا ہے؟ (بالغيب) يَنْصُرُهُ کی ہاء سے حال ہے یعنی دنیا میں ان سے غائبانہ طور پر، حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهُمَا نے فرمایا اس کی مدد کرتے ہیں حالانکہ اس کو دیکھتے نہیں ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا اور زبردست ہے اس کو نصرت کی حاجت نہیں لیکن جو نصرت کرے گا اسی کو فائدہ دے گی۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: اَیْ الاشتِغَالُ فِیْهَا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مال اور اولاد فی نفسہ بُری چیز نہیں ہیں بلکہ ان میں انہماک واشتغال ناپسندیدہ اور ممنوع ہے۔

قَوْلُهُ: ای هِیَ اس میں اشارہ ہے کہ فِی اِعْجَابِهَا، هِیَ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

قَوْلُهُ: الزُّرَّاعَ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کفار کافر بمعنی زارع (کسان) کی جمع ہے، حضرت ابن مسعود رَضِحَاللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ نے فرمایا المراد بالکفار الزرّاع زہری نے کہا ہے کہ عرب زارع کو کافر کہتے ہیں اس لئے کہ وہ بیج کو مٹی میں چھپاتا ہے یعنی یَکْفُرُ بمعنی یَسْتُرُ ہے۔

قَوْلُهُ: التمتع فیھَا کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ ما الحیٰوۃ الدنیا حذف مضاف کے ساتھ مبتداء ہے تاکہ متاع الغرور کا حمل حیوۃ الدنیا پر ہو سکے۔

قَوْلُهُ: والعرض، السعَةُ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ جنت کے عرض یعنی چوڑائی کا ذکر کیا گیا ہے مگر طول (لمبائی) کا ذکر نہیں کیا۔

جَوَابٌ: جواب کا ماحصل یہ ہے کہ یہاں العرض سے مراد چوڑائی نہیں ہے جو کہ طول کا مقابل ہے بلکہ مطلقاً وسعت مراد

ہے جس میں طول وعرض دونوں شامل ہیں۔

قَوْلُہٗ: ویقالُ فی النِّعْمَةِ کذالك یعنی جس طرح نفس ومال میں مصیبتیں اور بلائیں منجانب اللہ آتی ہیں اسی طرح نعمتیں اور راحتیں بھی اسی کی تقدیر اور حکم سے آتی ہیں۔

قَوْلُہٗ: مِنْهُ ای من فضل اللّٰہ.

قَوْلُہٗ: لَـهٗ وَعِیدٌ شدیدٌ اس سے اشارہ ہے کہ اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ الخ مبتداء ہے اس کی خبر لَهُمْ وَعِیْدٌ شدیدٌ محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: وَمَنْ یَتَوَلَّ، من شرطیہ ہے اس کا جواب محذوف ہے اور وہ فَالْوَبَالُ علیہ ہے۔

تفسیر وتشریح

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الحیوۃُ الدُّنیا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِیْنَةٌ وتَفَاخُرٌ بَیْنَکُمْ وتَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ سابقہ آیات میں اہل جنت کے اور اہل جہنم کے حالات کا بیان تھا، جو آخرت میں پیش آئیں گے اور دائمی ہوں گے، اور آخرت کی نعمتوں سے محرومی اور عذاب میں گرفتاری کا بڑا سبب انسان کے لئے دنیا کی فانی لذتیں اور ان میں انہماک، آخرت سے غفلت کا سبب ہے، اس لئے ان آیات میں اس فانی دنیا کا ناقابل اعتماد ہونا بیان کیا گیا ہے اور اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ یہ وہ حقیر اور ناقابل بھروسہ چیزیں ہیں کہ ان کی طرف مائل ہونا بھی عقل ودانشمندی کے خلاف ہے چہ جائیکہ ان پر مطمئن ہو جانا۔

اوپر کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے غفلت کے اسباب کو واقعاتی ترتیب کے ساتھ نہایت پُر تاثیر طریقہ پر مشاہداتی مثال کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

ابتدائے عمر سے آخر عمر تک جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے اور جن میں دنیادار منہمک اور مشغول اور اس پر خوش رہتے ہیں اس کا بیان ترتیب کے ساتھ یہ ہے کہ دنیا کی زندگی کا خلاصہ بہ ترتیب چند چیزیں اور چند حالات ہیں ان حالات کی قرآنی اور واقعاتی ترتیب یہ ہے، پہلے لَعِبْ پھر لہو، پھر زینت، پھر مال واولاد کی کثرت پر فخر۔

لعب وہ کھیل ہے کہ جس میں فائدہ مطلق پیش نظر نہ ہو، جیسے بہت چھوٹے بچوں کی حرکتیں کہ ان میں سوائے تعب ومشقت کے کوئی فائدہ نہیں، اور لہو وہ کھیل ہے جس کا اصل مقصد تو تفریح اور دل بہلانا اور وقت گذاری کا مشغلہ ہوتا ہے ضمنی طور پر کوئی ورزش یا دوسرا فائدہ بھی اس میں حاصل ہو جاتا ہے جیسے بڑے بچوں کے کھیل مثلاً گیند، بلا، تیراکی یا نشانہ بازی وغیرہ، حدیث میں نشانہ بازی اور تیرنے کی مشق کو اچھا کھیل فرمایا ہے، زینت، بدن اور لباس وغیرہ کی ظاہری ٹیپ ٹاپ اور بناؤ سنگار، اس سے کوئی شرف ذاتی حاصل نہیں ہوتا اور نہ اس میں اضافہ ہوتا، ہر انسان اس دور سے گذرتا ہے۔

مطلب یہ کہ عمر کا بالکل ابتدائی حصہ تو خالص کھیل یعنی لعب میں گذرا، اس کے بعد لہو شروع ہوتا ہے، اس دور میں

انسان لا یعنی اور غیر اہم کاموں میں وقت کو ضائع کردیتا ہے، اس کے بعد اس کو اپنے تن بدن اور لباس کی زینت کی فکر ہونے لگتی ہے اس کے بعد تفاخر کا دور شروع ہوتا ہے ہر شخص میں اپنے ہمعصروں اور ہم عمروں سے آگے بڑھنے اور ان پر فخر جتلانے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے، اور وہ بزعم خود اپنے نسب اور خاندان اور ظاہری وجاہت پر فخر کرنے لگتا ہے جو پارینہ قصوں اور بوسیدہ ہڈیوں پر فخر اور پدرم سلطان بود کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

انسان پر جتنے دور اس ترتیب سے آتے ہیں غور کرو تو ہر دور میں وہ اسی حال پر قانع اور اسی کو سب سے بہتر سمجھتا ہے، جب ایک دور سے دوسرے دور کی طرف منتقل ہوجاتا ہے تو سابقہ دور کی کمزوری اور لغویت سامنے آجاتی ہے، بچے ابتدائی دور میں جن کھیلوں کو اپنا سرمایہ زندگی اور سب سے بڑی دولت جانتے ہیں، اگر کوئی ان سے چھین لے تو ان کو ایسا ہی صدمہ ہوتا ہے جیسے کسی بڑے آدمی کا مال و اسباب اور کوٹھی بنگلہ چھین لیا جائے، لیکن اس دور سے آگے بڑھنے کے بعد اس کو حقیقت معلوم ہوجاتی ہے کہ جن چیزوں کو ہم نے اس وقت مقصود زندگی بنایا تھا وہ کچھ نہ تھیں، بچپن میں لعب پھر لہو میں مشغولیت رہی جوانی میں زینت اور تفاخر کا مشغلہ ایک مقصد بنا رہا، بڑھاپا آیا، اب مشغلہ تکاثر فی الاموال والاولاد کا ہوگیا کہ اپنے مال و دولت کے اعداد و شمار اور اولاد و نسل کی زیادتی پر خوش ہوتا رہے ان کو گنتا گناتا رہے، مگر جیسے جوانی کے زمانہ میں بچپن کی حرکتیں لغو معلوم ہونے لگی تھیں بڑھاپے میں پہنچ کر جوانی کی حرکتیں لغو اور ناقابل التفات نظر آنے لگیں اب بڑے میاں کی آخری منزل بڑھاپا ہے، اس میں مال کی بہتات، اولاد کی کثرت اور ان کے جاہ و منصب پر فخر سرمایہ زندگی کا مقصود اعظم بنا ہوا ہے، قرآن کریم کہتا ہے کہ یہ دور بھی گذر جانے والا ہے اگلا دور برزخ پھر قیامت ہے اس کی فکر کرو کہ وہی اصل ہے قرآن کریم نے اس ترتیب کے ساتھ ان سب مشاغل اور مقاصد دنیویہ کا زوال پذیر، ناقص، ناقابل اعتماد ہونا بیان فرمادیا اور آگے اس کو کھیتی کی ایک مثال سے واضح فرمادیا۔

دنیا کی ناپائیداری کی ایک مشاہداتی مثال:

كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا اس آیت میں دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کو سرعت زوال میں کھیتی کی مثال سے سمجھایا ہے اس مثال سے جو بات ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی وہ یہ ہے کہ یہ دنیا کی زندگی دراصل ایک عارضی زندگی ہے یہاں کی بہار بھی عارضی اور خزاں بھی عارضی، دل بہلانے کا سامان یہاں بہت کچھ ہے مگر وہ درحقیقت نہایت حقیر اور چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں، جنہیں آدمی کم عقلی کی وجہ سے بڑی چیز سمجھتا ہے حالانکہ یہاں بڑے سے بڑے اور لطف و لذت کے سامان جو حاصل ہونے ممکن ہیں وہ نہایت حقیر اور چند سال کی حیات مستعار تک محدود ہیں اور ان کا بھی حال یہ ہے کہ تقدیر کی ایک ہی گردش خود اسی دنیا میں ان سب پر جھاڑو پھیر دینے کے لئے کافی ہے۔

مثال کا خلاصہ:

اس مثال کا خلاصہ یہ ہے کہ جب بارانِ رحمت کے چھینٹے مردہ اور خشک زمین پر پڑتے ہیں تو یہ مردہ زمین گل بوٹوں سے لالہ زار بن جاتی ہے، اور نباتات کی روئیدگی سے ایسی ہری بھری ہو جاتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے قدرت نے زمرد سبز کا فرش بچھا دیا ہے، کاشتکار اپنی سرسبز اور شاداب لہلہاتی کھیتی کو دیکھ کر مست و مگن نظر آنے لگتا ہے، مگر آخر کار وہ پیلی اور زرد پڑنی شروع ہو جاتی ہے اور مرجھا کر خشک ہو جاتی ہے، آخر ایک دن وہ آتا ہے کہ بالکل چورا چورا سا ہو جاتی ہے، یہی مثال انسان کی ہے کہ شروع میں تر و تازہ حسین خوبصورت ہوتا ہے بچپن سے جوانی تک کے مراحل اسی طرح طے کرتا ہے، مگر آخر کار بڑھاپا آ جاتا ہے جو آہستہ آہستہ بدن کی تازگی اور حسن و جمال سب ختم کر دیتا ہے اور بالآخر مر کر مٹی ہو جاتا ہے، دنیا کی بے ثباتی اور زوال پذیر ہونے کا بیان فرمانے کے بعد پھر اصل مقصود، آخرت کی فکر کی طرف توجہ دلانے کے لئے آخرت کے حال کا ذکر فرمایا۔

وَفِی الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ یعنی آخرت میں ان دو حالوں میں سے ایک حال میں ضرور پہنچے گا، ایک حال کفار کا ہے ان کے لئے عذاب شدید ہے اور دوسرا حال مومنین کا ہے ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور رحمت ہے، عذابِ شدید کے مقابلہ میں دو چیزیں ارشاد فرمائیں، مغفرت اور رضوان جس میں اشارہ ہے کہ گناہوں اور خطاؤں کی معافی ایک نعمت ہے جس کے نتیجے میں آدمی عذاب سے بچ جاتا ہے مگر یہاں صرف اتنا ہی نہیں بلکہ عذاب سے بچ کر پھر جنت کی دائمی نعمتوں سے بھی سرفراز ہونا ہے جس کا سبب رضوان یعنی حق تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔

اس کے بعد دنیا کی حقیقت کو ان نہایت مختصر الفاظ میں بیان فرمایا ہے وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ یعنی ان سب باتوں کو دیکھنے اور سمجھنے کے بعد ایک عاقل اور صاحب بصیرت انسان کے لئے اس نتیجے پر پہنچنا بالکل آسان ہے کہ دنیا دھوکے کی ٹٹی اور ناقابل اعتماد سرمایہ ہے اگر انسان اس بات کو سمجھتا ہے اور یقین رکھتا ہے تو اس کا لازمی اثر یہ ہونا چاہئے کہ دنیا کی لذتوں میں منہمک نہ ہو بلکہ آخرت کی فکر زیادہ کرے۔

سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ، سَابِقُوْا، مُسَابَقَةٌ سے ماخوذ ہے یعنی اپنے ہمعصروں سے مغفرت یعنی اسباب مغفرت کی جانب آگے بڑھنے کی کوشش کرو، یعنی جس طرح تم دنیا کی دولت ولذتیں اور فائدے سمیٹنے میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی جو کوشش کر رہے ہو اسے چھوڑ کر یا اس کے ساتھ ساتھ اس چیز کو ہدف اور مقصود بناؤ اور اس طرف دوڑنے میں بازی لیجانے کی کوشش کرو۔

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ اس سے پہلی آیت میں جنت اور اس کی نعمتوں کے لئے مسابقت اور کوشش کا حکم تھا، اس سے کسی کو یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ جنت اور اس کی لازوال نعمتیں ہمارے عمل کا ثمرہ ہیں اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ تمہارے اعمال حصول جنت کے لئے علت تامہ نہیں کہ جن پر حصول جنت کا مرتب ہونا لازمی ہو، انسان کے عمر بھر کے اعمال تو ان نعمتوں کا بدلہ بھی نہیں ہو سکتے جو دنیا میں اسے مل چکی ہیں، ہمارے یہ

اعمال جنت کی لازوال نعمتوں کی قیمت نہیں بن سکتے، جنت میں جو بھی داخل ہوگا وہ محض اللہ کے فضل وکرم سے ہی داخل ہوگا، جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رَضَاللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ تم میں سے کسی کو صرف اس کا عمل نجات نہیں دلاسکتا، صحابہ رَضَاللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمْ نے عرض کیا، کیا آپ کو بھی، آپ ﷺ نے جواب دیا، ہاں! میں بھی، بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل ورحمت ہوجائے۔ (مظہری، معارف)

اللہ کی یاد سے غافل کرنے والی دو چیزیں:

دو چیزیں انسان کو اللہ کی یاد سے غافل کرنے والی ہیں ایک راحت وعیش جس میں منہمک ہو کر انسان اللہ کو بھلا بیٹھتا ہے اس سے بچنے کی ہدایت سابقہ آیات میں آچکی ہے دوسری چیز مصیبت اور غم ہے اس میں مبتلا ہو کر بھی بعض اوقات انسان مایوس اور خدا کی یاد سے غافل ہوجاتا ہے جس کو **مَا اَصَابَکُمْ مِنْ مُصِیْبَۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْ اَنْفُسِکُمْ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَھَا** میں بیان فرمایا ہے، یعنی جو مصیبت تم کو زمین میں یا تمہاری جانوں میں پہنچتی ہے وہ سب ہم نے کتاب یعنی لوح محفوظ میں مخلوقات کے پیدا کرنے سے بھی پہلے لکھ دیا تھا، زمین کی مصیبت سے مراد زمینی آفات مثلاً قحط زلزلے کھیت وباغ وغیرہ میں کمی اور اپنی جان ومال واولاد میں نقصان ہونا وغیرہ ہیں۔

لِکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَافَاتَکُمْ (الآیۃ) یہاں جس حزن وفرح سے روکا گیا ہے، وہ، وہ غم اور خوشی ہے جو انسانوں کو ناجائز کاموں تک پہنچادیتی ہے، ورنہ تکلیف پر رنجیدہ اور راحت پر خوش ہونا یہ ایک فطری عمل ہے، اور اسلام دین فطرت ہے اس میں خالق فطرت نے انسانی فطرت کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے، لیکن مومن تکلیف پر صبر کرتا ہے کہ یہی اللہ کی مشیت اور تقدیر ہے جزع فزع کرنے سے اس میں تبدیلی نہیں ہوسکتی، اور راحت پر اتراتا نہیں ہے بلکہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے کہ یہ صرف اس کی اپنی سعی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اللہ کا فضل وکرم ہے اور اس کا احسان ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ (الآیۃ) میزان سے مراد انصاف ہے مطلب یہ ہے کہ ہم نے لوگوں کو انصاف کرنے کا حکم دیا ہے، بعض نے اس کے معنی ترازو کئے ہیں، ترازو کے اتارنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ترازو کی طرف لوگوں کی رہنمائی کی، تاکہ اس کے ذریعہ لوگوں کو پورا پورا ان کا حق دیں **وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ** یہاں بھی **اَنْزَلْنَا** خلقناہ اور اس کی صنعت سکھانے کے معنی میں ہے لوہے سے بے شمار اشیاء تیار ہوتی ہیں، جنگی ضرورت کی بھی اور غیر جنگی ضرورت کی بھی۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰھِیْمَ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِھِمَا النُّبُوَّۃَ وَالْکِتٰبَ یَعْنِیْ الْکُتُبَ الْاَرْبَعَۃَ التوراۃَ والانجیلَ والزبورَ والفُرقانَ فانھا فِی ذُرِّیَّۃِ ابراھیمَ **فَمِنْھُمْ مُّھْتَدٍ وَکَثِیْرٌ مِّنْھُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ ثُمَّ قَفَّیْنَا عَلٰٓی اٰثَارِھِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّیْنَا بِعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ وَاٰتَیْنٰہُ الْاِنْجِیْلَ وَجَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ رَاْفَۃً وَّرَحْمَۃً وَّرَھْبَانِیَّۃَ** ھی رَفْضُ النِّسَاءِ واتِّخاذُ الصَّوامِعِ **ابْتَدَعُوْھَا** مِنْ قَبْلِ اَنْفُسِھِم **مَا کَتَبْنٰھَا عَلَیْھِمْ** مَا اَمَرْنَاھُم بِھا **اِلَّا** لٰکِن فَعَلُوْھا **ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ** مَرْضَاۃِ

اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا اذ تركها كثيرٌ منهم وكفروا بدين عيسٰى عليه الصّلوةُ والسّلامُ ودخلوا في دين ملكهم وبَقِيَ على دينِ عيسٰى كثيرٌ منهم فآمنوا بنبيّنا فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا به مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بعيسٰى اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ محمّدٍ صلى الله عليه وسلم وعلٰى عيسٰى يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ نصيبَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ لايمانكم بالنّبيّين وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ على الصّراط وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اى اعلمكم بذلك ليعلم اَهْلُ الْكِتٰبِ التورة الّذين لم يؤمنوا بمحمّدٍ صلى الله عليه وسلم اَنْ مخفّفةٌ من الثقيلة واسمُها ضميرُ الشأن والمعنٰى انّهم لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ خلافَ ما في زعمهم انّهم أحبّاءُ اللّٰهِ واهلُ رضوانه وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ يُعطيه مَنْ يَّشَآءُ فاتى المؤمنين منهم أجرَهم مرّتين كما تقدّم وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

ع ۴

ترجمہ: بے شک ہم نے نوح اور ابراہیم علیہما السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ہم نے ان دونوں کی ذریت میں نبوت اور کتاب جاری رکھی یعنی چاروں کتابیں، تورات، انجیل اور زبور اور قرآن، یہ سب ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذریت میں ہیں ان میں سے کچھ تو، راہ یافتہ ہوئے اور ان میں اکثر نافرمان رہے پھر بھی ان کے پیچھے پے در پے ہم رسولوں کو بھیجتے رہے اور ان کے پیچھے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ابن مریم کو بھیجا اور انہیں انجیل عطا کی، اور ان کے ماننے والوں کے دلوں میں شفقت و رحمت پیدا کی اور رہبانیت وہ عورتوں کو ترک کر دینا ہے، اور خلوت خانے بنانا ہے تو انہوں نے از خود ایجاد کر لی ہم نے اسے ان پر واجب نہیں کیا تھا یعنی ہم نے ان کو اس کا حکم نہیں دیا تھا لیکن ان لوگوں نے رہبانیت کو اللہ کی رضا جوئی کے لئے اختیار کیا سو انہوں نے اس کی پوری رعایت نہیں کی جب کہ ان میں سے اکثر نے اس کو ترک کر دیا، اور عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کے منکر ہو گئے اور اپنے بادشاہوں کے دین کو اختیار کر لیا اور بہت سے حضرت عیسیٰ کے دین پر قائم رہے، پھر ہمارے نبی ﷺ پر ایمان لائے، سو ان میں جو آپ ﷺ پر ایمان لائے ہم نے ان کو اجر عطا کیا اور زیادہ تر ان میں نافرمان رہے اے وہ لوگو! جو عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول محمد ﷺ پر اور عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لے آؤ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی رحمت سے تمہارے دونبیوں پر ایمان لانے کی وجہ سے دو حصے (اجر) عطا فرمائے گا، اور اللہ تعالیٰ تم کو ایسا نور عطا کرے گا کہ جس کو لیکر تم پل صراط پر چلو گے اور وہ تم کو بخش دے گا اور وہ غفور رحیم ہے تا کہ جان لیں یعنی تم کو اس کے ذریعہ بتا دیا کہ اہل کتاب یعنی تورات والے جو محمد ﷺ پر ایمان نہیں لائے، أن مخففہ عن الثقیلہ ہے اور اس کا اسم ضمیر شان ہے اور معنی یہ ہیں کہ وہ اللہ کے فضل میں سے کسی شی پر بھی قادر نہیں ہیں ان کے گمان کے برخلاف کہ وہ اللہ کے محبوب ہیں اور اس کی رضامندی والے ہیں اور بلاشبہ فضل، اللہ کے قبضہ میں ہے جس کو چاہے عطا کرے ان (اہل کتاب) میں سے ایمان لانے والوں کو دوہرا اجر عطا کیا، جیسا کہ ماقبل میں گذر چکا ہے اللہ بڑے فضل والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوحًا وَّابراھِیْمَ (الآیۃ) واؤ عاطفہ ہے، معطوف علیہ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا ہے، لام جواب قسم کے لئے ہے اور قسم یعنی اقسمُ محذوف ہے، اعتناء اور تعظیم کی زیادتی کے لئے قسم کو مکرر لایا گیا ہے۔

سُوَال: حضرت نوح اور ابراہیم علیہما السلام ہی کو کیوں خاص کیا گیا؟

جَوَاب: مذکورہ دونوں حضرات کا بطور خاص اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ تمام انبیاء ان ہی کی ذریت میں سے ہیں، حضرت نوح علیہ السلام ابوالثانی ہیں اور حضرت ابراہیم ابوالعرب والروم وبنی اسرائیل ہیں۔ (صاوی)

قَوْلُہٗ: وَجَعَلْنَا فی ذُرِّیَّتِھِمَا مفعول ثانی مقدم کے محل میں ہے اَلنُّبُوَّۃَ مفعول اول ہے۔

قَوْلُہٗ: اَلْکُتُبُ اس سے اشارہ ہے کہ الکتابُ میں الف لام جنس کا ہے۔

قَوْلُہٗ: وَرَھْبَانِیَّۃَ، رھبانیۃَ اکثر کے نزدیک باب اشتغال کے قاعدہ سے منصوب ہے، تقدیر عبارت یہ ہے ابتَدَعُوْا الرَّھْبَانیۃ ابتدَعُوھا اور بعض حضرات نے رافۃً پر عطف کی وجہ سے منصوب کہا ہے، اور اِبْتَدَعُوْھا رَھْبَانِیَّۃً کی صفت ہے۔

قَوْلُہٗ: لٰکن فعلُوھا، اِلَّا کی تفسیر لٰکن سے کرکے اشارہ کر دیا کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے اور کہا گیا ہے کہ مستثنیٰ متصل ہے، تقدیر عبارت یہ ہے مَا کَتَبْنَا ھَا عَلَیْھِمْ لشَیْءٍ مِن الاشیاء اِلَّا لِابتغاء مَرْضَاتِ اللّٰہِ اس صورت میں عموم احوال سے استثناء ہوگا، اور کَتَبَ بمعنی قَضٰی ہے۔

قَوْلُہٗ: رَھْبَانیۃ، رَھبَانیۃ کے معنی عبادت وریاضت میں حد سے زیادہ مبالغہ کرنا اور لوگوں سے کنارہ کشی کر کے گوشۂ تنہائی اختیار کر لینا ہے، راء کے ضمہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اس صورت میں رھبان کی طرف نسبت ہوگی جو کہ راھِبٌ کی جمع ہے جیسا کہ رُکبان رَاکِبٌ کی جمع ہے۔

قَوْلُہٗ: اَیْ اَعْلَمَکُمْ بذٰلِکَ لِیَعْلَمَ اس میں اشارہ ہے کہ لِئَلَّا میں لا زائدہ ہے تاکید کے لئے۔

قَوْلُہٗ: واللّٰہ ذو الفضل العظیم، اللّٰہ مبتداء اور ذو الفضل اس کی خبر، اور العظیم، الفضل کی صفت ہے۔

تفسیر و تشریح

ربط آیات:

سابقہ آیات میں اس عالم کی ہدایت اور اس میں عدل وانصاف قائم کرنے کے لئے انبیاء ورسل اور ان کے ساتھ کتاب ومیزان نازل کرنے کا عمومی ذکر تھا، مذکورۃ الصدر آیات میں ان میں سے خاص خاص انبیاء ورسل کا ذکر ہے پہلے حضرت نوح

علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کہ وہ آدم ثانی ہیں اور طوفان کے بعد کے انسان ان کی نسل سے ہیں، دوسرے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر ہے جو ابوالانبیاء ہیں اس کے بعد ایک مختصر جملے وَقَفَّيْنَا عَلٰى آثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا میں پورے سلسلہ انبیاء و رسل کا ذکر فرمایا، آخر میں خصوصیت کے ساتھ بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کر کے حضرت خاتم الانبیاء ﷺ اور آپ کی شریعت کا ذکر فرمایا، حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے والوں کی خاص صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَّرَحْمَةً یعنی جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام یا انجیل کا اتباع کیا ہم نے ان کے دلوں میں رأفت اور رحمت پیدا کر دی یعنی یہ لوگ آپس میں مہربان اور رحیم ہیں، یا پوری خلق خدا کے ساتھ ان کو شفقت و رحمت کا تعلق ہے، رأفت اور رحمت قریب قریب ہم معنی ہیں مگر جب ایک ساتھ بولے جاتے ہیں تو رأفت سے مراد رقیق القلبی ہوتی ہے جو کسی کو تکلیف و مصیبت میں دیکھ کر ایک شخص کے دل میں پیدا ہو، اور رحمت سے مراد وہ جذبہ ہوتا ہے جس کے تحت وہ اس کی مدد کی کوشش کرے، حضرت عیسیٰ چونکہ نہایت رقیق القلب اور خلق خدا کے لئے رحیم و شفیق تھے اس لئے ان کی سیرت کا یہ اثر ان کے پیروؤں میں سرایت کر گیا وہ اللہ کے بندوں پر ترس کھاتے تھے اور ہمدردی کے ساتھ ان کی خدمت کرتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی صفات جو سورۂ فتح میں بیان فرمائی ہیں جن میں ایک صفت رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ بھی ہے، مگر وہاں اس صفت سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک اور خاص صفت اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ بھی بیان فرمائی ہے، فرق کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت میں کفار سے جہاد و قتال کے احکام نہ تھے، اس لئے کفر کے مقابلہ میں شدت ظاہر کرنے کا وہاں کوئی محل نہ تھا۔ (معارف ملخصاً)

رہبانیت کا مفہوم:

اس کا تلفظ راء کے فتحہ اور ضمہ دونوں کے ساتھ ہے، اس کا مادہ رَهْبٌ ہے، جس کے معنی خوف کے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد جب بنی اسرائیل میں فسق و فجور عام ہو گیا، خصوصاً بادشاہوں اور رؤساء نے، انجیل میں ترمیم کر کے اس سے کھلی بغاوت شروع کر دی، ان میں جو علماء و صلحاء تھے انہوں نے اس بدعملی سے روکا تو ان کو قتل کر دیا گیا، جو کچھ بچ گئے انہوں دیکھا کہ اب نہ مقابلہ کی طاقت ہے اور نہ بچنے کی کوئی صورت، لہٰذا ان لوگوں نے اپنے دین کی حفاظت کی خاطر یہ صورت نکالی کہ اپنے اوپر یہ بات لازم کر لی کہ اب دنیا کی سب جائز لذتیں اور آرام بھی چھوڑ دیں، نکاح نہ کریں، کھانے پینے کی چیزیں جمع کرنے کی فکر نہ کریں اور رہنے کے لئے مکان کا انتظام نہ کریں، لوگوں سے دور کسی جنگل یا پہاڑ میں زندگی بسر کریں، تاکہ دین کے احکام پر آزادی کے ساتھ عمل کر سکیں ان کا یہ عمل چونکہ خدا کے خوف سے تھا اس لئے ایسے لوگوں کو راہب یا رہبان کہا جانے لگا، ان کی طرف نسبت کر کے ان کے طریقہ کو رہبانیت سے تعبیر کرنے لگے۔

ان کا یہ طریقہ کوئی شرعی طریقہ نہیں تھا بلکہ یہ طریقہ حالات سے مجبور ہو کر اپنے دین کی حفاظت کے لئے اختیار کیا گیا تھا اس لئے اصالۃً کوئی مذموم چیز نہ تھی، مگر جب ایک چیز کو اپنے اوپر لازم کر لیا تو اس کو نبھانا چاہئے تھا، مگر ان لوگوں نے اس کی رعایت

نہیں کی بلکہ اس میں کوتاہی اور اس کی خلاف ورزی شروع کردی، قرآن مجید میں اس آیت میں ان کی اسی بات پر نکیر فرمائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِحَاللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ کی ایک طویل حدیث اس پر شاہد ہے، ابن کثیر نے بروایت ابن ابی حاتم اور ابن جریر، ایک طویل حدیث نقل کی ہے، جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہوگئے تھے، جن میں سے صرف تین فرقوں کو عذاب سے نجات ملی جنہوں نے حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے بعد ظالم و جابر بادشاہوں اور دولت وقوت والے فاسقوں وفاجروں کو ان کے فسق وفجور سے روکا، ان کے مقابلہ میں حق کا کلمہ بلند کیا اور دین عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی طرف دعوت دی، ان میں سے پہلے فرقے نے قوت کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا مگر ان کے مقابلہ میں مغلوب ہوئے اور قتل کردیئے گئے، پھر ان کی جگہ ایک دوسری جماعت کھڑی ہوئی جن کو مقابلہ کی اتنی بھی طاقت نہیں تھی، مگر کلمہ حق پہنچانے کے لئے اپنی جانوں کی پرواہ کئے بغیر ان کو حق کی دعوت دی، ان سب کو بھی قتل کردیا گیا، بعض کو آروں سے چیرا گیا، بعض کو زندہ آگ میں جلایا گیا، مگر انہوں نے اللہ کی رضا کے لئے ان سب مصائب پر صبر کیا، یہ بھی نجات پا گئے، پھر ایک تیسری جماعت ان کی جگہ کھڑی ہوئی جن میں نہ مقابلہ کرنے کی قوت تھی نہ ان کے ساتھ رہ کر خود اپنے دین پر عمل کرنے کی صورت بنتی تھی اس لئے ان لوگوں نے جنگلوں اور پہاڑوں کا راستہ لیا، اور راہب بن گئے یہی وہ لوگ ہیں جن کا ذکر اللہ نے اس آیت میں کیا ہے وَرَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ.

اِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ ہم نے ان پر اس رہبانیت کو فرض نہیں کیا تھا بلکہ جو چیز ان پر فرض کی تھی وہ یہ تھی کہ وہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کریں اور دوسرا مطلب یہ کہ رہبانیت ہماری فرض کی ہوئی نہ تھی بلکہ اللہ کی رضا جوئی کے لئے خود انہوں نے اسے اپنے اوپر فرض کرلیا تھا۔

دونوں صورتوں میں یہ آیت اس بات کی صراحت کرتی ہے کہ رہبانیت ایک غیر اسلامی چیز ہے اور یہ کبھی دین حق میں شامل نہیں رہی، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَام اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں (مسند احمد) ایک اور حدیث میں ہے رَهْبَانِيَّةُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ الْجِهَادُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ اس امت کی رہبانیہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ (مسند احمد، مسند ابو یعلیٰ) یعنی اس امت کی روحانی ترقی کا راستہ جہاد فی سبیل اللہ ہے ترک دنیا نہیں، یہ امت فتنوں سے ڈر کر جنگلوں اور پہاڑوں کی طرف نہیں بھاگتی بلکہ راہ خدا میں جہاد کر کے ان کا مقابلہ کرتی ہے، بخاری اور مسلم کی متفق علیہ روایت ہے کہ صحابہ رَضِحَاللهُ تَعَالیٰ عَنْهُمْ میں سے ایک صاحب نے کہا میں کبھی شادی نہ کروں گا، اور عورت سے کوئی واسطہ نہیں رکھوں گا، رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ باتیں سنیں تو فرمایا أما واللّٰه انّي لَاخشاكم لِلّٰه واتقاكم لَهٗ لكِنِّي اَصُوْمُ وافطِرُ واُصَلِّي وارْقُدُ واَتَزَوَّجُ النساء فمن رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي خدا کی قسم میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں اور اس سے تقویٰ کرتا ہوں مگر میرا طریقہ یہ ہے کہ روزہ بھی رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا، راتوں کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، جس کو میرا طریقہ پسند نہ ہو اس سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔

رہبانیت مطلقا مذموم و ناجائز ہے یا اس میں کچھ تفصیل ہے؟

صحیح بات یہ ہے کہ رہبانیت کا عام اطلاق ترک لذات، ترک مباحات کے لئے ہوتا ہے، اس کے چند درجے ہیں ایک یہ کہ کسی مباح و حلال چیز کو اعتقاداً یا عملاً حرام قرار دے، یہ تو دین کی تحریف و تغییر ہے، اس معنی کے اعتبار سے رہبانیت قطعاً حرام ہے اور قرآنی آیت یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ میں اسی کی ممانعت ہے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ کسی مباح کو اعتقاداً حرام قرار نہیں دیتا مگر کسی دنیوی یا دینی ضرورت کی وجہ سے اس کو چھوڑنے کی پابندی کرتا ہے دنیوی ضرورت جیسے بیماری کے خطرہ سے کسی مباح چیز سے پرہیز کرے اور دینی ضرورت یہ ہے کہ یہ محسوس کرے کہ اگر میں نے اس مباح کو اختیار کیا تو انجام کار کسی گناہ میں مبتلا ہو جاؤں گا، جیسے جھوٹ غیبت وغیرہ سے بچنے کے لئے کوئی شخص لوگوں سے اختلاط ہی چھوڑ دے یا کسی نفسانی رذیلہ کے علاج کے لئے چند روز بعض مباحات کو ترک کردے اور اس ترک کی پابندی کو بطور علاج و دوا کے اس وقت تک کرے جب تک وہ رذیلہ دور نہ ہو جائے جیسے کہ صوفیاء کرام مبتدی کو کم کھانے اور کم سونے کم اختلاط کی تاکید کرتے ہیں کہ یہ ایک مجاہدہ ہے نفس کو اعتدال پر لانے کا جب نفس پر قابو ہو جاتا ہے تو یہ پرہیز چھوڑ دیا جاتا ہے، درحقیقت یہ رہبانیت نہیں تقویٰ ہے جو مطلوب ہے، اور اسلاف اور صحابہ کرام و تابعین عظام اور ائمہ دین سے ثابت ہے، تیسرا درجہ یہ ہے کہ کسی مباح کو تو حرام قرار نہیں دیتا مگر اس کا استعمال جس طرح سنت سے ثابت ہے اس طرح کے استعمال کو بھی چھوڑنا ثواب اور افضل جان کر اس سے پرہیز کرتا ہے، یہ ایک قسم کا غلو ہے جس سے احادیث کثیرہ میں رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے اور جس حدیث میں **لا رھبانیۃ فی الاسلام** آیا ہے اس سے ایسی ہی ترک مباحات مراد ہے، کہ اس کے ترک کو افضل و ثواب سمجھے۔ (معارف)

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا یہ لفظ عام طور پر صرف مسلمانوں کے لئے بولا جاتا ہے مگر یہاں اہل کتاب مراد ہیں، شاید اس میں حکمت یہ ہو کہ آگے ان کو حکم دیا گیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پر صحیح ایمان لانے کا تقاضہ یہ ہے کہ خاتم الانبیاء ﷺ پر بھی ایمان لاؤ اور جب وہ ایسا کرلیں تو الَّذِیْنَ آمَنُوْا کے خطاب کے مستحق ہوں گے۔

لِئَلَّا یَعْلَمَ اَھْلُ الْکِتٰبِ اس میں لا زائدہ ہے معنی لِیَعْلَمَ اَھْلُ الْکِتٰبِ کے ہیں اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ مذکورۃ الصدر احکام اس لئے بیان کئے گئے تاکہ اہل کتاب سمجھ لیں کہ وہ اپنی موجودہ حالت میں کہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر تو ایمان ہے، رسول اللہ ﷺ پر نہیں، اس حالت میں وہ اللہ کے کسی فضل کے مستحق نہیں جب تک حضرت خاتم النبیین پر ایمان نہ لے آئیں۔ (معارف)



سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ اثْنَتَانِ وَعِشْرُوْنَ آيَةً وَثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ ثِنْتَانِ وعِشْرُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ مجادلہ مدنی ہے، بائیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ تُراجِعُك ايُّها النَّبِيُّ فِيْ زَوْجِهَا المُظاهِرِ منها وكانَ قالَ لَها أنتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي وقد سَألَتِ النَّبيَّ صلّى اللّٰهُ عليه وسلَّمَ عن ذلك فأجابَها بأنّها حُرِّمَتْ عليه على مَا هُوَ المَعْهُودُ عِندَهم مِن أنَّ الظِّهارَ مُوجِبُ فُرْقَةٍ مُؤَبَّدَةٍ وهي خَوْلَةُ بِنْتُ ثَعْلَبَةَ وهو اوسُ بنُ الصّامِتِ وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَحْدَتَها وفَاقَتَها وصِبيَةً صِغارًا إنْ ضَمَّتْهم إليه ضاعُوا او إليها جاعُوا وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ تَراجُعَكُما اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ① عالِمٌ اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ أصلُهُ يَتَظَهَّرُونَ أُدْغِمَتِ التاءُ في الظاءِ وفي قِراءَةٍ بِألِفٍ بَيْنَ الظّاءِ والهاءِ الخَفيفةِ وفي أُخرى كَيُقاتِلُونَ والمَوضِعُ الثّاني كذلك مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰۗىِٕيْ بِهَمْزَةٍ وياءٍ وبلا ياءٍ وَلَدْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ بالظِّهارِ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ كَذِبًا وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ② للمُظاهِرِ بالكَفّارةِ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا اي فيه بأن يُخالِفُوه بإمساكِ المُظاهَرِ منها الّذي هو خِلافُ مقصودِ الظِّهارِ مِن وصفِ المرأةِ بالتَّحريمِ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ اي إعتاقُها عليه مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۭ بالوَطْيِ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ③ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ رَقَبةً فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ اي الصِّيامَ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۭ عليه اي مِن قَبلِ أن يَتَماسّا حَملًا للمُطلَقِ على المُقَيَّدِ لِكُلِّ مِسكينٍ مُدٌّ مِن غالِبِ قُوتِ البَلَدِ ذٰلِكَ اي التَّخفيفُ في الكَفّارةِ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَتِلْكَ اي الأحكامُ المَذكورةُ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ بها عَذَابٌ اَلِيْمٌ ④ مُؤلِمٌ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَاۗدُّوْنَ يُخالِفُونَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا أُذِلُّوا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ في مُخالَفَتِهم رُسُلَهم وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۭ دالّةٍ على صِدقِ الرَّسولِ وَلِلْكٰفِرِيْنَ بالآياتِ عَذَابٌ

مُّهِيْنٌ ۞ ذو إهانة يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۚ اَحْصٰهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۞ ع

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے، اے نبی یقیناً اللہ نے اس عورت کی بات سن لی، جو آپ سے اپنے ظہار کرنے والے شوہر کے بارے میں تکرار کر رہی تھی اور اس کے شوہر نے اس سے کہا تھا اَنْتِ عَلَیَّ كَظَهْرِ اُمِّیْ تو میرے لئے میری ماں کی پیٹھ کے مانند (حرام) ہے، اور آپ ﷺ سے اس عورت نے اس بارے میں دریافت کیا تھا، تو آپ نے اس کو عرف کے مطابق جواب دیا کہ وہ (تو) اس پر حرام ہوگئی جیسا کہ ان کے یہاں یہ دستور تھا کہ ظہار دائمی فرقت کا موجب مانا جاتا تھا، اور وہ خولہ بنت ثعلبہ تھی اور اس کے شوہر اوس بن صامت تھے، اور اللہ سے اپنی تنہائی کی اور اپنے فاقہ کی اور چھوٹے بچوں کی شکایت کر رہی تھی اگر ان بچوں کو اپنے شوہر کو دیتی ہے تو ضائع ہونے کا خطرہ ہے اور اگر اپنے ساتھ رکھتی ہے تو بھوکے مرنے کا اندیشہ ہے اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کے سوال وجواب سن رہا تھا، بے شک اللہ سننے دیکھنے والا ہے، تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں (یَظَّهَّرُوْنَ) کی اصل یَتَظَهَّرُوْنَ تھی، تا کو ظاء میں ادغام کر دیا گیا، اور ایک قراءت میں ظا اور ہا خفیفہ کے درمیان الف کے ساتھ ہے اور دوسری قراءت میں (یُظَاهِرُوْنَ) یُقَاتِلُوْنَ کے وزن پر ہے اور دیگر جگہ بھی ایسا ہی ہے، وہ دراصل ان کی مائیں نہیں بن جاتیں، ان کی مائیں تو وہی ہیں جن کے بطن سے وہ پیدا ہوئے ہیں (اَللَّائِی) ہمزہ اور یاء اور بغیر یاء کے ہے اور وہ لوگ ظہار کر کے ایک نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ مظاہر کو کفارہ کے ذریعہ بخشنے والا اور معاف کرنے والا ہے اور وہ لوگ جو اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر ظہار میں اپنے قول سے رجوع کرنا چاہتے ہیں یعنی ظہار کے بارے میں کہی ہوئی بات سے رجوع کرنا چاہتے ہیں، بایں طور کہ اپنی کہی ہوئی بات کا خلاف کرنا چاہتے ہیں مظاہر منہا بیویوں کو روک کر جو ظہار کے مقصد کے خلاف ہے اور وہ (مقصد) بیوی کو وصفِ حرمت سے متصف کرنا ہے تو اس پر بیوی کو ہاتھ لگانے (جماع) سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ہے اس (حکم کفارہ) سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے ہاں جو شخص غلام نہ پائے تو اختلاط کرنے سے پہلے لگاتار دو مہینے کے روزے رکھنا ہے اور جو شخص روزہ بھی نہ رکھ سکے تو اس پر اختلاط سے پہلے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہوئے، ہر مسکین کو ایک مُد شہر کی غالب خوراک کے اعتبار سے اور کفارہ میں یہ سہولت اس لئے ہے کہ تم اللہ اور رسول پر ایمان لے آؤ اور یہ یعنی مذکورہ احکام اللہ کی بیان کردہ حدود ہیں اور ان احکام کے منکر کے لئے دردناک عذاب ہے بلاشبہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں ذلیل کئے جائیں گے جیسے ان سے پہلے کے لوگ اپنے رسولوں کی مخالفت کی وجہ سے ذلیل کئے گئے تھے اور بے شک ہم واضح آیتیں نازل کر چکے ہیں جو رسول کی صداقت پر دلالت کرتی ہیں اور ان آیتوں کے انکار کرنے والوں کے لئے اہانت والا عذاب ہے جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا پھر ان کو ان کے کئے ہوئے اعمال سے آگاہ کر دے گا جنہیں اللہ نے شمار کر رکھا ہے اور جنہیں یہ بھول گئے تھے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

سورۂ مجادلہ تعداد سورت کے اعتبار سے نصف ثانی کی پہلی سورت ہے، قرآن میں کل ۱۱۴ سورتیں ہیں، یہ اٹھاونویں سورت ہے، اس سورت کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کی کوئی سطر اس بات سے خالی نہیں کہ اس میں اللہ کا لفظ، ایک یا دو یا تین مرتبہ مذکور نہ ہوا بلکہ ۳۵ مرتبہ لفظ اللہ اس سورت میں مذکور ہوا ہے۔

قَوْلُہٗ: قد سَمِعَ اللّٰہُ ای اَجابَ اللّٰہُ، قَدْ تحقیق کے لئے ہے۔

قَوْلُہٗ: فِی زَوْجِھَا ای فی شان زوجِھَا.

قَوْلُہٗ: لِمَا قَالُوْا ای لِقَولِھِمْ ما مصدریہ ہے۔

قَوْلُہٗ: فَتَحْرِیْرُ رَقَبَۃٍ ای اِعْتَاقُھَا عَلَیْہِ ای اِعْتَاقُھَا، تَحْرِیرُ رَقَبَۃٍ کی تفسیر، بیان معنی کے لئے ہے تحریرُ رَقَبَۃٍ یہ ترکیب اضافی مبتداء ہے، اور عَلَیْہِ اس کی خبر ہے، بہتر ہوتا کہ مفسر علام عَلَیْہِ کے بجائے عَلَیْھِمْ فرماتے، اس لئے کہ یہ جملہ ہوکر وَالَّذِیْنَ یُظٰھِرُوْنَ کی خبر ہے، مبتداء جمع ہے لہٰذا خبر کا بھی جمع ہونا ضروری ہے، فتحریرُ رَقَبَۃٍ پر فاء، اس لئے داخل ہے کہ مبتداء متضمن بمعنی شرط ہے۔

قَوْلُہٗ: بالوطی اَنْ یَّتَمَاسَّا کی تفسیر، وطی سے امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے مسلک کے مطابق ہے، امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک دواعی وطی بھی وطی کے حکم میں ہیں۔

قَوْلُہٗ: حَمْلًا لِلْمُطْلَقِ عَلَی الْمُقَیَّدِ یہ تفسیر امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے مسلک کے مطابق ہے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح غلام آزاد کرنا اور روزے رکھنا جماع سے پہلے ضروری ہیں، اسی طرح اطعام بھی جماع سے پہلے ہی ہونا چاہئے، اطعام میں اگرچہ قبل ان یتماسا کی قید نہیں ہے مگر اس کو بھی تحریر رقبۃ اور صیام شھرین پر قیاس کرتے ہوئے قَبْلَ اَنْ یَتَمَاسَّا کی قید کے ساتھ مقید کریں گے۔

قَوْلُہٗ: لکل مسکین مُدٌّ من غالب قوت البلد یہ تفسیر بھی امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے مسلک کے مطابق ہے اسلئے کہ ان کے یہاں ہر مسکین کو ایک مد دینا ضروری ہے، خواہ گندم ہو یا جو یا تمر وغیرہ، امام صاحب کے نزدیک گندم اگر ہو تو نصف صاع ہے اور جو وغیرہ ایک صاع ہے۔

قَوْلُہٗ: ای التخفیفُ فی الکفّارۃِ کفارۂ ظہار میں جو تین چیزوں کے درمیان اختیار دیا گیا ہے یہ بھی ایک قسم کی تخفیف اور سہولت ہے اس لئے کہ اگر ایک ہی چیز متعین کردی جاتی تو زحمت کا باعث ہوسکتی تھی۔

قَوْلُہٗ: کُبِتُوْا یقینی الوقوع ہونے کی وجہ سے ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔

تفسیر وتشریح

شان نزول:

اس سورت کی ابتدائی آیات کے نزول کا سبب ایک واقعہ ہے، احادیث کی روشنی میں واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے، یہ خاتون جن کے معاملہ میں اس سورت کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں ہیں قبیلہ خزرج کی خولہ بنت ثعلبہ تھیں، اوران کے شوہر اوس بن صامت انصاری قبیلہ اوس کے سردار عبادہ بن صامت کے بھائی تھے، اس واقعہ کی تفصیل میں اگرچہ فروعی اختلاف بہت ہیں مگر قانونی و اصولی باتوں میں اتفاق ہے، خلاصہ ان روایات کا یہ ہے کہ حضرت اوس بن صامت بڑھاپے میں کچھ چڑچڑے سے ہوگئے تھے، اور بعض روایات کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اندر کچھ جنون کی سی لٹک پیدا ہوگئی تھی، جس کے لئے راویوں نے کان بہ لَمَمٌ کے الفاظ استعمال کئے ہیں، لَمَمٌ کے معنی دیوانگی کے نہیں بلکہ اسی طرح کی کیفیت کو کہتے ہیں جس کو اردو زبان میں غصہ میں پاگل ہوجانا کہتے ہیں، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا کی روایت کے مطابق اسلام میں ظہار کا یہ پہلا واقعہ ہے، اس واقعہ کی وجہ صاحب جمل اور صاوی نے کچھ اس طرح بیان کی ہے، ایک روز اوس بن صامت گھر میں داخل ہوئے ان کی بیوی نماز پڑھ رہی تھیں اور تھیں شکیل وجمیل اور متناسب الاعضاء، حضرت اوس نے جب ان کو سجدہ میں دیکھا اوران کے پچھونڈے پر نظر پڑی تو ان کو اس صورت حال نے تعجب میں ڈال دیا، جب حضرت خولہ نماز سے فارغ ہوگئیں تو ان سے حضرت اوس نے جماع کی خواہش ظاہر کی حضرت خولہ نے انکار کردیا جس پر حضرت اوس کو غصہ آگیا، اور غصہ کی حالت میں ان کے منہ سے اَنتِ عَلَیَّ کَظَھرِ اُمِّی کے الفاظ نکل گئے، اس مسئلہ کا حکم معلوم کرنے کے لئے حضرت خولہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور سارا قصہ آپ سے بیان کیا اس وقت تک اس خاص مسئلہ کے متعلق آنحضرت ﷺ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی اس لئے آپ نے قول مشہور اور سابق دستور کے موافق ان سے فرمایا ما اراكِ اِلّا قَدْ حرمت علیه یعنی میری رائے میں تم اپنے شوہر پر حرام ہوگئیں، وہ یہ سن کر واویلا کرنے لگیں کہ میری پوری جوانی اس شوہر کی خدمت میں ختم ہوگئی، اب بڑھاپے میں انہوں نے مجھ سے یہ معاملہ کیا، اب میں کہاں جاؤں میرا اور میرے بچوں کا گذارا کیسے ہوگا؟ بار بار انہوں نے حضور سے عرض کیا کہ انہوں نے طلاق کے الفاظ تو نہیں کہے ہیں، تو پھر طلاق کیسے پڑگئی، آپ کوئی صورت ایسی بتائیں جس سے میں اور میرے بچے اور بوڑھے شوہر کی زندگی تباہ ہونے سے بچ جائے، مگر ہر مرتبہ حضور اس کو وہی جواب دیتے تھے، ایک روایت میں ہے کہ خولہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھَا نے اللہ سے فریاد کی اَللّٰھُمَّ اَشْکُوْا اِلَیْكَ ''اے میرے اللہ میں تجھ ہی سے فریاد کرتی ہوں'' ایک روایت میں ہے کہ آپ نے خولہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھَا سے فرمایا مَا اُمِرْتُ فِی شَانِكِ بِشَیْءٍ حَتّٰی الْآنَ ان تمام روایتوں میں کوئی تعارض نہیں، سب ہی اقوال صحیح ہوسکتے ہیں، حضرت خولہ نے بار بار اپنی بات دہرائی اور کوئی صورت نکالنے پر اصرار کیا، اسی کو قرآن کریم میں تُحادلُ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے حضرت خولہ اصرار کرتی رہیں اور آپ ﷺ ایک ہی جواب دیتے رہے، حضرت عائشہ فرماتی

ہیں کہ میں اس وقت آپ ﷺ کا سر مبارک دھو رہی تھی اور خولہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا اپنی بات دہرا رہی تھیں، آخر مجھے کہنا پڑا کہ کلام کو مختصر کرو، اتنے میں آپ ﷺ پر وحی کے نزول کی کیفیت طاری ہوگئی اور سورت کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں، اس کے بعد آپ ﷺ نے ان سے فرمایا اور ایک روایت میں ہے کہ ان کے شوہر کو بلا کر فرمایا، کہ ایک غلام آزاد کرنا ہوگا، انہوں نے اس سے معذوری ظاہر کی، تو فرمایا دو مہینے کے لگاتار روزے رکھو، انہوں نے عرض کیا اوس کا حال تو یہ ہے کہ دن میں اگر دو تین مرتبہ کھانے پینے نہیں تو اس کی بینائی جواب دینے لگتی ہے، آپ نے فرمایا پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہوگا، انہوں نے کہا وہ اتنی قدرت نہیں رکھتے الا یہ کہ آپ مدد فرمائیں، آپ نے ان کو کچھ غلہ عطا فرمایا اور دوسرے لوگوں نے بھی کچھ جمع کر دیا، ایک روایت میں ہے کہ آپ نے بیت المال سے ان کی مدد فرمائی، اس طرح فطرہ کی مقدار دے کر کفارہ ادا کیا گیا۔

(مظہری، معارف، فتح القدیر، شوکانی)

مسئلہ ظہار سے تین اصولی بنیادیں مستنبط ہوتی ہیں:

① ایک یہ کہ ظہار سے نکاح نہیں ٹوٹتا، بلکہ عورت بدستور شوہر کی بیوی رہتی ہے۔ ② دوسرے یہ کہ بیوی شوہر کے لئے وقتی طور پر حرام ہوتی ہے۔ ③ تیسرے یہ کہ یہ حرمت اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک کہ شوہر کفارہ ادا نہ کردے اور یہ کہ صرف کفارہ ہی اس حرمت کو رفع کر سکتا ہے۔

ظہار کی تعریف اور اس کا شرعی حکم:

اصطلاح شرع میں ظہار کی تعریف یہ ہے کہ اپنی بیوی کو اپنی محرمات ابدیہ مثلاً ماں، بہن، بیٹی وغیرہ کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دینا کہ جس کو دیکھنا اس کے لئے جائز نہیں، ماں کی پشت بھی اسی کی مثال ہے، زمانہ جاہلیت میں یہ لفظ دائمی حرمت کے لئے بولا جاتا تھا، اور طلاق کے لفظ سے بھی زیادہ ناپسندیدہ سمجھا جاتا تھا کیونکہ طلاق کے بعد تو رجعت یا نکاح جدید ہو کر پھر بیوی بن سکتی ہے مگر ظہار کی صورت میں رسم جاہلیت کے مطابق ان کے آپس میں میاں بیوی ہو کر رہنے کی قطعی کوئی صورت نہیں تھی۔

قاعدہ: وَالَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَائِهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا، لِمَا قَالُوْا میں لام، عن کے معنی میں ہے۔ ما مصدریہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے قول سے رجوع کرتے ہیں، اس آیت سے یہ قاعدہ مستنبط ہوتا ہے کہ کفارہ کا وجوب بیوی کے ساتھ اختلاط حلال ہونے کی غرض سے ہے، بیوی کفارہ کے بغیر حلال نہ ہوگی، خود ظہار کفارہ کی علت نہیں، اسی سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کر لیا اور وہ اس سے اختلاط کا خواہشمند نہیں تو کفارہ لازم نہیں، البتہ بیوی کی حق تلفی ناجائز ہے، اگر وہ مطالبہ کرے تو کفارہ ادا کر کے اختلاط کرنا یا پھر طلاق دیکر آزاد کرنا واجب ہے، اگر یہ شوہر خود نہ کرے تو بیوی حاکم کی طرف مراجعت کر کے شوہر کو اس پر مجبور کر سکتی ہے۔ (معارف ملخصًا)

فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ (الآیۃ) کفارۂ ظہار یہ ہے کہ ایک غلام یا لونڈی آزاد کرے، اگر اس پر قدرت نہ ہو تو دو مہینے کے مسلسل

روزے رکھے اگر کسی عذر شرعی کی وجہ سے اتنے روزے رکھنے پر قدرت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے، کھانا کھلانے کے قائم مقام یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو فی کس ایک فطرہ کی مقدار گندم یا اس کی قیمت دیدے، فطرہ کے گندم کی مقدار نصف صاع ہے، جس کا صحیح صحیح وزن ایک کلو چھ سو سینتیس گرام ہوتا ہے۔

مسائل:

مَسْئَلَۃ: ظہار کرنے والے کے بارے میں یہ امر متفق علیہ ہے کہ ظہار اسی شخص کا معتبر ہے جو عاقل بالغ ہو، اور بحالت ہوش و حواس ظہار کے الفاظ زبان سے ادا کرے، لہٰذا بچے اور پاگل اور سونے والے کا ظہار معتبر نہیں۔

مَسْئَلَۃ: حالت نشہ میں ظہار کرنے والے کے متعلق ائمہ اربعہ سمیت فقہاء کی ایک بڑی اکثریت یہ کہتی ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی نشہ آور چیز جان بوجھ کر استعمال کی ہو تو اس کا ظہار اس کی طلاق کی طرح قانوناً صحیح مانا جائے گا، کیونکہ اس نے یہ حالت اپنے اوپر خود طاری کی ہے، البتہ اگر مرض کی وجہ سے اس نے کوئی دوا پی ہو اور اس سے نشہ لاحق ہو گیا ہو اور نشہ کی حالت میں اس کے منہ سے ظہار یا طلاق کے الفاظ نکل گئے ہوں تو ان الفاظ کو نافذ نہیں کیا جائے گا، احناف اور شوافع اور حنابلہ کی رائے یہی ہے اور صحابہ کرام کا مسلک بھی یہی تھا، حضرت عثمان رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی رائے اس کے خلاف تھی ان کے نزدیک حالت نشہ کی طلاق وظہار معتبر نہیں، احناف میں سے امام طحاوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اور امام کرخی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اسی قول کو ترجیح دیتے ہیں، امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا بھی ایک قول اس کی تائید میں ہے، مالکیہ کے نزدیک ایسے نشہ کی حالت میں ظہار معتبر ہوگا جس میں آدمی بالکل بہک نہ گیا ہو بلکہ وہ مربوط اور مرتب کلام کر رہا ہو اور اسے یہ احساس ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؟

مَسْئَلَۃ: امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک ظہار اس شوہر کا معتبر ہے جو مسلمان ہو، ذمیوں پر ان احکام کا اطلاق نہیں ہوتا اس لئے کہ قرآن کریم میں اَلَّذِیْنَ یُظَاهِرُوْنَ مِنْكُمْ کے الفاظ ارشاد ہوئے ہیں، جن میں خطاب مسلمانوں سے ہے اور تین قسم کے کفاروں میں سے ایک کفارہ قرآن میں روزہ بھی تجویز کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ یہ ذمیوں کے لئے نہیں ہوسکتا، امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اور امام احمد کے نزدیک یہ احکام ذمی اور مسلمان دونوں کے ظہار پر نافذ ہوں گے البتہ ذمی کے لئے روزہ نہیں ہے وہ یا غلام آزاد کرے یا مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

کیا مرد کی طرح عورت بھی ظہار کرسکتی ہے؟

مثلاً اگر بیوی شوہر سے کہے تو میرے لئے میرے باپ کی طرح ہے یا میں تیرے لئے تیری ماں کی طرح ہوں تو کیا یہ بھی ظہار ہوگا، ائمہ اربعہ فرماتے ہیں کہ یہ ظہار نہیں ہے، اس لئے کہ قرآن مجید نے صریح الفاظ میں یہ احکام صرف اس صورت کیلئے بیان کئے ہیں، جبکہ شوہر بیوی سے ظہار کرے اَلَّذِیْنَ یُظَاهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَائِهِمْ اور ظہار کرنے کے اختیارات اسی کو حاصل ہوسکتے ہیں جسے طلاق دینے کا اختیار ہے، یہی رائے سفیان ثوری اور اسحٰق بن راہویہ وغیرہ کی ہے۔

امام ابو یوسف رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى فرماتے ہیں کہ یہ ظہار تو نہیں ہے مگر اس سے عورت پر قسم کا کفارہ لازم آئے گا، کیونکہ عورت کا ایسے الفاظ کہنا یہ معنی رکھتا ہے کہ اس نے اپنے شوہر سے تعلق نہ رکھنے کی قسم کھائی ہے، امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مسلک ابن قدامہ نے نقل کیا ہے، امام اوزاعی کہتے ہیں کہ اگر شادی سے پہلے عورت نے یہ بات کہی ہو کہ میں اگر اس شخص سے شادی کروں تو وہ میرے لئے ایسا ہے جیسے میرا باپ، تو ظہار ہوگا، اور اگر شادی کے بعد کہے تو قسم کے معنی میں ہوگا جس سے کفارۂ یمین لازم آئے گا، بخلاف اس کے حسن بصری، زہری، ابراہیم نخعی اور حسن بن زیاد لؤلؤی کہتے ہیں کہ یہ ظہار ہے، اور ایسا کہنے سے عورت پر کفارۂ ظہار لازم آئے گا، البتہ عورت کو یہ حق نہ ہوگا کہ کفارہ دینے سے پہلے شوہر کو اپنے پاس آنے سے روک دے، ابراہیم نخعی اس کی تائید میں یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت طلحہ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ کی صاحبزادی عائشہ کو حضرت زبیر کے صاحبزادے مصعب نے نکاح کا پیغام دیا، اس نے رد کرتے ہوئے یہ الفاظ کہہ دیئے کہ اگر میں ان سے نکاح کروں تو هُوَ عَلَىَّ كَظَهْرِ اَبِی وہ میرے لئے ایسے ہیں جیسے میرے باپ کی پیٹھ، کچھ مدت کے بعد وہ ان سے شادی کرنے پر راضی ہوگئیں، مدینہ کے علماء سے اس کے متعلق فتویٰ لیا گیا تو بہت سے فقہاء نے جن میں متعدد صحابہ بھی شامل تھے یہ فتویٰ دیا کہ عائشہ پر کفارۂ ظہار لازم ہے، اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد ابراہیم نخعی اپنی یہ رائے بیان کرتے ہیں کہ اگر عائشہ یہ بات شادی کے بعد کہتیں تو کفارہ لازم نہ آتا، مگر انہوں نے شادی سے پہلے یہ کہا تھا جب انہیں نکاح کرنے یا نہ کرنے کا اختیار حاصل تھا، اس لئے کفارہ اس پر واجب ہوگیا۔

کفارۂ ظہار ادا کرنے سے پہلے تعلق قائم کرنے کا حکم:

کفارہ ادا کرنے سے پہلے اگر شوہر نے زن و شوہر کے تعلقات قائم کر لئے تو ائمہ اربعہ کے نزدیک اگر چہ یہ گناہ ہے اور آدمی کو اس پر استغفار کرنا چاہئے اور پھر اس کا اعادہ نہ کرنا چاہئے مگر کفارہ اسے ایک ہی ادا کرنا ہوگا، رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جن لوگوں نے ایسا کیا تھا ان سے آپ نے یہ تو فرمایا تھا کہ استغفار کرو اور اس وقت تک بیوی سے الگ رہو جب تک کہ کفارہ ادا نہ کرو مگر آپ ﷺ نے انہیں یہ حکم نہیں دیا تھا کہ کفارۂ ظہار کے علاوہ کوئی اور کفارہ دینا ہوگا۔

بیوی کو کس کے ساتھ تشبیہ دینا ظہار ہے؟

اس مسئلہ میں فقہاء کرام کے درمیان اختلاف ہے، عامر شعبی کہتے ہیں کہ صرف ماں سے تشبیہ دینا ظہار ہے، اور ظاہر یہ کہتے ہیں کہ ماں کی بھی صرف پیٹھ کے ساتھ تشبیہ دینا ظہار ہے، مگر فقہاء امت میں سے کسی نے بھی ان کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا، کیونکہ قرآن نے ماں سے تشبیہ کو گناہ قرار دینے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ نہایت بیہودہ اور جھوٹی بات ہے، اب یہ ظاہر ہے کہ جن عورتوں کی حرمت ماں جیسی ہے ان کے ساتھ تشبیہ دینا بیہودگی اور جھوٹ میں اس سے کچھ مختلف نہیں ہے اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ اس کا حکم وہی نہ ہو جو ماں سے تشبیہ دینے کا ہے۔

ظہار کے صریح اور غیر صریح الفاظ کیا ہیں؟

حنفیہ کے نزدیک ظہار کے صریح الفاظ وہ ہیں جن میں صاف طور پر بیوی کو محرمات ابدیہ میں سے کسی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہو، یا تشبیہ ایسے عضو کے ساتھ دی گئی ہو کہ اس پر نظر ڈالنا حلال نہیں ہے، مثلاً یہ کہا ہو کہ تو میرے لئے میری ماں کے پیٹ یا ران کے جیسی ہے۔

مذکورہ مسائل کے مراجع اور مصادر:

(فقہ حنفی) ہدایہ، فتح القدیر، بدائع الصنائع، احکام القرآن للجصاص (فقہ مالکی) حاشیہ دسوقی علی الشرح الکبیر، بدایۃ المجتہد، احکام القرآن ابن عربی (فقہ شافعی) المنہاج للنووی، تفسیر کبیر، (فقہ حنبلی) المغنی لابن قدامہ (فقہ ظاہری) محلی لابن حزم، الفقہ علی المذاہب الاربعہ۔

خولہ بنت ثعلبہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا صحابہ کرام کی نظر میں:

ان صحابیہ کی فریاد کا بارگاہ الٰہی میں مسموع ہونا اور فوراً ہی ان کی فریادرسی کے لئے فرمان مبارک نازل ہونا ایسا واقعہ تھا کہ جس کی وجہ سے صحابہ کرام میں ان کی ایک خاص قدر و منزلت تھی، ابن عبدالبر نے استیعاب میں قتادہ کی روایت نقل کی ہے کہ یہ خاتون راستہ میں ایک روز حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو ملیں، تو آپ نے ان کو سلام کیا یہ سلام کا جواب دینے کے بعد کہنے لگیں اوہو، اے عمر! ایک وقت تھا جب میں نے تم کو بازار عکاظ میں دیکھا تھا، اس وقت تم عمیر کہلاتے تھے، لاٹھی ہاتھ میں لئے بکریاں چراتے پھرتے تھے، پھر کچھ زیادہ مدت نہ گذری تھی کہ تم عمر کہلانے لگے پھر ایک وقت آیا کہ تم امیر المومنین کہے جانے لگے، ذرا رعیت کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو، یاد رکھو جو اللہ کی وعید سے ڈرتا ہے اس کے لئے دور کا آدمی بھی رشتہ دار کی طرح ہوتا ہے اور جو موت سے ڈرتا ہے اس کے حق میں اندیشہ ہے کہ وہ اسی چیز کو کھودے گا جسے وہ بچانا چاہتا ہے، اس پر جارود عبدی جو حضرت عمر کے ساتھ تھے، بولے اے عورت تو نے امیر المومنین کے ساتھ بہت باتیں کر لیں، حضرت عمر نے فرمایا انہیں کہنے دو، جانتے بھی ہو یہ کون ہیں؟ ان کی بات تو سات آسمانوں کے اوپر سنی گئی تھی، عمر کو تو بدرجہ اولیٰ سننی چاہئے، امام بخاری نے بھی اپنی تاریخ میں اختصار کے ساتھ اس سے ملتا جلتا قصہ نقل کیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ تعلم اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ بعلمه وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ اَلَمْ تَرَ تنظر اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ہم الیہود نہاہم النبی صلّی اللہ

عليه وسلم عما كانوا يفعلون من تناجيهم اى تحدثهم سرًّا ناظرين الى المؤمنين ليوقعوا في قلوبهم الريبة **وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ** ايها النبى **بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ** وهو قولهم السام عليك اى الموت **وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا** هلا **يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ** من التحية وانه ليس بنبى ان كان نبيا **حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ** هى **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ اِنَّمَا النَّجْوٰى** بالاثم ونحوه **مِنَ الشَّيْطٰنِ** بغروره **لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ** هو **بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ** اى ارادته **وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا** توسعوا **فِي الْمَجٰلِسِ** مجلس النبى صلى الله عليه وسلم او الذكر حتى يجلس من جاءكم وفى قراءة المجالس **فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ** فى الجنة **وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا** قوموا الى الصلوة وغيرها من الخيرات **فَانْشُزُوْا** وفى قراءة بضم الشين فيهما **يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ** بالطاعة فى ذلك **وَ** يرفع **الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ** فى الجنة **وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ** اردتم مناجاته **فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ** قبلها **صَدَقَةً ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ** لذنوبكم **فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا** ما تتصدقون به **فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ** لمناجاتكم **رَّحِيْمٌ** بكم يعنى فلا عليكم فى المناجات من غير صدقة ثم نسخ ذلك بقوله **ءَاَشْفَقْتُمْ** بتحقيق الهمزتين وابدال الثانية الفًا وتسهيلها وادخال الف بين المسهلة والاخرى وتركه اى اخفتم من **اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ** لفقر **وَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا** الصدقة **وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ** رجع بكم عنها **فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ** اى دوموا على ذلك **وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ**

ترجمہ: کیا آپ نے اس پر غور نہیں کیا کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ سب کو جانتا ہے؟ کوئی سرگوشی تین آدمیوں میں ایسی نہیں ہوتی کہ چوتھا اپنے علم کے اعتبار سے اللہ نہ ہو اور نہ پانچ کی سرگوشی مگر یہ کہ چھٹا ان میں اللہ ہوتا ہے اور نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ مگر یہ کہ اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں بھی وہ ہوں پھر ان سب کو قیامت میں ان کے کئے ہوئے اعمال بتلا دے گا، اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے، کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا کہ جن کو کانا پھوسی سے منع کر دیا گیا تھا، پھر بھی وہ اس منع کئے ہوئے کام کو کرتے ہیں اور آپس میں گناہ کی اور ظلم وزیادتی کی اور پیغمبر کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں (اور) وہ یہود ہیں رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس کانا پھوسی سے منع فرما دیا تھا جو کہ وہ کیا کرتے تھے، یعنی مومنین کی طرف دیکھ کر چپکے چپکے باتیں کرتے تھے، تاکہ مومنین کے دل میں شک ڈالیں، اور اے نبی جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ کو ان لفظوں میں سلام کرتے ہیں جن لفظوں میں اللہ نے نہیں کیا، اور ان کا وہ لفظ السَّامُ عَلَيْكَ ہے یعنی آپ پر موت ہو اور وہ آپس میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں

اس سلام پر جو ہم کرتے ہیں سزا کیوں نہیں دیتا؟ اور یہ کہ وہ نبی نہیں ہے، اگر وہ نبی ہوتا تو (اللہ تعالیٰ ضرور ہم کو گرفتار عذاب کردیتا) ان کے لئے جہنم کافی ہے جس میں یہ جائیں گے سو وہ بُرا ٹھکانہ ہے اے ایمان والو! جب تم سرگوشیاں کرو تو یہ سرگوشیاں گناہ اور ظلم وزیادتی اور پیغمبر کی نافرمانی کی نہ ہوں بلکہ نیکی اور پرہیزگاری کی سرگوشیاں کرو اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے گناہ وغیرہ کی سرگوشیاں شیطانی کام ہیں اس کے فریب کی وجہ سے، جس سے اہل ایمان کو رنج پہنچے گو وہ اللہ کی اجازت اور ارادہ کے بغیر ان کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور ایمان والوں کو چاہئے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں جگہ کشادہ کرلو آپ ﷺ کی مجلس میں یا ذکر کی مجلس میں تاکہ تمہارے پاس (بعد میں) آنے والا بھی بیٹھ جائے، اور ایک قراءت میں مجلس کے بجائے مجالس ہے، تو کشادگی کریں کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے جنت میں کشادگی فرمائیں گے اور جب تم سے یہ کہا جائے کہ نماز وغیرہ یا کسی بھلے کام کے لئے کھڑے ہو جاؤ تو کھڑے ہو جایا کرو اور ایک قراءت میں (فَانشُزُوا) میں دونوں (یعنی شین اور زا کے ضمہ کے ساتھ ہے) اور اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں کے اس حکم قیام کی اطاعت کی وجہ سے اور ان لوگوں کے جن کو علم عطا کیا گیا ہے جنت میں درجات بلند فرمائے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے، اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی (تنہائی میں مشورہ) کرنا چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے فقراء کو کچھ صدقہ دیدیا کرو یہ تمہارے حق میں بہتر اور تمہارے گناہوں کے لئے پاکیزہ تر ہے، ہاں اگر صدقہ کرنے کی چیز نہ پاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہاری سرگوشی کو بخشنے والا اور مہربان ہے یعنی بغیر صدقہ کے تمہارے سرگوشی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے پھر یہ حکم اللہ تعالیٰ کے حکم أَأَشْفَقْتُمْ سے منسوخ ہوگیا، دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کو الف سے بدل کر اور دوسرے کی تسہیل کے ساتھ اور مسہلہ اور غیر مسہلہ کے درمیان الف داخل کرکے اور ترک ادخال کرکے کیا تم اپنی سرگوشی سے پہلے فقراء کے لئے صدقہ نکالنے سے ڈر گئے، پس جب تم نے یہ نہ کیا یعنی صدقہ نہ دیا اور اللہ نے بھی تمہیں معاف کردیا اور تم پر اس کے وجوب سے رجوع کریں، تو اب نمازوں کو قائم رکھو، اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو، یعنی اس کی پابندی رکھو، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اَلَمْ تَرَ تَعْلَمْ، تَرَ کی تفسیر تَعْلَمْ سے کرکے اشارہ کردیا کہ رؤیت سے رؤیت قلبی مراد ہے۔

قَوْلُہٗ: مَا یکونُ میں مانافیہ ہے اور یَکُوْنُ تامہ ہے، یعنی یُوْجَدُ وَیَقَعُ، من زائدہ ہے نَجْویٰ مصدر ہے تَنَاجِی کے معنی میں ہے اور یکون کا فاعل ہے جملہ مَا یَکُوْنُ مستانفہ ماقبل کی تاکید کے لئے ہے جو حق تعالیٰ کی وسعت علم کی تاکید کررہا

ہے، النجوی، اَلتَّحدُّثُ سِرًّا چپکے چپکے باتیں کرنا، کانا پھوسی کرنا، نَجْوٰی ثَلٰثَةٍ میں اضافۃ المصدر الی الفاعل ہے، یہاں اِلَّا کے بعد واقع ہونے والے جملے مستثنیٰ متصل ہونے کی وجہ سے محل میں نصب کے ہیں، اور عمومِ حال سے مستثنیٰ ہیں، ای مَا یُوْجَدُ مِنْ هٰذِهِ الْاَشیاء اِلَّا فِی حالٍ مِنْ هٰذِهِ الْاحوال.

قَوْلُہٗ: اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نُهُوْا الخ یہ آیت یہود اور منافقین کے بارے میں نازل ہوئی۔

قَوْلُہٗ: ومعصیت الرسول یہاں اور آئندہ تاء مجرورہ (لمبی) تاء کے ساتھ لکھا گیا ہے حالت وقف میں بعض قراء ھاء پر وقف کرتے ہیں اور بعض تاء پر، لیکن وصل کی صورت میں تاء پر متفق ہیں۔

قَوْلُہٗ: اُنْشُزُوْا تم اٹھ کھڑے ہو (ض، ن) امر جمع مذکر حاضر۔

تفسیر و تشریح

شانِ نزول:

اسبابِ نزول ان آیات کے چند واقعات ہیں:

❶ اول واقعہ:

آپ ﷺ نے مدینہ پہنچ کر سب سے پہلا جو سیاسی قدم اٹھایا وہ یہ تھا کہ یہود اور مسلمانوں کے درمیان معاہدۂ صلح فرمایا تاکہ مدینہ کے یہود کی طرف سے اطمینان ہو جائے کیونکہ مشرکین مکہ کی جانب سے ریشہ دوانیاں رہتی تھیں اور ہمہ وقت خطرہ رہتا تھا، کہیں ایسا نہ ہو کہ دو طرفہ پریشانی میں مبتلا ہو جائیں، مگر صلح کے باوجود یہود اپنی نازیبا حرکتوں سے باز نہیں آتے تھے، یہود جب کسی مسلمان کو دیکھتے تو اس کو ذہنی طور پر پریشان کرنے کے لئے آپس میں سر جوڑ کر گھسر پھسر کرنے لگتے اور اس کی طرف دیکھتے جاتے اور بعض اوقات آنکھ وغیرہ سے اشارہ بھی کرتے تاکہ مسلمان یہ سمجھے کہ ان کے خلاف یا اسلام کے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے، آنحضرت ﷺ نے یہود کو اس نازیبا حرکت سے منع فرمایا مگر وہ باز نہ آئے، اس پر یہ آیت اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰی الخ نازل ہوئی۔

❷ دوسرا واقعہ:

اسی طرح منافقین بھی اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے باہم کانا پھوسی اور سرگوشی کرتے تھے، اس پر یہ آیت اِذَا تَنَاجَیْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا الخ اور اِنَّمَا النَّجْوٰی الخ نازل ہوئی۔

❸ تیسرا واقعہ:

یہود آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ازراہ شرارت بجائے السلام علیکم کہنے کے السام علیکم کہتے، سام کے معنی موت کے ہیں۔

❹ چوتھا واقعہ:

منافقین بھی اسی طرح کہتے تھے، ان دونوں واقعوں پر وَاِذَا جَاءُوْكَ حَيَّوْكَ نازل ہوئی، اور امام ابن کثیر نے امام احمد کی روایت سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہود اس طرح کر کے خفیہ طور پر کہتے لَوْ لَا یُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ یعنی اگر ہم نے یہ گناہ کیا ہے تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا؟

❺ پانچواں واقعہ:

ایک مرتبہ آپ مسجد کے صفہ میں تشریف رکھتے تھے اور مجلس میں مجمع زیادہ تھا چند صحابہ جو غزوۂ بدر کے شرکاء میں سے تھے آئے تو ان کو کہیں جگہ نہیں ملی اور نہ اہل مجلس نے جگہ میں گنجائش نکالی کہ مل مل کر بیٹھ جاتے جس سے جگہ نکل آتی، جب آپ نے یہ صورت حال دیکھی تو بعض آدمیوں کو مجلس سے اٹھنے کے لئے فرمایا، اس پر منافقین نے طعن کیا کہ یہ کونسی انصاف کی بات ہے؟ اور آپ نے یہ بھی فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو اپنے بھائی کے لئے جگہ کھولدے، سو لوگوں نے جگہ کھول دی، اس پر آیت يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا الخ نازل ہوئی۔ (معارف ملخصًا)

❻ چھٹا واقعہ:

بعض اغنیاء آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بڑی دیر تک آپ سے سرگوشی کیا کرتے تھے اور فقراء کو استفادہ کا موقع کم ملتا تھا، آپ کو ان لوگوں کا دیر تک بیٹھنا اور دیر تک سرگوشی کرنا ناگوار گذرتا تھا، اس پر یہ آیت إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ نازل ہوئی۔

❼ ساتواں واقعہ:

جب آنحضرت ﷺ کے ساتھ سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ دینے کا حکم ہوا تو بہت سے آدمی ضروری بات کرنے سے بھی رک گئے، اس پر یہ آیت أأشفقتم نازل ہوئی۔ (معارف ملخصًا)

آیاتِ مذکورہ اگرچہ خاص واقعات کی بناء پر نازل ہوئی ہیں جن کا ذکر اوپر شانِ نزول میں آچکا ہے، لیکن یہ بات طے شدہ ہے کہ آیت کا شانِ نزول کچھ بھی ہو، ہدایاتِ قرآنی عام ہوتی ہیں، اعتبار معنی کے عموم کا ہوتا ہے نہ کہ الفاظ کے خصوص کا۔

خفیہ مشوروں کے متعلق ہدایات:

خفیہ مشورہ عموماً مخصوص اور راز دار دوستوں سے ہوتا ہے، جن پر اطمینان کیا جاتا ہے کہ اس راز کو کسی پر ظاہر نہ کریں گے، اس لئے ایسے موقع پر ایسے منصوبے بھی بنائے جاتے ہیں جن میں کسی پر ظلم کرنا ہے یا کسی کو قتل کرنا ہے یا کسی کی املاک پر قبضہ کرنا ہے وغیرہ وغیرہ، حق تعالیٰ نے ان آیت میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم اور سمع و بصر کے اعتبار سے تمہارے پاس موجود ہوتا ہے اور تمہاری ہر بات کو سنتا اور ہر حرکت کو دیکھتا اور جانتا ہے اگر تم کوئی مجرمانہ حرکت کرو گے تو اس کی سزا سے نہ بچ سکو گے، آیت کا مقصد تو یہ ہے کہ تم کتنے ہی زیادہ یا کم سرگوشی میں شریک ہو حق تعالیٰ موجود ہوتا ہے، یہاں مثال کے طور پر دو، عددوں کا ذکر کیا گیا ہے، تین اور پانچ یعنی اگر تم تین آدمی خفیہ مشورہ کر رہے ہو تو چوتھا حق تعالیٰ موجود ہوتا ہے اور اگر پانچ آدمی مشورہ کر رہے ہو تو سمجھو کہ چھٹا وہاں اللہ موجود ہے، تین اور پانچ کے عدد کی تخصیص میں شاید اس طرف اشارہ ہو کہ جماعت کے لئے اللہ کے نزدیک طاق عدد پسند ہے۔

مسلمانوں کے لئے سرگوشی سے متعلق ہدایت:

بخاری اور مسلم وغیرہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رَضِیَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اِذَا كُنْتُمْ ثَلٰثَة فَلَا يَتَنَاجَ رَجُلَانِ دونَ الآخر حَتّٰى يختلِطُوا بالنَّاسِ فَاِنَّ ذٰلِكَ يَحْزُنُهٗ یعنی جس جگہ تم تین آدمی جمع ہو تو دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر باہم سرگوشی اور خفیہ باتیں نہ کرو جب تک کہ دوسرے (تیسرے) آدمی نہ آجائیں کیونکہ اس سے اس کی دل شکنی ہوگی۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ الخ سابقہ آیات میں کفار کو ناجائز سرگوشی پر تنبیہ کی گئی تھی، اسی آیت سے مسلمانوں کے لئے بھی ہدایت نکل آئی کہ وہ بھی اپنی سرگوشیوں اور خفیہ مشوروں میں اس کا دھیان رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے سب حالات معلوم ہیں اور ہماری ہر گفتگو کا علم ہے اس استحضار کے ساتھ یہ کوشش کریں کہ ان کے مشوروں اور سرگوشیوں میں کوئی بات فی نفسہ گناہ کی یا دوسروں پر ظلم کی یا خلاف شرع کام کی نہ ہو بلکہ جب بھی آپسی مشورہ ہو نیک کام کا ہو۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ اس سے پہلی آیت میں اس چیز کو بیان فرمایا کہ جو لوگوں کے درمیان تباغض اور تنافر کا سبب ہوتی ہے وہ تناجی بالاثم والعدوان والمعصية ہے، اور اس آیت میں اس چیز کو بیان فرمایا جو آپس میں مودت اور محبت کا سبب بنتی ہے مثلاً مجلس میں کشادگی پیدا کرنا، دوسروں کو جگہ دینا مل کر بیٹھنا، یہ سب وہ باتیں ہیں جن سے آپس میں محبت اور مودت پیدا ہوتی ہے۔

مذکورہ آیت کا شانِ نزول:

ابن ابی حاتم نے مقاتل سے نقل کیا ہے کہ ایک جمعہ کو آپ ﷺ صفہ میں تشریف فرماتھے، جگہ تنگ تھی، آپ ﷺ بدریین کا بہت اکرام فرماتے تھے، مجلس بھری ہوئی تھی، اہل بدر میں سے چند لوگ آئے جن میں ثابت بن قیس بن شماس بھی تھے لوگ اپنی اپنی جگہ لے چکے تھے، یہ بدریین حضرات آپ ﷺ کے سامنے کھڑے ہوگئے اور کہا السلام علیك ایّها النبی ورحمةُ اللّٰهِ وبرکاتهٗ آپ ﷺ نے ان کے سلام کا جواب دیا پھر ان بدریین حضرات نے قوم کو سلام کیا، قوم نے بھی جواب دیا، یہ حضرات اس امید پر کھڑے رہے کہ ان کے لئے جگہ کردی جائے گی مگر اہل مجلس نے ان کے لئے جگہ نہ کی، یہ بات آپ ﷺ پر گراں گذری، چنانچہ آپ نے اپنے آس پاس والوں میں سے بعض سے فرمایا قُمْ یا فلان و یا فلان چنانچہ چند لوگ اٹھ گئے مگر یہ بات ان کو شاق گذری اور ناگواری کے آثار ان کے چہروں سے نمایاں ہونے لگے، منافقین بھی کہنے لگے کہ بیٹھے ہوؤں کو اٹھا کر بعد میں آنے والوں کو بٹھانا یہ کیسا انصاف ہے؟ اسی واقعہ کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔

(روح المعانی)

اس آیت میں دوسرا حکم آداب مجلس سے متعلق یہ ہے کہ اِذَا قِیْلَ لَکُمُ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا یعنی جب تم میں سے کسی سے کہا جائے کہ مجلس سے اٹھ جاؤ تو اسے اٹھ جانا چاہئے، اس آیت میں لفظ قیل مجہول استعمال ہوا ہے، اس کا ذکر نہیں کہ یہ کہنے والا کون ہو؟ مگر احادیثِ صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خود آنے والے شخص کو اپنے لئے جگہ کرنے کے واسطے کسی کو اس کی جگہ سے اٹھانا جائز نہیں ہے۔

صحیحین اور مسند احمد میں حضرت عبد اللہ بن عمر کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لَا یُقِیْمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهٖ فَیَجْلِسُ فیه ولکن تَفَسَّحُوْا وتَوَسَّعُوْا یعنی کوئی شخص دوسرے شخص کو اٹھا کر خود اس کی جگہ نہ بیٹھے بلکہ مجلس میں کشادگی پیدا کر کے آنے والے کو جگہ دیدیا کریں۔ (ابن کثیر، معارف)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو اس کی جگہ سے اٹھ جانے کے لئے کہنا، آنے والے شخص کے لئے تو جائز نہیں، اس لئے ظاہر یہ ہے کہ اس کا کہنے والا امیر مجلس یا مجلس کا منتظم ہوسکتا ہے، تو مطلب آیت کا یہ ہوا کہ اگر امیر مجلس یا اس کی طرف سے کوئی منتظم کسی کو اس کی جگہ سے اٹھ جانے کے لئے کہیں تو آداب مجلس میں سے یہ ہے کہ ان سے مزاحمت نہ کرے بلکہ اپنی جگہ سے اٹھ جائے، اس لئے کہ بعض اوقات مصلحت اور ضرورت کا تقاضہ بھی یہی ہوتا ہے۔

یٰـاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰکُمْ صَدَقَةً حضرت عبد اللہ بن عباس رَضِّوَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اس حکم کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ مسلمان آپ ﷺ سے تخلیہ یعنی تنہائی میں زیادہ باتیں کرنے لگے تھے جس کی وجہ سے عام مسلمانوں کو دقت ہوتی تھی، اور عمومی مجلس کا حرج بھی ہوتا تھا ہر شخص یہ کوشش کرتا تھا کہ میں آپ

ﷺ سے تنہائی میں زیادہ سے زیادہ باتیں کروں اس سے آپ ﷺ کو بھی تکلیف ہوتی تھی، اس دقت سے نجات کی اور اس بوجھ کو ہلکا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ شکل نکالی کہ جو لوگ آپ ﷺ سے تخلیہ میں باتیں کرنا چاہیں وہ پہلے کچھ صدقہ کریں، حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ فرماتے ہیں کہ جب یہ حکم نازل ہوا تو حضور ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ کتنا صدقہ مقرر کیا جائے، کیا ایک دینار؟ میں نے عرض کیا یہ لوگوں کی قدرت سے زیادہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا نصف دینار۔ میں نے عرض کیا لوگ اس کی قدرت بھی نہیں رکھتے، فرمایا پھر کتنا؟ میں نے عرض کیا بس ایک جو، برابر سونا، آپ نے فرمایا یا علی انت زھید حضرت علی فرماتے ہیں کہ قرآن کی اس آیت پر میرے سوا کسی نے عمل نہیں کیا، اس حکم کے آتے ہی میں نے صدقہ پیش کیا اور ایک مسئلہ آپ سے دریافت کر لیا۔ (ابن جریر، حاکم، ابن المنذر، عبد بن حمید)

اس کے علاوہ کچھ منافقین کی شرارت بھی اس میں شامل ہوگئی کہ مخلص مسلمانوں کو ایذا پہنچانے کے لئے آپ ﷺ سے علیحدہ سرگوشی کا وقت مانگتے تھے اور اس طرح مجلس کو طویل کر دیتے تھے، زید بن اسلم نے فرمایا کہ یہ آیت منافقین اور یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے، منافقین اور یہود تخلیہ کے بہانے آپ کا بہت سا وقت ضائع کر دیتے تھے، اور کہتے تھے کہ محمد تو کان کے کچے ہیں، ہر ایک کی بات سن لیتے ہیں، اس سے مسلمانوں کو تکلیف ہوتی تھی، ان ہی وجوہ سے اللہ تعالیٰ نے پابندی لگادی۔ (فتح القدیر شوکانی)

جب قرآن کریم میں آپ ﷺ سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ کرنے کا حکم نازل ہوا تو حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک دینار تھا میں نے اس کے دس درہم کر لئے اور ایک درہم صدقہ کر کے آپ سے سرگوشی کر کے سب سے پہلے میں نے اس آیت پر عمل کیا، حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کریم میں ایک آیت ایسی ہے کہ اس پر نہ مجھ سے پہلے کسی نے عمل کیا اور نہ بعد میں عمل کرے گا، اسلئے کہ یہ آیت بہت جلد منسوخ ہوگئی، قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم ایک دن سے بھی کم مدت باقی رہا، مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ دس دن تک رہا پھر منسوخ ہوگیا، مذکورہ حکم اگرچہ منسوخ ہوگیا مگر جس مصلحت کے لئے یہ حکم جاری کیا گیا تھا وہ حاصل ہوگئی مسلمان تو اپنی دلی محبت کے تقاضے سے ایسی مجلس طویل کرنے سے اجتناب کرنے لگے اور منافقین اس لئے رک گئے کہ ان کے لئے مال خرچ کرنا گراں گذرتا تھا اور ان کو یہ بھی خوف لاحق ہوا کہ اگر ہم مسلمانوں کے خلاف طرز اختیار کریں گے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارا نفاق ظاہر ہو جائے۔

اَلَمْ تَرَ تَنْظُرُ **اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا** ہُمُ الْمُنَافِقُوْنَ **قَوْمًا** ہُمُ الْيَہُوْدُ **غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مَاهُمْ** اَیِ الْمُنَافِقُوْنَ **مِّنْكُمْ** مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ **وَلَا مِنْهُمْ** مِنَ الْيَہُوْدِ بَلْ ہُمْ مُذَبْذَبُوْنَ **وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ** اَیْ قَوْلِہِمْ اَنَّہُمْ مُؤْمِنُوْنَ **وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ**۝ اَنَّہُمْ كَاذِبُوْنَ فِيْہِ **اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ**۝ مِنَ الْمَعَاصِی

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً سترًا على انفسهم واموالهم فَصَدُّوْا بها المؤمنين عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اى الجهاد فيهم بقتلهم واخذ اموالهم فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ذو اهانة لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ من عذابه شَيْئًا من الاغناء اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ اذكر يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ انهم مؤمنون كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ من نفع حلفهم في الاخرة كالدنيا اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ اِسْتَحْوَذَ استولى عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ بطاعتهم له فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ اتباعه اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ يخالفون اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ المغلوبين كَتَبَ اللّٰهُ في اللوح المحفوظ او قضى لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ بالحجة او السيف اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ يصادقون مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اى المحادون اٰبَآءَهُمْ اى المؤمنين اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ بل يقصدونهم بالسوء ويقاتلونهم على الايمان كما وقع لجماعة من الصحابة رضي الله تعالى عنهم اُولٰٓئِكَ الذين لا يوادونهم كَتَبَ اثبت فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ بنور مِّنْهُ تعالى وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ بطاعته وَرَضُوْا عَنْهُ بثوابه اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ يتبعون امره ويجتنبون نهيه اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ الفائزون.

ع۳

تَرجَمہ: کیا آپ نے ان لوگوں منافقوں کو دیکھا؟ جنہوں نے اس قوم سے دوستی کی جن پر اللہ کا غضب نازل ہو چکا ہے، اور وہ یہود ہیں، یہ منافق نہ تم میں سے ہیں یعنی مومنین میں سے اور نہ ان میں سے یعنی یہود میں سے بلکہ مذبذب ہیں جھوٹی قسم کھاتے ہیں یعنی اس بات پر کہ وہ مومن ہیں حالانکہ وہ (خود بھی) جانتے ہیں کہ وہ (اپنی) اس قسم میں جھوٹے ہیں اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے بلاشبہ جو یہ نافرمانی کر رہے ہیں بُرا کر رہے ہیں، ان لوگوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے یعنی اپنی جان اور اپنے مال کے لئے ڈھال بنا رکھا ہے سو قسموں کے ذریعہ مومنین کو اپنے ساتھ جہاد کرنے سے یعنی خود کو قتل ہونے اور اپنے مالوں کو لینے سے بچائے ہوئے ہیں سو ان کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہے ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے عذاب سے بچانے میں کچھ کام نہ آئیں گے (یُغنی) اِغناء سے ہے یہ تو جہنمی ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے اس دن کو یاد کرو جس دن اللہ اٹھا کھڑا کرے گا تو اس کے سامنے بھی قسمیں کھائیں گے کہ وہ مومن ہیں جیسا کہ تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور سمجھیں گے کہ دنیا کے مانند آخرت میں ان کی قسم سے ان کو کچھ فائدہ ہوگا یقین مانو کہ وہی جھوٹے ہیں ان کے شیطان کی اتباع کرنے کی وجہ سے شیطان نے ان پر غلبہ حاصل کر لیا ہے اور انہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا ہے یہ شیطانی لشکر ہے اس

کے متبعین ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ شیطانی لشکر ہی خسارہ میں ہے بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں یہی لوگ مغلوبین میں سے ہیں اللہ تعالیٰ لوح محفوظ میں لکھ چکا ہے یا فیصلہ کر چکا ہے کہ بے شک میں اور میرے رسول دلیل کے ذریعہ یا تلوار کے ذریعہ غالب رہیں گے، بے شک اللہ تعالیٰ بزاز ور آور اور غالب ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھنے والا (یعنی) سچی دوستی کرنے والا ہرگز نہ پائیں گے گو وہ مخالفت کرنے والے ان کے یعنی مومنین کے باپ دادے یا بیٹے یا بھائی یا ان کے خاندان والے ہی کیوں نہ ہوں بلکہ ان کو ضرر پہنچانے اور ایمان کی بابت ان سے قتال کرنے کا قصد رکھتے ہیں، جیسا کہ صحابہ کی ایک جماعت کے لئے ایسا واقعہ پیش آیا بھی ہے یہی لوگ جو ان سے سچی دوستی نہیں رکھتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے قلوب میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثابت کر دیا ہے اور جن کی تائید اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے کی ہے اور جنہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اس میں رہیں گے اور اللہ ان سے ان کی طاعت کی وجہ سے راضی ہے اور وہ اللہ کے ثواب سے خوش ہیں، یہ خدائی لشکر ہے جو اس کے حکم کی اتباع کرتا ہے اور اس کی منع کردہ چیزوں سے اجتناب کرتا ہے آگاہ رہو اللہ کی جماعت ہی کامیاب لوگ ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ یہ کلام مستانف ہے منافقین کی حالت پر اظہار تعجب کے لئے لایا گیا ہے جو کہ یہود سے دوستی رکھتے اور ان کی خیر خواہی کرتے تھے، اور مسلمانوں کے راز یہودیوں کو پہنچا دیا کرتے تھے یہ نہ خالص مسلمان تھے، اور نہ کافر بلکہ ان کا ایک سرا اسلام سے ملا ہوا تھا اور دوسرا کفر سے، اس لئے کہ منافق بظاہر مسلمان تھے اور در باطن کافر، گویا کہ دو کشتیوں کے سوار تھے جس میں ہلاکت یقینی ہوتی ہے۔

قَوْلُهٗ: تَوَلَّوْا، تَوَلّٰی سے مضارع جمع مذکر غائب وہ لوگ دوستی کرتے ہیں۔

قَوْلُهٗ: مَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ یہ جملہ یا تو مستانفہ ہے یا پھر تَوَلَّوْا کے فاعل سے حال ہے۔

قَوْلُهٗ: وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ یہ جملہ يَحْلِفُوْنَ کی ضمیر سے حال ہے۔

قَوْلُهٗ: اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً یہ دونوں اِتَّخَذُوْا کے مفعول ہیں، مطلب یہ ہے کہ ان منافقوں نے اپنی قسموں کو اپنے اور اپنے مالوں کی حفاظت کے لئے ڈھال اور وقایہ بنا رکھا ہے۔

قَوْلُهٗ: مِنْ عَذَابِهٖ یہ حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُهٗ: مِنَ الْاِغْنَاءِ، شَيْئًا کے بعد مِنَ الْاِغْنَاءِ محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ یہ لَنْ تُغْنِيَ کا مفعول مطلق ہے اَیْ لَنْ

تُغْنِیَ اغْنَاءً شیئًا۔

قَوْلُہٗ: وَیَحْسَبُوْنَ، یَحْلِفُوْنَ کی ضمیر فاعل سے حال ہے۔

قَوْلُہٗ: اِسْتَحْوَذَ یہ اصل کے مطابق فعل ماضی ہے، ای غَلَبَ واسْتَوْلٰی وہ مسلط ہوگیا، اس نے قابو کرلیا، اِسْتِحْوَاذٌ سے ہے، بروزن اِسْتِصْوَابٌ یہ خلافِ قیاس ہے اس لئے کہ قیاس استحاذ ہے، جیسا کہ اِسْتَعَاذَ اور اِسْتَقَامَ واؤ کو الف سے بدل کر۔

قَوْلُہٗ: لَاَغْلِبَنَّ یہ اُقْسِمُ قسم محذوف کا جواب بھی ہوسکتا ہے اسی وجہ سے اس کے اوپر لام قسم داخل کیا گیا ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کَتَبَ اللّٰہُ قسم کے معنی میں ہو اور لَاَغْلِبَنَّ جواب قسم ہو۔

تفسیر وتشریح

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا قومًا غضبَ اللّٰہُ علیہِمْ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بدحالی اور انجام کار عذاب شدید کا ذکر فرمایا: جو اللہ کے دشمنوں سے دوستی رکھیں گے، مَغْضُوْب عَلَیْہِمْ جن پر خدا کا غضب نازل ہوا وہ قرآن کریم کی صراحت کے مطابق یہود ہیں، اور ان سے دوستی کرنے والے منافقین ہیں، یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جس وقت مدینہ میں منافقین کا زور تھا اور یہودیوں کی سازشیں بھی عروج پر تھیں، یہود کو مدینہ سے جلاوطن نہیں کیا گیا تھا۔

کفار خواہ مشرکین ہوں یا یہود ونصاریٰ، یا دوسرے اقسام کے کفار، کسی مسلمان کے لئے ان سے دلی دوستی جائز نہیں، اس لئے کہ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں موالات کفار کی شدید ممانعت ومذمت وارد ہوئی ہے اور جو مسلمان کسی غیر مسلم سے دلی دوستی رکھے تو اس کو کفار ہی کے زمرے میں رکھنے کی وعید آئی ہے مگر یہ بات یاد رہے کہ یہ سب احکام دلی اور قلبی دوستی کے متعلق ہیں۔

کفار کے ساتھ حسن سلوک، ہمدردی، خیرخواہی، ان پر احسان، حسن اخلاق سے پیش آنا، یا اقتصادی اور تجارتی معاملات ان سے کرنا دوستی کے مفہوم میں داخل نہیں، رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کا تعامل اس پر شاہد ہے، البتہ ان سب چیزوں کی رعایت ضروری ہے کہ ان کے ساتھ ایسے معاملات رکھنا جائز ہیں جو اپنے دین کے لئے مضر نہ ہوں اور نہ اسلام اور دیگر مسلمانوں کے لئے مضر ہوں۔

اِتَّخَذُوْا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً، ایمانهم کو جمہور نے ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ یمین کی جمع ہے بمعنی قسم یعنی یہ لوگ قسمیں کھا کھا کر کہ وہ مسلمان ہیں مسلمانوں کی گرفت سے بچے ہوئے ہیں اور حسن رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اور ابو العالیہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی ان منافقوں نے اپنے ظاہری ایمان کو اپنے اور اپنے اموال کے لئے ڈھال اور وقایہ بنا رکھا ہے۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ مطلب یہ ہے کہ یہ منافقین صرف دنیا ہی میں اور صرف انسانوں ہی کے سامنے جھوٹی قسمیں نہیں کھاتے بلکہ آخرت میں خود اللہ جل شانہٗ کے سامنے بھی جھوٹی قسمیں کھانے سے باز نہ رہیں گے، جھوٹ اور فریب ان کی رگ رگ اور نس نس میں اس طرح پیوست ہو چکا ہے کہ مر کر بھی یہ ان سے نہ چھوٹے گا۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ پہلی آیت میں کفار ومشرکین سے دوستی کرنے والوں یعنی غیر مخلصین (منافق) مسلمانوں کا ذکر تھا جن کے لئے غضب الٰہی اور عذاب شدید کا ذکر تھا، اس آیت میں مومنین مخلصین کا ان کے مقابل ذکر فرمایا کہ وہ کسی ایسے شخص سے دوستی اور دلی تعلق نہیں رکھتے جو اللہ کا مخالف یعنی کافر ہے اگر چہ وہ ان کا باپ یا بیٹا یا بھائی یا اور قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہو۔

اس آیت میں دو باتیں ارشاد ہوئی ہیں، ایک بات اصولی ہے اور دوسری امر واقعی، اصولی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ دین حق پر ایمان اور اعدائے حق کی محبت، دو بالکل متضاد چیزیں ہیں جن کا ایک جگہ اجتماع کسی طرح قابل تصور نہیں ہے، یہ بات قطعی ناممکن ہے کہ ایمان اور دشمنانِ خدا اور رسول کی محبت ایک دل میں جمع ہو جائیں، اسی طرح جن لوگوں نے اسلام اور مخالفین اسلام سے بیک وقت رشتہ جوڑ رکھا ہے ان کو اپنے بارے میں اچھی طرح غور کر لینا چاہئے کہ وہ فی الواقع کیا ہیں مومن ہیں یا منافق؟ اگر ان کے اندر کچھ بھی راستبازی موجود ہے اور وہ کچھ بھی یہ احساس اپنے اندر رکھتے ہیں کہ اخلاقی حیثیت سے منافقت انسان کے لئے ذلیل ترین رویہ ہے تو انہیں بیک وقت دو کشتیوں میں سوار ہونے کی کوشش چھوڑ دینی چاہئے، ایمان تو ان سے دوٹوک فیصلہ چاہتا ہے مومن رہنا چاہتے ہیں تو ہر اس رشتہ اور تعلق کو قربان کر دیں جو اسلام کے ساتھ ان کے تعلق سے متصادم ہوتا ہو، اور اگر اسلام کے رشتے سے کسی اور رشتے کو عزیز تر رکھتے ہیں تو بہتر ہے کہ ایمان کا جھوٹا دعویٰ چھوڑ دیں۔

یہ تو ہے اصولی بات، مگر اللہ تعالیٰ نے یہاں صرف اصول بیان کرنے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس امر واقعی کو بھی مدعیان ایمان کے لئے نمونے کے طور پر پیش فرمادیا ہے کہ جو لوگ سچے مومن تھے انہوں نے فی الواقع سب کی آنکھوں کے سامنے تمام ان رشتوں کو کاٹ کر پھینک دیا جو اللہ کے دین کے ساتھ ان کے تعلق میں حائل ہوئے۔

تمام صحابہ کرام کا یہی حال تھا، اس جگہ مفسرین نے بہت سے صحابہ کرام کے ایسے واقعات بیان کئے ہیں، اس کی نظیریں بدر و اُحد کے معرکوں میں سارا عرب دیکھ چکا تھا، مکہ سے جو صحابہ کرام ہجرت کر کے آئے تھے وہ صرف خدا اور اس کے دین کی خاطر اپنے قبیلے اور اپنے قریب ترین رشتہ داروں سے لڑ گئے تھے، حضرت ابوعبیدہ نے اپنے والد عبد اللہ بن جراح کو قتل کیا، حضرت مصعب بن عمیر نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو قتل کیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کیا عبد اللہ بن ابی منافق کے بیٹے عبد اللہ کے سامنے اس کے منافق باپ نے حضور کی شان میں گستاخانہ کلمہ بولا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اجازت طلب کی کہ آپ اجازت دیں تو میں اپنے باپ کو قتل

کردوں، آپ نے منع فرمایا حضرت ابوبکر کے سامنے ان کے والد ابوقحافہ نے حضور کی شان میں کچھ گستاخانہ کلمہ کہہ دیا تو ارحم امت صدیق اکبر کو اتنا غصہ آیا کہ زور سے طمانچہ رسید کیا جس سے ابوقحافہ گر پڑے، جب آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا آئندہ ایسا نہ کرنا، اس قسم کے بہت سے واقعات صحابہ کرام کے ساتھ پیش آئے ان پر آیات مذکورہ نازل ہوئیں۔

وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ یہاں روح کی تفسیر بعض حضرات نے نور سے کی ہے جو منجانب اللہ مومن کو ملتا ہے اور وہی اس کے عمل صالح کا اور قلب کے سکون کا ذریعہ ہوتا ہے اور بعض حضرات نے روح کی تفسیر قرآن اور دلائل قرآن سے کی ہے کہ وہی مومن کی اصل طاقت اور قوت ہے۔ (قرطبی، معارف ملخصاً)

بحمد اللہ تمّ

سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ اَرْبَعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدنِيَّةٌ اَرْبَعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ حشر مدنی ہے، چوبیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اى نزهه فاللام مزيدة وفى الاتيان بما تغليب للاكثر وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ فى ملكه وصنعه هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ هم بنو النضير من اليهود مِنْ دِيَارِهِمْ مساكنهم بالمدينة لِاَوَّلِ الْحَشْرِ هو حشرهم الى الشام واخره ان اجلاهم عمر رضى الله تعالى عنه فى خلافته الى خيبر مَا ظَنَنْتُمْ ايها المؤمنون اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ خبر ان حُصُوْنُهُمْ فاعله به تم الخبر مِّنَ اللّٰهِ من عذابه فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ امره وعذابه مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا لم يخطر ببالهم من جهة المؤمنين وَقَذَفَ القى فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ بسكون العين وضمها الخوف بقتل سيدهم كعب بن الاشرف يُخْرِبُوْنَ بالتشديد والتخفيف من اخرب بُيُوْتَهُمْ لينقلوا ما استحسنوه منها من خشب وغيره بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ۝۲ وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ قضى عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ الخروج من الوطن لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا بالقتل والسبى كما فعل بقريظة من اليهود وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝۳ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا خالفوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۴ له مَا قَطَعْتُمْ يا مسلمين مِّنْ لِّيْنَةٍ نخلة اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ اى خيركم فى ذلك وَلِيُخْزِيَ بالاذن فى القطع الْفٰسِقِيْنَ ۝۵ اليهود فى اعتراضهم بان قطع الشجر المثمر فساد وَمَآ اَفَآءَ رد اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ اسرعتم يا مسلمين عَلَيْهِ مِنْ زائدة خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ ابل اى لم تقاسوا فيه مشقة وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۶ فلا حق لكم فيه ويختص به النبى صلى الله عليه وسلم ومن ذكر معه فى الاية الثانية من الاصناف الاربعة على ما كان يقسمه من ان لكل منهم خمس الخمس وله صلى الله عليه وسلم الباقى يفعل فيه ما يشاء

وقفِ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فغصي منه المهاجرين وثلاثة من الانصار لفقرهم مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى كالصفراء ووادي القرى وينبع فَلِلّٰهِ يَامُرُ فيه بما يشاءُ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى صاحبِ الْقُرْبٰى قرابة النبي صلى الله عليه وسلم من بني هاشم وبني المُطلب وَالْيَتٰمٰى اطفال المُسلمين الذين هلكت اٰباؤهم فقراء وَالْمَسٰكِيْنِ ذوي الحاجة من المسلمين وَابْنِ السَّبِيْلِ المُنقطع في سَفرِه من المُسلمين اي يَستحِقُّه النبي والاربعة على ما كان يَقسمه من ان لكلٍّ من الاربعةِ خُمسَ الخُمسِ وله الباقي كَيْ لَا كي بمعنى اللام وان مُقدَّرةٌ بعدها يَكُوْنَ الفيءُ علة القِسمةِ كذلك دُوْلَةً مُتداولاً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ وَمَآ اٰتٰكُمُ اعطاكم الرَّسُوْلُ من الفيءِ وغيره فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۞ لِلْفُقَرَآءِ متعلق بمحذوف اي اعجبوا الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۞ في ايمانهم وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ المدينةَ وَالْاِيْمَانَ اي الفوه وهم الانصار مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً حسدًا مِّمَّآ اُوْتُوْا اي اتى النبيُّ صلى الله عليه وسلم المُهاجرين من اموال بني النَّضير المُختصة به وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ حاجةٌ الى ما يُؤثرون به وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ حرصَها على المال فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ من بعد المهاجرين والانصار الى يوم القيمة يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا حقدًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۞

تَرجَمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، آسمان اور زمین میں جو شی بھی ہے وہ اس کی تسبیح بیان کرتی ہے یعنی اس کی پاکی بیان کرتی ہے، لام زائدہ ہے، اور مَن کے بجائے مَا لانا اکثر (یعنی غیر ذوی العقول) کو غلبہ دینے کی بناء پر ہے، وہ اپنے ملک انتظام میں غالب اور حکمت والا ہے، اور وہی ہے جس نے اہل کتاب کافروں کو کہ وہ بنونضیر کے یہودی تھے، مدینہ میں ان کے گھروں سے پہلے ہی حشر میں نکالا، ان کا یہ اخراج (مدینہ) سے خیبر کی جانب تھا، اور دوسرا حشر وہ تھا کہ جب حضرت عمر رَضِحَالقَدُتعالیٰ نے ان کو اپنے دور خلافت میں خیبر سے شام کی طرف نکالا تھا۔

نَوٹ: متن میں تسامح ہے، جس کو ترجمہ میں درست کر دیا گیا ہے۔

اے مومنو! تمہارے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ نکلیں گے اور وہ بھی یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ان کے قلعے اللہ کے عذاب سے ان کی حفاظت کریں گے مَانِعَتُهُمْ، اَنَّ کی خبر ہے اور حُصُوْنُهُمْ، مَانِعَتُهُمْ کا فاعل ہے اس سے خبر تام ہوگئی، مگر اللہ یعنی اس کا حکم اور اس کا عذاب ایسی جگہ سے آپڑا کہ ان کو (وہم) وگمان بھی نہ تھا، یعنی مومنوں کی جانب سے، ان کے دل میں کبھی یہ بات آئی بھی نہ تھی اور اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا (رُعب) عین کے سکون اور ضمہ کے

ساتھ ہے ان کے سردار کعب بن اشرف کو قتل کر کے اور وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اجاڑ رہے تھے (یُخْرِبُوْنَ)
اَخْرَبَ سے تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے، تاکہ وہ اپنی پسندیدہ چیزوں، لکڑی وغیرہ کو منتقل کر سکیں، اور مومنین کے ہاتھوں
سے اُجڑ وار ہے تھے، سوائے دانشمندو! عبرت حاصل کرو اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جلاوطنی (یعنی وطن سے نکلنا) مقدر
نہ کر دی ہوتی تو دنیا ہی میں اللہ ان کو قتل وقید کی سزا دیتا جیسا کہ قریظہ کے یہود کے ساتھ کیا گیا، اور آخرت میں تو ان کے
لئے آگ کا عذاب ہے ہی یہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو بھی اللہ کی مخالفت
کرے گا اللہ اس کو شدید عذاب دے گا اے مسلمانو! تم نے جو کھجور کے درخت کاٹ ڈالے یا جنہیں تم نے کھڑے رہنے
دیا یہ سب اللہ کے حکم سے تھا یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو اس کا اختیار دیدیا تھا، اور اس لئے بھی کہ کاٹنے کی اجازت دیکر
فاسقوں (یعنی یہود) کو اللہ رسوا کرے، ان کے اس اعتراض کے جواب میں کہ پھلدار درختوں کو کاٹنا فساد ہے، اور ان کا جو
مال اللہ نے اپنے رسول کے ہاتھ لگا دیا ہے اے مسلمانو! نہ تم نے اس پر گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ یعنی تم نے اس مال
کے لئے کوئی مشقت نہیں اٹھائی لیکن اللہ جس پر چاہے اپنے رسول کو غالب کر دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے لہٰذا اس مال
میں تمہارا حق نہیں اور وہ مال آپ ﷺ اور ان لوگوں کے لئے خاص کیا گیا ہے جن چار قسموں کا دوسری آیت میں آپ
کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، جس کے مطابق آپ اس مال کو تقسیم فرماتے تھے، اس طریقہ پر کہ ان میں ہر ایک کے لئے دسواں
حصہ اور باقی آپ ﷺ کے لئے ہے اس میں آپ جو چاہیں کریں چنانچہ اس میں سے آپ نے مہاجرین کو عطا فرمایا اور
فقراء انصار میں سے تین (آدمیوں) کو عطا فرمایا بستی والوں جیسا کہ صفراء اور وادی القریٰ اور ینبع کا جو مال اللہ تعالیٰ نے
تمہارے لڑے بھڑے بغیر اپنے رسول کے ہاتھ لگایا وہ اللہ کا ہے اس میں جس کے لئے چاہے حکم فرمائے اور رسول کا ہے
اور قرابت والوں کا ہے یعنی بنی ہاشم و بنی مطلب میں سے نبی ﷺ کی قرابت والوں کا، اور یتیموں یعنی مسلمانوں کے ان
بچوں کا جن کے آباء ہلاک ہو گئے، اور وہ محتاج ہیں، اور مسکینوں کا یعنی مسلمانوں میں سے حاجتمندوں کا اور مسافروں کا یعنی
ان مسلمان مسافروں کا جو اپنے سفر کو جاری نہ رکھ سکیں، یعنی اس مال کے مستحق نبی ﷺ ہیں اور چار فریق ہیں جیسا کہ آپ
تقسیم فرماتے تھے، اس طریقہ پر کہ چاروں کے مجموعہ کے لئے دسواں حصہ اور باقی آپ ﷺ کے لئے ہے تاکہ تمہارے
دولتمندوں کے ہاتھوں میں ہی مال گردش کرتا نہ رہ جائے (کَیْلَا) کَیْ بمعنی لام ہے اور لام کے بعد اَنْ مقدر ہے (کَیْلَا)
سے مذکورہ طریقہ پر تقسیم کرنے کی علت کا بیان ہے اور رسول جو کچھ تمہیں مال فیٔ وغیرہ سے دے اس کو لے لو اور جس سے
روکے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے ان فقراء مہاجرین کے لئے (شاباشی ہے) جو ان کے
گھروں سے اور ان کے مالوں سے نکال دئیے گئے ہیں وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طالب ہیں اور وہ اللہ کی
اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں (درحقیقت) یہی ہیں سچے لوگ اپنے ایمان میں اور ان کے لئے جنہوں نے اپنے گھر
(یعنی مدینہ) میں اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنالی یعنی ایمان سے الفت کر لی اور وہ انصار ہیں اپنی طرف ہجرت کر کے

آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اوران مہاجرین کو جو کچھ دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں تنگی محسوس نہیں کرتے یعنی نبی ﷺ نے مہاجرین کو بنی نضیر سے حاصل شدہ مال میں سے جو کہ آپ ﷺ کے لئے خاص تھا کچھ دیدیا تھا، بلکہ اپنے اوپران کو ترجیح دیتے ہیں گوخود کواس مال کی کتنی ہی حاجت کیوں نہ ہواور جو شخص اپنے نفس کے بخل سے بچایا گیا یعنی مال کی حرص سے وہی ہیں کامیاب لوگ اور وہ لوگ جوان کے یعنی مہاجرین وانصار کے بعد قیامت تک آئیں گے کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے ہیں اور ایمان والوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ نہ ڈال، اے ہمارے پروردگار بےشک تو شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

سورۂ حشر اٹھاونویں سورت ہے، اس کا دوسرا نام سورۃ النضیر ہے، یہ بالاتفاق مدنی سورت ہے۔

قِوْلُہٗ: بنو نضیر یہ قبیلہ حضرت ہارون علیہ السلام کی ذریت میں سے تھا۔

قِوْلُہٗ: لِاَوَّلِ الحَشْرِ لام بمعنی فی ہے ای فی اول الحشر اور لام بمعنی عند بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ لِدُلوكِ الشمسِ میں ہے اس وقت لام توقیت کے لئے ہوگا، اَوَّل الحشر یہ اضافت صفت الی الموصوف کے قبیل سے ہے، ای الحشر الاوّل.

قِوْلُہٗ: الی خَیْبَرَ صحیح مِنْ خَیْبَرَ ہے۔

قِوْلُہٗ: تـمّ بِهٖ الخبر، اَنَّهُمْ، میں هُمْ اَنَّ کا اسم ہے مَانِعَةٌ اسم فاعل هُمْ اس کا مفعول حصُونُهُمْ اسکا فاعل، اسم فاعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر اَنَّ کی خبر جیسے اَنّ زیدًا قائمٌ ابوہ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حصُونُهُمْ مبتداء مؤخر اور مانِعَتُهُمْ خبر مقدم، مبتداء اپنی خبر مقدم سے مل کر اَنَّ کی خبر ہو۔

قِوْلُہٗ: حُصُوْنٌ، حِصْنٌ کی جمع ہے بمعنی قلعے۔

قِوْلُہٗ: مِنْ اَخْرَبَ اس کا تعلق تخفیف سے ہے، مطلب یہ کہ یُخْرِبُوْنَ کو تخفیف کے ساتھ پڑھیں تو اَخْرَبَ سے ہوگا، اور اگر تشدید کے ساتھ پڑھیں یُخَرِّبُوْنَ تو (تفعیل) سے ہوگا۔

قِوْلُہٗ: لَوْلَا اَنْ کَتَبَ اللّٰہُ عَلَیْهِم، اَنْ مصدریہ ہے، اَنْ مع اپنے مابعد کے مصدر کی تاویل میں ہوکر مبتداء محلا مرفوع ہے اس کی خبر وجوبا محذوف ہے اور وہ مَوْجُوْدٌ ہے ای لو لَا کِتَابَ اللّٰه علَیْهِمْ موجودٌ لَعَذّبَهُمْ، لعذّبهم لو لا کا جواب ہے۔

قِوْلُہٗ: الجلاءُ ای الخروج من الوطن مع الاهل و الولد، جلاوطنی کہتے ہیں مع اہل وعیال کے وطن چھوڑ کر چلے جانا، بخلاف خروج کے کہ وہ تنہا اور مع اہل وعیال دونوں طریقوں سے ہوسکتا ہے۔

قِوْلُہٗ: اَللِّیْنَةُ یہ لِیْنٌ سے مشتق ہے عمدہ کھجور کو کہتے ہیں (ای النَّخلَةُ الکَرِیْمَةُ) اس کی جمع اَلْیَانٌ آتی ہے۔

قِوْلُہٗ: وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِيْنَ واؤ عاطفہ ہے معطوف علیہ محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے اَذِنَ فِیْ قَطْعِهَا لِيُعِزَّ المؤمنين وَيُخْزِيَ الْمُنَافِقِيْنَ.

قِوْلُہٗ: لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ ایک توجیہ یہ ہے کہ لِلْفُقَرَاءِ کا تعلق فعل محذوف سے کیا جائے جیسا کہ علامہ محلی کی رائے ہے علامہ محلی نے اِعْجَبُوْا فعل محذوف مانا ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی اِعْجَبُوْا لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا (الآية) اور یہ اظہار تعجب علی سبیل المدح ہے، یعنی تعجب ہے کہ مہاجرین نے حیرت انگیز کارنامہ انجام دیا کہ اپنا گھر بار عزیز و اقارب، مال و دولت، غرضیکہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں اپنا سب کچھ تیاگ دیا اور بے یار و مددگار غریب الوطن ہو کر دیار غیر میں مقیم ہوگئے، لِلْفُقَرَاءِ کو فعل محذوف سے متعلق کرنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ ذی القربیٰ کے لئے فقر شرط نہ ہوگا، بلکہ مال غنیمت (فَیْ) میں ذوی القربیٰ کا حق ہوگا خواہ وہ محتاج اور حاجتمند ہوں یا نہ ہوں، یہی مسلک امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا ہے مفسر علام چونکہ شافعی المسلک ہیں اس لئے اسی کے پیش نظر اِعْجَبُوْا فعل محذوف مانا ہے تاکہ لِلْفُقَرَاءِ کو ذی القربیٰ سے بدل قرار نہ دینا پڑے، دوسری صورت یہ کہ للفقراء کو ذی القربیٰ سے بدل قرار دیا جائے جیسا کہ امام اعظم ابوحنیفہ لِلْفُقَرَاءِ کو ذی القربیٰ اور اس کے مابعد سے بدل الکل قرار دیتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ فقر اور حاجت مع ذو القربیٰ تمام مذکورین کے لئے شرط ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ذو القربیٰ میں جو نادار اور غریب ہوں گے تو وہ مال فئی (غنیمت) میں حصہ دار ہوں گے ورنہ نہیں۔

قِوْلُہٗ: وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ مدح انصار کے لئے کلام مستانف ہے یا اس کا عطف لِلْفُقَرَاءِ پر بھی کر سکتے ہیں، الَّذِيْنَ مذکورہ دونوں صورتوں میں یا تو مبتدا، ہوگا یا پھر اس کا عطف لِلْفُقَرَاءِ پر ہوگا۔ اس صورت میں الَّذِيْنَ محل جر میں ہوگا کہ الَّذِيْنَ مبتدا ہو تو يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ جملہ ہو کر اس کی خبر ہوگی۔

قِوْلُہٗ: اَلِفُوْهُ یہ اشارہ ہے کہ الایمان فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے۔

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

ربط:

سابقہ سورت میں منافقین کی یہود کے ساتھ دوستی کی مذمت کا بیان تھا، اس سورت میں یہود پر دنیا میں جلاوطنی کی سزا اور آخرت میں شدید عذاب کا ذکر ہے۔

شانِ نزول:

آنحضرت ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے سیاسی اقدام کے طور پر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ قبائل یہود کے ساتھ جن میں بنونضیر اور بنوقریظہ اور بنوقینقاع بھی شامل تھے، تحریری معاہدۂ صلح فرمایا جس کی رو سے یہود اور مسلمان آپس میں

ایک دوسرے کے حیف ہوگئے، یہ معاہدہ مندرجہ ذیل چودہ دفعات پر مشتمل تھا، جو ہجرت مدینہ کے پانچ ماہ بعد ہوا تھا
(۱) قصاص اور خون بہا کے جو طریقے قدیم زمانہ سے چلے آرہے ہیں وہ عدل اور انصاف کے ساتھ بدستور قائم رہیں گے۔
(۲) ہر گروہ کو اپنی جماعت کا عدل وانصاف کے ساتھ فدیہ دینا ہوگا۔ (۳) ظلم اور اثم اور عدوان اور فساد کے مقابلہ میں سب متفق رہیں گے۔ (۴) کوئی مسلمان کسی مسلمان کو کسی کافر کے مقابلہ میں قتل کرنے کا مجاز نہ ہوگا اور نہ کسی مسلمان کے مقابلہ میں کسی کافر کی کسی قسم کی مدد کی اجازت ہوگی۔ (۵) ایک ادنیٰ مسلمان کو پناہ دینے کا وہی حق ہوگا جو ایک بڑے رتبہ کے مسمان کو ہوگا۔ (۶) جو یہود مسمانوں کے تابع ہوکر رہیں گے ان کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ ہوگی (۷) کسی کافر اور مشرک کو یہ حق نہ ہوگا کہ مسمانوں کے مقابلہ میں قریش کے کسی کی جان یا مال کو پناہ دے سکے یا قریش اور مسلمانوں کے درمیان حائل ہو۔
(۸) بوقت جنگ یہود کو مسمانوں کا ساتھ جان ومال سے ساتھ دینا ہوگا، مسلمانوں کے خلاف مدد کی اجازت نہ ہوگی۔ (۹) نبی ﷺ کا کوئی دشمن اگر مدینہ پر حملہ کرے تو یہود پر آپ ﷺ کی مدد لازم ہوگی۔ (۱۰) جو قبائل اس عہد میں شریک ہیں اگر ان میں سے کوئی قبیلہ علیحدگی اختیار کرنا چاہے تو آپ ﷺ کی اجازت ضروری ہوگی۔ (۱۱) کسی فتنہ پرداز کی مدد یا اس کو ٹھکانہ دینے کی اجازت نہ ہوگی اور جو شخص کسی بدعتی کی مدد کرے گا اس پر اللہ کی لعنت اور غضب ہے، قیامت تک اس کا کوئی عمل قبول نہ ہوگا۔ (۱۲) مسمان اگر کسی سے صلح کریں گے تو یہود کو بھی اس صلح میں شریک ہونا ضروری ہوگا۔ (۱۳) جو کسی مسلمان کو قتل کرے اور شہادت موجود ہو تو قصاص لیا جائے گا، الّا یہ کہ مقتول کا ولی دیت وغیرہ پر راضی ہوجائے۔ (۱۴) جب کبھی نزاع یا کسی میں اختلاف رونما ہوگا تو اس میں آپ ﷺ سے رجوع کیا جائے گا۔ (البدایہ والنھایہ ملخصًا)

قبیلہ بنو نضیر مدینہ طیبہ سے دو میل کے فاصلہ پر رہتا تھا، اسی دوران عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ سے قبیلہ بنی عامر کے دو کافروں کے قتل کا ایک واقعہ پیش آیا، بنو عامر سے آنحضرت ﷺ کا معاہدہ تھا۔

بیر معونہ اور عمرو بن امیہ ضمری کا واقعہ:

بیر معونہ کا واقعہ جو کہ تاریخ اسلام میں بڑا دردناک واقعہ ہے اس کا مختصر حال اس طرح ہے کہ حادثہ رجیع کے چند روز بعد ہی ماہ صفر ۴ھ میں ابوالبراء عامر بن مالک بن جعفر نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی بستی میں تبلیغ اسلام کے لئے صحابہ کرام رَضِوَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ کی ایک جماعت بھیجنے کی درخواست کی، آنحضرت ﷺ نے ستر صحابہ کرام رَضِوَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ کی ایک جماعت ان کے ساتھ کردی بعد میں معلوم ہوا کہ یہ محض ایک سازش تھی جو کہ مسلمانوں کو قتل کرنے کے لئے تیار کی گئی تھی، چنانچہ وہ اس میں کامیاب ہوگئے، ان قراء کی جماعت میں سے صرف عمرو بن امیہ ضمری کسی طرح بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے، اتفاق یہ ہوا کہ مدینہ طیبہ آنے کے وقت راستہ میں ان کو دو کافر ملے عمرو بن امیہ ضمری رَضِوَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ چونکہ اپنے انہتر ساتھیوں کا بے رحمانہ قتل اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے ان کا غم وغصہ کتنا ہوگا ہر شخص سمجھ سکتا ہے، اس لئے انہوں نے یہ ٹھان لیا کہ ان سے اپنے انہتر مقتول ساتھیوں کا بدلہ لینا چاہئے، چنانچہ عمرو بن امیہ ضمری نے موقع پا کر ان دونوں کافروں کو قتل

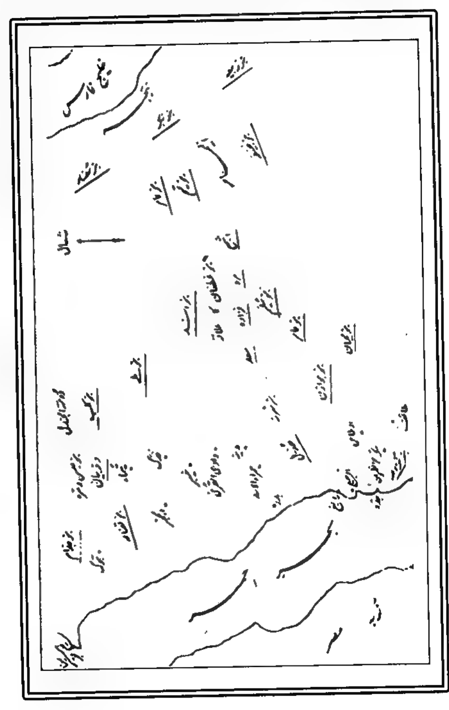
کردیا بعد میں معلوم ہوا کہ یہ دونوں آدمی قبیلہ بنی عامر کے تھے جن سے رسول اللہ ﷺ کا معاہدہ صلح تھا، جب آنحضرت ﷺ کو اس کی غلطی کا علم ہوا تو آپ نے معاہدہ اور اصول شرعیہ کے مطابق ان دونوں کی دیت (خونبہا) ادا کرنے کا فیصلہ فرمایا اور اس کے لئے مسلمانوں سے چندہ کیا اس سلسلہ میں بنو نضیر کے پاس بھی جانا ہوا۔ (ابن کثیر، معارف)

یہود کا تاریخی پس منظر:

عرب کے یہودیوں کی کوئی مستند تاریخ دنیا میں موجود نہیں ہے، جو کچھ بھی ہے محض ان ہی کی زبانی روایات ہیں، درحقیقت جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ جب ۷۰ء میں رومیوں نے فلسطین میں یہودیوں کا قتل عام کیا اور ۱۳۲ء میں ان کو سرزمین فلسطین سے نکال دیا، اس دور میں بہت سے یہودی قبائل بھاگ کر حجاز میں پناہ گزین ہو گئے، یہاں آکر انہوں نے جہاں جہاں چشمے اور سرسبز مقامات دیکھے وہاں آباد ہو گئے اور پھر رفتہ رفتہ اپنے جوڑ توڑ اور سازشی فطرت کے ذریعہ ان مقامات پر پورا قبضہ جمالیا، ایلہ، مقنا، تبوک، تیما اور وادی القریٰ، فدک، اور خیبر پر ان کا تسلط اسی دور میں قائم ہوا، اور بنی قریظہ، بنی نضیر اور بنی قینقاع بھی اسی دور میں آکر یثرب پر قابض ہو گئے، یہ لوگ جب مدینہ میں آکر آباد ہوئے تو اس وقت دوسرے عرب قبائل بھی آباد تھے جن کو انہوں نے دبالیا، اور عملاً اس علاقہ کے مالک بن بیٹھے، اس کے تقریباً تین صدی بعد ۴۵۰ء میں یمن کے اس سیلاب عظیم کا واقعہ پیش آیا جس کا ذکر سورۂ سبا کے دوسرے رکوع میں گذر چکا ہے اس سیلاب کی وجہ سے قوم سبا کے مختلف قبیلے یمن سے نکل کر عرب کے اطراف میں پھیل گئے ان میں سے غسانی شام میں اور بنی خزاعہ مکہ اور جدہ کے درمیان اور اوس اور خزرج یثرب میں جا کر آباد ہو گئے، یثرب پر چونکہ یہودی چھائے ہوئے تھے ان ہی کا مکمل کنٹرول تھا، اس لئے انہوں نے اول اول اوس و خزرج کی دال نہ گلنے دی، جس کی وجہ سے یہ دونوں قبیلے چار ولا چار بنجر اور سنگلاخ زمینوں پر بس گئے، آخر کار ان کے سرداروں میں سے ایک شخص اپنے غسانی بھائیوں سے مدد لینے کے لئے شام گیا اور وہاں سے ایک لشکر لاکر ان یہودیوں کا زور توڑ دیا، اس طرح اوس اور خزرج نے یثرب پر پورا تسلط حاصل کرلیا، یہودیوں کے دو بڑے قبیلے بنو نضیر اور بنو قریظہ یثرب کے باہر جا کر بسنے پر مجبور ہو گئے، تیسرے قبیلے بنو قینقاع سے چونکہ مذکورہ دونوں یہودی قبیلوں کی ان بن تھی، اس لئے وہ شہر کے اندر ہی مقیم رہا، مگر یہاں رہنے کے لئے ان کو قبیلہ خزرج کی پناہ لینی پڑی، اور اس کے مقابلہ میں بنی نضیر اور بنی قریظہ نے قبیلہ اوس کی پناہ لی، ذیل کے نقشے سے ظاہر ہو جائے گا کہ یہودیوں کی بستیاں کہاں کہاں تھیں؟



(عہد نبوی میں قبائل عرب کے علاقے کے نقشے)



یہود اور ان کی عہد شکنی:

غزوۂ احد تک تو یہ لوگ بظاہر اس صلح نامہ کے پابند رہے مگر احد کے بعد انہوں نے غداری کی اور خفیہ خیانت شروع کردی، اس غداری اور خیانت کی ابتداء اس سے ہوئی کہ بنونضیر کا ایک سردار کعب بن اشرف غزوۂ احد کے بعد اپنے ساتھ چالیس یہودیوں کا ایک قافلہ لے کر مکہ معظمہ پہنچا، ادھر ابوسفیان اپنے چالیس آدمیوں کو لیکر حرم بیت اللہ میں داخل ہوا اور بیت اللہ کا پردہ پکڑ کر یہ معاہدہ کیا، کہ ہم ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں گے۔

کعب بن اشرف اس معاہدہ کے بعد جب مدینہ طیبہ واپس آیا تو جبرائیل امین نے آنحضرت ﷺ کو سارا واقعہ اور معاہدہ کی تفصیل بتادی، آپ ﷺ نے کعب بن اشرف کے قتل کا حکم جاری فرمادیا، چنانچہ محمد بن مسلمہ انصاری نے اس کے قتل کی ذمہ داری اپنے ذمہ لی۔

کعب بن اشرف کا قتل اور اس کے اسباب:

مدینہ منورہ میں جب فتح بدر کی بشارت پہنچی تو کعب بن اشرف یہودی کو بے حد صدمہ ہوا، اور یہ کہا کہ اگر یہ خبر صحیح ہے، کہ مکہ کے بڑے سردار اور اشراف مارے گئے، تو پھر زمین کا بطن اس کی ظہر سے بہتر ہے یعنی جینے سے مرجانا بہتر ہے تاکہ آنکھیں اس ذلت اور رسوائی کو نہ دیکھیں۔

لیکن جب خبر کی تصدیق ہوگئی تو مقتولین بدر کی تعزیت کے لئے ایک وفد لیکر مکہ روانہ ہوا اور مقتولین بدر کے مرثیے لکھے جن کو پڑھ پڑھ کر خود بھی روتا تھا اور دوسروں کو بھی رلاتا تھا، اور رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں لوگوں کو جوش دلا کر آمادۂ قتال کرتا تھا، آخر ایک روز قریش کو حرم مکہ میں لے جا کر اور غلاف کعبہ پکڑ کر مسلمانوں سے قتال کرنے کا حلف اٹھایا، اس کے بعد جب مدینہ واپس آیا تو مسلمان عورتوں کے متعلق عشقیہ اشعار کہنے شروع کئے، کعب بن اشرف بڑا شاعر تھا، آپ ﷺ کی ہجو میں اشعار کہتا تھا اور کفار مکہ کو آپ ﷺ کے مقابلہ کے لئے ہمیشہ بھڑکا تا رہتا تھا اور مسلمانوں کو بھی طرح طرح کی ایذائیں دیتا رہتا تھا، جب صبر وتحمل کی حد ہوگئی اور پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا اور وہ کسی طرح باز نہ آیا تو آخر کار مجبور ہو کر آپ ﷺ نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیدیا۔ (ابوداؤد، ترمذی، فتح الباری)

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ کعب بن اشرف نے آپ کو دعوت کے بہانے سے بلایا اور کچھ آدمی متعین کردیئے کہ جب آپ تشریف لائیں تو قتل کر ڈالیں، آپ آکر بیٹھے ہی تھے کہ جبرائیل امین نے آکر آپ کو ان کے ارادہ سے مطلع کردیا آپ فوراً وہاں سے جبرائیل امین کے پروں کے سایہ میں باہر تشریف لے آئے، اور واپسی کے بعد اس کے قتل کا حکم دیا۔

(فتح الباری: ج۷ ص۲۵۹)

صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کعب بن اشرف کو قتل

کرنے کے لئے کون تیار ہے؟ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو بہت ایذا پہنچائی ہے، یہ سنتے ہی محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ اس کا قتل چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! محمد بن مسلمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر مجھے کچھ کہنے کی اجازت دیجئے جس کو سن کر بظاہر وہ خوش ہو جائے، آپ نے فرمایا اجازت ہے۔

محمد بن مسلمہ ایک روز کعب بن اشرف سے ملنے گئے اور اثناء گفتگو میں یہ کہہ دیا کہ یہ شخص (یعنی رسول اللہ ﷺ) ہم سے صدقہ اور زکوٰۃ مانگتا ہے اور اس شخص نے ہم کو مشقت میں ڈال دیا ہے، میں اس وقت آپ کے پاس قرض لینے کے لئے آیا ہوں، کعب بن اشرف نے کہا ابھی کیا ہے؟ آگے چل کر دیکھنا، خدا کی قسم تم ان سے اُکتا جاؤ گے، محمد بن مسلمہ نے کہا اب تو ہم اس کے پیرو ہو چکے ہیں ان کا چھوڑنا ہم پسند نہیں کرتے انجام کے منتظر ہیں، اس وقت ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ کچھ غلہ ہم کو بطور قرض دیدیں، کعب نے کہا بہتر ہے مگر میرے پاس کوئی چیز رہن رکھ دو، انہوں نے کہا کہ آپ کیا چیز رہن رکھوانا چاہتے ہیں؟ کعب نے کہا اپنی عورتوں کو رہن رکھ دو، انہوں نے کہا اپنی عورتوں کو رہن کیسے رکھ سکتے ہیں، اول تو غیرت وحمیت گوارہ نہیں کرتی، پھر یہ کہ آپ نہایت حسین وجمیل ہیں، کعب نے کہا آپ اپنے لڑکوں کو رہن رکھ دو، انہوں نے کہا یہ تو ساری عمر کی عار ہے، لوگ ہماری اولاد کو طعنہ دیں گے کہ تم وہی ہو جو دو سیر اور تین سیر غلہ کے عوض رہن رکھے گئے تھے، ہاں ہم اپنا ہتھیار آپ کے پاس رہن رکھ سکتے ہیں۔

حسب وعدہ یہ لوگ رات کو ہتھیار لیکر پہنچے اور جا کر کعب کو آواز دی، کعب نے اپنے قلعہ سے اترنے کا ارادہ کیا، بیوی نے کہا اس وقت کہاں جاتے ہو؟ کعب نے کہا محمد بن مسلمہ ابونائلہ میرا دودھ شریک بھائی ہے کوئی غیر نہیں تم فکر نہ کرو، بیوی نے کہا مجھے اس آواز سے خون ٹپکتا ہوا نظر آتا ہے، کعب نے کہا اگر شریف آدمی رات کے وقت نیزہ مارنے کے لئے بھی بلایا جائے تو اس کو ضرور جانا چاہئے، اس دوران محمد بن مسلمہ نے اپنے ساتھیوں کو یہ سمجھا دیا کہ جب کعب آئے گا تو میں اس کے بال سونگھوں گا، جب دیکھو کہ میں نے اس کے بالوں کو مضبوط پکڑ لیا ہے تو فوراً اس کا سر اتار لینا، چنانچہ جب کعب نیچے آیا تو سرتا پا خوشبو سے معطر تھا، محمد بن مسلمہ نے کہا، آج جیسی خوشبو تو میں نے کبھی سونگھی ہی نہیں، کعب نے کہا میرے پاس عرب کی سب سے زیادہ حسین وجمیل اور سب سے زیادہ معطر عورت ہے، محمد بن مسلمہ نے آگے بڑھ کر خود بھی سر کو سونگھا اور اپنے رفقاء کو بھی سونگھایا، کچھ دیر کے بعد پھر محمد بن مسلمہ نے کہا آپ دوبارہ اپنا سر سونگھنے کی اجازت دیں گے؟ کعب نے کہا شوق سے، محمد بن مسلمہ اٹھے اور سر سونگھنے میں مشغول ہو گئے جب سر کے بال مضبوط پکڑ لئے تو ساتھیوں کو اشارہ کیا، فوراً ہی سب نے اس کا سر قلم کر دیا اور آناً فاناً اس کا کام تمام کر دیا۔ (فتح الباری: ج۷، ص۲۶۰)

اور اخیر شب میں رسول اللہ کی خدمت میں پہنچے، آپ نے دیکھتے ہی یہ ارشاد فرمایا اَفْلَحَتِ الْوُجُوْهُ ''یہ چہرے کامیاب ہوئے'' ان لوگوں نے جواباً عرض کیا، وَوَجْهُكَ یا رسولَ اللّٰهِ ''اے اللہ کے رسول آپ کا چہرہ مبارک بھی'' اس کے بعد کعب بن اشرف کا سر آپ کے سامنے ڈال دیا، آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا، جب یہود کو اس کا علم ہوا تو یکلخت مرعوب اور خوف زدہ ہو گئے، اور جب صبح ہوئی تو یہود کی ایک جماعت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض

کیا کہ ہمارا سردار اس طرح مارا گیا، آپ نے فرمایا وہ مسلمانوں کو طرح طرح سے ایذائیں پہنچاتا تھا، اور لوگوں کو ہمارے قتال پر آمادہ کرتا تھا، یہود دم بخود رہ گئے اور کوئی جواب نہ دے سکے، بعد ازاں آپ نے ان سے ایک عہد نامہ لکھوایا کہ یہود میں سے آئندہ کوئی اس قسم کی حرکت نہ کرے گا۔ (طبقات ابن سعد)

کعب بن اشرف اور اس کی دریدہ ذہنی اور قتل کے اسباب:

① نبی کریم ﷺ کی شانِ اقدس میں دریدہ ذہنی اور سب وشتم اور گستاخانہ کلمات کا زبان سے نکالنا۔ ② آپ کی ہجو میں اشعار کہنا۔ ③ غزلیات اور عشقیہ اشعار میں مسلمان عورتوں کا بطور تشبیب ذکر کرنا۔ ④ غدر اور نقض عہد۔ ⑤ لوگوں کو آپ کے مقابلہ کے لئے ابھارنا۔ ⑥ دعوت کے بہانہ سے آپ کے قتل کی سازش کرنا۔ ⑦ دین اسلام پر طعن کرنا۔

بنونضیر کی جلاوطنی کے وقت مسلمانوں کی رواداری:

آج کے بڑے حکمران اور بڑی حکومتیں جو انسانی حقوق کے تحفظ پر بڑے بڑے لکچر دیتے ہیں اور حقوق انسانی کے تحفظ کے نام سے بڑی بڑی عالمی اور ملکی اور علاقائی انجمنیں بنا رکھی ہیں اور تحفظ حقوق انسانی کے چودھری کہلاتے ہیں، ذرا اس واقعہ پر نظر ڈالیں کہ بنونضیر کی مسلسل سازشیں، خیانتیں، قتل رسول کے منصوبے جو آپ ﷺ کے سامنے آتے رہے، اگر آج کل کے کسی حکمران اور کسی سربراہ مملکت کے سامنے آئے ہوتے تو ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچئے کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ کرتا؟ آج کل تو زندہ لوگوں پر پیٹرول چھڑک کر میدان صاف کر دینا کسی بڑے اقتدار و حکومت کا بھی محتاج نہیں، کچھ غنڈے شریر جمع ہو جاتے ہیں اور یہ سب کچھ کر ڈالتے ہیں۔

آپ ﷺ کے بدترین دشمن کے ساتھ بے مثال رواداری:

یہ حکومت خدا کی اور اس کے رسول کی ہے جب غداریاں اور سازشیں انتہا کو پہنچ گئیں تو اس وقت بھی ان کے قتل عام کا ارادہ نہیں فرمایا، ان کے مال و اسباب چھین لینے کا کوئی تصور نہیں تھا بلکہ اپنا سب مال لے کر صرف شہر خالی کر دینے کا فیصلہ فرمایا، اور اس کے لئے بھی ان کو دس روز کی مہلت دی تاکہ آسانی کے ساتھ اپنا سامان لیکر اطمینان سے کسی دوسرے مقام پر منتقل ہو جائیں، جب اس حکم کی بھی خلاف ورزی کی تو فوجی اقدام کی ضرورت پیش آئی۔

یہود کی شرارت اور بدعہدی:

بنی عامر کے دو آدمیوں کی دیت کے سلسلہ میں آپ اپنے چند رفقاء کے ہمراہ یہود کی بستی بنونضیر تشریف لے گئے، بنونضیر نے آپ کے تشریف لے جانے پر بظاہر دیت میں شرکت کے بارے میں آمادگی کا اظہار کیا، اور آپ کو ایک قلعہ کی دیوار کے سایہ

میں بٹھا دیا اور لوگوں کو جمع کرنے کے بہانے ادھر ادھر چلے گئے اور جدا ہو کر آپس میں یہ مشورہ کیا کہ یہ بہت اچھا موقع ہے کہ کوئی شخص قلعہ پر چڑھ کر اوپر سے پتھر دھکیل دے تاکہ محمد ﷺ اور ان کے تینوں ساتھی کچل جائیں۔

چنانچہ ایک شخص عمر بن محاسن بن کعب فوراً اوپر چڑھا کہ پتھر آپ پر گرادے ابھی وہ گرانے نہ پایا تھا کہ آپ کو خدا نے بذریعہ وحی یہودیوں کے اس منصوبے کی اطلاع دے دی، آپ ﷺ فوراً وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ہمراہ لیکر مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے، یہودیوں نے آپ کو واپس بلانا چاہا، آپ نے فرمایا کہ تم نے ہمارے قتل کا منصوبہ تیار کیا اب ہم کو تمہارا اعتبار نہیں رہا، اور بنونضیر اس الزام کا انکار بھی نہ کر سکے، اب ان کے ساتھ کسی قسم کی رعایت کا سوال ہی نہیں رہا، آپ ﷺ نے ان کو یہ الٹی میٹم بھیج دیا کہ تم یہاں سے دس دن کے اندر جلاوطن ہو جاؤ، دس دن کے بعد اگر تمہاری بستی میں کوئی شخص پایا گیا تو اس کی گردن ماردی جائے گی، بنونضیر نے حکم ماننے سے انکار کر دیا اور لڑائی کے لئے مستعد ہو گئے، دوسری طرف عبداللہ بن ابی منافق نے یہودیوں کو پیغام بھیج دیا کہ میں دو ہزار آدمیوں سے تمہاری مدد کروں گا، اور بنی قریظہ اور بنی غطفان بھی تمہاری مدد کے لئے آئیں گے، اسی جھوٹے بھروسے اور اعتماد پر انہوں نے آپ ﷺ کے الٹی میٹم کا یہ جواب دیا کہ ہم یہاں سے نہیں نکلیں گے، آپ سے جو کچھ ہو سکے کر لیجئے، اس پر آپ ﷺ نے ربیع الاول ۴ھ میں ان کا محاصرہ کر لیا جو پندرہ دن جاری رہا، اس محاصرہ کا یہ نتیجہ ہوا کہ بنونضیر نے عبداللہ بن ابی کے ذریعہ آپ کو پیغام بھیجا کہ اگر ہماری جان بخشی کی جائے تو ہم جلاوطنی کو تیار ہیں، آپ نے حکم دیا کہ سوائے ہتھیاروں کے دیگر تمام مال و اسباب جو اونٹوں پر بار ہو سکتا ہو لیکر یہاں سے نکل جاؤ، چنانچہ بنونضیر ہتھیاروں کے علاوہ دیگر مال اونٹوں پر لاد کر لے گئے حتی کہ در اور مکان کی کڑیاں اور الماریاں وغیرہ سب لے گئے اور مکانوں کو ویران و مسمار کر گئے، غرضیکہ کوئی چیز قابل استعمال نہیں چھوڑی حتی کہ مٹکے تک توڑ گئے، یہاں سے روانہ ہو کر کچھ تو خیبر میں مقیم ہو گئے اور کچھ شام میں جا کر آباد ہو گئے، یہودیوں میں یامین بن عمیر اور سعید بن وہب دو شخص مسلمان ہوئے اس لئے ان کے مال و اسباب اور اسلحہ وغیرہ سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا، اسی غزوہ کے بارے میں سورۂ حشر نازل ہوئی۔

(تاریخ الاسلام، اکبر شاہ خان نجیب آبادی ملخصًا)

لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ''حشر'' کے معنی منتشر افراد کو جمع کرنا یا منتشر افراد کو جمع کر کے نکال دینا، اور لاول الحشر کے معنی ہیں پہلے حشر کے ساتھ یا پہلے حشر کے موقع پر، اب رہا یہ سوال کہ یہاں اول حشر سے کیا مراد ہے؟ تو اس میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے ایک گروہ کے نزدیک اس سے بنی نضیر کا مدینہ سے اخراج مراد ہے، اور اس کو پہلا حشر اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ دوسرا حشر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ہوا جب یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکالا گیا، دوسرے گروہ کے نزدیک اس سے مسلمانوں کی فوج کا اجتماع مراد ہے جو بنی نضیر سے جنگ کرنے کے لئے جمع ہوا تھا، اس صورت میں لاول الحشر کے یہ معنی ہیں کہ ابھی مسلمان ان سے لڑنے کے لئے جمع ہی ہوئے تھے، اور کشت و خون کی نوبت نہ آئی کہ اللہ کی قدرت سے وہ جلاوطنی کے لئے تیار ہو گئے۔

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَائِمَةً الخ مسلمانوں نے جب محاصرہ شروع کیا تو بنی نضیر کی بستی کے اطراف میں

نخلستان واقع تھے ان کے بہت سے درختوں کو کاٹ ڈالا یا جلا ڈالا گیا تھا، تاکہ محاصرہ بآسانی کیا جاسکے اور درخت فوجی نقل وحرکت میں حائل نہ ہوں چنانچہ جو درخت حائل نہیں تھے انہیں کھڑا رہنے دیا گیا تھا، اس پر مدینہ کے منافقوں اور بنوقریظہ اور خود بنونضیر نے شور مچا دیا کہ محمد ﷺ تو فساد فی الارض سے منع کرتے ہیں مگر خود ہرے اور پھلدار درختوں کو کاٹے جارہے ہیں، یہ آخر فساد فی الارض نہیں تو اور کیا ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ تم لوگوں نے جو درخت کاٹے اور جن کو کھڑا رہنے دیا ان میں سے کوئی فعل بھی ناجائز نہیں ہے بلکہ دونوں کو اللہ کا اذن حاصل ہے، اس سے شرعی مسئلہ یہ نکلتا ہے کہ جو جنگی ضروریات کے لئے تخریبی کارروائی ناگزیر ہو وہ فساد فی الارض کی تعریف میں نہیں آتی. چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِحَاللّٰهُ تَعَالَىٰعَنْهُ نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے یہ وضاحت فرمادی ہے، **قَطَعُوا منها ما كان موضع القتال** مسلمانوں نے بنونضیر کے درختوں میں سے صرف وہ درخت کاٹے تھے جو جنگ کے مقام پر واقع تھے۔ (تفسیر نیشا پوری)

مَسْئَلَۃ: بحالت جنگ کفار کے گھروں کو منہدم کرنا یا جلانا، اسی طرح درختوں اور کھیتوں کو برباد کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں ائمہ فقہاء کے مختلف اقوال ہیں، امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰهُ تَعَالَىٰ نے بحالت جنگ ان سب کاموں کو جائز قرار دیا ہے، مگر شیخ ابن ہمام نے فرمایا کہ یہ جواز اس وقت ہے جبکہ اس کے بغیر کفار پر غلبہ پانا مشکل ہو۔

مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ (الآیۃ) اَفَاءَ، فئ سے مشتق ہے جس کے معنی لوٹنے کے ہیں، اسی لئے زوال کے وقت کے سایہ کو فئی کہتے ہیں، اس لئے کہ زوال سے پہلے جو سایہ مغرب کی طرف تھا زوال کے بعد وہ سایہ مشرق کی طرف لوٹتا ہے، جو اموال غنیمت کفار سے حاصل ہوتے ہیں ان کی حقیقت یہ ہے کہ کفار کے باغی ہوجانے کی وجہ سے ان کے اموال بحق سرکار ضبط ہوجاتے ہیں، اور ان کی ملکیت سے نکل کر پھر مالک حقیقی کی طرف لوٹ آتے ہیں، اس لئے ان کے حاصل ہونے کو اَفَاءَ کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، اس کا تقاضہ یہ تھا کہ کفار سے حاصل ہونے والے تمام قسم کے اموال کو فئی کہا جائے، مگر جو مال جہاد وقتال کے ذریعہ حاصل ہو اس میں انسانی عمل اور جدوجہد کو بھی ایک قسم کا دخل ہوتا ہے اس لئے اس کو لفظ غنیمت سے تعبیر فرمایا **وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ** اس کا مطلب یہ ہے کہ جو مال بغیر جہاد وقتال کے حاصل ہوا ہے وہ مجاہدین اور غانمین میں مال غنیمت کے قانون کے مطابق تقسیم نہیں ہوگا بلکہ اس کا کلی اختیار رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں ہوگا، جس کو جتنا چاہیں عطا فرمادیں، یا اپنے لئے رکھیں، البتہ یہ پابندی عائد کردی گئی اور چند اقسام مستحقین کی متعین کردی گئیں کہ اس مال کی تقسیم ان ہی اقسام میں دائر رہنی چاہئے، اس کا بیان آئندہ آیت میں اس طرح فرمایا **مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى** اس میں اہل قریٰ سے مراد بنونضیر اور ان جیسے دوسرے قبائل بنوقریظہ وغیرہ ہیں جن کے اموال بغیر قتال کے حاصل ہوئے، آگے مصارف ومستحقین کی پانچ قسمیں بیان فرمائی گئی ہیں جن کا بیان آگے آتا ہے۔ (معارف)

آیات مذکورہ میں فئی کے احکام اس کے مستحقین اور ان میں تقسیم کا طریقہ کار بیان فرمایا ہے، اوپر مال غنیمت اور مال فئی میں فرق کا بیان ہوچکا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ غنیمت اس مال کو کہا جاتا ہے جو کفار سے جہاد وقتال کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے اور فئی وہ مال جو بغیر جہاد وقتال کے حاصل ہوا خواہ اس طرح کہ وہ اپنا مال چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں یا رضامندی سے بصورت جزیہ

وخراج یا تجارتی ڈیوٹی وغیرہ کے ذریعہ ان سے حاصل ہوا ہو، مذکورہ فرق کو فَمَا اَوْجَفْتُمْ عَلَیْهِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِکَابٍ سے ظاہر کیا گیا ہے، اونٹ اور گھوڑے دوڑانے سے مراد جنگی کارروائی ہے، لہٰذا جو مال براہِ راست اس کارروائی سے ہاتھ آئے وہ غنیمت ہے، اور جس مال کے حصول کا اصل سبب یہ کارروائی نہ ہو وہ مال فئی ہے۔

مذکورہ مسئلہ کی مزید وضاحت:

مال غنیمت اور مال فئی کے درمیان اوپر فرق بیان کیا گیا ہے اس کو اور زیادہ کھول کر فقہائے اسلام نے اس طرح بیان کیا ہے، کہ مال غنیمت صرف اموال منقولہ ہیں جو جنگی کارروائیوں کے دوران دشمن کے لشکروں سے حاصل ہوں، اور اس کے ماسوا دشمن کے ملک کی زمینیں مکانات اور دیگر اموال منقولہ غیر منقولہ غنیمت کی تعریف سے خارج ہیں، اس تشریح کا ماخذ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کا وہ خط ہے جو انہوں نے سعد بن ابی وقاص کو فتح عراق کے بعد لکھا تھا، اس میں وہ فرماتے ہیں فَانظر مَا اَجْلَبُوا به عَلَیْكَ فی العسکر مِن کراعٍ اَو مالٍ فَاقسِمْهُ بین مَن حَضَرَ مِنَ الْمُسلمینَ وَاتْرُكِ الْاَرْضِین والاَنهار لِعُمَّالِهَا لیکونَ ذٰلكَ فی اَعْطِیَاتِ المسلمین.

''جو مال ومتاع فوج کے لوگ تمہارے لشکر میں سمیٹ لائے ہیں اس کو ان مسلمانوں میں تقسیم کر دو جو جنگ میں شریک تھے، اور زمینیں اور نہریں ان لوگوں کے پاس چھوڑ دو جو ان پر کام کرتے ہیں تاکہ ان کی آمدنی مسلمانوں کی تنخواہوں کے کام آئے''۔ (کتاب الخراج لابی یوسف رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی ص ۲۴) اسی بنیاد پر حضرت حسن بصری رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کہتے ہیں کہ جو کچھ دشمن کے کیمپ سے ہاتھ آئے وہ ان کا حق ہے جنہوں نے اس پر فتح پائی، اور زمین مسمانوں کے لئے ہے، مال غنیمت میں پانچواں حصہ نکال کر باقی چار حصے فوج میں تقسیم کئے جائیں گے، یہ رائے یحییٰ بن آدم کی ہے جو انہوں نے اپنی کتاب ''الخراج'' میں بیان فرمائی ہے اس سے بھی زیادہ جو چیز غنیمت اور فئی کے فرق کو واضح کرتی ہے وہ یہ ہے کہ جنگ نہاوند کے بعد جب مال غنیمت تقسیم ہو چکا تھا اور مفتوحہ علاقہ اسلامی حکومت میں داخل ہو گیا تھا ایک صاحب سائب بن اقرع کو قلعہ میں جواہر کی دو تھیلیاں ملیں، ان کے دل میں یہ الجھن پیدا ہوئی کہ آیا یہ مال غنیمت ہے جسے فوج میں تقسیم کیا جائے یا اس کا شمار اب فئی میں ہے، جسے بیت المال میں جمع ہونا چاہئے؟ آخر کار انہوں نے مدینہ حاضر ہو کر معاملہ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کے سامنے پیش کیا، اور انہوں نے فیصلہ فرمایا کہ اسے فروخت کر کے اس کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی جائے، اس سے معلوم ہوا کہ غنیمت صرف وہ اموال منقولہ ہیں جو دورانِ جنگ فوج کے ہاتھ آئیں، جنگ ختم ہونے کے بعد اموال غیر منقولہ کی طرح اموال منقولہ بھی فئی کے حکم میں داخل ہو جاتے ہیں۔

مذکورہ آیت میں مستحقین کی تعداد چھ بتائی گئی ہے، جن میں ایک اللہ ہے، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ تو پوری کائنات کا مالک ہے اسے حصے کی کیا ضرورت؟ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو یہ مال ملک تصرف کے طور پر دے رکھا تھا جب انہوں نے غداری کی اور مالک حقیقی کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا تو اللہ نے اپنے وفادار بندوں کے ذریعہ یہ مال واپس

اپنی ملکیت میں لے لیا، اسی وجہ سے اس کو مال فی کہتے ہیں، اب اس میں سے جس کو بھی ملے گا، وہ کسی انسان کی جانب سے خیرات یا صدقہ نہیں ہوگا بلکہ وہ اللہ رب العالمین کی جانب سے نہایت پاکیزہ عطیہ ہوگا، یہی وجہ ہے کہ مال فی میں سے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو بھی دیا جاتا تھا۔

اب مستحق اور مصارف کل پانچ رہ گئے ① رسول ② ذوی القربیٰ ③ یتیم ④ مسکین ⑤ مسافر۔ یہی پانچ مصارف مال غنیمت کے خمس کے ہیں، جس کا بیان سورۂ انفال میں آیا ہے، اور یہی مصارف مال فی کے ہیں، مال فی کے بارے میں یہ بات پہلے مذکور ہو چکی ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد اغنیاء ذوی القربیٰ کا حصہ ساقط ہوگیا، فقراء ذوی القربیٰ کا حصہ آج بھی باقی ہے، یہ مسلک امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا ہے، امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ اغنیاء ذوی القربیٰ کے حصہ کو آپ کی وفات کے بعد ساقط نہیں کرتے بلکہ جس طرح آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں ان کا حصہ تھا آج بھی حصہ ہے، امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کی دلیل یہ بیان کی گئی کہ ذوی القربیٰ کو حصہ ان کے احترام و اکرام کے طور پر دیا جاتا تھا اس میں اغنیاء اور فقراء سب شامل ہیں مثلاً حضرت عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ مالدار آدمی تھے مگر ان کو بھی مال فی میں سے دیا جاتا تھا۔

امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں کہ ذوی القربیٰ کو مال فی سے دینے کی دو وجہ، ایک نصرت رسول ﷺ یعنی اسلامی کاموں میں رسول اللہ ﷺ کی مدد کرنا، اس لحاظ سے اغنیاء ذوی القربیٰ کو بھی حصہ دیا جاتا تھا، دوسرے یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے ذوی القربیٰ پر مال صدقہ حرام کر دیا گیا ہے، تو ان کے فقراء و مساکین کو صدقہ کے بدلہ میں مال فی سے حصہ دیا جاتا تھا، رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد نصرت و امداد کا سلسلہ ختم ہوگیا، تو یہ وجہ باقی نہ رہی اس لئے اغنیاء ذوی القربیٰ کا حصہ بھی رسول کے حصہ کی طرح ختم ہوگیا البتہ فقراء ذوی القربیٰ کا حصہ بحیثیت فقر و احتیاج کے اس مال میں باقی رہا، البتہ وہ اس مال میں دوسرے فقراء و مساکین کے مقابلہ میں مقدم رکھے جائیں گے۔ (كذا في الهداية)

كَيْلَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ، دُوْلَةً دال کے ضمہ کے ساتھ اور ایک لغت فتحہ کے ساتھ بھی ہے دست گرداں (چرخہ) دَالَ يَدُوْلُ دَوْلًا (ن) گردش کرنا، دولت بھی چونکہ گردش کرتی ہے، آج اس کے پاس تو کل اس کے پاس، اس لئے اس کو دولت کہتے ہیں (لغات القرآن) آیت کا مطلب یہ ہے کہ مال فی کے مستحقین اس لئے متعین کر دیئے گئے ہیں تاکہ یہ مال مالداروں ہی کے درمیان گردش کرنے والی چیز نہ بن جائے۔

یہ آیت قرآن مجید کی اہم ترین اصولی آیات میں سے ہے، جس میں اسلامی معاشرہ اور حکومت کی معاشی پالیسی کا یہ بنیادی قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ دولت کی گردش پورے معاشرے میں عام ہونی چاہئے، ایسا نہ ہو کہ مال صرف مالداروں ہی میں گھومتا رہے، جس کے نتیجے میں امیر روز بروز امیر تر اور غریب روز بروز غریب تر ہوتے چلے جائیں، قرآن مجید میں اس پالیسی کو صرف بیان کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ اسی مقصد کے لئے سود، سٹہ، جوا، جو اکتساب مال کے ایسے ذرائع ہیں کہ ان کے ذریعہ دولت چند افراد کے ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جاتی ہے، ان سب کو سخت حرام قرار دیا ہے، اور زکوٰۃ فرض کی گئی ہے، اموال غنیمت میں سے خمس نکالنے کا حکم دیا گیا ہے جن سے دولت کی معاشرے کے غریب طبقات تک رسائی ہو سکے، اخلاقی حیثیت سے بھی

بخل کو سخت قابل مذمت اور فیاضی کو بہترین صفت قرار دیا گیا ہے، خوشحال طبقوں کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ ان کے مال میں سائل اور محروم کا حق ہے جسے خیرات سمجھ کر ادا کرنا چاہئے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اسلامی حکومت کے ذرائع آمدنی کی اہم ترین مدات دو ہیں، ایک زکوٰۃ اور دوسرے فی زکوٰۃ صاحب نصاب مسلمانوں کے سرمایہ، مویشی، اموال تجارت اور زرعی پیداوار سے وصول کی جاتی ہے اور وہ زیادہ تر غریبوں ہی کے لئے مخصوص ہے، اور فی میں جزیہ اور خراج سمیت وہ تمام آمدنیاں شامل ہیں جو غیر مسلموں سے حاصل ہوتی ہیں، اور اکا بھی بڑا حصہ غریبوں ہی کے لئے مخصوص کیا گیا ہے، یہ اس طرف کھلا ہوا اشارہ ہے کہ اسلامی حکومت کو اپنی آمد و خرچ کا نظام اور تمام مالی اور معاشی معاملات کا انتظام اس طرح کرنا چاہئے کہ دولت کے ذرائع پر مالدار اور بااثر لوگوں کی اجارہ داری قائم نہ ہو اور نہ دولت مندوں کے درمیان گردش کرتی رہ جائے، کیسے بے بصیرت ہیں وہ لوگ جو اسلام جیسے منصفانہ اور عادلانہ اور حکیمانہ نظام کو چھوڑ کر نئے نئے ازموں کو اختیار کر کے امن عالم کو برباد کرتے ہیں؟

مَا آتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ (الآية) یہ آیت اگرچہ مال فی کے سلسلہ میں آئی ہے اور اس سلسلہ کے مناسب اس کا مفہوم یہ ہے کہ مال فی میں اگرچہ مستحقین کے طبقات بیان کر دیئے ہیں مگر ان میں کس کو کتنا دیں اس کی تعیین رسول اللہ ﷺ کی صوابدید پر رکھی ہے اس لئے مسلمانوں کو اس آیت میں ہدایت دی گئی ہے کہ جس کو جتنا آپ عطا فرمائیں اسی کو راضی ہو کر لے لیں، اور جو نہ دیں اس کی فکر میں نہ پڑیں، آگے اس کو **اتقوا اللّٰہ** کے حکم سے مؤکد کر دیا کہ اگر اس معاملہ میں کچھ غلط حیلے بہانے بنا کر زائد وصول کر بھی لیا تو اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے وہ اس کی سزا دے گا۔

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ ترکیب نحوی کے اعتبار سے **لِلْفُقَرَاءِ** کو **لِذِي الْقُرْبٰى** کا بدل قرار دیا گیا ہے جو اس سے پہلی آیت میں مذکور ہے۔ (مظہری) اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ پچھلی آیت میں جو عام یتیموں مسکینوں اور مسافروں کو ان کے فقر و احتیاج کی بناء پر مال فی کے مستحقین میں شمار کیا گیا ہے ان آیات میں اس کی مزید تشریح اس طرح کی گئی ہے اگرچہ حقدار اس مال میں تمام فقراء و مساکین ہیں لیکن پھر بھی ان میں یہ حضرات اور سب لوگوں سے مقدم ہیں، جن کی دینی خدمات اور ذاتی اوصاف کمالات دینیہ معروف ہیں، امام شافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے **لِلْمُهَاجِرِيْن** کو **وَلِذِي الْقُرْبٰى** سے بدل قرار دینے کے بجائے فعل محذوف سے متعلق مانا ہے، اسی کے پیش نظر مفسر علام نے اس کو **اعْجَبُوْا** فعل مقدر کے متعلق کیا، اس کی مزید وضاحت تحقیق و ترکیب کے زیر عنوان گذر چکی ہے، ملاحظہ فرمالی جائے۔

مذکورہ آیت میں مال فی کا صحیح ترین مصرف بیان کیا گیا ہے، اور ساتھ ہی مہاجرین کی فضیلت ان کے اخلاص اور ان کی راست بازی کی وضاحت ہے، جس کے بعد ان کے ایمان میں شک کرنا گویا قرآن کا انکار ہے، معاذ اللہ روافض جو ان حضرات کو منافق کہتے ہیں یہ اس آیت کی کھلی تکذیب ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب کو تقویٰ کے لئے آزمائے جانے کی گواہی دی ہے، ان حضرات مہاجرین کا اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک یہ مقام تھا کہ اپنی دعاؤں میں اللہ تعالیٰ سے ان فقراء مہاجرین کا وسیلہ دے کر دعا فرماتے تھے۔ (بغوی، مظہری)

وَالَّذِیْنَ تَبَوَّءُ و الدَّارَ وَالْإِیْمَانَ مِنْ قَبْلِھِمْ، تَبَوُّءٌ کے معنی ٹھکانے بنانے کے ہیں، اور دار سے مراد دار ہجرت یا دار ایمان یعنی مدینہ طیبہ ہے مدینہ طیبہ کو دار ایمان کہنے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ عرب کے تمام علاقہ جہاد اور فوج کشی کے ذریعہ فتح ہوئے مگر مدینہ طیبہ ایمان کے ذریعہ فتح ہوا۔ (قرطبی)

اس آیت میں ایمان کا دار پر عطف کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انصار نے دار ہجرت میں ٹھکانہ بنایا اور ایمان میں ٹھکانہ بنایا حالانکہ ٹھکانہ بنانا کسی مقام اور جگہ میں ہوتا ہے ایمان کوئی ایسی چیز نہیں کہ اس میں ٹھکانہ بنایا جا سکے، اس لئے بعض حضرات نے کہا کہ یہاں ایک لفظ محذوف ہے یعنی اَخْلَصُوا الإیمان یعنی یہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے دار ہجرت کو ٹھکانہ بنایا اور ایمان میں مخلص اور مضبوط رہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ واؤ بمعنی مع ہو تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے ایمان کے ساتھ دار ہجرت کو ٹھکانہ بنایا، مِنْ قَبْلِھِمْ کا مطلب ہے مہاجرین کے ہجرت کر کے آنے سے پہلے ایمان ان کے دلوں میں راسخ ہو کر پختہ ہو چکا تھا، انصار کی ایک صفت یہ بھی بیان فرمائی کہ مہاجرین کو اللہ کا رسول جو کچھ دے اس پر حسد اور انقباض محسوس نہیں کرتے، جیسے مال فی کا اولین مستحق مہاجرین کو قرار دیا مگر انصار نے برا نہیں مانا۔

یُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِھِمْ وَلَوْ کَانَ بِھِمْ خَصَاصَةٌ یعنی اپنے مقابلہ میں مہاجرین کی ضرورت کو ترجیح دیتے ہیں خود بھوکے رہتے ہیں لیکن مہاجرین کو کھلاتے ہیں، جیسے حدیث میں ایک واقعہ آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک مہمان آیا لیکن آپ ﷺ کے گھر میں کچھ نہ تھا چنانچہ ایک انصاری اسے اپنے گھر لے گیا، گھر جا کر بیوی کو بتلایا تو بیوی نے کہا کہ گھر میں تو صرف بچوں کی خوراک ہے، انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ بچوں کو تو آج بھوکا سلادیں اور ہم خود بھی ایسے ہی کچھ کھائے بغیر سو جائیں گے، البتہ مہمان کو کھلاتے وقت چراغ گل کر دینا تاکہ مہمان کو ہماری بابت علم نہ ہو کہ ہم اس کے ساتھ کھانا نہیں کھا رہے ہیں، صبح جب وہ انصاری صحابی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم دونوں میاں بیوی کی شان میں یہ آیت نازل فرمائی ہے یُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِھِمْ الآیة.

(صحیح بخاری تفسیر سورۃ الحشر)

وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اس آیت میں ایک عام ضابطہ بیان فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچ گئے تو اللہ کے نزدیک وہ ہی فلاح اور کامیابی پانے والے ہیں، لفظ شح اور بخل تقریباً ہم معنی ہیں، البتہ لفظ شح میں کچھ مبالغہ ہے اور وہ یہ کہ شح کا لفظ اس وقت بولا جاتا ہے کہ جب بخیلی نفس میں خوب رچ بس کر پختہ ہو گئی ہو، حدیث شریف میں ہے کہ شح سے بچو، اس حرص نفس نے ہی پہلے لوگوں کو ہلاک کیا، اس نے انہیں خونریزی پر آمادہ کیا اور انہوں نے محارم کو حلال کیا۔ (صحیح مسلم کتاب البر)

وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا (الآیة) یہ مال فی کے مستحقین کی تیسری قسم ہے یعنی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد آنے والے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نقش قدم پر چلنے والے، اس میں تابعین اور تبع تابعین اور قیامت

تک ہونے والے اہل ایمان وتقویٰ سب آ گئے، لیکن شرط یہی ہے کہ وہ انصار ومہاجرین کو مومن مانتے ہوں، اور ان کے حق میں دعاء مغفرت کرنے والے ہوں نہ کہ ان کے ایمان میں شک کرنے والے اور ان پر سب وشتم کرنے والے اور ان کے خلاف اپنے دلوں میں بغض وعناد رکھنے والے، امام مالک رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے اس آیت سے استنباط کرتے ہوئے یہی بات فرمائی اِنَّ الرافضی الّذِی یَسُبُّ الصَّحابَةَ لَیسَ لهُ فِی مالِ الفَیْ نصیبٌ لِعَدمِ اِتصافِهٖ بِمَا مَدَحَ اللّٰهُ به هؤلاءِ فِی قولِهِم رافضی کو جو صحابہ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ پر سب وشتم کرتے ہیں مال فئی سے حصہ نہیں ملے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ کی مدح کی ہے اور رافضی ان کی ہی مذمت کرتے ہیں۔ (ابن کثیر)

اَلَمْ تَرَ تنظُر **اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ** وهم بنو النَّضير واخوانُهم فی الکفر **لَئِنْ** لامُ قسَمٍ فی الاربعةِ **اُخْرِجْتُمْ** من المدینةِ **لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ** فی خذلانِکم **اَحَدًا اَبَدًا وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ** حُذِفَت منه اللامُ الموطِّئةُ **لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ** جاءُوا لِنَصْرِهم **لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ** واستغنی بجوابِ القسَمِ المُقدر عن جوابِ الشرطِ فی المواضعِ الخمسةِ **ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝** ای الیهودُ **لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً** خوفًا **فِيْ صُدُوْرِهِمْ** ای المنافقینَ **مِّنَ اللّٰهِ** لتاخیرِ عذابهٖ **ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ** ای الیهودُ **جَمِيْعًا** مجتمعینَ **اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ** سُورٍ وفی قراءةٍ جِدارٍ **بَاْسُهُمْ** حربُهم **بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا** مجتمعینَ **وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى** متفرقةٌ خلافَ الحسبانِ **ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝** مَثَلُهم فی ترکِ الایمانِ **كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا** بزمنٍ قریبٍ وهم اهلُ بدرٍ من المشرکینَ **ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ** عقوبتَه فی الدنیا من القتلِ وغیرهِ **وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝** مؤلمٌ فی الآخرةِ مَثَلُهم ایضًا فی سماعِهم من المنافقینَ وتخلُّفِهم عنهم **كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝** کذبًا منه ورياءً **فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ** ای الغاوی والمغوی وقُرِئَ بالرفعِ اسمُ کان **اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝** الکافرینَ

ترجمہ: کیا آپ نے منافقوں کو نہ دیکھا؟ کہ اپنے اہل کتاب بھائیوں سے کہتے ہیں اور وہ بنونضیر اور ان کے کفر کے بھائی ہیں، اگر تم کو مدینہ سے نکالا گیا چاروں جگہ لام قسم کا ہے تو یقیناً ہم بھی تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے اور تمہاری ذلت کے بارے میں ہم کبھی بھی کسی کی بات نہ مانیں گے اور اگر تم سے قتال کیا گیا (قُوْتِلْتُمْ) سے لام قسم حذف کر دیا گیا ہے تو بخدا ہم تمہاری مدد کریں گے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ قطعاً جھوٹے ہیں اگر وہ جلاوطن کئے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہ جائیں گے اور

اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد نہ کریں گے اور اگر بالفرض ان کی مدد پر آبھی گئے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے پانچوں جگہ قسم مقدر کے جواب کی وجہ سے جواب شرط سے استغناء ہے پھر یہود کی مدد نہ کی جائے گی (مسلمانو! یقین مانو) تمہاری ہیبت ان منافقوں کے دل میں بہ نسبت اللہ کی ہیبت کے بہت زیادہ ہے اس کے عذاب کے مؤخر ہونے کی وجہ سے یہ اس لئے ہے کہ یہ ناسمجھ لوگ ہیں، یہ یعنی یہود سب مل کر بھی لڑ نہیں سکتے، ہاں یہ اور بات ہے کہ قلعہ بند مقامات میں ہوں یا دیوار کی آڑ میں ہوں اور ایک قراءت میں جِدَار کے بجائے جُدُرٌ ہے، ان کی لڑائی تو ان کے آپس میں ہی بڑی سخت ہے گو آپ انہیں متحد سمجھ رہے ہیں لیکن گمان کے برخلاف ان کے دل ایک دوسرے سے جدا ہیں اس لئے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں ترکِ ایمان میں ان لوگوں کی مثال ان لوگوں جیسی ہے جو ان سے کچھ ہی پہلے گذرے ہیں، قریبی زمانہ میں اور وہ مشرکین اہل بدر ہیں، جنہوں نے اپنے کام کا وبال چکھ لیا اس کا انجام قتل وغیرہ دنیا میں اور ان کے لئے آخرت میں دردناک عذاب تیار ہے نیز ان کی مثال منافقوں کی بات سننے میں اور ان سے تخلف اختیار کرنے میں شیطان کے مانند ہے کہ اس نے انسان سے کہا کفر کر چنانچہ جب وہ کفر کر چکا تو (شیطان) کہنے لگا میں تجھ سے بری ہوں، میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں اور اس کا یہ قول ریا اور کذب پر مبنی ہے پس ان دونوں کا انجام یہ ہوا کہ آتش (دوزخ) میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے یعنی گمراہ کرنے والا اور گمراہ ہونے والا اور (عَاقِبَتُهُمَا) کو اسم کان کے طور پر مرفوع بھی پڑھا گیا ہے، اور ظالموں کافروں کی یہی سزا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: اِخْوَانُهُمْ فِی الْکُفْرِ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ قرآن میں جو منافقوں کو بنونضیر (یہود) کا بھائی کہا گیا ہے یہ باعتبار کفر میں ہم مذہب ہونے کے ہے، نہ کہ باعتبار ہم نسب ہونے کے اس لئے کہ بنونضیر وغیرہ یہود تھے، اور منافقین کا تعلق اوس وخزرج سے تھا۔

قَوْلُهُ: لامُ قسمٍ فی اربعةِ مواقع چار مواقع میں لام قسم کا ہے جو قسم محذوف پر دلالت کرتا ہے اور وہ چار مقام یہ ہیں ① لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ ② لَئِنْ اُخْرِجُوْا ③ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا ④ وَلَئِنْ نَصَرُوْهُمْ ایک پانچویں جگہ اور ہے اور وہ وَاِنْ قُوْتِلْتُمْ الخ ہے یہاں لام قسم مقدر ہے۔

قَوْلُهُ: وَاسْتَغْنٰی بجواب القسمِ یعنی جواب قسم مذکورہ پانچوں جگہ جواب قسم کی وجہ سے جواب شرط سے مستغنی ہے اس لئے کہ قاعدہ معروف ہے کہ جب قسم اور شرط دونوں جمع ہو جائیں تو مؤخر کا جواب محذوف ہوتا ہے (ابن مالک نے کہا ہے)۔

وَاحْذِفْ لَدَیْ اِجْتِمَاعِ شَرْطٍ وَقَسَمٍ جَوَابَ مَا اَخَّرْتَ فَهُوَ مُلْتَزَم

تَرْجَمَہ: جب قسم اور شرط جمع ہو جائیں تو ان میں سے مؤخر کی جزا کو لازمی طور پر حذف کر دے۔

وہ پانچ مقامات جو قسم محذوف کا جواب واقع ہو رہے ہیں اور جن کی دلالت کی وجہ سے جواب شرط کو حذف کر دیا گیا یہ ہیں
① لَنَخْرُجَنَّ ② لَنَنْصُرَنَّكُمْ ③ لَايَخْرُجُوْنَ ④ لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ⑤ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ.

قَوْلُهُ: مُجتمعِينَ اس میں اشارہ ہے کہ جمیعًا. لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ کی ضمیر فاعل سے حال ہے۔

قَوْلُهُ: مَثَلُهُمْ فِي تَرْكِ الْإِيمَانِ اس عبارت کو محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ كَمَثَلِ الَّذِيْنَ الخ مَثَلُهُمْ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔

قَوْلُهُ: وَقُرِئَ بِالرَّفْعِ اِسْمُ كَانَ، عَاقِبَتَهُمَا میں تاء پر نصب اور رفع دونوں جائز ہیں، نصب کی وجہ یہ ہے کہ کانَ کی خبر مقدم ہے اور أَنَّهُمَا فِي النَّارِ، أَنَّ اپنے اسم و خبر سے مل کر كَانَ کا اسم مؤخر ہے، اور تاء کے رفع کی صورت میں عَاقِبَتُهُمَا کانَ کا اسم ہے اور أَنَّهُمَا فِي النَّارِ جملہ ہو کر کانَ کی خبر۔

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا (الآية) جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بنونضیر کو دس دن کے اندر مدینہ سے نکل جانے کا نوٹس بھیجا تو عبد اللہ بن ابی اور مدینہ کے دوسرے منافق لیڈروں نے بنونضیر کے یہودیوں کو یہ پیغام بھیجا تھا کہ ہم دو ہزار جنگ جو بہادروں کے ساتھ تمہاری مدد کو آئیں گے اور بنوغطفان اور بنوقریظہ بھی تمہاری حمایت میں اٹھ کھڑے ہوں گے، لہٰذا تم مسلمانوں کے مقابلہ میں ڈٹ جاؤ اور ہرگز ان کے آگے ہتھیار نہ ڈالو اگر تمہارے ساتھ جنگ کی گئی تو ہم تمہارے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑیں گے اور اگر تم کو مدینہ سے نکالدیا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب نزولی کے اعتبار سے دوسرا رکوع پہلے نازل ہوا ہے اور پہلا رکوع اس کے بعد نازل ہوا ہے جبکہ بنونضیر مدینہ سے نکالے جا چکے تھے، دوسرے رکوع میں اہم ترین مضمون ہونے کی وجہ سے ترتیب قرآنی کے اعتبار سے اس کو مقدم کر دیا گیا ہے۔

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ چنانچہ منافقین کا جھوٹ واضح ہو کر سامنے آگیا، کہ بنونضیر جلاوطن کر دیئے گئے لیکن یہ ان کی مدد کو نہ پہنچے، اور نہ ان کی حمایت میں مدینہ چھوڑنے پر آمادہ ہوئے،

وَلَئِنْ نَصَرُوْهُمْ اَىْ جَاءُ وْ لِنَصْرِهِمْ اس اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے۔

اعتراض: اعتراض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے فقرے میں فرمایا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ اس کا مطلب ہے کہ منافقین یہود کی مدد کو نہیں آئیں گے، دوسرے فقرے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَئِنْ نَصَرُوْهُمْ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہود کی مدد کو آئیں گے۔

جَوَابٌ: جواب کا ماحصل یہ ہے کہ مفسر علام نے لَئِنْ نصروهم کی تفسیر جَاءُ وْ لِنَصْرِهِم سے کر کے جواب دیدیا کہ یہ بطور فرض کے ہے یعنی بالفرض والتقدیر مدد کے لئے نکلے بھی تو ان کی مدد نہ کریں گے، ورنہ تو جس چیز کی نفی اللہ تعالیٰ فرما دیں اس

کا وجود کیونکر ممکن ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر یہ یہودی مدد کا ارادہ کریں بھی تو ان کی مدد نہ کرسکیں گے۔

لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ (مسلمانو! یقین مانو) کہ تمہاری ہیبت ان کے دلوں میں بہ نسبت اللہ کی ہیبت کے بہت زیادہ ہے یہ اس لئے کہ یہ ناسمجھ لوگ ہیں یعنی تمہارا خوف ان کی ناسمجھی کی وجہ سے ہے ورنہ اگر یہ سمجھدار ہوتے تو سمجھ جاتے کہ مسلمانوں کا غلبہ وتسلط اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے لہٰذا ڈرنا اللہ سے چاہئے نہ کہ مسلمانوں سے۔

لَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِیْعًا (الآیة) یعنی یہ منافقین اور یہودی مل کر بھی کھلے میدان میں تم سے لڑنے کا حوصلہ نہیں رکھتے، البتہ قلعوں میں محصور ہوکر یا دیواروں کے پیچھے چھپ کر تم پر وار کرسکتے ہیں، جس سے یہ واضح ہے کہ یہ نہایت بزدل ہیں، اور تمہاری ہیبت سے لرزاں وترساں ہیں۔

تَحْسَبُهُمْ جَمِیْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰی یہ منافقین کی دوسری کمزوری کا بیان ہے، پہلی کمزوری یہ تھی کہ وہ بزدل تھے خدا سے ڈرنے کے بجائے انسانوں سے ڈرتے تھے، دوسری کمزوری یہ ہے کہ جن کو تم متحد ومتفق سمجھ رہے ہو یہ آپس میں ایک دوسرے کے سخت خلاف ہیں، جس بات نے ان کو جمع کردیا ہے وہ صرف یہ بات ہے کہ اپنے شہروں میں باہر سے آئے ہوئے (محمد ﷺ) کی پیشوائی اور فرمانروائی چلتے دیکھ کر ان سب کے دل جل رہے ہیں اور اپنے ہی ہم وطن انصار کو مہاجرین کی پذیرائی کرتے دیکھ کر ان کے سینوں پر سانپ لوٹ رہے ہیں، اس کے علاوہ اور کوئی چیز ایسی نہ تھی جو ان کو ملاسکے، ہر ایک اپنی چودھراہٹ چاہتا تھا کوئی کسی کا مخلص دوست نہ تھا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بنونضیر سے پہلے ہی منافقین کی اندرونی حالت کا تجزیہ کرکے مسلمانوں کو بتادیا کہ ان کی طرف سے فی الحقیقت کوئی خطرہ نہیں ہے، لہٰذا تمہیں یہ خبریں سن کر گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں کہ جب تم بنونضیر کا محاصرہ کرنے کے لئے نکلو گے تو یہ منافق سردار دو ہزار کا لشکر لے کر پیچھے سے تم پر حملہ کردیں گے، اور ساتھ ہی ساتھ بنی قریظہ اور بنی غطفان کو بھی تم پر چڑھالائیں گے، یہ سب لاف زنیاں ہیں جن کی ہوا آزمائش کی پہلی گھڑی ہی نکال دے گی۔

کَمَثَلِ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِیْبًا (الآیة) یہ بنونضیر کی مثال کا بیان ہے اور اَلَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کی تفسیر میں حضرت مجاہد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے فرمایا کہ کفار اہل بدر مراد ہیں اور حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا نے فرمایا یہود کا قبیلہ بنوقینقاع مراد ہے دونوں کا انجام بدقریبی زمانہ میں واضح ہوچکا تھا، کیونکہ بنونضیر کی جلاوطنی کا واقعہ غزوۂ بدر واُحد کے بعد واقع ہوا ہے اور بنوقینقاع کا واقعہ بھی واقعۂ بدر کے بعد پیش آیا تھا۔

غزوۂ بنی قینقاع:

غزوۂ بنی قینقاع ۱۵ شوال بروز شنبہ ۲ھ میں واقع ہوا، بنی قینقاع عبداللہ بن سلام کی برادری کے لوگ تھے جو کہ نہایت شجاع اور بہادر تھے، زرگری کا کام کرتے تھے مدینہ کے جوہری بازار پر ان کا قبضہ تھا، مسلمان مردوں اور عورتوں کی بھی بازار میں

آمد و رفت تھی، آپ ﷺ نے بنی نضیر اور بنی قریظہ کے ساتھ بنی قینقاع سے بھی معاہدہ فرمایا تھا، سب سے پہلے بنی قینقاع نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی جس کے نتیجے میں آپ ﷺ نے باقاعدہ ان سے معاہدہ فسخ کرنے کا اعلان فرما دیا، اسی دوران بنو قینقاع کے ایک یہودی نے ایک مسلمان عورت کو چھیڑا اور اس کو برسر بازار برہنہ کر دیا جس کی وجہ سے مسلمانوں اور یہود میں تکرار شروع ہوگئی اور یہ تو تو میں میں بڑھ جانے کی وجہ سے قتل وقتال کی نوبت آگئی، جس میں ایک مسلمان اور ایک یہودی مارا گیا، اسی دوران آپ ﷺ ان کے بازار میں تشریف لے گئے اور سب کو جمع کر کے وعظ و نصیحت فرمائی، آپ نے فرمایا:

''اے گروہ یہود اللہ سے ڈرو جیسے بدر میں قریش پر خدا کا عذاب نازل ہوا کہیں اسی طرح تمہارے اوپر بھی نازل نہ ہو جائے، اسلام لے آؤ اس لئے کہ تم یقینی طور پر خوب پہچانتے ہو کہ میں بالیقین اللہ کا نبی ہوں جس کو تم اپنی کتابوں میں لکھا ہوا پاتے ہو اور اللہ نے تم سے اس کا عہد لیا ہے''۔

یہود یہ سنتے ہی مشتعل ہوگئے، اور یہ جواب دیا کہ آپ اس غرہ میں ہرگز نہ رہنا جس کی وجہ سے ایک ناواقف اور ناتجربہ کار قوم یعنی قریش سے مقابلہ میں آپ غالب آگئے، واللہ اگر ہم سے مقابلہ ہوا تو خوب معلوم ہو جائے گا کہ ہم مرد ہیں، اس پر حق جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا (الآیة).

بنو قینقاع مضافات مدینہ میں رہتے تھے، آپ ﷺ نے بنی قینقاع کا محاصرہ فرمایا بنو قینقاع قلعہ بند ہوگئے یہ محاصرہ پندرہ شوال سے لیکر ذی قعدہ کی ابتدائی تاریخوں تک جاری رہا، بالآخر مجبور ہو کر سولہویں روز یہ لوگ قلعے سے اتر آئے، آپ ﷺ نے ان کی مشکیں باندھنے کا حکم فرمایا۔

رأس المنافقین عبداللہ بن ابی کی الحاح وزاری اور بے حد اصرار کی وجہ سے قتل سے تو درگذر فرمایا مگر ان کو جلاوطن کر دیا گیا، اور ان کا تمام مال بطور مال غنیمت لیکر مدینہ واپس تشریف لائے اس مال میں سے ایک خمس خود لیا اور بقیہ چار خمس غانمین پر تقسیم فرما دیئے۔ (سیرتِ مصطفیٰ ملخصًا)

كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ (الآیة) یہ یہود اور منافقین کی ایک اور مثال بیان فرمائی ہے کہ منافقین نے یہودیوں کو اس طرح بے یار و مددگار چھوڑ دیا جس طرح شیطان انسان کے ساتھ معاملہ کرتا ہے، پہلے وہ انسان کو گمراہ کرتا ہے اور جب انسان شیطان کے پیچھے لگ کر کفر کا ارتکاب کر لیتا ہے تو شیطان اس سے براءت کا اعلان کر دیتا ہے، اور جھوٹے ہی کہہ دیتا ہے کہ میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ میں انسان سے اسم جنس مراد ہے، اور کہا گیا ہے کہ شیطان نے جس انسان سے اُكْـفُـرْ کہا تھا وہ برصیصا نام کا ایک راہب تھا، اس کے پاس ایک عورت آئی شیطان نے راہب کے دل میں وسوسہ ڈالا اس راہب نے اس عورت کو اپنے پاس بلایا شیطان نے اس کو زنا میں مبتلا کر دیا، جس کی وجہ سے وہ عورت حاملہ ہوگئی، راہب نے بدنامی کے خوف سے اس کو قتل کر کے دفن کر دیا، ادھر شیطان نے قوم کو سارا واقعہ بتا دیا اور دفن کی جگہ کی بھی نشاندہی کردی لوگوں نے عورت کی لاش کو برآمد کر لیا اور راہب کو قتل کرنے کے لئے صومعہ سے نیچے اتار لائے، اسی وقت شیطان حاضر ہوا اور اس راہب سے وعدہ کیا کہ اگر وہ اسے سجدہ کرے تو وہ اسے ان کے ہاتھ سے بچا سکتا ہے، چنانچہ راہب نے اس کو سجدہ

کردیا، اس کے بعد شیطان نے اس سے براءت ظاہر کردی۔ (حمل)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ليوم القيمة وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴿۱۸﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ تركوا طاعتهٗ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ان يقدموا لها خيرًا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴿۱۹﴾ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴿۲۰﴾ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ وجعل فيه تمييز كالانسان لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا متشققًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ المذكورة نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴿۲۱﴾ فيؤمنون هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ السر والعلانية هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ الطاهر عمّا لا يليق به السَّلٰمُ ذو السلامة من النقائص الْمُؤْمِنُ المصدق رسله بخلق المعجزة لهم الْمُهَيْمِنُ من هيمن يهيمن اذا كان رقيبًا على الشيء اى الشهيد على عباده باعمالهم الْعَزِيْزُ القوى الْجَبَّارُ جبر خلقه على ما اراد الْمُتَكَبِّرُ عمّا لا يليق به سُبْحٰنَ اللّٰهِ نزّه نفسه عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴿۲۳﴾ به هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ المنشئ من العدم الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى التسعة والتسعون الوارد بها الحديث والحسنى مؤنث الاحسن يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴿۲۴﴾ تقدم اوله.

ع

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص غور کرلے کہ کل (قیامت کے دن) کے واسطے (اعمال) کا کیا (ذخیرہ) بھیجا ہے؟ اور (ہر وقت) اللہ سے ڈرتے رہو اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے اور تم ان لوگوں کے مانند مت ہوجانا جنہوں نے اللہ (کے احکام) کو بھلا دیا یعنی اس کی اطاعت کو ترک کردیا تو اللہ نے بھی انہیں ان کی جانوں سے غافل کردیا اس بات سے کہ وہ اپنی ذات کے لئے نیکی آگے بھیجیں، ایسے ہی لوگ فاسق ہوتے ہیں، اہل نار اور اہل جنت باہم برابر نہیں، جو اہل جنت ہیں وہی کامیاب ہیں، اور اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے اور اس کے اندر انسان کے مانند شعور پیدا کردیا جاتا تو تو دیکھتا اس کو کہ خشیت الٰہی سے وہ پست ہو کر پھٹا جاتا ہے ہم ان مذکورہ مثالوں کو لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور کریں، پھر ایمان لے آئیں، وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں غائب اور حاضر یعنی پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے وہ مہربان اور رحم کرنے والا ہے وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ ہے سب باتوں سے جو اس کی شایان شان نہیں پاک صاف ہے، تمام نقائص سے سالم ہے اپنے رسولوں کی ان کے لئے معجزات کی تخلیق کرکے نصرت کرنے والا ہے نگہبان ہے یہ هَيْمَنَ يُهَيْمِنُ سے مشتق ہے یعنی جب کسی شئ پر نگہبان ہو یعنی اپنے بندوں کے اعمال کا مشاہدہ کرنے والا ہے قوی ہے جبار ہے اس نے اپنی مخلوق کو بنایا جیسا چاہا، بڑائی والا ہے (برتر ہے) اس شئ سے جو اس کے لائق نہیں اللہ پاک ہے اس نے اپنی خود ہی پاکی بیان کی ہے ان چیزوں سے جن کو اس

کے ساتھ شریک کرتے ہیں وہی اللہ ہے پیدا کرنے والا عدم سے وجود بخشنے والا صورت بنانے والا اس کے ننانوے نہایت اچھے نام ہیں جن کے بارے میں حدیث وارد ہوئی ہے اور حسنی احسن کا مؤنث ہے، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اس کی پاکی بیان کرتی ہے وہی غالب حکمت والا ہے ایسا ہی اس سورت کے شروع میں گذر چکا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: تَرَكُوْا طَاعَتَهٗ اس عبارت کے اضافہ سے اشارہ کر دیا کہ یہاں نسیان کے لازم معنی مراد ہیں جو کہ ترک ہیں، اس لئے کہ نسیان کے لئے ترک لازم ہے، نہ کہ عدم حفظ والذکر.

قولہ: اَنْ يُقَدِّمُوْا لَهَا خَيْرًا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عبارت حذف مضاف کے ساتھ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے فَاَنْسَاهُمْ تقدمَ خيرٍ لِاَنْفُسِهِمْ.

تفسیر و تشریح

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ اہل ایمان کو مخاطب کر کے انہیں نصیحت کی جا رہی ہے اور کہا جا رہا ہے، کہ تقویٰ اختیار کرو، اور ہر نفس اس بات پر غور کر لے کہ اس نے آخرت کے لئے کیا سامان بھیجا ہے۔

اس آیت میں چند باتیں غور طلب ہیں، اول یہ کہ اس آیت میں قیامت کو لفظ غد سے تعبیر کیا ہے جس کے معنی ہیں آنے والی کل، اور کل سے مراد ہے آخرت، گویا کہ دنیا کی پوری زندگی آج ہے، اور کل وہ قیامت کا دن ہے جو اس آج کے بعد آنے والا ہے، غد کے لفظ میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جس طرح آج کے بعد کل کا آنا یقینی ہے، اسی طرح دنیا کے بعد آخرت کا آنا ضروری اور یقینی ہے، جس طرح آج کے بعد کل کے آنے میں کسی کو شبہ نہیں ہوتا، اسی طرح قیامت کا آنا بھی بے ریب ہے، دوسری بات یہ کہ اس میں قرب قیامت کی طرف اشارہ ہے جس طرح آج کے بعد کل جلدی ہی آجاتی ہے، اسی طرح قیامت جلدی آنے والی ہے، ایک قیامت تو پورے عالم کی ہے جس دن زمین آسمان سب فنا ہو جائیں گے وہ بھی اگرچہ ہزاروں لاکھوں سال بعد ہو مگر بمقابلہ آخرت کی مدت کے بالکل قریب ہی ہے، دوسری قیامت ہر انسان کی ہے جو اس کی اپنی ہے جو اس کی موت کے وقت آجاتی ہے جیسا کہ مقولہ مشہور ہے مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ یعنی جو شخص مرگیا اس کی قیامت قائم ہوگئی، کیونکہ عالم برزخ ہی سے قیامت کے آثار شروع ہو جاتے ہیں، کیونکہ عالم قبر جس کو عالم برزخ بھی کہتے ہیں اس کی مثال دنیا کی انتظار گاہ (ویٹنگ روم) کی سی ہے، جو فرسٹ کلاس سے لیکر تھرڈ کلاس تک کے لوگوں کے لئے مختلف قسم کے ہوتے ہیں اور مجرموں کا ویٹنگ روم، حوالات یا جیل خانہ ہوتا ہے اسی انتظار گاہ سے ہر شخص اپنا اپنا درجہ متعین کر سکتا ہے، اس لئے مرنے کے ساتھ ہی ہر شخص کی قیامت آجاتی ہے۔

دوسری بات جو غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس میں انسان کو اس پر غور وفکر کرنے کی دعوت دی ہے کہ قیامت جس کا آنا یقینی بھی ہے اور قریب بھی، اس کے لئے تم نے کیا سامان بھیجا ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا اصلی وطن آخرت ہے دنیا میں تو یہ چند دن کے لئے ویزے پر آیا ہوا ہے، اس کی نیشنلٹی تو آخرت کی ہے یعنی یہ حقیقی طور پر آخرت کا باشندہ ہے، جس طرح دنیا میں اپنے ملک سے ویزا لے کر دوسرے ملک جاتے ہیں اور وہاں جا کر کچھ کما کر اپنے وطن کو نہ بھیجے اور سراسر بھول جائے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہاں سے دنیا کا سامان مال و دولت کوئی شخص وہاں ساتھ نہیں لے جا سکتا تو بھیجنے کی ایک ہی صورت ہے کہ ایک ملک سے دوسرے ملک مال منتقل کرنے کا جو طریقہ ہے کہ یہاں کی حکومت کے بینک میں جمع کر کے دوسرے ملک کی کرنسی حاصل کرے جو وہاں چلتی ہے، یہی صورت آخرت کے معاملہ میں بھی ہے کہ جو کچھ یہاں اللہ کی راہ میں اور اللہ کے احکام کی تعمیل میں خرچ کیا جاتا ہے وہ آسمانی حکومت کے بینک میں جمع ہو جاتا ہے اور وہاں کی کرنسی ثواب کی صورت میں اس کے لئے لکھ دی جاتی ہے اور وہاں پہنچ کر بغیر کسی دعوے اور مطالبہ کے اس کے حوالہ کر دی جاتی ہے، کس قدر نادان ہے وہ شخص جو آج کے لطف ولذت میں اپنا سب کچھ لٹا رہا ہے اور نہیں سوچتا کہ کل اس کے پاس کھانے کو روٹی اور سر چھپانے کو جگہ بھی باقی رہے گی یا نہیں؟ اسی طرح وہ شخص بھی اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہا ہے جو اپنی دنیا بنانے کی فکر میں ایسا منہمک ہے کہ اپنی آخرت سے بالکل غافل ہو چکا ہے۔

فَاَنسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ یعنی ان لوگوں نے اللہ کو بھول اور نسیان میں کیا ڈالا در حقیقت خود اپنے آپ کو بھول میں ڈال دیا کہ اپنے نفع نقصان کی خبر نہ رہی، یعنی خدا فراموشی کا لازمی نتیجہ خود فراموشی ہے، جب آدمی یہ بھول جاتا ہے کہ وہ کسی کا بندہ ہے تو لازماً وہ دنیا میں اپنی ایک غلط حیثیت متعین کر بیٹھتا ہے، اسی طرح جب وہ یہ بھول جاتا ہے، کہ وہ ایک خدا کے سوا کسی کا بندہ نہیں ہے تو وہ اس ایک خدا کی بندگی تو نہیں کرتا جس کا وہ درحقیقت بندہ ہے اور ان بہت سوں کی بندگی کرتا رہتا ہے جن کا وہ فی الواقع بندہ نہیں ہے جو سراسر قانون دنیا کی بھی خلاف ہے۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن جس طرح خدا کی کبریائی اور اس کے حضور بندے کی ذمہ داری اور جواب دہی کو صاف صاف بیان کر رہا ہے، اس کا فہم اگر پہاڑ جیسی عظیم مخلوق کو نصیب ہوتا اور اسے معلوم ہو جاتا کہ اس کو رب قدیر کے سامنے جواب دہی کرنی ہے تو وہ بھی خوف سے کانپ اٹھتا لیکن حیرت کے لائق ہے اس انسان کی بے حسی اور بے فکری کہ جس انسان کے دل پر قرآن کا کچھ اثر نہ ہو حالانکہ قرآن کی تاثیر اس قدر زبردست ہے کہ اگر وہ پہاڑ جیسی مضبوط اور سخت چیز پر اتارا جاتا اور اس میں سمجھ کا مادہ موجود ہوتا تو وہ بھی متکلم کی عظمت کے سامنے دب جاتا اور مارے خوف کے پارہ پارہ ہو جاتا، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کے والد محترم کی ایک طویل نظم کے تین شعر جو محل اور موقع کے لحاظ سے موزوں ہیں نقل کئے جاتے ہیں۔ (فوائد عثمانی)

سنتے سنتے نغمۂ ہائے محفل بدعات کو کان بہرے ہوگئے دل بدمزہ ہونے کو ہے
آؤ سنوائیں تمہیں وہ نغمۂ مشروع بھی پارہ جس کے لحن سے طور ہدیٰ ہونے کو ہے
حیف گر تاثیر اس کی تیرے دل پر کچھ نہ ہو کوہ جس سے خاشعاً متصدعاً ہونے کو ہے

حضرت شاہ صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں کہ یعنی کافروں کے دل بڑے سخت ہیں کہ یہ کلام سن کر بھی ایمان نہیں لاتے اگر پہاڑ سنیں تو وہ بھی دب جائیں، یہ تو کلام کی عظمت کا ذکر تھا اگلی آیت هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الخ میں متکلم کی عظمت کا ذکر ہے، قرآن مجید میں اگر چہ جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کی صفات بے نظیر طریقہ سے بیان کی گئی ہیں، جن سے ذات الٰہی کا نہایت واضح تصور حاصل ہوتا ہے لیکن دو مقامات ایسے ہیں جن میں صفات باری کا جامع ترین بیان پایا جاتا ہے، ایک سورۂ بقرہ میں آیت الکرسی دوسرے سورۂ حشر کی یہ آیات۔

روایات میں سورۂ حشر کی ان تین آیتوں هُوَ اللّٰهُ الَّذِی لا اِلٰهَ اِلَّا هو سے آخر تک کی بہت فضیلت آئی ہے مومن کو چاہئے کہ صبح و شام ان آیات کی تلاوت کی پابندی رکھے۔

﴿تمت﴾

سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثَ عَشَرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ ثَلاثَ عَشَرَةَ اٰيَةً.

سورۂ ممتحنہ مدنی ہے، تیرہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اى كُفّارَ مَكّةَ اَوْلِيَاۤءَ تُلْقُوْنَ تُوصِلُوْنَ اِلَيْهِمْ قَصدَ النبيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم غزوَهُمُ الّذِى اَسَرَّهُ اِلَيْكُم ووَرّى بحُنَيْنٍ بِالْمَوَدَّةِ بَيْنَكُمْ وبَيْنَهم كَتَبَ حَاطِب بنُ اَبِىْ بَلْتَعَةَ اِلَيْهِمْ كِتَابًا بذٰلِكَ لِمَالَهُ عِنْدَهُمْ مِنَ الاَوْلَادِ وَالاَهْلِ المُشْرِكِيْنَ فَاسْتَرَدَّهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّنْ اَرْسَلَهُ بِاِعْلَامِ اللّٰهِ تعالى لَهُ بِذٰلِكَ وقَبِلَ عُذْرَ حَاطِبٍ فِيْهِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَاۤءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ اى دِيْنِ الاِسْلَامِ وَالقُرْاٰن يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ مِنْ مَكّةَ بتَضْيِيْقِهِمْ عَلَيْكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا اى لِاَجْلِ اَنْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا لِلْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَاۤءَ مَرْضَاتِيْ ۤ وجواب الشرط دَلّ عليه مَا قَبْلَهُ اى فَلَا تَتَّخِذُوهُمْ أولياء تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ڰ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ اى اِسْرَارَ خَبَرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰه عليه وسلم اِلَيْهِم فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۤءَ السَّبِيْلِ ۝ اَخْطَأَ طَرِيْقَ الهُدَى والسَّوَاءُ فى الاَصْلِ الوَسْطُ اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَظْفَرُوْا بكم يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَاۤءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ بالقَتْلِ والضَّرْبِ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْۗءِ بالسَّبِّ والشَّتْمِ وَوَدُّوْا تَمَنَّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ۝ لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ قَرَابَاتُكم وَلَآ اَوْلَادُكُمْ المُشْرِكُونَ الَّذِيْنَ لَاجْلِهِمْ اَسْرَرْتُمُ الخَبَرَ مِنَ العَذَابِ فى الآخِرةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بالبِنَاءِ للمَفْعُوْلِ والفَاعِلِ بَيْنَكُمْ وبَيْنَهم فتَكُوْنُوْنَ فى الجَنَّةِ وهُمْ فِى جُمْلَةِ الكُفّارِ فى النّارِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ بكسرِ الهمزةِ وضَمِّهَا فى المَوْضِعَيْنِ قُدْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ اى به قولًا وفِعلًا وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ مِنَ المُؤْمِنِيْنَ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰۗؤُا جَمْعُ بَرِيْءٍ كَظَرِيْفٍ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ اَنْكَرْنَاكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاۤءُ اَبَدًا بتَحقيقِ الهَمْزَتَيْنِ وابْدالِ الثَّانية واوًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مُسْتَثْنَى مِنْ اُسْوَةٍ اى فَلَيْسَ لكم

التَّأَسِّي بِهِ فِي ذٰلِكَ بِأَنْ تَسْتَغْفِرُوا لِلْكُفَّارِ وقَوْلُهُ **وَمَآ أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ** اي من عذابه وثوابه **مِنْ شَيْءٍ** كنى به عن أَنَّهُ لا يَمْلِكُ لَهُ غَيْرَ الاستغفارِ فَهُوَ مَبْنِيٌّ عليه مُسْتَثْنًى من حيثُ المُرادُ منه وإن كان من حيث ظاهره مما يُتَأَسَّى فيه قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لكم من الله شيئًا واستغفارُه قبل أن يَتَبَيَّنَ له أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلّٰهِ كما ذُكِرَ في براءة **رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ** من مَقُولِ الخليلِ ومَن مَعَهُ اي وقالوا **رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا** اي لا تُظْهِرْهُم علينا فيظُنُّوا أَنَّهُم على الحقِّ فيُفْتَنُوا اي تَذْهَبُ عُقُولُهُم بنا **وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ** في مُلْكِكَ وصُنْعِكَ **لَقَدْ كَانَ لَكُمْ** يا أُمَّةَ محمدٍ جوابُ قسمٍ مُقَدَّرٍ **فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ** بدلُ اشتمالٍ من كم بإعادة الجارِّ **يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ** اي يخافُهما أو يظُنُّ الثوابَ والعقابَ **وَمَن يَتَوَلَّ** بأن يُوالِيَ الكفارَ **فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ** عن خلقه **الْحَمِيدُ** لأهل طاعته

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو میرے اور اپنے دشمنوں کفار مکہ کو دوست نہ بناؤ، تم تو ان کے پاس آپسی دوستی کی وجہ سے نبی ﷺ کے ان سے جہاد کرنے کے ارادہ کا پیغام بھیجتے ہو، جس کو انہوں نے رازدارانہ طور پر تم کو بتادیا ہے اور ارادہ حنین کا ظاہر فرمایا۔

نوٹ: بعض نسخوں میں وَرَّی بِخَیْبَر ہے جو کہ سبقت قلم ہے صحیح وَرَّی بِحُنَیْنٍ ہے۔

حاطب بن ابی بلتعہ نے اہل مکہ کے پاس اس معاملہ میں ایک خط بھیج دیا تھا، اس لئے کہ ان (اہل مکہ) کے پاس ان (حاطب بن ابی بلتعہ) کی مشرک اولاد اور اہل خانہ تھے، چنانچہ حضور ﷺ نے وہ خط اس شخص سے، اللہ تعالیٰ کے (بذریعہ) وحی اطلاع دینے کی وجہ سے واپس منگالیا تھا، جس کے ذریعہ وہ بھیجا تھا اور حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس معاملہ میں عذر قبول فرمایا تھا اور اس حق یعنی دین اسلام اور قرآن کے ساتھ جو تمہارے پاس آچکا ہے کفر کرتے ہیں وہ پیغمبر کو اور (خود) تمہیں بھی مکہ سے ان کو تنگ کرکے محض اس وجہ سے نکالتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان رکھتے ہو اگر تم میری راہ میں جہاد کے لئے اور میری رضاجوئی کے لئے نکلے ہو جواب شرط جس پر اس کا ماقبل دلالت کرتا ہے "فَلَا تَتَّخِذُوْهُمْ اَوْلِيَاءَ" ہے یعنی ان کو اپنا دوست نہ بناؤ، تو تم ان کے پاس دوستی کی وجہ سے خفیہ طور پر پیغام بھیجتے ہو مجھے خوب معلوم ہے جو تم نے چھپایا اور جو تم نے ظاہر کیا ہے، تم میں سے جو بھی آپ کے پیغام کو خفیہ طور پر پہنچانے کا کام کرے گا وہ یقیناً راہ راست سے بھٹک جائے گا یعنی راہ ہدایت سے بھٹک گیا، سَوَاء، کے اصل معنی وسط کے ہیں، اگر وہ تم پر قابو پالیں یعنی کامیاب ہو جائیں، تو تمہارے (کھلے) دشمن ہو جائیں کے اور قتل اور مار پیٹ کے لئے تم پر دست درازی اور گالی گلوچ کے لئے زبان درازی کرنے لگیں اور دل سے چاہنے لگیں کہ تم بھی کفر کرنے لگو، تمہاری قرابت داری اور تمہاری مشرک اولاد جن کے لئے تم نے خفیہ پیغام رسانی کی ہے آخرت میں عذاب سے (بچانے) میں کچھ کام نہ آئیں گی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے اور ان کے درمیان فیصلہ کردے گا

(یــفــصــل) مجہول اور معروف دونوں ہیں تو تم جنت میں ہوؤ گے اور وہ منجملہ کفار کے دوزخ میں ہوں گے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اسے اللہ خوب دیکھ رہا ہے (مسلمانو!) تمہارے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام (کے طرز عمل) میں (اُسوۃ) ہمزہ کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ ہے، اور ان کے مومن ساتھیوں میں قولاً وفعلاً بہترین نمونہ ہے جب کہ ان سب نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے اور جن کی تم اللہ کے سوابندگی کرتے ہو ان سب سے بیزار ہیں (بُرَءٰ اءُ) بَرِیْءٌ کی جمع ہے، جیسا کہ ظَرِیْف کی جمع ظُرَفَاءُ آتی ہے، ہم تمہارے (عقائد) کے بالکل منکر ہیں کَفَرْنَا بکم بمعنی اَنْکَرْنَا ہے، اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے بغض وعداوت ظاہر ہوگئی اَلْبَغْضَاءُ اَبَدًا میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور ثانی کو واؤ سے بدل کر، جب تک کہ اللہ وحدہ پر ایمان نہ لاؤ، مگر اپنے باپ سے ابراہیم علیہ السلام کے قول کہ میں آپ کے لئے ضرور استغفار کروں گا یہ اُسْوَۃ سے مستثنیٰ ہے، یعنی تمہارے لئے ابراہیم علیہ السلام کے اس قول لَاَسْتَغْفِرَنَّ میں اسوۂ حسنہ نہیں ہے، بایں طور کہ تم کفار کے لئے استغفار کرنے لگو، اور مجھے خدا کے سامنے اس کے عذاب اور ثواب میں سے کسی چیز کا اختیار نہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اس قول (مَــا اَمْلِكُ) سے اس بات کی طرف کنایہ کیا ہے کہ وہ اس کے لئے سوائے استغفار کے کسی چیز کا مالک نہیں، (مَااَمْلِكُ) لَاَسْتَغْفِرَنَّ پر معطوف ہے اور باعتبار مراد کے مستثنیٰ ہے اور اگرچہ، مَا اَمْلِكُ، اپنے ظاہری معنی وضع کے اعتبار سے ان میں سے ہے، جس کی اقتداء کی جائے (جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا) قل فَمَنْ یملكُ لکم من اللّٰہ شیئًا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کے لئے استغفار حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اس کے اللہ کا دشمن ظاہر ہونے سے پہلے تھا، جیسا کہ سورۂ براءت میں ذکر کیا گیا، اے ہمارے پروردگار ہم تجھ پر توکل کرتے ہیں اور تیری طرف رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کا مقولہ ہے، یعنی انہوں نے کہا اے ہمارے پروردگار! تو ہم کو کافروں کی آزمائش میں نہ ڈال یعنی تو ان کو ہم پر غالب نہ فرما کہ وہ یہ سمجھنے لگیں کہ وہ حق پر ہیں اور فتنہ پردازی کرنے لگیں، یعنی ہمارے بارے میں ان کے دماغ خراب ہو جائیں، اور اے ہمارے پروردگار! تو ہماری خطاؤں کو معاف کر دے، بے شک تو ہی اپنے ملک میں اور اپنی صنعت میں غالب حکمت والا ہے اے امت محمد یہ! یقیناً تمہارے لئے ان میں اچھا نمونہ ہے یہ قسم مقدر کا جواب ہے، اس شخص کے لئے (لِمَنْ) لَکُمْ، سے اعادۂ جار کے ساتھ بدل الاشتمال ہے کہ کفار سے (دلی) دوستی رکھے، تو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے بالکل بے نیاز ہے اور اپنے اطاعت گزار بندوں کی حمد و (ثنا) کا سزاوار ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: قَصَدَ النبیِّ ﷺ، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تُلْقُوْنَ، کا مفعول محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: وَرّٰی، یہ تَوْرِیَۃً کا فعل ماضی ہے، تَوْرِیہ کہتے ہیں، مقصد کو پوشیدہ رکھنا اور خلاف مقصد کو ظاہر کرنا، یا ایسا لفظ بولنا جو ذو معنیین ہو، ایک معنی قریب ہوں اور دوسرے بعید، متکلم معنی بعید کا ارادہ کرے اور مخاطب معنی قریب مراد لے، جیسا کہ حضرت

ابوبکر صدیق رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے تعاقب کرنے والے دشمن کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا: رَجُلٌ یَهْدِیْنِی السَّبِیل ہدایت کے معنی رہبری کرنے کے ہیں، رہبری دنیا کے راستہ کی بھی ہوتی ہے یہ معنی قریب ہیں اس لئے اولاً ذہن اسی معنی کی طرف سبقت کرتا ہے اور دوسرے معنی آخرت کی رہنمائی ورہبری کرنے کے ہیں یہ اس کے معنی بعید ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے یہی معنی مراد لئے تھے۔

قَوْلُہٗ: بِخَیْبَرَ، یہ ناقلین کی تصحیف ہے صحیح بِحُنَیْنٍ ہے، اس لئے کہ غزوۂ خیبر ماہ محرم ٧ھ میں فتح مکہ سے ایک سال پہلے واقع ہوا ہے اور فتح مکہ ماہ رمضان ٨ھ میں پیش آیا ہے، یہ آیات فتح مکہ کے وقت نازل ہوئی ہیں اور خیبر اس سے پہلے ہی فتح ہو چکا تھا لہٰذا خیبر کی طرف توریہ کی کوئی صورت نہیں بن سکتی۔

قَوْلُہٗ: بالمودة، میں باء سببیہ ہے۔

قَوْلُہٗ: باعلام اللّٰہ تعالٰی، یہ فاسْتَرَدَّهُ، کے متعلق ہے۔

قَوْلُہٗ: لِاَجْلِ اَنْ اٰمَنْتُمْ، یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اَنْ تُؤْمِنُوْا، بتاویل مصدر ہو کر یُخْرِجُوْنَ کا مفعول لہٗ ہے۔

قَوْلُہٗ: لِلْجِهَاد، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جِهَادًا مفعول لہٗ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اِنْ کُنْتُمْ، کا جواب شرط محذوف ہے، جس پر "لا تتخذوا" دلالت کرتا ہے، اور وہ فَلَا تتخذوهم اولیاء ہے۔

قَوْلُہٗ: تُسِرُّوْن، یہ تلقون سے بدل ہے۔

قَوْلُہٗ: سَوَاءَ السَّبِیْل، یہ اضافت صفت الی الموصوف ہے، ای السبیل السواء.

قَوْلُہٗ: لوتکفرون، لو بمعنی اَنْ مصدریہ ای تمنوا کفرکم.

قَوْلُہٗ: مِنَ الْعَذَابِ، لَنْ یَنْفَعَکُمْ منفی کے متعلق ہے۔

قَوْلُہٗ: یَوْمَ الْقِیٰمَةِ، اگر یہ لَنْ تَنْفَعَکُمْ سے متعلق ہو تو اس وقت یَوْمَ الْقِیَامَةِ پر وقف ہوگا اور یَفْصِلُ سے جملہ مستانفہ ہوگا اور یہ بھی درست ہے کہ اپنے مابعد یَفْصِلُ سے متعلق ہو، اس صورت میں اَوْلَادُکُمْ پر وقف ہوگا، اور یَوْمَ الْقِیٰمَةِ سے جملہ مستانفہ ہوگا۔

قَوْلُہٗ: اِنَّا بُرَءٰٓؤُا جمع بَرِیْءٍ کَظَرِیْفٍ یعنی جس طرح ظریف کی جمع ظُرَفَاءُ آتی ہے اسی طرح بَرِیْءٌ کی جمع بُرءٰؤُا آتی ہے۔

قَوْلُہٗ: وَاِبْدَالِ الثانیة وَاوًا یعنی اَبَدًا کو وَبَدًا بھی پڑھ سکتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: مستثنی مِنْ اُسْوَةٍ یعنی اِلَّا قَوْلَ اِبْرَاهِیْمَ الخ قَدْ کَانَتْ لَکُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْٓ اِبْرَاهِیْمَ سے مستثنیٰ ہے، مطلب یہ ہے کہ تمہارے لئے ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے ہر قول وفعل میں اچھا نمونہ ہے مگر کفار کے لئے استغفار کرنے میں نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: اِلَّا قَوْلَ اِبْرَاهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ، اِلَّا قَوْلَ اِبْرَاهِيْمَ الخ مستثنیٰ ہے اور سابق میں قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ مستثنیٰ منہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہر قول و فعل قابل تأسِّی (یعنی قابل اقتداء) ہے مگر ان کا قول لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ الخ قابل تأسِّی نہیں ہے، خلاصہ یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو اپنے کافر والد کے لئے استغفار کیا یہ ہمارے لئے قابل تأسِّی نہیں کہ ہم بھی کافر کے لئے استغفار کر سکیں گویا کہ کافر باپ کے لئے استغفار کرنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے خاص ہے دوسروں کیلئے اس بارے میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اقتداء جائز نہیں۔

قَوْلُہٗ: وَمَا اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ، کا عطف لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ پر ہے اور معطوف و معطوف علیہ کا حکم ایک ہی ہوتا ہے، تو مطلب یہ ہوا کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے والد سے فرمایا کہ میں آپ کے لئے استغفار کروں گا، اور یہ بھی فرمایا کہ میں آپ کے لئے کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا، گویا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے والد سے دو باتیں کہیں اول یہ کہ میں آپ کے لئے استغفار کروں گا دوسری یہ کہ میں آپ کے لئے اللہ کی طرف سے کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا، ان دونوں باتوں کو اِلَّا قَوْلَ ابراهيم کہہ کر قابل اقتداء ہونے سے [illegible] کر دیا، حالانکہ دوسری بات یعنی مَا اَمْلِكُ لَكَ الخ قابل اقتداء ہے، دلیل اس کی اللہ تعالیٰ کا قول قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا، ہے (سورۂ فتح) بظاہر ان دونوں آیتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے یعنی مَا اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اور سورۂ فتح کی آیت: قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ الخ میں تعارض ہے۔

اعتراض: اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہر قول و فعل کو قابل تأسِّی یعنی قابل اقتداء قرار دیا ہے مگر ان میں سے کافر کے لئے استغفار کو قابل اقتداء ہونے سے مستثنیٰ کر دیا ہے اور اس مستثنیٰ پر وَمَا اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ کا عطف کیا ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ معطوف علیہ اور معطوف کا حکم ایک ہی ہوتا ہے، لہٰذا مَا اَمْلِكُ لَكَ الخ بھی قابل اقتداء ہونے سے خارج ہو گیا، حالانکہ سورۂ فتح کی آیت "قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا" سے اس کا قابل اقتداء ہونا معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ کوئی بھی شخص اللہ کی طرف سے کسی خیر و شر کا مالک نہیں ہے، لہٰذا یہ معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول "مَا اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ" قابل اقتداء ہے نہ کہ ناقابل اقتداء۔

قَوْلُہٗ: كَنّٰى بِهٖ عَنْ اَنَّهٗ لَا يَمْلِكُ لَهٗ غَيْرَ الْاِسْتِغْفَارِ، سے مذکورہ اعتراض کا جواب دیا گیا ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ مَا اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ کے دو معنی ہیں ایک معنی مرادی جو کہ یہاں مقصود ہیں، جس کو كَنّٰى بِهٖ سے تعبیر کیا ہے اور دوسرے معنی وضعی جو کہ مقصود نہیں ہیں اور وہ یہ ہے کہ مَا اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ الخ کو معطوف علیہ یعنی لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ الخ سے خارج کر دیا جائے یعنی نہ تو کافر کے لئے استغفار کرنا قابل اقتداء اور نہ یہ کہنا قابل اقتداء ہے کہ میں آپ کے لئے اللہ کی جانب سے کسی نفع و نقصان کا مالک نہیں، حالانکہ دوسری بات آیت فتح کی روشنی میں قابل اقتداء ہے۔

خلاصۂ کلام:

خلاصہ کلام یہ کہ ابراہیم علیہ السلام کا قول مَـا اَمْـلِكُ لَكَ الـخ معنی مرادی کے اعتبار سے قابل اقتداء ہے، مگر معنی وضعی کے اعتبار سے قابل اقتداء نہیں ہے، مفسر علام کے قول مستثنٰی مِـنْ حَيْثُ المراد منه وَإِن كان من حيث ظاهره مما يُتَأَسّٰى فيه کا یہی مطلب ہے۔

مذکورہ اعتراض کا دوسرا جواب:

قَوْلُہٗ: وما اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ، یہ مستثنٰی کا تتمہ ہے، اصل مستثنٰی لَاَسْتَغْفِرَنَّ الخ ہے، وَمَا اَمْلِكُ لَكَ جملہ حالیہ ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے اور مجموعہ کے استثناء سے تمام احوال سے استثناء لازم نہیں آتا، لہٰذا مستثنٰی کا آخری جزء یعنی وَمَـا اَمْـلِكُ لَكَ الـخ جو دراصل مستثنٰی کے لئے قید ہے، قابل تـاسِّی ہونے سے خارج نہ ہوگا، اس کی تائید روح البیان کی عبارت سے بھی ہوتی ہے، فمورد الاستثناء نفس الاستغفار لا قيده یعنی اصل مستثنٰی نفس استغفار ہے نہ کہ اس کی قید: مَا اَمْلِكُ لَكَ الخ.

قَوْلُہٗ: لِمَنْ كَانَ یہ اعادۂ جار کے ساتھ لَكُمْ کی كُمْ ضمیر سے بدل الاشتمال ہے، صحیح تو یہ ہے کہ بدل البعض ہے، اس لئے کہ لِـمَـنْ كَـانَ يَـرْجُو اللّٰـهَ، كُمْ کا بعض ہے، البتہ بعض اوقات بدل الاشتمال کا اطلاق بدل البعض پر ہو جاتا ہے (كـمـا صرح الرضی) اور جن حضرات نے ضمیر سے بدل واقع ہونے کو منع کیا ہے، تو انہوں نے بدل الکل کو منع کیا ہے اور سیبویہ کے نزدیک بدل مطلقاً جائز ہے۔

قَوْلُہٗ: مَنْ يَتَوَلَّ شرط ہے اور جواب شرط محذوف ہے اس کی تفسیر فوباله علیٰ نفسه، اللہ تعالیٰ کا قول فَـاِنَّ اللّٰهَ الخ جواب کی علت ہے۔

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

شانِ نزول:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ اس سورت کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت کے نزول کا زمانہ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان کا ہے، جمہور مفسرین نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور ابن عباس، مجاہد، قتادہ، اور عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کی بھی متفقہ رائے یہی ہے کہ ان آیات کا نزول اس وقت ہوا جس وقت کہ مشرکین مکہ کے نام حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا خط پکڑا گیا تھا۔

واقعہ کی تفصیل:

مشرکین مکہ اور نبی ﷺ کے درمیان حدیبیہ میں جو معاہدہ ہوا تھا، اہل مکہ نے اس کی خلاف ورزی کی اس لئے رسول اللہ ﷺ نے مکہ پر حملہ کرنے کی خفیہ طور پر تیاری شروع فرما دی، اس پروگرام کو صیغۂ راز میں رکھا گیا اور چند مخصوص صحابہ کے علاوہ آپ ﷺ نے کسی کو نہ بتایا کہ آپ ﷺ کس مہم کے لئے تیاری فرما رہے ہیں؟ ایسا جنگی چال کے طور پر کیا گیا تا کہ دشمن کو قبل از وقت مسلمانوں کی سرگرمیوں اور ان کے منصوبوں کا پتہ نہ چل سکے، حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صحابی ہیں، جو کہ بدریین میں سے تھے، یمن کے رہنے والے تھے مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں بودو باش اختیار کر لی تھی، مکہ والوں سے ان کی کوئی رشتہ داری نہیں تھی، لیکن ان کے بیوی بچے اور دیگر اہل خانہ مکہ ہی میں تھے۔

انہوں نے سوچا کہ میں قریش مکہ کو آپ ﷺ کی مکہ پر حملہ کی تیاری کی اطلاع دے کر ایک احسان کردوں، تا کہ وہ اس احسان کے بدلے ان کے بیوی بچوں کا خیال رکھیں، اتفاق سے اسی زمانہ میں مکہ معظمہ سے ایک عورت آئی جو پہلے بنی عبدالمطلب کی لونڈی تھی، اس نے آزاد ہو کر گانے بجانے کا کام شروع کر دیا تھا، اس کا نام سارہ تھا اس نے مدینہ آ کر آپ ﷺ سے اپنی تنگ دستی کی شکایت کی اور کچھ مالی مدد کی طالب ہوئی، رسول اللہ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا ہجرت کر کے آئی ہو؟ تو اس نے کہا نہیں، اس کے بعد دریافت فرمایا کیا تم مسلمان ہو کر آئی ہو؟ اس کا جواب بھی نفی میں دیا، تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ پھر تم یہاں کس غرض سے آئی ہو؟ تو اس نے کہا کہ آپ ﷺ مکہ کے اعلیٰ خاندان کے لوگ تھے آپ ﷺ لوگوں ہی سے میرا گذارا تھا، مکہ کے بڑے بڑے سردار تو غزوۂ بدر میں مارے گئے اور آپ لوگ یہاں چلے آئے، اب میرا گذارا مشکل ہو گیا ہے، میں سخت حاجت اور ضرورت میں مبتلا ہو کر آپ سے مدد لینے کے لئے یہاں آئی ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا تم تو مکہ مکرمہ کی پیشہ ور مغنیہ ہو وہ مکہ کے نوجوان کیا ہوئے (جو تجھ پر روپے پیسے کی بارش کرتے تھے) اس نے کہا واقعہ بدر کے بعد ان کی تقریبات جشن طرب ختم ہو چکی ہیں، اس وقت سے مجھے کسی نے نہیں بلایا، رسول اللہ ﷺ نے بنی عبدالمطلب کو اس کی مدد کی ترغیب دی، انہوں نے اس کو نقد اور کپڑے وغیرہ دے کر رخصت کیا۔ (معارف ملخصا)

جب وہ مکہ جانے لگی تو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے ملے اور چپکے سے اس کو بعض سرداران مکہ کے نام ایک خط دے دیا اور دس دینار دے دیئے، تا کہ وہ راز فاش نہ کرے اور یہ خط مکہ کے سرداروں کو پہنچا دے بعض روایتوں میں دس دیناروں کے ساتھ ایک چادر دینے کا بھی ذکر ہے (اعراب القرآن بحوالہ قشیری و ثعلبی) ابھی وہ مدینہ سے روانہ ہی ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اس واقعہ کی اطلاع آپ ﷺ کو دے دی، آپ ﷺ نے فوراً ہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کے پیچھے روانہ کیا (بعض روایات میں دوسرے ناموں کا ذکر ہے) اور حکم دیا کہ تیزی سے جاؤ، روضہ خاخ کے مقام پر ایک عورت ملے گی جس کے پاس مشرکین کے نام حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک خط ہے جس طرح بھی ہو اس سے وہ خط حاصل کرو اگر وہ دیدے تو اسے چھوڑ دینا اگر نہ دے تو اس کو قتل کر دینا۔

خط کا متن:

اَمّا بعد! فانّ رسول اللّٰہ قد توجّہ اِلیکم بجیشٍ کاللیل یسیر کالسَّیل، واقسم باللّٰہ لَوْلم یسر الیکم الّا وحدہٗ لاظفرہُ اللّٰہ بکم، ولانجزلہٗ موعدہٗ فیکم، فانّ اللّٰہ ولیُّہٗ وناصرُہٗ.

تَرْجَمَہ: حمد وصلوۃ کے بعد، بے شک اللہ کے رسول تمہاری طرف متوجہ ہوئے ہیں ایسا لشکر لے کر جو (کثرت میں) رات کی مانند ہے اور چلنے میں سیلاب کی مانند ہے، اور میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں اگر وہ تمہاری طرف صرف اکیلے ہی متوجہ ہوتے تو بھی اللہ تعالیٰ یقیناً ان کو تم پر فتح عطا فرماتا اور ان سے تمہارے بارے میں اپنے وعدے کی ضرور تکمیل فرماتا، بلاشبہ اللہ اس کا والی اور ناصر ہے۔

حضرت علی رَضِّیَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ فرماتے ہیں کہ ہم نے حکم کے مطابق تیزی سے اس کا تعاقب کیا، اور ٹھیک اسی جگہ جہاں کے لئے رسول اللہ ﷺ نے خبر دی تھی اس عورت کو اونٹ پر سوار جاتے ہوئے پکڑ لیا، ہم نے اس سے کہا وہ خط نکالو جو تمہارے پاس ہے، اس نے کہا میرے پاس کسی کا کوئی خط نہیں ہے، ہم نے اس کے اونٹ کو بٹھا دیا، اس کی تلاشی لی مگر خط ہمارے ہاتھ نہ لگا، لیکن ہم نے دل میں کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی خبر غلط نہیں ہوسکتی ضرور خط اس نے کہیں چھپایا ہے، پھر ہم نے اس سے کہا، تو خط نکال کر دیدے ورنہ ہم ننگا کر کے تیری جامہ تلاشی لیں گے، جب اس نے دیکھا کہ ہم سے نجات مشکل ہے، تو اس نے اپنی چوٹی سے خط نکال کر دیا، حضرت علی رَضِّیَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ فرماتے ہیں کہ ہم یہ خط لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، حضرت عمر بن الخطاب رَضِّیَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے واقعہ سنتے ہی رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اس شخص نے اللہ اور اس کے رسول اور سب مسلمانوں سے خیانت کی ہے، ہمارا راز کفار کو لکھ دیا، مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن ماردوں، آپ ﷺ نے فرمایا اے عمر! حاطب بدر میں حاضر تھا اور تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ اہل بدر کے قلوب پر مطلع ہو گیا (یعنی ان کے اخلاص وایمان کو جانچ لیا ہے) اور فرمایا ہے: اعملوا ما شئتُم فقد غفرتُ لکم جو چاہو سو کرو میں نے تمہارے گناہ بخش دیئے ہیں۔ (خلاصۃ التفاسیر) آپ ﷺ کی جانب سے معافی کا اعلان سنا تو عمر رَضِّیَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ (ابن کثیر)

حاطب بن ابی بلتعہ رَضِّیَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ آپ ﷺ کی خدمت میں:

آپ ﷺ نے حاطب رَضِّیَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے پوچھا تم نے یہ کیا کیا؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے یہ کام کفر وارتداد کی وجہ سے نہیں کیا بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ دیگر مہاجرین کے رشتہ دار مکہ میں موجود ہیں جو ان کے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہیں، میرا وہاں کوئی رشتہ دار نہیں ہے تو میں نے یہ سوچا کہ میں اہل مکہ کو کچھ اطلاع کر دوں تاکہ وہ میرے احسان مند رہیں

اور میرے بچوں کی حفاظت کریں، آپ ﷺ نے ان کی سچائی کی وجہ سے انہیں کچھ نہیں کہا تاہم اللہ نے تنبیہ کے طور پر یہ آیات نازل فرما دیں، تاکہ آئندہ کوئی مومن کسی کافر کے ساتھ اس طرح کا تعلق مودت قائم نہ کرے، سورۂ ممتحنہ کی ابتدائی آیتیں اسی واقعہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں۔ (صحیح بخاری تفسیر سورة الممتحنة، صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابة)

تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ (الآیة) مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ کی خفیہ باتیں ان تک پہنچا کر ان سے دوستانہ تعلق قائم رکھنا چاہتے ہو، حالانکہ تم کو میرے اور اپنے دشمنوں کے ساتھ دوستی کے تعلقات قائم نہیں کرنے چاہئیں کفار کو اس قسم کے خط لکھنا یا ان کو دوستی کا پیغام دینا ہے، اپنے اور خدا کے دشمنوں سے دوستی کی توقع رکھنا سخت دھوکا ہے اس سے بچنا چاہئے، اور یہ بات یاد رکھو، کہ کافر جب تک کافر ہے وہ کسی مسلمان کا اور مسلمان جب تک کہ وہ مسلمان ہے کبھی کافر کا دوست نہیں ہو سکتا، شرک اور کفر کی وجہ سے تمہارا اور ان کا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا، اللہ کے پرستاروں کا بھلا غیر اللہ کے پجاریوں سے کیا تعلق؟

يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ (الآیة) یعنی پیغمبر ﷺ اور تم کو کیسی کیسی ایذائیں دیکر ترک وطن پر مجبور کیا محض اس قصور پر کہ تم ایک اللہ کو جو کہ تمہارا اور سب کا رب ہے کیوں مانتے ہو؟ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِیْ سَبِيْلِیْ (الآیة) یعنی تمہارا گھر بار کو چھوڑ کر نکلنا اگر میری خوشنودی اور میری راہ میں جہاد کرنے کے لئے ہے اور خالص میری رضا کے واسطے تم نے سب کو اپنا دشمن بنایا ہے، تو پھر انہیں دشمنوں سے دوستی گانٹھنے کا کیا مطلب ہے؟ کیا جنہیں ناراض کر کے اللہ کو راضی کیا تھا اب انہیں راضی کر کے اللہ کو ناراض کرنا چاہتے ہو؟ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَا اَخْفَيْتُمْ (الآیة) یعنی اگر کوئی انسان کوئی کام دنیا سے چھپا کر کرتا ہے، تو کیا اس کو اللہ سے بھی چھپا پائے گا، دیکھو حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس قدر کوشش کی کہ خط کی اطلاع کسی کو نہ ہو، مگر اللہ نے اپنے رسول کو مطلع فرما دیا۔

اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَاءً یعنی ان کافروں سے بحالت موجودہ کسی بھلائی کی امید مت رکھو، خواہ تم کتنی ہی رواداری اور دوستی کا اظہار کر لو گے وہ کبھی تمہارے خیر خواہ نہیں ہو سکتے، انتہائی رواداری کے باوجود اگر تم پر ان کا قابو چڑھ جائے تو کسی قسم کی برائی اور دشمنی سے درگذر نہ کریں گے، زبان سے ہاتھ سے، غرضیکہ ہر طرح سے ایذاء پہنچائیں گے، اور ان کی یہ خواہش ہوگی کہ تم کفر میں واپس پلٹ آؤ، کیا ایسے شریر اور بد باطن اس لائق ہیں کہ ان کو دوستانہ پیغام بھیجا جائے۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا (الآیة) یعنی کافروں کو ہم پر غلبہ اور تسلط عطا نہ فرما، اس طرح وہ سمجھیں گے کہ وہ حق پر ہیں، یوں ہم ان کے لئے فتنہ کا باعث بن جائیں گے۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ من كفار مكة طاعةً لله تعالى مَّوَدَّةً بان يَهْدِيهُم للايمان فيصيروا لكم اولياء وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ على ذلك وقد فعله بعد فتح مكة وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ لهم ما سلف رَّحِيْمٌ⑦ بهم لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ من الكفار فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ بدل اشتمال من

الدين وَتُقْسِطُوْٓا تقضوا اِلَيْهِمْ بالقسط اى العدل وهذا قبل الامر بالجهاد اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ العدلين اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عاونوا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ بدل اشتمال من الذين تتخذوهم اولياء وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَاۗءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ بالسنتهن مُهٰجِرٰتٍ من الكفار بعد الصلح معهم في الحديبية على ان من جاء منهم الى المؤمنين يرد فَامْتَحِنُوْهُنَّ بالحلف انهن ماخرجن الا رغبة في الاسلام لا بغضا لازواجهن الكفار ولا عشقا لرجال من المسلمين كذا كان النبي صلى الله عليه وسلم يحلفهن اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ ظننتموهن بالحلف مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ تردوهن اِلَى الْكُفَّارِ ۭ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۭ وَاٰتُوْهُمْ اى اعطوا الكفار ازواجهن مَّآ اَنْفَقُوْا عليهن من المهور وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ بشرطه اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مهورهن وَلَا تُمْسِكُوْا بالتشديد والتخفيف بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ زوجاتكم لقطع اسلامكم لها بشرطه او اللاحقات بالمشركين مرتدات لقطع ارتدادهن نكاحكم بشرطه وَسْـَٔــلُوْا اطلبوا مَآ اَنْفَقْتُمْ عليهن من المهور في صورة الارتداد ممن تزوجهن من الكفار وَلْيَسْــَٔــلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا على المهاجرات كما تقدم انهم يؤتونه ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۭ به وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اى واحدة فاكثر منهن او شيء من مهورهن بالذهاب اِلَى الْكُفَّارِ مرتدات فَعَاقَبْتُمْ فغزوتم وغنمتم فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ من الغنيمة مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا لفواته عليهم من جهة الكفار وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ وقد فعل المؤمنون ما امروا به من الايتاء للكفار والمؤمنين ثم ارتفع هذا الحكم يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَاۗءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓي اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْــــًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ كما كان يفعل في الجاهلية من وأد البنات اى دفنهن احياء خوف العار والفقر وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ اى بولد ملقوط ينسبنه الى الزوج ووصف بصفة الولد الحقيقي فان الام اذا وضعته سقط بين يديها ورجليها وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ هو ما وافق طاعة الله تعالى كترك النياحة وتمزيق الثياب وجز الشعر وشق الجيب وخمش الوجه فَبَايِعْهُنَّ فعل صلى الله عليه وسلم ذلك بالقول ولم يصافح واحدة منهن وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ هم اليهود قَدْ يَىِٕسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ اى من ثوابها مع ايقانهم بها لعنادهم النبي صلى الله عليه وسلم مع علمهم بصدقه كَمَا يَىِٕسَ الْكُفَّارُ الكائنون مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ۝ اى المقبورين من خير الاخرة اذ تعرض عليهم مقاعدهم من الجنة لو كانوا آمنوا ومايصيرون اليه من النار.

ترجمہ: کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ عنقریب ہی تم میں اور تمہارے دشمنوں میں محبت پیدا کردے جن کفار مکہ سے تم نے خدا کی طاعت میں دشمنی کی ہے، اس طریقہ سے کہ وہ ان کو ایمان کی ہدایت دیدے، تو وہ تمہارے دوست ہوجائیں، اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کے بعد ایسا کر بھی دیا، اور اللہ تعالیٰ ان کے سابقہ (گناہوں) کو معاف کرنے والا ان پر رحم کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ تم کو ان کفار کے ساتھ جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں کی اور نہ انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہے حسن سلوک کرنے سے اَلَّذِیْنَ سے بدل الاشتمال ہے، اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا اور یہ حکم، جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں صرف ان لوگوں کی محبت سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائیاں لڑیں اور تمہیں جلاوطن کیا، اور تم کو جلاوطن کرنے میں مدد کی اَلَّذِیْنَ سے بدل الاشتمال ہے، یعنی یہ کہ تم ان کو دوست نہ بناؤ، جو لوگ ایسے کافروں سے محبت کریں وہ (قطعاً) ظالم ہیں، اے ایمان والو! جب تمہارے پاس اقرار کرنے والی مومن عورتیں کفار سے ہجرت کرکے آئیں ان کے ساتھ حدیبیہ میں اس بات پر صلح کرنے کے بعد کہ جو ان میں سے مومنین کے پاس آئے گا اس کو لوٹا دیا جائے گا، تو ان کو حلف کے ذریعہ جانچ کرلیا کریں کہ وہ صرف اسلام میں رغبت کی وجہ سے ہجرت کرکے آئی ہیں، نہ کہ اپنے کافر شوہروں سے بغض کی وجہ سے، اور نہ کسی مسلمان سے عشق کی وجہ سے، آپ ﷺ ان سے ایسی ہی قسم لیا کرتے تھے، ان کے حقیقی ایمان کو تو اللہ ہی خوب جانتا ہے لیکن اگر وہ تمہیں قسم کی وجہ سے مومنہ معلوم ہوں، تو تم ان کو کافروں کی طرف مت لوٹاؤ یہ ان کے لئے حلال نہیں اور نہ وہ ان کے لئے حلال ہیں اور ان کے کافر شوہروں کا جو مہر ان پر خرچ ہوا ہو وہ ان کو دیدو اور جب تم ان عورتوں کا مہر ادا کردو تو تم پر ان سے نکاح کرنے میں نکاح کی شرط کے ساتھ کوئی گناہ نہیں ہے اور اپنی بیویوں میں سے کافر عورتوں کی ناموس اپنے قبضے میں نہ رکھو تمہارے اسلام کے ان کو (تم سے) منقطع کرنے کی وجہ سے اس کی شرط کے ساتھ، یا ان بیویوں کے مرتد ہو کر مشرکین سے جاملنے کے سبب ان کے ارتداد کے سبب، تمہارے نکاح منقطع کرنے کی وجہ سے اس کی شرط کے ساتھ، اور جو کچھ تم نے ان پر مہر خرچ کیا ہو ان کے ارتداد کی صورت میں ان کے کافر شوہروں سے طلب کرلو، اور وہ بھی مہاجرات پر خرچ کیا ہوا مال طلب کرلیں جیسا کہ سابق میں گذر چکا، کہ ان کو دیا جائے گا، یہ اللہ کا فیصلہ ہے جو تمہارے درمیان کررہا ہے، اللہ تعالیٰ بڑا علم و حکمت والا ہے اور اگر تمہاری کوئی بیوی تمہارے ہاتھ سے نکل جائے ایک یا اس سے زیادہ یا ان کا کچھ مہر فوت ہوجائے اور مرتد ہو کر ان کفار سے جاملنے کی وجہ سے، پھر جب تم ان سے جہاد کرو اور تم کو مال غنیمت حاصل ہو تو جن کی بیویاں چلی گئی ہیں تو انہیں ان کے اخراجات کے برابر ان کو مال غنیمت سے دیدو کفار کی طرف سے ان کے نفقہ کے فوت ہوجانے کی وجہ سے اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو اور بلاشبہ مومنین نے اس پر عمل کیا جس کا ان کو حکم دیا گیا تھا، یعنی کافروں اور مومنین کو دیکر، پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا، اے پیغمبر! جب مسلمان عورتیں آپ

ﷺ سے ان باتوں پر بیعت کرنے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور زنا، نہ کریں گی اور اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی جیسا کہ وہ زمانہ جاہلیت میں بیٹیوں کو زندہ دفن کیا کرتی تھیں یعنی شرم یا فقر کے خوف سے ان کو زندہ دفن کیا کرتی تھیں، اور نہ کوئی بہتان کی اولاد لائیں گی جس کو اپنے ہاتھوں اور پیروں کے درمیان بنالیویں یعنی اٹھائے ہوئے بچہ کو اپنے شوہر کی طرف منسوب نہ کریں گی (بیـن اَیـدیـهنَّ) سے ولد حقیقی کا وصف بیان کیا ہے، اس لئے کہ ماں جب اس کو جنتی ہے تو وہ اس کے ہاتھوں اور پیروں کے درمیان گرتا ہے، اور کسی نیک کام میں تیری حکم عدولی نہ کریں گی اور نیک کام وہ ہے جو اللہ کی طاعت کے مطابق ہو، جیسا کہ نوحہ کرنے کو اور کپڑے پھاڑنے کو، اور بال نوچنے کو اور گریبان پھاڑنے کو اور چہرہ نوچنے کو ترک کرنا ہے، تو آپ ﷺ ان سے بیعت فرمالیا کریں آپ ﷺ نے بیعت کا یہ عمل قولاً فرمایا، اور کسی عورت سے مصافحہ نہیں فرمایا، اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کریں، بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا معاف کرنے والا ہے اے مسلمانو! تم اس قوم سے دوستی نہ رکھو جن پر اللہ کا غضب نازل ہو چکا ہے وہ یہود ہیں جو آخرت سے اس طرح مایوس ہو چکے ہیں یعنی اس کے ثواب سے آخرت پر ایمان رکھنے کے باوجود آنحضرت ﷺ سے عناد کی وجہ سے ان کے برحق ہونے کا علم رکھنے کے باوجود جیسے کہ کفار جو قبروں میں آخرت کی خیر سے ناامید ہو چکے ہیں جب کہ ان کے روبرو ان کا جنت کا ٹھکانہ پیش کیا جائے گا اگر ایمان لائے ہوتے اور جہنم کا وہ ٹھکانہ جس کی طرف وہ جا رہے ہوں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: طاعَةً لِلّٰهِ تعالى، اَیْ عَادَیْتُمْ لِاَجلِ طَاعَةِ اللّٰهِ، طَاعَةً لِلّٰهِ، یہ عَادَیْتُمْ کا مفعول لہٗ ہے۔

قَوْلُهٗ: تَفْضُوْا، تُقْسِطُوْا کی تفسیر تَفْضُوْا سے کر کے یہ بتادیا کہ تُقْسِطُوْا، تَفْضُوْا کے معنی کو متضمن ہے؛ تاکہ اس کا صلہ اِلٰی لانا صحیح ہو جائے، تـقـسـطُوْا کا عطف تَبَرُّوْهُمْ پر عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے، بہتر ہوتا کہ تـقـسـطوا کی تفسیر تعطُوهم قِسطًا مِنْ اَمْوَالِكُمْ سے کرتے یعنی ان کے ساتھ حسن سلوک کرو اور ان کو اپنے اموال میں سے کچھ دیدیا کرو، اس لئے کہ صرف نہ لڑنے والے کافروں کے ساتھ انصاف کرنے کا کوئی مطلب ہی نہیں، عدل وانصاف تو ہر ایک کے ساتھ ضروری ہے خواہ وہ محارب ہو یا نہ ہو، لہٰذا عدل کی تخصیص صرف غیر مہاجرین کے ساتھ مناسب نہیں ہے۔

قَوْلُهٗ: بشــرطـــه یعنی نکاح کے شرائط کو پورا کر کے تم ان سے نکاح کر سکتے ہو مثلاً یہ کہ حالت اسلام میں اس کی عدت گذر جائے اگر وہ مدخول بہا ہو، اور یہ کہ گواہوں کی موجودگی میں نکاح ہو۔

قَوْلُهٗ: عِصَمٌ، عِصْمَةٌ کی جمع ہے بمعنی نکاح، ناموس، کَوَافِر، جمع کافِرة، جیسا کہ ضَوَارِب، جمع ضَارِبَة.

قَوْلُهٗ: لقطع اسلامكم لها بشرطه، اى بشرط القطع.

تفسیر وتشریح

سابقہ آیات میں مسلمانوں کو اپنے کافر رشتہ داروں سے قطع تعلق کی جو تلقین کی گئی تھی، اس پر سچے اہل ایمان اگر چہ بڑے صبر وضبط کے ساتھ عمل کر رہے تھے، مگر اللہ کو معلوم تھا کہ اپنے ماں، باپ، بھائی، بہنوں اور قریب ترین عزیزوں سے تعلق توڑ لینا کیسا سخت اور مشکل کام ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو تسلی دی کہ وہ وقت دور نہیں ہے جب تمہارے یہی کافر رشتہ دار، مسلمان ہو جائیں گے، اور آج کی دشمنی کل پھر محبت میں تبدیل ہو جائے گی، جن حالات میں یہ بات کہی گئی تھی کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا کہ یہ نتیجہ کیسے رونما ہوگا اس لئے کہ بظاہر دور دور تک بھی اس کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی، ان آیات کے نزول کے چند ہی ہفتہ بعد مکہ فتح ہو گیا اور مکہ کے لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے، اور مسلمانوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ جس چیز کی انہیں امید دلائی گئی تھی وہ کیسے پوری ہوئی۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ (الآیة) اس مقام پر یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ دشمنی نہ کرنے والے کافروں سے حسن سلوک کرنا تو اچھی بات ہے مگر کیا انصاف بھی ان ہی کے لئے مخصوص ہے، اور کیا دشمن کافروں کے ساتھ ناانصافی کرنی چاہئے؟ جواب یہ ہے کہ عدل وانصاف تو ہر شخص کے ساتھ ضروری ہے، خواہ کافر ہو یا غیر کافر حتی کہ اسلام کی تو یہ ہدایت ہے کہ دشمنوں کے ساتھ بھی عدل وانصاف کیا جائے اس میں کافر وغیر کافر اور حربی وغیر حربی سب برابر ہیں، بلکہ اسلام میں تو انصاف جانوروں کے ساتھ بھی ضروری ہے، اس آیت میں بھلائی اور احسان کرنے کی ہدایت ہے، ان ہی معنی کی رعایت کے لئے تُقْسِطُوْا کو تعطوا کے معنی میں اور مقسطین بمعنی مُعْطِیْنَ لیا ہے۔

مَسْئَلَہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ نفلی صدقات ذمی اور مصالح کافر کو دیئے جا سکتے ہیں، صرف کافر حربی کو دینا ممنوع ہے۔

مذکورہ آیت میں ان کفار کے بارے میں بتایا گیا کہ جو مسلمانوں کے مقابلہ میں جنگ کر رہے ہوں اور مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالنے میں حصہ لے رہے ہوں، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ موالات اور دلی دوستی سے منع فرماتا ہے، اس میں بر و احسان کا معاملہ کرنے سے ممانعت نہیں، بلکہ صرف قلبی دوستی سے منع کیا گیا ہے، اور یہ ممانعت صرف برسر پیکار دشمنوں کے ساتھ ہی خاص نہیں، بلکہ اہل ذمہ اور اہل صلح کافروں کے ساتھ بھی قلبی موالات اور دوستی جائز نہیں۔

سابقہ آیات میں کفار سے جس ترک تعلق کی ہدایت کی گئی تھی اس کے متعلق کسی کو یہ غلط فہمی لاحق ہو سکتی تھی کہ یہ ان کے کافر ہونے کی وجہ سے ہے، اس لئے اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ (الآیة) میں یہ بتایا گیا کہ اس کی اصل وجہ ان کا کفر نہیں بلکہ اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ ان کی عداوت اور ان کی ظالمانہ روش ہے، لہٰذا مسلمانوں کو دشمن کافر اور غیر دشمن کافر میں فرق کرنا چاہئے، اور ان کافروں کے ساتھ احسان وحسن سلوک کا معاملہ کرنا چاہئے، جنہوں نے کبھی ان کے ساتھ برائی نہ کی ہو، اس کی بہترین تشریح وہ واقعہ ہے جو حضرت اسماء بنت ابی بکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہا اور ان کی کافر والدہ کے درمیان پیش آیا تھا، حضرت ابو بکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی ایک بیوی قتیلہ بنت عبد العزیٰ کافرہ تھیں اور ہجرت کے بعد مکہ ہی میں رہ گئی تھیں حضرت اسماء بنت ابی بکر

رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان ہی کے بطن سے تھیں، صلح حدیبیہ کے بعد جب مکہ اور مدینہ کے درمیان آمدورفت کا راستہ کھل گیا تو وہ اپنی بیٹی (اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے ملنے کے لئے مدینہ طیبہ آئیں، اور کچھ تحفہ تحائف بھی لائیں، خود حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے معلوم کیا کہ کیا اپنی ماں سے مل لوں؟ اور کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحمی بھی کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا ان سے صلہ رحمی کرو، (مسند احمد بخاری، مسلم) اس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک مسلمان کے لئے اپنے کافر ماں باپ کی خدمت کرنا بھائی، بہنوں اور رشتہ داروں کی مدد کرنا جائز ہے، جب کہ وہ دشمن اسلام نہ ہوں۔

(احکام القرآن للجصاص، روح المعانی)

شان نزول:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَ کُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُھٰجِرٰتٍ (الآیۃ) یہ آیتیں صلح حدیبیہ کے موقع پر ایک خاص واقعہ کے متعلق نازل ہوئیں ہیں، اس واقعہ کا بیان سورۂ فتح کے آغاز میں گذر چکا ہے۔

معاہدۂ صلح حدیبیہ کی بعض شرائط کی تحقیق:

واقعۂ حدیبیہ کی تفصیل سورۂ فتح میں گذر چکی ہے، جس میں قریش مکہ اور آنحضرت ﷺ کے درمیان ایک معاہدۂ صلح دس سال کے لئے لکھا گیا تھا، اس معاہدہ کی بعض شرائط ایسی تھیں جن میں دب کر صلح کرنے اور مسلمانوں کی بظاہر مغلوبیت محسوس ہوتی تھی، اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اس پر غم وغصہ کا اظہار ہوا مگر رسول اللہ ﷺ باشارات ربانی یہ محسوس فرما رہے تھے کہ اس وقت کی چند روزہ مغلوبیت بالآخر ہمیشہ کے لئے فتح مبین کا پیش خیمہ بننے والی ہے، اس لئے قبول فرمالیا اور پھر سب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی مطمئن ہوگئے۔

اس صلح نامہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر مکہ مکرمہ سے کوئی آدمی مدینہ جائے گا تو آپ ﷺ اس کو واپس کر دیں گے اگر چہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو، اور اگر مدینہ طیبہ سے کوئی مکہ مکرمہ چلا جائے گا تو قریش اس کو واپس نہ کریں گے، اس معاہدہ کے الفاظ عام تھے جس میں بظاہر مرد وعورت دونوں داخل تھے یعنی کوئی مسلمان مرد یا عورت، جو بھی مکہ سے آنحضرت ﷺ کے پاس جائے اس کو آپ ﷺ واپس کریں گے۔

جس وقت یہ معاہدہ مکمل ہو چکا اور آپ ﷺ ابھی مقام حدیبیہ ہی میں تشریف فرما تھے کہ کئی ایسے واقعات پیش آئے جو مسلمانوں کے لئے بہت صبر آزما تھے، جن میں ایک واقعہ ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے جس کو قریش مکہ نے قید میں ڈال رکھا تھا وہ کسی طرح ان کی قید سے فرار ہو کر آپ ﷺ کے پاس پہنچ گئے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ان کو دیکھ کر بہت تشویش ہوئی کہ معاہدہ کی رو سے ان کو واپس کیا جانا چاہئے، لیکن ہم اپنے مظلوم بھائی کو پھر ظالموں کے ہاتھ میں دیدیں یہ کیسے ہوگا؟

مگر رسول اللہ ﷺ معاہدہ تحریر فرما چکے تھے، ایک فرد کی خاطر اس معاہدہ کو ترک نہیں کیا جا سکتا تھا، جس کی وجہ سے آپ

ﷺ نے ابوجندل رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو سمجھا بجھا کر واپس کر دیا۔

اسی کے ساتھ ایک دوسرا واقعہ یہ پیش آیا جس کو ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے کہ سبیعہ بنت الحارث الاسلمیہ جو مسلمان تھیں صیفی بن الراہب کے نکاح میں تھیں جو کافر تھا بعض روایات میں اس کے شوہر کا نام مسافر المخز ومی بتلایا گیا ہے (اس وقت تک مسلمانوں اور کافروں کے درمیان رشتۂ مناکحت طرفین سے حرام نہیں ہوا تھا) یہ مسلمان عورتیں مکہ سے بھاگ کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئیں (روح المعانی) آپ ﷺ نے ان کو واپس نہیں کیا البتہ اس پر جو کچھ مہر وغیرہ خرچ ہوا تھا وہ دیدیا اس کے بعد حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس سے نکاح کرلیا۔ (روح المعانی)

مذکورہ آیات کا پس منظر:

اس حکم کا پس منظر یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد اول اول تو مسلمان مرد مکہ سے بھاگ بھاگ کر مدینہ آتے رہے اور انہیں معاہدہ کی شرائط کے مطابق واپس کیا جاتا رہا، پھر مسلمان عورتوں کے آنے کا سلسلہ شروع ہوگیا سب سے پہلے ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط ہجرت کر کے مدینہ پہنچیں، کفار نے معاہدہ کا حوالہ دے کر ان کی واپسی کا بھی مطالبہ کیا، ام کلثوم کے دو بھائی ولید بن عقبہ اور عمارہ بن عقبہ انہیں واپس لے جانے کے لئے آئے، اور آپ ﷺ سے اپنی بہن ام کلثوم کی واپسی کا مطالبہ کیا، اس کے بارے میں مذکورہ آیت نازل ہوئی، جس کی وجہ سے آپ ﷺ نے اس کو واپس نہیں کیا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ مذکورہ آیت اُمیمہ بنت بشر جو کہ بنی عمرو بن عوف کی عورت تھی اور ابی حسان بن الدحداحہ کے نکاح میں تھی مسلمان ہوکر ہجرت کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی اس کے اہل خانہ نے واپسی کا مطالبہ کیا تو مذکورہ آیت نازل ہوئی، جس کی وجہ سے آپ ﷺ نے انکو رد فرما دیا، اس کے بعد سہیل بن صیف نے اس سے نکاح کرلیا عبداللہ بن سہیل ان سے پیدا ہوئے۔ (روح المعانی)

مذکورہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ آیت کے اسباب نزول متعدد ہیں بہر حال شان نزول کا واقعہ جو بھی ہو مگر آیت عہد نامۂ صلح کی اس دفعہ کی وضاحت کے لئے نازل ہوئی جس کے الفاظ کے عموم کی رو سے ہر مسلمان کو خواہ مرد ہو یا عورت واپس کرنا ضروری تھا، چنانچہ آیت نے وضاحت فرمادی کہ عہد نامہ کے الفاظ اگرچہ عام ہیں مگر اس میں عورتیں داخل نہیں ہیں، مطلب یہ کہ عورتوں کو واپس نہ کرنا نقض عہد کا مسئلہ نہیں تھا؛ بلکہ عہد نامہ کی ایک دفعہ کی تشریح کا مسئلہ تھا، کفار مکہ اس دفعہ کی تشریح اس کے برخلاف کرتے تھے جو مسلمان کرتے تھے کہ عورتیں اس عموم میں داخل نہیں چنانچہ آیت شریفہ نے اس دفعہ کی یہی تشریح و وضاحت فرمائی، ہاں عورتوں کے معاملہ میں صرف اتنا کہا جاسکتا ہے کہ جو عورت مسلمان ہوکر ہجرت کر کے آئے اس کے کافر شوہر نے جو کچھ اس پر مہر کی صورت میں خرچ کیا ہے وہ خرچ اس کو واپس کر دیا جائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ، اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ (الآية) عورتوں کی معاہدہ سے مستثنیٰ ہونے کی وجہ، ان کا مسلمان ہونا ہے، مکہ سے مدینہ آنے والی عورتوں میں یہ احتمال تھا کہ وہ ایمان اور اسلام کی

خاطر نہ آئی ہوں، بلکہ کوئی اور غرض ہو مثلاً اپنے شوہر سے ناراضی کے سبب یا مدینہ کے کسی شخص کی محبت کے سبب آئی ہو یا کسی اور دنیوی غرض سے ہجرت کر کے آگئی ہو، وہ عنداللہ اس شرط سے مستثنیٰ نہیں اس لئے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ ہجرت کر کے آنے والی عورتوں کا امتحان لو۔ (معارف)

''مہاجرات'' کے امتحان لینے کا طریقہ:

حضرت ابن عباس رَضَوَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے کہ مہاجرات کے امتحان کا طریقہ یہ تھا کہ مہاجرات سے حلف لیا جاتا تھا کہ وہ اپنے شوہر سے بغض ونفرت یا مدینہ کے کسی آدمی کی محبت کی وجہ سے یا کسی اور دنیوی غرض سے نہیں آئی ہیں، بلکہ ان کا آنا خالص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اور رضا جوئی کے لئے ہے، جب وہ یہ حلف اٹھالیتیں تو رسول اللہ ﷺ اس کو مدینہ میں رہنے کی اجازت دیدیتے، اور اس کا مہر وغیرہ جو اس نے اپنے کافر شوہر سے وصول کیا تھا وہ اس کے کافر شوہر کو واپس دے دیتے تھے۔ (قرطبی)

حضرت عائشہ صدیقہ رَضَوَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی ترمذی میں روایت ہے جس کو ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے امتحان کی صورت وہ بیعت تھی جس کا ذکر اگلی آیت میں تفصیل سے آیا ہے " اِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ" (الآية) گویا آنے والے مہاجر عورتوں کے امتحان کا طریقہ ہی یہ تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر ان چیزوں کا عہد کریں جو اس بیعت کے بیان میں آگے آتی ہیں اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ ابتدائی طور پر پہلے وہ کلمات، مہاجرات سے کہلوائے جاتے ہوں جو بروایت ابن عباس رَضَوَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اوپر ذکر کئے گئے ہیں اور اس کی تکمیل اس بیعت سے ہوتی ہو جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

ابن منذر اور طبرانی نے کبیر میں اور ابن مردویہ نے سند حسن کے ساتھ اور ایک جماعت نے ابن عباس رَضَوَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مہاجرات کے امتحان کی کیفیت اس طرح نقل کی ہے کہ جب کوئی مہاجر عورت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتی تو حضرت عمر رَضَوَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اس طرح حلف لیتے کہ واللہ! نہ تو میں گھومنے پھرنے کی غرض سے آئی ہوں اور نہ میں شوہر سے ناراضگی کی وجہ سے آئی ہوں اور نہ میں کسی دنیوی غرض سے آئی ہوں واللہ! میں تو صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں آئی ہوں۔

(روح المعانی)

فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ یعنی جب بطرز مذکور ان مہاجرات کے ایمان کا امتحان لے کر تم ان کو مومن قرار دیدو تو پھر ان کو کفار کی طرف واپس کرنا جائز نہیں اور نہ یہ عورتیں کافر مردوں کے لئے حلال ہیں اور نہ کافر شوہر ان کے لئے حلال ہیں کہ ان سے دوبارہ نکاح کرسکیں۔

مَسْئَلَۃ: اس آیت نے یہ واضح کردیا کہ جو عورت کسی کافر کے نکاح میں تھی اور پھر وہ مسلمان ہوگئی تو کافر سے اس کا نکاح خود بخود فسخ ہوگیا اور یہی وجہ عورتوں کو شرط صلح میں واپسی سے مستثنیٰ کرنے کی ہے۔

وَاٰتُوْهُمْ مَا اَنْفَقُوْا اس آیت میں مال کی واپسی کے سلسلے میں خطاب مہاجر عورتوں کو نہیں کیا گیا کہ تم واپس کرو، بلکہ عام مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ واپس کریں کیونکہ بہت ممکن بلکہ غالب یہ ہے کہ جو مال ان کو ان کے شوہروں نے دیا تھا وہ ختم ہو چکا ہوگا اب ان سے واپس دلانے کی صورت ہی نہیں ہو سکتی، اس لئے یہ فریضہ عام مسلمانوں پر ڈال دیا گیا، اگر بیت المال سے دیا جا سکتا ہو تو وہاں سے، ورنہ عام مسلمان چندہ کر کے دیں۔ (قرطبی، معارف ملخصًا)

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ گذشتہ آیت سے یہ معلوم ہو چکا کہ ہجرت کر کے آنے والی مسلمان عورت کا نکاح اس کے کافر شوہر سے فسخ ہو چکا ہے اور یہ اس پر حرام ہو چکی ہے، یہ آیت سابقہ آیت کا تکملہ ہے کہ اب مسلمان مرد اس سے نکاح کر سکتا ہے اگر چہ سابق کافر شوہر بھی زندہ ہے اور اس نے طلاق بھی نہیں دی مگر شرعی حکم سے نکاح فسخ ہو چکا۔

کافر مرد کی بیوی مسلمان ہو جائے تو نکاح کا فسخ ہو جانا آیت مذکورہ سے معلوم ہو چکا، لیکن دوسرے کسی مسلمان مرد سے اس کا نکاح کس وقت جائز ہوگا، اس کے متعلق امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک اصل ضابطہ تو یہ ہے کہ جس کافر مرد کی عورت مسلمان ہو جائے تو حاکم اسلام اس کے شوہر کو بلا کر کہے کہ اگر تم بھی مسلمان ہو جاؤ تو نکاح برقرار رہے گا ورنہ نکاح فسخ ہو جائے گا اگر وہ اس پر بھی اسلام لانے سے انکار کرے تو اب ان دونوں کے درمیان فرقت کی تکمیل ہوگئی، اس وقت وہ کسی مسلمان مرد سے نکاح کر سکتی ہے، مگر یہ ظاہر ہے کہ حاکم اسلام کا شوہر کو حاضر کرنا وہیں ہو سکتا ہے جہاں حکومت اسلامی ہو دار الکفر یا دار الحرب میں یہ صورت ممکن نہیں ہے، البتہ اگر وہ عورت دار الکفر سے دار الاسلام میں آ جائے تو اس کا نکاح خود بخود فسخ ہو جائے گا، دوسرا مسلمان مرد اگر چاہے تو مہر دے کر اس سے نکاح کر سکتا ہے۔

اِذَا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ کو بطور شرط کے فرمایا کہ تم ان سے نکاح کر سکتے ہو بشرطیکہ ان کے مہر ادا کر دو یہ درحقیقت نکاح کی شرط نہیں، اس لئے کہ باتفاق امت نکاح کا انعقاد ادائے مہر پر موقوف نہیں ہے، البتہ مہر کی ادائیگی لازم اور واجب ہے، یہاں اس کو بطور شرط کے شاید اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے اس شخص کو یہ خیال ہو کہ ابھی ایک مہر تو اس کے کافر شوہر کو واپس کرایا جا چکا ہے اب جدید مہر کی ضرورت نہیں، اس لئے فرمادیا کہ اس مہر کا تعلق پچھلے نکاح سے تھا لہٰذا یہ دوسرا نکاح جدید مہر کے ساتھ ہوگا۔

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْئَلُوْا مَا اَنْفَقْتُمْ (الآیة) عِصَمٌ، عصمة کی جمع ہے، یہاں اس سے مراد عصمت عقد نکاح ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر شوہر مسلمان ہو جائے اور بیوی بدستور کافر اور مشرک رہے تو ایسی مشرک عورت کو اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں، اسے فوراً طلاق دے کر علیحدہ کر دیا جائے، طلاق دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے قطع تعلق کر لیا جائے، چنانچہ اس حکم کے بعد حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنی دو مشرک بیویوں کو اور حضرت طلحہ بن عبداللہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، روایت کیا گیا ہے کہ عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اسی وجہ سے اپنی بیوی فاطمہ بنت ابوامیہ مخزومیہ کو طلاق دیدی اور معاویہ بن ابی سفیان نے اس سے نکاح کر لیا، اور دوسری بیوی کلثوم بنت جرول الخزاعی کو بھی اسی وجہ سے طلاق دے دی۔ اسی طرح

حضرت طلحہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنی مشرکہ بیوی اروی بنت ربیعہ کو طلاق دے دی۔ (روح المعانی) البتہ اگر بیوی کتابیہ ہو تو اسے طلاق دینا ضروری نہیں؛ کیونکہ ان سے نکاح جائز ہے۔

اگر کسی کافر کی بیوی مسلمان ہو کر مسلمان کے پاس چلی گئی ہو، تو اس عورت کو تو واپس نہیں کیا جائے گا؛ البتہ کافر شوہر کو یہ حق ہے کہ وہ مہر وغیرہ صرف کیا ہوا مال مسلمانوں سے طلب کر لے، اسی طرح اگر کوئی مسلمان عورت مرتد ہو کر کافروں کے پاس چلی گئی ہو، تو مسلمان شوہر بھی مہر وغیرہ میں خرچ کیا ہوا مال کافروں سے طلب کر لیں، مسلمانوں نے اس حکم پر بطیب خاطر عمل کیا مگر کافروں نے عمل نہیں کیا۔

وَاِنْ فَاتَكُمْ شَیْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ (الآیۃ) اس معاملہ کی دو صورتیں تھیں: ایک صورت یہ تھی کہ جن کفار سے مسلمانوں کے معاہدانہ تعلقات تھے ان سے مسلمانوں نے یہ معاملہ طے کرنا چاہا کہ جو عورتیں ہجرت کر کے ہماری طرف آگئی ہیں ان کے مہر ہم واپس کر دیں گے، اور ہمارے آدمیوں کی جو کافر بیویاں ادھر رہ گئی ہیں ان کے مہر تم واپس کر دو، لیکن انہوں نے اس بات کو قبول نہ کیا، چنانچہ امام زہری بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے مسلمان ان عورتوں کا مہر ادا کرنے کے لئے تیار ہو گئے جو مشرکین کے پاس مکہ میں رہ گئی تھیں، مگر مشرکوں نے ان کے مہر دینے سے انکار کر دیا اس پر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ مہاجر عورتوں کے جو مہر تمہیں مشرکین کو واپس کرنے ہیں وہ ان کو بھیجنے کے بجائے مدینہ ہی میں جمع کر لئے جائیں اور جن لوگوں کو مشرکین سے اپنے دیئے ہوئے مہر واپس لینے ہیں ان میں سے ہر ایک کو اتنی رقم دے دی جائے جو اسے کفار سے ادا ہونی چاہئے تھی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ تم کافروں سے جہاد کرو اور جو مال غنیمت حاصل ہو اس میں سے تقسیم سے پہلے ان مسلمانوں کو جن کی بیویاں دار الکفر چلی گئی ہیں ان کے خرچ کے بقدر ادا کر دو۔ (ایسر التفاسیر و ابن کثیر) اگر مال غنیمت سے بھی تلافی کی صورت نہ ہو تو بیت المال سے تعاون کیا جائے۔ (ایسر التفاسیر)

کیا مسلمانوں کی کچھ عورتیں مرتد ہو کر مکہ چلی گئی تھیں؟

ایسا واقعہ بعض حضرات کے نزدیک صرف ایک ہی پیش آیا تھا، حضرت عیاض بن غنم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ قریشی کی بیوی ام الحکم بنت ابی سفیان مرتد ہو کر مکہ مکرمہ چلی گئی تھی اور پھر یہ بھی اسلام کی طرف لوٹ آئی۔ (معارف)

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے کل چھ عورتوں کا اسلام سے انحراف اور کفار کے ساتھ مل جانا ذکر کیا ہے، جن میں سے ایک تو یہی ام الحکم بنت ابی سفیان تھی، باقی پانچ عورتیں جو ہجرت کے وقت ہی مکہ میں رک گئی تھیں اور پہلے ہی سے کافرہ تھیں، جب قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی جس نے مسلم و کافرہ کے نکاح کو توڑ دیا، اس وقت بھی وہ مسلمان ہونے کے لئے تیار نہ ہوئیں، اس کے نتیجے میں یہ بھی ان عورتوں میں شمار کی گئیں جن کا مہر ان کے مسلمان شوہروں کو کفار مکہ کی طرف سے واپس ملنا چاہئے تھا، جب انہوں نے نہیں دیا تو رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت سے ان کا حق ادا کیا، (قرطبی) اور

بغوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے بروایت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نقل کیا ہے کہ باقی پانچ عورتیں جو اس میں شمار کی گئی تھیں وہ بھی بعد میں مسلمان ہوگئیں۔ (مظہری)

عورتوں کی بیعت:

جب مکہ فتح ہوا تو قریش کے لوگ جوق در جوق حضور ﷺ سے بیعت کرنے کے لئے آنے لگے آپ ﷺ نے مردوں سے کوہ صفا پر خود بیعت لی، اور حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو اپنی طرف سے مامور فرمایا کہ وہ عورتوں سے بیعت لیں اور ان باتوں کا اقرار کرائیں جو اس آیت میں بیان ہوئی ہیں (ابن جریر بروایت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا) پھر مدینہ واپس لے جا کر آپ ﷺ نے ایک مکان میں انصار کی خواتین کو جمع کرنے کا حکم دیا، اور حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو ان سے بیعت لینے کے لئے بھیجا۔ (ابن جریر) ان مواقع کے علاوہ بھی مختلف اوقات میں عورتیں فرداً فرداً بھی اور اجتماعی طور پر بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کرتی رہیں جن کا ذکر متعدد احادیث میں ہے۔

ابوسفیان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی بیوی ہند بنت عتبہ کی بیعت:

مکہ معظمہ میں جب عورتوں سے بیعت کی جارہی تھی اس وقت حضرت ابوسفیان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی بیوی ہند بنت عتبہ نے اس حکم کی تشریح دریافت کرتے ہوئے حضور سے عرض کیا، یارسول اللہ! ابوسفیان ذرا بخیل آدمی ہیں؛ کیا میرے اوپر اس میں کوئی گناہ ہے کہ میں اپنی اور اپنے بچوں کی ضروریات کے لئے ان سے پوچھے بغیر ان کے مال میں سے کچھ لے لیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، مگر بس معروف حد تک یعنی بس اتنا مال لے لیا کرو جو فی الواقع جائز ضروریات کے لئے کافی ہو۔

(احکام القرآن لابن العربی)

دو اہم قانونی نکتے:

وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ یعنی وہ کسی (معروف) نیک کام میں آپ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی نہ کریں گی، اس مختصر فقرے میں دو اہم قانونی نکتے بیان کئے گئے ہیں،

پہلا نکتہ:

یہ کہ نبی ﷺ کی اطاعت پر بھی اطاعت فی المعروف کی قید لگائی گئی ہے، حالانکہ آپ ﷺ کے بارے میں اس امر کے کسی ادنیٰ شبہ کی گنجائش بھی نہ تھی کہ آپ کبھی منکر کا حکم بھی دے سکتے ہیں، اس سے خود بخود یہ بات واضح ہوگئی کہ دنیا میں کسی مخلوق کی اطاعت قانون خداوندی کی حدود سے باہر جا کر نہیں کی جاسکتی؛ کیونکہ جب خدا کے رسول ﷺ تک کی

اطاعت معروف کی شرط سے مشروط ہے تو پھر کسی دوسرے کا یہ مقام کہاں ہو سکتا ہے کہ اسے غیر مشروط اطاعت کا حق پہنچے، اس قاعدہ کو رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا "لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فی معصیة اللّٰه انما الطاعة فی المعروف، اللہ کی نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں ہے، اطاعت تو صرف معروف اور اچھی چیزوں میں ہے۔

(مسلم، ابو داؤد، نسائی)

دوسرا اہم نکتہ:

دوسری بات جو قانونی حیثیت سے بڑی اہمیت رکھتی ہے یہ ہے کہ اس آیت میں پانچ منفی احکام دینے کے بعد مثبت حکم صرف ایک ہی دیا گیا ہے، اور وہ یہ کہ تمام نیک کاموں میں نبی ﷺ کے احکام کی اطاعت کی جائے گی، جہاں تک برائیوں کا تعلق ہے، تو وہ بڑی بڑی برائیاں گنادی گئیں جن میں زمانۂ جاہلیت کی عورتیں مبتلا تھیں، اور ان سے باز رہنے کا عہد لے لیا گیا، مگر جہاں تک بھلائیوں کا تعلق تھا ان کی کوئی فہرست دے کر اس پر عہد نہیں لیا گیا کہ تم فلاں فلاں اعمال کروگی؛ بلکہ صرف یہ عہد لیا گیا کہ جس نیک کام کا بھی حضور ﷺ حکم فرمائیں گے اس کی پیروی تمہیں کرنی ہوگی، اب یہ ظاہر ہے کہ اگر وہ نیک اعمال صرف وہی ہوں جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دیا ہے تو عہد ان الفاظ میں یہ جانا چاہئے تھا کہ تم اللہ کی نافرمانی نہ کروگی، یا یہ کہ تم قرآن کے احکام کی نافرمانی نہ کروگی، لیکن جب عہد ان الفاظ میں لیا گیا کہ جس نیک کام کا بھی حکم رسول اللہ ﷺ دیں گے تم اس کی خلاف ورزی نہ کروگی، تو اس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ معاشرے کی اصلاح کے لئے حضور ﷺ کو وسیع ترین اختیارات دیئے گئے ہیں اور آپ ﷺ کے تمام احکام واجب الاطاعت ہیں خواہ وہ قرآن میں موجود ہوں یا نہ ہوں۔

اسی آئینی اختیار کی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے بیعت لیتے ہوئے ان بہت سی برائیوں کے چھوڑنے کا بھی عہد یہ جو اس وقت عرب معاشرہ میں عورتوں میں پھیلی ہوئی تھیں اور متعدد ایسے احکام دیئے جو قرآن میں مذکور نہیں ہیں، اس کے لئے حسب ذیل احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا، ام سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا، اور ام عطیہ انصاریہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا وغیرہ سے روایات ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے بیعت لیتے وقت یہ عہد لیا کہ وہ مرنے والوں پر نوحہ نہیں کریں گی، یہ روایات بخاری، مسلم، نسائی وغیرہ میں ہیں، ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی ایک روایت میں یہ تفصیل بھی ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو عورتوں سے بیعت لینے کے لئے مامور کیا اور حکم دیا کہ ان کو نوحہ کرنے سے منع کریں، کیونکہ زمانہ جاہلیت میں عورتیں مرنے والوں پر نوحہ کرتے ہوئے کپڑے پھاڑتی تھیں، منہ نوچتی تھیں، بال کاٹتی تھیں اور سخت واویلا مچاتی تھیں۔ (ابن جریر)

زید بن اسلم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے بیعت لیتے وقت عورتوں کو اس سے منع فرمایا کہ وہ مرنے

والوں پر نوحہ کرتے ہوئے منہ نوچیں، گریبان پھاڑیں۔ (ملخصا ابن جریر)

قتادہ رَحِمَہُ اللہُ تعالیٰ اور حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تعالیٰ روایت کرتے ہیں کہ جو عہد آپ ﷺ نے بیعت لیتے وقت عورتوں سے لئے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ وہ غیر محرم مردوں سے بات نہ کریں گی، ابن عباس رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عنہما کی روایت میں اس کی یہ وضاحت ہے کہ غیر مردوں سے تخلیہ میں بات نہ کریں گی، حضرت قتادہ رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عنہ نے مزید یہ وضاحت کی ہے کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد سن کر حضرت عبدالرحمن بن عوف رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہم گھر پر نہیں ہوتے اور ہمارے یہاں کوئی صاحب ملنے آجاتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا میری مراد یہ نہیں ہے، یعنی عورت کا کسی آنے والے سے اتنی بات کہہ دینا ممنوع نہیں ہے کہ صاحب خانہ گھر میں موجود نہیں ہیں۔ (یہ روایت ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے نقل کی ہے)۔

حضرت فاطمہ رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عنہا کی خالہ امیمہ بنت رقیقہ سے عبداللہ بن عمرو بن عاص رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے ان سے یہ عہد لیا کہ نوحہ نہ کرنا اور جاہلیت کے بناؤ سنگھار کر کے اپنی نمائش نہ کرنا۔ (مسند احمد)

حضور ﷺ کی خالہ بنت قیس کہتی ہیں کہ میں انصار کی چند عورتوں کے ساتھ بیعت کے لئے حاضر ہوئی تو آپ ﷺ نے قرآن کی اس آیت کے مطابق ہم سے عہد لیا، پھر فرمایا "وَلَا تغششن ازواجکن" اپنے شوہروں سے دھوکے بازی نہ کرنا، جب ہم واپس ہونے لگیں تو ایک عورت نے مجھ سے کہا کہ جا کر حضور ﷺ سے پوچھو، شوہروں سے دھوکے بازی کرنے کا کیا مطلب ہے؟ میں نے جا کر پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا "تاخذ مالهُ فتحابي غيرهُ" یہ کہ تو شوہر کا مال لے اور دوسرے پر لٹا دے۔ (مسند احمد)

جو لوگ حضور ﷺ کے اس آئینی اختیار کو آپ ﷺ کی حیثیت رسالت کے بجائے حیثیت امارت سے متعلق قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ ﷺ چونکہ اپنے وقت کے حکمراں بھی تھے اس لئے اپنی اس حیثیت میں آپ ﷺ نے جو احکام دیئے ہیں وہ صرف آپ ﷺ کے زمانہ تک ہی واجب الاطاعت تھے، وہ بڑی جہالت کی بات کرتے ہیں، اوپر کے سطور میں جو احکام نقل کئے گئے ہیں ان پر آپ ایک نظر ڈال لیجئے، ان میں عورتوں کی اصلاح کے لئے جو ہدایات آپ ﷺ نے دی ہیں وہ اگر محض حاکم وقت ہونے کی حیثیت سے ہوتیں تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پوری دنیا کے مسلم معاشرے کی عورتوں میں یہ اصلاحات کیسے رائج ہو سکتی تھیں؟ آخر دنیا کا وہ کونسا حاکم ہے جس کو یہ مرتبہ حاصل ہو کہ ایک مرتبہ اس کی زبان سے ایک حکم صادر ہو اور روئے زمین پر جہاں جہاں بھی مسلمان آباد ہیں وہاں کے مسلم معاشرے میں ہمیشہ کے لئے وہ اصلاحات رائج ہو جائیں، جس کا حکم اس نے دیا ہے؟



سُوْرَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ اَرْبَعَ عَشَرَةَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ الصَّفِّ مَكِّيَة اَوْ مَدَنِيَّةٌ اَرْبَعَ عَشَرَةَ اٰيَةً.

سورۂ صف مکی (یا) مدنی ہے، چودہ (١٤) آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اي نَزَّهَهُ فاللامُ مزيدةٌ وجِيءَ بما دُونَ مَن تغليبًا للاكثرِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ في مُلكِه الْحَكِيْمُ ۝ في صُنعِه يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ في طَلَبِ الجِهادِ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ اِذا انهزَمتُم باُحُدٍ كَبُرَ عَظُمَ مَقْتًا تمييزٌ عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا فاعِلُ كَبُرَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ يَنصُرُ ويُكرِمُ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا حالٌ اي صافِّينَ كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ مُلزَقٌ بعضُه الى بعضٍ ثابتٌ وَ اذكُر اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ قالوا انّه آدَرُ اي مُنتَفِخُ الخُصيةِ وليسَ كذالك وكَذَّبوه وَقَدْ للتحقيقِ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ الجملةُ حالٌ والرسولُ يُحتَرَمُ فَلَمَّا زَاغُوْٓا عدَلوا عن الحقِّ بايذائِه اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ اَمالَها عن الهُدى على وفقِ ما قدَّرَه في الازلِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ الكافرينَ في عِلمِه وَ اذكُر اِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لم يقُل يا قومِ لانّه لم يكن له فيهم قرابةٌ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ قبلي مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ قال اللّٰهُ تعالى فَلَمَّا جَآءَهُمْ جاءَ احمدُ الكفارَ بِالْبَيِّنٰتِ الاياتِ والعلاماتِ قَالُوْا هٰذَا اي المجيءُ به سِحْرٌ وفي قراءةٍ ساحرٌ اي الجائي به مُّبِيْنٌ ۝ بيِّنٌ وَمَنْ لا احدَ اَظْلَمُ اشدُّ ظُلمًا مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ بنِسبةِ الشريكِ والولدِ اليه ووَصفِ آياتِه بالسحرِ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ الكافرينَ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا منصوبٌ بانْ مُقدَّرةٍ واللامُ مزيدةٌ نُوْرَ اللّٰهِ شرعَه وبراهينَه بِاَفْوَاهِهِمْ باقوالِهم انّه سِحرٌ وشِعرٌ وكَهانةٌ وَاللّٰهُ مُتِمُّ مُظهِرُ نُوْرِهٖ وفي قراءةٍ بالاضافةِ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ذلك هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ يُغلِبَه عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ جميعِ الاديانِ المخالفةِ له وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، زمین و آسمان میں ہر چیز اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے یعنی اس کی تنزیہ کرتی ہے (لِلّٰہِ) میں لام زائدہ ہے اور مَنْ کے بجائے، مَا اکثر کو غلبہ دینے کے اعتبار سے لایا گیا ہے، وہ اپنے ملک میں غالب ہے اور اپنی صنعت میں حکیم ہے اے ایمان والو! طلب جہاد میں تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ جب کہ تم اُحد میں شکست کھا گئے اس کا کہنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت ناپسند ہے مَقْتًا تمیز ہے (اَنْ تَقُوْلُوْا) کَبُرَ کا فاعل ہے، کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں ہو، بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے (یعنی) مدد اور اکرام کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ جہاد کرتے ہیں (صَفًّا) حال ہے بمعنی صافّین گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی باہم پیوستہ ایک عمارت ہیں اور اس وقت کو یاد کرو جب موسیٰ نے کہا اے میری قوم کے لوگو! تم مجھے کیوں ستا رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ موسیٰ آدر ہے یعنی پھولے ہوئے خصیوں والا ہے، حالانکہ ایسی بات نہیں تھی اور ان کی تکذیب کی حالانکہ تم کو (بخوبی) معلوم ہے کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں قَدْ تحقیق کے لئے ہے جملہ حالیہ ہے اور رسول محترم ہوتا ہے چنانچہ جب وہ ان کو ایذا پہنچا کر جادۂ حق سے ہٹ گئے تو اللہ نے ان کے قلوب کو ہدایت سے پھیر دیا اس کے مطابق جو ازل میں مقدر کر دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نافرمان قوم کو جو اس کے علم میں کافر ہے ہدایت نہیں دیتا اس وقت کو یاد کرو جب عیسیٰ ابن مریم نے فرمایا اے بنی اسرائیل! (یہاں) یاقوم نہیں فرمایا اس لئے کہ حضرت عیسیٰ کی ان میں قرابت داری نہیں تھی میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں مجھ سے پہلے کی کتاب تورات کی میں تصدیق کرنے والا ہوں اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی خوشخبری سنانے والا ہوں جن کا نام احمد ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر جب احمد ان کافروں کے پاس کھلی دلیلیں اور نشانیاں لے کر آئے تو کہنے لگے یہ چیز جس کو یہ لیکر آئے ہیں کھلا جادو ہے اور ایک قراءت میں ساحر ہے یعنی اس کے لانے والا جادوگر ہے اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا؟ جس نے اللہ کی طرف شرک کی اور ولد کی نسبت کر کے بہتان لگایا اور اس کی آیات کو سحر سے متصف کیا حالانکہ وہ اسلام کی جانب بلایا جاتا ہے اللہ ظالم کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو یعنی اس کی شریعت اور براہین کو اپنے مونہوں باتوں سے بجھا دیں کہ یہ تو سحر ہے اور شعر ہے اور کہانت ہے، (لِیُطْفِئُوْا) اَنْ مقدرہ کی وجہ سے منصوب ہے اور لام زائدہ ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے نور کو ظاہر کرنے والا ہے اور ایک قراءت میں (مُتِمُّ نُوْرِہٖ) اضافت کے ساتھ ہے اگرچہ کافر اس کو ناپسند کریں وہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت دی اور دین حق دیکر بھیجا! تاکہ دیگر تمام مذاہب پر یعنی تمام مخالف دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرک اس کو ناپسند کریں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: مَكِّيَّةٌ او مَدَنِيَّةٌ عکرمہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی، قتادہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اور حسن رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے قول کے مطابق مکی ہے، جمہور کے قول کے مطابق مدنی ہے۔

قَوْلُہٗ: مقتًا تمییز یعنی فاعل سے منقول ہوکر تمیز ہے، یعنی مَقْتًا اصل میں فاعل ہے تقدیر عبارت یہ ہے کَبُرَتْ مَقتُ قولکم، المَقْتُ: اشد البغض، ناپسندیدہ۔

قَوْلُہٗ: مَرْصُوْصٌ، رَصٌّ سے اسم مفعول، مضبوط، سیسہ پلائی ہوئی، رَصٌّ، دو چیزوں کو ملا کر جوڑنا، چمٹانا، رَصَاص، رانگ، سیسہ۔

قَوْلُہٗ: یَنْصُرُ وَیُکْرِمُ یہ یُحِبُّ کے لازم معنی کا بیان ہے، مقصد اس تفسیر سے ایک اعتراض کا جواب دینا ہے۔

اعتراض: مَحَبَّة کے معنی میلانِ قلب کے ہیں یہ معنی اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہیں اس لئے کہ میلان قلب کے لئے قلب لازم ہے اور قلب کے لئے جسم لازم ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ جسم سے منزہ اور پاک ہیں۔

جَوَابٌ: جواب کا ماحصل یہ ہے کہ مَحَبَّة کے لازم معنی مراد ہیں یعنی میلان قلب اور رقت قلب کے لئے نصرت اور اکرام لازم ہے جو یہاں مراد ہے، لہٰذا یہاں لازم معنی مراد ہیں۔

قَوْلُہٗ: صَفًّا یہ یقاتِلُوْنَ کی ضمیر سے حال ہے، صَافِّیْنَ کا مفعول، اَنْفُسَهُمْ محذوف ہے، ای صَافِّیْنَ اَنْفُسَهُمْ.

قَوْلُہٗ: لِاَنَّهٗ لَمْ یَکُنْ لَهٗ فِیْهِمْ قَرَابَةٌ قرابت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قرابت اور نسب کا تعلق اَبْ (والد) سے ہوتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کوئی اَبْ نہیں تھا۔

قَوْلُہٗ: مُصَدِّقًا یہ رسولٌ بمعنی مرسلٌ کی ضمیر سے حال ہے اور اسی طرح مبشرًا بھی۔

قَوْلُہٗ: یَاْتِیْ مِنْ بَعْدِی جملہ ہوکر رسول کی صفت ہے۔

قَوْلُہٗ: اَلْمَجِیْءُ یہ جاء سے اسم مفعول ہے مَجِیْءٌ دراصل مَجْیُوْءٌ تھا بروزن مَضْرُوْبٌ یاء کا ضمہ جیم کو دے دیا، دو ساکن یاء اور واؤ جمع ہوئے، واؤ کو حذف کر دیا اور جیم کو یاء کی مناسبت سے کسرہ دے دیا، مَجِیْءٌ ہو گیا۔

قَوْلُہٗ: لَا اَحَدَ اس سے اشارہ ہے کہ وَمَنْ اَظْلَمُ میں مَنْ استفہام انکاری بمعنی نفی ہے۔

قَوْلُہٗ: وَوَصفِ آیاتِہٖ وصف کا عطف نِسْبَةِ الشِّرْكِ پر ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔

قَوْلُہٗ: وَهُوَ یُدْعٰی اِلَی الْاِسْلَامِ جملہ حالیہ ہے۔

تفسیر و تشریح

شانِ نزول:

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ یہاں ندا اگرچہ عام ہے لیکن مخاطب وہ مومنین ہیں جو کہہ رہے تھے کہ اگر ہمیں احب الاعمال کا علم ہو جائے تو انہیں کریں، لیکن جب انہیں بعض احب الاعمال بتلائے گئے تو سست ہو گئے، اس لئے اس آیت میں ان کو توبیخ کی گئی ہے، ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی

ہے کہ صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنہُم کی ایک جماعت نے آپس میں ایک روز یہ مذاکرہ کیا کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل کونسا ہے تو ہم اس پر عمل کریں؟ بغوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے اس میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ ان حضرات میں سے بعض نے کچھ ایسے الفاظ بھی کہے کہ اگر ہمیں احب الاعمال عند اللہ معلوم ہو جائے تو ہم اپنی جان و مال سب اس کے لئے قربان کر دیں۔ (مظہری)

ابن کثیر نے مسند احمد کے حوالہ سے روایت کیا ہے کہ چند حضرات نے جمع ہو کر مذاکرہ کیا اور چاہا کہ کوئی صاحب جا کر رسول اللہ ﷺ سے اس کا سوال کرے، مگر کسی کو ہمت نہ ہوئی، ابھی یہ لوگ اسی حالت پر تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سب لوگوں کو نام بنام اپنے پاس بلایا (جس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی ان کا اجتماع اور ان کی گفتگو معلوم ہوگئی تھی) جب یہ سب لوگ حاضر خدمت ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے پوری سورۂ صف پڑھ کر سنائی جو اس وقت آپ ﷺ پر نازل ہوئی تھی اس سورت میں یہی بتایا گیا ہے کہ احب الاعمال کہ جس کی تلاش میں یہ حضرات تھے وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے اور ساتھ ہی ان حضرات نے جو ایسے کلمات کہے تھے کہ اگر ہمیں معلوم ہو جائے تو ہم اس پر عمل کرنے میں ایسی ایسی جانبازی دکھائیں وغیرہ وغیرہ، جن میں ایک قسم کا دعویٰ ہے کہ ہم ایسا کر سکتے ہیں اس پر ان حضرات کو تنبیہ کی گئی کہ کسی مومن کے لئے ایسے دعوے کرنا درست نہیں اسے کیا معلوم ہے کہ وقت پر وہ اپنے ارادہ کو پورا کر بھی سکے گا یا نہیں۔

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ یہ سابقہ آیت کی مزید تاکید ہے۔

مَسْئَلَۃ: اس سے معلوم ہوا کہ ایسے کام کا دعویٰ کرنا جس کے کرنے کا ارادہ ہی نہ ہو اور اس کو کرنا ہی نہ ہو تو یہ گناہ کبیرہ ہے اور اللہ کی سخت ناراضگی کا سبب ہے كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ کا مصداق یہی ہے اور جہاں یہ صورت نہ ہو، بلکہ کرنے کا ارادہ ہو وہاں بھی اپنی قوت و قدرت پر بھروسہ کر کے دعویٰ کرنا ممنوع و مکروہ ہے۔

وَ اذکر اِذْقَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِىْ یہ جانتے ہوئے بھی کہ موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ اللہ کے سچے نبی ہیں پھر بھی بنی اسرائیل انہیں اپنی زبان سے ایذاء پہنچاتے تھے، حتیٰ کہ بعض جسمانی عیوب بھی ان کی طرف منسوب کرتے تھے حالانکہ وہ بیماری ان کے اندر نہیں تھی، بنی اسرائیل کا خیال تھا کہ حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ کو عظم الخصیتین کی بیماری ہے جس کو عربی میں اُدْرَۃ کہتے ہیں حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ چونکہ بہت باحیا تھے اس لئے وہ اپنا ستر کھلنے نہیں دیتے تھے اور نہ دیگر بنی اسرائیل کے مانند ننگے غسل کرتے تھے اسی وجہ سے بنی اسرائیل سمجھتے تھے کہ موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ آدر ہیں، واقعہ کی تفصیل سورۂ احزاب میں گذر چکی ہے، وہاں دیکھ لیا جائے۔

فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ نہیں کہ جو لوگ خود ٹیڑھی راہ چلنا چاہیں انہیں وہ خواہ مخواہ سیدھی راہ چلائے اور جو لوگ اس کی نافرمانی پر تلے ہوئے ہوں ان کو زبردستی ہدایت سے سرفراز فرمائے، اس سے یہ بات خود بخود واضح ہوگئی کہ کسی شخص یا قوم کی گمراہی کا آغاز اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا، بلکہ خود اس شخص یا قوم کی طرف سے ہوتا ہے، البتہ اللہ کا قانون یہ ہے کہ جو گمراہی کو پسند کرے وہ اس کے لئے راست روی کے نہیں بلکہ گمراہی کے اسباب ہی

فراہم کرتا ہے، تاکہ جن راہوں میں وہ بھٹکنا چاہے بھٹکتا چلا جائے اللہ تعالیٰ نے تو اسے انتخاب کی آزادی عطا فرمادی ہے اس انتخاب میں کوئی جبر اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِيْٓ اِسْرَائِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ اس لئے بیان فرمایا کہ بنی اسرائیل نے جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی اسی طرح انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی انکار کیا، اس میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے کہ یہ یہود آپ ﷺ کے ساتھ ایسا نہیں کررہے ہیں؛ بلکہ ان کی تو ساری تاریخ ہی انبیاء علیہم السلام کی تکذیب سے بھری پڑی ہے۔ تورات کی تصدیق کا مطلب یہ ہے کہ میں جو دعوت دے رہا ہوں یہ وہی ہے جو تورات کی بھی دعوت ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ جو پیغمبر مجھ سے پہلے تورات لے کر آئے اور اب میں انجیل لے کر آیا ہوں، ہم دونوں کا اصل ماخذ ایک ہی ہے؛ اس لئے جس طرح تم موسیٰ وہارون، داؤد و سلیمان علیہم السلام پر ایمان لائے مجھ پر بھی ایمان لاؤ، اس لئے کہ میں تورات کی تصدیق کرتا ہوں، نہ کہ اس کی تردید و تکذیب۔

وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بعد آنے والے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی خوشخبری سنائی، چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا **اَنَا دَعْوَةُ اِبْرَاهِيْمَ وَبِشَارَةُ عِيْسٰى** (ایسر التفاسیر) میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کا مصداق ہوں، عیسیٰ علیہ السلام نے آپ ﷺ کا صاف صاف نام لے کر خوشخبری دی ہے، آپ ﷺ کے دو مشہور نام ہیں احمد اور محمد یہاں احمد نام لیا گیا ہے، احمد اگر یہ فعل سے مبالغہ کا صیغہ ہو تو معنی ہوں گے، دوسرے تمام لوگوں سے اللہ کی زیادہ حمد بیان کرنے والا، اور اگر یہ مفعول سے ہو تو معنی ہوں گے آپ ﷺ کی خوبیوں اور کمالات کی وجہ سے جتنی تعریف آپ ﷺ کی کی گئی اتنی کسی کی بھی نہیں کی گئی۔ (فتح القدیر) آپ ﷺ کے اسماء گرامی میں احمد بھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں مشہور و معروف تھا، آپ ﷺ کے دادا عبد المطلب نے آپ ﷺ کا نام محمد اور والدہ نے احمد رکھا تھا، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "انا محمد وانا احمد والحاشر"۔

"محمد" نام رکھنے کی وجہ:

ولادت کے ساتویں دن عبد المطلب نے آپ ﷺ کا عقیقہ کیا اور اس تقریب میں تمام قریش کو دعوت دی اور محمد ﷺ آپ کا نام تجویز کیا، قریش نے کہا اے ابوالحارث! (ابوالحارث عبد المطلب کی کنیت ہے) آپ نے ایسا نام کیوں تجویز کیا؟ جو آپ کے آباء واجداد اور آپ کی قوم میں اب تک کسی نے نہیں رکھا؟ عبد المطلب نے کہا میں نے یہ نام اس لئے رکھا ہے کہ اللہ آسمان میں اور اللہ کی مخلوق دنیا میں اس مولود کی حمد و ثنا کرے، اور آپ ﷺ کی والدہ نے آپ ﷺ کا نام احمد رکھا۔

(سیرة المصطفیٰ ملخصًا)

آپ ﷺ کے دادا عبد المطلب نے آپ ﷺ کی ولادت باسعادت سے پہلے ایک خواب دیکھا تھا، جو اس نام کے رکھنے کا

باعث ہوا، وہ یوں ہے کہ عبدالمطلب کی پشت سے ایک زنجیر ظاہر ہوئی کہ جس کی ایک جانب آسمان میں ہے اور دوسری جانب زمین میں اور ایک جانب مشرق میں اور دوسری جانب مغرب میں، کچھ دیر کے بعد وہ زنجیر درخت بن گئی جس کے ہر پتہ پر ایسا نور ہے کہ جو آسمان کے نور سے ستر درجہ زائد ہے مشرق و مغرب کے لوگ اس کی شاخوں سے لپٹے ہوئے ہیں، قریش میں سے بھی کچھ لوگ اس کی شاخوں کو پکڑے ہوئے ہیں، اور قریش میں سے کچھ لوگ اس کو کاٹنے کا ارادہ کرتے ہیں، یہ لوگ جب اس ارادے سے اس درخت کے قریب آنا چاہتے ہیں تو ایک نہایت حسین و جمیل نوجوان ان کو آ کر ہٹا دیتا ہے۔ (سیرۃ المصطفی)

عبدالمطلب کے خواب کی تعبیر:

معبرین نے عبدالمطلب کے اس خواب کی یہ تعبیر دی کہ تمہاری نسل سے ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا کہ مشرق سے لیکر مغرب تک لوگ اس کی اتباع کریں گے اور آسمان و زمین والے اس کی حمد و ثنا کریں گے، اس وجہ سے عبدالمطلب نے آپ ﷺ کا نام محمد رکھا ادھر آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کو رویائے صالحہ کے ذریعہ سے یہ بتلایا گیا کہ تم برگزیدۂ خلائق سید الامم سے حاملہ ہو اس کا نام محمد رکھنا اور ایک روایت میں ہے احمد رکھنا، حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں یہ ہے کہ محمد اور احمد نام رکھنا۔ (خصائص الکبری، سیرۃ المصطفی)

انجیل میں محمد کے بجائے احمد نام سے بشارت کی مصلحت:

مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَأْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ أَحْمَدُ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آنے والے رسول کا نام احمد بتایا ہے، آپ ﷺ کا نام بھی احمد تھا اور محمد بھی اور دیگر نام بھی، مگر انجیل میں احمد کے نام سے بشارت دی گئی ہے اور یہ دونوں ہی نام ایسے تھے کہ اس سے پہلے کسی کے نہیں رکھے گئے، حافظ ابن سید الناس عیون الاثر میں فرماتے ہیں کہ حق جل شانہ نے عرب اور عجم کے دلوں و زبانوں پر ایسی مہر لگا دی کہ کسی کو محمد اور احمد نام رکھنے کا خیال ہی نہ آیا، اسی وجہ سے قریش نے متعجب ہو کر عبدالمطلب سے یہ سوال کیا کہ آپ نے یہ نیا نام کیوں تجویز کیا؟ جو آپ کی قوم میں کسی نے نہیں رکھا، لیکن ولادت سے کچھ عرصہ پہلے لوگوں نے جب علماء بنی اسرائیل کی زبانی یہ سنا کہ عنقریب محمد اور احمد نام سے ایک نبی پیدا ہونے والا ہے تو چند لوگوں نے اسی امید پر اپنی اولاد کا نام محمد رکھا مگر خدا کی مشیت کہ ان میں سے کسی نے بھی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ (سیرۃ المصطفی)

انجیل میں محمد رسول اللہ ﷺ کی بشارت:

انجیل برناباس جس کے متعلق ہم مضمون کے آخر میں تفصیلی گفتگو کریں گے، اس کے باب ۱۷ میں آپ ﷺ کی آمد کی خوشخبری دی گئی ہے، ہم ان میں سے چار بشارتیں نقل کرتے ہیں۔

پہلی بشارت:

تمام انبیاء جن کو خدا نے دنیا میں بھیجا جن کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی انہوں نے ابہام کے ساتھ بات کی مگر میرے بعد تمام انبیاء اور مقدس ہستیوں کا نور آئے گا جو انبیاء کی کہی ہوئی باتوں کے اندھیرے پر روشنی ڈال دے گا کیوں کہ وہ خدا کا رسول ہے۔

فریسیوں اور لاویوں نے کہا اگر نہ تو مسیح ہے اور نہ الیاس اور نہ کوئی اور نبی، تو کیوں تو نئی تعلیم دیتا ہے؟ اور اپنے آپ کو مسیح سے بھی زیادہ بنا کر پیش کرتا ہے؟ یسوع نے جواب دیا، جو معجزے خدا میرے ہاتھ سے دکھاتا ہے وہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ میں وہی کچھ کہتا ہوں جو خدا چاہتا ہے، ورنہ در حقیقت میں اپنے آپ کو اس (مسیح) سے بڑا شمار کئے جانے کے قابل نہیں قرار دیتا، جس کا تم ذکر کر رہے ہو، میں تو خدا کے اس رسول کے موزے کے بند، یا اس کے جوتی کے تسمے کھولنے کے لائق بھی نہیں ہوں جس کو تم مسیح کہتے ہو، جو مجھ سے پہلے بنایا گیا تھا اور میرے بعد آئے گا اور صداقت کی باتیں لیکر آئے گا: تاکہ اس کے دین کی کوئی انتہا نہ ہو۔ (باب ٤٢)

دوسری بشارت:

بالیقین میں تم سے کہتا ہوں کہ ہر نبی جو آیا ہے وہ صرف ایک قوم کے لئے خدا کی رحمت کا نشان بن کر پیدا ہوا ہے، اسی وجہ سے ان انبیاء کی باتیں ان لوگوں کے سوا اور کہیں نہیں پھیلیں جن کے لئے وہ بھیجے گئے تھے، مگر خدا کا رسول جب آئے گا خدا کو یا اس کو اپنے ہاتھ ہی مہر دے دیگا، یہاں تک کہ وہ دنیا کی تمام قوموں کو جو اس کی تعلیم پائیں گی، نجات اور رحمت پہنچادے گا، وہ بے خدا لوگوں پر اقتدار لے کر آئے گا، اور بت پرستی کا ایسا قلع قمع کرے گا کہ شیطان پریشان ہو جائے گا، اس کے آگے ایک طویل مکالمہ میں شاگردوں کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تصریح کرتے ہیں کہ وہ بنی اسماعیل میں سے ہوگا۔ (باب ٤٣)

میرے جانے سے تمہارا دل پریشان نہ ہو، نہ تم خوف کرو، کیونکہ میں نے تم کو پیدا نہیں کیا ہے، بلکہ خدا ہمارا خالق ہے، جس نے تمہیں پیدا کیا ہے، وہی تمہاری حفاظت کرے گا، رہا میں! تو اس وقت میں دنیا میں اس رسول خدا کے لئے راستہ تیار کرنے آیا ہوں جو دنیا کے لئے نجات لے کر آئے گا، اندریاس نے کہا، استاذ ہمیں اس کی نشانی بتادے، تاکہ ہم اسے پہچان لیں، یسوع نے جواب دیا، وہ تمہارے زمانہ میں نہیں آئے گا، بلکہ تمہارے کچھ سال بعد آئے گا جب کہ میری انجیل ایسی مسخ ہو چکی ہوگی کہ مشکل سے کوئی ۳۰ آدمی مومن باقی رہ جائیں گے، اس وقت اللہ دنیا پر رحم فرمائے گا، اور اپنے رسول کو بھیجے گا، جس کے سر پر بادل کا سایہ ہوگا، جس سے وہ خدا کا برگزیدہ جانا جائے گا، اور اس کی تقدیس ہوگی، اور میری صداقت دنیا کو معلوم ہوگی اور وہ ان لوگوں سے انتقام لے گا جو مجھے انسان سے بڑھ کر کچھ قرار دیں گے، وہ ایک ایسی صداقت کے ساتھ آئے گا جو تمام انبیاء کی لائی ہوئی صداقت سے زیادہ واضح ہوگی۔ (باب ٧٢)

تیسری بشارت:

خدا کا عہد یروشلم میں معبد سلیمان کے اندر کیا گیا تھا نہ کہ کہیں اور، مگر میری بات کا یقین کرو کہ ایک وقت آئے گا جب خدا اپنی رحمت ایک اور شہر میں نازل فرمائے گا، پھر ہر جگہ اس کی صحیح عبادت ہو سکے گی، اور اللہ اپنی رحمت سے ہر جگہ سچی نماز قبول فرمائے گا، میں دراصل اسرائیل کے گھرانے کی طرف نجات کا نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں، مگر میرے بعد مسیح آئے گا خدا کا بھیجا ہوا تمام دنیا کی طرف، جس کے لئے خدا نے یہ ساری دنیا بنائی ہے اس وقت ساری دنیا میں اللہ کی عبادت ہوگی اور اس کی رحمت نازل ہوگی۔
(باب ۸۳)

چوتھی بشارت:

(یسوع نے سردار کاہن سے کہا) زندہ خدا کی قسم جس کے حضور میری جان حاضر ہے، میں وہ مسیح نہیں ہوں جس کی آمد کا دنیا کی تمام قومیں انتظار کر رہی ہیں، جس کا وعدہ خدا نے ہمارے باپ ابراہیم علیہ السلام سے یہ کہہ کر کیا تھا کہ تیری نسل کے وسیلے سے زمین کی سب قومیں برکت پائیں گی، (پیدائش ۲۲:۱۸) مگر خدا جب مجھے دنیا سے لے جائے گا تو شیطان پھر یہ بغاوت برپا کرے گا کہ ناپرہیزگار لوگ مجھے خدا اور خدا کا بیٹا مانیں، اس کی وجہ سے میری باتوں اور میری تعلیمات کو مسخ کر دیا جائے گا، یہاں تک کہ بمشکل ۳۰ موجب ایمان باقی رہ جائیں گے، اس وقت خدا دنیا پر رحم فرمائے گا اور اپنا رسول بھیجے گا، جس کے لئے اس نے دنیا کی یہ ساری چیزیں بنائی ہیں، جو قوت کے ساتھ جنوب سے آئے گا، اور بتوں کو بت پرستوں کے ساتھ برباد کر دے گا، جو شیطان سے وہ اقتدار چھین لے گا جو اس نے انسانوں پر حاصل کر لیا ہے، وہ خدا کی رحمت ان لوگوں کی نجات کے لئے اپنے ساتھ لائے گا جو اس پر ایمان لائیں گے، اور مبارک ہے وہ جو اس کی باتوں کو مانے۔ (باب ۹۶)

سردار کاہن نے پوچھا کیا خدا کے اس رسول کے بعد دوسرے نبی بھی آئیں گے؟ یسوع نے جواب دیا، اس کے بعد خدا کے بھیجے ہوئے سچے نبی نہیں آئیں گے، مگر بہت سے جھوٹے نبی آجائیں گے جس کا مجھے بڑا غم ہے، کیونکہ شیطان خدا کے عادلانہ فیصلے کی وجہ سے ان کو اٹھائے گا اور میری انجیل کے پردے میں اپنے آپ کو چھپائیں گے۔ (باب ۹۷)

سردار کاہن نے پوچھا وہ نبی کس نام سے پکارا جائے گا اور کیا نشانیاں اس کی آمد کو ظاہر کریں گی؟ یسوع نے جواب دیا، اس مسیح کا نام قابل تعریف ہے کیونکہ خدا نے جب اس کی روح پیدا کی تھی اس وقت اس کا یہ نام خود رکھا تھا اور وہاں اسے ایک ملکوتی شان میں رکھا گیا تھا، خدا نے کہا، اے محمد! انتظار کر، کیونکہ تیری ہی خاطر میں جنت، دنیا، اور بہت سی مخلوق پیدا کروں گا، اور اس کو تجھے تحفے کے طور پر دوں گا، یہاں تک کہ جو تیری تعریف کرے گا اسے برکت دی جائے گی اور جو تجھ پر لعنت کرے گا اس پر لعنت کی جائے گی، جب میں تجھے دنیا کی طرف بھیجوں گا تو میں تجھ کو اپنے پیغامبر نجات کی حیثیت سے بھیجوں گا، تیری بات سچی ہوگی یہاں تک کہ زمین و آسمان ٹل جائیں گے مگر تیرا دین نہیں ٹلے گا، سو اس کا مبارک نام محمد ہے۔ (باب ۹۷)

برناباس لکھتا ہے کہ ایک موقع پر شاگردوں کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بتایا کہ میرے ہی شاگردوں میں سے ایک (جو بعد میں یہوداہ اسکریوتی نکلا) مجھے ۳۰ سکوں کے عوض دشمنوں کے ہاتھ بیچ دے گا، پھر فرمایا:

اس کے بعد مجھے یقین ہے کہ جو مجھے بیچے گا وہی میرے نام سے مارا جائے گا، کیونکہ خدا مجھے زمین سے اوپر اٹھا لے گا، اور اس غدار کی صورت ایسی بدل دے گا کہ ہر شخص یہ سمجھے گا کہ وہ میں ہی ہوں، مگر جب وہ ایک بری موت مرے گا تو ایک مدت تک میری ہی تذلیل ہوتی رہے گی، مگر جب محمد ﷺ خدا کا مقدس رسول آئے گا تو میری وہ بدنامی دور کردی جائے گی، اور خدا یہ اس لئے کرے گا کہ میں نے اس مسیح کی صداقت کا اقرار کیا ہے، وہ مجھے اس کا یہ انعام دے گا تا کہ لوگ یہ جان لیں گے کہ میں زندہ ہوں اور اس ذلت کی موت سے میرا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ (باب ۱۱۳)

حواری برناباس کا تعارف:

انجیل برنابا (یا) برناباس، کا تعارف کرانے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ برناباس کے حالات زندگی پر روشنی ڈالی جائے تا کہ معلوم ہو جائے کہ برناباس کون ہے؟ اور حواریوں میں اس کا مقام کیا تھا؟ اور ان کے عقائد ونظریات کیا تھے؟ برناباس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے ایک جلیل القدر حواری ہیں، انجیل برناباس ان ہی کی طرف منسوب ہے، دوسرے حواریوں کی طرح انہوں نے بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی سوانح حیات اور آپ کے اشادات کو جمع کیا تھا، لیکن یہ انجیل عرصہ دراز سے غائب تھی، گم شدہ کتابوں میں اس کا ذکر آیا کرتا تھا، برناباس حواری کے تعارف کے سلسلہ میں ایک جملہ پولس کے شاگرد لوقا کی کتاب الاعمال میں ملتا ہے وہ لکھتے ہیں۔

اور یوسف نام کا ایک لاوی تھا جس کا لقب رسولوں نے برناباس یعنی نصیحت کا بیٹا رکھا تھا. اور جس کی پیدائش کپرس کی تھی، اس کا ایک کھیت تھا جسے اس نے بیچا اور قیمت لاکر (حواریوں) رسولوں کے پاؤں پر رکھ دی۔

(اعمال ٤: و ٣٦،٣٧ بحواله بائبل سے قرآن تك، حاشيه، ص: ٣٦١)

اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ برناباس حواریوں میں بلند مقام کے حامل تھے، اسی وجہ سے حواریوں نے ان کا نام نصیحت کا بیٹا رکھ دیا تھا، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ انہوں نے خدا کی رضا جوئی کی خاطر اپنی ساری دنیوی پونجی تبلیغی مقاصد کے لئے صرف کردی تھی۔

اس کے علاوہ برناباس کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ انہوں نے ہی تمام حواریوں سے پولس کا تعارف کرایا تھا، حواریوں میں سے کوئی یہ یقین کرنے کے لئے تیار نہ تھا کہ وہ ساؤل (پولس) جو کل تک ہم لوگوں کو ستاتا اور تکلیف پہنچاتا رہا ہے آج اخلاص کے ساتھ ہمارا دوست اور ہم مذہب ہوسکتا ہے، لیکن یہ برناباس ہی تھے جنہوں نے تمام حواریوں کے سامنے پولس کی تصدیق کی اور انہیں بتایا کہ یہ فی الواقع تمہارا ہم مذہب ہو چکا ہے، چنانچہ لوقا، پولس کے بارے میں لکھتا ہے۔

اس نے یروشلم میں پہنچ کر شاگردوں (حواریوں) میں مل جانے کی کوشش کی اور سب اس سے ڈرتے تھے کیونکہ ان کو یقین

نہیں آتا تھا کہ یہ شاگرد ہے مگر برناباس نے اسے اپنے ساتھ رسولوں کے پاس لے جا کر ان سے بیان کیا کہ اس نے اس اس طرح راہ خدا کو دیکھا اور اس نے اس سے باتیں کیں اور اس نے دمشق میں کیسی دلیری کے ساتھ یسوع کے نام سے منادی کی۔

(اعمال ۹: ۲٦، ۲۷ بحوالہ مذکور)

اس کے بعد کتاب الاعمال ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پولس اور برناباس عرصۂ دراز تک ایک دوسرے کے ہم سفر رہے اور انہوں نے ایک ساتھ تبلیغ عیسائیت کا فریضہ انجام دیا، یہاں تک کہ دوسرے حواریوں نے ان دونوں کے بارے میں یہ شہادت دی کہ یہ دونوں ایسے آدمی ہیں کہ جنہوں نے اپنی جانیں ہمارے خداوند یسوع مسیح کے نام پر نثار کر رکھی ہیں۔ (اعمال ۱۵: ۲٦)

کتاب الاعمال کے پندرھویں باب تک برناباس اور پولس ہر معاملہ میں شیر و شکر نظر آتے ہیں، لیکن اس کے بعد اچانک ایک ایسا واقعہ پیش آتا ہے جو بطور خاص توجہ کا مستحق ہے، اتنے عرصہ ساتھ رہنے اور تبلیغ و دعوت میں اشتراک کے بعد اچانک دونوں میں اس قدر سخت اختلاف پیدا ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کے روادار نہیں تھے، یہ واقعہ کتاب الاعمال کے بیان کے مطابق کچھ اس قدر ناگہانی اور ڈرامائی انداز سے پیش آیا کہ قاری پہلے سے اس کا مطلق اندازہ نہیں لگا سکتا لوقا لکھتے ہیں۔

ایک روز پولس نے برناباس سے کہا جن جن شہروں میں ہم نے خدا کا کلام سنایا تھا آؤ پھر ان میں چل کر بھائیوں کو دیکھیں کہ کیسے ہیں، اور برناباس کا مشورہ تھا کہ یوحنا (جو مرقس کہلاتا ہے) کو بھی لے چلیں، اس میں دونوں میں ایسی تکرار ہوئی کہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ (کتاب الاعمال: ۱۵، ۳۵ تا ٤۱، بحوالہ مذکورہ)

کیا اتنا شدید اختلاف صرف اس بنا پر ہو سکتا ہے کہ ایک شخص یوحنا کو رفیق سفر بنانا چاہتا ہے اور دوسرا اس کو؟

پھر لطف کی بات یہ ہے کہ بعد میں پولس یوحنا (مرقس) کی رفاقت کو گوارا کر لیتا ہے، چنانچہ تیمتھیس کے نام دوسرے خط میں وہ لکھتا ہے: مرقس کو ساتھ لے کر آ، کیونکہ خدمت کے لئے وہ میرے کام کا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مرقس سے پولس کا اختلاف بہت زیادہ اہمیت کا حامل نہ تھا اس لئے اس نے بعد میں اس کی رفاقت کو گوارا کر لیا، لیکن پورے عہد نامۂ جدید یا تاریخ کی کسی اور کتاب میں یہ کہیں نہیں ملتا کہ بعد میں برناباس کے ساتھ بھی پولس کے تعلقات استوار ہو گئے، اگر جھگڑے کی وجہ مرقس ہی تھا تو اس کے ساتھ پولس کی رضا مندی کے بعد برناباس اور پولس کے تعلقات کیوں استوار نہیں ہوئے؟

جب ہم خود پولس کے خطوط میں برناباس سے اس کی ناراضی کے اسباب تلاش کرتے ہیں تو ہمیں یہ کہیں نہیں ملتا کہ برناباس سے اس کی ناراضی کا سبب یوحنا (مرقس) تھا، اس کے برخلاف ہمیں ایک جملہ ایسا ملتا ہے جس سے دونوں کے اختلاف کے اصل سبب پر کسی قدر روشنی پڑتی ہے گلتیوں کے نام اپنے خط میں پولس لکھتا ہے۔

لیکن جب کیفا (یعنی پطرس) انطاکیہ میں آیا تو میں نے روبرو ہو کر اس کی مخالفت کی کیونکہ وہ مذمت کے لائق تھا، اس لئے کہ یعقوب کی طرف سے چند شخصوں کے آنے سے پہلے تو وہ غیر قوم والوں کے ساتھ کھایا کرتا تھا، مگر جب وہ آ گئے تو مختونوں سے ڈر کر باز رہا، اور کنارہ کش ہو گیا اور باقی یہودیوں نے بھی اس کے ساتھ ہو کر ریاکاری کی، یہاں تک کہ برناباس بھی ان کے

ساتھ ریا کاری میں پڑ گیا۔ (گلتیون ۲: تا ۱۴، حاشیہ بائبل سے قرآن تک، ص: ۳۶۵ ملخصًا)

اس خط میں پولس دراصل اس اختلاف کو ذکر کر رہا ہے جو حضرت مسیح کے عروج آسمانی کے کچھ عرصہ بعد یروشلم اور انطاکیہ کے عیسائیوں میں پیش آیا تھا، یروشلم کے اکثر لوگ پہلے یہودی تھے اور انہوں نے بعد میں عیسائی مذہب قبول کیا تھا، اور انطاکیہ کے اکثر لوگ پہلے بت پرست یا آتش پرست تھے اور حواریوں کی تعلیم و تبلیغ سے عیسائی ہوئے تھے، پہلی قسم کو بائبل میں یہودی مسیحی اور دوسری قسم کو غیر قوم کے لوگ کہا گیا ہے، یہودی مسیحیوں کا کہنا یہ تھا کہ ختنہ کرانا اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کی تمام رسموں پر عمل کرنا ضروری ہے اسی لئے انہیں مختون بھی کہا جاتا ہے اور غیر قوموں کا کہنا یہ تھا کہ ختنہ ضروری نہیں، اس لئے انہیں نامختون کہا جاتا ہے، اس کے علاوہ یہودی مسیحیوں میں چھوت چھات کی رسم بھی جاری تھی، اور وہ غیر قوموں کے ساتھ کھانا پینا اور اٹھنا بیٹھنا پسند نہ کرتے تھے، پولس اس معاملہ میں سو فیصد غیر قوموں کا حامی تھا، اور ختنہ اور دوسری شریعت کی رسوم کی منسوخی اس کے انقلاب انگیز نظریات میں سے ایک نظریہ ہے، جسے ثابت کرنے کے لئے اس نے اپنے خطوط میں جا بجا مختلف دلائل پیش کئے ہیں، (جن کا ذکر یہاں غیر ضروری ہے)۔

اوپر ہم نے گلتیون کے نام کی جو عبارت پیش کی ہے اس میں پولس نے جناب پطرس اور برناباس پر اسی لئے ملامت کی کہ انہوں نے انطاکیہ میں رہتے ہوئے مختونوں (یعنی یہودی مسیحیوں) کا ساتھ دیا اور پولس کے ان نئے مریدوں سے علیحدگی اختیار کی جو ختنہ اور دوسری شریعت کے قائل نہ تھے، چنانچہ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے پادری جے پیٹرسن اسمتھ لکھتے ہیں:

پطرس اسی اجنبی شہر (انطاکیہ) میں زیادہ تر ان لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے جو یروشلم سے آئے تھے، اور جو اس کے پرانے ملاقاتی تھے، لہٰذا وہ بہت جلد ان کا ہم خیال ہونے لگتا ہے، دوسرے مسیحی یہودی پطرس سے متاثر ہوتے ہیں یہاں تک کہ برناباس بھی غیر قوم مریدوں سے علیحدگی اختیار کرنے لگتا ہے، اس قسم کے سلوک کو دیکھ کر ان نئے مریدوں کی دل شکنی ہوتی ہے، جہاں تک ممکن ہے پولس اس بات کو برداشت کرتا ہے، مگر بہت جلد وہ اس کا مقابلہ کرتا ہے، گویا ایسا کرنے سے اسے اپنے ساتھیوں کی مخالفت کرنا پڑتی ہے۔ (حاشیہ بائبل سے قرآن تک ص: ۳۶۶)

واضح رہے کہ یہ واقعہ برناباس اور پولس رسول کی جدائی سے چند ہی دن پہلے کا ہے، اس لئے کہ انطاکیہ میں پطرس کی آمد یروشلم میں حواریوں کے اجتماع کے بعد ہوئی تھی، اور یروشلم کے اجتماع اور برناباس کی جدائی میں زیادہ فاصلہ نہیں ہے، لوقا نے دونوں واقعات کتاب الاعمال کے باب ۱۵ میں بیان کئے ہیں۔

اس لئے یہ بات انتہائی قرین قیاس ہے کہ پولس اور برناباس کی وہ جدائی جس کا ذکر لوقا نے غیر معمولی طور پر سخت الفاظ میں کیا ہے، یوحنا (مرقس) کی ہمسفری سے زیادہ اس بنیادی اور نظریاتی اختلاف کا نتیجہ تھی، پولس اپنے نئے مریدوں کے لئے ختنہ اور دوسری شریعت کے احکام کو ضروری نہیں سمجھتا تھا، اور اس نے چار چیزوں کے سوا ہر گوشت حلال کر دیا تھا، اور برناباس ان احکام کو پس پشت ڈالنے کے لئے تیار نہ تھا جو بائبل میں انتہائی تاکید کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں۔ (مثلاً) حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خطاب ہے: ''اور میرا عہد جو میرے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان

ہے اور جسے تم مانو گے سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے، اور تم اپنے بدن کی کھلڑی کا ختنہ کیا کرنا، اور یہ اس عہد کا نشان ہوگا جو میرے اور تمہارے درمیان ہے، تمہارے یہاں پشت در پشت ہر لڑکے کا ختنہ جب وہ آٹھ روز کا ہو کیا جائے، خواہ وہ گھر میں پیدا ہو خواہ اسے کسی پردیسی سے خریدا ہو، جو تیری نسل سے نہیں، لازم ہے کہ تیرے خانہ زاد اور تیرے زرخرید کا ختنہ کیا جائے، اور میرا عہد تمہارے جسم پر ابدی عہد ہوگا اور وہ فرزند نرینہ جس کا ختنہ نہ ہوا ہو اپنے لوگوں میں کاٹ ڈالا جائے کیونکہ اس نے میرا عہد توڑا"۔ (پیدائش ۱۷: ۱ تا ۱۴)

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:

"اور آٹھویں دن لڑکے کا ختنہ کیا جائے"۔ (احبار ۱۲: ۳ بحوالہ مذکور)

اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی ختنہ کی گئی تھی، چنانچہ انجیل لوقا میں ہے "اور جب آٹھ دن پورے ہوئے اور ان کی ختنہ کا وقت آیا تو اس کا نام یسوع رکھا گیا"۔ (لوقا ۲: ۲۱)

اس کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کا کوئی ارشاد ایسا منقول نہیں ہے کہ جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ ختنہ کا حکم منسوخ ہو گیا ہے۔

لہٰذا یہ بات عین قرین قیاس ہے کہ وہ برنا باس جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے براہ راست ملاقات کا شرف حاصل کیا تھا، پولس سے اس بنا پر برگشتہ ہوا ہو کہ وہ ایک عرصہ دراز تک اپنے آپ کو سچا عیسائی ظاہر کرنے کے بعد مذہب عیسوی کے بنیادی عقائد و احکام میں تحریف کا مرتکب ہو رہا تھا، شروع میں برنا باس نے پولس کا ساتھ اس لئے دیا تھا کہ وہ اسے مخلص عیسائی سمجھتے تھے، لیکن جب اس نے غیر اقوام کو اپنا مرید بنانے کے لئے مذہب کی بنیادوں کو منہدم کرنے اور ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالنے کا سلسلہ شروع کیا تو وہ اس سے جدا ہو گئے، اور اسی بنا پر گلتیوں کے نام خط میں برنا باس کو ملامت کرتے ہوئے یہ لکھتا ہے:

"مگر جب وہ آگئے تو مختونوں سے ڈر کر باز رہا اور کنارہ کیا اور باقی یہودیوں نے بھی اس کی طرح ریاکاری کی، یہاں تک کہ برنا باس بھی ان کے ساتھ ریاکاری میں پڑ گیا"۔ (گلتیوں ۲: ۱۳)

اس بات کو پادری جے پیٹرسن اسمتھ بھی محسوس کرتے ہیں کہ پولس اور برنا باس کی جدائی کا سبب صرف مرقس (یوحنا) نہ تھا بلکہ اس کے پس پشت یہ نظریاتی اختلاف بھی کام کر رہا تھا، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"برنا باس اور پطرس نے جو کہ بڑے عالی حوصلہ شخص تھے ضرور اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا ہوگا اور یوں وہ وقت دور ہو جاتی ہے، لیکن باوجود اس کے یہ احتمال ضرور گذرتا ہے کہ ان کے درمیان کچھ نہ کچھ رنجش رہ جاتی ہے، جو بعد میں ظاہر ہوتی ہے"۔

(حیات و خطوط، پولس ۸۹، ۹۰)

انجیل برنا باس کا تعارف:

مندرجہ بالا بحث کو ذہن میں رکھ کر اب انجیل برنا باس پر آجائیے ہمیں اس انجیل کے بالکل شروع میں جو عبارت ملتی ہے وہ یہ ہے:

اے عزیزو! اللہ نے جو عظیم اور عجیب ہے، اور آخری زمانہ میں ہمیں اپنے نبی یسوع مسیح کے ذریعہ ایک عظیم رحمت سے

آزمایا، اس تعلیم اور آیتوں کے ذریعہ جنہیں شیطان نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرنے کا ذریعہ بنایا، جو تقوے کا دعوی کرتے ہیں اور سخت کفر کی تبلیغ کرتے ہیں، مسیح کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں ختنہ کا انکار کرتے ہیں جس کا اللہ نے ہمیشہ کے لئے حکم دیا ہے اور ہر نجس گوشت کو جائز کہتے ہیں انہی کے زمرے میں پولس بھی گمراہ ہو گیا جس کے بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا مگر افسوس کے ساتھ، اور وہی سبب ہے جس کی وجہ سے وہ حق بات لکھ رہا ہوں جو میں نے یسوع کے ساتھ رہنے کے دوران سنی اور دیکھی ہے تاکہ تم نجات پاؤ اور تمہیں شیطان گمراہ نہ کرے، اور تم اللہ کے حق میں ہلاک نہ ہو جاؤ، اور اس بنا پر ہر اس شخص سے بچو جو تمہیں کسی نئی تعلیم کی تبلیغ کرتا ہے جو میرے لکھنے کے خلاف ہو، تاکہ تم ابدی نجات پاؤ۔ (برناباس: ۲ تا ۹)

کیا یہ عین قرین قیاس نہیں ہے کہ پولس سے نظریاتی اختلاف کی بنا پر جدا ہونے کے بعد برناباس نے جو عرصۂ دراز تک حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ رہے تھے، حضرت مسیح علیہ السلام کی ایک سوانح لکھی ہو اور اس میں پولس کے نظریات پر تنقید کر کے صحیح عقائد و نظریات بیان کئے ہوں؟ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ خود بائبل میں برناباس کا جو کردار پیش کیا گیا ہے اس میں پولس کے ساتھ ان کے جن اختلافات کا ذکر ہے ان کے پیش نظر یہ بات چنداں بعید نہیں ہے کہ برناباس نے ایک ایسی انجیل لکھی ہو جس میں پولس کے عقائد و نظریات پر تنقید کی گئی ہو اور وہ مروجہ عیسائی عقائد کے خلاف ہو، اگر یہ بات ذہن نشین ہو جائے تو انجیل برناباس کو برناباس کی تصنیف سمجھنے کے راستہ سے ایک بہت بڑی رکاوٹ دور ہو گئی، اس لئے کہ عام لوگوں، بالخصوص عیسائی حضرات کے دل میں اس کتاب کی طرف سے ایک بہت بڑا بلکہ سب سے بڑا شبہ اسی وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ انہیں اس میں بہت سی باتیں ان نظریات کے خلاف نظر آتی ہیں جو پولس کے واسطے سے پہنچی ہیں وہ دیکھتے ہیں کہ اس کتاب کی بہت سی باتیں اناجیل اربعہ اور مروجہ عیسائی نظریات کے خلاف ہیں تو وہ کسی طرح یہ باور کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے کہ یہ واقعی برناباس کی تصنیف ہے۔

لیکن اوپر جو گذارشات ہم نے پیش کی ہیں ان کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر برناباس کی کسی تصنیف میں پولس کے عقائد و نظریات کے خلاف کوئی عقیدہ یا واقعہ بیان کیا گیا ہو تو وہ کسی طرح تعجب خیز نہیں ہو سکتا اور محض اس بنا پر اس تصنیف کو جعلی نہیں قرار دیا جا سکتا کہ وہ پولس کے نظریات کے خلاف ہے: اس لئے کہ مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ پولس اور برناباس میں کچھ نظریاتی اختلاف تھا جس کی بنا پر وہ ایک دوسرے سے الگ ہو گئے تھے۔

اس بنیادی نکتے کو قدرے تفصیل اور وضاحت سے ہم نے اس لئے بیان کیا ہے تاکہ انجیل برناباس کی اصلیت کی تحقیق کرتے ہوئے وہ غلط تصور ذہن سے دور ہو جائے جو عام طور سے شعوری یا غیر شعوری طور پر ذہن میں آ ہی جاتا ہے، اس کے بعد آیئے دیکھیں کہ کیا واقعی برناباس نے کوئی انجیل لکھی تھی؟ جہاں تک ہم نے اس موضوع پر مطالعہ کیا ہے اس بات میں دو رائیں نہیں ہیں کہ برناباس نے ایک انجیل لکھی تھی، عیسائیوں کے قدیم مآخذ میں برناباس کی انجیل کا تذکرہ ملتا ہے اظہار الحق میں (ص ۲۳۴، ج ۱) پراکیہو مو کے حوالہ سے جن گم شدہ کتابوں کی فہرست نقل کی گئی ہے اس میں انجیل برنابس کا نام بھی موجود ہے امریکانا، (ص ۲۶۳، ج:۳) کے مقالہ برناباس میں بھی اس کا اعتراف کیا گیا ہے، چونکہ انجیل برناباس دوسری انجیلوں کی طرح رواج نہیں پا سکی، اس لئے کسی غیر جانبدار کتاب سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس کے مضامین کیا تھے، لیکن کلیسا کی تاریخ میں ہمیں ایک

واقعہ ایسا ملتا ہے جس سے اس کے مندرجات پر ہلکی سی روشنی پڑتی ہے، اور جس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ برنا باس کی انجیل میں عیسائیوں کے عام عقائد ونظریات کے خلاف کچھ باتیں موجود تھیں، وہ واقعہ یہ ہے کہ پانچویں صدی عیسوی میں یعنی آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے بہت پہلے ایک پوپ جیلاشیس اول کے نام سے گذرا ہے اس نے اپنے دور میں ایک فرمان جاری کیا تھا جو فرمانِ ''جیلاشیس'' کے نام سے مشہور ہے اس فرمان میں اس نے چند کتابوں کے پڑھنے کو ممنوع قرار دیا تھا ان کتابوں میں سے ایک کتاب انجیل برنا باس بھی ہے۔

(دیکھیے انسائیکلوپیڈیا امریکانا، ص ٢٦٢، ج٣، مقالہ برناباس، اور مقدمۂ انجیل برناباس از ڈاکٹر خلیل سعادت مسیحی)

انجیل برنا باس کی مخالفت کی اصل وجہ:

عیسائی جس وجہ سے انجیل برنا باس کے مخالف ہیں وہ دراصل یہ نہیں کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق جگہ جگہ صاف اور واضح بشارتیں ہیں، کیونکہ وہ تو حضور ﷺ کی پیدائش سے بہت پہلے اس انجیل کو رد کر چکے تھے، ان کی ناراضگی کی اصل وجہ کو سمجھنے کے لئے تھوڑی سی تفصیلی بحث درکار ہے۔

حضرت عیسیٰ کے ابتدائی پیرو آپ کو صرف نبی مانتے تھے، دوسری شریعت کا اتباع کرتے تھے، عقائد اور احکام اور عبادات کے معاملہ میں اپنے آپ کو دوسرے بنی اسرائیل سے قطعاً الگ نہ سمجھتے تھے اور یہودیوں سے ان کا اختلاف صرف اس امر میں تھا کہ یہ حضرت عیسیٰ کو مسیح تسلیم کر کے ان پر ایمان لائے تھے، اور وہ ان کو مسیح ماننے سے انکار کرتے تھے، بعد میں جب سینٹ پال (پولس) اس جماعت میں داخل ہوا تو اس نے رومیوں، یونانیوں اور دوسرے غیر یہودی اور غیر اسرائیلی لوگوں میں بھی اس دین کی تبلیغ واشاعت شروع کر دی اور اس غرض کے لئے ایک نیا دین بنا ڈالا جس کے عقائد واصول اور احکام اس دین سے بالکل مختلف تھے جسے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیش کیا تھا اس شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کوئی صحبت نہیں پائی تھی بلکہ ان کے زمانہ میں وہ ان کا سخت مخالف تھا، اور ان کے بعد بھی کئی سال تک ان کے پیروؤں کا دشمن رہا، پھر جب اس جماعت نے ان سے ایک نیا دین بنانا شروع کیا اس وقت بھی اس نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی قول کی سند پیش نہیں کی بلکہ اپنے کشف و الہام کو بنیاد بنایا اس نئے دین کی تشکیل میں اس کے پیش نظر بس یہ مقصد تھا کہ دین ایسا ہو جسے عام غیر یہودی دنیا قبول کرے، اس نے اعلان کر دیا کہ ایک عیسائی شریعت یہود کی تمام پابندیوں سے آزاد ہے اس نے کھانے پینے میں حرام وحلال کی تمام قیود ختم کر دیں، اس نے ختنہ کے حکم کو بھی منسوخ کر دیا جو غیر یہودی دنیا کو خاص طور سے ناگوار تھا حتی کہ اس نے مسیح کی الوہیت اور اس کے ابن خدا ہونے کا اور صلیب پر جان دیکر اولاد آدم کے پیدائشی گناہ کا کفارہ بن جانے کا عقیدہ بھی تصنیف کر ڈالا کیونکہ عام مشرکین کے مزاج سے یہ بہت مناسبت رکھتا تھا، مسیح کے ابتدائی پیروؤں نے اس کی مزاحمت کی مگر سینٹ پال (پولس) نے جو جو دروازہ کھولا تھا اس سے یہودی عیسائیوں کا ایک ایسا زبردست سیلاب اس مذہب میں داخل ہو گیا جس کے مقابلے میں وہ مٹھی بھر لوگ کسی طرح نہ ٹھہر سکے تاہم تیسری صدی عیسوی کے اختتام تک بکثرت ایسے لوگ موجود تھے جو مسیح کی الوہیت کے عقیدے

سے انکار کرتے تھے، مگر چوتھی صدی کے آغاز ۳۲۵ء میں نیقیہ (Nicaea) کونسل نے پولُسی عقائد کو قطعی طور پر مسیحیت کا مسلّم مذہب قرار دیدیا، پھر رومی سلطنت خود عیسائی ہوگئی اور قیصر تھیوڈ ورشیس کے زمانہ میں یہی مذہب سلطنت کا سرکاری مذہب بن گیا، اس کے بعد قدرتی بات تھی کہ وہ تمام کتابیں جو اس عقیدے کے خلاف ہوں، مردود قرار دیدی جائیں اور صرف وہی کتابیں معتبر ٹھہرائی جائیں جو اس عقیدے سے مطابقت رکھتی ہوں، ۳۶۷ء میں پہلی مرتبہ اتھاناسیوس (Athana sius) کے ایک خط کے ذریعہ معتبر و مسلّم کتابوں کے ایک مجموعہ کا اعلان کیا گیا پھر اس کی توثیق ۳۸۶ء میں پوپ ڈیمیسیئس (Damasius) کے زیر صدارت ایک مجلس نے کی، اور پانچویں صدی کے آخر میں پوپ گلاسیس (Galasius) نے اس مجموعہ کو مسلّم قرار دینے کے ساتھ ساتھ ان کتابوں کی ایک فہرست مرتب کردی جو غیر مسلّم تھیں، حالانکہ جن پولُسی عقائد کو بنیاد بنا کر مذہبی کتابوں کے معتبر اور غیر معتبر ہونے کا فیصلہ کیا گیا تھا ان کے متعلق کبھی کوئی عیسائی عالم یہ دعویٰ نہیں کرسکا کہ ان میں سے کسی عقیدے کی تعلیم خود حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دی تھی بلکہ معتبر کتابوں کے مجموعہ میں جو انجیلیں شامل ہیں خود ان میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اپنے کسی قول سے ان عقائد کا ثبوت نہیں ملتا، انجیل برناباس ان غیر مسلم کتابوں میں اس لئے شامل کی گئی کہ وہ مسیحیت کے اس سرکاری عقیدہ کے بالکل خلاف تھی۔

آپ ﷺ کی آمد کا ثبوت اہل کتاب سے:

اس بشارت کا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہونا خود اہل کتاب کے بیان سے حدیثوں میں ثابت ہے؛ چنانچہ خازن میں بروایت ابوداؤد، نجاشی بادشاہ حبشہ کا جو کہ نصاریٰ کے عالم بھی تھے یہ قول آیا ہے کہ واقعی آپ ﷺ ہی ہیں جن کی بشارت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دی تھی، اور خازن ہی میں ترمذی سے عبداللہ بن سلام کا قول جو کہ علماء یہود میں سے تھے، آیا ہے کہ تورات میں رسول اللہ ﷺ کی صفت لکھی ہے اور یہ کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ ﷺ کے ساتھ مدفون ہوں گے اور چونکہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تورات کے مبلغ تھے اس لئے تورات میں اس بشارت کا ہونا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی سے منقول کہا جائے گا، اور مولانا رحمت اللہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اظہار الحق میں خود تورات کے موجود نسخوں سے متعدد بشارتیں نقل کی ہیں (جلد دوم صفحہ ۱۶۴ مطبوعہ قسطنطنیہ) اور ان مضامین کا انجیل موجودہ میں نہ ہونا اس لئے مضر نہیں کہ حسب تحقیق علماء محققین، اناجیل کے نسخ محفوظ نہیں رہے مگر پھر بھی جو کچھ موجود ہیں ان میں بھی اس قسم کا مضمون موجود ہے چنانچہ یوحنا کی انجیل ترجمہ عربی مطبوعہ لندن ۱۸۲۱ء و ۱۸۳۳ء کے چودھویں باب میں ہے کہ'' تمہارے لئے میرا جانا ہی بہتر ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو فارقلیط تمہارے پاس نہ آوے، پس اگر میں جاؤں تو اس کو تمہارے پاس بھیج دوں گا''، فارقلیط احمد کا ترجمہ ہے، اہل کتاب کی عادت ہے کہ وہ ناموں کا ترجمہ کردیتے ہیں عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عبرانی میں احمد فرمایا تھا جب یونانی میں ترجمہ ہوا تو پیر کلوطوس لکھ دیا جس کے معنی ہیں احمد، یعنی بہت سراہا گیا بہت حمد کرنے والا، پھر جب یونانی سے عبرانی میں ترجمہ کیا گیا تو فارقلیط کردیا۔

فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مذکورہ تمام مضامین اور معجزات

پیش فرما کر اپنی ثبوت کا اثبات فرمایا، تو وہ لوگ کہنے لگے یہ تو صریح جادو ہے بعض نے اس سے نبی ﷺ مراد لئے ہیں اور قَالُوْا کا فاعل کفار مکہ کو بنایا ہے لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ نور سے مراد قرآن یا اسلام یا محمد ﷺ یا دلائل و براہین ہیں منہ سے بجھانے کا مطلب وہ طعن و تشنیع اور وہ شکوک وشبہات پیدا کرنے کی باتیں ہیں جو وہ کہا کرتے تھے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ بالتخفيفِ والتشديدِ **مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ** مُؤلِمٍ فَكَانَّهُم قالوا نَعَمْ فقالَ **تُؤْمِنُوْنَ** تَدُومُونَ عَلَى الإيمانِ **بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** اَنَّهُ خَيْرٌ لَكُم فَافْعَلُوهُ **يَغْفِرْ** جَوابُ شَرْطٍ مُقَدَّرٍ اي إِنْ تَفْعَلُوهُ يَغْفِرْ **لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ** إقامَةٍ **ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ** وَيُؤْتِكُم نِعْمَةً **وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ** بِالنَّصرِ والفتحِ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ** لِدِينِه وفي قِراءةٍ بالإضافةِ **كَمَا** كَانَ الحَوارِيُّونَ كَذلِكَ الدَّالُّ عَلَيْهِ **قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ** اي مَنِ الأنصارِ الَّذِينَ يَكُونُونَ مَعِي مُتَوَجِّهًا إلى نُصْرَةِ اللّٰهِ **قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ** والحَوارِيُّونَ أَصْفِياءُ عِيسى عليهِ السلامُ وهُمْ أَوَّلُ مَنْ آمَنَ به وكانوا اثْنَيْ عَشَرَ رَجُلًا مِنَ الحَوْرِ وهُوَ البَياضُ الخالِصُ وقيلَ كانوا قَصَّارِينَ يَحُورُونَ الثِّيابَ يُبَيِّضُونَهَا **فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ** بِعِيسى وقالوا إنَّهُ عَبْدُ اللّٰهِ رُفِعَ إلى السَّماءِ **وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ** لِقَولِهِم إنَّهُ ابنُ اللّٰهِ رَفَعَهُ إلَيْهِ فاقْتَتَلَتِ الطَّائِفَتانِ **فَاَيَّدْنَا** قَوَّيْنا **الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** مِنَ الطَّائِفَتَيْنِ **عَلٰى عَدُوِّهِمْ** الطَّائِفَةِ الكافِرَةِ **فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ** غالِبِينَ۔

ترجمہ: اے ایمان والو! کیا میں تمہیں وہ تجارت نہ بتاؤں کہ جو تمہیں دردناک عذاب سے بچائے؟ (تنجیکم) تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے، گویا کہ انہوں نے کہا ہاں، تم اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ یعنی ایمان پر قائم رہو اور اپنی جان سے اور اپنے مالوں سے اللہ کے راستہ میں جہاد کرو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم سمجھ سکتے ہو کہ یہ بہتر ہے تو اس کام کو کرو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف فرمادے گا اور تمہیں ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور صاف ستھرے گھروں میں جو جنت عدن (قابل رہائش) جنت میں ہوں گے یہ بڑی کامیابی ہے اور تم کو ایک دوسری نعمت بھی عطا کرے گا جس کو تم پسند کرتے ہو وہ اللہ کی مدد اور جلد فتح یابی ہے (آپ ﷺ) مومنین کو فتح ونصرت کی خوشخبری سنائیے! اے ایمان والو! اللہ کے یعنی اس کے دین کے مددگار بن جاؤ اور ایک قراءت میں (انصار اللہ) اضافت کے ساتھ ہے جیسا کہ (حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے حواری انصار اللہ ہوئے، اس پر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول دلالت کرتا ہے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ابن مریم نے حواریوں سے فرمایا کون ہے جو اللہ کی راہ میں میرا مددگار ہو؟ یعنی ان مددگاروں میں سے جو میرے ساتھ اللہ کی

نصرت کی جانب متوجہ ہوں؟ حواریوں نے کہا ہم اللہ کی راہ میں مددگار ہیں، اور حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منتخب کردہ تھے، یہ وہ لوگ تھے جو شروع ہی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے، اور وہ بارہ اشخاص تھے، یہ حَوْرٌ سے مشتق ہے، حَوْرٌ خالص سفیدی کو کہتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ وہ دھوبی تھے جو کپڑوں کو دھوتے یعنی سفید کیا کرتے تھے، پس بنی اسرائیل میں سے ایک جماعت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائی اور انہوں نے کہا وہ (عیسیٰ علیہ السلام) اللہ کے بندے ہیں جن کو آسمانوں کی طرف اٹھا لیا گیا اور ایک جماعت نے کفر کیا ان کے اس قول کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں ان کو آسمانوں پر اٹھا لیا گیا دونوں جماعتیں آپس میں قتال کرنے لگیں تو ہم نے ان لوگوں کی، یعنی ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں مدد کی جو دونوں فریقوں میں سے ایمان لائے، یعنی کافر جماعت پر، پس وہ غالب آگئے یعنی فتح یاب ہوگئے۔

تَحقیق وتَرکیب وتَسہیل وتَفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ استفہام بمعنی خبر ہے خبر کو لفظ استفہام سے ذکر کرنے کا مقصد تشویق وترغیب ہے، اس لئے کہ استفہام اوقع فی النفس ہوتا ہے، جہاد کو تجارت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ" (الآیۃ) یعنی مجاہد کی جان ومال جس کو وہ راہ خدا میں صرف کرتا ہے اس خرچ کرنے کو اشتریٰ سے تعبیر فرمایا ہے جو کہ تجارت میں ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: تُؤْمِنُوْنَ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے، ای هِیَ تُؤْمِنُوْنَ یا جملہ مستانفہ ہے جو کہ سوال مقدر کے جواب میں واقع ہے، ای مَا هِیَ التجارۃ؟ اس کا جواب دیا گیا هِیَ تُؤْمِنُوْنَ الخ.

قَوْلُہٗ: ذالکم خیر لکم الخ، ذلکم مبتداء خَیْرٌ خبر۔

قَوْلُہٗ: اَنَّهٗ خَيْرٌ لَّكُمْ سے اشارہ کر دیا کہ تَعْلَمُوْنَ کا مفعول محذوف ہے اور فَافْعَلُوْا سے اشارہ کر دیا کہ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کا جواب شرط محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: يَغْفِرْ لَكُمْ یہ شرط محذوف کا جواب ہے ای اِنْ تَفْعَلُوْهُ.

قَوْلُہٗ: يَغْفِرْ لَكُمْ یہ شرط مقدر کا جواب ہے ای اِنْ تَفْعَلُوْا، يَغْفِرْ لَكُمْ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس امر کا جواب ہونے کی وجہ سے مجزوم ہو جو تُؤْمِنُوْنَ سے مفہوم ہے اس لئے کہ تُؤْمِنُوْنَ، آمِنُوْا کے معنی میں ہے۔

قَوْلُہٗ: يُؤْتِكُمْ نِعْمَةً مفسر علام نے يُؤْتِكُمْ عامل کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ اُخْرٰی موصوف محذوف کی صفت ہے اور موصوف صفت سے مل کر يُؤْتِكُمْ مقدر کا مفعول ہے اور اس عامل مقدر کا عطف مذکور یعنی يُدْخِلْكُمْ پر ہے۔

قَوْلُہٗ: تُحِبُّوْنَهَا، اُخْرٰی کی صفت ہے۔

قَوْلُہٗ: نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ الخ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے ای تلك النعمة الْاُخْرٰی نصر من اللّٰه.

تفسیر وتشریح

شانِ نزول:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ (الآیة) قرطبی میں ہے کہ مقاتل نے فرمایا یہ آیت حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روز آپ ﷺ سے عرض کیا، اگر آپ ﷺ اجازت دیں تو میں (اپنی بیوی) خولہ کو طلاق دیدوں؟ اور ترک دنیا اختیار کرلوں، اور خصی ہو جاؤں، اور گوشت کو حرام کرلوں (یعنی ترک کردوں) اور رات کو کبھی نہ سوؤں، اور ہمیشہ دن میں روزہ رکھوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا بلاشبہ نکاح میری سنت ہے اور اسلام میں رہبانیت (ترک دنیا) نہیں ہے میری امت کی رہبانیت اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا ہے، اور میری امت کا خصی ہونا روزہ رکھنا ہے اور اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام نہ کرو، اور میرا طریقہ یہ ہے کہ میں سوتا بھی ہوں اور (رات کو) نماز بھی پڑھتا ہوں جو میری سنت سے صرف نظر کرے وہ میرا نہیں ہے، پھر حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں جاننا چاہتا ہوں کہ اللہ کے نزدیک کونسی تجارت پسندیدہ ہے، تاکہ میں وہ تجارت کروں تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

اور ابن مردویہ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ تذکرہ کیا کہ کاش ہمیں معلوم ہو جاتا کہ کونسا عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین ہے تو ہم وہ عمل کرتے، تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت میں ایمان اور مجاہدہ بالمال والنفس کو تجارت فرمایا ہے کیونکہ جس طرح تجارت میں کچھ مال خرچ کرنے اور محنت کرنے کے صلہ میں منافع حاصل ہوتے ہیں ایمان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جان ومال خرچ کرنے کے بدلے میں اللہ کی رضا اور آخرت کی دائمی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں جن کا ذکر اگلی آیت میں ہے کہ جس نے یہ تجارت اختیار کی اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دے گا اور جنت میں اس کو پاکیزہ بہترین مساکن ومکانات عطا فرمائے گا جن میں ہر طرح کے آرام و عیش کے سامان ہوں گے، جیسا کہ حدیث میں ''مساکن طیبہ'' کی تفسیر میں اس کا بیان آیا ہے، آگے آخرت کی نعمتوں کے ساتھ کچھ دنیا کی نعمتوں کا بھی وعدہ فرماتے ہیں۔ (معارف)

وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ (الآیة) لفظ اُخریٰ، نعمة کی صفت ہے معنی یہ ہیں کہ آخرت کی نعمتیں اور جنت کے مکانات تو ملیں گے ہی جیسا کہ وعدہ کیا گیا ہے، ایک نعمت نقد دنیا میں بھی ملنے والی ہے وہ ہے اللہ کی مدد اور اس کے ذریعہ فتح قریب، یعنی دشمنوں کے ممالک کا فتح ہونا، ''نعمت اخریٰ'' سے مراد یا تو آخرت کی نعمتیں ہیں ان کو دنیا کے اعتبار سے قریب کہا گیا ہے یا پھر اس سے مراد خیبر اور مکہ کی فتح ہے اور یہ تو ظاہر ہے قریبی فتح کو محبوب اور پسندیدہ اس لئے کہا گیا کہ انسان فطری طور پر نقد فائدہ کا دلدادہ اور متمنی ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کو محبوب سمجھتا ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کے بارے میں فرمایا ''خُلِقَ الانسان عَجُوْلًا'' دنیا میں فتح وکامرانی بھی اگرچہ اللہ کی ایک بڑی نعمت ہے لیکن مومن کے لئے اصل اہمیت کی چیز یہ نہیں ہے

بلکہ آخرت کی کامیابی ہے اسی لئے جو نتیجہ دنیا کی اس زندگی میں حاصل ہونے والا ہے اس کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے اور جو نتیجہ آخرت میں رونما ہونے والا ہے اس کے ذکر کو مقدم رکھا گیا۔

كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّيْنَ الآية حواريين، حواری کی جمع ہے جس کے معنی مخلص دوست کے ہیں جو ہر عیب سے پاک وصاف ہو، اسی لئے ان لوگوں کو جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے حواری کہا گیا، ان کی تعداد بارہ تھی، اس آیت میں زمانۂ عیسیٰ علیہ السلام کے ایک واقعہ کا ذکر کرکے مسلمانوں کو اس کی ترغیب دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کے لئے تیار ہو جائیں، جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام جب دشمن سے تنگ آگئے تو آپ نے لوگوں سے کہا، مَنْ انصاری الی اللّٰہ یعنی اللہ کے دین کی اشاعت میں کون میرا مددگار ہوگا؟ بارہ آدمیوں نے وفاداری کا عہد کیا اور پھر دین عیسوی کی اشاعت میں خدمات انجام دیں، تو مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ اللہ کے دین کے انصار و مددگار بنیں۔

فَائِدَہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کے لئے بائبل میں عموماً لفظ ''شاگرد'' استعمال کیا گیا ہے، لیکن بعد میں ان کے لئے ''رسول'' کی اصطلاح عیسائیوں میں رائج ہو گئی، اس معنی میں نہیں کہ وہ اللہ کے رسول تھے بلکہ اس معنی میں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کو اپنی طرف سے مبلغ بنا کر بھیجا کرتے تھے، یہ لفظ یہودیوں کے یہاں ان لوگوں کے لئے بولا جاتا تھا کہ جو ہیکل کے لئے چندہ جمع کرتے تھے، اس کے مقابلہ میں قرآن کی اصطلاح، حواری، مذکورہ دونوں اصطلاحوں سے بہتر ہے اس لفظ کی اصل ''حَوْرٌ'' ہے جس کے معنی سفیدی کے ہیں، دھوبی کو حواری اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ کپڑے کو دھو کر سفید کرتا ہے، خالص اور بے آمیز چیز کو بھی حواری کہا جاتا ہے اسی لئے مخلص دوست کو حواری کہتے ہیں۔

عیسائیوں کے تین فرقے:

فَآمَنَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ وَكَفَرَتْ طَائِفَةٌ بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا گیا تو عیسائیوں میں تین فرقے ہو گئے، ایک فرقے نے کہا وہ خود خدا تھے، آسمان پر چلے گئے، دوسرے فرقے نے کہا وہ خدا نہیں بلکہ خدا کے بیٹے تھے اللہ نے ان کو اٹھا لیا، اور دشمنوں پر فوقیت دیدی، اور تیسرے فرقے نے وہ بات کہی جو حق اور صحیح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ خدا تھے اور نہ خدا کے بیٹے، بلکہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو دشمنوں سے حفاظت اور رفعت درجہ کے لئے آسمانوں پر اٹھا لیا، یہ لوگ صحیح مومن تھے، تینوں فرقوں کے ساتھ کچھ عوام لگ گئے جس کی وجہ سے نزاع بڑھتے بڑھتے قتال تک کی نوبت آگئی، اتفاق سے دونوں کافر فرقے مومن فرقے پر غالب آگئے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، جنھوں نے اس مومن فرقے کی تائید کی، اس طرح انجام کار وہ مومن فرقہ بحیثیت حجت اور دلیل کے غالب آگیا۔ (مظہری، معارف)

تمت

سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ اِحْدٰى عَشَرَةَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ اِحْدٰى عَشَرَةَ اٰيَةً.

سورۂ جمعہ مدنی ہے، گیارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ يُسَبِّحُ لِلّٰهِ يُنَزِّهُهُ فَاللَّامُ زَائِدَةٌ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ في ذكر ما تغليب للاكثر الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ المنزه عما لا يليق به الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① في مُلكه وصُنعه هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ العرب والاُمّيُّ من لا يكتُبُ ولا يقرأ كتابًا رَسُوْلًا مِّنْهُمْ هو محمد صلى الله عليه وسلم يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ القراٰن وَيُزَكِّيْهِمْ يُطهِّرُهم من الشرك وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ القراٰن وَالْحِكْمَةَ ما فيه من الاحكام وَاِنْ مُخَفَّفَةٌ من الثقيلة واسمُها محذوفٌ اي وانّهم كَانُوْا مِنْ قَبْلُ قبل مجيئه لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ② بَيِّنٍ وَّاٰخَرِيْنَ عطفٌ على الاُمّيّين اي الموجودين والآتين مِنْهُمْ بعدهم لَمَّا لم يَلْحَقُوْا بِهِمْ في السابقة والفضل وهُمُ التابعُوْنَ والاقتصارُ عليهم كافٍ في بيان فضل الصحابة المبعوث فيهم النبيُّ صلى الله عليه وسلم على من عداهُم ممّن بُعث اليهم وآمنوا به من جميع الانس والجن الى يوم القيمة لانّ كلّ قرنٍ خيرٌ ممّن يليه وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ③ في مُلكه وصُنعه ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ النبيّ ومن ذُكر معه وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ④ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ كُلِّفوا العمل بها ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا لم يعملوا بما فيها من نعته صلى الله عليه وسلم فلم يؤمنوا به كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا اي كُتُبًا في عدمِ انتفاعه بها بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ المُصَدِّقة للنبيّ صلى الله عليه وسلم مُحمّدٍ والمَخصُوصُ بالذمّ محذوفٌ تقديرُهُ هذا المثلُ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑤ الكافرين قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ⑥ تعلَّق بتمنّيه الشرطان على انّ الاوّل قيدٌ في الثاني اي ان صدقتُم في زعمكم انّكم اولياءُ الله والوليُّ يُؤْثِرُ الآخرة ومبدؤها الموتُ فتمنَّوه وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ من كُفرهم بالنبيّ المُستلزم لكذبهم وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ ⑦ الكافرين قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ والفاءُ زائدةٌ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ السرّ والعلانية فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑧ فيُجازيكم به.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، تمام چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں وہ اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں، لام زائدہ ہے ما کے بجائے من کے ذکر کرنے میں اکثر کو غلبہ دینا ہے جو بادشاہ ہے، ان چیزوں سے پاک ہے جو اس کی شایان شان نہیں، وہ اپنے ملک میں غالب اور اپنی صنعت میں باحکمت ہے وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں (یعنی) عرب میں ان ہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا اُمّی وہ شخص ہے جو پڑھنا لکھنا نہ جانتا ہو، اور وہ محمد ﷺ ہیں، جو انہیں اس قرآن کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو شرک سے پاک کرتا ہے، اور ان کو کتاب قرآن اور حکمت (یعنی) جس میں احکام ہیں اِن مخففہ عن الثقیلہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے ای انّھُم، سکھاتا ہے یقیناً یہ اس کی آمد (بعثت) سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے اور بعد والوں میں (مبعوث فرمایا) وآخرین کا عطف اَلْاُمِّیِّیْنَ پر ہے یعنی ان امیوں میں سے موجودین میں اور (آئندہ) ان کے بعد آنے والے امیوں میں لیکن سبقت اور فضل میں ان کے برابر نہیں پہنچے، اور وہ (نہ پہنچنے والے) تابعین ہیں، اور تابعین پر، تابعین کے بعد تا قیامت آنے والے جن وانس جو کہ آپ ﷺ پر ایمان لائے، صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے تابعین پر اثبات فضیلت پر اقتصار کرنا کافی ہے، وہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں کہ جن میں آپ ﷺ مبعوث فرمائے گئے، اس لئے کہ ہر زمانہ اپنے مابعد متصل زمانہ سے بہتر ہوتا ہے، اپنے ملک وصنعت میں وہی غالب باحکمت ہے یہ خدا کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے یعنی نبی کو اور ان کو جن کا نبی کے ساتھ ذکر کیا گیا، اور اللہ بڑے فضل والا ہے جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا یعنی جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا مکلف بنایا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان صفات پر جو آپ ﷺ کی (صفات) اس (تورات) میں تھیں جس کی وجہ سے وہ آپ ﷺ پر ایمان نہیں لائے، ان کی مثال فائدہ حاصل نہ کرنے میں اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہے، غرضیکہ ان لوگوں کا برا حال ہے جنہوں نے خدا کی ان آیتوں کو جھٹلایا جو محمد ﷺ کی نبوت کی تصدیق کرنے والی ہیں، اور مخصوص بالذم محذوف ہے، اور اس کی تقدیر ہذا المثل ہے، اور اللہ ظالم یعنی کافر کو ہدایت نہیں دیتا، آپ کہہ دیجئے کہ اے یہودیو! اگر تمہارا یہ دعوی ہے کہ تم باشرکت غیرے اللہ کے مقبول (محبوب) ہو تو تم موت کی تمنا کرو (تَمَنَّوا) سے دو شرطیں متعلق ہیں اس طریقہ پر کہ اول ثانی میں قید ہے، یعنی اگر تم اپنے گمان میں اس بات میں سچے ہو کہ تم اللہ کے محبوب ہو اور محبوب آخرت کو ترجیح دیتا ہے اور اس کا مبداء موت ہے لہٰذا تم اس کی تمنا کرو، وہ کبھی اس موت کی تمنا نہیں کریں گے، بوجہ ان اعمال کفریہ کے جن کو وہ اختیار کر چکے ہیں، یعنی بوجہ آپ ﷺ کے انکار کے جو ان کی تکذیب کو مستلزم ہے اللہ تعالیٰ ان ظالموں کافروں کو خوب جانتا ہے آپ کہہ دیجئے کہ تم جس موت سے بھاگتے ہو وہ تم کو آپکڑے گی فَاِنَّهٗ میں فا زائدہ ہے، پھر تم پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے کے پاس لے جائے جاؤ گے پھر وہ تم کو تمہارے سب کئے ہوئے کام بتادے گا اور تم کو اس کی جزاء دے گا۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُهُ: اَلْقُدُّوْسُ مبالغہ کا صیغہ ہے بہت پاک، برکت والا، بروزن فُعُّوْلٌ بضم فاء عربی میں اس وزن پر صرف چار الفاظ آئے ہیں، قُدُّوْسٌ، سُبُّوْحٌ، ذُرُّوْحٌ، فُرُّوْخٌ، ان کو بھی بفتح الفاء پڑھنا جائز ہے باقی اس وزن پر جتنے بھی الفاظ آئے ہیں سب فتحہ فاء کے ساتھ آئے ہیں۔

قَوْلُهُ: فِي الْاُمِّيِّيْنَ ای اِلٰی اُمِّيِّيْنَ وَآخَرِيْنَ، ای اِلٰی آخَرِيْنَ فی بمعنی الی ہے۔

قَوْلُهُ: يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ یہ رَسُوْلًا کی صفت ہے یا اس سے حال ہے۔

قَوْلُهُ: مخففة من الثقيلة وَاِنْ كَانُوْا میں اِنْ مخففہ عن الثقیلہ ہے اصل میں اِنَّهُمْ تھا اور دلیل اس کی مابعد میں لام کا واقع ہونا ہے، ای لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ اس قسم کا لام مخففہ عن الثقیلہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

قَوْلُهُ: عطف عَلَى الْاُمِّيِّيْنَ یعنی آخرین کے اعراب میں دو وجہ ہیں، اول یہ کہ آخَرِيْنَ، اُمِّيِّيْنَ پر عطف ہونے کی وجہ سے مجرور ہو، ای بَعَثَهٗ فِي الْاُمِّيِّيْنَ وفِي الْآخَرِيْنَ مِنَ الْاُمِّيِّيْنَ اور۔

قَوْلُهُ: لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ یہ آخَرِيْنَ کی صفت ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ آخَرِيْنَ، يُعَلِّمُهُمْ کی ضمیر پر عطف ہونے کی وجہ سے منصوب ہو، ای يُعَلِّمُ الْآخَرِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ.

قَوْلُهُ: الْمَوْجُوْدِيْنَ مِنْهُمْ یہ الْاُمِّيِّيْنَ معطوف علیہ کی تفسیر ہے اور مراد اُمِّيِّيْنَ سے وہ عرب ہیں جو آپ ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے۔

قَوْلُهُ: لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ فِي السَّابِقَةِ، لَمَّا کی تفسیر لَمْ سے کرکے اشارہ کردیا کہ یہ عدم سابقیۃ تا قیامت ہے، یہ مطلب نہیں کہ اب تک سابقیۃ میں مساوی نہیں ہوئے مگر آئندہ امید ہے، جیسا کہ لَمَّا سے مفہوم ہوتا ہے اس لئے کہ لَمَّا کا مفہوم ہے تاہنوز، اور لَمْ کے ذریعہ نفی عام ہوتی ہے خواہ متوقع الحصول ہو یا نہ ہو بخلاف لَمَّا کے کہ اس کا استعمال اس منفی میں ہوتا ہے جو متوقع الحصول ہو۔

قَوْلُهُ: وَالِاقْتِصَار عَلَيْهِمْ یعنی آخَرِيْنَ کی تفسیر میں تابعین پر اقتصار کرنا کافی ہے، دراصل یہ مفسر علام کی جانب سے دیگر مفسرین کی تفسیر سے عدول کرنے کا اعتذار ہے، یعنی دیگر مفسرین حضرات نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فضیلت تا قیامت آنے والے مسلمانوں پر بیان فرمائی ہے، اور مفسر علام محلی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت سے صرف تابعین پر فضیلت معلوم ہوتی ہے، حق دیگر مفسرین کے ساتھ ہے، اعتذار کا حاصل یہ ہے کہ جب تابعین پر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فضیلت ثابت ہوگئی تو تابعین کے بعد والے حضرات پر تو بطریق اولیٰ فضیلت ثابت ہوگی، اور دلیل اس کی یہ ہے کہ ہر قرن اپنے مابعد متصل قرن سے بہتر ہوتا ہے۔

قَوْلُهُ: مِمَّنْ بُعِثَ اِلَيْهِمْ، مَنْ عَدَاهُمْ کا بیان ہے۔

قَوْلُهُ: مِنْ جَمِيْعِ یہ بیان کا بیان ہے۔

قَوْلُہٗ: لِاَنَّ کُلَّ فَرْدٍ یہ مفسر کے قول کافٍ کی علت ہے۔

قَوْلُہٗ: اَلنَّبِی وَمَنْ ذُکِرَ مَعَہٗ یہ مَنْ یَّشَاءُ کی تفسیر ہے اور مَنْ ذُکِرَ سے مراد امیون اور آخرون ہیں۔

قَوْلُہٗ: شرطان، ای اِنْ زَعَمْتُمْ اور اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ.

قَوْلُہٗ: الاول قید فی الثانی.

اعتراض: یعنی اول ثانی کی شرط ہے اس کا مقتضی یہ ہے کہ اصل شرط ثانی ہے اور اول اس کی قید ہے، اور یہ مشہور قاعدہ کے خلاف ہے، اور قاعدہ مشہورہ یہ ہے کہ جب ایک جزاء دو شرطوں سے متعلق ہو تو درحقیقت اول ہی شرط ہوتی ہے اور ثانی اول کی شرط ہوتی ہے گویا کہ شرط اول اور شرط ثانی مل کر معنی میں اِنْ صَدَقْتُمْ فِی زَعْمِکُمْ کے ہیں۔

جَوَابٌ: جواب کا ماحصل یہ ہے کہ قاعدہ مشہورہ اس وقت ہے جب کہ جزاء دونوں شرطوں کے بعد یا پہلے واقع ہو، یہاں جزاء دونوں شرطوں کے درمیان واقع ہے، لہٰذا یہ قاعدہ مشہورہ کے خلاف نہیں ہے۔

تفسیر و تشریح

نام:

الجمعة آیت نمبر ۹ کے فقرے، اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ سے ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول:

پہلے رکوع کا زمانۂ نزول ۷ھ ہے، اور غالباً یہ رکوع فتح خیبر کے موقع پر یا اس کے قریبی زمانہ میں نازل ہوا ہے، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، اور ابن جریر نے حضرت ابو ہریرہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ہم حضور ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے جب یہ آیت نازل ہوئیں، اور حضرت ابو ہریرہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کے متعلق یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ وہ صلح حدیبیہ ۶ھ کے بعد اور فتح خیبر سے پہلے ایمان لائے تھے، اور خیبر کی فتح ابن ہشام کے بقول محرم میں اور ابن سعد کے بقول جمادی الاولی ۷ھ میں ہوئی ہے۔

دوسرا رکوع ہجرت کے بعد قریبی زمانہ میں نازل ہوا ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے مدینہ طیبہ پہنچتے ہی پانچویں روز جمعہ قائم کر دیا، اور اس رکوع کی آخری آیت میں جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ صاف بتا رہا ہے کہ وہ اقامت جمعہ کا سلسلہ شروع ہونے کے بعد لازماً کسی ایسے زمانہ میں پیش آیا ہوگا جب لوگوں کو دینی اجتماعات کے آداب کی پوری تربیت ابھی نہیں ملی تھی۔

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ نبی ﷺ جمعہ کی نماز میں سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون پڑھا کرتے تھے، (مسلم شریف کتاب الجمعہ) قرآن کریم کی جو سورتیں سَبَّحَ، یُسَبِّحُ سے شروع ہوئی ہیں ان کو مُسَبِّحَات کہا جاتا ہے، ان تمام

سورتوں میں زمین وآسمان اور جو کچھ ان میں ہیں سب کے لئے اللہ کی تسبیح خوانی ثابت کی گئی ہے، اگر اس تسبیح سے مراد تسبیح حالی ہے یعنی بزبان حال تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کا ذرہ ذرہ اپنے صانع حکیم کی حکمت وقدرت پر گواہی دیتا ہے، یہی اس کی تسبیح ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ ہر چیز اپنے اپنے شعور اور طرز کے مطابق حقیقی تسبیح کرتی ہے، اس لئے کہ شعور وادراک اللہ تعالیٰ نے ہر شجر وحجر بلکہ ہر شی میں رکھا ہے، اس عقل وشعور کا لازمی نتیجہ اور لازمی تقاضہ تسبیح ہے، مگر ان چیزوں کی تسبیح کو لوگ سنتے نہیں ہیں، اسی لئے قرآن کریم میں فرمایا وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ

اس تمہید کو آگے کے مضمون سے بڑی گہری مناسبت ہے، عرب کے یہودی رسول اللہ ﷺ کی ذات وصفات اور کارناموں میں رسالت کی صریح نشانیاں بچشم سر دیکھ لینے کے باوجود اور اس کے باوجود کہ تورات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کے آنے کی صریح بشارت دی تھی جو آپ ﷺ کے سوا کسی اور پر صادق نہیں آتی تھی، صرف اس بناء پر آپ ﷺ کا انکار کرتے تھے کہ اپنی قوم ونسل سے باہر کے کسی شخص کی رسالت مان لینا سخت ناپسند کرتے تھے، آگے کی آیتوں میں ان کے اسی رویے پر انہیں ملامت کی جارہی ہے، اس لئے کلام کا آغاز اس تمہیدی فقرے سے کیا گیا ہے اس میں پہلی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ کی تسبیح کر رہی ہے یعنی یہ پوری کائنات اس بات پر شاہد ہے کہ اللہ ان تمام نقائص اور کمزوریوں سے پاک ہے جن کی بناء پر یہودیوں نے اپنی نسلی برتری کا تصور قائم کر رکھا ہے، وہ کسی کا رشتہ دار نہیں، نہ جانب داری کا اس کے یہاں کوئی کام، اپنی ساری مخلوق کے ساتھ اس کا معاملہ یکساں عدل ورحمت اور ربوبیت کا ہے، کوئی خاص نسل یا قوم اس کی چہیتی نہیں ہے کہ وہ خواہ کچھ بھی کرتی رہے ہر حال میں اس کی نوازشیں اسی کے لئے مخصوص رہیں اور کسی دوسری نسل یا قوم سے اس کو عداوت نہیں ہے کہ وہ اپنے اندر خوبیاں بھی رکھتی ہو تو بھی وہ اس کی عنایتوں سے محروم رہے، پھر فرمایا گیا کہ وہ بادشاہ ہے یعنی دنیا کی کوئی طاقت اس کے اختیارات کو محدود کرنے والی نہیں ہے تم بندے اور رعیت ہو تمہارا یہ منصب کب سے ہو گیا کہ تم یہ طے کرو کہ وہ تمہاری ہدایت کے لئے اپنا پیغمبر کسے بنائے؟ اور کسے نہ بنائے اس کے بعد ارشاد ہوا کہ وہ قدوس ہے یعنی وہ اس سے بدرجہا منزہ اور پاک ہے کہ اس کے فیصلہ میں کسی خطا اور غلطی کا امکان ہو، آخر میں اللہ کی دو مزید صفتیں بیان فرمائی گئی ہیں ایک یہ کہ وہ زبردست ہے، اس سے لڑکر کوئی جیت نہیں سکتا، دوسری یہ کہ وہ حکیم ہے یعنی جو کچھ وہ کرتا ہے وہ عین حکمت کے مطابق ہوتا ہے، اور اس کی تدبیریں ایسی محکم ہوتی ہیں کہ دنیا میں کوئی ان کو توڑ نہیں سکتا۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّيْنَ الخ اُمِّيِّيْنَ، اُمِّيٌّ کی جمع ہے، ناخواندہ شخص کو کہا جاتا ہے، عرب کے لوگ اس لقب سے معروف ہیں، کیونکہ ان میں نوشت وخواند کا رواج نہیں تھا، بہت کم لوگ پڑھے لکھے ہوتے تھے، اور یہ کہ جو رسول بھیجا گیا ہے وہ بھی انہیں میں سے ہے یعنی امّی ہے، اس لئے یہ معاملہ بڑا حیرت انگیز ہے کہ قوم ساری امی اور جو رسول بھیجا گیا وہ بھی اُمّی اور جو فرائض اس رسول کے سپرد کئے گئے ہیں جن کا ذکر اگلی آیت میں آرہا ہے، وہ سب علمی، تعلیمی اور اصلاحی ایسے ہیں کہ نہ کوئی امی ان کو سکھا سکتا ہے اور نہ امی قوم ان کو سیکھنے کے قابل ہے۔

یہ صرف حق تعالیٰ شانہٗ کی قدرت کاملہ سے رسول اللہ ﷺ کا اعجاز ہی ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے جب تعلیم و

اصلاح کا کام کیا تو انہی امیین میں وہ علماء اور حکماء پیدا ہو گئے کہ جن کے علم و حکمت، عقل و دانش اور ہر کام کی عمدہ صلاحیت نے سارے جہان سے اپنا لوہا منوالیا۔

بعثت نبوی کے تین مقاصد:

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے تین مقاصد صفت نعمت الہیہ کے ضمن میں بیان کئے گئے ہیں، ایک تلاوت قرآن، یعنی قرآن پڑھ کر امت کو سنانا، اور دوسرے ان کو ظاہر و باطن غرضیکہ ہر قسم کی نجاست سے پاک کرنا، جس میں بدن، لباس وغیرہ کی ظاہری گندگی بھی شامل ہے اور عقائد و اعمال اور اخلاق و عادات کی پاکیزگی بھی، تیسرے کتاب و حکمت کی تعلیم ہے، یہ تینوں چیزیں حق تعالیٰ کے انعامات بھی ہیں اور آپ ﷺ کی بعثت کے مقاصد بھی۔

وَآخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ آخرین کے لفظی معنی، دوسرے لوگ، لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ کے معنی، جو ابھی تک ان لوگوں یعنی امیین کے ساتھ نہیں ملے، مراد ان سے وہ تمام مسلمان ہیں جو قیامت تک اسلام میں داخل ہوتے رہیں گے۔ (معارف)

اس میں اشارہ ہے کہ قیامت تک آنے والے مسلمان سب کے سب مومنین اولین یعنی صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ ہی کے ساتھ سمجھے جائیں گے، یہ بعد کے مسلمانوں کے لئے بڑی بشارت ہے۔ (روح، معارف)

لفظ آخرین کے عطف میں دو قول ہیں، بعض حضرات نے اس کا امیین پر عطف قرار دیا ہے جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ بھیجا اللہ نے اپنا رسول ﷺ امیین میں اور ان لوگوں میں جو ابھی ان سے نہیں ملے، اس پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ امیین یعنی موجودین میں رسول ﷺ کا بھیجنا تو ظاہر ہے مگر جو لوگ ابھی آئے ہی نہیں ان میں رسول ﷺ بھیجنے کا کیا مطلب ہوگا؟ اس کا جواب بیان القرآن میں یہ دیا گیا ہے کہ ان میں بھیجنے سے مراد ان کے لئے بھیجنا ہے، کیونکہ لفظ "فِی" عربی زبان میں ''کیلئے'' کے معنی میں بھی آتا ہے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ آخرین کا عطف يُعَلِّمُهُمْ کی ضمیر منصوب پر ہے، جس کا یہ مطلب ہوا کہ آنحضرت ﷺ تعلیم دیتے ہیں امیین کو اور ان لوگوں کو بھی جو ابھی ان کے ساتھ نہیں ملے۔ (اختارہ فی المظہری، معارف)

اس کی مزید تفصیل، تسہیل و تحقیق کے زیر عنوان گذر چکی ہے ملاحظہ کر لی جائے۔

صحیح مسلم و بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ سورۂ جمعہ آپ ﷺ پر نازل ہوئی، اور آپ ﷺ نے ہمیں سنائی جب آپ ﷺ نے آیت "وَآخَرِيْنَ مِنْهُمْ" (الآية) پڑھی تو ہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ کون لوگ ہیں؟ جن کا ذکر آخرین کے لفظ سے کیا گیا ہے، آپ ﷺ نے اس وقت سکوت فرمایا، مکرر مکرر سوال کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک حضرت سلمان فارسی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پر رکھ دیا (جو اس وقت مجلس میں موجود

تھے) اور فرمایا اگر ایمان ثریا ستارے کی بلندی پر بھی ہوگا تو ان کی قوم کے کچھ لوگ وہاں سے بھی ایمان کو لے آئیں گے۔

(مظہری)

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ (الآیة) اسفار، سِفْرٌ کی جمع ہے بڑی کتاب کو کہتے ہیں، کتاب کو سفر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ کتاب جب پڑھی جاتی ہے تو گویا قاری اس کے معانی میں سفر کرتا ہے اس لئے کتاب کو سفر کہتے ہیں۔ (فتح القدیر)

اس آیت میں بے عمل یہودیوں کی مثال بیان کی گئی ہے اور عمل نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تورات میں صاف صاف آپ ﷺ کی آمد کی بشارت دی گئی تھی آپ ﷺ کی ایسی علامات بیان کی گئی تھیں کہ جو صرف آپ ﷺ ہی پر چسپاں ہوتی تھیں جس کا تقاضہ تھا کہ یہ لوگ سب سے پہلے آپ ﷺ پر ایمان لاتے مگر حسد اور دشمنی کی وجہ سے یہ لوگ ایمان نہیں لائے، یہود کی اس بے عملی کی مثال دی گئی ہے کہ جس طرح گدھے کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی کمر پر جو کتابیں رکھی ہوئی ہیں ان میں کیا لکھا ہوا ہے؟ اس کو تو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اس پر کتابیں لدی ہوئی ہیں یا کوڑا کرکٹ؟

اللہ تعالیٰ نے یہود کو تورات کا حامل بنایا تھا مگر یہود نے اس کی ذمہ داری نہ سمجھی اور نہ ادا کی، ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس کی پیٹھ پر کتابیں لدی ہوں اور اسے پتہ معلوم نہ ہو کہ وہ کس چیز کا بار اٹھائے ہوئے ہے، بلکہ یہود کی حالت گدھے سے بھی بدتر ہے اس لئے کہ وہ تو سمجھ بوجھ نہیں رکھتا مگر یہود سمجھ بوجھ رکھتے ہیں اور پھر بھی کتاب اللہ کے حامل ہونے کی ذمہ داری سے سرفرازی اختیار نہیں کرتے، بلکہ دانستہ اللہ کی آیت کو جھٹلاتے ہیں، اس کے باوجود ان کا زعم یہ ہے کہ وہ اللہ کے چہیتے ہیں اور رسالت کی نعمت ہمیشہ کیلئے ان کے نام لکھ دی گئی ہے گویا یہود کی رائے یہ ہے کہ خواہ وہ اللہ کے پیغام کا حق ادا کریں یا نہ کریں، بہر حال اللہ اس کا پابند ہے کہ وہ اپنے پیغام کا حامل ان کے سوا کسی کو نہ بنائے۔

یہود اپنے کفر و شرک اور ساری بداخلاقیوں کے باوجود یہ دعوی بھی رکھتے تھے، نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ یعنی ہم تو اللہ کی اولاد اور اس کے محبوب ہیں، اور اپنے سوا کسی کو جنت کا مستحق نہیں سمجھتے، بلکہ یوں کہا کرتے تھے، لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى گویا وہ آخرت کے عذاب سے خود کو بالکل محفوظ اور مامون سمجھتے تھے اور جنت کی نعمتوں کو اپنی جاگیر سمجھتے تھے۔

جب یہود اپنے آپ کو خدا کا محبوب اور چہیتا سمجھتے ہیں، اور آخرت کی تمام نعمتوں کو اپنی جاگیر سمجھتے ہیں، اور یہ بھی ان کا ایمان ہے کہ آخرت کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں سے ہزار ہا درجہ اعلیٰ اور بہتر ہیں، تو اس کا مقتضایہ ہے کہ ان کے دل میں موت کی تمنا پیدا ہو، تاکہ دنیا کی مکدر اور رنج و غم سے بھری ہوئی زندگی سے نکل کر خالص آرام و راحت اور دائمی زندگی میں پہنچ جائیں۔

اس لئے آیت مذکورہ میں رسول اللہ ﷺ کو ہدایت کی گئی کہ آپ ﷺ یہود سے فرمائیں کہ جب تم خدا کے محبوب اور لاڈلے ہو اور تمہیں یہ خطرہ بالکل نہیں کہ آخرت میں تمہیں کوئی عذاب ہوسکتا ہے تو پھر تم ذرا موت کی تمنا کرو۔

وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ قرآن نے خود ہی ان کا جواب دیدیا، یعنی یہ لوگ ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے، اس لئے کہ ان کا موت سے فرار بے سبب نہیں ہے، وہ زبان سے خواہ کیسے لمبے چوڑے دعوے کریں، مگر ان کے ضمیر خوب

جانتے ہیں کہ خدا اور اس کے دین کے ساتھ ان کا معاملہ کیا ہے اور آخرت میں ان حرکتوں کے کیا نتائج نکلنے کی توقع کی جا سکتی ہے جو وہ دنیا میں کر رہے ہیں، اسی لئے ان کا نفس خدا کا سامنا کرنے سے جی چراتا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ کسی راہ میں بھی جان دینے کے لئے تیار نہ تھے، نہ خدا کی راہ میں اور نہ قوم کی راہ میں اور نہ خود اپنی جان و مال و عزت کی راہ میں، انہیں صرف زندگی درکار تھی خواہ کیسی ہی زندگی ہو، اسی چیز نے ان کو بزدل بنا دیا تھا۔

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ یہود خدا کی محبوبیت اور جنت کی ٹھیکے داری کے دعوے کے باوجود، موت سے بھاگتے ہیں، آپ ﷺ ان سے فرما دیجئے کہ جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ آ کر رہے گی، اب نہیں تو آئندہ۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ بمعنی فی يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا فامضُوا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ای اترُکوا عقدَہ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ انہ خیرٌ فافعلوہ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ امرُ اِباحۃٍ وَابْتَغُوْا ای اطْلُبُوا الرِّزْقَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ ذِکرًا كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ تفوزون کانَ النَّبِیُّ صلی اللّٰہ علیہ وسلَّمَ یَخْطُبُ یومَ الجُمُعَۃِ فقدِمَت عِیرٌ وضُرِبَ لِقُدُومِہا الطَّبلُ علی العادۃِ فخرَجَ لہا النَّاسُ مِنَ المسجدِ غیرَ اثنَیْ عشَرَ رَجُلًا فنزَلَ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا ای التِّجارۃِ لِاَنَّہا مَطْلوبُہم دُونَ اللَّھوِ وَتَرَكُوْكَ فی الخُطبَۃِ قَآئِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الثَّوابِ خَيْرٌ لِلَّذِینَ اٰمَنُوا مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ ع۲ يُقالُ کُلُّ اِنْسانٍ یَرْزُقُ عائِلَتَہٗ ای مِنْ رِزْقِ اللّٰہِ تعالٰی.

ترجمہ: اے ایمان والو جب جمعہ کے روز جمعہ (کی نماز) کے لئے اذان کہی جائے تو تم اللہ کی یاد (نماز) کی طرف (فوراً) چل پڑا کرو، مِنْ بمعنی فی ہے اور خرید و فروخت ترک کر دیا کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھتے ہو کہ یہ بہتر ہے، پھر تم اس پر عمل کرو، پھر جب نماز ہو چکے تو تم زمین میں پھیل جاؤ امر اباحت کے لئے ہے، اور خدا کا فضل (روزی) طلب کرو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہا کرو تاکہ تم کامیاب ہو آپ ﷺ جمعہ کے روز خطبہ دے رہے تھے کہ ایک قافلہ آیا، اور دستور کے مطابق اس کی آمد پر ڈھول بجایا گیا تو لوگ اس کے لئے مسجد سے نکل گئے، سوائے بارہ آدمیوں کے تو یہ آیت نازل ہوئی، وہ لوگ جب کسی تجارت کو دیکھیں یا کوئی تماشہ نظر آ جائے تو اس کی طرف دوڑ جاتے ہیں، یعنی تجارت کی طرف، اس لئے کہ وہ ان کا مطلوب ہے نہ کہ تماشہ اور آپ کو خطبہ میں کھڑا چھوڑ جاتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ جو اللہ کے پاس ثواب ہے وہ ایمان والوں کے لئے کھیل اور تجارت سے بہتر ہے، اور اللہ تعالیٰ بہترین روزی رساں ہے کہا جاتا ہے ہر شخص اپنے اہل و عیال کو روزی دیتا ہے یعنی اللہ کے رزق میں سے روزی دیتا ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: مِنْ بمعنی فِیْ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مِنْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ میں مِنْ بمعنی فِیْ ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ مِنْ بیانیہ ہو اور اِذَا نُوْدِیَ کا بیان ہو۔

قَوْلُہٗ: یَوْمَ الْجُمُعَةِ، الجمعة میں دو قراءتیں ہیں، اول دونوں یعنی جیم اور میم کے ضمہ کے ساتھ یہ جمہور کی قراءت ہے اور دوسری جُمْعَةِ کے میم کے سکون کے ساتھ یہ شاذ ہے، اور ایک قراءت میم کے فتحہ کے ساتھ بھی ہے مگر یہ بھی شاذ ہے۔

قَوْلُہٗ: فامضوا، فَاسْعَوْا کی تفسیر فامْضُوْا سے کرکے اشارہ کردیا کہ یہاں سعی کے معروف معنی یعنی دوڑنا مراد نہیں ہے اس لئے کہ نماز کے لئے دوڑنا ممنوع ہے بلکہ مراد متوجہ ہونا اور پا پیادہ چلنا ہے۔

قَوْلُہٗ: اَنَّهٗ خَیْرٌ یہ جملہ محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ تَعْلَمُوْنَ کا مفعول بہ محذوف ہے اور فَافْعَلُوْہ، محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ اِنْ کُنْتُمْ شرط کی جزاء محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: لِاَنَّهَا مطلوبُهُمْ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: سوال یہ ہے کہ ماقبل میں دو چیزوں کا ذکر ہے، تجارت اور لهو، لہٰذا مناسب یہ تھا کہ لَهَا کے بجائے لَهُمَا فرماتے۔

جَوَابٌ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ سابق میں مذکور اگرچہ دو چیزیں ہیں مگر مطلوب ان میں سے صرف ایک یعنی تجارت ہی ہے لهو مطلوب نہیں ہے، اسی وجہ سے لَهَا کی ضمیر کو مفرد لایا گیا ہے، اس سوال کا دوسرا جواب یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ اَوْ کے ذریعہ عطف کیا گیا ہے لہٰذا مراد تو ایک ہی ہے خواہ تجارت ہو یا لهو، ضمیر مؤنث لاکر متعین کردیا کہ تجارت مراد ہے۔

قَوْلُہٗ: وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا یہ جملہ اِنْفَضُّوْا کا فاعل ہے اور قائمًا سے اشارہ کردیا کہ خطبہ کھڑے ہوکر ہونا چاہئے نہ کہ بیٹھ کر۔

قَوْلُہٗ: یقال كُلُّ اِنْسَانٍ یَرْزُقُ عَائِلَتَهٗ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: سوال یہ ہے کہ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرَّازِقِيْنَ میں خَيْرٌ اسم تفضیل کا صیغہ ہے جو تعدد کا تقاضہ کرتا ہے اس لئے کہ اسم تفضیل کا استعمال کم از کم دو کے درمیان ہوتا ہے، تاکہ مفضل اور مفضل علیہ کا ثبوت ہوجائے اور یہاں رازق ایک ہی ہے اور وہ اللہ ہے تو اسم تفضیل کا استعمال کیسے درست ہوا؟

جَوَابٌ: جواب کا ماحصل یہ ہے کہ یہاں خَيْرٌ کا صیغہ متعدد ہی میں استعمال ہوا ہے، اس لئے کہ کہا جاتا ہے کہ كُلُّ اِنْسَانٍ یَرْزُقُ عَائِلَتَهٗ، تو معلوم ہوا کہ ہر انسان اپنے اہل وعیال کا رازق ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ رازق حقیقی ہے اور انسان رازق مجازی کیوں کہ انسان اللہ کے عطا کردہ رزق ہی میں سے دیتا ہے لہٰذا اسم تفضیل کا استعمال صحیح ہے۔

تفسیر وتشریح

یَوْمِ الْجُمُعَةِ یوم الجمعہ کو یوم الجمعہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ مسلمانوں کے اجتماع کا دن ہے، کائنات کی تخلیق کا بھی آخری دن ہے، حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام اسی روز پیدا ہوئے، اسی دن قیامت آئے گی۔

''جمعہ'' دراصل ایک اسلامی اصطلاح ہے زمانہ جاہلیت میں اس کو یوم عروبہ کہا کرتے تھے، جب اسلام میں اس دن کو مسلمانوں کے اجتماع کا دن متعین کیا گیا تو اس کو یوم الجمعہ کہا جانے لگا، سب سے پہلے عرب میں کعب بن لوی نے اس کا نام جمعہ رکھا، قریش اس روز جمع ہوتے اور کعب بن لوی خطبہ دیتے، یہ واقعہ آپ ﷺ کی پیدائش سے پانچ سوساٹھ سال پہلے کا ہے، کعب بن لوی حضور ﷺ کے جدابعد میں سے ہیں۔

اسلام سے پہلے ہفتہ میں ایک دن عبادت کے لئے مخصوص کرنے اور اس کو شعارملت قرار دینے کا طریقہ اہل کتاب میں موجود تھا، یہودیوں کے یہاں اس غرض کے لئے سبت (ہفتہ) کا دن مقرر تھا، کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دی تھی، عیسائیوں نے اپنے آپ کو یہودیوں سے ممتاز کرنے کے لئے اپنا شعارملت اتوار کو قرار دیا، اگرچہ اس کا کوئی حکم نہ تو حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے دیا تھا اور نہ انجیل میں اس کا کوئی ذکر ہے، لیکن عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ صلیب پر جان دینے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اسی روز قبر سے نکل کر آسمان کی طرف گئے تھے، اسی وجہ سے بعد کے عیسائیوں نے اس دن کو اپنی عبادت کے لئے مقرر کرلیا، اور پھر ۳۲۱ء میں رومی سلطنت نے ایک حکم نامہ کے ذریعہ اس کو عام تعطیل کا دن قرار دیدیا، اسلام نے امتیاز کے لئے ان ملتوں کے شعار کو چھوڑ کر جمعہ کو شعارملت قرار دیا ہے۔

نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ میں نُوْدِیَ سے جمعہ کی اذان مراد ہے وَذَرُوا الْبَیْعَ، بیع کو ترک کرنے کا مطلب ہر وہ کام ترک کرنا ہے جو سعی الی الجمعہ میں مخل ہو، اس لئے اذان جمعہ کے بعد کھانا پینا، سونا حتی کہ مطالعہ وغیرہ کرنا سب ممنوع ہیں۔

جمعہ کی اذان شروع میں صرف ایک ہی تھی، جو خطبہ کے وقت امام کے سامنے کہی جاتی ہے، آپ ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ تک ایک ہی اذان تھی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوگئی اور مدینہ طیبہ کی آبادی دور دور تک پھیل گئی تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک اور اذان مسجد سے باہر اپنے مکان ''زوراء'' پر شروع کرادی، جس کی آواز پورے مدینہ میں پہنچنے لگی، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ لہٰذا یہ اذان اجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہوئی جو ایک مستقل حجت ہے، بیع وشراء یا دیگر کاروبار میں مشغولیت جو خطیب کے روبرو اذان کے بعد حرام قرار دی گئی تھی اب وہ پہلی اذان سے شروع ہوگئی۔

شانِ نزول:

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً (الآية) یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کہ ایک روز آپ ﷺ جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک ایک تجارتی قافلہ ضروریات زندگی کا سامان لے کر شام سے آگیا، تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قافلہ ایک بہت بڑے تاجر دحیہ کلبی کا تھا، اطلاع عام کے لئے ڈھول وغیرہ بجوا کر عام منادی کرادی گئی، مدینہ میں ان دنوں خشک سالی تھی ہر شخص کو خورد ونوش کے سامان کی اشد ضرورت تھی جن میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی شامل تھے، اس اندیشہ کے پیش نظر کہ کہیں قافلہ کا سامان ختم ہو جائے جس کی وجہ سے ہم نہ پاسکیں آپ ﷺ کو خطبہ پڑھتا چھوڑ کر سوائے بارہ آدمیوں کے سب بازار میں چلے گئے، یہ روایت ابوداؤد نے مراسیل میں بیان فرمائی ہے، یاد رہے کہ اس وقت خطبہ جمعہ کے بعد ہوا کرتا تھا، جیسا کہ آج بھی عیدین کے بعد خطبہ ہوتا ہے، اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی، اس وقت تک یہ معلوم نہ تھا کہ خطبۂ جمعہ لازمی اور ضروری ہے اس کے بعد جمعہ کا خطبہ جمعہ کی نماز سے پہلے ہونے لگا۔



سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ اِحْدٰى عَشَرَةَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ الْمُنَافِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ اِحدٰی عَشَرَةَ اٰيَةً.

سورۂ منافقون مدنی ہے، گیارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ إِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا بألسنتهم على خلاف ما في قلوبهم نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ يعلم إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ﴿١﴾ فيما أضمروه مخالفًا لِمَا قالوه اِتَّخَذُوْٓا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً سترة عن أموالهم ودمائهم فَصَدُّوْا بها عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اي عن الجهاد فيهم إِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢﴾ ذٰلِكَ اي سوء عملهم بِأَنَّهُمْ اٰمَنُوْا باللسان ثُمَّ كَفَرُوْا بالقلب اي استمرّوا على كفرهم به فَطُبِعَ ختم عَلٰى قُلُوْبِهِمْ بالكفر فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿٣﴾ الايمان وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ لجمالها وَإِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ لفصاحته كَأَنَّهُمْ من عظم اجسامهم في ترك التفهم خُشُبٌ بسكون الشين وضمها مُّسَنَّدَةٌ ممالة الى الجدار يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ تصاح كنداءٍ في العسكر وانشاد ضالة عَلَيْهِمْ لما في قلوبهم من الرعب ان ينزل فيهم ما يبيح دماءهم هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ فانهم يفشون سرك للكفار قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اهلكهم أَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٤﴾ كيف يُصرفون عن الايمان بعد قيام البرهان وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا معتذرين يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا بالتشديد والتخفيف عطفوا رُءُوْسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ يعرضون عن ذلك وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٥﴾ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ استغنى بهمزة الاستفهام عن همزة الوصل أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٦﴾ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لاصحابهم من الانصار لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ من المهاجرين حَتّٰى يَنْفَضُّوْا يتفرقوا عنه وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ بالرزق فهو الرازق للمهاجرين وغيرهم وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿٧﴾ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اي من غزوة بني المصطلق إِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ عنوا به انفسهم مِنْهَا الْأَذَلَّ عنوا به المؤمنين وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ الغلبة وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٨﴾ ذلك

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، آپ ﷺ کے پاس جب منافق آتے ہیں تو اپنے دل کی بات کے برخلاف زبان سے کہتے ہیں کہ ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ آپ ﷺ یقیناً اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ یہ منافق قطعی جھوٹے ہیں، اس بات میں جو یہ اپنے قول کے برخلاف (دل) میں چھپائے ہوئے ہیں ان لوگوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے (یعنی) اپنی جان و مال کے لئے وقایہ بنا رکھا ہے پس ان قسموں کے ذریعہ اللہ کے راستہ سے یعنی اس میں جہاد کرنے سے محفوظ ہو گئے ہیں بلاشبہ وہ کام جو یہ کر رہے ہیں بُرا ہے یہ یعنی ان کی بدعملی یہ ہے کہ وہ زبانی ایمان لائے پھر دل سے کافر ہو گئے یعنی اپنے کفر پر بدستور قائم رہے پس ان کے قلوب پر کفر کی وجہ سے مہر کر دی گئی ہے اب یہ ایمان کو سمجھتے نہیں ہیں جب آپ ﷺ انہیں دیکھیں تو آپ ﷺ کو ان کے جسم ان کی خوبصورتی کی وجہ سے خوشنما معلوم ہوں اور جب یہ باتیں کریں تو آپ ﷺ ان کے کلام کی طرف اس کی فصاحت کی وجہ سے (اپنا) کان لگائیں گویا کہ وہ جسموں کے عظیم ہونے اور نا سمجھ ہونے میں لکڑیاں ہیں دیوار کے سہارے لگائی ہوئی (خُشُبٌ) شین کے سکون اور ضمہ کے ساتھ ہر اس آواز کو جو دی جاتی ہے اپنے خلاف سمجھتے ہیں یعنی ہر ندا کو مثلاً لشکر کے کوچ کے نداء اور گمشدہ کا اعلان، اس لئے کہ ان کے قلوب میں اس بات کی ہیبت ہے کہ کہیں ان کے بارے میں کوئی ایسا حکم نازل نہ ہو گیا ہو جو ان کے خون کو حلال کر دے، یہی حقیقی دشمن ہیں ان سے بچو یہ آپ ﷺ کے راز کافروں پر ظاہر کر دیتے ہیں، اللہ انہیں غارت کرے کہاں پھرے جا رہے ہیں؟ (یعنی) برہان قائم ہونے کے بعد ایمان سے کہاں پھرے جا رہے ہیں، جب ان سے کہا جاتا ہے معذرت کرتے ہوئے کہ آؤ تمہارے لئے اللہ کے رسول ﷺ استغفار کریں، تو اپنے سر مٹکاتے ہیں (لَوَّوْا) تشدید و تخفیف کے ساتھ، یعنی دوسروں کو گھماتے ہیں، اور آپ ﷺ ان کو دیکھیں گے کہ وہ اس سے اعراض کرتے ہیں حال یہ کہ وہ تکبر کر رہے ہوتے ہیں، ان کے حق میں آپ ﷺ کا استغفار کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہیں ہمزہ استفہام کی وجہ سے ہمزہ وصل سے مستغنی ہو گیا، اللہ ان کو ہرگز معاف نہ کرے گا اللہ تعالیٰ ایسے نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا، یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے انصاری بھائیوں سے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جو مہاجرین جمع ہیں ان پر کچھ خرچ مت کرو یہاں تک کہ وہ آپ ﷺ کے پاس سے منتشر ہو جائیں، اور آسمانوں اور زمین کے رزق کے سب خزانے اللہ ہی کی ملک ہیں مہاجرین وغیرہ کا وہی رازق ہے لیکن یہ منافق سمجھتے نہیں ہیں، یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم غزوۂ بنی مصطلق سے لوٹ کر مدینہ پہنچ گئے تو عزت والا مراد اس سے انہوں نے خود کو لیا ہے ذلت والے کو مراد اس سے مومنین کو لیا، مدینہ سے نکال دے گا (سنو) عزت غلبہ تو صرف اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہے اور مومنین کے لئے ہے لیکن یہ منافقین اس کو جانتے نہیں ہیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: سورۃُ الْمُنافِقُوْن بعض نسخوں میں سورۃ المنافقین یاء کے ساتھ ہے۔

قَوْلُہٗ: اِذَا جَاءَ کَ الْمُنافِقُوْنَ شرط ہے اور قَالُوْا نَشْھَدُ الخ جواب شرط ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ جواب شرط محذوف ہے اور قَالُوْا، اَلْمُنافِقُوْنَ سے حال ہے، تقدیر عبارت یہ ہے "اِذَا جَاءَ کَ الْمُنافِقُوْنَ حَالَ کَوْنِھِمْ قائلین کَیْتَ و کَیْتَ فلا تقبل مِنْھُمْ" فلا تَقْبَلْ مِنْھُمْ جواب شرط ہے۔

قَوْلُہٗ: نَشْھَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰہِ یہ جملہ قسم کے قائم مقام ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے مابعد پر لام داخل ہے، گو وہ جواب قسم ہے، اور نَشْھَدُ بمعنی نحلف ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ نَشْھَدُ اپنے معنی ہی میں ہو اور مقصد اپنے اوپر سے نفاق کی تہمت کو دفع کرنا ہو۔

قَوْلُہٗ: وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُہٗ، نَشْھَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰہِ اور وَاللّٰہُ یَشْھَدُ الخ کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

قَوْلُہٗ: جُنَّۃٌ جیم کے ضمہ کے ساتھ یعنی ڈھال، وقایہ، جمع جُنَنٌ.

قَوْلُہٗ: باللِّسان، بِاَنَّھُمْ آمَنُوْا کے بعد باللِّسان کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَالٌ: منافقین کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ ایمان لائے اس کے بعد کفر اختیار کیا حالانکہ وہ سرے سے ایمان ہی نہیں لائے تو پھر ثُمَّ کَفَرُوْا کہنے کا کیا مقصد ہے؟

جَوَابٌ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ثُمَّ ترتیب اخباری کے لئے ہے نہ کہ ترتیب ایجادی کے لئے مطلب یہ ہے کہ لسانی طور پر ایمان لائے اور قلوب سے کفر اختیار کیا، لہٰذا اب کوئی اشکال باقی نہیں رہا۔

قَوْلُہٗ: تسمَعْ لِقَوْلِھِمْ.

سَوَالٌ: تَسْمَعْ کا صلہ لام نہیں آتا حالانکہ یہاں تَسْمَعُ کا صلہ لام استعمال ہوا ہے۔

جَوَابٌ: تَسْمَعْ، تَصْغی کے معنی کو متضمن ہے جس کی وجہ سے تسمع کا صلہ لام لانا درست ہے۔

قَوْلُہٗ: کَاَنَّھُمْ خُشُبٌ مُسَنَّدَۃٌ اس میں دو وجہ ہیں اول یہ کہ یہ جملہ مستانفہ ہے، دوسری یہ کہ مبتداء محذوف کی خبر ہے، اور وہ ھُمْ ہے، ای ھُمْ کَاَنَّھُمْ.

قَوْلُہٗ: فِی تَرْکِ التَّفَھُّمِ یہ وجہ شبہ کا بیان ہے، یعنی منافقوں کو ان لکڑیوں سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جن کو دیوار سے لگا کر رکھ دیا گیا ہو، منافقین جن میں رأس المنافقین عبداللہ بن ابی بھی شامل ہے آپ ﷺ کی مجلس میں آکر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھتے تھے جسم و جثہ کے اعتبار سے لحیم شحیم تھے اور شکل وصورت میں بھی شکیل وجمیل تھے مگر دین کی کچھ بھی سمجھ بوجھ نہیں رکھتے تھے، یعنی جس طرح دیوار سے لگی لکڑی فی الوقت مفید و کارآمد نہیں ہوتی اسی طرح یہ لوگ بھی علم ونظر سے خالی تھے۔ (صاوی ملخصًا)

قَوْلُہٗ: یَحْسَبُوْنَ کُلَّ صَیْحَۃٍ عَلَیْھِمْ، کُلَّ صَیْحَۃٍ، یَحْسَبُوْنَ کا مفعول بہ اول ہے اور عَلَیْھِمْ مفعول بہ ثانی ہے ای

كَائِنَةٌ عَلَيْهِمْ.

قَوْلُهُ: تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ، تَعَالَوْا اور يَسْتَغْفِرْ، رَسُوْلُ اللّٰهِ میں تنازع کررہے ہیں، تَعَالَوْا مفعول چاہتا ہے اور يَسْتَغْفِرْ فاعل چاہتا ہے، بصریین کے مذہب کے مطابق فعل ثانی کو عمل دیکر اول کیلئے مفعول محذوف مان لیا گیا ہے ای تَعَالَوْا اِلَيْهِ.

قَوْلُهُ: لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ، اذا کا جواب ہے۔

قَوْلُهُ: لَوَّوْا صیغہ جمع مذکر غائب فعل ماضی معروف باب تفعیل سے، مصدر تَلْوِيَة. لَیٌّ مادہ ہے گھمانا، مٹکانا وغیرہ وغیرہ۔

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

سورۂ منافقون کے نزول کا مفصل واقعہ:

جو واقعہ اس سورت کے نزول کا سبب بنا، وہ غزوۂ مریسیع جس کو غزوۂ بنی مصطلق بھی کہتے ہیں کے موقع پر پیش آیا تھا، جو محمد بن اسحٰق کی روایت کے مطابق شعبان ٦ھ میں اور قتادہ اور عروہ کی روایت کے مطابق ٢ رشعبان سن ٥ھ میں پیش آیا حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہی قول زیادہ صحیح ہے، اور دلیل اس کی یہ ہے کہ سعد بن معاذ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کا اس غزوہ میں شریک ہونا صحیح بخاری میں مذکور ہے اور روایات صحیحہ اور احادیث معتبرہ سے یہ ثابت ہے کہ سعد بن معاذ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے غزوۂ خندق سے فارغ ہوکر غزوۂ بنی قریظہ کے زمانہ میں وفات پائی جو سن ٥ھ میں ہوا ہے پس اگر غزوۂ مریسیع سن ٦ھ میں غزوۂ بنی قریظہ کے ایک سال بعد مانا جائے تو سعد بن معاذ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کی اس میں شرکت کیسے ممکن ہوسکتی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سن ٥ھ کی روایت صحیح ہے۔

غزوۂ مریسیع کا سبب:

رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ قبیلۂ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے بہت سی فوج جمع کر رکھی ہے اور حملہ آور ہونے کی تیاری میں ہے آپ ﷺ نے اس خبر کی تصدیق کیلئے بریدہ بن حصیب اسلمی رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کو روانہ فرمایا، بریدہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے آکر خبر کی تصدیق کی، آپ ﷺ نے صحابہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ کو خروج کا حکم دیا، صحابہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ فوراً تیار ہوگئے، تیس گھوڑے ہمراہ لئے جن میں سے دس مہاجرین کے اور بیس انصار کے تھے، اس مرتبہ مال غنیمت کی طمع میں منافقین کی بھی ایک بڑی تعداد ہمراہ ہوگئی تھی آپ ﷺ نے مدینہ میں زید بن حارثہ کو نائب مقرر فرمایا اور ازواج مطہرات میں سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا اور ام المومنین ام سلمہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا کو ساتھ لیا اور ٢ر شعبان دوشنبہ سن ٥ھ کو مریسیع کی طرف روانہ ہوئے۔

مریسیع ایک چشمہ یا تالاب کا نام ہے، اسی مقام پر بنی مصطلق سے مقابلہ ہوا آپ ﷺ نے تیز رفتاری کے ساتھ چل کر اچانک ان پر حملہ کردیا اس وقت وہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے، اُن کے دس آدمی مقتول ہوئے اور باقی مرد عورت، بچے، بوڑھے سب گرفتار کر لئے گئے، دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں مال غنیمت میں ہاتھ آئیں دو سو گھرانے قید ہوئے، انہیں قیدیوں میں بنی مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی جویریہ بھی تھیں، مال غنیمت کی تقسیم کے نتیجے میں جویریہ ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں آئیں ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو ایک بڑی رقم کے عوض مکاتبہ بنا دیا۔

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بدل کتابت کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس مالی تعاون کے لئے آئیں اور صورت حال بتاتے ہوئے عرض کیا کہ: میں سردار بنی مصطلق حارث بن ابی ضرار کی بیٹی ہوں، میری اسیری کا حال آپ ﷺ پر مخفی نہیں، میں تقسیم میں ثابت بن قیس کے حصہ میں آئی ہوں، انہوں نے مجھے مکاتبہ بنا دیا ہے اب میں بدل کتابت میں آپ سے مدد کے لئے حاضر ہوئی ہوں۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں تم کو اس سے بہتر چیز بتلاتا ہوں اگر تم پسند کرو، وہ یہ کہ تمہاری طرف سے بدل کتابت کی رقم میں ادا کردوں اور آزاد کر کے تم کو اپنی زوجیت میں لے لوں، حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا میں اس پر راضی ہوں۔

(سیرت المصطفیٰ، رواہ ابو داؤد)

ادھر جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد حارث بن ابی ضرار، عبداللہ بن زیاد کی روایت کے مطابق بہت سے اونٹ لے کر مدینہ حاضر ہوئے تاکہ زرفدیہ دے کر اپنی بیٹی جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آزاد کرالائیں، نہایت عمدہ قسم کے دو اونٹ جو نہایت پسندیدہ تھے ایک گھاٹی میں چھپا دیئے مدینہ پہنچ کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور وہ اونٹ آپ ﷺ کی خدمت میں اپنی بیٹی کے زرفدیہ کے طور پر پیش کئے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ دو اونٹ کہاں ہیں جو تم فلاں گھاٹی میں چھپا آئے ہو؟ حارث نے کہا؟ "اَشْهَدُ اَنَّكَ رسول الله" میں گواہی دیتا ہوں بے شک آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اللہ کے سوا اس کا کسی کو علم نہ تھا اللہ ہی نے آپ ﷺ کو اس سے مطلع کردیا۔

الغرض آپ ﷺ نے حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جب یہ معلوم ہوا تو بنی مصطلق کے تمام قیدیوں کو آزاد کردیا کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے دامادی رشتہ دار ہیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سیرت المصطفیٰ)۔

ایک ناخوشگوار واقعہ:

ابھی مسلمانوں کا لشکر چشمہ مریسیع پر ہی تھا کہ ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آگیا، جو کہ پانی کے چشمے پر ایک مہاجر جن کا نام جہجاہ تھا اور ایک انصاری جن کا نام سنان بن وبرہ تھا کے درمیان پیش آیا تھا، صورت واقعہ کی یہ ہوئی کہ جہجاہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

ملازم تھے جوان کے گھوڑے کی نگہداشت کرتے تھے، ان کے اور سنان کے درمیان پانی کے سلسلے میں چہ می گوئیاں ہوگئیں اور بات زیادہ بڑھ گئی حتی کہ ہاتھا پائی کی نوبت آگئی جہجاہ مہاجری نے انصاری کے ایک طمانچہ یا لات ماردی، مہاجر نے اپنی مدد کے لئے مہاجرین کو انصاری نے اپنی مدد کے لئے انصار کو آواز دی، دونوں طرف سے کچھ لوگ جمع ہوگئے قریب تھا کہ باہم مسلمانوں میں ایک فتنہ کھڑا ہو جائے جب آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ فوراً موقع پر پہنچے اور سخت ناراضی کے ساتھ فرمایا "مَا بَالُ دَعْوَى الجَاهِلِيَة" یہ جاہلیت کا نعرہ کیسا ہے؟ اور آپ ﷺ نے فرمایا "دَعُوْهَا فَاِنَّهَا مُنْتِنَةٌ" اس نعرہ کو چھوڑ دو یہ بدبودار نعرہ ہے، اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر مسلمان کو اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرنی چاہئے خواہ ظالم ہو یا مظلوم، مظلوم کی مدد کرنا تو ظاہر ہے، اور ظالم کی مدد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکے کیونکہ اس کی حقیقی مدد یہی ہے۔

آپ ﷺ کا یہ ارشاد سنتے ہی جھگڑا ختم ہوگیا، تحقیق سے زیادتی جہجاہ مہاجری کی ثابت ہوئی، عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سمجھانے سے سنان بن وبرہ نے اپنا حق معاف کردیا، اور دونوں جھگڑنے والے پھر آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔

عبداللہ بن اُبی کی شرارت:

جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ اس غزوہ میں مال غنیمت کی طمع میں بہت سے منافق اور خود عبداللہ بن اُبی ابن سلول بھی شریک ہوگیا تھا، عبداللہ بن اُبی نے موقع کو غنیمت سمجھا اور مسلمانوں میں نااتفاقی پیدا کرنے اور فتنہ برپا کرنے کی پوری کوشش کی، اور اپنی مجلس میں جس میں منافقین جمع تھے اور مومنین میں سے صرف زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے اس وقت حضرت زید کم عمر تھے عبداللہ بن اُبی نے مجلس میں انصار کو مہاجرین کے خلاف بھڑکایا، اور کہنے لگا تم نے ان کو اپنے وطن میں بلا کر اپنے سروں پر مسلط کیا اپنے اموال اور جائداد ان کو تقسیم کرکے دے دیئے، یہ تمہاری ہی روٹیوں پر پلے ہوئے اب تمہارے ہی مقابلہ پر آگئے ہیں اس کی مثال سمّن کلبك یا کلك ہے "اگر تم نے اب بھی اپنے انجام کو نہ سمجھا تو آگے یہ تمہارا جینا مشکل کردیں گے" اس لئے تمہیں چاہئے کہ آئندہ ان کی مالی مدد نہ کرو جس سے یہ خود منتشر ہو جائیں گے، اور اب تمہیں چاہئے کہ جب تم مدینہ پہنچ جاؤ تو عزت والا ذلت والوں کو نکال دے، اس نے عزت والے سے خود کو مراد لیا اور ذلت والوں سے مراد مسلمانوں کو لیا، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اس کا یہ کلام سنا تو فوراً بول پڑے کہ واللہ تو ہی ذلیل وخوار ومبغوض ہے، عبداللہ بن اُبی کو جب محسوس ہوا کہ میرا نفاق ظاہر ہو جائے گا تو باتیں بنانے لگا اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنے لگا کہ میں نے تو یہ بات یوں ہی ہنسی مذاق میں کہہ دی تھی۔

حضرت زید بن ارقم عبداللہ منافق کی مجلس سے اٹھ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا واقعہ سنایا، رسول اللہ ﷺ پر یہ خبر شاق گذری، زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کم عمر صحابی تھے، آپ ﷺ نے فرمایا اے لڑکے تم جھوٹ تو نہیں بول رہے ہو؟ زید بن ارقم نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے یہ الفاظ خود اپنے کانوں سے سنے ہیں، آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہیں تم کو شبہ تو نہیں ہوگیا؟ مگر زید نے پھر وہی جواب دیا، پھر اس بات کا پورے لشکر میں چرچا ہونے لگا۔

جب حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو عبداللہ بن اُبَیّ کی گستاخی اور فتنہ پردازی کا علم ہوا تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن ماردوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا اے عمر! اس کا انجام کیا ہوگا؟ لوگوں میں یہ شہرت دی جائے گی کہ میں اپنے اصحاب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو قتل کر دیتا ہوں؟ اس لئے آپ ﷺ نے عبداللہ منافق کے قتل سے عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو روک دیا، اس واقعہ کی خبر جب عبداللہ بن اُبَیّ منافق کے صاحبزادے عبداللہ بن عبداللہ مومن کو ہوئی تو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اگر آپ ﷺ کا ارادہ اس گفتگو کے نتیجے میں میرے والد کو قتل کرنے کا ہے؟ تو آپ ﷺ اجازت دیجئے میں اپنے باپ کا سر قبل اس کے کہ آپ ﷺ اپنی مجلس سے اٹھیں آپ کی خدمت میں پیش کردوں، آپ ﷺ نے فرمایا میرا ارادہ اس کو قتل کرنے کا نہیں ہے اور نہ میں نے کسی کو اس کا حکم دیا۔

اس واقعہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عام عادت کے خلاف بے وقت سفر کرنے کا اعلان عام فرما دیا اور آپ ﷺ بھی اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار ہو گئے، جب عام صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ روانہ ہو گئے تو آپ ﷺ نے عبداللہ منافق کو بلایا اور دریافت فرمایا کہ کیا تم نے ایسا کہا ہے؟ عبداللہ منافق قسم کھا گیا کہ میں نے ایسا نہیں کہا یہ لڑکا زید بن ارقم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ جھوٹا ہے، جس کی وجہ سے آپ ﷺ نے عبداللہ منافق کا عذر قبول فرمالیا اور زید بن ارقم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اپنی رسوائی کے سبب لوگوں سے چھپے رہنے لگے۔

آپ ﷺ پورے دن اور پوری رات اپنی عادت کے برخلاف سفر کرتے رہے، جب دھوپ تیز ہوگئی تو آپ ﷺ نے ایک جگہ قافلہ کو ٹھہرنے کا حکم فرمایا، قافلہ مسلسل شب و روز چلنے کی وجہ سے چونکہ تھکا ہوا تھا فوراً منزل پر اترتے ہی محوِ خواب ہو گیا۔

ادھر زید بن ارقم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ بار بار آنحضرت ﷺ کے قریب آتے تھے کیونکہ ان کو پورا یقین تھا کہ اس شخص عبداللہ منافق نے مجھے پوری قوم میں جھوٹا ثابت کر کے رسوا کیا ہے اللہ تعالیٰ ضرور میری تصدیق اور اس شخص کی تکذیب میں قرآن نازل فرمائے گا، اچانک زید بن ارقم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے دیکھا کہ آپ ﷺ پر وہ کیفیت طاری ہوئی جو وحی کے وقت ہوتی تھی تو زید سمجھ گئے کہ اس بارے میں ضرور کوئی وحی نازل ہوئی ہوگی، جب آپ ﷺ کی یہ کیفیت رفع ہوئی تو زید بن ارقم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہی فرماتے ہیں کہ میری سواری چونکہ آپ ﷺ کی سواری کے قریب تھی آپ ﷺ نے اپنی سواری ہی پر سے میرا کان پکڑا اور فرمایا، یَا غلام! صَدَّقَ اللّٰہُ حَدِیْثَكَ اور پوری سورۃ المنافقون عبداللہ بن اُبَیّ کے بارے میں نازل ہوئی۔ (معارف)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ تُشْغِلْكُم اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ الصَّلَوَاتِ الخَمْسِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۝ وَاَنْفِقُوْا فِي الزَّكَاةِ مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ بمعنى بلاً او لا زائدة ولو للتمني اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ بِإدْغَامِ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الصَّادِ اَتَصَدَّقُ بالزكوة وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ۝ بان اَحُجَّ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ مَا قَصَّرَ اَحَدٌ فِي الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ اِلَّا

سأل الرجعة عند الموت وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بالتاء والياء.

تَرْجَمَہ: اے مسلمانو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تم کو اللہ کے ذکر پنج وقتہ نماز سے غافل نہ کردیں اور جو ایسا کریں وہ بڑے زیاں کاروں میں ہیں اور جو کچھ ہم نے تم کو دے رکھا ہے اس میں سے زکوۃ میں خرچ کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے تو کہنے لگے اے میرے پروردگار! تو نے مجھے تھوڑی دیر کی مہلت نہیں دی؟ (لَولا) بمعنی هَلّا یا لا زائدہ ہے، اور لَو تمنی کے لئے ہے کہ میں صدقہ کروں اور نیک لوگوں میں سے ہو جاؤں، کہ حج کروں، (فَاَصَّدَّقَ) تاء کو اصل میں صاد میں ادغام کرکے، یعنی زکوۃ ادا کروں، ابن عباس رَضِیَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا نے فرمایا، کسی نے حج وزکوۃ میں کوتاہی نہیں کی مگر یہ کہ اس نے موت کے وقت (دنیا میں) واپسی کا سوال نہ کیا ہو، اور جب کسی کا وقت مقرر آجاتا ہے پھر اس کو اللہ تعالیٰ ہرگز مہلت نہیں دیتا اور جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے بخوبی واقف ہے یاء اور تاء کے ساتھ۔

تَحقیق و تَرکیب و تَسہیل و تَفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: اَنْ يَأْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ، ای اماراتُهٗ، وَمقدماتُهٗ مضاف محذوف ہے اس لئے کہ موت کے بعد کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔

قِوْلَہٗ: لَوْلَا، بمعنی هَلّا یعنی لولا تحضیضیہ ہے جو کہ ماضی کے ساتھ خاص ہے مگر معنی میں مضارع کے ہے جیسا کہ یہاں مناسب یہ ہے کہ لَوْلَا التماس، دعاء، عرض، گذارش کے معنی میں ہو، اس لئے کہ لَوْلَا تحضیضیہ کا یہاں کوئی موقع نہیں ہے دوسری صورت یہ کہ لَوْلَا میں لَا زائدہ ہو اور لَوْ بمعنی تمنا ہو، ای لَيْتَكَ اَخَّرْتَنِي.

قِوْلَہٗ: اَجَلٍ قَرِيْبٍ، ای زمانٍ قليلٍ.

قِوْلَہٗ: واَكُنْ (ن) سے، اصل میں اَكُوْنَ تھا مصحف عثمانی کے رسم الخط کے مطابق بغیر واؤ کے لکھا گیا ہے ورنہ اَكُوْنَ ہونا چاہئے تلفظ میں دونوں صورتیں جائز ہیں واؤ اور حذف واؤ کے ساتھ اور اس کو فَاَصَّدَّقَ پر عطف کرتے ہوئے نصب ہوگا اور محل فَاَصَّدَّقَ پر عطف ہونے کی وجہ سے حذف واؤ اور جزم ہوگا، فَاَصَّدَّقَ اصل میں فَاَتَصَدَّقَ تھا جمہور نے تاء کو صاد میں ادغام کرکے پڑھا ہے اور یہ جواب تمنی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قِوْلَہٗ: وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا یہ جملہ مستانفہ ہے جو کہ سوال مقدر کا جواب ہے تقدیر عبارت یہ ہے هَلْ يُؤَخِّرُ هذا للتَّمنِّي، فَقَال، وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا الخ.

تفسیر و تشریح

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا: یہاں تمام ان لوگوں سے خطاب ہے جو دائرۂ اسلام میں داخل ہوں قطع نظر اس سے کہ سچے مومن ہوں یا محض زبانی اقرار کرنے والے، اس عام خطاب کے ذریعہ ایک کلمہ نصیحت ارشاد فرمایا جا رہا ہے یہ بات تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ قرآن مجید میں اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے ذریعہ کبھی تو سچے اہل ایمان کو خطاب کیا جاتا ہے اور کبھی اس کے مخاطب منافقین ہوتے ہیں؛ کیونکہ وہ زبانی اقرار کرنے والے ہوتے ہیں اور کبھی بالعموم ہر طرح کے مسلمان اس سے مراد ہوتے ہیں، کلام کا موقع و محل بتا دیتا ہے کہ کہاں کونسا گروہ مراد ہے؟

اس سورت کے پہلے رکوع میں منافقین کی جھوٹی قسموں اور ان کی سازشوں کا ذکر تھا اور ان سب کا مقصد دنیا کی محبت سے مغلوب ہونا تھا، اسی وجہ سے ظاہر میں اسلام کا دعویٰ کرتے تھے کہ مسلمانوں کی زد سے بچے رہیں اور مال غنیمت سے حصہ بھی ملے، اس دوسرے رکوع میں خطاب مخلص مومنین کو ہے جس میں ان کو ڈرایا گیا ہے کہ دنیا کی محبت میں ایسے مدہوش اور غافل نہ ہو جائیں جیسے منافقین ہو گئے، دنیا کی سب سے بڑی دو چیزیں ہیں جو انسان کو اللہ سے غافل کرتی ہیں، مال اور اولاد، اس لئے خاص طور پر ان کا نام لیا گیا ہے ورنہ مراد اس سے پوری متاع دنیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ مال و اولاد کی محبت تم پر اتنی غالب نہ آجائے کہ تم اللہ کے بتلائے ہوئے احکام و فرائض سے غافل ہو جاؤ اور اللہ کی قائم کردہ حدود کی پرواہ نہ کرو، منافقین کے ذکر کے فوراً بعد اس تنبیہ کا مقصد یہ ہے کہ یہ منافقین کا شیوہ اور کردار ہے جو انسان کو خسارہ میں ڈال دیتا ہے، اہل ایمان کا کردار اس کے برعکس ہوتا ہے، وہ یہ کہ وہ ہر وقت اللہ کو یاد رکھتے ہیں یعنی اس کے احکام کی پابندی اور حلال و حرام کے درمیان تمیز کرتے ہیں۔

فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا سے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں فرمایا کہ جس شخص کے ذمہ زکوٰۃ واجب تھی اور ادا نہیں کی یا حج فرض تھا مگر نہیں کیا، وہ موت سامنے آ جانے کے بعد اللہ تعالیٰ سے اس کی تمنا کرے گا کہ میں پھر دنیا کی طرف لوٹ جاؤں یعنی موت میں کچھ مہلت مل جائے تاکہ میں صدقہ خیرات کرلوں اور فرائض سے سبکدوش ہو جاؤں، مگر حق تعالیٰ شانہ نے اگلی آیت لَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ (الآیة) میں بتلا دیا کہ موت کے آ جانے کے بعد کسی کو مہلت نہیں دی جاتی یہ تمنائیں لغو اور فضول ہیں۔ (معارف)



سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ التغابُنِ مَكِيّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ ثمانِى عَشرَةَ اية.

سورۂ تغابن مکی ہے یا مدنی ہے، اٹھارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ يُنزهُهُ فاللامُ زائدةٌ واتى بما، دون من تغليبًا للاكثر ﴿لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ① ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ﴾ في اصلِ الخِلقة ثم يُميتُهم ويُعيدُهم على ذلك ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ ② ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ﴾ اذ جعل شكلَ الآدميِّ احسنَ الاشكال ﴿وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ﴾ ③ ﴿يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ ④ بما فيها مِنَ الاسرار والمُعتقداتِ ﴿اَلَمْ يَاْتِكُمْ﴾ يا كُفّار مكة ﴿نَبَؤُا﴾ خبر ﴿الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ﴾ عُقوبة كُفرهم في الدُنيا ﴿وَلَهُمْ﴾ في الآخرة ﴿عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ ⑤ مُؤلمٌ ﴿ذٰلِكَ﴾ اي عذابُ الدُنيا ﴿بِاَنَّهٗ﴾ ضميرُ الشان ﴿كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ الحُجَجِ الظاهِرات على الايمان ﴿فَقَالُوْا اَبَشَرٌ﴾ أُريدَ به الجنسُ ﴿يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا﴾ عن الايمان ﴿وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ﴾ عن ايمانهم ﴿وَاللّٰهُ غَنِيٌّ﴾ عن خلقه ﴿حَمِيْدٌ﴾ ⑥ محمودٌ في افعاله ﴿زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنْ﴾ مُخففةٌ واسمُها محذوفٌ اي انهم ﴿لَّنْ يُّبْعَثُوْا قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾ ⑦ ﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ﴾ القُرآن ﴿الَّذِيْ اَنْزَلْنَا وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ ⑧ أُذكر ﴿يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ﴾ يوم القيامة ﴿ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ﴾ يغبن المؤمنون الكافرين باخذ منازلهم واهليهم في الجنة لو آمنوا ﴿وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ﴾ وفي قراءةٍ بالنون في الفعلين ﴿جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ ⑨ ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ القرآن ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾ ⑩ هي.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، آسمانوں اور زمین میں جو بھی چیزیں ہیں

وہ اللہ کی تسبیح پاکی بیان کرتی ہیں للّٰہ میں ـ م زائدہ ہے اور مَنْ کے بجائے ما کو لایا گیا ہے اکثر کو غلبہ دینے کے لئے، اسی کی سلطنت ہے اسی کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اس نے تم کو پیدا کیا، سوتم میں سے بعضے تو اصل خلقت میں کافر ہیں اور بعضے مومن پھر وہ اس کے مطابق تم کو موت دے گا، اور لوٹائے گا، اور جو کچھ تم کر رہے ہو، اللہ تعالیٰ اس کو خوب دیکھ رہا ہے، اسی نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا فرمایا اور اسی نے تمہاری صورتیں بنائی، اور بہت اچھی بنائیں، اس لئے کہ اس نے انسانی شکل کو سب شکلوں میں بہتر بنایا، اور اسی کی طرف لوٹنا ہے، وہ آسمان اور زمین کی ہر ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور جو تم چھپاؤ اور جو تم ظاہر کرو، وہ اس کو جانتا ہے اور اللہ تو دلوں کے رازوں یعنی اسرار و معتقدات کو بھی جانتا ہے اے کفار مکہ! کیا تمہارے پاس پہلے کافروں کی خبریں نہیں پہنچیں؟ جنہوں نے اپنے اعمال کا وبال یعنی کفر کا انجام دنیا میں چکھ لیا اور آخرت میں ان کے لئے دردناک عذاب ہے یہ یعنی دنیا کا عذاب اس لئے ہے کہ ان کے پاس (بانّہٗ) میں ضمیر شان ہے ان کے رسول ایمان پر دلالت کرنے والی واضح دلیلیں لے کر آئے، تو انہوں نے کہہ دیا کہ کیا انسان ہماری رہنمائی کرے گا؟ بشر سے جنس بشر مراد ہے سو انکار کر دیا اور ایمان سے منہ پھیر لیا اور اللہ نے بھی ان کے ایمان سے بے نیازی کی، اللہ اپنی مخلوق سے بے نیاز ہے، وہ اپنے افعال میں محمود ہے ان کافروں نے خیال کیا کہ دوبارہ ہرگز نہ اٹھائے جائیں گے، ان مخففہ من الثقیلہ ہے اس کا اسم محذوف ہے ای انھم، آپ کہہ دیجئے کہ کیوں نہیں؟ میرے رب کی قسم تم دوبارہ ضرور اٹھائے جاؤ گے، پھر تمہیں تمہارے کئے ہوئے اعمال کی خبر دی جائے گی اور اللہ کے لئے یہ بالکل آسان ہے سو تم اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر اور نور یعنی قرآن پر جس کو ہم نے نازل کیا ہے ایمان لے آؤ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے اس دن کو یاد کرو جس دن تم کو جمع کرنے کے دن یعنی قیامت کے دن جمع کریگا وہی دن ہے ہار جیت کا مومنین کافروں کو ہرا دیں گے جنت میں ان کے گھروں کو اور ان کے اہل کو لے کر، اگر وہ ایمان لاتے اور جو شخص اللہ پر ایمان لایا اور نیک اعمال کئے اللہ اس کی برائیاں دور کر یگا اور اس کو ایسی جنت میں داخل کرے گا جس میں نہریں جاری ہوں گی اس میں ہمیشہ رہیں گے، یہی بہت بڑی کامیابی ہے اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں قرآن کو جھٹلایا یہی لوگ جہنمی ہیں، جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ ان کا برا ٹھکانہ ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

سورۂ تغابن مکی ہے سوائے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ الخ کے یہ آیت مدینہ میں عوف بن مالک کے بارے میں نازل ہوئی۔

قَوْلُہٗ: لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ دونوں میں جار مجرور کو حصر کے لئے مقدم کیا گیا ہے اس لئے کہ حقیقی ملک اور حقیقی حمد اللہ ہی کی ہے، اگرچہ مجازی طور پر غیر اللہ کی بھی ملک و حمد ہوتی ہے۔

قَوْلُہٗ: وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ یہ ما قبل کی دلیل کے طور پر ہے۔

قولہ: ثُمَّ يُمِيتُهُمْ وَيُعِيدُهُمْ اس میں خطاب سے غیبت کی طرف التفات ہے اس لئے کہ موقع يُمِيتُكُمْ وَيُعِيدُكُمْ کا ہے۔

قولہ: فَذَاقُوْا اس کا عطف كَفَرُوْا پر ہے، یہ عطف مسبب علی السبب کے قبیل سے ہے، اس لئے کہ کفر، ذوق وبال کا سبب ہے۔

قولہ: وَبَال ثقل، شدت، اعمال کی تحت سزا (کرم) سے۔

قولہ: أُرِيدَبِهِ الجنس اس عبارت کے اضافہ کا مقصد بَشَرٌ اور يَهْدُوْنَنَا میں مطابقت ثابت کرنا ہے یا کہا جا سکتا ہے کہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: سوال یہ ہے کہ يَهْدُوْنَنَا کی ضمیر بَشَرٌ کی طرف راجع ہے حالانکہ مرجع مفرد ہے اور ضمیر جمع ہے۔

جواب: جواب کا ماحصل یہ ہے کہ بَشَـــرٌ سے جنس بشر مراد ہے لہٰذا بشر میں جمعیۃ کے معنی موجود ہیں جس کی وجہ سے کوئی اعتراض نہیں ہے۔

قولہ: زَعَمَ، متعدی بدو مفعول ہے اور لَنْ يُبْعَثُوْا قائم مقام دو مفعولوں کے ہے۔

قولہ: فَآمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ یہ مکہ کے کافروں سے خطاب ہے اور فاء، جواب شرط پر واقع ہے، اور شرط محذوف ہے أَيْ إِذَا كَانَ الْأَمْرُ كذالك فَآمنوا.

تفسیر وتشریح

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ آسمان اور زمین کی ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی ہر نقص وعیب سے تنزیہ اور تقدیس بیان کرتی ہے، زبان حال سے بھی اور زبان قال سے بھی۔

لَهُ الملكُ ولهُ الحمد (الآیۃ) یہ پوری کائنات اسی کی سلطنت میں ہے اگر کسی کو کوئی اختیار حاصل بھی ہے تو وہ اسی کا عطا کردہ ہے جو عارضی ہے، اگر کسی کے پاس کچھ حسن وکمال ہے تو اسی کے مبدأ فیض کی کرم گستری کا نتیجہ ہے جب چاہے سلب کر سکتا ہے اس لئے اصل تعریف کا مستحق بھی صرف وہی ہے۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ انسان کے لئے خیر وشر، نیکی وبدی اور کفر وایمان کے راستوں کی وضاحت کے بعد اللہ نے انسان کو ارادہ واختیار کی جو آزادی بخشی ہے اسی کی رو سے کسی نے کفر کا اور کسی نے ایمان کا راستہ اپنایا ہے اس نے کسی پر جبر نہیں کیا، اگر وہ جبر کرتا تو کوئی شخص بھی کفر ومعصیت کا راستہ اختیار کرنے پر قادر نہ ہوتا، لیکن اس طرح انسان کی آزمائش ممکن نہیں تھی، جب کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت انسان کو آزمانا تھا "الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ والحيوة لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا؟" (سورۃ الملک) لہٰذا جس طرح کافر کا خالق اللہ ہے، کفر کا خالق بھی اللہ ہے لیکن یہ کفر اس کافر کا عمل وکسب ہے، جس نے اسے اپنے ارادے سے اختیار کیا ہے، اسی طرح مومن اور مومن کے ایمان کا خالق

بھی اللہ ہی ہے لیکن ایمان اس مومن کا کسب و عمل ہے جس نے اسے اختیار کیا ہے اور اس کسب و عمل پر دونوں کو ان کے عملوں کے مطابق جزا و سزا ملے گی کیونکہ وہ سب کے عمل کو دیکھ رہا ہے۔

انسانوں کی صرف دو ہی قسمیں ہیں:

قرآن حکیم نے انسانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے، کافر اور مومن، جس سے معلوم ہوا کہ اولاد آدم سب ایک برادری ہے اور دنیا کے پورے انسان اس برادری کے افراد ہیں، اس برادری کو دو گروہوں میں تقسیم کرنے والی چیز صرف کفر ہے جو شخص کافر ہو گیا اس نے انسانی برادری کا رشتہ توڑ دیا، اس طرح پوری دنیا میں انسانوں میں تحزب اور گروہ بندی صرف ایمان و کفر کی بنا پر ہو سکتی ہے، رنگ اور زبان، نسب و خاندان، وطن اور ملک میں سے کوئی چیز ایسی نہیں کہ جو انسانی برادری کو مختلف گروہوں میں بانٹ دے، ایک باپ کی اولاد اگر مختلف شہروں اور علاقوں میں بسنے لگے یا مختلف زبانیں بولنے لگے یا ان کے رنگ میں تفاوت ہو تو وہ الگ الگ گروہ نہیں ہو جاتے، اختلاف رنگ و زبان وطن و ملک کے باوجود یہ سب آپس میں بھائی ہی ہوتے ہیں، کوئی سمجھدار انسان ان کو مختلف گروہ قرار نہیں دے سکتا۔ (معارف)

بدبودار نعرہ:

ایک مرتبہ پانی کے معاملہ میں ایک انصاری اور مہاجر کے درمیان جھگڑا ہو گیا، نوبت زبانی تکرار سے بڑھ کر، ہاتھا پائی تک پہنچ گئی انصاری نے انصار کو اور مہاجر نے مہاجرین کو مدد کے لئے پکارا، دونوں طرف سے لوگ جمع ہو گئے مسلمانوں میں فتنہ برپا ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا، جب آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ موقع پر تشریف لے گئے اور سخت ناراضی کے ساتھ فرمایا ''مَا بَالُ دعوی الجاهلية'' یہ جاہلیت کا نعرہ کیسا ہے؟ اور آپ ﷺ نے فرمایا ''دَعُوْهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ'' اس نعرہ کو چھوڑ دو یہ بدبودار ہے۔

وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ اس نے تمہاری صورتیں بنائیں اور بہترین صورتیں بنائیں، صورت گری درحقیقت خالق کائنات کی ایک مخصوص صفت ہے، اسی لئے اسماء الہیہ میں اللہ تعالیٰ کا نام مُصَوِّرْ آیا ہے، غور کرو تو کائنات میں کتنی اجناس مختلفہ ہیں اور ہر جنس میں کتنی انواع مختلفہ ہیں کسی کی شکل صورت کسی سے نہیں ملتی، ایک انسان ہی کو لے لیجئے کہ انسانی چہرہ جو چھ سات مربع انچ سے زیادہ کا نہیں، اربوں انسانوں کا ایک ہی قسم کا چہرہ ہونے کے باوجود ایک کی صورت بالکلیہ دوسرے سے نہیں ملتی کہ پہچاننا دشوار ہو جائے، مذکورہ آیت میں انسان کی بہترین صورت گری کو بطور احسان ذکر فرمایا ہے یعنی شکل انسانی کو ہم نے تمام کائنات میں سب صورتوں سے زیادہ حسین بنایا ہے، کوئی انسان اپنی جماعت میں خواہ کتنا ہی بدشکل اور بدصورت کیوں نہ سمجھا جاتا ہو مگر باقی تمام حیوانات کی اشکال کے اعتبار سے وہ بھی حسین ہے ''فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الخالقين''۔

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التغابن قیامت کو ''یوم الجمع'' اس لئے کہا گیا ہے کہ اس دن اولین و آخرین ایک

ہی میدان میں جمع کئے جائیں گے، اور اس دن کو یوم التغابن، خسارہ کا یا ہار جیت کا دن، اس لئے کہا گیا ہے کہ اس دن ایک گروہ نقصان میں اور ایک گروہ فائدے میں رہے گا یا ایک گروہ جیت جائے گا اور دوسرا گروہ ہار جائے گا، اہل حق باطل پر، اہل ایمان اہل کفر پر اور اہل طاعت اہل معصیت پر سبقت لے جائیں گے، سب سے بڑی جیت اہل ایمان کو یہ حاصل ہوگی کہ وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے اور وہاں ان گھروں کے بھی مالک بن جائیں گے جو جہنمیوں کے لئے تھے اگر وہ ایمان لاتے، اور سب سے بڑی ہار جہنمیوں کی ہوگی یہ کہ ان کے لئے جنت میں جو نعمتیں رکھی تھیں (اگر وہ ایمان لاتے) ان سے محروم ہو جائیں گے، جنتی بھی اپنا بایں معنی نقصان محسوس کریں گے کہ اگر وہ دنیا میں اور زیادہ نیک عمل کرتے تو ان کی نعمتوں میں اور زیادہ اضافہ ہوتا۔

مفلس کون ہے؟

صحیح مسلم اور ترمذی وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ سے سوال کیا کہ تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ نے عرض کیا جس شخص کے پاس مال و متاع نہ ہو تو ہم اس کو مفلس سمجھتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت میں اپنے اعمال صالحہ نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ وغیرہ لیکر آئے گا مگر اس کا حال یہ ہوگا کہ دنیا میں کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر بہتان لگایا ہوگا، کسی کو مارا یا قتل کیا ہوگا، کسی کا مال غصب کیا ہوگا (تو یہ سب جمع ہوں گے اور اپنے حقوق کا مطالبہ کریں گے) کوئی اس کی نماز لے جائے گا اور کوئی روزہ لے جائے گا تو کوئی زکوٰۃ اور دوسری حسنات لے جائے گا جب اس کی تمام نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو مظلوموں کے گناہ اس ظالم پر ڈال دیئے جائیں گے، اور ان کا بدلہ چکا دیا جائے گا جس کا انجام یہ ہوگا کہ اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ بقضائه وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ في قوله انّ المُصِيبة بقضائه يَهْدِ قَلْبَهٗ للصَّبر عليها وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۲﴾ البَيِّنُ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ بِاَنْ تُطِيعُوهُم فِي التَّخَلُّفِ عَنِ الخَيْرِ كَالجِهَادِ والهِجْرَةِ فَانَّ سَبَبَ نُزُوْلِ الاٰيةِ الاِطَاعَةُ فِي ذلِكَ وَاِنْ تَعْفُوْا عَنْهُمْ فِي تَثْبِيطِهِمْ اِيَّاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ الخَيْرِ مُعْتَلِّينَ بِمَشَقَّةِ فِرَاقِكُمْ عَلَيْهِمْ وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ لَكُمْ شَاغِلَةٌ عَنْ اُمُوْرِ الاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ فَلَا تُفَوِّتُوْهُ بِاشْتِغَالِكُمْ بِالاَمْوَالِ وَالاَوْلَادِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ناسخةٌ لقوله اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِه وَاسْمَعُوْا ما اُمِرْتُم به سَمَاعَ قَبُوْلٍ وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا فِي الطَّاعةِ خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ خبرُ يَكُنْ مُقَدَّرةٍ جوابَ الاَمْرِ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾ الفَائِزُوْنَ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا بِاَنْ تَتَصَدَّقُوا عَنْ طِيْبِ قَلْبٍ يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وفي قِرَاءَةٍ يُضَعِّفْهُ بِالتَّشْدِيْدِ بِالوَاحِدَةِ عَشْرًا اِلٰى سَبْعِمِائَةٍ وَاَكْثَرَ وَهُوَ التَّصَدُّقُ عَنْ طِيْبِ قَلْبٍ

وَيَغْفِرْلَكُمْ ما يشاء وَاللّٰهُ شَكُورٌ مُجازٍ على الطاعة حَلِيْمٌ في العقاب على المعصية عٰلِمُ الْغَيْبِ السرِّ وَالشَّهَادَةِ العلانية الْعَزِيْزُ في مُلكه الْحَكِيْمُ ۞ في صُنعه

ترجمہ: کوئی مصیبت قضاء الٰہی کے بغیر نہیں پہنچ سکتی جو اللہ پر اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ مصیبت تقدیر الٰہی ہی سے آتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو اس مصیبت پر صبر کی ہدایت دیتا ہے اور اللہ ہر شی کا جاننے والا ہے (اے لوگو!) اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اگر تم روگردانی کرو گے تو ہمارے رسولوں پر تو صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے، اللہ معبود برحق ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور مومنوں کو چاہئے کہ اللہ پر بھروسہ کریں، اے ایمان والو! تمہاری بعض بیویاں اور بعض بچے دشمن ہیں پس ان سے ہوشیار رہو کہ خیر سے پیچھے رہنے میں ان کی بات نہ مانو، مثلاً جہاد و ہجرت (وغیرہ میں) آیت کے نزول کا سبب ان باتوں میں اطاعت کرنا ہے اور اگر تم ان کو اس خیر سے تم کو روکنے کو معاف کردو حال یہ ہے کہ وہ تمہاری جدائی کی مدت جدائی کی مشقت بیان کریں، اور درگذر کردو، اور معاف کردو تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، تمہارے مال اور تمہاری اولاد سراسر تمہاری آزمائش ہیں اور اللہ کے پاس بڑا اجر ہے لہٰذا مال و اولاد میں مشغول ہو کر اس کو فوت نہ کرو جس قدر رہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو یہ آیت اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ کے لئے ناسخ ہے، اور جس بات کا تم کو حکم کیا جائے اس کو تسلیم کرنے کے طور پر سنو اور اطاعت کرو اور اس کی اطاعت میں خرچ کرو، جو تمہارے لئے بہتر ہے (خَيْرًا) يكن مقدر کی خبر (اور جملہ ہو کر) اَنْفِقُوْا امر کا جواب ہے اور جو شخص اپنے نفس کی حرص سے محفوظ رکھا جائے وہی کامیاب ہے، اگر تم اللہ کو اچھا قرض دو گے اس طریقہ پر کہ طیب خاطر سے خرچ کرو گے تو وہ اس کو تمہارے لئے بڑھاتا رہے گا اور ایک قراءت میں (يُضَعِّفُهُ) تشدید کے ساتھ صیغۂ افراد کے ساتھ ہے دس سے سات سو اور اس سے بھی زیادہ اور جو چاہے گا (تمہارے گناہ بھی) معاف فرما دے گا، اللہ بڑا قدر دان ہے یعنی طاعت پر اجر دینے والا بردبار ہے معصیت پر سزا دینے میں، غائب اور حاضر کا جاننے والا ہے اپنے ملک میں غالب ہے اور اپنی صنعت میں باحکمت ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُهُ: مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيْبَةٍ، أَصَابَ كا أَحَدًا مفعول بہ محذوف ہے اور مِنْ مُصِيْبَةٍ، مِنْ کی زیادتی کے ساتھ أَصَابَ کا فاعل ہے، تقدیر عبارت یہ ہے مَا أَصَابَ أَحَدًا مُصِيْبَةٌ.

قِوْلُهُ: في قوله اى في قول القائل

قِوْلُهُ: فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ اس کی جزاء محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَلَا ضَيْرَ وَلَا بَأْسَ عَلَى رَسُوْلِنَا

قِوْلُهُ: فَإِنَّمَا عَلَى رَسُوْلِنَا جزاء محذوف کی علت ہے۔

قَوْلُہٗ: اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، اللّٰه مبتداء ہے اور لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: اَنْ تُطِيْعُوْهُمْ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ مضاف محذوف ہے، یعنی اگر تمہاری ازواج اور اولاد کار خیر میں آڑے آئیں تو ان کی اطاعت سے اجتناب کرو، یہ آیت کہا گیا ہے کہ عوف بن مالک اشجعی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

قَوْلُہٗ: خبرُ يَكُنْ مُقَدَّرَةٍ یعنی خَيْرًا، یکن مقدر کی خبر ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ فعل محذوف کا مفعول بہ ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی یؤتِكُمْ خَيْرًا اور یہی اولی ہے اس لئے کہ کَانَ اور اس کے اسم کا حذف مع بقاء الخبر، اِنْ اور لَوْ کے بعد اکثر ہوتا ہے، لیکن اپنے اسم وخبر سے مل کر اَنْفِقُوْا امر کا جواب ہے۔

قَوْلُہٗ: شُحٌّ بخل، حرص، یہ باب عَلِمَ و ضَرَبَ کا مصدر ہے شُحّ خاص طور سے ایسی بخیلی کو کہتے ہیں جو عادت بن گئی ہو۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

شان نزول:

کہا گیا ہے کہ اس آیت کی نزول کا سبب کافروں کا یہ قول تھا کہ "لَوْ كَانَ مَا عَلَيْهِ المسلمون حَقٌّ لصَانَهُمُ اللّٰهُ من المصائب في الدنيا" اگر مسلمانوں کا مذہب حق ہوتا، تو دنیا میں ان کو مصیبت اور تنگی نہ پہنچتی، (فتح القدیر) قلب کو مصیبت کے وقت ہدایت دینے کا یہ مطلب ہے کہ قلب یہ سمجھ جاتا ہے کہ یہ مصیبت اللہ ہی کی طرف سے ہے، جس کی وجہ سے اس پر صبر کرنا آسان ہو جاتا ہے اور بے ساختہ اس کے منہ سے "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ" نکل جاتا ہے۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ یعنی اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے روگردانی کروگے تو ہمارے رسول ﷺ کا اس سے کچھ نہیں بگڑے گا، کیونکہ اس کا کام تو صرف تبلیغ ہے، امام زہری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں اللہ کا کام رسول بھیجنا ہے، رسول کا کام تبلیغ ہے، اور لوگوں کا کام تسلیم کرنا ہے۔

(فتح القدیر)

شان نزول:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ترمذی، حاکم اور ابن جریر نے ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت کیا ہے یہ آیت مکہ کے ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو ایمان لے آئے تھے اور انہوں نے مدینہ ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کے بیوی بچے آڑے آئے اور روکنے کی کوشش کی، مگر وہ پھر بھی ہجرت کر کے مدینہ آپ ﷺ کی

خدمت میں پہنچ گئے وہاں جا کر لوگوں کو دیکھا کہ انہوں نے دین میں کافی تفقہ حاصل کرلیا ہے اس سے ان کو کار خیر میں پیچھے رہ جانے کی وجہ سے رنج ہوا تو انہوں نے اپنے بچوں کو جو کہ اس کار خیر میں حارج ہوئے تھے سزا دینے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔ (روح المعانی)

اور عطاء بن ابی رباح رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے مروی ہے کہ عوف بن مالک اشجعی نے نبی ﷺ کے ساتھ غزوہ کرنے کا ارادہ کیا، ان کے بیوی بچوں نے مل کر ان کو غزوہ میں جانے سے روک لیا اور جدائی کو اپنے لئے شاق اور ناقابل برداشت بتایا، بعد میں جب عوف بن مالک کو تنبہ اور ندامت ہوئی تو اپنے بیوی بچوں کو سزا دینے کا ارادہ کیا، اس سلسلہ میں مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی)

وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ سابقہ آیت میں جن کے بیوی بچوں کو دشمن قرار دیا ہے، ان کو جب اپنی غلطی پر تنبہ ہوا تو ارادہ کیا تھا کہ آئندہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ سختی اور تشدد کا معاملہ کریں گے اس پر آیت کے اس حصہ میں یہ ارشاد نازل ہوا کہ اگرچہ ان کے بیوی بچوں نے تمہارے لئے دشمن کا سا کام کیا ہے کہ تمہارے لئے فرض سے مانع ہوئے مگر اس کے باوجود ان کے ساتھ تشدد اور بے رحمی کا معاملہ نہ کرو بلکہ عفو و درگذر اور معافی کا برتاؤ کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت بھی مغفرت اور رحمت کی ہے۔ (معارف)

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ یعنی تمہارے اموال اور اولاد جو تمہیں کسب حرام پر اکساتے اور اللہ کے حقوق ادا کرنے سے روکتے ہیں تمہاری آزمائش ہیں، پس اس آزمائش میں تم اس وقت سرخ رو ہو سکتے ہو جب کہ تم اللہ کی معصیت میں ان کی اطاعت نہ کرو مطلب یہ ہے کہ مال واولاد انسان کی آزمائش کا ذریعہ ہوتے ہیں، یہ دونوں چیزیں جہاں اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں وہیں انسان کی آزمائش کا ذریعہ بھی ہیں۔



سُوْرَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ اثْنَتَا عَشْرَةَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ الطَّلَاقِ مَدنِيَّةٌ ثَلَاثَ عَشرَةَ ايةً.

سورۂ طلاق مدنی ہے، تیرہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ المُرَادُ أُمَّتُهُ بِقَرِينَةِ مَا بَعْدَهُ اَوْقُلْ لَهُمْ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ اَرَدْتُمُ الطَّلَاقَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ لِاَوَّلِهَا بِاَنْ يَكُوْنَ الطَّلَاقُ فِي طُهْرٍ لم تَمَسَّ فِيْهِ لِتَفْسِيرِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ احْفَظُوْهَا لِتُرَاجِعُوْا قَبْلَ فَرَاغِهَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ اَطِيْعُوْهُ فِي اَمْرِهِ وَنَهْيِهِ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ مِنْهَا حَتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ زِنًى مُّبَيِّنَةٍ بِفَتْحِ الْيَاءِ وَكَسْرِهَا اي بُيِّنَتْ او بَيِّنَةٍ فَيَخْرُجْنَ لِاِقَامَةِ الْحَدِّ عَلَيْهِنَّ وَتِلْكَ المَذْكُوْرَاتُ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ① مُرَاجَعَةً فِيْمَا اِذَا كَانَ وَاحِدَةً اَوْ ثِنْتَيْنِ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ قَارَبْنَ انْقِضَاءَ عِدَّتِهِنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِاَنْ تُرَاجِعُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ مِنْ غَيْرِ ضِرَارٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اُتْرُكُوْهُنَّ حَتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهُنَّ وَلَا تُضَارُّوْهُنَّ بِالْمُرَاجَعَةِ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ عَلَى الرَّجْعَةِ او الفِرَاقِ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ۭ لَا لِلْمَشْهُوْدِ عَلَيْهِ اَوْ لَهُ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ڛ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ② مِنْ كَرْبِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ يَخْطُرُ بِبَالِهِ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فِي اُمُوْرِهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ كَافِيْهِ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ مُرَادِهِ وَفِي قِرَاءَةٍ بِالْاِضَافَةِ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ كَرُخَاءٍ وَشِدَّةٍ قَدْرًا ③ مِيْقَاتًا وَالّٰۗـِٔيْ بِهَمْزَةٍ وَيَاءٍ وَبِلَا يَاءٍ فِي الْمَوْضِعَيْنِ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ بِمَعْنَى الْحَيْضِ مِنْ نِّسَاۗىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ شَكَكْتُمْ فِي عِدَّتِهِنَّ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰۗـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ۭ لِصِغَرِهِنَّ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَالْمَسْئَلَتَانِ فِي غَيْرِ الْمُتَوَفّٰى عَنْهُنَّ اَزْوَاجُهُنَّ، اَمَّا هُنَّ فَعِدَّتُهُنَّ مَا فِي اٰيَةِ الْبَقَرَةِ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ انْقِضَاءُ عِدَّتِهِنَّ مُطَلَّقَاتٍ اَوْ مُتَوَفّٰى عَنْهُنَّ اَزْوَاجُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۭ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ④ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ذٰلِكَ المَذْكُوْرُ فِي الْعِدَّةِ

اَمْرُ اللّٰهِ حُكْمُهٗ اَنْزَلَهٗٓ اِلَيْكُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا ۞ اَسْكِنُوْهُنَّ اى المطلقات مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ اى بعض مساكنكم مِّنْ وُّجْدِكُمْ اى سعتكم عطفُ بيان او بدلٌ مما قبله باعادةِ الجار وتقديرِ مضاف اى امكنة سعتكم لا ما دونها وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ۭ المساكن فيحتجن الى الخروج او النفقة فيفتدين منكم وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ اولادكم منهن فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ عَلَى الإرضاع وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ وبينهن بِمَعْرُوْفٍ ۚ بجميلٍ فى حق الاولاد بالتوافق على اجرٍ معلومٍ على الارضاع وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ تضايقتم فى الارضاع فامتنع الابُ من الأجرة والأمُّ من فعله فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ للاب اُخْرٰى ۞ ولا تُكرهُ الأمُّ على ارضاعه لِيُنْفِقْ على المطلقات والمرضعات ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَمَنْ قُدِرَ ضيّق عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۭ اى على قدره لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۭ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۞ وقد جعله بالفتوح.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، اے نبی! مابعد کے قرینہ سے مراد آپ کی امت ہے، یا اس کے بعد قُل لَهُمْ محذوف ہے (اے نبی! آپ ﷺ مسلمانوں سے کہئے) جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینے کو یعنی طلاق دینا چاہو تو تم ان کو طلاق عدت کے شروع وقت میں دو اس طریقہ سے کہ طلاق ایسے طہر میں ہو کہ جس میں قربت (وطی) نہ کی ہو، آنحضرت ﷺ کے یہ تفسیر کرنے کی وجہ سے، (رواہ الشیخان) اور تم عدت کو یاد رکھو تاکہ عدت پوری ہونے سے پہلے تم رجوع کرسکو، اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے اس کے امر و نہی میں اس کی اطاعت کرو ان عورتوں کو ان کے مسکن سے نہ نکالو اور نہ وہ خود اس سے نکلیں یہاں تک کہ ان کی عدت پوری ہو جائے، الا یہ کہ وہ کوئی کھلی بے حیائی کریں (زنا وغیرہ) یاء کے فتح اور کسرہ کے ساتھ یعنی ظاہر یا ظاہر کرنے والی ہوں تو ان پر حدود قائم کرنے کے لئے ان کو نکالا جائے، یہ مذکورہ سب اللہ کے مقرر کردہ احکام ہیں، جو شخص احکام خداوندی سے تجاوز کرے گا اس نے خود اپنے اوپر ظلم کیا تجھے کیا معلوم کہ شاید اللہ تعالیٰ اس طلاق کے بعد مراجعت کی صورت نکال دے اس صورت میں جب کہ طلاق ایک یا دو ہوں پھر جب وہ (مطلقہ) عورتیں اپنی عدت گذارنے کے قریب پہنچ جائیں یعنی ان کی عدت گذرنے کے قریب ہو جائے تو ان کو قاعدہ کے مطابق بغیر ضرر پہنچائے (رجعت کرکے) نکاح میں رہنے دو یا قاعدہ کے مطابق ان کو رہائی دو یعنی ان کو چھوڑ دو کہ ان کی مدت پوری ہو جائے، اور (بار بار) رجعت کرکے ان کو ضرر نہ پہنچاؤ، رجعت یا فرقت پر آپس میں سے دو معتبر شخصوں کو گواہ بنا دو اور تم ٹھیک ٹھیک بلا رو رعایت کے اللہ کے لئے گواہی دو اور تمہارا ارادہ کسی کو نہ فائدہ پہنچانے کا ہو اور نہ نقصان پہنچانے کا، اس مضمون سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ پر اور روز قیامت پر یقین رکھتا ہو اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے نجات کی شکل نکال دیتا ہے یعنی دنیا و آخرت کی تکلیف سے، اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچا دیتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوگا یعنی

اس کے دل میں خیال بھی نہیں آتا، جو شخص اپنے کاموں میں اللہ پر بھروسہ کرے گا تو وہ اس کے لئے کافی ہے اللہ تعالیٰ اپنا کام یعنی مراد پوری کر کے رہتا ہے اور ایک قراءت میں اضافت کے ساتھ ہے اللہ تعالیٰ نے ہر شئی مثلاً فراخی اور شدت (تنگی) کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے اور تمہاری وہ بیویاں جو حیض سے ناامید ہوگئی ہیں (وَالـلّآئِـی) میں ہمزہ اور یاء اور بلا یاء کے دونوں جگہ، اگر تم کو ان کی عدت کے بارے میں شک ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے (اور اسی طرح) وہ عورتیں کہ جن کو صغرسنی کی وجہ سے حیض نہیں آیا تو ان کی عدت بھی تین ماہ ہے مذکورہ دونوں مسئلے ان عورتوں کے ہیں کہ جن عورتوں کے شوہروں کی وفات نہ ہوئی ہو، اب رہی وہ عورتیں کہ جن کے شوہروں کی وفات ہوئی ہے تو ان عورتوں کی عدت وہ ہے جس کا ذکر "یَتَـرَبَّـصْـنَ بِـاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا" میں ہے اور حاملہ عورتوں کی عدت خواہ مطلقات ہوں یا "مُتَوَفّٰی عَنْهُنَّ اَزْوَاجُهُنَّ" ہوں ان کے اس حمل کا پیدا ہو جانا ہے اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ہر کام میں دنیا و آخرت میں آسانی فرما دے گا عدت کے بارے میں جو مذکور ہوا یہ اللہ کا حکم ہے جو تمہارے پاس بھیجا ہے جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو دور فرما دے گا اور اس کو اجر عظیم عطا فرمائے گا تم ان مطلقہ عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو یعنی اپنی گنجائش کے مطابق نہ کہ اس سے کم اور گھر میں ان پر تنگی کر کے ان کو تکلیف مت دو کہ وہ نکلنے یا نفقہ پر مجبور ہو جائیں کہ وہ تمہارے پاس سے چلی جائیں اور اگر وہ (مطلقہ) عورتیں حاملہ ہوں تو بچہ کی ولادت ہونے تک ان کو خرچ دو پھر وہ عورتیں (مدت کے بعد) ان سے تمہاری اولاد کو دودھ پلائیں تو تم ان کو دودھ پلائی کی اجرت دو اور آپس میں اولاد کے حق میں مناسب طور پر مشورہ کر لیا کرو دودھ پلائی کی اجرت معروفہ پر اتفاق کر کے اور اگر تم دودھ پلانے کے معاملہ میں باہم کشمکش (تنگی) کرو گے تو باپ اجرت دینے سے اور ماں دودھ پلانے سے رک جائیں گے تو باپ کے لئے کوئی دوسری عورت دودھ پلائے گی اور مطلقات اور مرضعات پر وسعت والے کو اپنی وسعت کے موافق خرچ کرنا چاہئے، اور جس کو (اللہ نے) تنگ روزی بنایا ہو تو اس کو چاہئے کہ اللہ نے جتنا اس کو عطا کیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ تعالیٰ کسی کو اس سے زیادہ مکلف نہیں بناتا جتنا اس کو دیا ہے خدا تعالیٰ جلدی ہی تنگی کے بعد فراغت عطا فرمائے گا، اور بلا شبہ فتوحات کے بعد اس نے ایسا کر دیا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: بِقَرِیْنَةِ ما بعدہٗ. مابعد سے مراد اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ ہے اس لئے کہ اس میں صیغہ جمع استعمال ہوا ہے جس سے مراد امت ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خطاب آپ ﷺ کو ہو اور طَـلَّـقْتُمْ جمع کا صیغہ بطور تعظیم لایا گیا ہو، اَوْقُـلْ لَهُمْ سے احتمال ثانی کا بیان ہے۔

قَوْلُہٗ: اَرَدْتُـمُ الـطَّلَاقَ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کا ازالہ ہے، شبہ ہوتا ہے کہ اِذَا طَـلَّـقْـتُمُ الـنِّسَـاءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ میں ترتب شئ علی نفسہ لازم آ رہا ہے اور یہ تحصیل حاصل ہے جو محال ہے اس لئے کہ شئی کا حمل خود اپنے

اوپر درست نہیں ہوتا، اس شبہ کو دفع کرنے کے لئے مفسر علام نے اردتم الطلاق کا اضافہ فرمایا، تاکہ ترتب شئ علی نفسه کا شبہ ختم ہو جائے۔

قَوْلُہٗ: لِاَوَّلِهَا، اَیْ فِی اَوَّلِ الْعِدَّةِ یعنی عدت کے اول وقت میں اور عدت کا وقت امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اور امام مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک طہر کا وقت ہے مطلب یہ ہے کہ اول طہر میں جس میں قربت نہ کی ہو طلاق دو، یہ تفسیر امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے مسلک کے مطابق ہے۔

قَوْلُہٗ: بُیِّنَتْ او بَیِّنَةٍ یہ مُبَیَّنَه بفتح الیاء اور بکسر الیاء کی قراءت کی تشریح ہے بُیِّنَتْ فتحہ کی صورت میں اور بَیِّنَةٍ کسرہ کی صورت میں۔

قَوْلُہٗ: احفظوها، ای احفظوا وقت عِدَّتِهَا یعنی اس وقت کو یاد رکھو جس میں طلاق واقع ہوئی ہے۔

قَوْلُہٗ: ذٰلِکُمْ یُوْعَظُ بِه، ای المذکور من اول السورة اِلی هُنَا.

قَوْلُہٗ: وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَهٗ مَخْرَجًا یہ احکام نساء کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

قَوْلُہٗ: وَفِی قِرَاءَةٍ بِالْاِضَافَةِ، ای بالغُ اَمْرِهٖ.

قَوْلُہٗ: وَالّٰئِیْ مبتداء ہے اور فَعِدَّتُهُنَّ اس کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: اِنِ ارْتَبْتُمْ شرط ہے اور اس کا جواب محذوف ہے ای فَاعْلَمُوْا اَنَّهَا ثلٰثة اَشْهر شرط اور جواب شرط جملہ معترضہ ہیں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فَعِدَّتُهُنَّ جواب شرط ہو۔

قَوْلُہٗ: اُولَاتُ الْاَحْمَالِ مبتداء ہے اَجَلُهُنَّ مبتداء ثانی ہے۔

قَوْلُہٗ: اَنْ یَّضَعْنَ ثانی مبتداء کی خبر ہے اور مبتداء ثانی اپنی خبر سے مل کر مبتداء اول کی خبر ہے۔

تَفسیر و تشریح

نام:

اس سورت کا نام الطلاق ہے، بلکہ یہ اس سورت کے مضمون کا عنوان بھی ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے اس کا دوسرا نام، سورۃ النساء القصریٰ، چھوٹی سورۂ نساء بھی منقول ہے، مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت کا نزول سورۂ بقرہ کی ان آیات کے بعد ہوا ہے جن میں طلاق کے احکام پہلی مرتبہ دیئے گئے تھے۔

اس سورت کے احکام کو سمجھنے سے پہلے ضروری ہے کہ ان ہدایات کو ذہن نشین کر لیا جائے جو طلاق اور عدت سے متعلق اس سے پہلے قرآن میں بیان ہو چکی ہیں۔

❶ طلاق دوبار ہے، پھر یا تو سیدھی طرح عورت کو روک لیا جائے یا پھر بھلے طریقے سے رخصت کر دیا جائے۔ (البقرہ، ۲۲۹)

❷ اور مطلقہ عورتیں (طلاق کے بعد) اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں اور ان کے شوہر اس مدت میں ان کو (اپنی زوجیت میں) واپس لے لینے کے حقدار ہیں اگر وہ اصلاح پر آمادہ ہوں۔ (البقرہ، ۲۲۸)

پھر اگر وہ (تیسری بار) ان کو طلاق دیدیں تو اس کے بعد وہ اس کے لئے حلال نہ ہوں گی جب تک کہ اس عورت کا نکاح کسی اور سے نہ ہو جائے۔ (البقرہ، ۲۳۰)

❸ جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دیدو تو تمہارے لئے ان پر کوئی عدت لازم نہیں ہے جس کے پورا کرنے کا تم مطالبہ کرو۔ (الاحزاب، ۴۹)

❹ اور تم میں سے جو لوگ مرجائیں اور پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ عورتیں چار ماہ دس دن اپنے آپ کو روکے رکھیں۔ (البقرہ، ۲۳۴)

ان آیات میں جو قواعد مقرر کئے گئے تھے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

❶ مرد اپنی بیوی کو زیادہ سے زیادہ تین طلاق دے سکتا ہے۔

❷ ایک یا دو طلاق کی صورت میں مرد کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق رہتا ہے، اور عدت گذر جانے کے بعد اگر وہی شوہر اس عورت سے نکاح کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اس کے لئے تحلیل کی کوئی شرط نہیں ہے۔

❸۔ مدخولہ عورت جس کو حیض آتا ہو اس کی عدت یہ ہے کہ اسے طلاق کے بعد تین حیض آجانے تک چھوڑے رکھے، ایک یا دو صریح طلاق کی صورت میں شوہر کو مدت کے اندر رجوع کا حق حاصل ہوگا، تین طلاق کے بعد رجعت کا حق باقی نہیں رہتا۔

❹ غیر مدخولہ عورت جسے ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دیدی جائے اس کے لئے کوئی عدت نہیں وہ چاہے تو طلاق کے فوراً بعد نکاح کر سکتی ہے۔

❺ جس عورت کا شوہر مرجائے تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔

سورۂ طلاق کے نزول کا مقصد:

سورۂ طلاق کے نزول کے دو مقاصد ہیں:

❶ ایک یہ کہ مرد کو جو طلاق کا اختیار دیا گیا ہے اس کو استعمال کرنے کے حکیمانہ طریقے بتائے جائیں، جن سے حتی الامکان جدائی کی نوبت ہی نہ آنے پائے اور اگر جدائی ناگزیر ہو تو ایسی صورت میں ہو کہ باہمی موافقت کے سارے امکانات ختم ہو چکے ہوں، کیونکہ خدائی شریعت میں طلاق ایک ناگزیر ضرورت کے طور پر رکھی گئی ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ اس بات کو سخت ناپسند فرماتا ہے،

نبی ﷺ کا ارشاد ہے "ما احلّ اللّٰہ شیئًا ابغض الیہ من الطَّلَاقِ" تمام حلال چیزوں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔ (ابوداؤد)

❷ دوسرا مقصد یہ ہے کہ سورۂ بقرہ کے بعد جو مزید مسائل جواب طلب باقی رہ گئے تھے ان کا جواب دیکر اسلام کے عائلی قانون کے اس شعبہ کی تکمیل کردی جائے، اس سلسلہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ جن مدخولہ عورتوں کو حیض آنا بند ہو گیا ہو یا جنہیں ابھی حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو، طلاق کی صورت میں ان کی عدت کیا ہوگی، اور جو عورت حامل ہو اسے اگر طلاق دیدی جائے یا اس کا شوہر مرجائے تو اس کی عدت کیا ہے؟ اور مختلف قسم کی مطلقہ عورتوں کی نفقہ اور سکونت کا انتظام کس طرح ہوگا، اور جس بچے کے والدین طلاق کے ذریعہ الگ ہو گئے ہوں ان کی رضاعت کا انتظام کس طرح کیا جائے؟

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ یہاں خطاب اگرچہ بظاہر آپ ﷺ ہی کو معلوم ہوتا ہے مگر مراد امت ہے، اس کی تائید طَلَّقْتُمْ کے جمع کے صیغہ سے بھی ہوتی ہے اگرچہ یہ بھی درست ہے کہ طَلَّقْتُمْ جمع کا صیغہ آپ ﷺ ہی کے لئے تعظیم کے طور پر بولا گیا ہو، امت کے مراد ہونے کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ جہاں خاص طور پر آپ ﷺ ہی کو خطاب مقصود ہوتا ہے تو وہاں اکثر يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ فرمایا جاتا ہے اور جہاں امت کو خطاب مقصود ہوتا ہے وہاں يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ فرمایا جاتا ہے۔

اسلامی عائلی قانون کی روح:

اسلامی عائلی قانون کی روح یہ ہے کہ جن مردوں اور عورتوں میں ازدواجی تعلق قائم ہو وہ پائیدار اور عمر بھر کا رشتہ ہو جس سے ان دونوں کی دنیا اور آخرت دونوں درست ہوں، اور ان سے پیدا ہونے والی اولاد کے اعمال واخلاق بھی درست ہوں، اسی لئے نکاح کے معاملہ میں شروع سے آخر تک اسلام کی ہدایات یہ ہیں کہ اس تعلق کو تلخیوں اور رنجشوں سے پاک وصاف رکھنے کی اور اگر کبھی پیدا ہو جائے تو ان کے ازالہ کی پوری کوشش کی گئی ہے، لیکن ان تمام کوششوں کے باوجود بعض اوقات طرفین کی زندگی کی فلاح اسی میں منحصر ہو جاتی ہے کہ یہ تعلق ختم کردیا جائے، جن مذاہب میں طلاق کا اصول نہیں ہے ان میں ایسے واقعات میں سخت مشکلات کا سامنا ہوتا ہے اور بعض اوقات انتہائی برے نتائج سامنے آتے ہیں، اس لئے اسلام نے نکاح کی طرح طلاق کے بھی قواعد وضوابط مقرر فرمادیئے مگر ساتھ ہی یہ ہدایت بھی دیدی کہ طلاق اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت مبغوض ومکروہ کام ہے جہاں تک ممکن ہو اس سے پرہیز کرنا چاہئے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "حلال چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض اللہ کے نزدیک طلاق ہے" (ابوداؤد) اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "تَزَوَّجُوا وَلَا تُطَلِّقُوا فَاِنَّ الطَّلَاقَ يَهْتَزُّ مِنْهُ عرش الرحمن" یعنی نکاح کرو طلاق نہ دو کیونکہ طلاق سے عرش رحمٰن ہل جاتا ہے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ نے زمین پر جو کچھ پیدا فرمایا ہے ان میں سب سے زیادہ محبوب اللہ

تعالیٰ کے نزدیک غلاموں کا آزاد کرنا ہے اور سب سے زیادہ مبغوض و مکروہ طلاق ہے''۔ (معارف، قرطبی)

بہرحال اسلام نے اگرچہ طلاق کی حوصلہ افزائی نہیں کی بلکہ حتی الامکان اس کو روکنے کی کوشش کی ہے لیکن بعض ناگزیر موقعوں پر شرائط کے ساتھ اجازت دی تو اس کے لئے کچھ اصول اور قواعد بنا کر اجازت دی جن کا حاصل یہ ہے کہ اگر اس رشتۂ ازدواج کو ختم کرنا ہی ضروری ہو جائے تو وہ بھی خوبصورتی اور حسن معاملہ کے ساتھ انجام پائے، محض غصہ اتارنے اور انتقام لینے کی صورت نہ بنے۔

پہلا حکم:

فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ''عدت'' کے لغوی معنی شمار کرنے کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں اس عدت کو کہا جاتا ہے جس میں عورت ایک شوہر کے نکاح سے نکلنے کے بعد دوسرے سے ممنوع ہو جاتی ہے، اس مدت انتظار کو عدت کہتے ہیں، اور نکاح سے نکلنے کی دو صورتیں ہیں، ① ایک یہ کہ شوہر کا انتقال ہو جائے اس عدت کو عدت وفات کہا جاتا ہے جو غیر حاملہ کے لئے چار ماہ دس دن مقرر ہے، ② دوسری صورت طلاق ہے، عدت طلاق غیر حاملہ کے لئے امام ابوحنیفہ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ اور بعض دیگر ائمہ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالیٰ کے نزدیک تین حیض مکمل ہیں اور امام شافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ اور دوسرے بعض ائمہ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالیٰ کے نزدیک طہر عدت طلاق ہے یعنی کچھ ایام یا مہینے مقرر نہیں، جتنے مہینوں میں تین حیض اور تین طہر پورے ہو جائیں وہی عدت طلاق ہوگی، اور جن عورتوں کو ابھی کم عمری کی وجہ سے حیض نہ آیا ہو یا عمر زیادہ ہو جانے کی وجہ سے حیض منقطع ہو چکا ہے ان کا حکم آئندہ مستقلاً آ رہا ہے، اور اسی طرح حمل والی عورتوں کا حکم بھی آگے آ رہا ہے اس میں عدت وفات اور عدت طلاق دونوں یکساں ہیں، فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ اور صحیح مسلم کی حدیث ہے آپ ﷺ نے فَطَلِّقُوْا لِقُبُلِ عِدَّتِهِنَّ تلاوت فرمایا، آیت مذکورہ کی دونوں قراءتوں اور ایک روایت سے آیت مذکورہ کا یہ مفہوم متعین ہو گیا کہ جب کسی عورت کو طلاق دینا ہو تو عدت شروع ہونے سے قبل طلاق دی جائے اور امام شافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ وغیرہ کے نزدیک چونکہ عدت طہر سے شروع ہوتی ہے اس لئے لِقُبُلِ عِدَّتِهِنَّ کا مفہوم یہ قرار دیا کہ بالکل شروع طہر میں طلاق دے دی جائے۔

طَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ حضرت ابن عباس رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ طلاق حیض کی حالت میں نہ دے اور نہ اس طہر میں دے جس میں شوہر مباشرت کر چکا ہو، جب عورت حیض سے فارغ ہو جائے تو اس کو ایک طلاق دیدے، اس صورت میں اگر شوہر رجوع نہ کرے اور عدت گذر جائے تو وہ صرف ایک ہی طلاق سے جدا ہو جائے گی۔ (ابن جریر)

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ فرماتے ہیں عدت کے لئے طلاق یہ ہے کہ طہر کی حالت میں مباشرت کئے بغیر طلاق دی جائے، یہی تفسیر عبداللہ بن عمر، عطاء، مجاہد، میمون بن مہران، مقاتل وغیرہم سے مروی ہے۔ (ابن کثیر)

اس آیت کے منشأ کو بہترین طریقہ سے خود رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر واضح فرمایا تھا جب حضرت عبداللہ بن عمر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دیدی تھی، اس واقعہ کی تفصیلات قریب قریب حدیث کی ہر کتاب میں نقل ہوئی ہیں۔

قصہ اس کا یہ ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دیدی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا، آپ ﷺ سن کر سخت ناراض ہوئے، اور فرمایا کہ اس سے کہو کہ بیوی سے رجوع کرے یہاں تک کہ وہ طاہر ہو جائے پھر اسے حیض آئے اور اس سے فارغ ہو کر وہ طاہر ہو جائے اس کے بعد اگر وہ طلاق دینا چاہے تو طہر کی حالت میں مباشرت کئے بغیر طلاق دے۔

اس حدیث سے چند باتیں ثابت ہوئیں، اول یہ کہ حالت حیض میں طلاق دینا حرام ہے، دوسری یہ کہ اگر کسی نے ایسا کر لیا تو اس طلاق سے رجعت کر لینا واجب ہے (بشرطیکہ طلاق قابل رجعت ہو جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ میں تھی) تیسری یہ کہ جس طہر میں طلاق دینی ہو اس میں مباشرت نہ ہو، چوتھی یہ کہ یہ آیت فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ کی یہی تفسیر ہے۔

دوسرا حکم:

وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ یہ مطلب یہ کہ عدت کے ایام کو اہتمام سے یاد رکھنا چاہئے، یاد رکھنے کی ذمہ داری اگرچہ دونوں کی ہے مگر چونکہ ایسے معاملات میں جن کی ذمہ داری مرد اور عورت دونوں کی ہوتی ہے اکثر خطاب مرد کو ہوتا ہے۔

تیسرا حکم:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اس آیت میں لفظ بُيُوْتِهِنَّ سے اشارہ کر دیا کہ گھر میں عورت کا بھی حق سکونت ہے اور جب تک اس کی عدت ختم نہیں ہو جاتی عورت کا حق سکونت باقی رہتا ہے محض طلاق دینے سے سکنیٰ کا حق ساقط نہیں ہو جاتا، اور نہ وہ خود نکل سکتی ہے اگرچہ شوہر اس کی اجازت بھی دیدے، اس لئے کہ سکنیٰ محض حقوق العباد میں سے نہیں بلکہ حق اللہ بھی ہے۔

چوتھا حکم:

اِلَّا اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ یہ ماقبل کی آیت کے مضمون سے مستثنیٰ ہے مطلب یہ ہے کہ بیت سکنیٰ سے نہ تو مرد کا معتدہ کو نکالنا جائز ہے اور نہ اس کا خود نکلنا جائز ہے مگر یہ کہ عورت کوئی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کرے، بے حیائی سے مراد مثلاً خود ہی گھر سے نکل بھاگے یا زنا کا ارتکاب کرے یا زبان درازی سے سب کو تنگ کر دے۔

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ (الآیة) اس آیت سے احکام مذکورہ کی پابندی کی تاکید ہے کہ یہ شریعت کے مقرر کردہ حدود و قواعد ہیں

جو شخص ان مقررہ حدود سے تجاوز کرے گا، تو اس نے گویا خود اپنے اوپر ظلم کیا۔

مطلقہ مدخولہ کی عدت تین حیض ہے، اگر رجوع کرنا ہو تو عدت ختم ہونے سے پہلے پہلے رجوع کرو، بصورت دیگر انہیں معروف طریقہ کے مطابق اپنے سے جدا کردو۔

اس رجعت یا طلاق پر گواہ بنالو یہ امر استحباب کے لئے ہے بعض حضرات کے نزدیک وجوب کے لئے ہے، نیز گواہوں کو تاکید کی گئی ہے کہ کسی کی رورعایت کے بغیر گواہی دیں نہ کسی کو فائدہ پہنچانا مقصد ہو اور نہ نقصان پہنچانا۔

جن عورتوں کا حیض کبرسنی یا کسی اور وجہ سے منقطع ہوگیا ہو یا صغرسنی کی وجہ سے ابھی شروع نہ ہوا ہو تو ایسی عورتوں کی عدت تین ماہ ہے۔

مطلقہ اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے خواہ دوسرے ہی دن وضع حمل ہوجائے، حاملہ متوفی عنہا زوجہا کی عدت وضع حمل ہے اور غیر حاملہ کی چار ماہ دس دن، نیز مطلقہ رجعیہ اور بائنہ کے لئے سکنی ہے۔

وَكَأَيِّنْ هي كاف الجر دخلت على أي بمعنى كم مِّن قَرْيَةٍ أي وكثير من القرى عَتَتْ عصت يعني أهلها عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنَاهَا في الآخرة وإن لم تجئ لتحقق وقوعها حِسَابًا شَدِيدًا وَعَذَّبْنَاهَا عَذَابًا نُّكْرًا ⑧ بسكون الكاف وضمها فظيعًا وهو عذاب النار فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا عقوبته وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ⑨ خسارًا وهلاكًا أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا تكرير الوعيد تأكيد فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ أصحاب العقول الَّذِينَ آمَنُوا نعت للمنادى أو بيان له قَدْ أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا هو القرآن رَّسُولًا أي محمدًا منصوب بفعل مقدر أي وأرسل يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ بفتح الياء وكسرها كما تقدم لِّيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بعد مجيء الذكر والرسول مِنَ الظُّلُمَاتِ الكفر الذي كانوا عليه إِلَى النُّورِ الإيمان الذي قام بهم بعد الكفر وَمَن يُؤْمِن بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُدْخِلْهُ وفي قراءة بالنون جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا قَدْ أَحْسَنَ اللَّهُ لَهُ رِزْقًا ⑪ هو رزق الجنة التي لا ينقطع نعيمها اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يعني سبع أرضين يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ الوحي بَيْنَهُنَّ بين السماوات والأرض ينزل جبريل به من السماء السابعة إلى الأرض السابعة لِتَعْلَمُوا متعلق بمحذوف أي أعلمكم بذلك الخلق والتنزيل أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ⑫

ترجمہ: اور بہت سی بستیاں (کَاَیِّنْ) میں کاف جر ہے، جو اَیٌّ پر داخل ہے کَمْ کے معنی میں ہے، جس کے رہنے والوں نے اپنے رب کے حکم کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے آخرت میں ان کا سخت محاسبہ کیا اور سخت عذاب دیا اگرچہ آخرت کا وقوع ابھی نہیں ہوا مگر یقینی الوقوع ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے، نُکْرًا کاف کے سکون اور ضمہ کے

ساتھ بمعنی شدید ہے، اور وہ آگ کا عذاب ہے، پس انہوں نے اپنے کرتوتوں کا مزا چکھ لیا (یعنی ان کا انجام بھگت لیا) انجام کار ان کا خسارہ زیاں اور ہلاکت ہی ہوئی۔ اللہ نے ان کے لئے شدید عذاب تیار کر رکھا ہے وعید کی تکرار تاکید کے لئے ہے پس اللہ سے ڈرو، اے عقلمندو اور ایمان والو! (اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا) منادی کی صفت یا اس کا بیان ہے، یقیناً اللہ نے تمہاری طرف ذکر قرآن نازل فرمایا ہے رسول ﷺ یعنی محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا رَسُوْلاً فعل مقدر یعنی اَرْسَلَ کی وجہ سے منصوب ہے، وہ تم کو اللہ کی واضح آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، مبیّنت یاء کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ، جیسا کہ سابق میں گذر چکا تاکہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے ذکر اور رسول آنے کے بعد اس کفر کی ظلمت سے جس پر وہ تھے نور یعنی اس ایمان جس پر وہ کفر کے بعد قائم رہے، کی طرف نکالے اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا (اللہ) اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں جاری ہوں گی اور ایک قراءت میں نون کے ساتھ ہے اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے بے شک اللہ نے اسے بہترین روزی دے رکھی ہے اور وہ جنت کی روزی ہے جس کی نعمتیں کبھی منقطع ہونے والی نہیں، اللہ وہ ذات ہے جس نے سات آسمان بنائے اور اسی کے مثل زمینیں بھی یعنی سات زمینیں وحی ان کے درمیان یعنی آسمانوں اور زمینوں کے درمیان اترتی ہے، حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کو ساتویں آسمان سے ساتویں زمین پر لے کر اترتے ہیں تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو علم کے اعتبار سے گھیر رکھا ہے۔ (یعنی علمی احاطہ کر رکھا ہے)۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَكَاَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ یہ کلام مستانف ہے وعد و فتح کی تصدیق کے لئے لایا گیا ہے، کَاَيِّنْ خبریہ بمعنی کَمْ ہے مِنْ قَرْيَةٍ، کَاَيِّنْ کی تمیز ہے کَاَيِّنْ مبتداء ہونے کی وجہ سے محل میں رفع کے ہے اور عَتَتْ اس کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: عَتَتْ، اعرضت کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے متعدی بِعَنْ ہے۔

قَوْلُہٗ: یعنی اهلها قریہ بول کر اہل قریہ مراد لیا گیا ہے، اس میں حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے اور مجاز مرسل کے قبیل سے ہے، علاقہ حال و محل کا ہے یعنی محل بول کر حال مراد لیا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: لتحقق وقوعها اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے۔

اعتراض: جزاء سزا اور حساب و کتاب آخرت میں ہوگا، پھر حَاسَبْنَاهَا ماضی کے صیغہ سے تعبیر کرنے کا کیا مقصد ہے؟

جَوَابٌ: حساب کا وقوع چونکہ یقینی ہے اس لئے ماضی کے صیغہ سے تعبیر کر دیا یعنی اس کا وقوع ایسا ہی یقینی ہے جیسا کہ ماضی کا وقوع یقینی ہوتا ہے، یا اس لئے کہ اللہ کے علم ازلی میں اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ (بالاصافہ صاوی)

قَوْلُہٗ: تكرير الوعيد توكيد یعنی مذکورہ چار جملوں میں وعید کو تاکید کے لئے مکرر ذکر کیا ہے، وہ چار جملے یہ ہیں،

① فحاسَبْنَاهَا ② وَعذَّبْنَاهَا ③ فذاقتْ وَبَالَ امْرِهَا ④ وكانَ عاقِبَةُ امْرِهَا خُسْرًا.

قَوْلَهُ: اَوْبَيَانٌ بیان سے مراد عطف بیان ہے۔

قَوْلَهُ: مُبَيِّنَاتٍ یہ آیات سے حال ہے، فتح کی صورت میں اللہ نے اس کو واضح کر دیا، کسرہ کی صورت میں وہ خود واضح ہے۔ (صاوی)

تفسیر وتشریح

فَحَاسَبْنَاهَا حِسَابًا شَدِيْدًا وَّعَذَّبْنَاهَا عذابًا نُكْرًا اس آیت میں ان قوموں کے حساب وعذاب کا ذکر ہے جو آخرت میں ہونے والا ہے، مگر یہاں اس کو ماضی کے صیغے حَاسَبْنَا اور عَذَّبْنَا سے تعبیر کرنا اس کے یقینی الوقوع ہونے کے اعتبار سے ہے (کمافی روح) اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہاں سوالات اور باز پرس مراد نہ ہو بلکہ سزا کی تعیین ہو اسی کو حساب کرنے سے تعبیر فرمادیا۔

قَدْاَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا اس آیت کی آسان توجیہ یہ ہے کہ یہاں لفظ اَرْسَلَ محذوف مانا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ نازل کیا ذکر یعنی قرآن کو اور بھیجا رسول کو، دیگر مفسرین حضرات نے اور توجیہات بھی لکھی ہیں مثلاً یہ کہ ذکر سے مراد خود رسول ہوں کثرت ذکر کی وجہ سے رسول گویا خود ذکر ہوگیا تو یہ زیدٌ عدلٌ کے قبیل سے ہوگا۔

لِيُخْرِجَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ یعنی جہالت کی تاریکی سے علم کی روشنی کی طرف نکال لائے، اس ارشاد کی پوری اہمیت اس وقت سمجھ میں آتی ہے جب انسان طلاق، عدت اور نفقات کے متعلق دنیا کے دوسرے قدیم اور جدید عائلی قوانین کا مطالعہ کرتا ہے، اور اس تقابلی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بار بار کی تبدیلیوں اور نئی نئی قانون سازیوں کے باوجود آج تک کسی قوم کو ایسا معقول اور فطری اور معاشرہ کے لئے مفید قانون میسر نہیں آسکا جیسا اس کتاب اور اس کے لانے والے رسول ﷺ نے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے ہم کو دیا تھا، اور جس پر کسی نظر ثانی کی ضرورت نہ کبھی پیش آئی اور نہ پیش آسکتی ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ، مِثْلَهُنَّ میں تشبیہ اجمالی ہے کہ کس چیز میں زمین مثل سماوات ہے اس آیت سے اتنی بات تو واضح طور پر ثابت ہے کہ جس طرح آسمان سات ہیں اسی طرح زمینیں بھی سات ہیں، پھر یہ سات زمینیں کہاں کہاں ہیں اور کس وضع وصورت میں ہیں؟ تہ برتہ طبقات کی شکل میں ہیں یا ہر زمین کا مقام الگ الگ ہے؟ اگر اوپر نیچے طبقات ہیں تو کیا جس طرح سات آسمانوں میں ہر دو آسمانوں کے درمیان فاصلہ ہے اور ہر آسمان میں فرشتے آباد ہیں اسی طرح ایک زمین اور دوسری زمین کے درمیان بھی فاصلہ ہے اور اس میں کوئی مخلوق آباد ہے یا یہ طبقات زمین ایک دوسرے سے متصل اور پیوستہ ہیں؟ قرآن مجید اس سے ساکت ہے اور روایات حدیث جو اس

سلسلہ میں آئی ہیں ان میں اکثر ائمہ حدیث کا اختلاف ہے بعض نے ان کو صحیح اور ثابت قرار دیا ہے اور بعض نے موضوع اور منگھڑت تک کہہ دیا ہے، مگر عقلاً یہ سب صورتیں ممکن ہیں۔ (معارف)

مِثْلَهُنَّ کی تفسیر احادیث کی روشنی میں:

اس کی تفسیر صحاح میں یوں آئی ہے، بخاری اور مسلم میں ہے، جس نے کسی کی زمین ظلماً غصب کرلی تو قیامت میں وہ زمین اپنے ساتوں طبقوں سمیت اس کے گلے میں ڈال دی جائے گی "طُوِّقَهُ مِنْ اَرْضٍ سَبْعِيْنَ" اور بخاری میں ہے "خُسِفَ بِهٖ اِلٰی سَبْعِ اَرْضِيْنَ" ان احادیث سے سات زمینوں کا ثبوت اطمینان بخش طریقہ پر ثابت ہوگیا ہے۔

اور ابن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا کے اثر میں ہر زمین پر مخلوق اور نبی کا ہونا بھی منقول ہے۔ (خلاصة التفاسير)

قدیم مفسرین میں صرف ابن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا ایسے مفسر ہیں جنہوں نے اس دور میں اس حقیقت کو بیان کیا تھا جب آدمی اس کا تصور بھی کرنے کے لئے تیار نہیں تھا کہ کائنات میں اس زمین کے علاوہ کہیں اور بھی ذی عقل مخلوق بستی ہے؟ موجودہ زمانہ کے سائنس دانوں تک کو اس کے امر واقعہ ہونے میں شک ہے، کجا کہ ساڑھے چودہ سو سال پہلے کے لوگ اسے بآسانی باور کرسکتے، اسی لئے ابن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا عام لوگوں کے سامنے یہ بات کہتے ہوئے ڈرتے تھے کہ کہیں اس سے لوگوں کے ایمان متزلزل نہ ہوجائیں، چنانچہ مجاہد رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کہتے ہیں کہ ان سے جب اس آیت کا مطلب پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا اگر میں اس کی تفسیر تم لوگوں سے بیان کردوں تو تم کافر ہوجاؤ گے اور تمہارا کفر یہ ہوگا کہ اسے جھٹلاؤ گے، قریب قریب یہی بات سعید بن جبیر رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ سے بھی منقول ہے، ابن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا نے فرمایا، کیا بھروسہ کیا جاسکتا ہے کہ اگر میں تمہیں اس کا مطلب بتادوں تو تم کافر نہ ہوجاؤ گے؟ (ابن جریر، عبد بن حمید) تاہم ابن جریر، ابن ابی حاتم اور حاکم نے اور بیہقی نے ابوالضحیٰ کے واسطے سے باختلاف الفاظ ابن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا کی یہ تفصیل نقل کی ہے "فی کل اَرْضٍ نبیٌّ کنَبِیِّکُمْ وَ آدمُ کآدمکم، وَنُوْحٌ کنوحِکم و ابراهیم کابراهیمکم و عیسٰی کعیسٰکم" ان میں سے ہر زمین میں نبی ہے تمہارے نبی جیسا اور آدم ہے تمہارے آدم جیسا، اور نوح ہے تمہارے نوح جیسا، اور ابراہیم ہے تمہارے ابراہیم جیسا اور عیسیٰ ہے تمہارے عیسیٰ جیسا، اس روایت کو ابن حجر نے فتح الباری میں اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بھی نقل کیا ہے اور امام ذہبی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے، البتہ میرے علم میں ابوالضحیٰ کے علاوہ کسی نے اسے روایت نہیں کیا ہے، اس لئے یہ بالکل شاذ روایت ہے، بعض دوسرے علماء نے اس کو کذب اور موضوع قرار دیا ہے، اور ملا علی قاری رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے اس کو موضوعات کبیر میں (ص۱۹) میں موضوع کہتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر یہ ابن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا ہی کی روایت ہے تب بھی اسرائیلیات میں سے ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسے رد کرنے کی اصل وجہ لوگوں کا اسے بعید از عقل وفہم سمجھنا ہے، ورنہ بجائے خود اس میں کوئی بات بھی خلاف عقل نہیں ہے چنانچہ

علامہ آلوسی اپنی تفسیر میں اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں، اس کو صحیح ماننے میں نہ عقلاً کوئی چیز مانع ہے اور نہ شرعاً، مراد یہ ہے کہ ہر زمین میں ایک مخلوق ہے جو ایک اصل کی طرف اسی طرح راجع ہوتی ہے جس طرح آدمی ہماری زمین میں آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف راجع ہوتے ہیں اور ہر زمین میں ایسے افراد پائے جاتے ہیں جو اپنے یہاں دوسروں کی بہ نسبت اسی طرح ممتاز ہیں جس طرح ہمارے نوح اور ابراہیم علیہما السلام ممتاز ہیں، آگے چل کر علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ زمین سات سے زیادہ ہوں اور اسی طرح آسمان بھی صرف سات ہی نہ ہوں سات کے عدد پر جو عدد تام ہے اکتفا کرنا اس بات کو مستلزم نہیں کہ اس سے زائد کی نفی ہو پھر بعض احادیث میں ایک ایک آسمان کی درمیانی دوری جو پانچ پانچ سو برس بیان کی گئی ہے اس کے متعلق علامہ موصوف فرماتے ہیں "**هو من باب التقريب للافهام**" یعنی اس سے ٹھیک ٹھیک مسافت کی پیمائش بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ مقصود بات کو اس طرح بیان کرنا ہے کہ وہ لوگوں کی سمجھ سے قریب تر ہو جائے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ حال ہی میں امریکہ کے رانڈ کارپریشن نے فلکی مشاہدات سے اندازہ لگایا ہے کہ زمین جس کہکشاں (Galaxy) میں واقع ہے صرف اس کے اندر تقریباً ٦٠ کروڑ ایسے سیارے پائے جاتے ہیں جن کے طبعی حالات زمین سے بہت کچھ مشابہ اور ملتے جلتے ہیں اور امکان ہے کہ ان کے اندر بھی جاندار مخلوق آباد ہوں۔

(اکانومسٹ، لندن، مورخہ ٢٦ جولائی ١٩٦٩ء)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اثر میں ہر زمین پر مخلوق اور نبی کا ہونا منقول ہے، اس کی تفصیل اور تقریر میں جناب مولانا ابوالحسنات مولانا محمد عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ نے رسائل تصنیف کئے ہیں، اور بعض لوگوں کو جو یہ شبہ ہوا ہے کہ ہر زمین میں مثل ان انبیاء کا ہونا مستوجب ہے مماثلت نبی کریم ﷺ سردار انبیاء کو اور مستلزم ہیں اس بات کو کہ آپ ﷺ خاتم الانبیاء نہ ہوں، اس نے غور نہیں کیا، معانی اور مفاد تشبیہ میں، بلکہ وہ حضرت نبی کریم ﷺ کی علو شان کو نہ سمجھا ورنہ ایسی جرأت نہ ہوتی نہ مماثلت موجب مساوات ہے اور نہ حضور ﷺ کے فضل خاتمیت کا معارض۔

(حاشیہ خلاصۃ التفاسیر للنائب لکھنوی ملخصًا)



سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثِنْتَا عَشَرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُورَةُ التَّحْرِيمِ مَدَنِيَّةٌ اِثْنَتَا عَشْرَةَ ايَةً.

سورۂ تحریم مدنی ہے، بارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ مِن اَمَتِكَ مَارِيَةَ القِبطِيَّةِ لَمَّا واقَعَها في بَيتِ حَفصَةَ وَكانَت غائِبَةً فجاءَ تْ وشَقَّ عليها كَونُ ذلكَ في بَيتِها وعلى فِراشِها حَيثُ قُلتَ هِيَ حَرامٌ عَلَيَّ تَبْتَغِيْ بتَحريمِها مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۚ اى رِضاهُنَّ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ غَفَرَ لكَ هذا التَّحريمَ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ شرَعَ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ تَحليلَها بالكفارَةِ المَذكورَةِ في سُورَةِ المائِدَةِ ومِنَ الاَيمانِ تحريمُ الاَمَةِ وهل كَفَّرَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ قالَ مُقاتِلٌ اعتَقَ رَقَبَةً في تَحريمِ مارِيَةَ وقالَ الحَسَنُ لم يُكَفِّرْ لانَّهُ مَغفورٌ لهُ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ ناصِرُكُم وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۞ وَ اذكُرْ اِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ هي حَفصَةُ حَدِيْثًا ۚ هُوَ تَحريمُ مارِيَةَ وقالَ لها لاتُفشِيهِ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ عائِشَةَ ظَنًّا منها اَن لا حَرَجَ في ذلكَ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ اَطْلَعَهُ عَلَيْهِ على المُنبأ به عَرَّفَ بَعْضَهٗ لِحَفصَةَ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ تَكَرُّمًا منه فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۗ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ۞ اى اللّٰهُ اِنْ تَتُوْبَآ اى حَفصَةُ وعائِشَةُ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ مالَت اِلى تَحريمِ مارِيَةَ اى سَرَّكُما ذلكَ مَعَ كَراهَةِ النَّبيِّ صَلَّى اللّٰهُ عليهِ وسلَّمَ لهُ ذلكَ ذَنبٌ وجَوابُ الشَّرطِ مَحذوفٌ اى تُقبَلا واُطلِقَ قُلوبٌ على قَلبَينِ ولَم يُعَبَّرْ به لاستِثقالِ الجَمعِ تَثنِيَتَينِ فيما هُوَ كالكَلِمَةِ الواحِدَةِ وَاِنْ تَظٰهَرَا بادغامِ التاءِ الثانِيَةِ في الاَصلِ في الظاءِ وفي قِراءَةٍ بِدُونِها فتَعاوَنا عَلَيْهِ اى النَّبيِّ فيما يَكرَهُهُ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ فَصلٌ مَوْلٰىهُ ناصِرُهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ اَبُوبَكرٍ وعُمَرُ معطوفٌ على مَحَلِّ اسمِ اِنَّ فيكونونَ ناصِرِيهِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ بَعدَ نَصرِ اللّٰهِ والمَذكورينَ ظَهِيْرٌ ۞ ظُهَراءُ اَعوانٌ لهُ في نَصرِهِ عليكُما عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اى طَلَّقَ النَّبيُّ ازواجَهُ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ بالتَّشديدِ والتَّخفيفِ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ خَبَرُ عَسٰى والجُملَةُ جَوابُ الشَّرطِ ولَم يَقَعِ التَّبديلُ لعَدَمِ وُقوعِ الشَّرطِ مُسْلِمٰتٍ مُقِرّاتٍ بالاِسلامِ مُّؤْمِنٰتٍ مُخلِصاتٍ

قٰنِتٰتٍ مُطِيعَاتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ صَائِمَاتٍ او مُهَاجِرَاتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ بِالْحَمْلِ على طاعة الله تعالى نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ الكُفَّارُ وَالْحِجَارَةُ كَاصْنَامِهِمْ مِنْهَا يعنى انها مُفْرِطَةُ الحرارة تَتَّقِدُ بما ذُكِرَ لا كنار الدُّنيا تَتَّقِدُ بالحطب ونحوه عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ خزنتها عدتُهُمْ تسعة عشر كما سياتى فى المُدَّثِّر غِلَاظٌ من غلظِ القلب شِدَادٌ فى البَطْشِ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ بدلٌ من الجلالة اى لا يعصُون ما امر الله وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۝ تاكيدٌ والاية تخويفٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ عَنِ الْاِرْتِدَادِ وَلِلْمُنَافِقِيْنَ المُؤمنين بِالسنتهم دُوْنَ قُلُوْبِهِمْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ يُقَالُ لَهُمْ ذلك عند دُخُولِهِمُ النَّارَ اى لانه لا ينفعكم اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝ اى جزاءه.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، اے نبی! آپ کیوں حرام کرتے ہیں اس کو جس کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے؟ یعنی اپنی باندی ماریہ قبطیہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنہا کو جب کہ آپ ﷺ نے اس سے حفصہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنہا کے گھر میں ہمبستری فرمائی، اور حفصہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنہا موجود نہیں تھیں، اچانک آگئیں اور یہ بات ان کے گھر میں ان کے بستر پر ان کو گراں گذری، اس وقت آپ ﷺ نے ہِيَ حَرَامٌ عَلَيَّ وہ میرے اوپر حرام ہے فرمادیا، اس کو حرام کرکے اپنی بیویوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے، اللہ بخشنے والا مہربان ہے آپ ﷺ کے اس حرام کرنے کو معاف فرمادیا، تحقیق کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسموں کو کفارہ دے کر جس کا سورۂ مائدہ میں ذکر ہے کھول ڈالنا فرض مشروع کیا ہے اور باندی کو حرام کرلینا بھی قسم میں داخل ہے! کیا آپ ﷺ نے کفارہ ادا فرمایا (یا ادا نہیں فرمایا) مقاتل نے کہا ہے کہ آپ ﷺ نے ماریہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنہا کی تحریم کے سلسلہ میں ایک غلام آزاد فرمایا، اور حسن نے کہا ہے کہ آپ ﷺ نے کفارہ ادا نہیں فرمایا، اس لئے کہ آپ ﷺ تو بخشے بخشائے ہیں، اللہ تمہارا کارساز ہے اور وہی حکمت والا ہے اور یاد کرو اس وقت کو جب آپ ﷺ نے اپنی بعض ازواج سے اور وہ حفصہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنہا ہیں رازدارانہ طور پر ایک بات کہی اور وہ ماریہ قبطیہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنہا کی تحریم کی بات تھی اور آپ ﷺ نے (حفصہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنہا) سے یہ بھی فرمایا کہ اس راز کو ظاہر نہ کرنا مگر اس نے اس بات کی عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنہا کو خبر کردی یہ سمجھتے ہوئے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اللہ نے اپنے نبی کو اس بات سے آگاہ کردیا تھا تو نبی نے حفصہ کو تھوڑی سی بات تو بتادی اور تھوڑی ٹال گئے آپ ﷺ کے کرم (حسن خلق کی وجہ سے) سو پیغمبر نے اس بیوی کو وہ بات جتلادی تو کہنے لگی آپ ﷺ کو اس کی خبر کس نے دی؟ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے جاننے والے بڑے خبر رکھنے والے (اللہ) نے خبر دی اے حفصہ اور عائشہ! اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرلو تو بہتر ہے، یقیناً تم دونوں کے دل ماریہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنہا کی تحریم کی طرف مائل ہوگئے ہیں یعنی ان کو (اس تحریم) نے خوش کیا حالانکہ آنحضرت ﷺ کو یہ بات ناگوار گذری، اور یہ بات گناہ ہے اور جواب شرط محذوف ہے (ای تقبلا) اور قلبین پر قلوب کا اطلاق کیا، دونوں کو تثنیہ سے تعبیر نہیں کیا، دو تثنیوں

کے کلمہ واحد کے مانند میں جمع ہونے کے ثقیل ہونے کی وجہ سے، اور اگر تم دونوں نبی کے خلاف اس چیز میں جس کو نبی نہ پسند کرتا ہے مدد کرو گی تو اللہ اس کا مددگار ہے هُــوَ ضمیر فصل ہے اور جبرائیل اور نیک اعمال والے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وجبرئيل وصالح المؤمنون کا اِنَّ کے اسم کے محل پر عطف ہے تو یہ سب آپ ﷺ کے مددگار ہیں اور اللہ اور مذکورین کی مدد کے علاوہ فرشتے اس کے مددگار ہیں یعنی تمہارے مقابلہ میں اس کی نصرت کے معاون (ومددگار ہیں) اگر نبی تم کو طلاق دیدے یعنی نبی اپنی ازواج کو طلاق دیدے، تو بہت جلد انہیں ان کا رب تمہارے عوض میں تم سے بہتر بیویاں عنایت فرمائے گا، (يُبْدِلَهٗ) دال کی تشدید و تخفیف کے ساتھ ہے (اَزْوَاجاً) عَسٰی کی خبر اور جملہ جواب شرط ہے اور شرط کے واقع نہ ہونے کی وجہ سے تبدیلی واقع نہیں ہوئی، جو اسلام لانے والیاں ہوں گی توبہ کرنے والیاں عبادت کرنے والیاں روزے رکھنے والیاں؛ ہجرت کرنے والیاں ہوں گی بیوہ اور کنواریاں ہوں گی اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو اللہ کی طاعت پر آمادہ کرکے نار جہنم سے بچاؤ جس کا ایندھن کافر انسان ہیں اور پتھر ہیں جیسا کہ پتھر کے بت یعنی جہنم شدید حرارت والی ہے جس کو مذکورہ چیزوں سے جلایا گیا ہے نہ کہ دنیا کی آگ کے مانند جس کو لکڑی وغیرہ سے جلایا جاتا ہے جس کے نگراں سخت دل فرشتے ہیں جن کی تعداد انیس ہے جیسا کہ سورۂ مدثر میں آئے گا غـــلاظ، غلظ القلب سے ماخوذ ہے اور پکڑ کرنے کے اعتبار سے شدید ہیں جن کو جو حکم اللہ تعالیٰ دیتے ہیں اس کی نافرمانی نہیں کرتے (مَـا اَمَـرَ الـلّٰـهُ) لفظ اللہ سے بدل ہے مطلب یہ کہ وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے (بلکہ) جس بات کا حکم دیا جاتا ہے وہی کرتے ہیں یہ تاکید ہے اور آیت میں مومنین کے لئے ارتداد سے اور زبان سے نہ کہ دل سے ایمان لانے والے منافقین کے لئے ڈراوا ہے، اے کافرو! تم آج عذر بہانہ مت کرو ان سے یہ بات دوزخ میں داخلے کے وقت کہی جائے گی، یہ اس لئے کہ عذر و معذرت ان کو کوئی نفع نہ دے گی، تمہیں صرف تمہارے کرتوتوں کا بدلہ دیا جا رہا ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

سورۂ تحریم کا دوسرا نام سورۃ النبی بھی ہے۔ (قرطبی)

قَوْلَهٗ: ماریة القبطیة یہ وہ باندی تھیں جنہیں مصر کے بادشاہ مقوقس نے آپ ﷺ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا تھا، یہ واقعہ ۷ھ میں پیش آیا اور ان کے بطن سے ذی الحجہ ۸ھ میں آپ ﷺ کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے تھے۔

قَوْلَهٗ: تَحِلَّةَ کھولنا، حلال کرنا حَلَّلَ کا مصدر ہے۔

قَوْلَهٗ: جواب الشرط محذوف، اِنْ تَتُوْبَا شرط ہے اور فَـقَـدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا علت شرط ہے یعنی تم توبہ اس لئے کرو کہ تمہارے قلوب حق سے غیر حق کی طرف مائل ہوگئے ہیں، جواب شرط تُـقْـبَـلَا محذوف ہے یعنی اگر تم توبہ کرو گی تو قبول کرلی جائے گی کما صرّح بہ المفسر العلام، اور بعض حضرات نے یکن خیرًا لکم جزاء محذوف مانی ہے۔

قَوْلُہٗ: اُطْلِق قُلُوْبٌ عَلٰی قَلْبَیْنِ الخ.

سَوَال: قُلُوْبُکُمَا میں تثنیہ کی جگہ قلوب جمع لایا گیا ہے حالانکہ قیاس کا تقاضہ قَلْبَاکُمَا تھا اس لئے کہ دو آدمیوں کے دو ہی قلب ہوتے ہیں۔

جَوَاب: مثل کلمہ واحدہ میں دو تثنیوں کا اجتماع ثقیل ہونے کی وجہ سے قلوب جمع لایا گیا ہے۔

سَوَال: مثل کلمہ واحدہ کیوں فرمایا نہ کہ کلمہ واحدہ؟

جَوَاب: مضاف اور مضاف الیہ حقیقت میں دو کلمے ہوتے ہیں مگر شدت اتصال کی وجہ سے مثل کلمہ واحدہ کے شمار ہوتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلَاہُ یہ شرط کی جزاء محذوف کی علت ہے وہ ناصر سے محروم اس لئے نہیں ہوگا کہ اللہ اس کا مولا اور ناصر ہے۔

قَوْلُہٗ: صَالِحُ اسم جنس ہے جس کا اطلاق واحد، تثنیہ، جمع سب پر ہوتا ہے اسی لئے اس کی صفت المومنون لانا صحیح ہے، کتاب میں مذکور ترکیب کے علاوہ ایک صورت یہ بھی جائز ہے کہ جبرئیل اور اس کے معطوفات مبتداء ہوں اور ظھیر بمعنی ظھراء مبتداء کی خبر۔

سَوَال: ظھیر خبر مفرد ہے اور مبتداء جمع ہے یہ جائز نہیں ہے۔

جَوَاب: ظھیر فعیل کے وزن پر ہے اس وزن میں واحد، تثنیہ، جمع سب برابر ہوتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: خَبَرُ عَسٰی، اَنْ یُبْدِلَہٗ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِنْکُنَّ، عَسٰی کی خبر ہے اور رَبُّہٗ، عَسٰی کا اسم ہے عَسٰی اپنے اسم وخبر سے مل کر جواب شرط ہے اور اِنْ طَلَّقَکُنَّ شرط ہے، مگر اس صورت میں یہ اعتراض ہوگا کہ اس جملہ کا فعل جامد ہے اور جب جملہ اس قسم کا ہو تو اس پر فاء لازم ہوتی ہے حالانکہ یہاں فاء نہیں ہے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ جزاء محذوف مانی جائے اور اس جملہ کو دلیل جزاء قرار دیا جائے۔ (صاوی)

قَوْلُہٗ: قُوْا بروزن عُوْا امر جمع مذکر حاضر یہ اصل میں اِوْقِیُوْا تھا۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

شانِ نزول:

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ (الآیۃ) اس آیت کے سبب نزول کے سلسلے میں چند اقوال ہیں، واحدی نے کہا ہے کہ اکثر مفسرین کا قول یہ ہے حضرت حفصہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا کے گھر میں ماریہ قبطیہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا کا واقعہ سبب نزول ہے، وقال القرطبی اکثر المفسرین علٰی اَنَّ الآیۃ نَزَلَتْ فی حفصۃ اور بعض مفسرین نے حضرت زینب بنت جحش رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا کے گھر شہد پینے کے واقعہ کو سبب نزول قرار دیا ہے، اور بعض مفسرین نے اس عورت کے واقعہ کو شان نزول قرار دیا

ہے جس نے خود کو آپ ﷺ کو ہبہ کر دیا تھا۔ (فتح القدیر، شوکانی)

فائدہ: ٦ھ میں صلح حدیبیہ سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جو خطوط اطراف ونواح میں بادشاہوں کو بھیجے تھے ان میں سے ایک اسکندریہ کے رومی بطریق کے نام بھی تھا جسے عرب میں مقوقس کہتے تھے، حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ نامہ مبارک لیکر گئے تھے، حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اس کے پاس پہنچے تو اس نے اسلام تو قبول نہ کیا مگر حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ خوش اخلاقی اور حسن سلوک کے ساتھ پیش آیا اور جواب میں لکھا کہ مجھے یہ معلوم ہے کہ ابھی ایک نبی آنا باقی ہے لیکن میرا خیال یہ ہے کہ وہ شام میں نکلے گا تاہم میں آپ کے قاصد کے ساتھ احترام سے پیش آیا ہوں اور آپ کی خدمت میں دولڑکیاں (باندیں) بھیج رہا ہوں جو قبطیوں میں بڑا رتبہ رکھتی ہیں (ابن سعد) ان لڑکیوں میں سے ایک سیرین تھیں اور دوسری ماریہ (عیسائی حضرت مریم کو ماریہ کہتے ہیں) مصر سے واپسی پر حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں کے سامنے اسلام پیش کیا، دونوں مشرف باسلام ہوگئیں، جب دونوں آپ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئیں تو آپ ﷺ نے سیرین حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمادیں اور حضرت ماریہ کو اپنے پاس رکھ لیا، ان ہی کے بطن سے ۸ھ میں آپ ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔ (الاستیعاب، الاصابہ) یہ خاتون نہایت خوبصورت تھیں، حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں ان کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مجھے کسی عورت کا آنا اس قدر ناپسند نہ ہوا جتنا ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا آنا ہوا تھا، کیونکہ وہ حسین وجمیل تھیں اور آپ ﷺ کو بہت پسند آئی تھیں ان کے بارے میں متعدد طریقوں سے جو قصہ احادیث میں نقل ہوا ہے وہ مختصراً یہ ہے۔

حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا واقعہ:

آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کے لئے باری مقرر فرمائی تھی، حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی باری میں آپ ﷺ سے اپنے والدین کے گھر جانے کی اجازت چاہی آپ ﷺ نے اجازت دیدی، اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلب فرمایا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کے گھر ہم بستر ہوئے، حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا واپس آئیں تو دروازہ بند پایا دروازہ پر بیٹھ گئیں اور رونے لگیں جب آپ ﷺ باہر تشریف لائے تو رونے کا سبب دریافت فرمایا، تو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا، میری باری، میرا حجرہ، میرا بستر، میرے حق کی کچھ رعایت نہ کی گئی، کیا آپ ﷺ نے مجھے اس لئے اجازت دی تھی آپ ﷺ نے حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نرمی سے سمجھا کر خوش کیا اور فرمایا میں نے اسے حرام کرلیا، اور میرے بعد ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے بعد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوں گے مگر یہ راز مخفی رہے (بخاری، بحوالہ خلاصۃ تفسیر) یہی واقعہ مذکورہ آیت کے نزول کا سبب ہوا۔

حضرت زینب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا کا واقعہ:

صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا وغیرہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ عصر کے بعد کھڑے کھڑے سب بیویوں کے پاس (خبر گیری کے لئے) تشریف لے جایا کرتے تھے، ایک روز حضرت زینب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا کے پاس معمول سے زیادہ ٹھہرے اور شہد نوش فرمایا، تو مجھے رشک آیا میں نے حضرت حفصہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا سے مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی آپ ﷺ تشریف لائیں تو وہ یوں کہے کہ آپ ﷺ نے مغافیر نوش فرمایا ہے (مغافیر ایک خاص قسم کا گوند ہوتا ہے جس میں کچھ بدبو ہوتی ہے) چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ ﷺ جس بیوی کے پاس تشریف لے جاتے یہی بات سننے کو ملتی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تو شہد پیا ہے، ان بیوی نے کہا شاید کوئی مکھی مغافیر کے درخت پر بیٹھی ہو اور اس کا رس چوسا ہو، اسی وجہ سے شہد میں بدبو آنے لگی ہو؟ رسول اللہ ﷺ بدبو کی چیزوں سے بہت زیادہ پرہیز فرماتے تھے اس لئے آپ ﷺ نے قسم کھائی کہ آئندہ میں شہد نہ پیوں گا اور اس خیال سے کہ زینب رضی اللہ عنہا کو یہ بات ناگوار ہو اس بات کے اخفاء کی تاکید فرمائی مگر ان صاحبہ نے دوسری بیوی سے کہہ دیا، بعض روایات میں ہے کہ حضرت حفصہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا شہد پلانے والی ہیں اور حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا اور سودہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا وصفیہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا صلاح ومشورہ کرنے والی ہیں اور بعض روایات میں یہ قصہ دوسری طرح بھی آیا ہے۔ ممکن ہے کہ کئی واقعات ہوں اور ان کے بعد یہ آیت نازل ہوئی ہو۔ (معارف)

اکابر اہل علم نے ان دونوں قصوں میں سے اسی دوسرے قصے کو صحیح قرار دیا ہے، امام نسائی فرماتے ہیں کہ شہد کے معاملہ میں حضرت عائشہ کی حدیث نہایت صحیح ہے، اور حضرت ماریہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا کو حرام کر لینے کا قصہ کسی عمدہ طریق سے نقل نہیں ہوا، قاضی عیاض فرماتے ہیں یہ آیت حضرت ماریہ کے معاملہ میں نہیں بلکہ شہد کے معاملہ میں نازل ہوئی ہے، قاضی ابو بکر ابن عربی شہد ہی کے قصے کو صحیح قرار دیتے ہیں، اور یہی رائے امام نووی اور حافظ بدر الدین عینی کی ہے، ابن کثیر فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت شہد کو اپنے اوپر حرام کر لینے کے بارے میں نازل ہوئی، ابن ہمام صاحب فتح القدیر نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ (الآیۃ) اس آیت میں بھی قرآن کے عام اسلوب کے مطابق آپ ﷺ کا نام لیکر خطاب فرمانے کے بجائے آپ ﷺ کے اعزازی لقب يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ سے خطاب فرمایا ہے، فرمایا آپ ﷺ اپنی ازواج کی خوشنودی اور رضا جوئی کے لئے اپنے اوپر حلال چیز کو حرام فرما کر کیوں تنگی کرتے ہیں يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ میں اگرچہ صورت استفہام کی ہے مگر مقصد ناپسندیدگی کا اظہار ہے یہ کلام اگرچہ از روئے شفقت ہو مگر صورت جواب طلبی کی تھی اور آپ ﷺ کو اس بات پر تنبیہ کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینے کا جو فعل آپ ﷺ سے صادر ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، اس سے یہ بات خود بخود ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ نے جس چیز کو حلال کیا ہے اسے حرام کرنے کا اختیار

کسی کو بھی نہیں ہے حتی کہ خود نبی ﷺ کو بھی نہیں ہے، اگرچہ حضور ﷺ نے اس چیز کو نہ عقیدۃً حرام سمجھا تھا اور نہ اسے شرعاً حرام قرار دیا تھا، بلکہ صرف اپنی ذات پر اس کے استعمال کو ممنوع کرلیا تھا، لیکن چونکہ آپ ﷺ کی حیثیت ایک عام آدمی کی نہیں بلکہ اللہ کے رسول ﷺ کی تھی، اور آپ ﷺ کے کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کرلینے سے یہ خطرہ پیدا ہوسکتا تھا کہ امت بھی اس شئ کو حرام یا کم از کم مکروہ سمجھنے لگے، یا امت کے افراد یہ خیال کرنے لگیں کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو اپنے اوپر حرام کرلینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اس فعل پر مشفقانہ گرفت فرمائی اور آپ ﷺ کو اس تحریم سے باز رہنے کا حکم دیا۔

کسی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کرنے کی تین صورتیں ہیں، ① اگر کوئی شخص کسی حلال قطعی کو عقیدۃً حرام قرار دے تو یہ کفر اور گناہ عظیم ہے ② اور اگر عقیدۃً حرام نہ سمجھے مگر بلا کسی ضرورت و مصلحت کے قسم کھا کر اپنے اوپر حرام کرلے تو یہ گناہ ہے، اس قسم کو توڑنا اور کفارہ ادا کرنا واجب ہے اور اگر کسی ضرورت و مصلحت سے ہو تو جائز ہے مگر خلاف اولیٰ ہے ③ تیسری صورت یہ کہ نہ عقیدۃً حرام سمجھے نہ قسم کھا کر اپنے اوپر حرام کرے مگر عملاً اس کو ترک کرنے کا دل میں عزم کرلے، یہ عزم اگر اس نیت سے کرے کہ اس کا دائمی ترک باعث ثواب ہے تب تو یہ بدعت اور رہبانیت ہے جو شرعاً گناہ اور مذموم ہے اور ترک دائمی کو ثواب سمجھ کر نہیں بلکہ اپنے کسی جسمانی یا روحانی مرض کے علاج کے طور پر کرتا ہے تو بلا کراہت جائز ہے جیسا کہ کوئی شوگر (شَکَر) کا مریض (شَکَر) کا استعمال ترک کردے۔ (معارف)

واقعہ مذکورہ میں آپ ﷺ نے قسم کھالی تھی نزول آیت کے بعد اس قسم کو توڑا اور کفارہ ادا کیا، جیسا کہ درمنثور کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک غلام کفارۂ قسم میں آزاد کیا۔ (از بیان القرآن)

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ یعنی ایسی صورت میں جہاں قسم کا توڑنا ضروری یا مستحسن ہو تمہاری قسموں سے حلال ہونے یعنی قسم توڑ کر کفارہ ادا کردینے کا راستہ نکال دیا ہے، قسم کا یہ کفارہ سورۂ مائدہ آیت ۸۹ میں بیان کیا گیا ہے چنانچہ آنحضور ﷺ نے بھی کفارہ ادا کیا۔ (کما مر آنفا)

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ (الآیة) وہ راز کی بات کیا تھی جو آپ ﷺ نے اپنی کسی بیوی سے کہی تھی صحیح اور اکثر روایات کی رو سے شہد کو حرام کرنے کی بات تھی، اور مخفی رکھنے کا حکم اس لئے دیا تھا کہ زینب رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا کو اس سے تکلیف و رنج نہ ہو، مگر اس بیوی نے یہ راز دوسری بیوی پر ظاہر کردیا، اس راز کی بات کے بارے میں اگرچہ اور اقوال بھی منقول ہیں مگر راجح یہی قول ہے۔

فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ (الآیة) جب اس بیوی نے وہ راز کی بات دوسری بیوی سے کہہ دی اور اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو اس افشائے راز کی خبر کردی تو آپ ﷺ نے اس بیوی سے افشائے راز کا شکوہ کیا مگر پوری بات نہیں کھولی کچھ بات کہی اور کچھ کو ٹال گئے تا کہ اس بیوی کو زیادہ خجالت اور شرمندگی نہ ہو، یہ آنحضرت ﷺ کا کرم اور حسن سلوک تھا، جس بیوی سے راز کی بات کہی تھی وہ کون تھی؟ اور جس پر راز ظاہر کیا وہ کون؟ قرآن کریم نے اس کو بیان نہیں کیا، اکثر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ راز کی بات حضرت حفصہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا سے کہی گئی تھی انہوں نے حضرت عائشہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا سے ذکر کردیا۔

بعض روایات حدیث میں ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے راز فاش کرنے پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا، مگر اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امین کو بھیج کر آپ ﷺ کو طلاق سے روک دیا اور فرمایا کہ وہ بہت نماز گذار اور بکثرت روزے رکھنے والی ہیں اور ان کا نام جنت میں آپ ﷺ کی بیویوں میں لکھا ہوا ہے۔ (مظہری، معارف) بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک طلاق دیدی تھی مگر جبرئیل کے کہنے سے آپ ﷺ نے رجوع فرمالیا۔

اِنْ تَتُوْبَا اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا، اِنْ تَتُوْبَا تثنیہ کا صیغہ ہے جس سے مراد دو بیویاں ہیں وہ دو کون ہیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک طویل روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک روز موقع پا کر خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان دونوں کے بارے میں دریافت فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا وہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں، اِنْ تَتُوْبَا میں دونوں ازواج کو خطاب کر کے فرمایا کہ تمہارے قلوب حق سے مائل ہو گئے ہیں اس کا تقاضہ ہے کہ تم توبہ کرو، کیونکہ آپ ﷺ کی محبت اور رضا جوئی ہر مومن کے لئے ضروری ہے، مگر تم دونوں نے باہم مشورہ کر کے ایسی صورت اختیار کی جس سے آپ ﷺ کو تکلیف پہنچی لہٰذا اس سے توبہ کرنا ضروری ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا اس آیت میں اہل ایمان کو ایک نہایت ہی اہم ذمہ داری کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، اور وہ ہے اپنے ساتھ اپنے گھر والوں کی بھی اصلاح اور ان کی اسلامی تعلیم و تربیت کا اہتمام، تاکہ یہ سب جہنم کا ایندھن بننے سے بچ جائیں، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب بچہ سات سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے نماز کی تلقین کرو اور دس سال کی عمر میں بچوں میں نماز سے تساہل دیکھو تو انہیں سرزنش کرو۔ (سنن ابی داؤد و سنن ترمذی)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا بفتح النُّون وضمِّها صادقةً بأن لا يُعاد الى الذنب ولا يُراد العودُ اليه عَسٰى رَبُّكُمْ ترجيةٌ تقع اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ بساتين تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ بإدخال النار النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ أمامهم وَ يكون بِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ مُستأنفٌ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا الى الجنة والمنافقون يُطفى نورُهم وَاغْفِرْ لَنَا ربنا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ بالسيف وَالْمُنٰفِقِيْنَ باللسان والحجّة وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ بالانتهار والمقت وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ هي ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا في الدين اذ كفرتا وكانت امرأةُ نوحٍ واسمُها واهلةُ تقولُ لقومه انّه مجنونٌ وامرأةُ لوطٍ واسمُها واعلةُ تدلُّ على أضيافه اذا نزلوا به ليلاً بإيقادِ النار ونهارًا بالتدخين فَلَمْ يُغْنِيَا اى نوحٌ ولوطٌ عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ من عذابه شَيْـًٔا وَّقِيْلَ لهما ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ من كفار قوم نوحٍ وقوم لوطٍ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ آمنت بموسى واسمُها آسيةُ فعذّبها فرعونُ بأن أوتد يديها ورجليها وألقى على صدرها رحىً عظيمةً

واستقبل بها الشمس فكانت اذا تفرق عنها من وُكّل بها ظلّتها الملائكة **إِذْ قَالَتْ** في حال التعذيب **رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ** فكشف لها فرأته فسهل عليها التعذيب **وَنَجِّنِي مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ** وتعذيبه **وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ** اهل دينه فقبض الله رُوحها وقال ابن كيسان رُفعت الى الجنة حيّةً فهي تأكل وتشرب **وَمَرْيَمَ** عطفٌ على امرأة فرعون **ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا** حفظته **فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا** اى جبرئيل حيثُ نفخ في جيب درعها بخلق الله فعله الواصل الى فرجها فحملت بعيسى **وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا** بشرائعه **وَكُتُبِهٖ** المنزلة **وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ** من القوم المطيعين.

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کے سامنے سچی توبہ کرو (نَصُوْحًا) میں نون کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ اس طریقہ پر کہ نہ دوبارہ گناہ کرے گا اور نہ اس کا ارادہ کرے گا امید ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہوں کو دور کر دے گا اور یہ ایسی توقع ہے کہ جس کا وقوع (یقینا) ہوگا، تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جس دن اللہ نبی کو اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کو آگ میں داخل کر کے رسوا نہ کرے گا ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے دائیں دوڑتا ہوگا اللہ سے دعاء کرتے ہوں گے (یقولون) جملہ مستانفہ ہے، اے ہمارے پروردگار! تو ہمارے اس نور کو جنت میں پہنچنے تک باقی رکھئے اور منافقوں کا نور بجھ جائے گا، اور اے ہمارے پروردگار! تو ہماری مغفرت فرما بے شک تو ہر شئ پر قادر ہے اے نبی! کفار سے تلوار سے اور منافقین سے زبان اور دلیل سے جہاد کیجئے اور ڈانٹ ڈپٹ اور جھڑک سے ان پر سختی کیجئے، ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نوح اور لوط کی بیویوں کی مثال بیان فرمائی ہے اور یہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں ان دونوں نے ان کے دین میں جب کہ کفر کیا خیانت کی نوح علیہ السلام کی بیوی جس کا نام واہلہ تھا، اپنی قوم سے کہا کرتی تھی کہ یہ (میرا شوہر) پاگل ہے اور لوط علیہ السلام کی بیوی جس کا نام واعلہ تھا اپنی قوم کو لوط علیہ السلام کے مہمانوں کی نشاندہی کر دیتی تھی، جب رات کو آتے تھے تو آگ جلا کر اور دن میں دھواں کر کے، نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام ان سے اللہ کے عذاب کو روکنے میں کچھ کام نہ آئے ان کو حکم دیا جائے گا کہ قوم نوح اور قوم لوط میں سے داخل ہونے والے کافروں کے ساتھ دوزخ میں داخل ہو جاؤ اور اللہ نے ایمان والوں کے لئے فرعون کی بیوی کی مثال بیان فرمائی جو کہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائی تھی اور اس کا نام آسیہ تھا، اور فرعون اس کے ہاتھ اور پیروں میں میخ گاڑ کر سزا دیتا تھا، اور اس کے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیتا تھا، اور اس کو سورج کے رخ کر دیتا تھا، اور جب وہ لوگ جن کے اس کو حوالہ کیا تھا الگ ہو جاتے تو فرشتے اس پر سایہ فگن ہو جاتے، جب کہ اس نے حالت تعذیب میں دعاء کی اے میرے پروردگار! تو میرے لئے اپنے پاس جنت میں مکان بنا دے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے (پردے) اٹھا دیئے، جس سے اس نے اپنا مکان دیکھ لیا، اور سزا کو

برداشت کرنا اس کے لئے آسان ہوگیا، اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے (یعنی اس کی سزا سے) بچا اور مجھے اس کی ظالم قوم یعنی اس کے ہم مذہب لوگوں سے بچا تو اللہ نے اس کی روح کو قبض کرلیا، اور ابن کیسان نے کہا ہے کہ ان کو زندہ جنت کی طرف اٹھالیا گیا، تو وہ کھاتی ہے اور پیتی ہے، (اور مثال بیان فرمائی) مریم بنت عمران کی اس کا عطف اِمْرَأَۃَ فِرْعَوْنَ پر ہے، جس نے اپنی ناموس کی حفاظت کی پھر ہم نے اپنی طرف سے اس میں روح پھونک دی، یعنی جبرائیل نے اس طریقہ پر کہ اس نے اس کی قمیص کے گریبان میں پھونک ماردی، اللہ نے جبرئیل کے فعل کو تخلیق کرکے چنانچہ وہ عیسیٰ سے حاملہ ہوگئیں، اور اس نے اپنے رب کی باتوں کی شریعت کی اور اس کی نازل کردہ کتابوں کی تصدیق کی، اور وہ عبادت گذار لوگوں میں سے تھی۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: نَصُوْحًا نون کے فتحہ کے ساتھ، مبالغہ کا صیغہ ہے، بروزن شَکُوْرٌ، تَوْبَۃً کی صفت ہے یعنی انتہائی خالص توبہ، اور نون کے ضمہ کے ساتھ، مصدر ہے جیسے نَصَحَ نُصْحًا و نُصُوحًا اس صورت میں توبۃً کی صفت مبالغۃً ہوگی اور زیدٌ عدل کے قبیل سے ہوگی، ورنہ تو مصدر کا حمل ذات پر لازم آئے گا، نُصُوْحًا، تَوْبَۃً کی صفت اسناد مجازی کے طور پر ہوگی ورنہ حقیقت میں نصوحًا تائب کی صفت ہے۔

قَوْلُہٗ: تَرْجِیَۃٌ تَقَعُ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: یہ ہے کہ عَسٰی ترجی اور توقع کے لئے استعمال ہوتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں ترجی اور توقع نہیں ہوتی بلکہ یقینی الوقوع ہوتی ہے۔

جَوَاب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ عَسٰی اگرچہ توقع و ترجی، امید و طمع کے لئے آتا ہے مگر قرآن میں یقینی الوقوع کے لئے استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ یہاں ہے۔

قَوْلُہٗ: یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ، یَوْمَ یا تو، یُدْخِلَکُمْ کی وجہ سے منصوب ہے یا اُذکر فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے۔

قَوْلُہٗ: وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا یا تو اس کا عطف النبی پر ہے اس صورت میں وقف مَعَہٗ پر ہوگا اور نورھم یَسْعٰی کلام مستانف ہوگا اس صورت میں نورھم مبتداء ہوگا اور یَسْعٰی بینھُمْ اس کی خبر اور یہ بھی ہوسکتا ہے نُوْرُھُمْ یَسْعٰی جملہ حال ہونے کی وجہ سے محلًا منصوب ہو۔

قَوْلُہٗ: ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا، ضَرَبَ بمعنی جَعَلَ متعدی بدو مفعول ہے مَثَلًا مفعول بہ ثانی مقدم اِمْرَأَۃَ نوحٍ مفعول بہ اول

ہے مفعول بہ اول کو مؤخر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کَانَتَا تَحتَ عَبْدَيْنِ الخ سے مفعول اول یعنی اِمرأۃ نوحٍ، امرأۃ لوطٍ کا حال بیان کیا جارہا ہے لہٰذا مفعول اول کو مؤخر کردیا تا کہ حال اور صاحب حال متصل ہو جائیں۔

قَوْلُهُ: امْرَاَتَ نُوْحٍ وامْرَاَتَ لوطٍ مصحف امام کے رسم الخط کے مطابق اِمْرأۃ کو لمبی تاء کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

قَوْلُهُ: شیئًا یہ حذف موصوف کے ساتھ لمْ یُغْنِیَا کا مفعول مطلق ہے ای لمْ یُغْنِیا اِغْنَاءً شَیْئًا

قَوْلُهُ: قِيْلَ تیقنِی الوقوع ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کیا ہے، اور قائل ملائکہ ہیں۔

قَوْلُهُ: وتعْذِيبه یہ عَمَلِه کا عطف تفسیری ہے۔

قَوْلُهُ: ای جبرئيل، جبرئیل، رُوْحَنَا کی تفسیر ہے۔

تَفسِیر وتَشریح

تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَصُوحا "توبہ" کے لفظی معنی لوٹنے، رجوع کرنے کے ہیں، مراد گناہوں سے رجوع کرنا ہے، قرآن وسنت کی اصطلاح میں توبہ اس کا نام ہے کہ آدمی اپنے پچھلے گناہ پر نادم وشرمندہ ہو اور آئندہ اس کے ارتکاب نہ کرنے کا پختہ عزم کرے، نَصُوح، نُصْحٌ کے معنی عربی زبان میں خلوص اور خیر خواہی کے ہیں، خالص شہد کو عَسَلٌ ناصحٌ کہتے ہیں اس لئے کہ وہ موم اور دیگر آلائشوں سے پاک صاف ہوتا ہے، پھٹے ہوئے کپڑوں کی مرمت کرنے کو بھی نصحۃ کہتے ہیں، تَوْبَةُ النصوح کا مطلب ہوگا ایسی خالص توبہ کہ جس میں ریاء ونفاق کا شائبہ تک نہ ہو، یا آدمی خود اپنے نفس کے ساتھ خیر خواہی کرے اور گناہ سے توبہ کرکے خود کو بدانجامی سے بچالے، یا یہ کہ گناہ کی وجہ سے اس دین میں جو شگاف پڑ گیا ہے توبہ کے ذریعہ اس کی اصلاح کرے حسن بصری رَحِمَکَاللّٰهُ تَعَالیٰ نے فرمایا کہ توبة النصوح یہ ہے کہ آدمی اپنے گذشتہ عمل پر نادم ہو اور اس کی طرف نہ لوٹنے کا پختہ عزم رکھتا ہو، اور کلبی نے کہا کہ توبة النصوح یہ ہے کہ زبان سے استغفار کرے اور دل میں نادم ہو اور اپنے بدن واعضاء کو آئندہ اس گناہ سے روکے، حضرت علی رَضِحَاللّٰهُ تَعَالیٰ نے ایک مرتبہ ایک بدو کو جلدی جلدی توبہ کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا یہ تَوْبَةُ الکذابین ہے، اس نے پوچھا پھر صحیح توبہ کیا ہے؟ فرمایا اس کے ساتھ چھ چیزیں ہونی چاہئے ① جو کچھ ہو چکا اس پر نادم ہو ② جن فرائض سے غفلت کی ان کو ادا کرے ③ جس کا حق مارا ہو اس کو واپس کرے ④ جس کو تکلیف پہنچائی ہو اس سے معافی مانگے ⑤ آئندہ کے لئے عزم کرے کہ اس گناہ کا اعادہ نہ کرے گا ⑥ اپنے نفس کو اللہ کی اطاعت میں گلادے، جس طرح تو نے اب تک اسے معصیت کا خوگر بنائے رکھا ہے اور اس کو اطاعت کی تلخی کا مزا چکھا، جس طرح اب تک تو اسے معصیتوں کی حلاوت کا مزا چکھاتا رہا ہے۔

(کشاف، مطهری)

فَائِدَہ: توبہ کے سلسلے میں مندرجہ ذیل امور کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے، اول یہ کہ توبہ درحقیقت کسی معصیت پر اس لئے نادم ہونا ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی ہے، ورنہ کسی گناہ سے اس لئے پرہیز کا عہد کر لینا کہ مثلاً وہ صحت کے لئے نقصان دہ ہے یا کسی بدنامی یا مالی نقصان کا موجب ہے، یہ توبہ کی تعریف میں نہیں آتا، دوسرے یہ کہ جس وقت یہ احساس ہو جائے کہ اس سے اللہ کی نافرمانی ہوئی ہے تو توبہ کرنے میں جلدی کرے اور بلا تاخیر اس کی تلافی کرنی چاہئے، تیسرے یہ کہ توبہ کر کے بار بار توڑتے چلے جانا اور توبہ کو کھیل بنا لینا اور اسی گناہ کا بار بار اعادہ کرنا جس سے توبہ کی گئی ہے یہ توبہ کے جھوٹا ہونے کی دلیل ہے، چوتھے یہ کہ جو شخص سچے دل سے توبہ کر کے یہ عزم کر چکا ہو کہ پھر اس گناہ کا اعادہ نہ کرے گا اس سے اگر بشری کمزوری کی بنا پر اسی گناہ کا اعادہ ہو جائے تو پچھلا گناہ تازہ نہ ہوگا، البتہ اسے بعد والے گناہ پر پھر توبہ کرنی چاہئے، پانچویں یہ کہ ہر مرتبہ جب معصیت یاد آئے توبہ کی تجدید کرنا لازم نہیں ہے لیکن اگر اس کا نفس اپنی سابقہ گنہگارانہ زندگی کی یاد سے لطف لے رہا ہو تو بار بار توبہ کرنی چاہئے یہاں تک کہ گناہوں کی یاد اس کے لئے لذت کے بجائے شرم ساری کی موجب بن جائے۔

عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ آیت میں لفظ عَسٰى استعمال ہوا ہے اس کے معنی امید اور توقع کے ہیں مگر یہاں اس سے مراد وعدہ ہے اس لئے کہ بڑے لوگوں مثلاً بادشاہوں کا امید دلانا وعدہ سمجھا جاتا ہے اللہ تعالیٰ تو بادشاہوں کے بادشاہ ان کی توقع اور امید دلانا وعدہ ہی سمجھا جائے گا، مگر لفظ عَسٰى استعمال کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ انسان کا کوئی بھی عمل یا تمام اعمال صالحہ بھی جنت کی قیمت نہیں بن سکتے اور نہ از روئے انصاف اللہ پر یہ لازم آتا ہے کہ عمل صالح کے بدلے میں ضرور جنت میں داخل کرے یہ محض اللہ کے فضل و کرم پر موقوف ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی کو صرف اس کا عمل نجات نہیں دلا سکتا، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ﷺ کو بھی آپ ﷺ نے فرمایا ہاں مجھے بھی جب تک اللہ اپنے فضل و رحمت کا معاملہ نہ کرے۔ (بخاری، مظہری)

لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مَعَهٗ مطلب یہ کہ اللہ پر واجب اور لازم نہیں کہ محض عمل کے عوض کسی کو جنت میں داخل کرے مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے اور مومنین کے اجر کو ضائع نہ کرے گا، کفار اور منافقین کو یہ کہنے کا موقع ہرگز نہ دے گا کہ ان لوگوں نے خدا پرستی کی بھی تو ان کو کیا صلہ ملا؟ رسوائی باغیوں اور نافرمانوں کے حصہ میں آئے گی نہ کہ وفاداروں اور فرمانبرداروں کے حصے میں۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ (الآیة) سورت کے آخری رکوع میں اللہ تعالیٰ نے چار عورتوں کی مثالیں بیان فرمائی ہیں، پہلی دو عورتیں دو پیغمبروں کی بیویاں ہیں جنہوں نے دین کے معاملہ میں اپنے شوہروں کی مخالفت کی جس کے نتیجے میں جہنم میں گئیں، اللہ کے برگزیدہ پیغمبروں کی زوجیت بھی ان کو عذاب سے نہ

بچ سکی، ان سے میں ایک حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی جس کا نام واہلہ بیان کیا گیا ہے، دوسری حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی جس کا نام واعلہ بیان کیا گیا ہے (قرطبی) ان کے ناموں میں اور بھی مختلف اقوال ہیں تیسری وہ عورت جو سب سے بڑے کافر خدائی کے مدعی فرعون کی بیوی آسیہ تھی مگر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی، اس کو اللہ عز و جل نے یہ درجہ دیا کہ دنیا ہی میں اس کو جنت کا مقام دکھلا دیا، شوہر کی فرعونیت اس کی راہ میں کچھ حائل نہیں ہوسکی، چوتھی حضرت مریم ہیں جو کسی کی بیوی نہیں مگر ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ درجہ دیا کہ ان کو نبوت کے کمالات عطا کئے اگرچہ جمہور امت کے نزدیک وہ نبی نہیں۔ (معارف)

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ آمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ (الآیة) یہ مثال فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم کی ہے جس وقت موسیٰ علیہ السلام جادوگروں کے مقابلہ میں کامیاب ہوئے اور جادوگر ایمان لے آئے تو آسیہ بنت مزاحم نے بھی اپنے ایمان کا اظہار کر دیا، فرعون نے ان کو سخت سزا دینا تجویز کی، بعض روایات میں ہے کہ ان کو چومیخہ کر کے ان کے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا، مگر ان سب کچھ کے باوجود کفر کی صولت وشوکت ان کی استقامت فی الدین، شدائد ومصائب پر صبر وثابت قدمی کو متزلزل نہ کر سکی۔

وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ کلمات سے مراد آسمانی صحیفے ہیں اور کتب سے مراد مشہور آسمانی کتابیں ہیں۔

بحمد اللہ تم

سُوْرَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ ثَلَاثُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ ملک مکی ہے، تیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ تَبٰرَكَ تنزه عن صفات المُحدثين الَّذِيْ بِيَدِهِ فِي تصرُّفه الْمُلْكُ السُّلطانُ والقدرةُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ في الدُّنيا وَالْحَيٰوةَ في الاٰخرة اوهُما في الدُّنيا فالنُّطفةُ تُعرض لها الحيوةُ وهي ما به الاحساسُ والموتُ ضدُّها اوعدمُها قولان والخلقُ على الثاني بمعنى التقدير لِيَبْلُوَكُمْ ليختبركم في الحيوة اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا اطوعُ للّٰه وَهُوَ الْعَزِيْزُ في انتقامه ممَّن عصَاه الْغَفُوْرُ ۙ لمن تاب اليه الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ بعضُها فوق بعض من غير مُماسَّةٍ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ لهن ولا لغيرهن مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ تباينٍ وعدم تناسُب فَارْجِعِ الْبَصَرَ أعده الى السَّماء هَلْ تَرٰى فيها مِنْ فُطُوْرٍ ③ صُدوعٍ وشُقوقٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ كرةً بعد كرةٍ يَنْقَلِبْ يرجعْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا ذليلا لعدم ادراك خللٍ وَّهُوَ حَسِيْرٌ ④ مُنقطعٌ عن رُؤية خللٍ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا القُربى الى الارض بِمَصَابِيْحَ بنجومٍ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا مراجم لِّلشَّيٰطِيْنِ اذا استرقوا السَّمعَ بان يَنفصلَ شهابٌ عن الكوكب كالقبس يُؤخذُ من النار فيقتُلُ الجنيَّ او يخبلُه لا أنَّ الكوكبَ يزولُ عن مكانه وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ⑤ النار المُوقدة وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑥ هي اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا صوتًا مُنكرًا كصوت الحِمار وَّهِيَ تَفُوْرُ ⑦ تغلي تَكَادُ تَمَيَّزُ وقرئ تتميَّزُ على الاصل تتقطَّعُ مِنَ الْغَيْظِ ۭ غضبًا على الكُفّار كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ جماعةٌ منهم سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ سُوال توبيخ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ⑧ رسولٌ يُنذركم عذابَ اللّٰه تعالٰى قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَاۗءَنَا نَذِيْرٌ ڏ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ښ اِنْ ما اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ⑨ يحتملُ ان يكون من كلام الملائكة للكفّار حين اخبروا بالتكذيب وان يكون من كلام الكُفّار للنُذُر وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اي سماع تفهُّم اَوْ نَعْقِلُ اي عقل

تنكير **مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ﴿١٠﴾ فَاعْتَرَفُوْا** حيث لا ينفع الاعتراف **بِذَنْۢبِهِمْ** وهو تكذيب النذر **فَسُحْقًا** بسكون الحاء وضمها **لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ** فبعدا لهم عن رحمة الله تعالى **اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ** يخافونه **بِالْغَيْبِ** في غيبتهم عن اعين الناس فيطيعونه سرا فيكون علانية اولى **لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ﴿١٢﴾** اي الجنة **وَاَسِرُّوْا** ايها الناس **قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ۭ اِنَّهٗ** تعالى **عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴿١٣﴾** بما فيها فكيف بما نطقتم به وسبب نزول ذلك ان المشركين قال بعضهم لبعض اسروا قولكم لا يسمعكم اله محمد **اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ** ما تسرون اي اينتفي علمه بذلك **وَهُوَ اللَّطِيْفُ** في علمه **الْخَبِيْرُ﴿١٤﴾** فيه لا

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، وہ بڑا عالی شان ہے مخلوق (مخلوق) کی صفات سے پاک ہے، جس کے قبضہ تصرف میں بادشاہی اور قدرت ہے جس نے دنیا میں موت کو پیدا فرمایا اور حیات کو آخرت میں پیدا فرمایا، یا دونوں کو دنیا میں پیدا فرمایا چنانچہ نطفہ میں حیات ڈالی جاتی ہے، اور حیات وہ ہے کہ جس سے احساس ہوتا ہے، اور موت اس کی ضد ہے یا عدم حیات کا نام موت ہے، یہ دونوں قول ہیں، اور ثانی صورت میں خلق بمعنی تقدیر ہوگا، تاکہ حیات میں تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے؟ یعنی زیادہ فرمانبردار ہے، وہ اپنی نافرمانی کرنے والے سے انتقام لینے میں زبردست ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کو معاف کرنے والا ہے اس نے سات آسمان تہ بہ تہ پیدا کئے بعض بعض کے اوپر اتصال کے بغیر، تو خدا کی اس صنعت میں یا اس کے علاوہ (کسی اور صنعت) میں کوئی خلل مثلاً تباین اور عدم تناسب نہیں دیکھے گا پھر نظر آسمان کی طرف لوٹا کہیں تجھے کوئی خلل یعنی شگاف اور خستگی نظر آتی ہے؟ پھر نظر مکرر بار بار ڈال نقص کا ادراک نہ کرنے کی وجہ سے ذلیل و درماندہ ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی حال یہ کہ وہ نقص کے ادراک سے عاجز ہوگی بے شک ہم نے آسمان دنیا کو یعنی زمین سے قریبی آسمان کو چراغوں ستاروں سے آراستہ کیا ہے اور ہم نے انہیں شیاطین کو مارنے کا آلہ (ذریعہ) بنایا ہے جب کہ وہ چوری چھپے سننے کے لئے کان لگاتے ہیں اس طریقہ سے کہ ستارہ سے شعلہ جدا ہوتا ہے، جس طرح کہ چنگاری آگ سے جدا ہوتی ہے تو وہ جنی کو قتل کر دیتا ہے، یا اس کو پاگل بنا دیتا ہے، نہ یہ کہ ستارہ اپنی جگہ سے ہٹ جاتا ہے اور ہم نے شیطانوں کے لئے دوزخ کا جلنے والا عذاب یعنی جلانے والی آگ تیار کر رکھا ہے اور اپنے رب کے ساتھ کفر کرنے والوں کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور وہ کیا ہی بری جگہ ہے اور جب وہ اس میں ڈالے جائیں گے تو وہ اس کی گدھے کی آواز کے مانند ناخوشگوار آوازیں سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی قریب ہے کہ کافروں پر غصہ کے مارے پھٹ جائے اور اصل کے مطابق تتمیز بھی پڑھا گیا ہے بمعنی تنقطع جب بھی اس میں ان میں کی کوئی جماعت جہنم میں ڈالی جائے گی تو جہنم کے نگراں بطور توبیخ ان سے سوال کریں گے کیا تمہارے پاس ڈرانے والا رسول کہ جس نے تم کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا ہو نہیں آیا تھا؟ تو وہ جواب دیں گے بے شک آیا تھا لیکن ہم نے اسے جھٹلا دیا اور ہم نے کہہ دیا کہ اللہ نے کچھ

بھی نازل نہیں کیا تم بہت بڑی گمراہی میں ہو احتمال یہ ہے کہ یہ نبیوں کو کفار کا جواب ہو، اور وہ فرشتوں سے (یہ بھی) کہیں گے اگر ہم سمجھنے کے لئے سنتے یا غور کرنے کے لئے سمجھتے تو ہم جہنمیوں میں سے نہ ہوتے غرض وہ اپنے جرم کا اقرار کریں گے جب کہ ان کا اعتراف جرم ان کو کوئی فائدہ نہیں دے گا، اور وہ جرم رسولوں کی تکذیب ہے سو اہل دوزخ پر لعنت ہے یعنی ان کے لئے اللہ کی رحمت سے دوری ہے، (سُحْقًا) حاء کے سکون اور ضمہ کے ساتھ بیشک وہ لوگ جو اپنے پروردگار سے غائبانہ ڈرتے ہیں (یعنی) جب کہ وہ لوگوں کی نظروں سے غائب ہوتے ہیں تو وہ چھپ کر اس کی اطاعت کرتے ہیں تو وہ ظاہر میں بطریق اولیٰ اطاعت کرنے والے ہوں گے، ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے یعنی جنت، اور اے لوگو! تم خواہ چھپ کر بات کرو یا ظاہر کر کے بے شک اللہ تعالیٰ سینوں کے رازوں کا جاننے والا ہے تو پھر جو تم بولتے ہو اس کا کیا حال ہوگا؟ اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہوا کہ مشرکین نے آپس میں کہا کہ تم خفیہ طور پر باتیں کیا کرو، ایسا نہ ہو کہ محمد (ﷺ) کا خدا سن لے، کیا وہ نہ جانے گا جس نے اس چیز کو پیدا کیا جس کو تم چھپاتے ہو یعنی کیا اس کا علم اس سے منتفی ہو جائے گا؟ نہیں، وہ اپنے علم کے اعتبار سے باریک بین اور اس سے باخبر ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: خَلَقَ الْمَوْتَ فی الدنیا، والحَیَاۃَ فِی الآخرۃ، اَوْهُمَا فِی الدُّنْیَا، موت اور حیات کے بارے میں اختلاف ہے ابن عباس رَضِحَاللہُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا کلبی اور مقاتل سے منقول ہے کہ موت اور حیات دونوں جسم ہیں، اس صورت میں موت اور حیات دونوں، وجودی ہوں گے اور خَلَقَ اپنے اصلی معنی میں ہوگا، دونوں کے درمیان تقابل تضاد ہوگا، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ موت عدم حیات کا نام ہے اس صورت میں حیات وجودی اور موت عدمی ہوگی، اس صورت میں تقابل عدم والملکہ کا ہوگا، جیسا کہ عدم البصر میں، موت کی دوسری تفسیر کی صورت میں خَلَقَ بمعنی قَدَّرَ ہوگا، اس لئے کہ تقدیر کا تعلق عدمی اور وجودی دونوں سے جائز ہے، بخلاف خلق کے کہ اس کا تعلق وجودی شئی سے تو درست ہے مگر عدمی سے درست نہیں ہے۔

حق بات:

حق بات یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک موت وجودی ہے مگر حیات کی ضد ہے جیسا کہ حرارت اور برودت، دونوں آپس میں متضاد ہونے کے باوجود وجودی ہیں پہلا قول اہل سنت والجماعت اور دوسرا معتزلہ کا ہے۔

(حاشیہ جلالین ملخصًا)

بہتر ہوتا کہ مفسر علام (بیدہٖ) کی تفسیر بقدرتہ سے کرتے اس لئے کہ "ملک" استیلاء تصرف کو کہتے ہیں، لہٰذا مطلب ہوگا فی تصرفہ التصرف جس کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: وَالحَيَاة فِي الآخرة یعنی موت دنیا میں پیدا کی اور حیات آخرت میں، مگر اس قول کی مساعدت اللہ تعالیٰ کا قول لِيَبْلُوَكُمْ نہیں کرتا، اس لئے کہ امتحان اور آزمائش کا تعلق دنیوی حیات سے ہے نہ کہ اُخروی حیات سے، معلوم ہوا موت وحیات کا تعلق دنیا سے ہے۔ (صاوی)

قَوْلُهُ: القُربیٰ یہ قریب کا اسم تفضیل ہے یعنی وہ آسمان جو زمین سے قریب تر ہے، دنیا کو دنیا اسی وجہ سے کہتے ہیں یہ آخرت کی بنسبت قریب ہے۔

قَوْلُهُ: يَنْقَلِبْ جمہور کے نزدیک باء کے سکون کے ساتھ ہے جواب امر ہونے کی وجہ سے اور بعض حضرات نے باء کے رفع کے ساتھ بھی پڑھا ہے یا تو جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے یا حال مقدرہ ہونے کی وجہ سے اور فاء کو حذف کر دیا گیا ہے اصل میں فَيَنْقَلِبُ تھا۔

قَوْلُهُ: رُجُوْمًا، رُجُومٌ، رَجْمٌ کی جمع ہے رَجْمٌ مصدر ہے اس کا اطلاق مرجوم به پر کیا گیا ہے اسی لئے مفسر علام نے رجوم کی تفسیر مَرَاجِمَ سے کی ہے اَیْ يُرْجَمُ بِهِ.

قَوْلُهُ: بانْ يَنْفَصِلَ شِهَابٌ الخ اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نجوم کے ذریعہ آسمان دنیا کو زینت بخشی ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ نجوم اپنی جگہ پر قائم رہیں اور وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ کا مقتضی ہے کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں دونوں باتوں میں تضاد وتعارض ہے؟

جَوَاب: کا خلاصہ یہ ہے کہ پورا نجم شیاطین کو مارنے کے لئے اپنی جگہ نہیں چھوڑتا بلکہ اس کا ٹکڑا شیاطین کو مارتا ہے، جیسا کہ آگ میں سے ایک چنگاری۔

قَوْلُهُ: يَخبلهٗ یہ خَبْلٌ بسکون باء سے مشتق ہے جس کے معنی فساد فی العقل کے ہیں۔

قَوْلُهُ: وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ، وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا خبر مقدم ہے اور عذاب جهنم مبتداء مؤخر ہے۔

قَوْلُهُ: وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ جملہ حالیہ ہے۔

قَوْلُهُ: فيه لَا اس میں اشارہ ہے کہ استفہام انکاری ہے، لہٰذا نفی النفی ہو کر اثبات ہو گیا، مقصد اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علمی کا اثبات ہے۔

تفسیر وتشریح

سورۂ ملک کے فضائل:

اس سورت کی فضیلت میں متعدد روایات آئی ہیں، جن میں چند روایات صحیح یا حسن ہیں، ایک میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اللہ کی کتاب میں ایک سورت ہے جس میں صرف ۳۰ آیات ہیں یہ آدمی کی سفارش کرے گی یہاں تک کہ اس کو بخش

دیا جائے گا''۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، مسنداحمد)

دوسری روایت میں ہے'' قرآن مجید میں ایک سورت ہے جو اپنے پڑھنے والے کی طرف سے لڑے گی حتی کہ اسے جنت میں داخل کروائے گی''۔ (مجمع الزوائد)

ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو سونے سے پہلے سورۂ الٓمٓ السجدہ اور سورۂ ملک ضرور پڑھتے تھے۔

سورۂ ملک کے دیگر نام:

اس سورت کو حدیث میں واقیہ اور منجیہ بھی فرمایا گیا ہے، ''واقیہ'' کے معنی ہیں بچانے والی اور ''منجیہ'' کے معنی ہیں نجات دینے والی۔

تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، تَبَارَكَ، برکةٌ سے مشتق ہے جس کے معنی بڑھنے اور زیادتی کے ہیں، جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی شان میں بولا جاتا ہے تو اس کے معنی ''سب سے بالا و برتر'' ہونے کے ہوتے ہیں، بِيَدِهِ الْمُلْكُ ملک اللہ کے ہاتھ میں ہے، ہاتھ سے مراد یہ معروف ہاتھ نہیں ہے بلکہ ہاتھ سے مراد قدرت اور اختیار ہے یعنی ہر شئ اس کے شاہانہ اختیار میں ہے یَدْ وغیرہ جیسے الفاظ کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے لئے متشابہات میں سے ہیں، جس کے حق ہونے پر ایمان لانا واجب ہے مگر اس کی کیفیت و حقیقت کسی کو معلوم نہیں ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جسم و جوارح سے بالاتر اور پاک ہے، تفسیر مظہری میں ہے کہ موت اگرچہ عدمی چیز ہے مگر عدم محض نہیں، بلکہ ایسی چیز کا عدم ہے، جس کو وجود میں کسی وقت آنا ہے، اور ایسی تمام معدومات کی شکلیں عالم مثال میں ناسوتی وجود سے قبل موجود ہوتی ہیں جن کو اعیان ثابتہ کہا جاتا ہے ان اشکال کی وجہ سے ان کو قبل الوجود بھی ایک قسم کا وجود حاصل ہے اور عالم مثال کے موجود ہونے پر بہت سی روایات حدیث سے استدلال فرمایا ہے۔

موت و حیات کے درجات مختلفہ:

اللہ جل شانہ نے اپنی قدرت اور حکمت بالغہ سے مخلوقات و ممکنات کی مختلف اقسام میں تقسیم فرما کر ہر ایک کو حیات کی ایک قسم عطا فرمائی ہے سب سے زیادہ کامل اور مکمل حیات انسان کو عطا فرمائی ہے، جس میں یہ صلاحیت بھی رکھ دی کہ وہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات کی معرفت ایک خاص حد تک حاصل کر سکے، اور یہ معرفت ہی احکام شرعیہ کی تکلیف کا مدار ہے اور وہ بار امانت ہے کہ جس کے اٹھانے سے آسمان اور زمین اور پہاڑ ڈر گئے تھے، اور انسان نے اُسے اپنی اس خداداد صلاحیت کے سبب اٹھالیا اس حیات کے مقابل وہ موت ہے جس کا ذکر قرآن کریم کی آیت اَفَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ میں ذکر فرمایا ہے کہ کافر کو مردہ اور مومن کو زندہ قرار دیا گیا ہے، کیونکہ کافر نے اپنی اس معرفت کو ضائع کر دیا جو انسان کی مخصوص حیات تھی اور مخلوقات کی بعض اصناف واقسام حیات کا یہ درجہ تو نہیں رکھتیں مگر ان میں حس و حرکت موجود ہے اس کے مقابل وہ موت ہے جس کا ذکر قرآن کریم کی آیت كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ میں آیا ہے کہ اس جگہ حیات سے مراد حس و حرکت اور موت سے مراد اس کا

ختم ہو جاتا ہے اور ممکنات کی بعض اقسام میں یہ حس و حرکت بھی نہیں صرف نمو (بڑھنے کی صلاحیت) ہے جیسے کہ درخت اور عام نباتات میں اس کے بالمقابل وہ موت ہے جس کا ذکر قرآن کی آیت یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا میں آیا ہے، حیات کی یہ تین قسمیں انسان، حیوان، نبات، میں منحصر ہیں، ان کے علاوہ اور کسی میں یہ اقسام حیات نہیں ہیں اسی لئے حق تعالیٰ نے پتھروں سے بنے بتوں کے لئے فرمایا "اَمْوَاتٌ غیر احیاء" لیکن اس کے باوجود بھی جمادات میں ایک قسم کی حیات موجود ہے جو وجود کے ساتھ لازم ہے، اسی حیات کا اثر ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں وَاِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ یعنی کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی حمد کی تسبیح نہ پڑھتی ہو، اور آیت میں موت کا ذکر مقدم کرنے کی وجہ بھی اس بیان سے واضح ہوگئی کہ اصل کے اعتبار سے موت ہی مقدم ہے ہر چیز وجود میں آنے سے پہلے موت کے عالم میں تھی، بعد میں اس کو حیات عطا ہوئی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ کَبِیْرٌ یہ اہل کفر کی تکذیب کے مقابلہ میں اہل ایمان کا اور ان کی نعمتوں کا ذکر ہے جو انہیں قیامت والے دن اللہ کے یہاں ملیں گی، بالغیب کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کو دیکھا تو نہیں لیکن پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہوئے وہ اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں، دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لوگوں کی نظروں سے غائب یعنی خلوتوں میں اللہ سے ڈرتے ہیں۔ (مظهری ملخصًا)

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا سهلة للمشي فيها **فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا** جوانبها **وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ** المخلوق لاجلكم **وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ** من القبور للجزاء **ءَاَمِنْتُمْ** بتحقيق الهمزتين وتسهيل الثانية وادخال الف بينها وبين الاخرى وتركه وابدالها الفا **مَّنْ فِی السَّمَآءِ** سلطانه وقدرته **اَنْ یَّخْسِفَ** بدل من من **بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ** تتحرك بكم وترتفع فوقكم **اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ** بدل من من **عَلَیْكُمْ حَاصِبًا** ريحا ترميكم بالحصباء **فَسَتَعْلَمُوْنَ** عند معاينة العذاب **كَیْفَ نَذِیْرِ** انذاري بالعذاب اي انه حق **وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ** من الامم **فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ** انكاري عليهم بالتكذيب عند اهلاكهم اي انه حق **اَوَلَمْ یَرَوْا** ينظروا **اِلَی الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ** في الهواء **صٰٓفّٰتٍ** باسطات اجنحتهن **وَّیَقْبِضْنَ** اجنحتهن بعد البسط اي وقابضات **مَا یُمْسِكُهُنَّ** عن الوقوع في حال البسط والقبض **اِلَّا الرَّحْمٰنُ** بقدرته **اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۢ بَصِیْرٌ** المعنى الم يستدلوا بثبوت الطير في الهواء على قدرتنا ان نفعل بهم ما تقدم وغيره من العذاب **اَمَّنْ** مبتدأ **هٰذَا** خبره **الَّذِیْ** بدل من هذا **هُوَ جُنْدٌ** اعوان **لَّكُمْ** صلة الذي **یَنْصُرُكُمْ** صفة جند **مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ** اي غيره يدفع عنكم عذابه اي لا ناصر لكم **اِنِ** ما **الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ** غرهم الشيطان بان العذاب لا ينزل بهم **اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ** الرحمن **رِزْقَهٗ** اي المطر عنكم وجواب الشرط محذوف دل عليه ما قبله اي فمن يرزقكم اي

لارازق لكم غيرُهُ بَلْ لَّجُّوْا تمادوا فِيْ عُتُوٍّ تكبُّرٍ وَّنُفُوْرٍ⑯ تباعُدٍ عن الحق أَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا واقعًا عَلٰى وَجْهِهٖٓ أَهْدٰٓى أَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا مُعتدِلًا عَلٰى صِرَاطٍ طريقٍ مُّسْتَقِيْمٍ⑰ وخبرُ من الثانية محذوفٌ دلّ عليه خبرُ الأولى اى أهدى والمَثَل في المُؤمِنِ والكافِرِ اى أيُّهما على هُدًى قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ أَنْشَأَكُمْ خلقكم وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ القلوبَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ⑱ ما مزيدةٌ والجملةُ مُستانفةٌ مُخبِرةٌ بقلّة شُكرهم جدًا على هذه النِعَم قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَأَكُمْ خلقكم فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ⑲ للحساب وَيَقُوْلُوْنَ للمُؤمنين مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ وعدُ الحشر إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ⑳ فيه قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ بمجيئه عِنْدَ اللّٰهِ وَإِنَّمَآ أَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ㉑ بَيِّنُ الانذار فَلَمَّا رَأَوْهُ اى العذابَ بعدَ الحشرِ زُلْفَةً قريبًا سِيْٓئَتْ اِسْوَدَّتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ اى قال الخزنة لهم هٰذَا اى العذابُ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ بإنذاره تَدَّعُوْنَ㉒ أنّكم لا تُبعثونَ وهذه حكايةُ حالٍ تاتي عُبِّر عنها بطريقِ المضي لِتحقُّقِ وُقوعِها قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ من المؤمنين بعذابه كما [illegible]دون أَوْ رَحِمَنَا فلم يُعذّبنا فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ أَلِيْمٍ㉓ اى لا مُجيرَ لهم منه قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسَتَعْلَمُوْنَ بالتاءِ والياءِ عند مُعاينةِ العذابِ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ㉔ نحن أم أنتم أم هُم قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا غائرًا في الأرض فَمَنْ يَّأْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ㉕ جارٍ تنالُه الأيدي والدِّلاءُ كمائكُم اى لا ياتي به الا اللّٰه فَكَيفَ تُنكِرونَ أن يَّبعثكُم ويُستحبُّ أن يقولَ القارئُ عقيبَ مَعينٍ اللّٰهُ رَبُّ العٰلمين كما وَرَدَ في الحديثِ وتُلِيَتْ هذه الآيةُ عندَ بعضِ المُتجبِّرينَ فقالَ تاتي به الفُؤُسُ والمَعاولُ فذهبَ ماءُ عَيْنِه وعَمِيَ نَعوذُ باللّٰهِ مِنَ الجُرأةِ عَلى اللّٰهِ وعَلى اٰياته.

تَرجَمہ: وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر نرم، اس پر چلنے کے قابل کر رکھا ہے تاکہ تم اس کے اطراف و جوانب میں چلو پھرو اور خدا کی روزی میں سے جس کو اس نے تمہارے لئے پیدا کیا، کھاؤ، اور قبروں میں سے جزاء کے لئے اسی کی طرف اٹھ کھڑا ہونا ہے، کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے؟ (ءأمِنتُم) میں دونوں ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ اور دوسرے کی تسہیل کے ساتھ، اور مسہلہ اور غیر مسہلہ کے درمیان الف داخل کر کے اور ترک ادخال کر کے، اور اس کو الف سے بدل کر، کہ آسمان والا یعنی آسمان میں جس کی سلطنت اور قدرت ہے تم کو زمین میں دھنسا دے (أنْ يَخسِفَ) مَنْ سے بدل ہے اور اچانک زمین لرزنے لگے، یعنی تم کو لے کر تھرتھرانے لگے اور تمہارے اوپر پٹ جائے، کیا تم آسمان والے سے بے خوف ہو گئے؟ اس بات سے کہ وہ ایسی آندھی بھیج دے کہ جو تمہارے اوپر سنگ ریزے برسائے، عنقریب معائنۂ عذاب کے وقت، تم کو معلوم ہو جائے گا کہ عذاب سے میرا ڈرانا کیسا رہا!! اس سے پہلے جو

امتیں گذر چکی ہیں انہوں نے بھی (دین حق کو) جھٹلایا (سو دیکھ لو!) موت کے وقت میرا عذاب ان کے جھٹلانے کی وجہ سے کیسا رہا!! یعنی وہ عذاب مقتضی کے مطابق رہا، کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر ہوا میں پر پھیلائے اور پروں کو سمیٹے ہوئے پر پھیلانے کے بعد پرندوں پر نظر نہیں کی حالت بسط وقبض میں رحمٰن ہی (ان کو) اپنی قدرت سے تھامے رہتا ہے، بے شک وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے (آیت کا) مطلب یہ ہے کہ کیا یہ لوگ پرندوں کے ہوا میں ٹھہرے رہنے سے ہماری قدرت پر استدلال نہیں کرتے، کہ ہم ان کے ساتھ ماقبل میں مذکور وغیرہ عذاب کا معاملہ کر سکتے ہیں خدا کے سوا تمہارا وہ کونسا لشکر ہے جو تمہاری مدد کر سکے؟ یعنی تم سے اس کے عذاب کو دفع کر سکے (اَمَّنْ) مبتداء ہے (هٰذا) اس کی خبر ہے (اَلَّذِیْ) هذا سے بدل ہے (جُنْدٌ) بمعنی اَعْوان ہے (لکم) اَلَّذِیْ کا صلہ ہے اور یَنْصُرُکُمْ جُنْدٌ کی صفت ہے، یعنی اس کے سوا تمہارے عذاب کو دفع کر سکے، مطلب یہ ہے کہ تمہارا کوئی مددگار نہیں، یہ کافر محض دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، شیطان نے یہ کہہ کر ان کو دھوکے میں ڈال دیا ہے کہ ان پر عذاب ہونے والا نہیں ہے، وہ کون ہے؟ جو تم کو روزی پہنچا سکے اگر رحمٰن اپنی روزی یعنی بارش کو تم سے روک لے اور جواب شرط محذوف ہے، جس پر اس کا ماقبل دلالت کر رہا ہے، (اور وہ) فَمَنْ یَرْزُقُکُمْ ہے، یعنی اس کے علاوہ تمہارا کوئی رازق نہیں، بلکہ یہ لوگ سرکشی اور نفرت میں حق سے دوری پر اڑے ہوئے ہیں (اچھا بتاؤ!) وہ شخص جو اوندھا، منہ کے بل چلے منزل مقصود پر پہلے پہنچنے والا ہوگا یا وہ شخص جو سیدھا کھڑے ہو کر ہموار سڑک پر چلے ثانی مَنْ کی خبر محذوف ہے جس پر پہلے مَنْ کی خبر یعنی اَهْدیٰ دلالت کر رہی ہے اور (مذکورہ) مثال مومن اور کافر کی ہے، یعنی ان میں سے کونسا ہدایت پر ہے؟ آپ ان سے کہئے وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور جس نے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے، تم میں بہت کم لوگ ہیں جو شکر گذار ہیں (مَا) زائدہ ہے اور جملہ مستانفہ ہے، ان نعمتوں پر ان کی بہت کم شکر کی خبر دے رہا ہے آپ (یہ بھی) کہئے کہ وہی ہے جس نے تم کو روئے زمین پر پھیلایا (پیدا کیا) اور حساب کے لئے، اسی کے پاس جمع کئے جاؤ گے، اور یہ لوگ مومنین سے کہتے ہیں یہ حشر کا وعدہ کب (پورا ہوگا؟) اگر تم اس وعدہ میں سچے ہو (تو بتلاؤ!) آپ کہئے کہ اس کی آمد کے وقت کا علم تو اللہ ہی کو ہے اور میں تو کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں یعنی واضح طور پر ڈرانے والا ہوں، جب یہ لوگ حشر کے بعد عذاب کو قریب تر دیکھیں گے تو ان کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے یعنی سیاہ ہو جائیں گے اور کہا جائے گا یعنی دوزخ کے نگران ان سے کہیں گے یہی ہے وہ عذاب کہ جس سے ڈرانے کے سبب تم دعویٰ کرتے تھے کہ تم کو مرنے کے بعد نہیں اٹھایا جائے گا، یہ آنے والی حالت کا بیان ہے جس کو تحقق الوقوع ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کر دیا گیا ہے، آپ ان سے کہئے کہ اچھا تم بتاؤ اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو جو مومن ہیں اپنے عذاب سے ہلاک کر دے جیسا کہ تم چاہتے ہو یا ہمارے اوپر رحم فرمائے کہ ہم کو عذاب نہ دے، تو کافروں کو عذاب الیم سے کوئی بچائے گا؟ یعنی ان کو عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں، آپ فرما دیجئے کہ وہی رحمان ہے ہم تو اسی پر ایمان لا چکے ہیں اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے، عذاب دیکھنے کے وقت تم کو عنقریب معلوم ہو جائے گا،

فستعلمون تاءاور یاء کے ساتھ کہ کھلی گمراہی میں کون ہے؟ ہم یا تم یا وہ؟ آپ ان سے کہئے کہ اچھا یہ بتاؤ اگر تمہارا پانی گہرائی میں اتر جائے یعنی زمین میں نیچے چلا جائے تو کون ہے جو تمہارے لئے چشمہ کا پانی لائے؟ جس کو تم ہاتھوں اور ڈولوں سے حاصل کرسکو جیسا کہ تمہارا (موجودہ) پانی، یعنی اللہ کے سوا اس کو کوئی نہیں لاسکتا پھر تم تمہارے زندہ ہو اٹھنے کا کیوں انکار کرتے ہو؟ اور مستحب ہے کہ تلاوت کرنے والا (معین) کے بعد کہے اللہ رب العالمین جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے، بعض جبارین کے سامنے اس آیت کی تلاوت کی گئی تو اس نے کہا پھاوڑے اور کدال لے آئیں گے، چنانچہ اس کی آنکھ کا پانی خشک ہوگیا اور اندھا ہوگیا، ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں اللہ اور اس کی آیتوں پر بے باکی کرنے سے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُهُ: مَنَاكِبِهَا جمع منتہی الجموع ہے، واحد مَنْكِبٌ بمعنی جانب، طرف، اسی نسبت سے آدمی کے مونڈھوں کو منکب کہا جاتا ہے۔

قَوْلُهُ: بتحقيق الهمزتين الخ اس میں کل پانچ قراءتیں ہیں، پہلا ہمزہ محقق ہی ہوتا ہے، دوسرا کبھی محقق اور کبھی مسہل، دونوں صورتوں میں دونوں کے درمیان الف داخل کرکے اور ترک ادخال کرکے، یہ چار صورتیں ہوگئیں، اور ایک صورت دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل کر کل پانچ صورتیں ہوگئیں۔

قَوْلُهُ: اَنْ يَخْسِفَ یہ مَنْ سے بدل الاشتمال ہے۔

قَوْلُهُ: حَاصِبٌ بادِ سخت کہ سنگ ریزہ بردارد (صراح) حَاصِبًا، بادسنگبار، سخت آندھی، حَصْبَاء کنکریوں کو کہتے ہیں۔

قَوْلُهُ: اِنْذَارِیْ اس میں اشارہ ہے کہ نذیر بمعنی انذار ہے اور یاء محذوف ہے۔

قَوْلُهُ: اَوَلَمْ يَرَوْا واؤ عاطفہ ہے اور ہمزہ محذوف پر داخل ہے تقدیر عبارت یہ ہے أَغَفَلُوْا وَلَمْ يَرَوْا.

قَوْلُهُ: صٰفّٰتٍ وَيَقْبِضْنَ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔

سُوَال: يَقْبِضْنَ کا عطف صافات پر ہے، کیا وجہ ہے کہ معطوف علیہ اسم ہے اور معطوف فعل؟

جَوَاب: پرندوں میں اصل یہ ہے کہ ان کے پر کھلے ہوئے اور پھیلے ہوئے ہوں اس لئے کہ طائر کو طائر یا پرندہ کو پرندہ اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں صفتِ طیر اور صفت پرواز اصل ہے اور قبض یعنی پروں کو سکیڑنا یہ طاری (خلاف اصل) ہے لہٰذا اصلی صفت کو اسم سے تعبیر کیا اس لئے کہ اسم استمرار اور دوام پر دلالت کرتا ہے، اور قبض (یعنی سکیڑنے) کو فعل سے تعبیر کیا کیونکہ وہ طاری اور حادث ہے اور فعل حدوث پر دلالت کرتا ہے۔

قَوْلُهُ: قَابِضَاتٍ اس میں اشارہ ہے کہ يَقْبِضْنَ، قابضات کی تاویل میں ہے تاکہ عطف درست ہوجائے، دونوں جگہ اَجْنِحَتِهِنَّ ظاہر کرکے اشارہ کردیا کہ دونوں کے دونوں مفعول محذوف ہیں، دوسرے مَنْ مبتداء کی خبر پہلے مَنْ مبتداء کی خبر پر

قیاس کرتے ہوئے حذف کردی گئی ہے ای اَھْدٰی اور اَھْدٰی اسم تفضیل اسم فاعل کے معنی میں ہے، مفسر علام نے اپنے قول اَیُّھُمَا علی ھُدیً سے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: ما مزیدۃ، قَلِیْلاً مَّا میں مَا تاکید قلت کے لئے زائدہ ہے اور قَلِیْلاً موصوف محذوف کی صفت ہے ای شُکرًا قلیلاً۔

قَوْلُہٗ: اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ یہ شرط ہے اس کی جزاء محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے اِنْ کُنْتُمْ صادِقِیْنَ فَبَیِّنُوا وَقْتَہٗ

قَوْلُہٗ: بِمَجِیْئِہٖ ای بوقت مجیئہٖ مضاف محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: زُلْفَۃً یہ اِزْلافٌ کا اسم مصدر ہے، بمعنی قریب۔

قَوْلُہٗ: اَنَّکُمْ لَا تُبْعَثُوْنَ اس میں اشارہ ہے کہ تَدَّعُون کا مفعول محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: وھذہ حکایۃ حال تاتی یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَالْ: فرشتے روز قیامت کافروں سے کہیں گے کہ یہ وہی عذاب ہے جس سے تمہیں ڈرایا جاتا تھا اور تم اس کی تردید و تکذیب کرتے تھے، یہ سوال و جواب سب زمانۂ مستقبل (قیامت) میں ہوں گے اس کا تقاضا تھا کہ قِیْلَ کے بجائے یقولون سے تعبیر کرتے؟

جَوَابٌ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ وقوع یقینی کی وجہ سے حکایت حال آتیہ کو ماضی سے تعبیر کردیا ہے، مذکورہ عبارت سے اسی سوال کا جواب دیا ہے۔

قَوْلُہٗ: اَرَاَیْتُمْ، اَرَاَیْتُمْ بمعنی اَخبرونی ہے جو دو مفعولوں کو نصب دیتا ہے، اِنْ اَھْلَکَنِیَ اللّٰہ الخ جملہ شرطیہ قائم مقام دو مفعولوں کے ہے۔

قَوْلُہٗ: لا مُجِیْرَ لَھُمْ اس میں اشارہ ہے کہ فَمَنْ یُجِیْرُکُمْ میں استفہام انکاری ہے۔

قَوْلُہٗ: اَمْ اَنْتُمْ کا تعلق فَسَتَعْلَمون میں تاء کی قراءت کی صورت میں ہے اور اَمْ ھُمْ کا تعلق فَسَیَعْلَمُوْنَ یاء کی قراءت کی صورت میں ہے۔

قَوْلُہٗ: مَعِیْنٌ یہ اصل میں مَعْیُوْنٌ بروزن مفعول ہے جیسا کہ مبیعٌ اصل میں مَبْیُوْعٌ تھا یاء کا ضمہ ماقبل عین کو دیدیا یاء اور واؤ میں التقاء ساکنین ہوا واؤ حذف ہوگیا عین کو ی کی مناسبت سے کسرہ دیدیا گیا۔

قَوْلُہٗ: وعَمِیَ یہ ذَھَبَ مَاءُ عینہٖ کا عطف تفسیری ہے۔

تفسیر و تشریح

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلاً (الآیۃ) ذَلول کے معنی مطیع و منقاد کے ہیں، اس جانور کو ذلول کہا جاتا ہے جو سواری دینے میں سرتابی اور شوخی نہ کرے، زمین کو مسخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ زمین کا قوام اللہ تعالیٰ نے ایسا بنایا کہ نہ تو پانی کی

طرح سیال در قیق اور نہ روئی اور کیچڑ کی طرح دبنے والا، کیونکہ اگر زمین ایسی ہوتی تو اس پر چلنا اور ٹھہرنا مشکل ہو جاتا، اسی طرح زمین کو لوہے اور پتھر کی طرح سخت بھی نہیں بنایا اگر ایسا ہوتا تو اس میں نہ کھیتی کی کاشت کی جاتی اور نہ درخت لگائے جاتے اور نہ اس میں کنویں اور نہریں کھودی جاسکتیں۔

زمین کا اپنی بے حد وحساب مختلف النوع آبادی کے لئے جائے قرار ہونا بھی کوئی معمولی یا سرسری بات نہیں ہے، اس کرۂ خاکی کو جن حکیمانہ مناسبتوں کے ساتھ قائم کیا گیا ہے، ان کی تفصیلات پر انسان غور کرے تو اس کی عقل دنگ رہ جاتی ہے اور اسے محسوس ہوتا ہے کہ یہ مناسبتیں ایک حکیم ودانا قادر مطلق کی تدبیر کے بغیر قائم نہیں ہوسکتی تھیں۔

یہ کرۂ ارضی فضائے بسیط میں معلق ہے کسی چیز پر ٹکا ہوا نہیں ہے باوجود یکہ زمین مغرب سے مشرق کی جانب ۶ ۵۱۰۳۵ میل برابر تقریباً ۱۶۰۰ کلومیٹر فی گھنٹہ محوری حرکت کرتی ہے (فلکیات جدیدہ) اس میں کوئی اضطراب واہتزاز نہیں ہے اگر اس میں ذرا سا بھی اہتزاز (جھٹکا) ہوتا جس کے خطرناک نتائج کا ہم کبھی زلزلہ آنے سے بآسانی لگاسکتے ہیں تو کرۂ ارض پر کوئی آبادی ممکن نہ ہوتی یہ کرۂ ارضی باقاعدگی سے سورج کے سامنے آتا اور جاتا ہے جس سے رات اور دن پیدا ہوتے ہیں، اگر اس کا ایک ہی رخ ہر وقت سورج کے سامنے رہتا اور دوسرا رخ ہمیشہ پوشیدہ رہتا تو یہاں کسی ذی حیات کا وجود ممکن نہ ہوتا، کیونکہ پوشیدہ رخ کی سردی اور بے نوری، نباتات اور حیوانات کو پیدائش کے قابل نہ رکھتی اور دوسرے رخ کی گرمی کی شدت روئے زمین کو بے آب وگیاہ اور غیر آباد بنا دیتی، اس کرۂ ارضی پر پانچ سو میل تقریباً ۸۰۰ کیلومیٹر بلندی تک ہوا کا ایک کثیف غلاف چڑھا ہوا ہے جو شہابوں کی خوفناک بمباری سے اسے بچانے ہوئے ہے ورنہ روزانہ دو کروڑ شہاب جو ہوا میں فی سکنڈ ۳۰ میل برابر کی رفتار سے زمین کی طرف گرتے ہیں کرۂ ارض پر وہ تباہی مچاتے کہ کسی بھی ذی حیات اور نباتات کی بقا ممکن نہ ہوتی۔

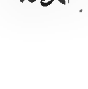
وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ پہلے زمین میں چلنے پھرنے کی ہدایت فرمائی تھی، اس میں اشارہ ہوسکتا ہے کہ تجارت کے لئے سفر اور مال کی درآمد برآمد اللہ کے رزق کا دروازہ ہے اِلَيْهِ النُّشُوْرُ میں بتلا دیا کہ کھانے پینے رہنے سہنے کے فوائد زمین سے حاصل کرنے کی اجازت ہے مگر موت اور آخرت سے بے فکر ہو کر نہیں، انجام کار اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، زمین پر رہتے ہوئے آخرت کی تیاری میں لگے رہو۔

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِى السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِىَ تَمُوْرُ اس آیت میں مشرکوں، کافروں اور نافرمانوں کو ڈرایا گیا ہے کہ وہ ذات جو عرش پر جلوہ گر ہے جب چاہے تمہیں زمین میں دھنسادے یعنی وہی زمین جو تمہاری قرارگاہ اور آرام گاہ ہے اور تمہاری روزی کا مخزن ومنبع ہے، اللہ تعالیٰ اسی زمین کو جو نہایت ہی پرسکون ہے حرکت وجنبش میں لاکر تمہاری ہلاکت کا باعث بنا سکتا ہے۔

جس طرح وہ زمین کو جنبش اور حرکت دیکر تم کو ہلاک کرسکتا ہے اسی طرح وہ آسمان سے کنکر اور پتھر برسا کر بھی تم کو نیست و نابود کرسکتا ہے جیسا کہ وہ اس سے پہلے قوم لوط اور اصحاب فیل کے ساتھ کر چکا ہے، لیکن اس وقت سمجھ میں آنا بے سود ہوگا۔

اگلی آیت میں عبرت ونصیحت کے لئے ان قوموں کی طرف اشارہ ہے جو اپنے زمانہ میں اللہ کے نبیوں کو جھٹلا کر مبتلائے عذاب ہو چکی تھیں، اس کے بعد چند آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے نمونوں کو بیان فرمایا ہے جو اسی کی اور صرف اسی کی قدرت وحکمت سے ممکن ہے، وہی ہر چیز کا نگہبان اور ہر شئی اسی کی زیر قدرت ہے اگر وہ تمہاری روزی اور اس کے اسباب کو روک لے تو تمہارے پاس کونسا لشکر ہے جو رحمان کے مقابلہ میں مدد کر کے تمہارے رزق کو جاری کرا سکے، حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ سرکشی پر اڑے ہوئے ہیں، اور جانوروں کی طرح منہ نیچا کئے ہوئے اسی جگہ پر چلے جا رہے ہیں جس پر انہیں کسی نے ڈال دیا ہے۔

قُلْ اَرَاَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَاءُ کُمْ غَوْرًا (الآیۃ) یعنی آپ ﷺ ان لوگوں کو بتلا دیجئے کہ اس بات پر غور کریں کہ اگر اللہ تعالیٰ پانی کو خشک فرمادیں کہ اس کا وجود ہی ختم ہو جائے یا اتنی گہرائی میں کر دیں کہ ساری مشینیں پانی نکالنے میں ناکام ہو جائیں تو بتلاؤ! پھر کون ہے جو تمہیں پانی مہیا کر دے؟ یہ اللہ کی مہربانی ہی ہے کہ تمہاری معصیتوں کے باوجود تمہیں پانی سے بھی محروم نہیں فرمایا۔



سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اثْنَتَانِ وَخَمْسُوْنَ آيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ النُّوْنَ مَكِّيَّةٌ اثْنَتَانِ وَخَمْسُوْنَ آيَةً.

سورۂ نون مکی ہے، باون آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ **نٓ** احدُ حُرُوفِ الهجاء اللّٰهُ اعلمُ بمُرادِه به **وَالْقَلَمِ** الذي كُتب به الكائناتُ في اللوحِ المحفوظ **وَمَا يَسْطُرُوْنَ** اي الملائكة من الخير والصلاح **مَا اَنْتَ** يا مُحمّدُ **بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ** اي انتفى الجُنُونُ عنك بسبب انعام ربّك عليك بالنُّبوة وغيرها وهذا ردٌّ لقولهم انّه لمجنونٌ **وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ** مقطوعٍ **وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ** دينٍ **عَظِيْمٍ** **فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ** **بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ** مصدرٌ كالمعقول اي الفُتُونُ بمعنى الجُنُونِ اي ابك ام بهم **اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ** له واعلمُ بمعنى عالمٌ **فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ** **وَدُّوْا** تمنّوا **لَوْ** مصدريةٌ **تُدْهِنُ** تلينُ لهم **فَيُدْهِنُوْنَ** يُلينُون لك وهو معطوفٌ على تُدهنُ وان جُعل جواب التمني المفهوم من ودُّوا قُدّر قبلهُ بعد الفاء هُمْ **وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ** كثير الحلف بالباطل **مَّهِيْنٍ** حقيرٍ **هَمَّازٍ** عيّابٍ اي مُغتابٍ **مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ** ساعٍ بالكلام بين النّاس على وجه الافساد بينهم **مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ** بخيلٍ بالمال عن الحُقُوق **مُعْتَدٍ** ظالمٍ **اَثِيْمٍ** آثمٍ **عُتُلٍّ** غليظٍ جافٍ **بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ** دعيٍّ في قُريشٍ وهو الوليدُ بنُ المُغيرة ادّعاهُ ابوهُ بعد ثماني عشرة سنةً قال ابنُ عباسٍ رضي اللّٰهُ تعالى عنه لا نعلمُ انّ اللّٰه سُبحانهُ وتعالى وصف احدًا بما وصفهُ من العُيوب فالحق به عارًا لا يُفارقُهُ ابدًا وتعلّق بزنيم الظرفُ قبلهُ **اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ** اي لان وهو مُتعلّقٌ بما دلّ عليه **اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا** القرآنُ **قَالَ** هي **اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ** اي كذّب بها لانعامنا عليه بما ذُكر وفي قراءةٍ ءأن بهمزتين مفتوحتين **سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ** سنجعلُ على انفه علامةً يُعيّرُ بها ما عاش فخُطم انفُهُ بالسّيف يوم بدرٍ **اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ** امتحنّا اهل مكّة بالقحط والجُوع **كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ** البُستان **اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا** يقطعُون ثمرتها **مُصْبِحِيْنَ** وقت الصّباح كيلا يشعُربهم المساكينُ فلا

يُعْطُونهم منها ما كان ابوهم يتصدق به عليهم منها **وَلَا يَسْتَثْنُونَ** في يمينهم بمشية الله تعالى والجملة مستانفة اى وشأنهم ذلك **فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّن رَّبِّكَ** نار احرقتها ليلًا **وَهُمْ نَآئِمُوْنَ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ** كالليل الشديد الظلمة اى سوداء **فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ** غلتكم تفسير لتنادى او ان مصدرية اى بان **اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ** مريدين القطع وجواب الشرط دل عليه ما قبله **فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ** يتسارّون **اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ** تفسير لما قبله او ان مصدرية اى بان **وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ** منع للفقراء **قٰدِرِيْنَ** عليه في ظنهم **فَلَمَّا رَاَوْهَا** سوداء محترقة **قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ** عنها اى ليست هذه ثم قالوا لما علموها **بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ** ثمرتها بمنعنا الفقراء منها **قَالَ اَوْسَطُهُمْ** خيرهم **اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا** هلا **تُسَبِّحُوْنَ** الله تائبين **قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ** بمنع الفقراء حقهم **فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ قَالُوْا يَا** للتنبيه **وَيْلَنَآ** هلاكنا **اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا** بالتشديد والتخفيف **خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ** ليقبل توبتنا ويرد علينا خيرًا من جنتنا روى انهم أبدلوا خيرًا منها **كَذٰلِكَ** اى مثل العذاب لهؤلاء **الْعَذَابُ** لمن خالف امرنا من كفار مكة وغيرهم **وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ** عذابها ما خالفوا امرنا ونزل لَمّا قالوا اِنْ بُعِثْنَا نُعطى اَفْضَلَ مِنْكُم

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، قٓ، یہ حروف تہجی میں سے ایک ہے، اللہ تعالیٰ ہی اس سے اپنی مراد کو بہتر جانتا ہے اور قسم ہے اس قلم کی جس کے ذریعہ کائنات لوح محفوظ میں لکھی گئی، اور اس خیر وصلاح کی جس کو فرشتے لکھتے ہیں اے محمد ﷺ! آپ ﷺ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں یعنی تیرے رب کے تیرے اوپر نبوت وغیرہ کے فضل کے سبب سے تجھ سے جنون منتفی ہے یہ ان (مشرکوں) کے اس قول کا رد ہے کہ آپ مجنون ہیں اور بے شک تیرے لئے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے اور آپ ﷺ بڑے (عمدہ خُلق) دین پر ہیں اب آپ ﷺ بھی دیکھ لیں گے اور یہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کس کو جنون ہے؟ **مفتون** مصدر ہے جیسا کہ معقول یعنی فتون بمعنی جنون یعنی (جنون) آپ ﷺ کو ہے یا ان کو؟ بلاشبہ تیرا رب ان کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں اور وہ ان کو بھی بخوبی جانتا ہے جو راہ ہدایت پر ہیں اور **اَعْلَمُ** بمعنی **عَالِمٌ** ہے، تو آپ ﷺ ان تکذیب کرنے والوں کا کہنا نہ مانئے، وہ چاہتے ہیں کہ تو ذرا ڈھیلا ہو تو وہ بھی ڈھیلے ہو جائیں **لَوْ** مصدریہ ہے **فَيُدْهِنُوْنَ** کا عطف **تُدْهِنُ** پر ہے، اور اگر **فَيُدْهِنُوْنَ** کو جواب تمنی قرار دیا جائے جو کہ **وَدُّوْا** سے مفہوم ہے تو **يُدْهِنُوْنَ** سے پہلے اور فاء کے بعد **هُمْ** مقدر مانا جائے گا، اور کسی ایسے شخص کا بھی کہنا نہ ماننا کہ جو جھوٹی بہت قسم کھانے والا بے وقار عیب گو یعنی غیبت کرنے والا چغل خور ہو یعنی لوگوں کے درمیان فساد برپا کرنے کی نیت سے ادھر کی اُدھر لگانے کے لئے دوڑ دھوپ کرتا ہو، نیک کام سے روکنے والا ہو، یعنی حقوق کے معاملہ میں مال خرچ کرنے میں بخیل ہو، حد

اعتدال سے گزرنے والا ظالم ہو، گناہ کا ارتکاب کرنے والا ہو، تندخو تخت مزاج ہو پھر اس کے ساتھ بے نسب بھی ہو (یعنی) قریش کے نسب میں داخل کیا گیا ہو، اور وہ ولید بن مغیرہ ہے اس کے والد نے اس کو اٹھارہ سال بعد متبنی بنایا تھا، ابن عباس رَضِیَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا کہ ہمارے علم میں نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے علاوہ کسی کے ایسے اوصاف بیان کئے ہوں، اور اس کے ساتھ ایسے شرم (کے اوصاف) لاحق کر دیئے ہوں کہ جو اس سے کبھی جدا نہ ہوں، زنیم سے اس کے ماقبل کا ظرف (یعنی ذالك) متعلق ہے (اور یہ سرکشی محض اس لئے ہے) کہ وہ مال اور اولاد والا ہے اَنْ معنی میں لِاَنْ کے ہے، اور لِاَنْ اس سے متعلق ہے جس پر اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ دلالت کرتا ہے، اور وہ کَذَّبَ بِھَا الخ ہے، جب اس کو ہماری آیتیں یعنی قرآن پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ کہہ دیتا ہے کہ یہ تو گذشتہ لوگوں کے قصے ہیں یعنی اس نے ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا، ہمارے اس کے اوپر مذکورہ انعام (مال واولاد) کی وجہ سے، اور ایک قراءت میں اَنْ کَانَ کے بجائے ءَاَنْ کَانَ دو مفتوحہ ہمزوں کے ساتھ ہے ہم اس کی ناک پر عنقریب داغ لگا دیں گے یعنی عنقریب ہم اس کی ناک پر ایسی علامت لگا دیں گے کہ زندگی بھر اس کے ذریعہ اس کو عار دلائی جائے گی، چنانچہ یوم بدر میں اس کی ناک پر تلوار کا زخم لگا دیا گیا، بے شک ہم نے ان اہل مکہ کو قحط اور بھوک کے ساتھ ایسے ہی آزمایا جیسا کہ ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا جب کہ انہوں نے قسمیں کھائیں کہ وہ باغ کے پھلوں کو صبح تڑکے ضرور توڑ لیں گے، تاکہ مساکین کو ان کے پھل توڑنے کا علم نہ ہو سکے اور وہ مساکین کو پھلوں میں سے وہ حصہ نہ دیں گے جو حصہ ان کے والدان پر صدقہ کیا کرتے تھے، مگر انہوں نے اپنی قسم میں استثناء نہیں کیا (یعنی) انشاء اللہ نہیں کہا، اور جملہ مستانفہ ہے ای شانھم لَایَسْتَثْنُوْنَ ذٰلِكَ، پس اس باغ پر تیرے رب کی جانب سے ایک گھومنے والی (بلا) گھوم گئی، یعنی ایسی آگ کہ اس نے باغ کو راتوں رات جلا دیا، اور وہ پڑے سوتے ہی رہے اور وہ باغ نہایت تاریک رات کے مانند ہو گیا یعنی خاک سیاہ ہو گیا، اب صبح ہوتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کو آوازیں دیں کہ اگر تم کو پھل توڑنے ہیں تو صبح تڑکے اپنی کھیتی پر چلو، اَنِ اغْدُوْا، تَنَادَوْا کی تفسیر ہے (یعنی اَنْ بمعنی ای ہے) یا اَنْ مصدریہ ہے ای بِاَنْ اور جواب شرط (محذوف ہے) جس پر اس کا ماقبل یعنی اَنِ اغْدُوْا دلالت کر رہا ہے، پھر وہ چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے چلے کہ آج کے دن کوئی مسکین تمہارے پاس آنے نہ پائے یہ ماقبل کی تفسیر ہے (اور اَنْ بمعنی اَیْ ہے) یا اَنْ مصدریہ ہے اور معنی میں بِاَنْ کے ہے اور وہ بزعم خویش فقراء کو نہ دینے پر خود کو قادر سمجھ کر چلے، جب انہوں نے اس باغ کو جلا ہوا سیاہ دیکھا تو کہنے لگے ہم یقیناً باغ کا راستہ بھول گئے ہیں یعنی یہ ہمارا باغ نہیں ہے پھر جب ان کو معلوم ہوا تو کہنے لگے ہم تو فقراء کو پھلوں سے روکنے کی وجہ سے، پھلوں سے محروم ہو گئے، ان میں سے جو بہتر تھا اس نے کہا کہ کیا میں تم سے نہ کہتا تھا کہ تم اللہ کی طرف رجوع ہو کر اس کی پاکی بیان کیوں نہیں کرتے؟ تو سب کہنے لگے ہمارا رب پاک ہے فقراء سے ان کا حق روک کر ہم ہی ظالم تھے پھر وہ آپس میں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر ملامت کرنے لگے، کہنے لگے: ہائے افسوس! ہماری بدقسمتی یہ یقیناً سرکش تھے کیا عجب کہ ہمارا رب اس سے بہتر بدلہ دے (یُبْدِلَنَا) تشدید وتخفیف کے ساتھ ہے، ہم تو اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہیں تاکہ وہ ہماری توبہ قبول فرمائے، اور ہمیں ہمارے باغ سے

بہتر باغ عطا فرمادے، روایت کیا گیا ہے کہ ان کو اس سے بہتر باغ بدلے میں عطا کر دیا گیا، اسی طرح عذاب ہوا کرتا ہے یعنی ان لوگوں کے عذاب کے مانند اہل مکہ میں سے جنہوں نے ہمارے حکم کی خلاف ورزی کی، اور آخرت کا عذاب اس سے بڑھ کر ہے اگر یہ آخرت کے عذاب کو جان لیتے تو ہمارے حکم کی خلاف ورزی نہ کرتے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: سورة نٓ اس کا دوسرا نام سورۃ القلم بھی ہے۔

قولہ: احد حروف الهجاء اس عبارت کا مقصد ان لوگوں پر رد کرنا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ (ن) رحمٰن کا آخری حرف ہے یا نصر، ناصر، نور، کا پہلا حرف ہے۔

قولہ: وَمَا يَسْطُرُوْنَ، مَا مصدریہ ہے یا موصولہ مَا يَسْطُرُوْنَ ای بِمَسطورهم یعنی قسم ہے اس کی جو فرشتے لکھتے ہیں۔

قولہ: مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ یہ جواب قسم ہے اور بِنِعْمَةِ میں باء سببیہ ہے یعنی اپنے رب کے فضل کے سبب سے آپ ﷺ مجنون نہیں ہیں بنعمة جار مجرور سے مل کر اس فعل نفی کے متعلق ہے جس پر مَا دلالت کرتا ہے ای انتفی بنعمة ربك عنك الجنون، بمجنون میں باء زائدہ ہے۔ (جمل)

قولہ: بسبب انعامه اس سے جس طرح اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ باء سببیہ ہے اسی طرح اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اَنْتَ، مَا کا اسم اور بمجنون اس کی خبر ہے۔

قولہ: وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا الخ یہ اور اس کا مابعد جواب قسم پر معطوف ہے، گویا کہ مقسم علیہ دو ہیں ایک مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ اور دوسرا وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ.

قولہ: بِاَيِّكُمُ خبر مقدم ہے اور اَلْمَفْتُوْنُ مبتداء مؤخر ہے۔

قولہ: هُوَ مَعْطُوْفٌ عَلٰى تُدْهِنُ یعنی فَيُدْهِنُوْنَ کا عطف تُدْهِنُ پر ہے اور جس طرح معطوف لَوْ کے ماتحت ہونے کی وجہ سے مُتَمَنّٰى ہے فَيُدْهِنُوْنَ بھی مُتَمَنّٰى ہوگا، اس طرح دو چیزیں مُتَمَنّٰى ہوں گی مگر اس صورت میں یہ اعتراض ہوگا کہ فَيُدْهِنُوْنَ جواب تَمَنّی ہے لہٰذا منصوب ہونے کی وجہ سے اس کا نون اعرابی ساقط ہونا چاہئے، حالانکہ فَيُدْهِنُوْنَ میں نون اعرابی باقی ہے؟

جواب: یہ ہے کہ نون کے ساقط ہونے کے لئے فا کا سببیہ ہونا ضروری ہے اور یہاں فا عاطفہ ہے نہ کہ سببیہ۔

دوسرا جواب: مفسر علام نے قُدِّرَ قَبْلَهٗ بعد الفاء سے دیا ہے، اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ فَيُدْهِنُوْنَ کی فاء کے بعد هُمْ مبتداء مقدر مان لیا جائے اور يُدْهِنُوْنَ مبتداء کی خبر ہوگی، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جواب تمنی ہوگا، لہٰذا اس صورت میں حذف نون کی ضرورت نہیں ہوگی (ترویح الارواح، فتح القدیر، شوکانی) اور بعض قراءتوں میں فَيُدْهِنُوا

بھی ہے اس صورت میں فَیُدْهِنُوْا جواب تمنی ہوگا اور فاء سببیہ ہوگی جس کی وجہ سے نون اعرابی ساقط ہوگیا۔ (فتح القدير)

قَوْلُہٗ: ای مُغْتَابٌ، ای حرف تفسیر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مُغْتَابٌ، عَیَّابٌ کی تفسیر ہے حالانکہ مُغتابٌ، عیّابٌ کی تفسیر نہیں ہے لہٰذا مفسر علام کے لئے مناسب تھا کہ اَیْ کے بجائے اَوْ کہتے تاکہ ھَمَّاز کی دوسری تفسیر ہو جاتی۔ (صاوی)

قَوْلُہٗ: بِنَمِیْمٍ یہ مَشَّاءٍ کے متعلق ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ شخص ادھر کی ادھر لگانے کے لئے بہت دوڑ دھوپ کرنے والا ہے۔

قَوْلُہٗ: غَلِیْظٌ، تندخو، جَافٌ خشک مزاج۔

قَوْلُہٗ: بعد ذٰلك یعنی مذکورہ تمام عیوب میں سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ وہ غیر ثابت النسب ہے۔

قَوْلُہٗ: زَنِیْمٌ، الزنمۃُ سے ماخوذ ہے وہ چھلا جو بھیڑ بکری وغیرہ کے کان میں ڈال دیا جاتا ہے، مجازاً اس شخص کو کہا جانے لگا جس کو نسب میں شامل کرلیا گیا ہو، حقیقت میں وہ نسب میں داخل نہ ہو، عربی میں اس کو مستلحق کہتے ہیں، ولید بن مغیرہ ایسا ہی تھا۔

قَوْلُہٗ: لِاَنْ وَهُوَ متعلق بِمَا دَلَّ عَلَیْهِ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اَنْ کَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِیْنَ میں اَنْ سے پہلے لام جارہ مقدر ہے اور وہ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ آیَاتُنَا کے مدلول سے متعلق ہے اور مدلول کَذَّبَ بِهَا ہے جس کو مفسر علام نے ظاہر کردیا ہے۔

قَوْلُہٗ: وَفِی قراءَ ۃٍ ءَاَنْ دو ہمزوں کے ساتھ پہلا ہمزہ استفہام توبیخی ہے اور دوسرا اَنْ مصدریہ کا ہے اس سے پہلے لام مقدر ہے اور معنی اَکَذَّبَ بِهَا لِاَنْ ذَا مَالٍ وَبَنِیْنَ۔

قَوْلُہٗ: الخرطوم درندوں کی تھوتھری کو کہتے ہیں خاص طور پر ہاتھی اور خنزیر کی سونڈ اور تھوتھری کو، ولید بن مغیرہ کی ناک کو استہزاءً خرطوم کہا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: وجواب الشرط دَلَّ عَلَیْهِ مَاقبله یعنی اِنْ کُنْتُمْ شرط کا جواب شرط محذوف ہے، جس پر ماقبل یعنی اَنْ اغْدُوا دلالت کررہا ہے تقدیر عبارت یہ ہے اِنْ کُنْتم صَارِمِیْن اغدوا۔

تفسیر و تشریح

نٓ والقلم وما یسْطُرُوْنَ نون اسی طرح حروف مقطعات میں سے ہے جیسے اس سے قبل صٓ، قٓ وغیرہ گذر چکے ہیں، اس میں قلم کی قسم کھا کر یہ بات کہی گئی ہے کہ آپ ﷺ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں، اور آپ ﷺ کے لئے ختم نہ ہونے والا اجر ہے، قلم کی اس لحاظ سے ایک اہمیت ہے کہ اس سے تبیین اور توضیح ہوتی ہے، بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ قلم سے خاص قلم مراد ہے جسے اللہ نے سب سے پہلے پیدا فرمایا، اور اسے تقدیر لکھنے کا حکم دیا، چنانچہ اس نے قیامت تک ہونے والی ساری چیزیں لکھ دیں۔ (سنن ترمذی) مَا یَسْطُرُوْنَ میں مَا مصدریہ ہے مطلب یہ کہ قلم کی قسم اور جو کچھ فرشتے

لکھتے ہیں ان کے لکھنے کی قسم، مقسم بہ کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے اس کے مناسب کسی چیز کی قسم کھائی جاتی ہے اور وہ قسم مضمون پر ایک شہادت ہوتی ہے، یہاں مَا یَسْطُرُوْنَ سے دنیا کی تاریخ میں جو کچھ لکھا گیا اور لکھا جا رہا ہے اس کو بطور شہادت پیش کیا جا رہا ہے کہ دنیا کی تاریخ کو دیکھو، ایسے اعلیٰ اخلاق و اعمال والے کہیں مجنون ہوتے ہیں؟ وہ تو دوسروں کی عقل درست کرنے والے ہوتے ہیں نہ کہ خود مجنون۔

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍ یہ جواب قسم ہے، جس میں کفار کے قول کو رد کیا گیا ہے کیوں کہ وہ آپ ﷺ کو مجنون اور دیوانہ کہتے تھے، آپ ﷺ نے فریضۂ نبوت کی ادائیگی میں جتنی زیادہ تکلیفیں برداشت کیں اور دشمنوں کی طعن و تشنیع سنیں ہیں اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ختم ہونے والا اجر ہے، مَنٌّ کے معنی ختم ہونے اور قطع کرنے کے ہیں۔

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ. خلق عظیم سے مراد اسلام، دین یا قرآن ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ تو اس خلق پر ہیں کہ جس کا حکم اللہ نے قرآن میں دیا ہے، یا اس سے مراد تہذیب و شائستگی نرمی و شفقت، امانت و صداقت، حلم و کرم اور دیگر اخلاقی خوبیاں ہیں، جن میں آپ ﷺ نبوت سے پہلے بھی ممتاز تھے اور نبوت کے بعد ان میں مزید اور وسعت آئی، اسی لئے جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ ﷺ کے خلق کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا کان خُلقُهُ القرآن. (صحیح مسلم)

بلند اخلاقی اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ کفار آپ ﷺ پر دیوانگی اور جنون کی جو تہمت رکھ رہے ہیں وہ سراسر جھوٹی ہے کیونکہ اخلاق کی بلندی اور دیوانگی دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں، دیوانہ وہ شخص ہوتا ہے جس کا ذہنی توازن بگڑا ہوا ہو، اس کے برعکس آدمی کے بلند اخلاق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ نہایت صحیح الدماغ اور سلیم الفطرت ہے، رسول اللہ ﷺ کے اخلاق سے اہل مکہ ناواقف نہیں تھے، اس لئے ان کی طرف محض اشارہ کر دینا ہی اس بات کے لئے کافی تھا کہ مکہ کا ہر معقول آدمی یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے کہ وہ لوگ کس قدر بے شرم ہیں جو ایسے بلند اخلاق آدمی کو مجنون کہہ رہے ہیں، ان کی یہ بے ہودگی اس بات کا ثبوت ہے کہ دماغی توازن آپ ﷺ کا نہیں بلکہ ان لوگوں کا خراب ہے جو مخالفت کے جوش میں پاگل ہو کر پاگلوں والی باتیں کرتے ہیں، یہی معاملہ ان مدعیان علم و تحقیق کا بھی ہے جو اس زمانہ میں رسول اللہ ﷺ پر مرگی اور جنون کی تہمت رکھتے ہیں۔

آپ ﷺ کے اخلاق کے سلسلہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ قول "کَانَ خُلُقُهُ القرآن" قرآن آپ ﷺ کا اخلاق تھا، کا معنی یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دنیا کے سامنے محض قرآن کی تعلیم ہی پیش نہیں فرمائی بلکہ خود اس کا مجسم نمونہ بن کر دکھایا تھا، ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی خادم کو نہیں مارا اور نہ کبھی عورت پر ہاتھ اٹھایا، جہاد فی سبیل اللہ کے سوا کبھی آپ ﷺ نے کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا، اپنی ذات کے لئے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی ہے، آپ ﷺ نے کبھی میری کسی بات پر اُف تک نہ کی، کبھی میرے کام پر یہ نہ فرمایا کہ تو نے یہ کیوں کیا؟ اور کبھی کسی کام کے نہ کرنے پر یہ نہیں

فرمایا کہ تو نے یہ کیوں نہ کیا؟ (بخاری مسلم)

فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ مکہ کے یہ بدباطن مشرکین عداوت کے جوش میں پاگل ہو کر جو حقیقت کو چھپانے اور نور حق کو بجھانے کی کوشش کر رہے ہیں جب عنقریب قیامت کے دن حق واضح ہو جائے گا اور سارے پردے اٹھ جائیں گے تو ساری دنیا دیکھ لے گی کہ کون دیوانہ تھا اور کون فرزانہ؟ بعض مفسرین نے ظہور حقیقت کے دن سے یوم بدر مراد لیا ہے

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ یعنی آپ ﷺ ان جھٹلانے والوں کی بات نہ مانیں، یہ تو یوں چاہتے ہیں کہ آپ ﷺ تبلیغ احکام میں کچھ نرم پڑ جائیں، تو یہ بھی نرم پڑ جائیں کہ آپ ﷺ پر طعن و تشنیع اور ایذارسانی ترک کر دیں۔ (قرطبی)

مَسْئَلَۃٌ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار و فجار کے ساتھ یہ سودا کر لیں کہ ہم تمہیں کچھ نہیں کہتے تم بھی ہمیں کچھ نہ کہو، یہ مداہنت فی الدین اور حرام ہے (معارف، مظہری) یعنی بلا کسی اضطراب اور مجبوری کے ایسا معاہدہ جائز نہیں۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ (الآیۃ) پہلی آیت میں عام کفار کی بات نہ ماننے اور دین کے معاملہ میں ان کی وجہ سے کوئی مداہنت نہ کرنے کا عام حکم تھا، اس آیت میں ایک خاص شریر کافر ولید بن مغیرہ کی صفات رذیلہ بیان کر کے اس سے اعراض کرنے اور اس کی بات نہ ماننے کا خصوصی حکم دیا گیا ہے، اس لئے کہ حق بات میں مداہنت، حکمت تبلیغ کے لئے سخت نقصان دہ ہے، مذکورہ آیت میں جو نو اوصاف رذیلہ بیان کئے گئے ہیں ان کے بارے میں راجح قول تو یہی ہے کہ یہ ولید بن مغیرہ کے اوصاف ہیں اس کے علاوہ بھی کئی اقوال ہیں، کسی نے ان اوصاف کا مصداق اسود بن عبد یغوث کو اور کسی نے اخنس بن شریق کو قرار دیا ہے، تفسیر زاہدی وغیرہ میں ہے کہ ولید جب اٹھارہ سال کا ہوا تو مغیرہ نے دعویٰ کیا کہ میں اس کا باپ ہوں، جب مذکورہ آیت نازل ہوئی تو ولید نے اپنی ماں سے کہا کہ محمد ﷺ نے میرے نو اوصاف بیان کئے ہیں، میں ان میں سے سوائے نویں (زنیم) کے سب کو جانتا ہوں اور صرف اس کو نہیں جانتا، اگر تو مجھے صحیح صحیح نہ بتائے گی تو میں تیری گردن اڑا دوں گا تو اس کی ماں نے کہا تیرا باپ نامرد تھا مجھے مال کے بارے میں تیرے چچازاد بھائیوں سے اندیشہ ہوا تو میں نے فلاں غلام کو اپنے اوپر قابو دیدیا تو اسی سے ہے۔ (حاشیہ جلالین ملخصاً)

باغ والوں کا قصہ:

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ (الآیۃ) یہ باغ حضرت ابن عباس رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا کے قول کے مطابق یمن میں تھا اور حضرت سعید بن جبیر رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ کی ایک روایت یہ ہے کہ صنعاء جو یمن کا مشہور شہر ہے اس سے چھ میل کے فاصلہ پر تھا، اور بعض حضرات نے اس کا محل وقوع حبشہ بتایا ہے۔ (ابن کثیر) یہ لوگ اہل کتاب تھے اور یہ واقعہ رفع عیسیٰ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ کے کچھ عرصہ بعد کا ہے، (معارف) دو باغ والوں کا اسی قسم کا ایک واقعہ تمثیل کے طور پر سورۂ کہف رکوع ۵ میں بیان ہوا ہے۔

باغ والوں کا واقعہ حضرت ابن عباس رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا کی روایت سے اس طرح منقول ہے کہ صنعاء یمن سے دو فرسخ کے فاصلہ پر ایک باغ تھا اس مقام کو صروان کہا جاتا تھا، یہ باغ ایک صالح نیک بندے کا تھا، اس کا عمل یہ تھا کہ جب درختوں سے

پھل توڑتا تو پھل توڑنے کے دوران جو پھل نیچے گر جاتے وہ فقیروں اور مسکینوں کے لئے چھوڑ دیتا، اسی طرح کھیتی کاٹتے وقت جو خوشہ گر جاتا اور کھلیان میں جو دانہ بھوسے کے ساتھ چلا جاتا وہ بھی فقیروں کے لئے چھوڑ دیتا (یہی وجہ تھی کہ جب پھل توڑنے اور کھیتی کاٹنے کا وقت آتا تو بہت سے فقراء و مساکین جمع ہو جاتے تھے) اس مرد صالح کا انتقال ہو گیا اس کے تین بیٹے باغ اور زمین کے وارث ہوئے، انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب ہماری عیالداری بڑھ گئی ہے اور پیداوار ضرورت سے کم ہے اس لئے اب ان فقراء کے لئے اتنا غلہ اور پھل چھوڑنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے، ہمیں یہ سلسلہ بند کرنا چاہئے، آگے ان کا قصہ خود قرآن کریم حسب ذیل الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ یعنی انہوں نے قسم کے ساتھ یہ عہد کر لیا کہ اب کی مرتبہ ہم صبح سویرے ہی جا کر کھیتی کاٹ لیں گے، تاکہ فقراء و مساکین کو خبر نہ ہو اور ساتھ نہ لگ لیں، ان کو اپنے اس منصوبے پر اتنا یقین تھا کہ انشاء اللہ کہنے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی، بعض مفسرین نے "لَا يَسْتَثْنُوْنَ" کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ پورا کا پورا غلہ اور پھل گھر لے آئیں گے اور فقراء کا حصہ مستثنیٰ نہ کریں گے۔ (مظہری)

فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ ادھر تو یہ لوگ یہ مشورہ کر رہے تھے اور ادھر آسمانی بلا نے باغ کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا، جب صبح تڑکے پھل توڑنے کے لئے جانے لگے تو ایک دوسرے کو آہستہ آہستہ پکارنے لگے، تاکہ فقیر و مسکین لوگ سن نہ لیں اور وہ اس بات پر خوش تھے کہ آج باغ میں آ کر ہم سے کوئی کچھ نہ مانگے گا، اور وہ اپنے آپ کو اپنے اس منصوبے میں کامیاب سمجھ رہے تھے۔

فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْا اِنَّا لَضَالُّوْنَ مگر جب اس جگہ باغ و کھیت کچھ نہ پایا، تو اول تو یہ کہنے لگے کہ ہم اپنے باغ کا راستہ بھول کر کسی دوسری طرف نکل آئے ہیں، یہاں نہ تو باغ ہے اور نہ کھیت، مگر جب دیگر نشانیوں پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ جگہ تو یہی ہے، مگر کھیت اور باغ وغیرہ سب جل کر ختم ہو گیا ہے تو کہنے لگے "بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ" یعنی تباہ شدہ باغ ہمارا ہی باغ ہے جس کو اللہ نے ہمارے طرز عمل کی پاداش میں ایسا کر دیا، واقعی ہم اس نعمت سے بلکہ لاگت سے بھی محروم کر دیئے گئے، یہ واقعی حرمان نصیبی ہے۔

قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ (الآیۃ) اس کا مطلب یہ ہے ان میں جو نسبۃً بہتر تھا اس نے اس وقت بھی جب وہ فقیروں کو نہ دینے کی قسم کھا رہے تھے کہا تھا کہ تم خدا کو بھول گئے؟ انشاء اللہ کیوں نہیں کہتے؟ مگر انہوں نے اس کی پروا نہ کی۔

قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ یعنی اب انہیں احساس ہوا کہ ہم نے اپنے باپ کے طرز عمل کے خلاف قدم اٹھا کر غلطی کا ارتکاب کیا ہے جس کی سزا اللہ نے ہمیں دی ہے، اور اس تباہی و بربادی کا الزام آپس میں ایک دوسرے کو دینے لگے۔

عَسٰى رَبُّنَا اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَا کہتے ہیں کہ انہوں نے آپس میں عہد کیا کہ اب اگر اللہ نے ہمیں مال دیا تو اپنے باپ کی طرح اس میں سے غرباء و مساکین کا حق بھی ادا کریں گے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جب ان سب لوگوں نے سچے دل سے توبہ کرلی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے بہتر باغ عطا فرمادیا جس کے انگوروں کے خوشے اتنے بڑے ہوتے کہ ایک خوشہ ایک خچر پر لادا جاتا تھا۔ (مظہری، معارف، واللہ اعلم بالصواب)

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيمِ ﴿٣٤﴾ **أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ** ﴿٣٥﴾ ای تابعین لهم فی العطاء **مَا لَكُمْ** **كَيْفَ تَحْكُمُونَ** ﴿٣٦﴾ هذا الحكم الفاسد **أَمْ** بل **لَكُمْ كِتٰبٌ** منزل **فِيهِ تَدْرُسُونَ** ﴿٣٧﴾ تقرؤون **إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ** ﴿٣٨﴾ تختارون **أَمْ لَكُمْ أَيْمٰنٌ** عهود **عَلَيْنَا بٰلِغَةٌ** واثقة **إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ** متعلق معنًى بعلينا وفي هذا الكلام معنى القسم اى اقسمنا لكم وجوابه **إِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُونَ** ﴿٣٩﴾ به لانفسكم **سَلْهُمْ أَيُّهُمْ بِذٰلِكَ** الحكم الذي يحكمون به لانفسهم من انهم يعطون في الآخرة افضل من المؤمنين **زَعِيمٌ** ﴿٤٠﴾ كفيل لهم **أَمْ لَهُمْ** اى عندهم **شُرَكَاءُ** موافقون لهم في هذا القول يكفلون لهم به فان كان كذلك **فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ** الكافلين لهم به **إِنْ كَانُوا صٰدِقِينَ** ﴿٤١﴾ اذكر **يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ** هو عبارة عن شدة الامر يوم القيمة للحساب والجزاء يقال كشفت الحرب عن ساق اذا اشتد الامر فيها **وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ** امتحانًا لايمانهم **فَلَا يَسْتَطِيعُونَ** ﴿٤٢﴾ تصير ظهورهم طبقًا واحدًا **خٰشِعَةً** حال من ضمير يدعون اى ذليلة **أَبْصٰرُهُمْ** لا يرفعونها **تَرْهَقُهُمْ** تغشاهم **ذِلَّةٌ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ** في الدنيا **إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سٰلِمُونَ** ﴿٤٣﴾ فلا يأتون به بان لا يصلوا **فَذَرْنِي** دعني **وَمَنْ يُكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيثِ** القران **سَنَسْتَدْرِجُهُمْ** نأخذهم قليلًا قليلًا **مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ** ﴿٤٤﴾ **وَأُمْلِي لَهُمْ** امهلهم **إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ** ﴿٤٥﴾ شديد لا يطاق **أَمْ** بل **تَسْأَلُهُمْ** على تبليغ الرسالة **أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَغْرَمٍ** مما يعطونكه **مُثْقَلُونَ** ﴿٤٦﴾ فلا يؤمنون لذلك **أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ** اى اللوح المحفوظ الذي فيه الغيب **فَهُمْ يَكْتُبُونَ** ﴿٤٧﴾ منه ما يقولون **فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ** فيهم بما يشاء **وَلَا تَكُنْ كَصٰحِبِ الْحُوتِ** في الضجر والعجلة وهو يونس عليه الصلوة والسلام **إِذْ نَادٰى** دعا ربه **وَهُوَ مَكْظُومٌ** ﴿٤٨﴾ مملوء غمًا في بطن الحوت **لَوْلَا أَنْ تَدَارَكَهُ** ادركه **نِعْمَةٌ** رحمة **مِنْ رَبِّهِ لَنُبِذَ** من بطن الحوت **بِالْعَرَاءِ** بالارض الفضاء **وَهُوَ مَذْمُومٌ** ﴿٤٩﴾ لكنه رحم فنبذ غير مذموم **فَاجْتَبٰهُ رَبُّهُ** بالنبوة **فَجَعَلَهُ مِنَ الصّٰلِحِينَ** ﴿٥٠﴾ الانبياء **وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ** بضم الياء وفتحها **بِأَبْصٰرِهِمْ** اى ينظرون اليك نظرًا شديدًا يكاد ان يصرعك ويسقطك عن مكانك **لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ** القران **وَيَقُولُونَ** حسدًا **إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ** ﴿٥١﴾ بسبب القران الذي جاء به **وَمَا هُوَ** اى القران **إِلَّا ذِكْرٌ** موعظة **لِلْعٰلَمِينَ** ﴿٥٢﴾ الانس والجن لا يحدث بسببه جنون.

ترجمہ: (آئندہ آیت) اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین نے کہا، اگر ہم کو دوبارہ زندہ کیا گیا تو تم سے بہتر ہم کو عطا کیا جائے گا، پرہیزگاروں کے لئے ان کے رب کے پاس نعمتوں والی جنتیں ہیں، کیا ہم مسلمین اور مجرمین کو برابر کردیں گے؟ یعنی گنہگاروں کو مسلمانوں کے برابر کردیں گے؟ تمہیں کیا ہوگیا؟ تم یہ فاسد فیصلے کیسے کررہے ہو؟ بلکہ کیا تمہارے پاس نازل کردہ کوئی کتاب ہے جس میں تم پڑھتے ہو کہ اس میں تمہارے لئے وہ چیزیں (لکھی) ہوں جن کو تم پسند کرتے ہو یا تمہارے لئے ہم پر کچھ پختہ قسمیں ہیں؟ (الی یوم القیامه) معنی کے اعتبار سے عَلَيْنَا سے متعلق ہے اور اس کلام میں قسم کے معنی ہیں، یعنی اَقْسَمْنَا لَکُمْ اور جواب قسم (اِنَّ لَکُمْ لَمَا تَحْکُمُوْنَ) ہے کہ تمہارے لئے وہ سب کچھ ہے جسے تم اپنی طرف سے اپنے لئے مقرر کرلو آپ ﷺ ان سے دریافت فرمائیں کہ اس حکم کا کہ جس کا تم اپنے لئے فیصلہ کررہے ہو وہ یہ کہ تم کو آخرت میں مسلمانوں سے بہتر عطا کیا جائے گا، کوئی ذمہ دار ہے؟ کیا ان کے پاس شرکاء ہیں؟ جو اس بات میں ان کے موافق اور اس سلسلے میں ان کے لئے کفیل ہیں، اگر ایسا ہے تو اپنے کفالت کرنے والے شرکاء کو لے آئیں، اگر وہ سچے ہیں، اس دن کو یاد کرو جس دن ساق کی تجلی ظاہر ہوجائے گی، یہ عبارت ہے قیامت کے دن حساب اور جزاء کی شدت سے، جب شدت کارن پڑ جائے تو بولا جاتا ہے، كَشَفَتِ السَّاقُ عَنِ الْحَرْبِ، حرب نے اپنی پنڈلیاں کھول دیں، اور ان کو ان کے ایمان کی آزمائش کے لئے سجدہ کے لئے بلایا جائے گا، تو وہ سجدہ نہ کرسکیں گے ان کی کمریں ایک تختہ ہوجائیں گی حال یہ ہے کہ ان کی نگاہیں نیچی ہوں گی خَاشِعَةً، یدعون کی ضمیر سے حال ہے، حال یہ کہ ذلیل ہوں گی، نظروں کو اوپر نہ اٹھائیں گے ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی، یہ سجدہ کے لئے دنیا میں بلائے جاتے تھے حال یہ کہ وہ صحیح سالم تھے تو یہ سجدہ نہ کرسکیں گے، اس لئے کہ انہوں نے (دنیا) میں نماز نہیں پڑھی تھی مجھ کو اور اس شخص کو جو جھٹلا رہا ہے اسی حال میں رہنے دے، ہم ان کو بتدریج اس طرح کھینچیں گے کہ ان کو معلوم بھی نہ ہوگا یعنی ہم ان کو آہستہ آہستہ گرفت میں لیں گے، اور میں ان کو ڈھیل دوں گا، بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط شدید ہے کوئی اس کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا کیا آپ ﷺ ان سے تبلیغ رسالت پر کچھ اجرت طلب کرتے ہیں کہ یہ اس کے بوجھ سے کہ جو یہ آپ ﷺ کو دیتے ہیں دبے جارہے ہیں؟ جس کی وجہ سے یہ لوگ ایمان نہیں لاتے؟ یا ان کے پاس علم غیب ہے یعنی لوح محفوظ ہے کہ جس میں غیب (کی باتیں) ہیں کہ جو کہتے ہیں اس سے لکھ لیتے ہیں پس تو ان کے بارے میں جو وہ چاہتا ہے اپنے رب کے حکم کا صبر سے انتظار کر اور تنگ دلی اور عجلت میں مچھلی والے کے مانند نہ ہوجا، اور وہ یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، اس نے اپنے رب سے غم کی حالت میں دعاء کی (یعنی) مغموم ہو کر مچھلی کے پیٹ میں دعاء کی، اگر اسے اس کے رب کی نعمت رحمت نہ پالیتی تو مچھلی کی پیٹ سے بری حالت میں چٹیل میدان میں پھینک دیا جاتا، لیکن اس پر رحم فرمایا گیا، اور اس کو بری حالت میں نہیں ڈالا گیا، پھر اس کے رب نے اس کو نبوت سے نوازا تو اس کو صالحین انبیاء میں شامل کر

دیا اور قریب ہے کہ کافر آپ ﷺ کو تیز نگاہوں سے پھسلا دیں، یاء کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ، یعنی وہ لوگ آپ ﷺ کو گھور گھور کر دیکھتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ ﷺ کو زمین پر پچھاڑ دیں گے اور آپ ﷺ کو اپنی جگہ سے گرادیں گے جب وہ قرآن سنتے ہیں اور حسد کی وجہ سے کہہ دیتے ہیں یہ تو اس قرآن کی وجہ سے جس کو یہ لایا ہے دیوانہ ہوگیا ہے، درحقیقت یہ قرآن جہان والوں کے لئے یعنی جن وانس کے لئے نصیحت ہے اس کی وجہ سے جنون پیدا نہیں ہوسکتا۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: ای تابعین مناسب تھا کہ مفسر علام تابعین کے بجائے مساوین لھم فی العطا فرماتے۔

قَوْلُہٗ: مَــا لَكُمْ یہ مبتدا خبر سے مل کر جملہ ہے اس لئے اس پر وقف کیا جاتا ہے ای اَیُّ شَیءٍ یَحْصُلُ لکم من هذه الاحكام البعيدة عن الصواب.

قَوْلُہٗ: كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ یہ دوسرا جملہ ہے۔

قَوْلُہٗ: اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ، اِنَّ لَكُمْ دراصل ان لکم فتحہ کے ساتھ تھا اس لئے کہ یہ تدرسون کا مفعول ہے لیکن خبر میں لَمَا تَخَيَّرُوْنَ میں لام سے تاکید لایا گیا تو اِنَّ کو کسرہ دے دیا گیا، جیسا کہ علمتُ اِنَّكَ لَعَاقِلٌ میں اور طلحہ بن مصرف اور ضحاک نے ان ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے، لام کو زائد برائے تاکید قرار دیکر۔

قَوْلُہٗ: متعلق مَعْنَى بعَلَيْنَا، ای متصل به، یعنی الی یوم القیامة، علینا کے متصل ہے یہاں متعلق سے مراد نحوی تعلق نہیں ہے کہ وہ تعلق فعل یا اس کے ساتھ خاص ہو جو فعل کے معنی میں ہو اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ علينا الخ قسم کے معنی میں ہے اور اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ جواب قسم ہے۔

قَوْلُہٗ: اِنْ كَانُوْا صَادِقِيْنَ اس کی جزاء ماقبل کی دلالت کی وجہ سے محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ، لَا يَعْلَمُوْنَ کا مفعول محذوف ہے ای لَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ اِسْتِدْرَاج

قَوْلُہٗ: وَاُمْلِيْ لَهُمْ یہ عطف تفسیری ہے اس کا عطف سَنَسْتَدْرِجُهُمْ پر ہے۔

تفسیر وتشریح

شانِ نزول:

صنادید قریش نے جب آپ ﷺ کی زبانی سنا کہ مسلمانوں کو آخرت میں ایسی ایسی نعمتیں ملیں گی، تو کہنے لگے کہ اگر بالفرض قیامت قائم ہوگئی تو ہم وہاں بھی مسلمانوں سے بہتر ہی ہوں گے، جیسے دنیا میں ہم مسلمانوں سے بہتر اور آسودہ حال ہیں، یا کم از کم مساوی ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا "اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ؟ یہ کس طرح ممکن

ہے کہ ہم مسلمانوں یعنی اپنے فرمانبرداروں کو مجرموں یعنی نافرمانوں کی طرح کردیں؟ مطلب یہ کہ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ عدل وانصاف کے خلاف دونوں کو یکساں کردے، اَفَنَجْعَلُ میں ہمزہ استفہام انکاری ہے اور فا عاطفہ ہے معطوف محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی أنحیف فی الحکم فنجعل المسلمین کالمجرمین الخ یعنی یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمانبرداروں اور نافرمانوں میں تمیز نہ کرے، آخر تمہاری عقل میں یہ بات کیسے آئی کہ کائنات کا خالق کوئی اندھا راجہ ہے؟ جس کے یہاں چوپٹ نگری کا راج ہے کہ جہاں ''سب دھان ستائیس سیر'' اور ''ٹکا سیر بھاجی'' اور ''ٹکا سیر کھاجا'' کا قانون جاری ہے، جو یہ نہ دیکھے گا کہ کن لوگوں نے دنیا میں اس کے احکام کی اطاعت کی اور برے کاموں سے پرہیز کیا اور کون لوگ تھے جنہوں نے بے خوف ہوکر ہر طرح کے گناہ اور جرائم اور ظلم وستم کا ارتکاب کیا؟ اگر ایسا ہو تو اس سے بڑا ظلم اور ناانصافی کیا ہوسکتی ہے، قیامت کا آنا اور حساب وکتاب کا ہونا اور نیک وبد کی سزا یہ سب تو عقلاً بھی ضروری ہے، کیونکہ اس کا دنیا میں ہر شخص مشاہدہ کرتا ہے اور کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ دنیا میں جو عموماً فساق، فجار، بدکار، ظالم، چور اور ڈاکو ہیں نفع میں رہتے ہیں، بسا اوقات ایک چور اور ڈاکو ایک رات میں اتنا مال جمع کرلیتا ہے کہ شریف آدمی عمر بھر میں بھی حاصل نہیں کرسکتا، اس کے علاوہ نہ خوف کو جانتا ہے اور نہ آخرت کو اور نہ کسی شرم وحیا کا پابند ہوتا ہے، اپنی خواہشات کو جس طرح چاہتا ہے پورا کرتا ہے، نیک اور شریف آدمی اول تو خدا سے ڈرتا ہے آخرت کی جواب دہی کا خوف دامن گیر رہتا ہے، اس کے علاوہ شرم وحیا کا بھی پاس ولحاظ کرتا ہے، خلاصہ یہ کہ دنیا کے کارخانہ میں بدکار وبدمعاش کامیاب اور شریف آدمی ناکام نظر آتا ہے، اب اگر آگے بھی کوئی ایسا وقت نہ آئے جس میں حق وناحق کا صحیح فیصلہ ہو اور بدکار کو سزا و نیکوکار کو جزا ملے تو پھر تو کسی برائی کو برائی اور گناہ کو گناہ کہنا لغو لا حاصل ہوجاتا ہے کہ وہ ایک انسان کو بلاوجہ اس کی خواہشات سے روکتا ہے اور دوسرا شتر بے مہار ہوکر اپنی خواہشات کے پیچھے بے روک ٹوک سرپٹ دوڑ رہا ہے، انجام کار نتیجے میں دونوں برابر ہوں یہ تو عقل وانصاف کے بالکل خلاف ہے، قرآن کریم کے اس لفظ ''اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ کَالْمُجْرِمِیْنَ'' نے اس حقیقت کو واضح کردیا کہ عقلاً یہ ضروری ہے کہ کوئی ایسا وقت ضرور آئے کہ جس میں سب کا حساب ہو اور مجرموں کے لئے دنیا کی طرح کوئی چور دروازہ نہ ہو، جہاں انصاف ہی انصاف ہو، اگر یہ نہیں ہے تو دنیا میں کوئی برا کام برا نہیں اور کوئی جرم جرم نہیں اور پھر خدائی عدل وانصاف کے کوئی معنی نہیں رہتے۔

اَمْ لَکُمْ کِتٰبٌ فِیْہِ تَدْرُسُوْنَ یعنی تم جو یہ دعویٰ کررہے ہو کہ ہمیں وہاں بھی وہ سب کچھ ملے گا جو یہاں ملا ہوا ہے، کیا تمہارے پاس کوئی آسمانی کتاب ہے کہ جس میں یہ بات لکھی ہوئی ہے اور تم اس میں پڑھ کر یہ حکم لگاتے ہو، یا ہم نے تم سے پختہ عہد کررکھا ہے جو قیامت تک باقی رہنے والا ہے کہ تمہارے لئے وہی کچھ ہوگا جو تم پسند کروگے؟

آپ ﷺ ان سے پوچھئے تو کہ ان میں سے کون اس بات کا ذمہ دار ہے کہ قیامت کے دن ان کے لئے وہی فیصلے کروائے گا جو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لئے فرمائے گا؟ یا جن کو انہوں نے اس کا شریک ٹھہرا رکھا ہے وہ ان کی مدد کرکے ان کو اچھا مقام دلوا دیں گے؟ اگر ان کے شریک ایسے ہیں تو ان کو سامنے لائیں تاکہ ان کی صداقت واضح ہو۔

یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ بعض نے ''کشف ساق'' سے قیامت کے شدائد اور اس کی ہولناکیاں مراد لی ہیں، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ الفاظ محاورے کے طور پر استعمال ہوئے ہیں، عربی محاورہ کے مطابق سخت وقت آپڑنے کو کشف ساق سے تعبیر کیا جاتا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی یہی معنی بیان کئے ہیں اور ثبوت میں کلام عرب سے استشہاد کیا ہے، ایک اور قول جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ربیع بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے اس میں کشف ساق سے مراد حقائق پر سے پردہ اٹھانا لیا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جس روز تمام حقیقتیں بے نقاب ہو جائیں گی اور لوگوں کے اعمال کھل کر سامنے آجائیں گے۔

خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ یعنی دنیا میں تو ان کی گردنیں اکڑی رہتی تھیں اور سینے تنے رہتے تھے، آخرت میں دنیا کے برعکس معاملہ ہوگا کہ ندامت وشرمندگی کی وجہ سے ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ان پر ذلت وخواری چھائی ہوگی۔

فَذَرْنِیْ وَمَنْ یُّکَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِیْثِ مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ ان سے نمٹنے کی فکر میں نہ پڑیں، ان سے نمٹنا میرا کام ہے یعنی آپ ﷺ قیامت کو جھٹلانے والوں کو اور مجھے چھوڑ دیں، پھر دیکھیں کہ ہم کیا کرتے ہیں، یہاں چھوڑ دینا ایک محاورہ کے طور پر استعمال ہوا ہے، مراد اس سے اللہ پر بھروسہ اور توکل کرنا ہے، یعنی کفار کی طرف سے جو یہ مطالبہ بار بار پیش ہوتا رہتا ہے کہ ہم اگر واقعی اللہ کے نزدیک مجرم ہیں اور اللہ ہمیں عذاب دینے پر قادر ہے تو پھر ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا؟ ایسے دل آزار مطالبوں کی وجہ سے کبھی کبھی خود رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک میں بھی یہ خیال پیدا ہوتا ہوگا کہ ان لوگوں پر اسی وقت عذاب آجائے تو باقی ماندہ لوگوں کی اصلاح کی توقع ہے، اس پر فرمایا گیا کہ اپنی حکمت کو ہم خوب جانتے ہیں، ایک مدت تک ان کو مہلت دیتے ہیں فوراً عذاب نہیں بھیجتے، اس میں ان کی آزمائش بھی ہے اور ایمان لانے کی مہلت بھی۔

وَلَا تَکُنْ کَصَاحِبِ الْحُوْتِ اس کے بعد حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام کا واقعہ ذکر فرما کر آپ ﷺ کو نصیحت فرمائی گئی ہے کہ جس طرح یونس علیہ الصلاۃ والسلام نے ان لوگوں کے مطالبہ سے تنگ آکر جلد بازی میں اپنی قوم کے لئے عذاب کی دعاء کردی اور عذاب کے آثار سامنے آبھی گئے، اور یونس علیہ الصلاۃ والسلام اس جائے عذاب سے دوسری جگہ منتقل ہو بھی گئے، مگر پھر پوری قوم نے الحاح وزاری اور اخلاص کے ساتھ توبہ کرلی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو معافی دیدی اور عذاب ہٹالیا تو اب یونس علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ شرمندگی محسوس کی کہ میں ان لوگوں میں جھوٹا قرار پاؤں گا، اس بدنامی کے خوف سے اللہ تعالیٰ کے اذن صریح کے بغیر اپنے اجتہاد سے یہ راہ اختیار کرلی کہ اب ان لوگوں میں نہ جائیں، اس پر حق تعالیٰ نے ان کی تنبیہ کے لئے دریا کے سفر کا، پھر مچھلی کے نگل جانے کا معاملہ فرمایا اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی تمام لغزشوں کو معاف فرما کر اور رسالت سے نواز کر انہیں اپنی قوم کی طرف بھیجا، جیسا کہ سورۂ صافات میں گذرا۔

وَاِنْ یَّکَادُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَکَ بِاَبْصَارِهِمْ، لَیُزْلِقُوْنَکَ، اِزْلَاقٌ سے مشتق ہے جس کے معنی پھسلانے اور گرادینے کے ہیں، مطلب یہ کہ کفار مکہ آپ ﷺ کو غضبناک اور ترچھی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آپ ﷺ کو اپنی جگہ اور مقام سے لغزش دیدیں یعنی کار رسالت سے روک دیں، چنانچہ جب وہ اللہ کا کلام سنتے ہیں تو کہنے

کہتے ہیں کہ ''یہ تو مجنون ہے''۔ (معارف)

اس کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ، یعنی اگر تجھے اللہ کی حمایت اور حفاظت حاصل نہ ہوتی تو ان کفار کی حاسدانہ نظروں سے تو نظر بد کا شکار ہو جاتا یعنی ان کی نظر تجھے لگ جاتی، امام ابن کثیر نے اس کا یہی مطلب لیا ہے، مزید لکھتے ہیں کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نظر کا لگ جانا اور اس کا اللہ کے حکم سے اثر انداز ہونا حق ہے، جیسا کہ متعدد احادیث سے بھی ثابت ہے، چنانچہ احادیث میں اس سے بچنے کے لئے دعائیں بھی بیان کی گئی ہیں، اور یہ بھی تاکید کی گئی ہے کہ جب تمہیں کوئی چیز اچھی لگے تو ''ماشاء اللہ'' یا ''بارک اللہ'' کہا کرو، تاکہ اسے نظر بد نہ لگے، اسی طرح اگر کسی کو کسی کی نظر لگ جائے تو فرمایا اسے غسل کروا کر اس کا پانی اس شخص پر ڈالا جائے جس کو اس کی نظر لگی ہے۔

وَذَكَرَ الماوردي اَنَّ العَيْنَ كَانَتْ فِي بني اسد من العرب، ماوردی نے ذکر کیا ہے کہ نظر بد بنی اسد میں زیادہ تھی، اور ان میں کا جب کوئی شخص کسی کو یا کسی کے مال کو نظر لگانا چاہتا تو تین روز تک خود کو بھوکا رکھتا پھر وہ اس شخص یا اس مال کے پاس جاتا جس کو نظر لگانی مقصود ہوتی اور اس کے بارے میں پسندیدہ الفاظ کہتا، اور تعریف و توصیف کرتا تو اس شخص یا مال کو نظر لگ جاتی اور ہلاک و برباد ہو جاتا۔ (صاوی، جمل)

وَاِنْ يَكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذكر وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ اگر مذکورہ آیت کو پانی پر دم کر کے پلایا جائے یا دم کیا جائے تو ازالۂ نظر بد کے لئے مجرب ہے۔ (صاوی)

امام بغوی وغیرہ مفسرین نے ان آیات کا ایک خاص واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ انسان کی نظر بد لگ جانا اور اس سے کسی کو نقصان اور بیماری بلکہ ہلاکت تک پہنچ جانا جیسا کہ حقیقت ہے اور احادیث صحیحہ میں اس کا حق ہونا وارد ہے، مکہ میں ایک شخص نظر لگانے میں بڑا مشہور و معروف تھا، اونٹوں اور جانوروں کو نظر لگا دیتا تو وہ (اللہ کے حکم سے) فوراً مر جاتے، کفار مکہ کو آپ ﷺ سے عداوت تو تھی ہی اور ہر طرح کی کوشش آپ ﷺ کو قتل کرنے اور ایذا پہنچانے کی کیا کرتے تھے، ان کو یہ سوجھی کہ اس شخص سے رسول اللہ ﷺ کو نظر لگوائیں اور اس شخص کو بلایا، اس نے نظر لگانے کی پوری کوشش کر لی مگر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی حفاظت فرمائی یہ آیات اسی سلسلہ میں نازل ہوئیں۔

حضرت حسن بصری رَحِمَنُاللّٰهُ تَعَالٰی سے منقول ہے کہ جس شخص کو نظر بد کسی شخص کی لگ گئی ہو تو اس پر ان آیات کو پڑھ کر دم کر دینا اس کے اثر کو زائل کر دیتا ہے یعنی وَاِنْ يَكَادُ الَّذِيْنَ سے آخر تک۔ (معارف القرآن مظہری)



سُوْرَةُ الْحَاقَّةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اثْنَتَانِ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ الحاقَّةِ مَكِّيَّةٌ اِحْدٰى اَوْ اثْنَتَانِ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ حاقہ مکی ہے، اکیاون یا باون آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلْحَاقَّةُ القيمة التى يحقُّ فيها ما أُنكِرَ مِنَ البعثِ والحسابِ والجزاءِ او المُظْهِرةُ لذلك **مَا الْحَاقَّةُ** تعظيمٌ لشانِها وهُمَا مُبتدأٌ وخبرٌ خبرُ الحاقّةِ **وَمَا اَدْرٰىكَ** اى اعلمكَ **مَا الْحَاقَّةُ** زيادةُ تعظيمٍ لشانها فما الأولى مُبتدأٌ وما بعدهُ خبرُهُ وما الثانيةُ وخبرُها فى محلِّ المفعولِ الثانى لادرى **كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ** القيامةِ لانها تقرعُ القلوبَ باهوالها **فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ** بالصّيحةِ المُجاوزةِ للحدِّ فى الشدّةِ **وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ** شديدةِ الصّوتِ **عَاتِيَةٍ** قويّةٍ شديدةٍ على عادٍ مع قُوّتهم وشدّتهم **سَخَّرَهَا** أرسلَها بالقهرِ **عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ** اوّلُها من صُبحِ يومِ الاربعاءِ لثمانٍ بقين من شوالٍ وكانت فى عجزِ الشتاءِ **حُسُوْمًا** مُتتابعاتٍ شُبّهت بتتابُعِ فعلِ الحاسمِ فى اعادةِ الكيِّ على الداءِ كرّةً بعدَ أُخرى حتّى ينحسمَ **فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى** مطروحين هالكين **كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ** أصولُ **نَخْلٍ خَاوِيَةٍ** ساقطةٍ فارغةٍ **فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ** صفةُ نفسٍ مُقدّرةٍ والتاءُ للمُبالغةِ اى باقٍ، لا، **وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ** اتباعُهُ وفى قراءةٍ بفتحِ القافِ وسكونِ الباءِ اى من تقدّمهُ من الأُممِ الكافرةِ **وَالْمُؤْتَفِكٰتُ** اى اهلُها وهى قُرى قومِ لُوطٍ **بِالْخَاطِئَةِ** بالفعلاتِ ذاتِ الخطأِ **فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ** اى لوطًا وغيرَهُ **فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً** زائدةً فى الشدّةِ على غيرِها **اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ** علا فوقَ كلِّ شيءٍ من الجبالِ وغيرِها زمنَ الطوفانِ **حَمَلْنٰكُمْ** يعنى آبائكم اذ انتم فى اصلابِهم **فِى الْجَارِيَةِ** السفينةِ التى عملها نوحٌ صلواتُ اللّٰهِ وسلامُهُ عليهِ ونجا هو ومن كان معهُ فيها وغرِقَ الباقون **لِنَجْعَلَهَا** اى هذه الفعلةَ وهى انجاءُ المؤمنين واهلاكُ الكافرين **لَكُمْ تَذْكِرَةً** عظةً **وَّتَعِيَهَآ** لتحفظَها **اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ** حافظةٌ لما تسمعُ **فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوْرِ**

نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ للفصل بين الخلائق وهي الثانية وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿۱۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾ قامت القيامة وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾ ضعيفة وَّالْمَلَكُ يعني الملائكة عَلٰى اَرْجَائِهَا جوانب السماء وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ اى الملائكة المذكورين يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿۱۷﴾ من الملائكة او من صفوفهم يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ للحساب لَا تَخْفٰى بالتاء والياء مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾ من السرائر فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ خطابًا لجماعته لما سرّبه هَآؤُمُ خذوا اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿۱۹﴾ تنازع فيه هاؤم واقرء وا اِنِّيْ ظَنَنْتُ تيقنت اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿۲۰﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿۲۱﴾ مرضية فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۲۲﴾ قُطُوْفُهَا ثمارها دَانِيَةٌ ﴿۲۳﴾ قريبة يتناول منها القائم والقاعد والمضطجع فيقال لهم كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـئًا حال اى متهنّئين بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿۲۴﴾ الماضية في الدنيا وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ للتنبيه لَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿۲۵﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿۲۶﴾ يٰلَيْتَهَا اى الموتة في الدنيا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿۲۷﴾ القاطعة لحياتي بان لا أبعث مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ﴿۲۸﴾ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ﴿۲۹﴾ قوّتي وحجتي وهاءُ كتابيه وحسابيه وماليه وسلطانيه للسكت تثبت وقفا ووصلا اتباعا لمصحف الامام والنقل ومنهم من حذفها وصلا خُذُوْهُ خطاب لخزنة جهنم فَغُلُّوْهُ ﴿۳۰﴾ اجمعوا يديه الى عنقه في الغل ثُمَّ الْجَحِيْمَ النار المحرقة صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾ ادخلوه ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا بذراع الملك فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۲﴾ اى ادخلوه فيها بعد ادخاله النار ولم تمنع الفاء من تعلّق الفعل بالظرف المقدم اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳۴﴾ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿۳۵﴾ قريب ينتفع به وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿۳۶﴾ صديد اهل النار او شجر فيها لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخٰطِئُوْنَ ﴿۳۷﴾ الكافرون.

ع ۵

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، برپا ہونے والی، قیامت، کہ جس میں وہ چیز ثابت ہوگی جس کا انکار کیا گیا ہے، یعنی بعث اور حساب اور جزاء یا ان (مذکورہ) چیزوں کو ظاہر کرنے والی، کیسی کچھ ہے وہ برپا ہونے والی؟ یہ اس کی عظمت شان کا بیان ہے (مَا الْحَاقَّةُ) مبتداء و خبر ہے اور مبتدا خبر سے مل کر اول حاقہ کی خبر ہے اور آپ ﷺ کو کیا خبر کہ کیسی کچھ ہے وہ برپا ہونے والی چیز؟ یہ بھی اس کی عظمت شان کی زیادتی کا بیان ہے مَـا اُولیٰ (یعنی مَـا اَدْرَاكَ) میں مَـا مبتداء ہے اور اس کا مابعد (یعنی اَدْرَاكَ) اس کی خبر ہے ثمود اور عاد نے کھڑ کھڑا دینے والی قیامت کو جھٹلایا قیامت کو قارعہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ قلوب کو اپنی ہولناکیوں کی وجہ سے کھڑ کھڑا دینے والی ہے سو ثمود تو ایک زوردار آواز سے ہلاک کر دیئے گئے، یعنی ایک آواز سے جو بے حد شدید تھی، اور عاد تو وہ ایک شدید آواز والی تیز و تند ہوا سے جو قوم عاد پر چلی اور ان کی قوت و شدت کے باوجود ہلاک کر دیئے گئے، جس کو ان پر اللہ نے مسلسل سات راتوں اور آٹھ دنوں تک قہر کے ساتھ

مسلط کردیا اس کی ابتداء چہارشنبہ کی صبح سے ہوئی جب کہ ماہ شوال کے ختم ہونے میں آٹھ روز باقی تھے، اور یہ واقعہ موسم سرما کے آخر میں پیش آیا (تسلسل میں) داغنے والے کے فعل کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، مرض پر عمل کَیّ (داغنے کا عمل) کے بار بار کرنے کی وجہ سے تا آنکہ مادۂ مرض ختم ہوجائے تو تم، لوگوں کو دیکھتے کہ وہ زمین پر ہلاک ہو کر گری ہوئی کھوکھلی کھجور کے تنے ہیں سو کیا تم کو ان میں سے کوئی بچا ہوا نظر آتا ہے؟ باقیۃ، نَفْسٌ مقدر کی صفت ہے یا تا، مبالغہ کے لئے ہے یعنی باقیۃ بمعنی باقی نہیں۔ اور فرعون نے اور اس کے متبعین نے، اور ایک قراءت میں قَبْلَهٗ کے بجائے قِبَلَهٗ ہے قاف کے کسرہ اور باء کے فتحہ کے ساتھ، یعنی وہ لوگ جو کافر امتوں میں سے پہلے گزر چکے ہیں، اور الٹی ہوئی بستی کے خطا کاروں نے اور وہ قوم لوط کی بستی والے تھے بھی خطائیں کیں اور اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی یعنی لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام وغیرہ کی، تو ہم نے انہیں (بھی) زبردست گرفت میں لے لیا رَابِیَۃٌ شدت میں دوسروں سے بڑھی ہوئی، جب پانی میں طغیانی آگئی یعنی طوفان کے زمانہ میں جب پانی ہر چیز پر چڑھ گیا، تو ہم نے تم کو یعنی تمہارے آباء کو، جب تم ان کی پشتوں میں تھے، کشتی میں جس کو نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنایا تھا، چڑھا لیا اور نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور جو کشتی میں ان کے ساتھ سوار تھے بچالیا، اور باقی غرق ہوگئے، تاکہ ہم اس فعل کو جو کہ مومنین کو نجات دینا اور کافروں کو ہلاک کرنا ہے تمہارے لئے نصیحت بنادیں اور تاکہ یاد رکھنے والے کان جب اس کو سنیں تو یاد رکھیں پس جب صور میں مخلوق کے درمیان فیصلے کے لئے ایک پھونک پھونکی جائے گی اور یہ نفخۂ ثانیہ ہوگا اور زمین اور پہاڑ اٹھالئے جائیں گے اور ایک ہی چاٹ میں ریزہ ریزہ کردیئے جائیں گے پس اس دن واقع ہونے والی واقع ہوجائے گی (یعنی) قیامت برپا ہوجائے گی، اور آسمان پھٹ پڑے گا اور اس دن وہ بالکل بودا ہوجائے گا، اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے (یعنی) آسمان کے کناروں پر اور اس دن تیرے رب کے عرش کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوں گے یعنی ملائکہ مذکورین (آٹھ ہوں گے) یا ملائکہ کی آٹھ صفیں ہوں گی اس دن تم سب حساب کے لئے پیش کئے جاؤ گے اور تمہارا کوئی راز پوشیدہ نہیں رہے گا یَخْفٰی تا اور یاء کے ساتھ ہے سو جس شخص کا اعمال نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ اس سے خوش ہو کر اپنے اہل سے مخاطب ہو کر کہے گا لو میرا اعمال نامہ پڑھو ھَاؤُمُ اور اِقْرَءُوْا نے کِتَابِیَهْ میں تنازع کیا، مجھے تو یقین تھا کہ مجھے میرا حساب ملنا ہے پس وہ ایک پسندیدہ عیش میں اور بلند و بالا جنت میں ہوگا، جس کے پھل قریب ہوں گے جن کو کھڑے ہونے والا اور بیٹھنے والا اور لیٹنے والا حاصل کرسکے گا، اور اس سے کہا جائے گا، مزے سے کھاؤ، پیو اپنے ان اعمال کے بدلے میں جو تم نے گذشتہ زمانہ میں دنیا میں کئے، لیکن جسے اس کے اعمال کی کتاب اس کے بائیں ہاتھ میں دی جائے گی تو وہ کہے گا: کاش مجھے میری کتاب دی ہی نہ جاتی! یا تنبیہ کے لئے ہے اور کاش میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیسا ہے کاش دنیا ہی میں موت میرا کام تمام کردیتی یعنی موت میری حیات کو (اس طرح) منقطع کردیتی کہ دوبارہ نہ اٹھایا جاتا، میرے مال نے بھی مجھے کچھ فائدہ نہ دیا اور میرا جاہ یعنی قوت اور حجت بھی جاتا رہا کِتَابِیَه اور حِسَابِیَه اور مَالِیَهْ اور سُلْطَانِیَهْ میں ھا سکوت کے ساتھ ہے حالت وقف اور وصل میں، مصحف امام اور نقل کے اتباع میں باقی رہتی ہے اور ان میں سے بعض نے حالت وصل میں حذف کیا ہے (حکم ہوگا) اسے پکڑ لو یہ جہنم کے

نگرانوں کو خطاب ہے پھر اس کو طوق پہنا دو یعنی اس کے دونوں ہاتھ گردن کے ساتھ طوق میں جکڑ دو پھر دوزخ کی جلتی ہوئی آگ میں اس کو داخل کر دو، پھر اسے ایسی زنجیروں میں کہ جس کی درازی فرشتوں کے ہاتھ سے ستر ہاتھ ہے یعنی آگ میں داخل کرنے کے بعد اس کو جکڑ دو، اور فاء ظرف مقدم سے فعل کے تعلق کو مانع ہے، بے شک یہ اللہ عظمت والے پر ایمان نہ رکھتا تھا اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا تھا، پس آج اس کا نہ کوئی عزیز ہے کہ یہ اس سے فائدہ اٹھائے اور نہ پیپ کے سوا کوئی کھانا، یعنی اہل دوزخ کا پیپ یا جہنم کا درخت (تھوہڑ) جسے گنہگاروں کافروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: اَلْحَاقَّةُ، القیامة وہ ساعت جس کا وقوع واجب ولازم ہے، یہ حقّ الشیُّ سے اسم فاعل ہے۔

قَوْلُهُ: اَلْحَاقَّةُ، اَلْقیامَة موصوف محذوف کی صفت ہے جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُهُ: مَاالْحَاقَّةُ استفہام کے طریقہ پر بیان کرنے کا مقصد اس کی عظمت شان کو ظاہر کرنا ہے۔

قَوْلُهُ: اَلْحَاقَّةُ مَا الْحَاقَّةُ، اَلْحَاقَّةُ مبتداء اول ہے اور مَا مبتداء ثانی ہے اور ثانی الْحَاقَّة مبتداء ثانی کی خبر ہے مبتداء ثانی اپنی خبر سے مل کر مبتداء اول کی خبر ہے۔

سَوْال: خبر جب جملہ ہوتی ہے تو عائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے؟

جَوَاب: اگر مبتداء کا بلفظہ اعادہ کر دیا جائے تو یہ عائد کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔

قَوْلُهُ: وَمَا اَدْرٰكَ، مَا مبتداء ہے اور اس کا مابعد یعنی اَدْرٰكَ اپنے مفعول كَ اور مَا الْحَاقَّةُ یاء مبتداء خبر جملہ ہو کر مفعول ثانی ہے۔

قَوْلُهُ: لِاَنَّهَا تَفْرَعُ القلوب یہ قیامت کو القارعہ کہنے کی وجہ تسمیہ کا بیان ہے۔

قَوْلُهُ: حُسُوْمًا اس کے دو معنی ہیں ① جڑ سے کاٹ ڈالنا ② لگاتار، مسلسل، یہ معنی داغنے کے تسلسل کے اعتبار سے ہوں گے، یعنی جس طرح داغنے والا مادۂ مرض ختم ہونے تک داغتا رہتا ہے، اسی طرح وہ ہوا مسلسل چلتی رہی، حَاسِمٌ داغنے والا۔

قَوْلُهُ: الكَيّ، كَوىٰ يَكْوِىْ (ض) كَيًّا، داغنا اَلْمِكْواةُ داغنے کا آلہ، اس کو اردو میں کایاں کہتے ہیں۔

قَوْلُهُ: المؤتَفِكَاتُ اسم فاعل جمع مؤنث، واحد مُؤتَفِكَةٌ (افتعال) اِئْتِفَاكٌ مصدر ہے مادہ اَفْكٌ الٹی ہونے والی، پلٹنے والی، مراد حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام کی بستیاں ہیں جو بحر مردار کے ساحل پر آباد تھیں، اور ان کی تخت گاہ (پایہ تخت) سذوم یا سدوم یا سدوم تھا۔ (لغات القرآن)

قَوْلُهُ: ذات الخطاء اس اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ الخاطئة اسم فاعل نسبت کے لئے ہے جیسا کہ لابنٌ (دودھ بیچنے والا) تامرٌ (تمر بیچنے والا) اس لئے کہ فعل خطا کار نہیں ہوتا بلکہ صاحب فعل خطا کار ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: رَابِیَۃً واحد مؤنث، بمعنی زائدہ، رُبُوٌّ سے ماخوذ ہے جس کے معنی بڑھنے اور زائد ہونے کے ہیں اسی سے رَبْوَۃٌ ہے ٹیلے کو کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: ھٰذہ الفِعْلَۃ یہ نَجْعَلَھَا کی ضمیر کے مرجع کا بیان ہے فعلۃ ای صَنْعَۃٌ اور بعض حضرات نے ھَا ضمیر کا مرجع سفینۃ کو قرار دیا ہے۔

قَوْلُہٗ: کتابِیَۃ یہ اصل میں کتابی ہے، اس پر ھاءِ سکتہ داخل ہوگئی، تاکہ یاء کا فتحہ ظاہر ہو جائے۔

قَوْلُہٗ: تنازع فیہ ھَاؤُمُ اور وَاقْرَءُ وْا، کتابِیَۃ میں دونوں فعلوں نے نزاع کیا، فعل ثانی کو عمل دے دیا اور اول کے لئے ضمیر لے آئے، مگر فضلہ ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا۔

قَوْلُہٗ: مَرْضِیَّۃٍ، راضیَۃ کی تفسیر مرضیۃ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ اسم فاعل بمعنی اسم مفعول ہے۔

قَوْلُہٗ: ولم تمنع الفاء اپنے مدخول اسلکوہ فعل کے تعلق کو ظرف مقدم یعنی فی سِلْسِلَۃٍ سے مانع نہیں ہے، اہتمام و تخصیص کے پیش نظر ظرف کو مقدم کر دیا گیا ہے، اصل میں فَاسْلُکُوْہُ فِی سِلْسِلَۃٍ ذَرْعُھا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا ہے جیسا کہ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْہُ میں جحیم کو اختصاصاً مقدم کر دیا گیا ہے۔

تفسیر وتشریح

اَلْحَاقَّۃُ مَا الْحَاقَّۃُ اس سورت میں قیامت کے ہولناک مناظر کا بیان ہے اور کفار و مومنین کی جزاء سزا کا ذکر ہے اَلْحَاقَّہ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے، قرآن کریم میں قیامت کے بہت سے نام آئے ہیں، تین نام اسی سورت میں آئے ہیں اَلْحَاقَّہ، القارعہ، الواقعہ، حَاقّہ کے معنی ثابت شدہ اور ثابت کرنے والی، کے ہیں، قیامت خود بھی ثابت اور برحق ہے اور امر الٰہی کو ثابت کرنے والی بھی، یہاں سوال کی صورت میں الحاقہ کو ذکر کرنے کا مقصد اس کی ہولناکی اور حیرت انگیزی بیان کرنا ہے، قارعہ کے معنی کھڑکھڑا دینے والی کے ہیں، قیامت کے لئے قارعہ کا لفظ اس لئے بولا گیا ہے کہ وہ تمام مخلوق کو مضطرب کرنے والی اور زمین و آسمان کو منتشر کرنے والی ہوگی، طاغیہ یہ طغیان سے مشتق ہے جس کے معنی حد سے نکلنے کے ہیں مراد ایسی آواز ہے کہ دنیا کی تمام آوازوں سے بڑھی ہوئی ہو، قوم ثمود سخت آواز کے عذاب سے ہلاک کی گئی تھی صرصر اس تیز وتند ہوا کو کہتے ہیں کہ جس میں پالا بھی ہو بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آندھی بدھ کے روز صبح سے شروع ہو کر، دوسرے بدھ کی شام تک رہی، اس طرح آٹھ دن سات راتیں ہوئی، حُسُوْمًا، حَاسِم کی جمع ہے جس کے معنی قطع کرنے، جڑ سے اکھاڑ پھینکنے والے کے ہیں اور فاسد مادہ کو جڑ سے ختم کرنے کے لئے داغنے کا عمل چونکہ بار بار کیا جاتا ہے، اسی مناسبت سے حُسُوْمًا کے معنی مسلسل اور پے در پے کے کر دیئے جاتے ہیں، نَفْخَۃٌ وَّاحِدَۃٌ مطلب یہ ہے کہ یکبارگی، اور اچانک صور کی آواز شروع ہو جائے گی اور یہ آواز مسلسل رہے گی یہاں تک کہ اس آواز سے سب مر جائیں گے، قرآن وسنت کی نصوص سے قیامت میں صور کے دو نفخے ہونا ثابت ہے پہلے نفخہ کو صعق کہا جاتا ہے جس کے متعلق قرآن کریم میں فَصَعِقَ مَن فی السموات وَمَنْ فی

الارض کہا گیا ہے، دوسرے نفخہ کو نفخہ بعث کہا گیا ہے، بعض روایتوں میں جو دو نفخوں سے پہلے ایک تیسرے نفخہ کا ذکر ہے جس کو نفخہ فزع کہا گیا ہے، تو مجموعہ روایات ونصوص میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلا نفخہ ہی ہے اس کو ابتداً نفخہ فزع کہا گیا ہے اور انتہا میں وہی نفخہ صعق ہو جائے گا۔ (معارف، مظہری)

وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ اس رکوع کی اکثر آیات کی تشریح، تسہیل وتحقیق کے زیر عنوان گذر چکی ہے، زیر نظر آیت متشابہات میں سے ہے جس کے معنی متعین کرنا مشکل ہیں ہم نہ یہ جان سکتے ہیں کہ عرش کی حقیقت کیا ہے اور نہ یہ جان سکتے ہیں کہ قیامت کے روز عرش کو آٹھ فرشتوں کے اٹھانے کی کیا کیفیت ہوگی؟ لیکن یہ بات بہر حال قابل تصور نہیں، کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھے ہوئے ہوں گے، اور ذات باری کا جو تصور قرآن پیش کرتا ہے وہ بھی اس خیال کے کرنے سے مانع ہے کہ وہ جسم، جہت اور مقام سے منزہ ہستی کسی جگہ متمکن ہو اور کوئی مخلوق اسے اٹھائے، اس لئے کھوج کرید کر کے اس کے معنی متعین کرنے کی کوشش کرنا اپنے آپ کو گمراہی کے خطرہ میں مبتلا کرنا ہے، البتہ یہ سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن مجید میں اللہ کی حکومت اور فرمانروائی اور اس کے معاملات کا تصور دلانے کے لئے لوگوں کے سامنے وہی نقشہ پیش کیا گیا ہے جو دنیا میں بادشاہی کا نقشہ ہوتا ہے اور اس کے لئے وہی اصطلاحیں استعمال کی گئی ہیں جو انسانی زبانوں میں سلطنت اور اس کے مظاہر ولوازم کے لئے مستعمل ہیں، کیونکہ انسانی ذہن اسی نقشہ اور انہیں اصطلاحات کی مدد سے کسی حد تک کائنات کی سلطانی کے معاملات کو سمجھ سکتا ہے، یہ سب کچھ اصل حقیقت کو انسانی فہم سے قریب تر کرنے کے لئے ہے، اس کو بالکل لفظی معنوں میں لینا درست نہیں ہے۔

فَلَآ لا زائدة **أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ** من المخلوقات **وَمَا لَا تُبْصِرُونَ** منها اى بكل مخلوق **إِنَّهُ** اى القران **لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ** اى قاله رسالة عن الله سبحانه وتعالى **وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ** **وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ** بالتاء والياء في الفعلين وما زائدة مؤكدة والمعنى انهم امنوا باشياء يسيرة وتذكروها مما اتى به النبي صلى الله عليه وسلم من الخير والصلة والعفاف فلم تغن عنهم شيئا بل هو **تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ** **وَلَوْ تَقَوَّلَ** اى النبي **عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ** بان قال عنا ما لم نقله **لَأَخَذْنَا** لنلنا **مِنْهُ** عقابا **بِالْيَمِينِ** بالقوة والقدرة **ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ** نياط القلب وهو عرق متصل به اذا انقطع مات صاحبه **فَمَا مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ** هو اسم ما ومن زائدة لتاكيد النفي ومنكم حال من احد **عَنْهُ حَاجِزِينَ** مانعين خبر ما وجمع لان احدا في سياق النفي بمعنى الجمع وضمير عنه للنبي صلى الله عليه وسلم اى لا مانع لنا عنه من حيث العقاب **وَإِنَّهُ** اى القران **لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ** **وَإِنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنكُم** ايها الناس **مُّكَذِّبِينَ** بالقران ومصدقين **وَإِنَّهُ** اى القران **لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ** اذا راوا ثواب المصدقين وعقاب المكذبين به **وَإِنَّهُ** اى القران **لَحَقُّ الْيَقِينِ** اى لليقين حق اليقين **فَسَبِّحْ** نزه **بِاسْمِ** زائد **رَبِّكَ الْعَظِيمِ**

ع ۵ / ۲

ترجمہ: مجھے قسم ہے ان چیزوں کی جنہیں تم مخلوقات میں دیکھتے ہو، فلا میں لا زائدہ ہے اور مخلوقات میں سے جن کو تم نہیں دیکھتے ہو یعنی تمام مخلوقات کی کہ بیشک یہ (قرآن) بزرگ رسول کا قول ہے یعنی اس نے اللہ کی جانب سے ایک پیغام رساں کی حیثیت سے نقل کیا اور یہ کسی کا قول نہیں (افسوس) تمہیں بہت کم یقین ہے اور نہ کسی کاہن کا قول ہے (افسوس) تم بہت کم نصیحت لے رہے ہو دونوں فعلوں میں تا اور یا کے ساتھ ہے، اور، مَا زائدہ ہے اور معنی یہ ہیں کہ وہ باتوں پر بہت کم یقین رکھتے ہیں، اور ان کا آپ ﷺ کی لائی ہوئی چیزوں میں سے بعض پر ایمان لانا مثلاً صدقہ و خیرات پر اور صلہ رحمی پر اور زنا وغیرہ سے باز رہنے پر، تو اس سے ان کو کوئی فائدہ نہ ہوگا (بلکہ یہ تو) رب العالمین کا اتارا ہوا کلام ہے اور اگر نبی ہم پر کوئی بھی بات گھڑ لیتا بایں طور کہ جو بات ہم نے نہیں کہی، ہماری طرف منسوب کر کے کہہ دیتا تو البتہ ہم یقیناً قوت اور قدرت کے ساتھ سزا میں پکڑ لیتے پھر ہم اس کی شہ رگ کاٹ دیتے یعنی قلب کی رگیں کاٹ دیتے، اور وہ تین رگیں ہیں جو قلب سے متصل ہیں، جب وہ رگیں کٹ جاتی ہیں تو وہ شخص مر جاتا ہے، پھر تم میں سے کوئی بھی مجھے اس سے روکنے والا نہ ہوگا اَحَدٌ، مَا کا اسم ہے اور مِن تاکید نفی کے لئے زائدہ ہے، اور منکم، اَحَدٌ سے حال ہے اور حاجزین بمعنی مانعین، مَا کی خبر ہے اور مانعین کو جمع لایا گیا ہے، اس لئے کہ احدٌ نفی کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے جمع کے معنی میں ہے اور عَنْهُ کی ضمیر آپ ﷺ کی طرف راجع ہے یعنی ہم کو اس سے عذاب دینے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی، یقیناً یہ قرآن پرہیزگاروں کے لئے نصیحت ہے ہم کو پوری طرح معلوم ہے کہ تم میں سے اے لوگو! بعض لوگ قرآن کی تکذیب کرنے والے ہیں اور بعض تصدیق کرنے والے اور بے شک یہ قرآن (یعنی اس کی تکذیب) کافروں کے لئے حسرت ہے جب کہ یہ لوگ تصدیق کرنے والوں کے اجر کو اور تکذیب کرنے والوں کے عذاب کو دیکھیں گے اور بے شک یہ قرآن یقینی حق ہے، پس آپ اپنے رب عظیم کی پاکی بیان کریں، لفظ اسم زائد ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ یہ اور وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ اور وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ یہ تینوں جواب قسم ہیں مقاتل رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ جب ولید بن مغیرہ نے کہا کہ محمد ﷺ ساحر ہیں اور ابوجہل نے کہا کہ شاعر ہیں اور عقبہ نے کہا کہ کاہن ہیں تو اللہ نے اپنے مذکورہ کلام سے مذکورہ تینوں کا رد فرمایا۔

قولہ: ای قَالَهٗ رِسَالَةً اس اضافہ کا مقصد اس اعتراض کا جواب دینا ہے کہ اللہ کے کلام کو رسول کا کلام کیوں کہا گیا؟

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ رسول کی جانب وہ رسول خواہ جبرئیل ہوں یا نبی، ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے نسبت کر دی گئی ہے حضرت جبرئیل امین چونکہ پیغام رساں کی حیثیت سے کلام کو لاتے ہیں اور رسول ﷺ اپنی امت کو تبلیغ کرتے ہیں اس کے

اس کلام کی نسبت آپ ﷺ کی اور جبرئیل کی طرف کرنا درست ہے۔

قِوْلُہٗ: قَلِیْلًا، قَلِیْلًا دونوں جگہ موصوف محذوف کی صفت ہے ای ایمانًا قلیلًا و ذکرًا قلیلًا

قِوْلُہٗ: نِیَاطُ القلب وہ رگ جو قلب سے متصل ہوتی ہے، اس کو شہ رگ اور رگِ جان بھی کہتے ہیں اس کے کٹنے سے یقینًا موت واقع ہو جاتی ہے۔

قِوْلُہٗ: وَجُمِعَ الخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤال: مِنْ اَحَدٍ، مَا کا اسم ہے اور حَاجِزِیْن اس کی خبر ہے اسم و خبر میں مطابقت نہیں ہے اس لئے کہ اسم واحد جبکہ خبر جمع ہے۔

جَوَاب: اَحَدٌ نکرہ تحت النفی ہونے کی وجہ سے معنی میں جمع کے ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں رہا۔

قِوْلُہٗ: وَمُصَدِّقِیْن اس کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ معطوف مع حرف عطف محذوف ہے، اس کا عطف مکذبین پر ہے۔

قِوْلُہٗ: حَقّ الیقین اس کی تفسیر لِلْیَقِیْنِ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہ اضافت صفت الی الموصوف ہے۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ یعنی قسم ہے ان تمام چیزوں کی جن کو تم دیکھتے ہو یا دیکھ سکتے ہو اور جن کو تم نہ دیکھتے ہو اور نہ دیکھ سکتے ہو یعنی تمام چیزوں کی قسم خواہ وہ مرئی ہوں یا غیر مرئی۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ مطلب یہ کہ نبی ﷺ کو اپنی طرف سے وحی میں کسی کی بیشی کا اختیار نہیں ہے، اور اگر وہ ایسا کرے تو ہم اس کو سخت سزا دیں، بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ غلط استدلال کیا ہے کہ جو شخص بھی نبوت کا دعویٰ کرے اس کی شہ رگ فوراً نہ کاٹ ڈالی جائے تو یہ اس کے نبی ہونے کا ثبوت ہے؛ حالانکہ اس آیت میں جو بات کہی گئی ہے، وہ سچے نبی ﷺ کے بارے میں ہے کہ وہ بھی اگر ایسا کریں تو سخت قابل مؤاخذہ ہوں گے نہ کہ جھوٹے مدعی نبوت کے بارے میں جو کہ سراسر ظالم و گناہگار ہیں۔

﴿تمت﴾

سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اَرْبَعٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ اربعٌ وَّاربعُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ معارج مکی ہے، چوالیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ سَاَلَ سَآئِلٌ دعا داعٍ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ① لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ② هُوَ النَّضرُ بنُ الحَارِثِ قالَ اللّٰهُمَّ اِنْ كانَ هٰذا هُوَ الحقَّ، الاية، مِّنَ اللّٰهِ مُتَّصِلٌ بواقعٍ ذِي الْمَعَارِجِ ③ مَصَاعِدِ الملائكةِ وهِيَ السَّمٰوٰتُ تَعْرُجُ بالتاءِ والياءِ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ جبرئيلُ اِلَيْهِ الى مَهْبِطِ امرِه مِنَ السَّماءِ فِيْ يَوْمٍ مُتَعَلِّقٌ بمحذُوفٍ اى يقعُ العَذابُ بهم في يومِ القيمةِ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ④ بالنِّسْبَةِ الى الكَافِرِ لما يَلْقٰى فيهِ مِنَ الشَّدائِدِ واَمَّا المُؤمنُ فيكُونُ عليهِ اخفَّ من صلوةٍ مكتُوبَةٍ يُصَلِّيْهَا فِي الدُّنْيا كَمَا جاءَ في الحديثِ فَاصْبِرْ هٰذا قبلَ اَنْ يُؤمَرَ بالقتالِ صَبْرًا جَمِيْلًا ⑤ اى لا فَزَعَ فيهِ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ اى العَذابَ بَعِيْدًا ⑥ غيرَ واقِعٍ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ⑦ واقِعًا لا مُحالةَ يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ مُتَعَلِّقٌ بمحذُوفٍ اى يقعُ كَالْمُهْلِ ⑧ كَذَائِبِ الفِضَّةِ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ⑨ كَالصُّوفِ في الخِفَّةِ والطَّيَرانِ بالرِّيحِ وَلَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ⑩ قريبٌ قريبَهٗ لاشتغالِ كُلٍّ بحالِه يُّبَصَّرُوْنَهُمْ يُبصِرُ الاحِمَّاءُ بعضُهم بعضًا ويتعارفُونَ ولا يَتكلَّمُونَ والجُملةُ مُستانِفَةٌ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ يَتمنَّى الكافِرُ لَوْ بمعنى اَنْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بكسرِ الميمِ وفتحِها بِبَنِيْهِ ⑪ وَصَاحِبَتِهٖ زوجتِه وَاَخِيْهِ ⑫ وَفَصِيْلَتِهِ عشيرتِه لفصلِه منها الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ⑬ تضُمُّهُ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ ⑭ ذلكَ الافتداءُ عطفٌ على يفتدي كَلَّا ردعٌ لما يَوَدُّهُ اِنَّهَا اى النارَ لَظٰى ⑮ اِسمٌ لجهنَّمَ لانَّها تتلظَّى اى تتلهَّبُ على الكُفَّارِ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ⑯ جَمعُ شَواةٍ وهِيَ جِلْدَةُ الرَّأسِ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ⑰ عنِ الايمانِ بِاَنْ تقُولَ اِلَيَّ اِلَيَّ وَجَمَعَ المالَ فَاَوْعٰى ⑱ اَمسَكَهُ في وعائِه ولم يُؤَدِّ حقَّ اللّٰهِ تعالى منه اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ⑲ حالٌ مُقدَّرَةٌ و تفسيرُهٗ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ⑳ وقتَ مَسِّ الشَّرِّ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ㉑ وقتَ مَسِّ الخيرِ اى المالِ بحقِّ اللّٰهِ تعالى

منه إِلَّا الْمُصَلِّينَ ﴿٢٢﴾ اى المؤمنين الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ﴿٢٣﴾ مواظبون وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ﴿٢٤﴾ هو الزكوة لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿٢٥﴾ المتعفف عن السؤال فيحرم وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿٢٦﴾ الجزاء وَالَّذِينَ هُم مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ﴿٢٧﴾ خائفون إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ﴿٢٨﴾ نزوله وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿٢٩﴾ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ من الاماء فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿٣٠﴾ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ﴿٣١﴾ المتجاوزون الحلال الى الحرام وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وفى قراءة بالافراد ما ائتمنوا عليه من امر الدين والدنيا وَعَهْدِهِمْ الماخوذ عليهم فى ذلك رَاعُونَ ﴿٣٢﴾ حافظون وَالَّذِينَ هُم بِشَهَادَاتِهِمْ وفى قراءة بالجمع قَائِمُونَ ﴿٣٣﴾ يقيمونها ولا يكتمونها وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿٣٤﴾ بادائها فى اوقاتها أُولَٰئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُّكْرَمُونَ ﴿٣٥﴾

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، ایک سوال کرنے والے یعنی ایک مانگنے والے نے کافروں پر ایسے اللہ کی طرف سے واقع ہونے والا عذاب مانگا جس کو اللہ کی طرف سے کوئی دفع کرنے والا نہیں وہ نضر بن حارث ہے اس نے کہا اے اللہ! اگر یہ حق ہے (الآیة) مِنَ اللّٰہِ، واقعٌ سے متعلق ہے کہ جو مالک کے لئے سیڑھیوں والا ہے اور وہ آسمان ہے جس کی طرف فرشتے اور روح یعنی جبرئیل چڑھتے ہیں (تَعْرُجُ) تا اور یا کے ساتھ یعنی اس کے حکم کے نازل ہونے کی جگہ کہ وہ آسمان ہے ایسے دن میں (فی یوم) محذوف کے متعلق ہے یعنی ان پر قیامت کے دن میں عذاب واقع ہوگا اور اس دن کی مقدار کافر کی نسبت سے تکالیف کے اس دن میں لاحق ہونے کی وجہ سے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی رہا مومن تو اس کے لئے ایک فرض نماز کے وقت سے بھی کم مدت ہوگی جس کو وہ دنیا میں پڑھا کرتا تھا، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے، سو آپ ﷺ صبر کیجئے یہ حکم جہاد کے حکم کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے، یعنی جس میں جزع فزع (شکوہ و شکایت نہ ہو) بے شک یہ لوگ اس عذاب کو بعید یعنی ناممکن الوقوع سمجھ رہے ہیں، اور ہم اس کو قریب یعنی لامحالہ عنقریب واقع ہونے والا سمجھ رہے ہیں (یہ عذاب اس دن) واقع ہوگا جس دن آسمان پگھلی ہوئی چاندی کے مانند ہو جائے گا اور پہاڑ ہلکے اور ہوا کے ذریعہ اڑنے میں اون کے مانند ہو جائیں گے اور ہر شخص کے اپنے حالات میں مبتلا ہونے کی وجہ سے دوست دوست کی (بھی) بات نہ پوچھے گا یعنی قرابت دار قرابت دار کی بات نہ پوچھے گا حالانکہ ایک دوسرے کو دکھا دیے جائیں گے یعنی دوست آپس میں ایک دوسرے کو دیکھ لیں گے اور ایک دوسرے کو پہچان بھی لیں گے، مگر بات نہ کریں گے (یُبَصَّرُوْنَهُمْ) جملہ مستانفہ ہے مجرم چاہے گا یعنی کافر تمنا کرے گا کہ اس کے عذاب کے بدلے فدیہ میں (یَوْمَئِذٍ) میم کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ اپنے بیٹوں کو اور اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی کو اور اپنے کنبے کو، کنبے کو فصیلہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ فرد کنبے ہی سے جدا ہوتا ہے جو اس کو پناہ دیتے ہیں یعنی اپنے ساتھ ملا لیتا ہے اور روئے زمین کے سب لوگوں کو دینا چاہے گا تاکہ یہ فدیہ دینا اس کو نجات دلا دے اس کا عطف

یفتدی پر ہے مگر ہرگز ایسا نہ ہوگا یہ اس کی تمنا کارد ہے یقیناً وہ شعلہ والی آگ ہے لَظٰی جہنم کا نام ہے اس لئے کہ وہ شعلہ زن ہوگی یعنی کفار پر شعلہ زن ہوگی جو سر کی کھال کو کھینچنے والی ہوگی شوی، شواۃ کی جمع ہے اور وہ سر کی کھال ہے، وہ ہر اس شخص کو پکارے گی جو ایمان سے پیٹھ پھیرتا ہے اور سرتابی کرتا ہے وہ کہے گی (اِلَیَّ اِلَیَّ) میری طرف آ! میری طرف آ!، اور مال جمع کر کے سنبھال کر رکھتا ہے (ذخیرہ کرتا ہے) یعنی اس کو تجوری میں بند کر کے رکھتا ہے اور اس میں سے اللہ کا حق ادا نہیں کرتا انسان کم ہمت پیدا کیا گیا ہے یہ حال مقدرہ ہے اور (ھلوع) کی تفسیر (اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا) ہے جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو تکلیف لاحق ہونے کے وقت جزع فزع (واویلا) کرنے لگتا ہے اور جب اس کو فارغ البالی حاصل ہوتی ہے یعنی مال حاصل ہوتا ہے تو اس مال میں حقوق اللہ سے بخیلی کرنے لگتا ہے مگر وہ نمازی یعنی مومن جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور ان کے مالوں میں سوالی اور غیر سوالی کے لئے حق ہے اور وہ زکوٰۃ ہے، محروم وہ شخص ہے جو سوال سے اجتناب کرے اور وہ جو جزاء کے دن کا اعتقاد رکھتے ہیں اور اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں واقعی ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، مگر بیویوں سے اور باندیوں سے کیونکہ ان پر کوئی ملامت نہیں، ہاں جو ان کے علاوہ کا طلبگار رہا ایسے ہی حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرنے والے ہیں اور جو اپنی امانتوں کا اور اپنے قول و قرار کا پاس رکھتے ہیں جس میں ان سے مؤاخذہ ہوا اور ایک قراءت میں (اَمَانَتُهُمْ) مفرد ہے یعنی جس چیز پر ان کو امین بنایا جائے خواہ وہ امر دین سے ہو یا امر دنیا سے اور وہ لوگ جو اپنی شہادتوں کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنے والے ہیں اور ایک قراءت میں شہادات جمع کے صیغہ کے ساتھ ہے یعنی گواہی ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی ان کے اوقات میں ادا کر کے حفاظت کرتے ہیں ایسے ہی لوگ جنت میں باعزت داخل ہوں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: لِلْکَافِرِیْنَ لام تعلیل کا بھی ہو سکتا ہے ای نَازِلٌ مِنْ اَجْلِ الکافرین یا بمعنی عَلٰی ہے ای واقع علی الکافرین.

قَوْلُہٗ: لَیْسَ لَهٗ دَافِعٌ یا تو یہ عذاب کی صفت ثانی ہے یا عذاب سے حال ہے یا جملہ مستانفہ ہے، اگر جملہ مستانفہ ہوگا تو عامل و معمول کے درمیان جملہ معترضہ ہوگا۔

قَوْلُہٗ: مَعَارِج، معرج کی جمع ہے بمعنی سیڑھی۔

قَوْلُہٗ: جبرئیل اس میں اشارہ ہے کہ وَالرُّوْح یہ عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے، اس لئے کہ جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ملائکہ میں شامل ہیں۔

قَوْلُہٗ: اِلٰی مَهْبَطِ اَمْرِهٖ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: آیت سے مفہوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک خاص مقام میں ہیں اور ملائکہ اس کی طرف صعود کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ جسم و مکان سے بری اور پاک ہے۔

جَوَاب: کلام حذف مضاف کے ساتھ ہے ای اِلٰی مَحَلِ هُبُوطِ امرہٖ یعنی اللہ کے امر کے اترنے کی جگہ کی طرف چڑھتے ہیں نہ کہ اللہ کی طرف۔

قَوْلُهٗ: اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا، ای يعتقدونه محالاً.

قَوْلُهٗ: لَوْ بمعنى اَنْ، یعنی لَوْ اَنْ مصدریہ کے معنی میں ہے اسی لئے لَوْ کے جواب کی ضرورت نہیں ہے۔

قَوْلُهٗ: تَضُمُّهٗ، ای فی النسب.

قَوْلُهٗ: اِنَّهَا، ای النار مقصد ضمیر کے مرجع کی تعیین ہے

سُوَال: هَا ضمیر کا مرجع مفسر علام نے النار کو قرار دیا ہے حالانکہ النار سابق میں کہیں مذکور نہیں ہے۔

جَوَاب: النار کا لفظ اگرچہ سابق میں صراحۃً مذکور نہیں ہے مگر العَذَاب سے مفہوم ہے۔

قَوْلُهٗ: لَظٰى، اِنَّ کی خبر اول اور نَزَّاعَةٌ خبر ثانی ہے۔

قَوْلُهٗ: لَظٰى علمیت اور تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

قَوْلُهٗ: خُلِقَ هَلُوْعًا یہ حال مقدرہ ہے اس لئے کہ انسان بوقت پیدائش اس صفت سے متصف نہیں ہوتا۔

تفسیر و تشریح

شانِ نزول:

سَاَلَ سَائِلٌ سوال کبھی کسی چیز کی تحقیق کے لئے بھی ہوتا ہے اس وقت اس کا صلہ عَنْ استعمال ہوتا ہے اور کبھی سوال بمعنی درخواست استعمال ہوتا ہے اس صورت میں اس کا صلہ باء آتا ہے یہاں ایسا ہی ہے سَاَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ ایک سوال کرنے والے نے عذاب کی درخواست کی، یہ سائل کون تھا؟ اور اس نے عذاب کا سوال کیوں کیا تھا؟ نسائی اور ابن ابی حاتم اور حاکم نے حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْهُ سے روایت کی ہے کہ عذاب کا سوال کرنے والا شخص نضر بن حارث بن کلدہ تھا، جس نے قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی تکذیب میں اس جرأت سے کام لیا کہ کہنے لگا "اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (انفال) یعنی یہ دعاء کی کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن آپ کی طرف سے حق ہے تو ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسادے یا کوئی اور دردناک عذاب بھیج دے، اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر میں اس کو مسلمانوں کے ہاتھوں عذاب دیا، آگے اس عذاب کی کچھ حقیقت کا بیان ہے کہ یہ عذاب کافروں پر ضرور واقع ہو کر رہے گا اس عذاب کو دفع کرنا کسی کے بس کی بات نہیں۔

فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ یہ جملہ فعل محذوف سے متعلق ہے ای یَقَعُ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مطلب یہ ہے کہ یہ عذاب جس کا ذکر اوپر آیا ہے کافروں پر ضرور واقع ہو کر رہے گا، اس کا وقوع اس روز ہوگا کہ جس کی مدت پچاس ہزار سال ہوگی حضرت ابوسعید خدری رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ نے رسول اللہ ﷺ سے اس دن کے متعلق سوال کیا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی کہ یہ دن کتنا دراز ہوگا؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ یہ دن مومن پر ایک فرض نماز ادا کرنے کے وقت سے بھی کم ہوگا، یہ بطور تمثیل کے مومنین پر اس وقت کے ہلکا ہونے کا بیان ہے حضرت ابوہریرہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کی ایک روایت میں ہے کہ قیامت کا دن ظہر اور عصر کے درمیانی وقت سے بھی کم ہوگا۔

قیامت کا دن ایک ہزار سال کا ہوگا یا پچاس ہزار سال:

سَوَال: اس آیت میں روز قیامت کی مقدار پچاس ہزار سال بتائی گئی ہے اور سورۂ تنزیل السجدہ کی آیت میں ایک ہزار سال کا ذکر ہے، بظاہر ان دونوں آیتوں کے مضمون میں تعارض اور تضاد ہے؟

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ مدت مختلف لوگوں کے اعتبار سے ہے کسی کے لئے پچاس ہزار سال کی اور کسی کے لئے ایک ہزار سال کی اور کسی کے لئے ایک فرض نماز کے وقت کی مقدار ہوگی، اور وقت کی درازی عذاب کی شدت وخفت کے اعتبار سے کم وبیش معلوم ہوگی۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا، هَلُوْعٌ کے لفظی معنی ہیں حریص، بے صبرا، کم ہمت، حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا نے فرمایا هَلُوع وہ شخص ہے جو کہ مال حرام کی حرص میں مبتلا ہو، یہاں یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ جب انسان کو پیدا ہی اس حال میں کیا گیا ہے تو پھر اس کا کیا قصور؟ وہ مجرم کیوں قرار دیا گیا؟ وجہ یہ ہے کہ مراد اس سے انسانی فطرت اور جبلت میں رکھی ہوئی استعداد اور مادہ ہے تو حق تعالیٰ نے انسان میں ہر خیر وشر کا مادہ اور استعداد بھی رکھی ہے اور شر وفساد کی بھی اور اس کو عقل وہوش بھی عطا فرمائے ہیں اور اپنی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ ہر ایک کا انجام بھی بتا دیا، اب انسان کو اختیار ہے کہ دونوں قسم کی صلاحیتوں میں سے جس کو چاہے بروئے کار لائے اور جس کو چاہے نہ لائے؛ لہٰذا یہ جو کچھ بھی کرے گا اپنے اختیار سے کرے گا اور اسی اختیار کی بناء پر اس کو جزا یا سزا ملے گی۔

فَمَالِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا قِبَلَکَ نحوَکَ مُهْطِعِیْنَ ﴿۳۶﴾ حَالٌ ای مُدِیمِی النَّظَرِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ منك عِزِیْنَ ﴿۳۷﴾ حَالٌ اَیْضًا ای جَمَاعَاتٍ حَلَقًا حَلَقًا یَقُوْلُوْنَ اِسْتِهْزَاءً بِالْمُؤْمِنِیْنَ لَئِنْ دَخَلَ ہٰؤُلَاءِ الْجَنَّةَ لَنَدْخُلَنَّهَا قَبْلَهُمْ قَالَ تَعَالٰی اَیَطْمَعُ کُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ یُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِیْمٍ ﴿۳۸﴾ کَلَّا رَدْعٌ لَهُمْ عَنْ طَمَعِهِمْ فِی الْجَنَّةِ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ کَغَیْرِہِمْ مِّمَّا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ مِنْ نُطَفٍ فَلَا یُطْمَعُ بِذٰلِکَ فِی الْجَنَّةِ وَاِنَّمَا یُطْمَعُ فِیْهَا بِالتَّقْوٰی فَلَآ

لا زائدة أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ للشمس والقمر وسائر الكواكب إِنَّا لَقٰدِرُوْنَ عَلٰٓى أَنْ نُّبَدِّلَ نأتي بدلهم خَيْرًا مِّنْهُمْ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ بعاجزين عن ذلك فَذَرْهُمْ اتركهم يَخُوْضُوْا في باطلهم وَيَلْعَبُوْا في دنياهم حَتّٰى يُلٰقُوْا يلقوا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ فيه العذاب يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْأَجْدَاثِ القبور سِرَاعًا الى المحشر كَأَنَّهُمْ إِلٰى نُصُبٍ وفي قراءة بضم الحرفين شيء منصوب كعلم او راية يُّوْفِضُوْنَ يسرعون خَاشِعَةً ذليلة أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ تغشاهم ذِلَّةٌ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ذلك مبتدأ وما بعده الخبر ومعناه يوم القيامة

ترجمہ: کافروں کو کیا ہوا کہ تمہاری طرف دائیں اور بائیں طرف سے گروہ در گروہ جماعتیں بن بن کر چلے آرہے ہیں، مُهْطِعِيْنَ، كَفَرُوْا سے حال ہے عِزِيْنَ بھی كفروا سے حال ہے، یعنی جماعت اور حلقے بنا کر مومنین سے استہزاء کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر یہ جنت میں داخل ہوں گے تو ہم یقیناً ان سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے، کیا ان میں کا ہر شخص اس بات کی خواہش رکھتا ہے کہ نعمتوں کی جنت میں داخل کر لیا جائے گا؟ یہ ہرگز نہ ہوگا یہ ان کی دخول جنت کی تردید ہے ہم نے ان کو دوسروں کے مانند اس چیز سے پیدا کیا ہے جو ان کو معلوم ہے یعنی نطفوں سے، لہٰذا اس بنا پر جنت کی طمع نہیں کر سکتے ہاں البتہ جنت کی طمع تقوے کی بنا پر کر سکتے ہیں، پھر میں قسم کھاتا ہوں لا زائدہ ہے شمس وقمر اور تمام ستاروں کے مشرقوں اور مغربوں کے رب کی ہم اس پر قادر ہیں کہ ان کی جگہ ان سے بہتر لوگ لے آئیں، اور ہم اس کام سے عاجز نہیں ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اسی شغل باطل اور دنیا کی تفریح میں رہنے دیجئے، یہاں تک کہ ان کو ان کے اس دن سے سابقہ پڑے کہ جس دن میں ان سے عذاب کا وعدہ کیا جاتا ہے جس دن یہ قبروں سے نکل کر محشر کی جانب دوڑیں گے جیسے کسی پرستش گاہ کی طرف دوڑے جاتے ہوں اور ایک قراءت میں دونوں حرفوں کے ضمہ کے ساتھ ہے، وہ شئی جس کو نصب کیا گیا ہو جیسا کہ علم یا پرچم ان کی آنکھیں نیچے کو جھکی ہوں گی (اور) ان پر ذلت چھائی ہوگی یہ ہے ان کا وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا (ذلك) مبتداء ہے اور اس کا مابعد خبر ہے، اور مراد اس سے قیامت کا دن ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لام جارہ، مصحف امام کے رسم الخط کی اتباع میں الگ لکھا گیا ہے، مَا مبتداء ہے اور اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اس کی خبر ہے ای فَاَيُّ شيءٍ حَمَلَهُمْ علی نظرهم اِلَيْكَ.

قَوْلُهٗ: مهطعين ای مسرعين. اِهْطَاعٌ سے اسم فاعل جمع مذکر، سر جھکائے نظر جمائے تیزی سے دوڑنے والے۔

قَوْلُهٗ: عِزِيْنَ یہ عِزَةٌ کی جمع ہے اور عِزَةٌ بمعنی جماعت ہے۔

قَوْلُهُ: اِنَّا لَقَادِرُوْنَ یہ مقسم علیہ ہے۔
قَوْلُهُ: وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ یہ مقسم علیہ کا جز ہے۔
قَوْلُهُ: يَلْقَوْا، يُلَاقُوْا کی تفسیر يَلْقَوْا سے کرکے اشارہ کردیا کہ باب مفاعلہ اپنی اصل پر نہیں ہے۔
قَوْلُهُ: يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ یہ يَوْمَهُمُ الَّذِيْ سے بدل البعض ہے۔
قَوْلُهُ: ذلك اليوم مبتداء اور اَلَّذِيْن الخ خبر ہے۔

تفسیر وتشریح

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ یہ آپ ﷺ کے زمانہ کے کافروں کا ذکر ہے کہ وہ آپ کی مجلس میں دوڑے دوڑے آتے؛ لیکن آپ کی باتیں سن کر عمل کرنے کے بجائے ان کا مذاق اڑاتے اور ٹولیوں میں بٹ جاتے اور دعویٰ یہ کرتے کہ اگر مسلمان جنت میں گئے تو ہم ان سے پہلے جنت میں جائیں گے اللہ نے اگلی آیت میں ان کے اس زعم باطل کی تردید فرمائی ہے، یعنی یہ کیسے ممکن ہے کہ مومن اور کافر دونوں جنت میں جائیں، رسول کو ماننے والے اور نہ ماننے والے تصدیق کرنے والے، اور تصدیق نہ کرنے والے دونوں برابر ہو جائیں، ایسا کبھی نہیں ہوسکتا، مطلب یہ ہے کہ خدا کی جنت تو ان لوگوں کیلئے ہے جن کی صفات ابھی بیان کی گئی ہیں، اب کیا یہ لوگ جو حق بات سننا تک گوارا نہیں کرتے اور حق کی آواز کو دبا دینے کے لئے دوڑے چلے آرہے ہیں، کیا ایسے لوگ جنت کے امیدوار ہوسکتے ہیں؟

كَلَّا اِنَّا خَلَقْنَاهم مِمَّا يعلمونَ مطلب یہ کہ جس مادہ سے یہ بنے ہیں اس لحاظ سے تو سب انسان برابر ہیں اگر وہ مادہ ہی انسان کے جنت میں جانے کا سبب ہو تو نیک وبد، ظالم وعادل سب ہی کو جنت میں جانا چاہئے؛ لیکن معمولی عقل بھی یہ فیصلہ کرنے کے لئے کافی ہے کہ جنت کا استحقاق انسان کے مادۂ تخلیق کی بناء پر نہیں؛ بلکہ اس کے اوصاف کی بناء پر ہوتا ہے۔



سُوْرَةُ نُوْحٍ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٍ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ نُوْحٍ مَكِّيَّةٌ ثَمَانٍ اَوْ تِسْعٌ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ نوح مکی ہے، اٹھائیس یا انتیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ اِنْ لَم يُؤمِنُوا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ① مُؤلِمٌ في الدُّنيا والاخرة قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ② بَيِّنُ الاِنْذارِ اَنِ اي بِاَنْ اَقُوْلَ لَكُمْ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ③ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ مِنْ زائدةٌ فان الاسلامَ يُغفرُ به ما قبله او تَبعيضيَّةٌ لإخراجِ حُقُوقِ العِبادِ وَيُؤَخِّرْكُمْ بلا عذابٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى اَجَلِ الموتِ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ بعذابكم اِن لم تؤمِنُوا اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ④ ذلك لآمَنْتُم قَالَ رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ⑤ دائمًا مُتَّصِلاً فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْٓ اِلَّا فِرَارًا ⑥ عنِ الايمانِ وَاِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ لِئَلّا يَسمَعُوا كَلامِيْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ غَطَّوا رُؤُسَهُمْ بها لِئَلّا يَنظُرُونِيْ وَاَصَرُّوْا على كُفرِهم وَاسْتَكْبَرُوا عنِ الايمانِ اسْتِكْبَارًا ⑦ ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ⑧ اي بإعلاءِ صَوْتِي ثُمَّ اِنِّيْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ صَوْتِي وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ الكلامَ اِسْرَارًا ⑨ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ من الشِّركِ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ⑩ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ المطرَ وكانوا قد مُنِعُوه عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ⑪ كثيرَ الدُّرُورِ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ بَساتينَ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ⑫ جاريةً مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ⑬ اي تأمُلُونَ وَقارَ اللّٰهِ اِيَّاكُم بِاَن تؤمِنُوا وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ⑭ جمعُ طَوْرٍ وهو الحالُ فطورًا نُطفةً وطورًا عَلَقَةً الى تمامِ خلقِ الانسانِ والنظرُ في خَلقِه يُوجِبُ الايمانَ بخالقِه اَلَمْ تَرَوْا تنظُروا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ⑮ بعضُها فوقَ بعضٍ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ اي في مَجمُوعِهِنَّ الصادقِ بالسَّماءِ الدنيا نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ⑯ مِصباحًا مُضيئًا وهو اقوى من نورِ القمرِ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ خَلَقَكُم مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ⑰ اِذ خلقَ اباكم آدمَ منها ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا مقبورينَ وَيُخْرِجُكُمْ للبعثِ اِخْرَاجًا ⑱ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ⑲ مبسوطةً لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا طُرُقًا

فِجَاجًا واسعة

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، یقیناً ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا کہ اپنی قوم کو ڈرا دو قبل اس کے کہ ان پر دنیا و آخرت میں دردناک عذاب آئے اگر وہ ایمان نہ لائے، نوح علیہ السلام نے فرمایا اے میری قوم! میں تمہیں صاف صاف ڈرانے والا ہوں بایں طور کہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اللہ کی بندگی کرو اور اسی سے ڈرو اور میری بات مانو وہ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا مِن زائدہ ہے بلا شبہ اسلام کے ذریعہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں یا مِن تبعیضیہ ہے حقوق العباد کو خارج کرنے کے لئے اور تم کو بلا عذاب مہلت دے گا موت کے مقررہ وقت تک یقیناً تم پر اللہ کے عذاب کا وعدہ جب آ جاتا ہے تو اگر تم ایمان نہ لائے تو مؤخر نہیں ہوتا اگر تم اس بات کو جان لیتے تو ایمان لے آتے نوح علیہ السلام نے کہا اے میرے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو رات دن ہمیشہ مسلسل تیری طرف بلایا مگر میرے بلانے سے یہ لوگ ایمان سے اور زیادہ بھاگنے لگے، میں نے انہیں جب بھی تیری بخشش کے لئے بلایا تو انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں تاکہ میری بات نہ سنیں اور انہوں نے اپنے کپڑے اوڑھ لئے یعنی کپڑوں سے انہوں نے اپنے سروں کو چھپا لیا تاکہ مجھے نہ دیکھیں، اور وہ اپنے کفر پر اڑے رہے اور ایمان سے متعلق بڑا تکبر کیا پھر میں نے انہیں بآواز بلند بلایا اور پھر میں نے ان کو علانیہ بھی سمجھایا اور چپکے سے بھی سمجھایا اور میں نے ان سے کہا تم اپنے رب سے شرک سے معافی طلب کرو وہ یقیناً بڑا بخشنے والا ہے کثرت سے تمہارے اوپر زوردار بارش بھیجے گا اور وہ بارش سے محروم کر دیئے گئے تھے اور تمہارے مال و اولاد میں اضافہ کرے گا اور تمہارے لئے باغات کر دے گا اور تمہارے لئے نہریں جاری کر دے گا تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اللہ کی عظمت کے معتقد نہیں ہو یعنی اللہ سے اپنے وقار کی امید نہیں رکھتے کہ ایمان لے آؤ حالانکہ اس نے تمہیں طرح طرح سے بنایا اطوار، طور کی جمع ہے اس کے معنی حال کے ہیں چنانچہ ایک حالت نطفہ کی ہے، اور ایک حالت مضغہ کی ہے انسان کی تخلیق کے مکمل ہونے تک اور انسان کی تخلیق میں غور کرنا اس کے خالق پر ایمان کو واجب کرتا ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے کس طرح تہ بہ تہ سات آسمان پیدا کئے، یعنی بعض کو بعض کے اوپر اور ان میں چاند کو یعنی ان کے مجموعہ میں جو سماء دنیا پر بھی صادق ہے نور بنایا اور سورج کو روشن چراغ بنایا اور وہ چاند کے نور سے قوی تر ہے اور تم کو زمین سے ایک خاص طریقہ سے پیدا کیا پھر وہ تم کو اسی میں لے جائے گا حال یہ کہ تم قبر میں مدفون ہو گے اور وہ تم کو بعث کے لئے نکالے گا اور اللہ نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا تاکہ تم اس کے کشادہ راستوں میں چلو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: ثماد او تسعٌ وعشرون آيةً، ثماد، ثاء کے ضمہ اور سرہ کے ساتھ آخر سے یا حذف ہوگئی قاضٍ کے قاعدہ سے یا یَدٌ و دَمٌ کے قاعدہ سے اصل میں ثَمَانِيٌ تھا۔

قولہ: بانذار اس سے اشارہ [illegible] کہ ان مصدریہ [illegible] اور تفسیریہ بھی [illegible] اس لئے کہ ارسال [illegible] قول کے معنی ہیں۔ (صاوی)

قولہ: بان اقول لکم کہ ان اعبدوا اللہ میں ان تفسیریہ [illegible] مصدریہ ہونا بھی صحیح ہے، کما سبق۔

قولہ: یغفر لکم یہ ماقبل میں مذکورتینوں امر [illegible] کے جواب [illegible] ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔

قولہ: بلا عذاب اس کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے ویؤخرکم الی اجل مسمّٰی [illegible] آیت میں "ولن یؤخر اللہ نفسا اذا جاء اجلھا" فرمایا گیا ہے دونوں میں تعارض ہے؟

جواب: یؤخرکم سے مراد [illegible] عذاب [illegible] ہے موت تک نہ کہ موت کے مقررہ وقت میں تاخیر [illegible]۔ (جمل، صاوی)

قولہ: یعذابکم ان لم تؤمنوا [illegible] اضافہ [illegible] تعارض کو دفع کرنا ہے۔ [illegible]

قولہ: لامنتم اس میں اشارہ ہے کہ لو شرطیہ [illegible] لامنتم [illegible] ہے۔

تفسیر و تشریح

نام:

اس سورت کا نام سورۂ نوح ہے، اس میں اول سے آخر تک حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ تفصیل سے بیان [illegible] جس طرح کہ سورۂ یوسف میں حضرت یوسف کا قصہ [illegible] تفصیل بیان [illegible] مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ سورۂ یوسف [illegible] یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص ہے حضرت یوسف [illegible] قرآن میں اور کہیں نہیں [illegible] بخلاف حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے [illegible] اس سورت [illegible] ہے مگر قصہ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سورت [illegible] خاص نہیں ہے بلکہ قرآن کریم میں [illegible] ۴۳ مقامات پر [illegible] نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر آیا ہے۔

(قصص القرآن، خلاصۃ التفاسیر)

حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام پہلے رسول ہیں:

حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد پہلے نبی ہیں جن کو رسالت سے نوازا گیا [illegible] شفاعت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل روایت ہے اس میں اول رسول ہونے کی صراحت ہے۔
یا نوح انت اول الرسل الی الارض [illegible] پہلا رسول بنایا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ اجمالاً:

[illegible]

ہی ہوتی ہے کیونکہ تقدیر معلق میں جو شرط لکھی گئی ہے اللہ کو پہلے ہی سے یہ معلوم ہے کہ وہ شخص یہ شرط پوری کرے گا یا نہیں اس لئے تقدیر مبرم میں قطعی فیصلہ لکھا جاتا ہے۔ (معارف)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی اور قرآن کی تصریح کے مطابق نوسو پچاس سال اپنی قوم کو تبلیغ کی اور طوفان کے بعد ساٹھ سال بقید حیات رہے، اس حساب سے آپ کی عمر ایک ہزار پچاس سال ہوئی، حضرت آدم علیہ السلام کی وفات اور ولادت نوح علیہ السلام کے درمیان ۱۰۴۲ سال کا فاصلہ ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ۹۳۰ سال ہوئی ہے۔

(قصص القرآن، حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی رحمہ اللہ تعالیٰ)

قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا أي السفلة والفقراء مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ وهم الرؤساء المنعم عليهم بذلك وولده بضم الواو وسكون اللام وبفتحهما، والأول قيل جمع وفي بفتحهما كخشب وخشب وقيل بمعناه كبخل وبخل إِلَّا خَسَارًا طغيانا وكفرا وَمَكَرُوا أي الرؤساء مَكْرًا كُبَّارًا عظيما جدا بأن كذبوا نوحا وآذوه ومن اتبعه وَقَالُوا للسفلة لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا بفتح الواو وضمها وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا هي أسماء أصنامهم وَقَدْ أَضَلُّوا بها كَثِيرًا من الناس بأن أمروهم بعبادتها وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا عطف على قد أضلوا دعا عليهم لما أوحي إليه أنه لن يؤمن من قومك إلا من قد آمن مِمَّا ما صلة خَطِيئَاتِهِمْ وفي قراءة خطاياهم بالهمز أُغْرِقُوا بالطوفان فَأُدْخِلُوا نَارًا عوقبوا بها عقب الإغراق تحت الماء فَلَمْ يَجِدُوا لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ أي غير الله أَنصَارًا يمنعون عنهم العذاب وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ أي نازل دار والمعنى أحدا إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا من يفجر ويكفر قال ذلك لما تقدم من الإيحاء إليه رَّبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وكانا مؤمنين وَلِمَن دَخَلَ بَيْتِيَ منزلي أو مسجدي مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ إلى يوم القيامة وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا هلاكا فأهلكوا

ترجمہ: نوح بن لامك بن متوشلح بن اخنوخ واسم امه شمخی بنت انوش ... علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے پروردگار ان لوگوں نے میری نافرمانی کی اور کمزور طبقے اور فقراء نے ان لوگوں کی اطاعت کی کہ جن کے مال و اولاد نے سرکشی اور کفر کے اعتبار سے ان کو نقصان ہی پہنچایا، جو ایسے رئیس ہیں کہ جن کے اوپر ان چیزوں کا انعام کیا گیا، وُلْدٌ واؤ کے ضمہ اور لام کے سکون اور دونوں کے فتحہ کے ساتھ (وَلَد) اور اول کہا گیا ہے کہ وَلَدٌ (بفتحتيهما) کی جمع ہے جیسے

کہ حُشُبٌ، حَشَبٌ کی جمع ہے، اور کہا گیا کہ جمع کے معنی میں ہے جیسا کہ نُخلٌ اور بخلٌ اور ان لوگوں نے بڑا تکبر کیا اس طریقہ پر کہ انہوں نے نوح علیہ السلام کی تکذیب کی، اور ان کو اور ان کے پیروکاروں کو ایذا پہنچائی انہوں نے کمزور طبقے کے لوگوں سے کہا تم اپنے معبودوں کو مت چھوڑنا اور وَدّ کو نہ چھوڑنا واؤ کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ اور نہ سواع کو اور نہ یغوث کو اور نہ نسر کو چھوڑنا، یہ ان کے بتوں کے نام ہیں اور ان لوگوں نے ان بتوں کے ذریعہ بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا اس طریقہ پر کہ ان لوگوں کو ان بتوں کی بندگی کرنے کا حکم دیا (الہی!) تو ان لوگوں کی گمراہی اور بڑھا دے یہ عطف ہے قد اضلوا پر اور حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے لئے یہ بد دعا اس وقت کی کہ جب بذریعہ وحی ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ تیری قوم میں سے جو لوگ ایمان لاچکے ہیں ان کے علاوہ اور کوئی ایمان لانے والا نہیں، ان لوگوں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے طوفان میں غرق کر دیا گیا ما زائدہ ہے، ایک قراءت میں خطیئاتھم ہمزہ کے ساتھ، اور جہنم میں پہنچا دیا گیا اور اللہ کے سوا انہوں نے اپنا کوئی مددگار نہ پایا کہ جو ان سے عذاب کو روک سکے اور نوح علیہ السلام نے کہا اے میرے پروردگار تو روئے زمین پر کوئی بسنے والا نہ چھوڑ یعنی گھر میں آنے والا مطلب یہ کہ کسی کو نہ چھوڑ اگر تو ان کو چھوڑ دے گا تو یقیناً یہ تیرے (دیگر) بندوں کو بھی گمراہ کر دیں گے اور فاجروں اور کافروں ہی کو جنم دیں گے یعنی ان لوگوں کو جو کفر و فسق ہی کریں گے، اور آپ نے یہ بد دعا آپ کے پاس وحی آنے کے بعد کی۔ اے میرے پروردگار! تو میرے والدین کو کہ دونوں مومن تھے اور ہر اس شخص کو جو مومن ہو کر میرے گھر میں میری مسجد میں داخل ہو اور قیامت تک آنے والے مومنین و مومنات کو بخش دے اور کافروں کو سوائے ہلاکت کے اور کسی چیز میں نہ بڑھا چنانچہ وہ سب لوگ ہلاک کر دیئے گئے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: بذلك، ای بالمال والولد.

قولہ: والاول ای وُلْدٌ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ولد کی جمع ہے جیسا کہ حُشُبٌ، حَشَبٌ کی جمع اور کہا گیا ہے کہ جمع نہیں ہے البتہ معنی میں جمع کے ہے جیسا کہ نَخلٌ، نُخلٌ کے معنی میں ہے۔

قولہ: وَدّ مرد کی شکل کے ایک بت کا نام ہے، سُواع عورت کی شکل کے ایک بت کا نام ہے، یغوث شیر کی شکل کے بت کا نام ہے، یعوق گھوڑے کی شکل کے بت کا نام ہے، نسر گدھ کی شکل کے بت کا نام ہے۔

تفسیر و تشریح

قال نوح رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ (الآیة) یعنی میری نافرمانی پر اڑے رہے میری ایک نہ سنی اور مالداروں سرداروں کی پیروی کی کہ جن کو ان کے مال و اولاد نے سوائے نقصان کے کوئی فائدہ نہیں دیا بلکہ سراسر نقصان میں رہے۔

ومکرو مکرا کبارا یہ مکر شدید کیا تھا؟ مکر سے مراد ان سرداروں اور پیشواؤں کے وہ مکر وفریب ہیں جن سے وہ اپنی قوم کے عوام کو حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کے خلاف بہکاتے تھے اور بہکانے کے طریقے تقریباً تمام وہی تھے جو مشرکین عرب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے روکنے کے لئے کرتے تھے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ مکر سے مراد حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کی سازش ہے، اور بعض کے نزدیک ان کے بڑوں کا چھوٹوں سے یہ کہنا تھا کہ تم اپنے معبودوں کی عبادت پر ہمیشہ رہنا ان کو ہرگز مت چھوڑنا۔

ولا تذرن وَدًا الخ یہ پانچوں، قوم نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نیک آدمی تھے اور یہ انہیں کے نام ہیں جب ان کا انتقال ہو گیا تو شیطان نے ان کے عقیدت مندوں سے کہا کہ ان کی تصویریں بنا کر تم اپنے گھروں اور عبادت خانوں میں رکھ لو، تاکہ ان کی یاد تازہ رہے اور ان کے تصور سے تم بھی ان کی طرح نیکیاں کرتے رہو جب یہ تصویر بنا کر رکھنے والے فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی نسلوں کو یہ کہہ کر شرک میں مبتلا کر دیا کہ تمہارے آباء تو ان کی پوجا کرتے تھے جن کی تصویریں تمہارے گھروں میں لٹکی رہتی ہیں، چنانچہ انہوں نے ان کی پوجا شروع کر دی۔ (بخاری تفسیر، سورۂ نوح)

قوم نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان پانچوں بزرگوں کی اتنی شہرت ہوئی کہ عرب میں بھی ان کی پوجا ہونے لگی، چنانچہ ''ود'' دومة الجندل میں قبیلہ کلب کا معبود تھا اور ''سواع''، ساحل بحر کے قبیلہ ہذیل کی دیوی تھی، ''یغوث'' سبا کے قریب قبیلہ طے کی بعض شاخوں کا بت تھا اور ''یعوق'' ہمدان کے علاقہ میں قبیلہ ہمدان کی شاخ خیوان کا بت تھا، اور یہ گھوڑے کی شکل کا تھا، اور ''نسر'' قبیلہ حمیر کا بت تھا جس کی شکل گدھ کی سی تھی۔

قَدْ اَضَلُّوْا کَثِیْرًا، اَضَلُّوا کا فاعل قوم نوح کے رؤساء ہیں جنہوں نے مذکورہ پانچوں بزرگوں کے ناموں سے لوگوں کو گمراہ کیا۔

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ دَيَّارًا حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بددعا اس وقت فرمائی جب حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے ایمان لانے سے بالکل ناامید اور مایوس ہو گئے، اور اللہ نے بھی بذریعہ وحی اطلاع کر دی کہ اب ان میں سے کوئی ایمان لانے والا نہیں دَیَّارٌ، فَیْعَالٌ کے وزن پر دَیْوَارٌ تھا واؤ کو یاء سے بدل کر یاء میں ادغام کر دیا، رہنے بسنے والے۔



سورة الجن مكية ثمان وعشرون آية

[illegible] وَّقُلْ [illegible] أَنَّهُ

[illegible]

[illegible] فَقَالُوا [illegible]

[illegible] يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ

[illegible]

[illegible] مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا

[illegible] عَلَى اللَّهِ شَطَطًا [illegible] وَأَنَّا ظَنَنَّا أَن

[illegible] الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا [illegible]

وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ [illegible] بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ [illegible]

[illegible] فَزَادُوهُمْ [illegible] رَهَقًا [illegible]

[illegible] وَأَنَّهُمْ [illegible] ظَنَنتُمْ [illegible] أَن لَّن يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَدًا [illegible]

[illegible] وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ [illegible] فَوَجَدْنَاهَا مُلِئَتْ حَرَسًا [illegible] شَدِيدًا

[illegible] وَأَنَّا كُنَّا [illegible]

[illegible] نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ [illegible] فَمَن يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَّصَدًا [illegible]

[illegible] وَأَنَّا لَا نَدْرِي أَشَرٌّ [illegible] بِمَن فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا

وَأَنَّا مِنَّا الصَّالِحُونَ [illegible] وَمِنَّا دُونَ ذَٰلِكَ [illegible] كُنَّا طَرَائِقَ قِدَدًا

[illegible]

طرقًا مختلفين مسلمين وكافرين. وَأَنَّا ظَنَنَّا أَنْ مخففة أي أنه لَّن نُّعْجِزَ اللَّهَ فِي الْأَرْضِ وَلَن نُّعْجِزَهُ هَرَبًا أي لا نفوته كائنين في الأرض أو هاربين منها إلى السماء. وَأَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدَىٰ القرآن آمَنَّا بِهِ فَمَن يُؤْمِن بِرَبِّهِ فَلَا يَخَافُ بتقدير هو بَخْسًا نقصًا من حسناته وَلَا رَهَقًا ظلمًا بالزيادة في سيئاته وَأَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُونَ وَمِنَّا الْقَاسِطُونَ الجائرون بكفرهم فَمَنْ أَسْلَمَ فَأُولَٰئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا قصدوا هداية وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا وقودًا وأنا وأنهم وأنه في اثني عشر موضعًا هي وأنه تعالى إلى قوله وأنا منا المسلمون وما بينهما بكسر الهمزة استئنافًا وبفتحها بما يوجه به قال تعالى في كفار مكة وَأَن مخففة من الثقيلة واسمها محذوف أي وأنهم وهو معطوف على أنه استمع لَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ أي طريقة الإسلام لَأَسْقَيْنَاهُم مَّاءً غَدَقًا كثيرًا من السماء وذلك بعد ما رفع المطر عنهم سبع سنين لِّنَفْتِنَهُمْ لنختبرهم فِيهِ فنعلم كيف شكرهم علم ظهور وَمَن يُعْرِضْ عَن ذِكْرِ رَبِّهِ القرآن يَسْلُكْهُ بالنون والياء ندخله عَذَابًا صَعَدًا شاقًا وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ مواضع الصلاة لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا فيها مَعَ اللَّهِ أَحَدًا بأن تشركوا كما كانت اليهود والنصارى إذا دخلوا كنائسهم وبيعهم أشركوا وَأَنَّهُ بالفتح والكسر استئنافًا والضمير للشأن لَّمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ محمد النبي صلى الله عليه وسلم يَدْعُوهُ يعبده ببطن نخل كَادُوا أي الجن المستمعون لقراءته يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا بكسر اللام وضمها جمع لبدة كاللبد في رُكُوبِ بَعْضِهِمْ اِزْدِحَامًا حِرْصًا عَلَى سَمَاعِ الْقُرْآنِ.

تَرجَمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، اے محمد ﷺ! لوگوں کو بتا دیجئے کہ مجھے وحی کے ذریعہ یہ بات بتائی گئی ہے (یعنی) وحی کے ذریعہ اللہ کی طرف سے مجھے خبر دی گئی ہے کہ نصیبین کے جنوں کی ایک جماعت نے میری قراءت سنی اور یہ واقعہ بطن نخلہ میں جو کہ مکہ اور طائف کے درمیان ہے فجر کی نماز میں پیش آیا اور یہ جن وہی ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ کے قول "واذ صرفنا الیك نفرا من الجن" میں کیا گیا ہے، تو انہوں نے اپنی قوم کے پاس واپس جا کر کہا ہم نے عجیب قرآن سنا ہے کہ اس کی (لفظی) فصاحت اور (معنوی) بلاغت وغیرہ سے تعجب ہوتا ہے جو راہ راست (اور) ایمان کی طرف رہنمائی کرتا ہے ہم اس پر ایمان لا چکے ہیں آج کے بعد ہم کسی کو بھی اپنے رب کا شریک نہ ٹھہرائیں گے، اور بے شک ہمارے رب کی شان بہت بلند ہے (اَنَّهٗ) میں اور اس کے بعد دونوں جگہ ضمیر شان ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے جلال وعظمت کی تمام ان چیزوں کی کہ اس کی طرف نسبت کرنے سے (جو اس کی شایان شان نہیں) پاکی بیان فرمائی نہ اس نے کسی کو (اپنی) بیوی بنایا ہے اور نہ بیٹا، اور یہ کہ ہم میں کا بیوقوف جاہل اللہ کے بارے میں اللہ کو بیوی اور بیٹے سے متصف کر کے افتراء پردازی میں غلو کرتا ہے اور ہم تو یہی سمجھتے رہے (اَنْ) مخففہ ہے ای اَنَّهٗ کہ

انس اور جن اس کو ان چیزوں سے متصف کر کے اس پر ہرگز افتراء پردازی نہ کریں گے حتی کہ ہمارے او پر اس بارے میں ان کا کذب ظاہر ہو گیا بات یہ ہے کہ بعض لوگ جب کہ وہ اپنے سفر کے دوران کسی خطرناک مقام پر فروکش ہوتے تھے تو بعض لوگ جنات کی پناہ طلب کیا کرتے تھے اور ہر شخص کہتا تھا کہ میں اس مقام کے سردار کی اس مقام کے بے وقوف (جنوں) سے پناہ چاہتا ہوں جس کی وجہ سے جنات اپنی سرکشی میں اور چڑھ گئے اور کہنے لگے ہم جنوں اور انسانوں کے سردار ہو گئے، اے انسانو! جنات نے بھی تمہاری طرح گمان کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو موت کے بعد دوبارہ زندہ نہ کرے گا، (اَنْ) مخففہ عن الثقیلہ ہے، اور ہم نے چوری سے سننے کے لئے آسمان کا قصد کیا تو ہم نے اس کو دیکھا کہ پہرہ دار فرشتوں اور سخت جلا دینے والے شہابوں سے بھرا پڑا ہے اور یہ اس وقت ہوا جب آپ ﷺ کو مبعوث کیا گیا اور ہم آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے باتیں سننے کے لئے (آسمانوں پر) جگہ جگہ بیٹھ جایا کرتے تھے اب جو بھی کان لگاتا ہے ایک شعلہ کو اپنی تاک میں پاتا ہے یعنی اس کو تاک میں لگا دیا گیا ہے تاکہ وہ اس کے ذریعہ ان کو مارے اور ہم نہیں جانتے کہ سننے کی ممانعت سے۔ آیا زمین والوں کے ساتھ کسی شر کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب نے ان کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا ہے؟ اور یہ کہ قرآن سننے کے بعد بعض ہم میں سے نیک بھی ہیں اور بعض اس کے برعکس بھی یعنی بعض لوگ غیر صالح بھی ہیں، اور ہم مختلف طریقوں میں بٹے ہوئے ہیں یعنی مختلف فرقے ہو گئے ہیں، کہ بعض مسلمان اور بعض کافر ہیں، اور ہم نے سمجھ لیا کہ ہم اللہ کی زمین میں اللہ کو ہرگز عاجز نہیں کر سکتے، اَنْ مخففہ ہے اَیْ اَنَّہٗ اور نہ بھاگ کر ہم اسے ہرا سکتے ہیں، یعنی نہ ہم اس کو زمین میں رہتے ہوئے عاجز کر سکتے ہیں اور نہ زمین سے آسمان کی طرف بھاگ کر اسے ہرا سکتے ہیں، ہم تو ہدایت کی بات (قرآن) سنتے ہی اس پر ایمان لا چکے، اور جو بھی اپنے رب پر ایمان لائے گا، اسے اس کی نیکیوں میں نقصان کا اندیشہ نہ ہوگا اور نہ ظلم و زیادتی کا یعنی اس کی بدیوں میں زیادتی کا، ہاں ہم میں بعض تو مسلمان ہیں اور بعض اپنے کفر کی وجہ سے ظالم ہیں پس جو فرمانبردار ہو گئے انہوں نے تو راہِ راست کا قصد کیا یعنی اس کی ہدایت کا قصد کیا اور جو ظالم ہیں جہنم کا ایندھن بن گئے اور اِنَّ اور اِنَّهُمْ اور اِنَّهٗ یہ کل بارہ جگہ ہیں اور اَنَّهٗ تعالٰی اور اَنَّا مِنَّا المسلمون اور ان کے درمیان ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ بطور استیناف کے اور ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ تاویل کر کے اور اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کے بارے میں فرمایا (اور اے نبی! یہ بھی کہہ دو) اَنْ ثقیلہ سے مخففہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے، اَیْ اَنَّهُمْ اور اس کا عطف اَنَّهُ اسْتَمَعَ پر ہے کہ اگر لوگ راہِ راست طریقہ اسلام پر سیدھے رہتے تو یقیناً ہم انہیں بڑی وافر مقدار میں آسمان سے پانی پلائیں گے اور یہ (یعنی آیت کا نزول) اس کے بعد ہوا کہ سات سالوں تک (اہل مکہ) سے بارش روک لی گئی تھی تاکہ اس میں ہم انہیں آزمائیں اور تاکہ ہم ان کے شکر کی کیفیت کو اپنے علم کے مطابق ظاہر کریں اور جو اپنے پروردگار کے ذکر (قرآن) سے روگردانی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو سخت عذاب میں مبتلا کرے گا، یَسْلُکْهُ نون اور یاء کے ساتھ ہے اور یہ کہ مسجدیں نماز کے مقامات صرف اللہ ہی کے لئے خاص ہیں پس ان میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو نہ پکارو بیں

تحقیق، ترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قوله: ... نصیبین ...

قوله: ...

قوله: ...

قوله: ...

قوله: ...

قوله: ... اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ... ظَنَنْتُمْ ...

... اور اول کے لئے ضمیر شان کو حذف کر دیا۔

قوله: ... مفعول اول ہے اور مُلِئَتْ بمعنی ہو کر مفعول ثانی اور حَرَسًا تمیز ...

قوله: ... کے بعد هُوَ محذوف نہ ہو تو فا محذوف ...

قوله: ... مَسْلَكَه ... کی وجہ سے ...

تفسیر وتشریح

شان نزول:

آیت بالا کی تفسیر وصحیح طریقہ سے سمجھنے کیلئے پہلے چند واقعات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

پہلا واقعہ:

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے شیاطین آسمانوں تک پہنچ کر فرشتوں کی باتیں سنتے تھے، آپ ﷺ کی بعثت کے بعد شہاب ثاقب کے ذریعہ ان کو روک دیا گیا اسی حادثہ کی تحقیق کے ضمن میں جنات آپ ﷺ تک پہنچے جیسا کہ سورۂ احقاف میں گذرا۔

دوسرا واقعہ:

زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ جب کسی جنگل یا وادی میں رات کے دوران قیام کی ضرورت پیش آتی تو اس اعتقاد سے کہ جنات کے سردار ہماری حفاظت کریں گے، یہ الفاظ کہا کرتے تھے اعوذ بعزیز هذا الوادی من شرّ سُفَهَاءِ قومه یعنی میں اس جنگل کے سرداروں کی پناہ لیتا ہوں اس کی قوم کے بے وقوف شریروں سے۔

تیسرا واقعہ:

مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ کی بددعاء سے قحط پڑا تھا اور کئی سال تک رہا۔

چوتھا واقعہ:

جب آپ ﷺ نے دعوت اسلام شروع کی تو کفار مخالفین کا آپ کے خلاف ہجوم اور نرغہ ہوا۔ (معارف)

بخاری اور مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے چند اصحاب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بازار عکاظ تشریف لیجا رہے تھے، راستہ میں نخلہ کے مقام پر آپ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی، اس وقت جنوں کا ایک گروہ ادھر سے گذر رہا تھا، تلاوت کی آواز سن کر وہ ٹھہر گیا اور غور سے قرآن سنتا رہا اسی واقعہ کا ذکر اس سورت میں ہے۔

اکثر مفسرین نے اس روایت کی بناء پر یہ سمجھا ہے کہ یہ حضور ﷺ کے مشہور سفر طائف کا واقعہ ہے جو ہجرت سے تین سال پہلے ۱۰ نبوی میں پیش آیا تھا مگر یہ قیاس متعدد وجوہ سے صحیح نہیں ہے؛ اس لئے کہ طائف کے اس سفر میں جنوں کے قرآن سننے کا جو واقعہ پیش آیا تھا اس کا قصہ سورۂ احقاف میں بیان کیا گیا ہے، سورۂ احقاف کی ان آیات پر نظر ڈالنے ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر جو جن قرآن مجید سن کر ایمان لائے تھے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات پر ایمان رکھتے تھے، اس کے برعکس اس سورت کی آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس موقع پر قرآن سننے والے جن مشرکین اور منکرین آخرت و رسالت تھے پھر یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ طائف کے اس سفر میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا اور کوئی آپ ﷺ کے ساتھ نہیں تھا بخلاف اس سفر کے، حضرت ابن عباس کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ چند اصحاب آپ کے ہمراہ تھے۔

مزید براں روایات اس پر بھی متفق ہیں کہ اس سفر میں جنوں نے قرآن کی روایت کے مطابق جنوں کے قرآن سننے کا واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ مکہ مکرمہ سے عکاظ تشریف لے جارہے تھے، ان وجوہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سورۂ احقاف اور سورۂ جن کے واقعے دو الگ الگ ہیں۔

اِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا، **عَجَبًا** مصدر ہے بطور مبالغہ یا حذف مضاف کے ساتھ ہے ای ذا عجب، **معجب** کے معنی میں **یَهْدِی اِلَی الرُّشْد** یہ قرآن کی دوسری صفت ہے کہ وہ راہ راست حق و صواب کو واضح کرتا ہے **جَدُّ** کے معنی عظمت اور جلال کے ہیں یعنی ہمارے رب کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ اس کے اولاد یا بیوی ہو۔

قُلْ مُجِيْبًا لِلْكُفَّارِ فِي قَوْلِهِمْ ارْجِعْ عَمَّا اَنْتَ فِيْهِ وفِي قِرَاءَةٍ قَالَ **اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ** اِلٰـهًا **وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا**۝ **قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا** غَيًّا **وَّلَا رَشَدًا**۝ خَيْرًا **قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ** مِنْ عَذَابِهِ اِنْ عَصَيْتُهُ **اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ** اَيْ غَيْرِهِ **مُلْتَحَدًا**۝ مُلْتَجَأً **اِلَّا بَلٰغًا** اِسْتِثْنَاءٌ مِنْ مَفْعُوْلِ اَمْلِكُ لَكُمْ اَلَا الْبَلَاغَ اِلَيْكُمْ **مِّنَ اللّٰهِ** اَيْ عَنْهُ **وَرِسٰلٰتِهٖ** عَطْفٌ عَلٰى بَلَاغًا وَمَا بَيْنَ الْمُسْتَثْنٰى مِنْهُ وَالْاِسْتِثْنَاءِ اِعْتِرَاضٌ لِتَاكِيْدِ نَفْيِ الْاِسْتِطَاعَةِ **وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ** فِي التَّوْحِيْدِ فَلَمْ يُؤْمِنْ **فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ** حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ مَنْ فِيْ لَهُ رِعَايَةً لِمَعْنَاهَا وَهِيَ حَالٌ مُقَدَّرَةٌ وَالْمَعْنٰى يَدْخُلُوْنَهَا مُقَدَّرًا خُلُوْدُهُمْ **فِيْهَآ اَبَدًا**۝ **حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا** حَتّٰى اِبْتِدَائِيَّةٌ فِيْهَا لِمُقَدَّرٍ قَبْلَهَا اَيْ لَا يَزَالُوْنَ عَلٰى كُفْرِهِمْ اِلٰى اَنْ يَرَوْا **مَا يُوْعَدُوْنَ** مِنَ الْعَذَابِ **فَسَيَعْلَمُوْنَ** عِنْدَ حُلُوْلِهِ بِهِمْ يَوْمَ بَدْرٍ اَوْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ **مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا**۝ اَعْوَانًا اَهُمْ اَمِ الْمُؤْمِنُوْنَ عَلَى الْقَوْلِ الْاَوَّلِ اَوْ اَنَا اَمْ هُمْ عَلَى الثَّانِيْ فَقَالَ بَعْضُهُمْ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ فَنَزَلَ **قُلْ اِنْ** اَيْ مَا **اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ** مِنَ الْعَذَابِ **اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا**۝ غَايَةً وَاَجَلًا لَا يَعْلَمُهُ اِلَّا هُوَ **عٰلِمُ الْغَيْبِ** مَا غَابَ بِهِ عَنِ الْعِبَادِ **فَلَا يُظْهِرُ** يُطْلِعُ **عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا**۝ مِنَ النَّاسِ **اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ** مَعَ اِطْلَاعِهِ عَلٰى مَا شَاءَ مِنْهُ مُعْجِزَةً لَهُ **يَسْلُكُ** يَجْعَلُ وَيُسَيِّرُ **مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ** اَيِ الرَّسُوْلِ **وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا**۝ مَلَائِكَةً

يَحْفَظُوْنَهٗ حتّٰى يُبَلِّغَهٗ فِى جُمْلَةِ الوَحْيِ **لِّيَعْلَمَ** اللّٰهُ عِلْمَ ظُهُوْرٍ **اَنْ** مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ اَىْ انه **قَدْ اَبْلَغُوْا** اَىِ الرُّسُلُ **رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ** رُوْعِىَ بِجَمْعِ الضَّمِيْرِ مَعْنٰى مَنْ **وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ** عَطْفٌ عَلٰى مُقَدَّرٍ اَىْ فَعَلِمَ ذٰلِكَ **وَاَحْصٰى كُلَّ شَىْءٍ عَدَدًا**۝ تَمْيِيْزٌ وَهُوَ مُحَوَّلٌ عَنِ المَفْعُوْلِ والاَصْلُ اَحْصٰى عَدَدَ كُلِّ شَىْءٍ.

ترجمہ: کفار کی اس بات کے جواب میں کہ آپ اپنی اس تبلیغ سے باز آجائیے آپ نے جواباً فرمایا ایک قراءت میں قُل ہے، میں تو اپنے رب ہی کو معبود ہونے کے اعتبار سے پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا آپ کہہ دیجئے میں تمہارے نفع نقصان کا مالک نہیں آپ کہہ دیجئے کہ مجھے ہرگز کوئی اللہ سے (یعنی) اس کے عذاب سے اگر میں اس کی نافرمانی کروں نہیں بچا سکتا اور میں اس کے علاوہ ہرگز کوئی جائے پناہ نہیں پاتا مگر میرا کام اللہ کی بات اور اس کے پیغامات پہنچا دینا ہے اِلّا بلاغًا، اَمْلِکُ کے مفعول سے استثناء ہے یعنی میں تمہارے لئے سوائے اللہ کی طرف سے پیغام پہنچانے کے کسی چیز کا مالک نہیں وَرِسَالاتِہٖ کا عطف بلاغًا پر ہے اور مستثنیٰ منہ اور استثناء کے درمیان استطاعت کی نفی کی تاکید کے لئے جملہ معترضہ ہے، اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی توحید میں نافرمانی کرے گا کہ ایمان نہ لائے گا، اس کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا خالدین مَنْ کی طرف لوٹنے والی لَہٗ کی ضمیر سے معنی کے اعتبار سے حال ہے اور یہ حال مقدرہ ہے معنی یہ ہیں کہ اس میں داخل ہوں گے حال یہ کہ ان کے لئے جہنم میں داخلہ ہمیشہ کے لئے مقدر ہو چکا ہے، یہ لوگ اپنے کفر پر قائم رہیں گے حتی کہ اس عذاب کو دیکھ لیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے حتّٰی ابتدائیہ ہے اس میں (مغیا) مقدر کی غایت کے معنی ہیں تقدیر عبارت یہ ہے لا یَزَالُونَ علیٰ کفرھم الی انْ یَرَوْا سو بدر کے دن یا قیامت کے دن جب یہ اس میں داخل ہوں گے تو عنقریب سب معلوم ہو جائے گا کہ کس کا مددگار کمزور اور کس کی جماعت کم ہے، وہ یا مسلمان، اول قول (بدر) کی صورت میں یا میں یا وہ، ثانی قول (قیامت) کی صورت میں تو ان میں سے بعض نے کہا یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ تو (قُلْ اِنْ اَدْرِیْ) نازل ہوئی (آپ) کہہ دیجئے مجھے معلوم نہیں کہ جس عذاب کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ قریب ہے یا اس کے لئے میرا رب مدت بعید مقرر کرے گا جس کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا غیب (یعنی) جو بندوں سے غائب ہے کا جاننے والا ہے اور وہ اپنے غیب پر کسی شخص کو مطلع نہیں کرتا مگر اس رسول کو جس کو وہ پسند کرے، مگر جس رسول کو چاہے بطور معجزہ مطلع کر دیتا ہے اس کو اطلاع کرنے کے باوجود اس قاصد کے آگے پیچھے محافظ فرشتے بھیج دیتا ہے کہ وہ اس کی حفاظت کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ فرشتہ اس وحی کو مجملہ وحی کے پہنچا دیتا ہے تاکہ اللہ علم ظہور کے طور پر جان لے کہ ان فرشتوں نے اپنے پروردگار کے پیغام (رسول تک بحفاظت) پہنچا دیا اَنْ مخففہ عن الثقیلہ ہے اَیْ اَنَّہٗ ضمیر کے جمع لانے میں مَنْ کے معنی کی رعایت کی گئی ہے اور اللہ ان (پہرہ داروں) کے احوال کا احاطہ کئے ہوئے ہے (وَاَحَاطَ) کا عطف مقدر پر ہے ای فَعَلِمَ ذٰلِکَ وَاَحَاطَ اور اس کو ہر چیز کی گنتی معلوم ہے (عددًا) تمیز ہے اور یہ مفعول سے منقول ہے اور اصل اَحْصٰی عدد کُلِّ شیٍٔ ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: [illegible] یا کہ اَدْعُوْا بمعنی اَعْتَقِدُ ہے جو متعدی بدو مفعول ہے دوسرا مفعول اِلٰهًا ہے، اگر اَعْتَقِدُ کے معنی میں ہو تو اِلٰهًا مقدر ماننے کی ضرورت نہیں۔

قولہ: [illegible]
[illegible] نفی استطاعت کی تاکید کے لئے ہے۔

قولہ: [illegible]

قولہ: [illegible]
[illegible] میں کمزور ہوں یا وہ۔

تنبیہ: [illegible] دونوں صورتوں میں دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔

قولہ: [illegible]

قولہ: [illegible]

قولہ: ماغاب بہ عن العباد، [illegible] تو مناسب ہے۔

تفسیر و تشریح

قُلْ اِنِّیْ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا [illegible] مجھے تمہاری گمراہی یا نفع و نقصان کا اختیار نہیں ہے میں تو صرف اس کا بندہ [illegible] اللہ نے وحی رسالت کے [illegible]

اِلَّا بَلَاغًا الخ یہ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ سے مستثنیٰ ہے [illegible] سے مستثنیٰ ہو یعنی مجھے اللہ (کے عذاب) سے اگر کوئی چیز بچا سکتی ہے [illegible] جس کی ادائیگی اللہ نے [illegible]
رسالاتہ [illegible]

قُلْ اِنْ اَدْرِیْ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ [illegible]
فرمایا کہ آپ ان منکرین سے جو آپ [illegible]
قیامت کا [illegible]
[illegible] یا میرا رب اس کے لئے کوئی دور کی مدت مقرر کرے گا دوسری آیت میں [illegible] عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ اَحَدًا یعنی قیامت کے وقت معین سے میری [illegible]

سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ عِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ او اِلَّا قَوْلَهُ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اِلٰى اٰخِرِهَا فَمَدَنِيٌّ تِسْعَ عَشْرَةَ او عِشْرُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ مزمل مکی ہے، یا، سوائے اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ آخر تک مدنی ہے، انّیس یا بیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ يٰاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿١﴾ النَّبِيُّ وَاَصْلُهُ الْمُتَزَمِّلُ اُدْغِمَتِ التَّاءُ فِي الزَّايِ اَيِ الْمُتَلَفِّفُ بِثِيَابِهٖ حِيْنَ مَجِيْءِ الْوَحْيِ لَهٗ خَوْفًا مِنْهُ لِهَيْبَتِهٖ قُمِ الَّيْلَ صَلِّ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٢﴾ نِّصْفَهٗ بَدَلٌ مِنْ قَلِيْلًا وَقِلَّتُهُ بِالنَّظَرِ اِلَى الْكُلِّ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ مِنَ النِّصْفِ قَلِيْلًا ﴿٣﴾ اِلَى الثُّلُثِ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ اِلَى الثُّلُثَيْنِ واو لِلتَّخْيِيْرِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَثَبَّتْ فِي تِلَاوَتِهٖ تَرْتِيْلًا ﴿٤﴾ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا قُرْاٰنًا ثَقِيْلًا ﴿٥﴾ مَهِيْبًا او شَدِيْدًا لِمَا فِيْهِ مِنَ التَّكَالِيْفِ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ الْقِيَامَ بَعْدَ النَّوْمِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً مُوَافَقَةَ السَّمْعِ لِلْقَلْبِ عَلٰى تَفَهُّمِ الْقُرْاٰنِ وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ﴿٦﴾ اَبْيَنُ قَوْلًا اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ﴿٧﴾ تَصَرُّفًا فِيْ اَشْغَالِكَ لَا تَفْرُغُ فِيْهِ لِتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ اَيْ قُلْ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فِي ابْتِدَاءِ قِرَاءَتِكَ وَتَبَتَّلْ انْقَطِعْ اِلَيْهِ فِي الْعِبَادَةِ تَبْتِيْلًا ﴿٨﴾ مَصْدَرُ بَتَّلَ جِيْءَ بِهٖ رِعَايَةً لِلْفَوَاصِلِ وَهُوَ مَلْزُوْمُ التَّبَتُّلِ هُوَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ﴿٩﴾ مَوْكُوْلًا لَهٗ اُمُوْرَكَ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ اَيْ كُفَّارُ مَكَّةَ مِنْ اَذَاهُمْ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ﴿١٠﴾ لَا جَزَعَ فِيْهِ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِقِتَالِهِمْ وَذَرْنِيْ اُتْرُكْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ عَطْفٌ عَلَى الْمَفْعُوْلِ اَوْ مَفْعُوْلٌ مَعَهٗ وَالْمَعْنٰى اَنَا كَافِيْكَهُمْ وَهُمْ صَنَادِيْدُ قُرَيْشٍ اُولِي النَّعْمَةِ التَّنَعُّمِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ﴿١١﴾ مِنَ الزَّمَنِ فَقُتِلُوْا بَعْدَ يَسِيْرٍ مِنْهُ بِبَدْرٍ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا قُيُوْدًا ثِقَالًا جَمْعُ

بكسر النون وَجَحِيمًا نارًا مُحرقةً وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ يُغصّ به في الحلق وهو الزَّقُّوم او الضريع او الغسلين او شوكٌ من نار لا يخرج ولا ينزل وَعَذَابًا أَلِيمًا مؤلمًا زيادةً على ما ذكر لمن كذّب النبيَّ صلّى الله عليه وسلم يَوْمَ تَرْجُفُ تزلزلُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا رملًا مجتمعًا مَهِيلًا سائلًا بعد اجتماعه وهو من هال يهيل واصلُهُ مَهْيُوْلٌ اُسْتُثْقِلَت الضمّةُ على الياء فنقلت الى الهاء وحُذِفَتْ الواوُ ثاني السَّاكِنَيْنِ لزيادتها وقُلِبَت الضمّةُ كسرةً لمجانسة الياء إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ يا اهل مكة رَسُولًا هو محمدٌ صلّى الله عليه وسلم شَاهِدًا عَلَيْكُمْ يوم القيامة بما يَصْدُرُ مِنْكُمْ مِنَ الْعِصْيَانِ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا وهو موسى عليه الصلوة والسلام فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلًا شديدًا فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِنْ كَفَرْتُمْ في الدنيا يَوْمًا مفعولُ تتقون اي عذابَهُ اي بايّ حصنٍ تتحصّنون من عذاب يومٍ يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا جمعُ اشيب لشدّة هوله وهو يومُ القيامة والاصل في شين شيبًا الضمُّ وكُسِرَتْ لمجانسة الياء ويقال في اليوم الشديد يومٌ يُشيبُ نواصي الاطفال وهو مجازٌ ويجوزُ أن يكونَ المرادُ في الآية الحقيقة السَّمَاءُ مُنْفَطِرٌ ذاتُ انفطارٍ اي انشقاق بِهِ بذلك اليوم لشدّته كَانَ وَعْدُهُ تعالى بمجيء ذلك مَفْعُولًا اي هو كائنٌ لا محالة إِنَّ هَٰذِهِ الآيات المخوفة تَذْكِرَةٌ عظةٌ للخلق فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا طريقًا بالايمان والطاعة

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، اے کپڑے میں لپٹنے والے نبی! (مُزَّمِّل) کی اصل متزمل تھی، تاء کو زاء میں ادغام کردیا گیا، یعنی آپ پر وحی کے نازل ہونے کے وقت وحی کی ہیبت کے خوف سے کپڑوں میں لپٹنے والے! رات کو قیام کر یعنی نماز پڑھا کر مگر کم، آدھی رات (نصفہٗ) قلیلاً سے بدل ہے اور نصف کا قلیل ہونا پوری رات کے اعتبار سے ہے، یا اس سے یعنی نصف سے، کبھی کچھ کم کرلے ثلث رات تک یا اس پر (دو تہائی تک) زیادہ کرلے، او تخییر کے لئے ہے، اور قرآن خوب صاف صاف اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ ہم تم پر ایک بھاری کلام قرآن نازل کرنے والے ہیں یعنی بارعب کلام یا شدید، اس لئے کہ اس میں احکام تکلیفیہ ہیں، بلاشبہ سونے کے بعد (رات) کو اٹھنا قرآن فہمی کے لئے دل و کان کی موافقت کی وجہ سے نہایت موثر ہے اور بات کو خوب واضح اور صاف کرنے والا ہے یقیناً آپ کو دن میں بہت شغل رہتا ہے جس کی وجہ سے آپ ﷺ کو تلاوت قرآن کی فرصت نہیں ہوتی، تو اپنے رب کا نام لے، یعنی اپنی قراءت کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ اور سب سے تعلق منقطع کرکے عبادت میں اس کی طرف پوری طرح متوجہ ہوجا، تبتیلاً، بَتَّلَ کا مصدر ہے اس کو فواصل کی رعایت سے لایا گیا ہے، یہ تبتّل کا ملزوم ہے، وہ مشرق و مغرب کا پروردگار ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کو اپنا کارساز بنالو یعنی اپنے تمام امور اسی کو سپرد کردو اور جو کچھ کفار مکہ ایذارسانی کی باتیں

کرتے ہیں آپ ﷺ ان پر صبر کریں اور وضع داری کے ساتھ اس سے الگ ہو جاؤ کہ جس میں جزع وفزع نہ ہو، یہ حکم جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے اور مجھے اور جھٹلانے والے آسودہ حال لوگوں کو چھوڑ دے (والمكذبين) کا عطف (ذرنی) کے مفعول پر ہے یا یہ مفعول معہٗ ہے، اور معنی یہ ہیں کہ میں ان کے لئے تمہاری طرف سے کافی ہوں اور وہ سرداران قریش ہیں، اور انہیں تھوڑے دن اور مہلت دو، چنانچہ کچھ ہی مدت کے بعد بدر میں وہ قتل کئے گئے بلاشبہ ہمارے پاس بھاری بیڑیاں ہیں، انکال، نِکل نون کے کسرہ کے ساتھ کی جمع ہے، اور دہکتی ہوئی آگ ہے، اور گلے میں پھنسنے والا کھانا ہے یعنی وہ گلے میں اٹک جاتا ہے، اور وہ زقوم ہے یا ضریع ہے یا پیپ ہے یا آگ کے کانٹے، نہ (باہر) نکلیں گے اور نہ (نیچے) اتریں گے، اور دردناک عذاب ہے جو عذاب نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرنے والے کے لئے ذکر کیا گیا ہے، یہ اس سے زیادہ ہے جس روز زمین اور پہاڑ ہلنے لگیں گے اور پہاڑ ریت کے ٹیلوں کی مانند ان کے جمع ہونے کے بعد اڑتے ہوئے غبار کے مانند ہو جائیں گے (مَهِيْلًا) هال يهيل سے ہے اس کی اصل مَهْيُوْلٌ ہے، یاء پر ضمہ ثقیل ہونے کی وجہ سے ھا کی طرف منتقل کر دیا اور واؤ ثانی، التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف ہو گیا، اس کے زائد ہونے کی وجہ سے اور ضمہ کو یاء کی مناسبت کی وجہ سے کسرہ سے بدل دیا گیا، اے اہل مکہ! ہم نے تمہارے پاس ایک ایسا رسول بھیجا ہے اور وہ محمد ﷺ ہیں جو قیامت کے دن تمہارے خلاف گواہی دے گا ان گناہوں پر جو تم سے صادر ہوتے ہیں، جیسا ہم نے فرعون کے پاس ایک رسول بھیجا تھا اور وہ موسیٰ علیہ السلام ہیں، پھر فرعون نے اس رسول کی بات نہ مانی تو ہم نے اس کی سخت پکڑ کی سو اگر تم دنیا میں کفر کرو گے تو اس دن (کی مصیبت) سے کیسے بچو گے؟ جو بچوں کو اپنی ہولناکی کی وجہ سے بوڑھا کر دے گا اور وہ قیامت کا دن ہے، شِيبًا، اَشْيَبُ کی جمع ہے اور اصل میں شُيْبٌ کے شین پر ضمہ ہے یاء کی مناسبت کی وجہ سے کسرہ دے دیا ہے اور یوم شدید کے بارے میں کہا جاتا ہے "يوم يشيبُ نواصی الأطفال" ایسا دن کہ جس میں بچوں کے بال سفید ہو جائیں گے اور یہ مجاز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ آیت میں حقیقت مراد ہو (اور جس دن میں) آسمان پھٹ جائے گا یعنی اس میں اس دن شگاف ہو جائیں گے بے شک اس دن کے آنے کا اس کا وعدہ ضرور پورا ہونے والا ہے بلاشبہ یہ ڈرانے والی آیتیں مخلوق کے لئے نصیحت ہیں پس جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ اختیار کرے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: يٰاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ یہ آنحضرت ﷺ کو خطاب ہے۔

قَوْلُہٗ: الْمُزَّمِّلُ، ای المتلفِّفُ بثيابه، اپنے کپڑوں میں لپٹنے والے، مفسر علام نے یہی معنی مراد لئے ہیں، کہا گیا ہے کہ مُزَمِّلٌ بمعنی حامل النبوة یا بمعنی حامل القرآن ہیں، زَامِلَةٌ، اونٹنی کو کہتے ہیں اس لئے کہ وہ بہت زیادہ وزن اٹھاتی ہے، اب يٰاَيُّهَا المزمّلُ کا مطلب ہوگا اے حامل نبوۃ یا اے حامل قرآن ارات کو اٹھ، یہ آپ ﷺ کے اسماء توقیفی میں سے ہے

آپ ﷺ کیلئے قرآن میں مزمل کا لفظ استعمال ہوا ہے لہٰذا آپ پر مزمل کا اطلاق صحیح ہے سُہَیلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس میں اختلاف کرتے ہوئے کہا ہے کہ مزمل کا اطلاق آپ ﷺ پر بطور اسم درست نہیں ہے، اس لئے کہ یہ آپ ﷺ کی ایک وقتی حالت سے مشتق ہے، مگر یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ وقتی حالت سے بھی اسم کا اطلاق درست ہے، آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک وقتی حالت سے اسم کا اطلاق فرمایا ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک روز زمین پر لیٹے ہوئے تھے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلو پر مٹی لگی ہوئی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا "قُم یا ابا تراب" (صاوی ملخصًا واضافة)

قِوْلَهُ: قِلَّتُهُ بالنظر الی الکلّ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: نصف، نصف کے مساوی ہوتا ہے، ایک نصف کو دوسرے نصف سے قلیل کہنا درست نہیں ہے، حالانکہ یہاں "اِلَّا قلیلًا نصفهٗ" کہا گیا ہے۔

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ نصف کو قلیل کل کے اعتبار سے کہا گیا ہے، یعنی پوری رات قیام کرنے کے مقابلہ میں نصف شب، قیام قلیل ہے۔

قِوْلَهُ: نِصْفَهٗ یہ قلیلًا سے بدل ہے نہ کہ لیلًا سے مطلب یہ کہ آپ ﷺ کو تین باتوں میں اختیار دیا گیا، نصف میں، نصف سے کم میں، نصف سے زیادہ میں۔

قِوْلَهُ: اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا یہ جملہ امر بالقیام اور اس کی علت کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

قِوْلَهُ: اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّیْلِ امر بالقیام کی علت ہے۔

قِوْلَهُ: وَطْأً بمعنی تکلیف، مشقت، دشواری، ایک قراءت میں وِطَاءٌ، مُواطاۃٌ (مفاعلة) سے مصدر ہے بمعنی موافقت یعنی سننے کی سمجھنے سے موافقت، کانوں کی دل کے ساتھ موافقت۔

قِوْلَهُ: جیئَ به رِعَایَةً لِلْفَوَاصِلِ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: تَبْتِیْلًا، تَبَتَّلَ کا مصدر بلفظہٖ نہیں ہے، جبکہ مصدر بلفظہٖ تبتّل، تَبَتُّلًا ہونا چاہئے؟

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ فواصل کی رعایت کی وجہ سے مصدر دوسرے باب کا لایا گیا ہے۔

قِوْلَهُ: هُوَ مَلْزُوْمُ التَّبَتُّلِ اس کا مقصد بھی سوال مذکور کا جواب ہے، مگر پہلا جواب باعتبار لفظ کے ہے اور یہ باعتبار معنی کے، اس کا خلاصہ یہ ہے تَبْتِیْل جو کہ بَتَّلَ کا مصدر ہے، بول کر مراد اس سے تَبَتُّل ہے، تَبَتُّلْ بَتَّلَ کا ملزوم ہے یعنی لازم بول کر ملزوم مراد لیا گیا ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، جیسے تَکَرَّمَ تکریمًا، وتعلَّمَ تعلیمًا.

قِوْلَهُ: هُوَ رَبُّ المشرقِ والمغرب، هُوَ کا اضافہ کرکے اشارہ کر دیا کہ ربُّ المشرقِ مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور رَبِّكَ سے بدل ہونے کی وجہ سے مجرور بھی جائز ہے۔

قِوْلَهُ: ضریع، نوعٌ من الشوكِ لا تَرْعَاهُ دَابَّةٌ لِخبثِهٖ ایک قسم کی کانٹے دار گھاس ہے جسے کوئی جانور نہیں کھاتا، سوائے

اٹ سے اور امانت کی اس وقت تک رہتا ہے جب تک وہ باقی رہتی ہے، روح میں اس وامانت کو رکھا جاتا ہے۔

(ترویح الارواح)

قولہ: زیادۃ علی ما ذُکر لمن کذب النبی ﷺ، قبل میں ان لدینا انکالا الخ تک جہنم کے جس عذاب کا ذکر فرمایا ہے اب عـذابـا الیـمـا کہہ کر مبہم طریقہ پر اس کے علاوہ دوسرے عذاب کا ذکر فرمایا جو آنحضرت ﷺ کی تکذیب کرنے والوں کے لئے ہوگا۔

قولہ: یوم ترجُفُ یہ فعل محذوف کا ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ای استقرَّ بهم عندنا ما ذُکر یوم ترجُفُ

قولہ: مفعول تتقون، یوما حذف مضاف کے ساتھ تتقون کا مفعول ہے ای تتقون عذاب یوم یا حذف جار کی وجہ سے بھی منصوب ہو سکتا ہے، اصل میں بیوم تھا ای بیوم یجعلُ الولدان شیبا

قولہ: ویجوزُ ان یکون المرادُ فی الآیة الحقیقة یعنی یوما یجعلُ الولدان شیبا سے مراد درازی مدت کی مراد ہو سکتی ہے، اور حقیقی معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں یعنی حقیقۃً بچے بوڑھے ہو جائیں گے۔

تَفْسِيْرُوتَشْرِيْح

یا ایّها المزَّمّل، جس وقت یہ آیات نازل ہوئیں آپ ﷺ چادر اوڑھے لیٹے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے مشفقانہ خطاب فرمایا، خطاب یہ ہے کہ آپ چادر چھوڑیں اور رات کو تھوڑا قیام کریں، یعنی تہجد کی نماز پڑھیں، کہا جاتا ہے کہ اسی حکم کی وجہ سے آپ ﷺ پر تہجد فرض کیا گیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تہجد کی نماز آپ ﷺ پر واجب تھی، ایک سال بعد جب سورت کا آخری حصہ نازل ہوا تو تہجد کی فرضیت منسوخ کردی گئی، غار حرا میں نبی کریم ﷺ پر جب جبرائیل امین علیہ السلام نازل ہوئے اور سورۂ اقرأ کی ابتدائی آیتیں آپ ﷺ کو سنائیں، تو فرشتے کے نزول وحی کی شدت سے آپ ﷺ کو چونکہ پہلی مرتبہ سابقہ پڑا تھا، اس لئے طبعی طور پر آپ ﷺ پر خوف طاری ہوا جس کی وجہ سے آپ ﷺ کو سردی محسوس ہوئی، آپ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے، سردی کی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا زملونی، زملونی یعنی مجھے چادر اڑھا دو، اس کے بعد کچھ مدت تک نزول وحی کا سلسلہ بند رہا، اس زمانہ کو فترت کا زمانہ کہا جاتا ہے، فترت وحی کے زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک روز میں چلا جا رہا تھا کہ اچانک میں نے آواز سنی تو میں نے نظر آسمان کی طرف اٹھائی، دیکھتا کیا ہوں کہ وہی فرشتہ جو غار حرا میں میرے پاس آیا تھا آسمان اور زمین کے درمیان ایک معلق کرسی پر بیٹھا ہوا ہے، اس کو دیکھ کر مجھ پر پھر وہی رعب وہیبت کی کیفیت طاری ہوگئی جو پہلی ملاقات کے وقت طاری ہو چکی تھی، میں واپس گھر چلا آیا اور گھر والوں سے میں نے کہا مجھے ڈھانپ دو، اس پر یاایّها المدثر نازل ہوئی، اس حدیث میں آیت یاایّها المدثر کے نزول کا ذکر ہے، ہو سکتا ہے اسی حالت کو بیان کرنے کے لئے یاایّها المزمّل کا خطاب بھی آیا ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یاایّها المزمّل کسی اور وقت کا واقعہ الگ ہو۔

اس آیت میں قیام لیل یعنی تہجد کی نماز کو صرف فرض ہی نہیں کیا گیا بلکہ اس میں کم از کم ایک چوتھائی رات مشغول رہنا بھی فرض قرار دیا گیا ہے، امام بغوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ روایت حدیث کی بنا پر فرماتے ہیں کہ اس حکم کی تعمیل میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُم رات کے اکثر حصہ کو نماز تہجد میں صرف فرماتے تھے حتی کہ ان کے قدم ورم کر جاتے، ایک سال بعد اس سورت کا آخری حصہ فاقْرءُوْا ما تیسّر منه نازل ہوا جس سے اس طویل قیام کی پابندی منسوخ کر دی گئی، اور اختیار دے دیا گیا کہ جتنی دیر کسی کے لئے آسان ہو سکے اتنا وقت صرف کرنا کافی ہے۔ (معارف)

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا، مطلب یہ ہے کہ تم کو رات کی نماز کا حکم اس لئے دیا جا رہا ہے کہ ایک بھاری کام ہم آپ ﷺ پر نازل کرنے والے ہیں جس کا بار اٹھانے کے لئے آپ ﷺ میں تحمل کی صلاحیت پیدا ہونی ضروری ہے اور یہ طاقت اسی طرح حاصل ہو سکتی ہے کہ راتوں کو اپنا آرام چھوڑ کر نماز کے لئے اٹھو اور آدھی آدھی رات یا کچھ کم وبیش عبادت میں گذارا کرو، قرآن کو بھاری کام اس بنا پر بھی کہا گیا کہ اس کے احکام پر عمل کرنا، اس کی تعلیم کا نمونہ بن کر دکھانا، اس کی دعوت لے کر ساری دنیا کے مقابلہ میں اٹھنا اور اس کے مطابق عقائد وافکار، اخلاق وآداب اور تہذیب وتمدن کے پورے نظام میں انقلاب برپا کر دینا، ایک ایسا کام ہے جس سے بڑھ کر کسی بھاری کام کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّیْلِ ھِیَ اَشَدُّ، اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ رات کو عبادت کے لئے اٹھنا اور دیر تک کھڑے رہنا چونکہ طبیعت پر بار ہوتا ہے کیوں کہ نفس اس وقت آرام کا طالب ہوتا ہے اس لئے یہ عمل ایک ایسا مجاہدہ ہے جو نفس کو دبانے اور اس پر قابو پانے کی بڑی زبردست تاثیر رکھتا ہے اس مجاہدہ کے بعد جو ایک روحانی قوت پیدا ہوتی ہے اور وہ اس طاقت کو خدا کے احکام میں استعمال کرے گا تو زیادہ مضبوطی کے ساتھ دین حق کی دعوت کو دنیا میں غالب کرنے کے لئے کام کر سکتا ہے۔

دوسرا مطلب یہ کہ دل وزبان کے درمیان موافقت پیدا کرنے کا یہ بڑا موثر ذریعہ ہے کیونکہ رات کے ان اوقات میں بندے اور خدا کے درمیان کوئی دوسرا حائل نہیں ہوتا۔

تیسرا مطلب یہ کہ یہ آدمی کے ظاہر وباطن میں مطابقت پیدا کرنے کا بڑا کارگر ذریعہ ہے کیونکہ رات کی تنہائی میں جو شخص اپنا آرام چھوڑ کر عبادت کے لئے اٹھے گا وہ لامحالہ اخلاص ہی کی بنا پر ایسا کرے گا، اس میں ریاکاری کا سرے سے کوئی موقع ہی نہیں ہے۔

اِنَّ لَكَ فِی النَّھَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا، یہاں سَبْح سے دن بھر کے مشاغل مراد ہیں جن میں تعلیم تبلیغ، اصلاح خلق یا معاشی مصالح کے لئے چلنا پھرنا داخل ہے، مذکورہ مشاغل کی وجہ سے دن میں عبادت کے لئے وقت نکالنا دشوار ہوتا ہے، اس کے علاوہ شور وشغب کی وجہ سے یکسوئی میں خلل پڑنے کا اندیشہ بھی رہتا ہے، رات کا وقت اس کام کے لئے نہایت موزوں ومناسب ہے لہٰذا بقدر ضرورت آرام کے ساتھ قیام لیل کی عبادت بھی یکسوئی اور اطمینان قلبی کے ساتھ ہو جائے گی۔

فَائِدَہ: حضرات فقہاء نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ علماء ومشائخ جو تعلیم وتربیت اور اصلاح خلق کی خدمت میں لگے رہتے ہیں ان کو بھی چاہئے کہ یہ کام دن ہی تک محدود رکھیں، رات کا وقت اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری اور عبادت کے

فارغ رکھنا بہتر ہے، جیسا کہ علماء سلف کا معمول رہا ہے، اتفاقی اہم ضرورت اس سے مستثنیٰ ہے۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا، دن کے اوقات کی مصروفیتوں کے ذکر کرنے کے بعد یہ ارشاد ہے کہ اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کرو، اس سے یہ مفہوم خود بخود ظاہر ہوتا ہے کہ دن میں ہر طرح کے کاموں میں مشغول رہنے کے بعد بھی اپنے رب کی یاد سے کبھی غافل نہ ہوئے اور کسی نہ کسی شکل میں اس کا ذکر کرتے رہے، ذکر لسانی کا کسی کام میں مخل نہ ہونا صاف ظاہر ہے نہ اس کے لئے کسی مخصوص وقت کی ضرورت، نہ طہارت کی اور نہ کسی مخصوص ہیئت کی اور اگر بعض اوقات ذکر لسانی ممنوع ہو مثلاً بیت الخلاء وغیرہ کی حالت میں تو ذکر خیالی یعنی خدا کی کائنات اور اس کی قدرت میں غور و فکر کرنا کسی وقت بھی ممنوع نہیں۔

وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا، تَبَتُّلْ کے معنی انقطاع اور علیحدگی کے ہیں، یعنی اللہ کی عبادت اور دعاء و مناجات کے لئے یکسو اور ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ، یہ رہبانیت سے بالکل الگ اور مختلف چیز ہے رہبانیت تو تجرد اور ترک دنیا کا نام ہے جو اسلام میں ناپسندیدہ چیز ہے، تبتُّل کا مطلب ہے امور دنیا کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ عبادت اور خشوع و خضوع اور اللہ کی طرف یکسوئی جو محمود اور مطلوب ہے۔

وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا، الگ ہو جاؤ، اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان سے مقاطعہ کر کے اپنی تبلیغ بند کر دو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے منہ نہ لگو، ان کی بے ہودگیوں کو بالکل نظر انداز کر دو اور ان کی کسی بدتمیزی کا جواب نہ دو پھر یہ احتراز بھی کسی غم اور غصے اور جھنجھلاہٹ کے ساتھ نہ ہو بلکہ اس طرح ہو جس طرح کہ ایک شریف انسان کسی بازاری آدمی کی گالی سن کر اسے نظر انداز کر دیتا ہے اور دل پر میل تک نہیں آنے دیتا اور سمجھ لیتا ہے کہ وہ گالی مجھے نہیں کسی اور کو دے رہا ہے، اگرچہ آپ ﷺ مذکورہ تمام باتوں پر پہلے سے عمل پیرا تھے پھر بھی حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ بھی آپ ﷺ اسی طرز عمل پر قائم رہیں اور ادھر مشرکوں کو یہ پیغام دینا مقصود ہے کہ آپ ﷺ کا نظر انداز کرنا کچھ مجبوری یا بزدلی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ شرافت کی وجہ سے ہے، تم اس شرافت کو بزدلی نہ سمجھو۔

وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ الخ ان الفاظ میں صاف اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ مکہ میں دراصل جو لوگ رسول اللہ ﷺ کو جھٹلا رہے تھے اور طرح طرح کے فریب دے کر، تعصبات کو ابھار کر، عوام کو آپ ﷺ کی مخالفت پر آمادہ کر رہے تھے، وہ قوم کے کھاتے پیتے اور خوشحال لوگ تھے کیونکہ اسلام کی اس دعوت اصلاح کی براہ راست زد، ان کے مفادات پر پڑ رہی تھی، قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ یہ معاملہ صرف رسول اللہ ﷺ ہی کے ساتھ خاص نہ تھا بلکہ ہمیشہ یہی گروہ، اصلاح کی راہ روکنے کے لئے سنگ گراں بن کر حائل ہوتا رہا ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى اَقَلَّ مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ بالجر عطف على ثلثي وبالنصب

عطفٌ على أدنى وقيامُهُ كذلكَ نحو ما أُمِرَ به اوّلَ السُّورة. **وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ** عطفٌ على ضميرِ تقُومُ وجازَ مِنْ غيرِ تاكيدٍ للفصْلِ وقيامُ طائفةٍ مِنْ اصحابه كذلكَ للتّأسّي به ومنْهُمْ مَنْ كان لا يدري كمْ صلّى من الليلِ وكمْ بقي منهُ فكان يقُومُ الليلَ كلَّهُ احتياطًا فقامُوا حتى انتفختْ اقدامُهُمْ سنةً او اكْثر فخفّف عنهُمْ قال اللهُ تعالى **وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ** يُحصي **الَّيْلَ وَالنَّهَارَ عَلِمَ اَنْ** مُخفّفةٌ من الثّقيلةِ واسْمُها محذُوفٌ اي انّهُ **لَّنْ تُحْصُوْهُ** اي الليلَ لتقُومُوا فيما يجبُ القيامُ فيه الا بقيام جميعه وذلك يَشُقُّ عليكُمْ **فَتَابَ عَلَيْكُمْ** رجعَ بكُمْ الى التّخفيف **فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ** في الصّلاةِ بانْ تُصلُّوا ما تيسّر **عَلِمَ اَنْ** مُخفّفةٌ من الثّقيلةِ اي انّهُ **سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ** يُسافرُون **يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ** يطلُبُونَ من رزْقه بالتّجارة وغيرِها **وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** وكُلٌّ من الفرق الثّلاثِ يشُقُّ عليهِمْ ما ذُكر في قيام الليلِ فخفّف عنْهُمْ بقيامِ ما تيسّر منْهُ ثُمّ نُسخَ ذلكَ بالصّلواتِ الخمْسِ **فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ** كما تقدّم **وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ** المفرُوضةَ **وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ** بانْ تُنفقُوا ما سوى المفرُوضِ من المالِ في سبيلِ الخيرِ **قَرْضًا حَسَنًا** عنْ طيبِ قلبٍ **وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا** مِمّا خلّفتُمْ وهُو فصْلٌ وما بعْدهُ وانْ لمْ يكُنْ معرفةً يُشْبِهُها لامتناعه من التّعريف **وَّاَعْظَمَ اَجْرًا وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** للمُؤْمنين.

ترجمہ: بے شک تیرا رب بخوبی جانتا ہے کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کی ایک جماعت قریب دو تہائی رات کے اور آدھی رات کے اور ایک تہائی رات کے قیام لیل کرتی ہے (ثُلُثَه) جر کی صورت میں ثُلُثَی پر عطف ہوگا اور نصب کی صورت میں اَدْنٰی پر عطف ہوگا اور آپ کا قیام لیل اول سورت میں مذکور کے مطابق ہی تھا، طائفةٌ کا عطف تَقُوْمُ کی ضمیر پر ہے، اور فصل واقع ہونے کی وجہ سے بغیر تاکید کے بھی (عطف) درست ہے، اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ایک جماعت کا قیام آپ ﷺ کی اقتداء کے طور پر اسی طریقہ پر تھا، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے بعض حضرات ایسے بھی تھے کہ ان کو اس بات کا علم نہیں ہوتا تھا کہ کتنی رات نماز میں گذر گئی اور کتنی باقی رہی جس کی وجہ سے احتیاطاً پوری رات تہجد کے لئے کھڑے رہتے تھے، وہ اسی طریقہ پر ایک سال تک یا اس سے زیادہ عمل پیرا رہے حتی کہ ان کے قدم متورم ہوگئے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے تخفیف فرمادی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور رات کا پورا اندازہ اللہ ہی کو ہے یہ بھی وہ جانتا ہے کہ تم (مقدار وقت) کو ضبط نہ کرسکو گے کہ اس میں بقدر واجب قیام کرسکو، مگر اس صورت میں کہ پوری رات کھڑے رہو، اور یہ تمہارے لئے دشوار ہوگا، تو اس نے تمہارے حال پر عنایت کی یعنی تم کو سہولت کی طرف لوٹا دیا سو (اب) تم سے جتنا قرآن نماز میں آسانی سے پڑھا جا

سے پڑھ لیا کرو یعنی جس قدر آسان ہو نماز پڑھ لیا کرو، اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ تم میں سے بعض آدمی بیمار ہوں گے (اَنْ) مخففہ عن الثقیلہ ہے یعنی انّہٗ اور بعض تلاش معاش کے لئے ملک میں سفر کریں گے یعنی تجارت وغیرہ کے ذریعہ رزق طلب کریں گے، اور بعض اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے مذکورہ تینوں فریقوں میں سے ہر ایک پر، مذکورہ طریقہ پر قیام لیل دشوار ہوگا، تو اللہ تعالیٰ نے بقدر سہولت قیام کے ذریعہ ان پر تخفیف فرما دی پھر اس کو بھی پنج وقتہ نماز کے ذریعہ منسوخ فرما دیا سو آسانی سے جتنا قرآن (نماز میں) تم سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، اور فرض نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کو اچھی طرح خوش دلی سے قرض دو اس طریقہ پر کہ فرض مقدار کے علاوہ مال میں سے خیر کے راستوں میں خرچ کرو، اور جو نیک عمل اپنے لئے آگے بھیجو گے اس کو اللہ کے پاس پہنچ کر اس سے جو تم نے پیچھے چھوڑا ہے اچھا اور ثواب میں بڑا پاؤ گے، **ھُوَ** ضمیر فصل ہے اور اس کا مابعد اگرچہ معرفہ نہیں ہے مگر مشابہ معرفہ ہے اس لئے کہ وہ تعریف سے ممتنع ہے اور اللہ سے گناہ معاف کراتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ مومنین کیلئے غفور و رحیم ہے۔

تَحقیق و تَرکیب و تَسہیل و تَفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اِنَّ رَبَّكَ یَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰی الخ یہ ابتداء سورت میں بیان کردہ حکم "قُمِ اللَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا" کے ناسخ کی تمہید ہے، اصل ناسخ "فَتَابَ عَلَیْكُمْ" ہے۔

قَوْلُہٗ: اَقَلَّ مِنْ ثُلُثَیِ اللَّیْلِ وَنِصْفِهٖ اس کا مطلب ہے کہ تیرا رب آپ ﷺ کے دو ثلث رات اور نصف رات اور ایک ثلث رات سے کم قیام لیل کو جانتا ہے، ابتداء سورت میں آپ کو دو ثلث شب سے کم اور نصف شب سے کم قیام لیل میں اختیار دیا گیا تھا، اور یہاں وادنی من ثلثہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ ثلث سے کم شب میں بھی اختیار تھا حالانکہ ایسی بات نہیں ہے اور یہ صورت نِصْفِهٖ جر کی قراءت کی صورت میں ہوگی۔

جَوَابٌ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ ادنی سے تقریب مراد ہے یعنی وہ جانتا ہے آپ ﷺ کے دو تہائی اور نصف کے اور ثلث شب کے قریب قیام لیل کو، اسی کو ادنی سے تعبیر کر دیا ہے اس لئے کہ مذکورہ مقداریں امور ظنیہ تخمینیہ میں سے ہیں اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور آپ ﷺ اسی کے مکلف تھے اور نہ اس زمانہ میں ایسا کوئی نظام تھا کہ ٹھیک ٹھیک اوقات کی تعیین کی جا سکے اسلئے کہ یہ نہایت دشوار اور مشکل کام ہے جو کہ اس ترقی یافتہ دور میں بھی بہت مشکل اور دقت طلب ہے جب کہ اس زمانہ میں گھڑی وغیرہ بھی نہیں تھیں صرف ستاروں کی رفتار سے وقت کا تعیین کرتے تھے۔

قَوْلُہٗ: وبالنصب یہ نِصْفَهٗ کی دوسری قراءت کا بیان ہے نصب کی صورت میں ادنی پر عطف ہوگا اور تقوم کا مفعول ہوگا، معنی ہوں گے تقوم نصفه تارةً وَثُلُثَهٗ تارةً اُخْرٰی نصب کی صورت ابتداء سورت میں دیئے گئے حکم کے مطابق ہوگا۔

قَوْلُهُ: وقيامُهُ كذالك نحوما أمِرَ به آپ ﷺ کا اس طرح قیام اول سورت میں بیان کردہ حکم کے مطابق ہوگا، قیامُهُ كذالك مبتداء ہے اور مَا أُمِرَ بِهِ اول السورة خبر ہے۔

قَوْلُهُ: وَطَائِفَةٌ مِنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ اس کا تَقُوْمُ کی ضمیر مرفوع متصل پر عطف ہے۔

سَوَال: ضمیر مرفوع متصل پر عطف کے لئے قاعدہ ہے کہ ضمیر مذکور پر عطف درست ہونے کے لئے ضمیر منفصل کے ذریعہ تاکید ضروری ہوتی ہے حالانکہ یہاں ایسا نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: وجاز من غير تاكيد للفصل سے مفسر علام نے اسی اعتراض کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ ضمیر مرفوع متصل پر عطف کرنے کے لئے دو باتوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے ① ضمیر مرفوع متصل کی تاکید ضمیر مرفوع منفصل کے ذریعہ کی گئی ہو ② یا معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان فصل ہو یہاں دوسری صورت یعنی فصل موجود ہے، اور وہ ادنی مِنْ ثُلُثَي اللَّيْلِ ونصفه وثلثهٗ ہے، لہٰذا عطف درست ہے۔

قَوْلُهُ: هُوَ فصلٌ، اى ضميرُ فصلٍ

قَوْلُهُ: وما بعدَهُ وإن لَم يكن معرفةً يُشبِهُهَا الخ یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: ضمیر فصل دو معرفوں کے درمیان لائی جاتی ہے نہ کہ ایک معرفہ اور ایک نکرہ کے درمیان اور یہاں ایسا ہی ہے اس لئے کہ الله معرفہ ہے اور خَيْرًا نکرہ؟

جَوَاب: خَيْرًا خالص نکرہ نہیں ہے بلکہ مشابہ معرفہ ہے اس لئے کہ اس پر حرف تعریف الف لام داخل نہیں ہوتا اگر خالص نکرہ ہوتا تو حرف تعریف کا داخل ہونا صحیح ہوتا لہٰذا دونوں کے درمیان ضمیر فصل لانا جائز ہے۔

تَفْسِیْر وتَشْرِیْح

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُوْمُ أَدْنَى، جب سورت کے آغاز میں نصف شب یا اس سے کم یا زیادہ قیام کا حکم دیا گیا تو نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت رات کو قیام کرتی تھی، کبھی دو تہائی سے کم کبھی نصف رات اور کبھی ایک تہائی، جیسا کہ یہاں ذکر ہے، لیکن ایک تو رات کا یہ مستقل قیام نہایت گراں تھا دوسرے نصف یا ثلث یا دو ثلث شب کے قیام کا تعین اس سے بھی زیادہ مشکل تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تخفیف کا حکم نازل فرما دیا جس کا مطلب بعض کے نزدیک ترک قیام کی اجازت ہے اور بعض کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ فرض کو استحباب میں تبدیل کر دیا گیا، اب یہ نہ امت کے لئے فرض ہے اور نہ نبی کے لئے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ تخفیف صرف امت کے لئے ہے نبی ﷺ کے لئے تہجد فرض تھا۔

وَمَا تُقَدِّمُوا لِاَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللّٰهِ، یعنی تم نے آگے اپنی آخرت کے لئے جو کچھ بھیج دیا وہ تمہارے لئے اس سے زیادہ نافع ہے جو تم نے دنیا میں روک رکھا ہے، اور کسی بھلائی کے کام میں اللہ کی رضا کے لئے خرچ نہ کیا، حدیث میں عبداللہ بن مسعود رَضَاللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا "اَيُّكُمْ مَالُهُ اَحَبُّ اِلَيْهِ من مالِ وَارِثِهٖ" تم میں سے کون ہے جس کو اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ محبوب ہے؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جسے اپنا مال وارث کے مال سے زیادہ محبوب نہ ہو، فرمایا اِعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ سوچ لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو، صحابہ رَضَاللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارا حال واقعی یہی ہے اس پر حضور ﷺ نے فرمایا "اِنَّما مَالُ اَحَدِكُمْ مَا قَدَّمَ وَمَالُ وَارِثِهٖ مَا اَخَّرَ" تمہارا اپنا مال تو وہ ہے جو تم نے اپنی آخرت کے لئے آگے بھیج دیا اور جو کچھ تم نے روک رکھا ہے وہ تو وارث کا مال ہے۔ (بخاری، نسائی)



سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتٌّ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ خَمْسٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ مدثر مکی ہے، پچپن آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ النَّبِيُّ وَاَصْلُهُ الْمُتَدَثِّرُ اُدْغِمَتِ التَّاءُ فِي الدَّالِ اَيِ الْمُتَلَفِّفُ بِثِيَابِهٖ عِنْدَ نُزُوْلِ الْوَحْيِ عَلَيْهِ ﴿قُمْ فَاَنْذِرْ﴾ خَوِّفْ اَهْلَ مَكَّةَ بِالنَّارِ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾ عَظِّمْ عَنْ اِشْرَاكِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ عَنِ النَّجَاسَةِ اَوْ قَصِّرْهَا خِلَافَ جَرِّ الْعَرَبِ ثِيَابَهُمْ خُيَلَاءَ فَرُبَّمَا اَصَابَهَا نَجَاسَةٌ ﴿وَالرُّجْزَ﴾ فَسَّرَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بالاوثان ﴿فَاهْجُرْ﴾ اَيْ دُمْ عَلٰى هَجْرِهٖ ﴿وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ﴾ بِالرَّفْعِ حَالٌ اَيْ لَا تُعْطِ شَيْئًا لِتَطْلُبَ اَكْثَرَ مِنْهُ وَهٰذَا خَاصٌّ بِهٖ صلى الله عليه وسلم لِاَنَّهٗ مَاْمُوْرٌ بِاَجْمَلِ الْاَخْلَاقِ وَاَشْرَفِ الْاٰدَابِ ﴿وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ﴾ عَلَى الْاَوَامِرِ وَالنَّوَاهِيْ ﴿فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ﴾ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ وَهُوَ الْقَرْنُ النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ ﴿فَذٰلِكَ﴾ اَيْ وَقْتُ النَّقْرِ ﴿يَوْمَئِذٍ﴾ بَدَلٌ مِمَّا قَبْلَهٗ الْمُبْتَدَاُ وَبُنِيَ لِاِضَافَتِهٖ اِلٰى غَيْرِ مُتَمَكِّنٍ وَخَبَرُ الْمُبْتَدَاِ ﴿يَوْمٌ عَسِيْرٌ﴾ وَالْعَامِلُ فِيْ اِذَا مَا دَلَّتْ عَلَيْهِ الْجُمْلَةُ اَيِ اشْتَدَّ الْاَمْرُ ﴿عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ﴾ فِيْهِ دَلَالَةٌ عَلٰى اَنَّهٗ يَسِيْرٌ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَيْ فِيْ عُسْرِهٖ ﴿ذَرْنِيْ﴾ اُتْرُكْنِيْ ﴿وَمَنْ خَلَقْتُ﴾ عَطْفٌ عَلَى الْمَفْعُوْلِ اَوْ مَفْعُوْلٌ مَعَهٗ ﴿وَحِيْدًا﴾ حَالٌ مِنْ مَنْ اَوْ مِنْ ضَمِيْرِهِ الْمَحْذُوْفِ مِنْ خَلَقْتُ اَيْ مُنْفَرِدًا بِلَا اَهْلٍ وَلَا مَالٍ وَهُوَ الْوَلِيْدُ بْنُ الْمُغِيْرَةِ ﴿وَجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا﴾ وَاسِعًا مُتَّصِلًا مِنَ الزُّرُوْعِ وَالضُّرُوْعِ وَالتِّجَارَةِ ﴿وَبَنِيْنَ﴾ عَشَرَةً اَوْ اَكْثَرَ ﴿شُهُوْدًا﴾ يَشْهَدُوْنَ الْمَحَافِلَ وَتُسْمَعُ شَهَادَتُهُمْ ﴿وَّمَهَّدْتُّ﴾ بَسَطْتُ لَهٗ فِي الْعَيْشِ وَالْعُمُرِ وَالْوَلَدِ ﴿تَمْهِيْدًا ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ كَلَّا﴾ لَا اَزِيْدُهٗ عَلٰى ذٰلِكَ ﴿اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا﴾ اَيِ الْقُرْاٰنِ ﴿عَنِيْدًا﴾ مُعَانِدًا ﴿سَاُرْهِقُهٗ﴾ اُكَلِّفُهٗ ﴿صَعُوْدًا﴾ مَشَقَّةً مِنَ الْعَذَابِ اَوْ جَبَلًا مِنْ نَارٍ يَصْعَدُ فِيْهِ ثُمَّ يَهْوِيْ اَبَدًا ﴿اِنَّهٗ فَكَّرَ﴾ فِيْمَا يَقُوْلُ فِي الْقُرْاٰنِ الَّذِيْ سَمِعَهٗ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴿وَقَدَّرَ﴾ فِيْ نَفْسِهٖ ذٰلِكَ ﴿فَقُتِلَ﴾ لُعِنَ وَعُذِّبَ ﴿كَيْفَ قَدَّرَ﴾ عَلٰى اَيِّ حَالٍ كَانَ تَقْدِيْرُهٗ

ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۙ ثُمَّ نَظَرَ ۙ في وجوه قومه او فيما يقدح به فيه ثُمَّ عَبَسَ قبض وجهه وكلحه ضيقا بما يقول وَبَسَرَ ۙ زاد في القبض والكلوح ثُمَّ أَدْبَرَ عن الايمان وَاسْتَكْبَرَ ۙ تكبر عن اتباع النبي صلى الله عليه وسلم فَقَالَ فيما جاء به إِنْ ما هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ۙ ينقل عن السحرة إِنْ ما هٰذَآ إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۗ كما قالوا انما يعلمه بشر سَأُصْلِيهِ أدخله سَقَرَ ۙ جهنم وَمَآ أَدْرَاكَ مَا سَقَرُ ۗ تعظيم لشانها لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ ۚ شيئا من لحم ولا عصب الا اهلكته ثم يعود كما كان لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۚ محرقة لظاهر الجلد عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۗ ملكا خزنتها قال بعض الكفار وكان قويا شديد الباس انا اكفيكم سبعة عشر واكفوني انتم اثنين قال تعالى وَمَا جَعَلْنَآ أَصْحٰبَ النَّارِ إِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ اي فلا يطاقون كما يتوهمون وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ ذلك إِلَّا فِتْنَةً ضلالا لِّلَّذِينَ كَفَرُوا ۙ بان يقولوا لم كانوا تسعة عشر لِيَسْتَيْقِنَ ليستيقن الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ اي اليهود صدق النبي في كونهم تسعة عشر الموافق لما في كتابهم وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوٓا من اهل الكتاب إِيمَانًا تصديقا لموافقة ما اتى به النبي صلى الله عليه وسلم لما في كتابهم وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُونَ ۙ من غيرهم في عدد الملائكة وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ شك بالمدينة وَالْكٰفِرُونَ بمكة مَاذَآ أَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا العدد مَثَلًا ۚ سموه لغرابته بذلك واعرب حالا كَذٰلِكَ اي مثل اضلال منكر هذا العدد وهدى مصدقه يُضِلُّ اللّٰهُ مَن يَشَآءُ وَيَهْدِي مَن يَشَآءُ ۚ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ الملائكة في قوتهم واعوانهم إِلَّا هُوَ ۚ وَمَا هِيَ اي سقر إِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ۝

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے، اے کپڑا اوڑھنے والے (نبی ﷺ) (مدثر) کی اصل متدثر تھی، تاء کو دال میں ادغام کر دیا گیا، یعنی نزول وحی کے وقت اپنے اوپر کپڑا لپیٹنے والے اٹھ ہوجا اور اہل مکہ کو آگ سے ڈرا اگر ایمان نہ لائیں، اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر، مشرکین کے شرک کرنے سے بڑائی بیان کر، اور اپنے کپڑوں کو نجاست سے پاک رکھ یا ان کو اونچا رکھ، متکبرین عرب کے کپڑوں کو (زمین) پر گھسیٹنے کے برخلاف، اس لئے کہ بسا اوقات کپڑوں کو نجاست لگ جاتی ہے، اور بتوں کو چھوڑ دے، رُجز کی تفسیر آپ ﷺ نے بتوں سے فرمائی ہے، یعنی ترک بتاں پر قائم رہ، اور احسان کرکے زیادہ لینے کی خواہش نہ کر رفع کے ساتھ حال ہے زیادہ طلب کرنے کے لئے کوئی چیز نہ دے (یہ حکم) آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہے اس لئے کہ آپ ﷺ اجمل آداب اور اشرف اخلاق کے مامور ہیں، اور اپنے رب کے لئے اوامر ونواہی پر صبر کریں جب صور میں پھونک ماری جائے گی (اور) وہ سینگ ہے، یہ نفخہ ثانیہ ہوگا، تو وہ پھونکنے کا دن بڑا سخت دن ہوگا یومئذ اپنے ماقبل (ذلك) مبتداء سے بدل ہے اور خبر

متمکن کی طرف اس کی اضافت کی وجہ سے مبنی ہے، اور مبتداء کی خبر یَوْمٌ عَسِیْرٌ ہے اور اِذَا میں عامل وہ ہے جس پر جملہ (جزائیہ) دلالت کر رہا ہے، اور (مدلول) اِشْتَدَّ الْاَمْرُ ہے جو کافروں پر آسان نہ ہوگا اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ وہ مومن کے لئے آسان ہے یعنی وہ دن اپنی عسرت کے باوجود مومنین کے لئے عسیر نہ ہوگا، مجھے اور اسے جس کو میں نے اکیلا پیدا کیا ہے چھوڑ دے (وَمَنْ خَلَقْتُ) کا عطف ذَرْنِیْ کے مفعول پر ہے یا مفعول معہ ہے، (وَحِیْدًا) مَنْ سے یا مَنْ کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف سے حال ہے (ای خلقتهٗ) وَحِیْدًا معنی میں منفرداً کے ہے یعنی بلا اہل اور بلا مال کے پیدا کیا، اور وہ ولید بن مغیرہ مخزومی ہے، اور اسے میں نے بہت سا مال دے رکھا ہے جو کہ کھیتی اور جانور اور مال تجارت پر مشتمل ہے اور حاضر باش دس یا اس سے زیادہ فرزند بھی دیئے جو محفلوں میں حاضر رہتے ہیں اور ان کی شہادت سنی جاتی ہے اور میں نے اسے عیش میں اور عمر میں اور اولاد میں بہت کچھ کشادگی دے رکھی ہے پھر بھی اس کی چاہت ہے کہ میں سے اور زیادہ دوں، ہرگز نہیں! میں اس سے زیادہ نہیں دوں گا وہ ہماری آیتوں قرآن کا دشمن ہے میں اسے عنقریب عذاب کی ایک بڑی مشقت میں ڈالوں گا یا آگ کے پہاڑ پر چڑھاؤں گا جس پر وہ ہمیشہ چڑھتا اترتا رہے گا، اس کو غور و فکر کرنے کے بعد تجویز سوجھی اس کے لئے ہلاکت ہو ملعون اور معذب ہو، کیسی تجویز سوجھی؟" یعنی کس طرح کی تجویز سوجھی، وہ پھر غارت ہو کیسی تجویز سوجھی؟" پھر اس نے اپنی قوم کی طرف دیکھا یا سوچا کہ کس طریقہ سے اس میں عیب نکالے؟ پھر اس نے منہ بنایا اور بات کہنے کے لئے منہ سکیڑا، (پھر) اور زیادہ منہ بنایا اور بگاڑا، پھر وہ ایمان سے پیچھے ہٹ گیا، اور نبی ﷺ کے اتباع سے تکبر کیا پھر اس نے بات کہی تو اس نے کہا یہ تو پہلے سے چلا آتا جادو ہے اور یہ تو محض انسانی کلام ہے جیسا کہ انہوں نے کہا کہ اس کو کوئی بشر سکھاتا ہے میں اس کو عنقریب جہنم میں داخل کروں گا اور تجھے کیا خبر کہ جہنم کیا چیز ہے؟ ابہام جہنم کی تعظیم شان کے لئے ہے، گوشت اور رگ پٹھوں سے نہ کچھ باقی رہنے دیتی ہے اور نہ چھوڑتی ہے مگر یہ کہ اس کو سوختہ کر دیتی ہے پھر وہ سابقہ حالت پر لوٹ آتا ہے اور وہ کھال کو جھلسا دیتی ہے یعنی ظاہر جلد کو جلا کر رکھ دیتی ہے اور اس پر انیس نگران فرشتے مقرر ہیں بعض کفر نے جو کہ طاقتور اور سخت گرفت والا تھا کہا سترہ کے لئے میں (اکیلا) کافی ہوں گا، اور دو سے تم میری مدد کرنا، اور ہم نے دوزخ کے نگران صرف فرشتے رکھے ہیں یعنی یہ ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے جیسا کہ ان کا خیال ہے اور ہم نے فرشتوں کی مذکورہ تعداد کافروں کی آزمائش کے لئے رکھی ہے، بایں طور کہ انہوں نے کہا کہ فرشتے انیس ہی کیوں ہیں؟ تاکہ اہل کتاب پر جو کہ یہود ہیں فرشتوں کی تعداد کے انیس ہونے میں آپ ﷺ کی صداقت ظاہر ہو جائے اس لئے یہ تعداد اس تعداد کے مطابق ہے جو ان کی کتاب میں ہے اور تاکہ اہل کتاب میں سے مومنین کا ایمان اس تعداد سے کہ جو آپ ﷺ نے بیان فرمائی اس تعداد کے مطابق ہونے کی وجہ سے جو ان کی کتاب میں ہے اور زیادہ ہو جائے، اور مومنین اور اہل کتاب وغیرہ شک نہ کریں، اور مدینہ کے وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض شک ہے اور مکہ کے کافر کہیں کہ اس تعداد کے بیان کرنے میں اللہ کا کیا مقصد ہے؟ (اس بیان تعداد کو)

اس کی غرابت کی وجہ سے اس کا نام مثل رکھا ہے اور مثلاً حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس طرح یعنی اس عدد کے منکر اور اس کی تصدیق کرنے والے کے مثل، اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور تیرے رب کے فرشتوں کے لشکر کی تعداد کو اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ان کی قوت میں اور تعداد میں اور یہ دوزخ تو بنی آدم کے لئے سراسر نصیحت ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: یاایُّها الْمُدَّثِّرُ، اَلْمُدَّثِّرُ، لَابِسُ الدِّثَار، وَهُوَ مَا فَوْقَ الشِّعَارِ، شِعار اس کپڑے کو کہتے ہیں جو بدن سے متصل ہو جیسا کہ بنیان وغیرہ اور دثار وہ کپڑا جو شعار کے اوپر پہنا جائے مثلاً چادر، چوغہ، شیروانی، کوٹ وغیرہ۔

قولہ: قُمْ، قم کے معنی خواب گاہ وغیرہ سے اٹھنے کے بھی ہیں اور کسی کام کو شروع کرنے کے بھی ہیں یقال قُمتُ بکذا میں نے فلاں کام شروع کر دیا۔

قولہ: وَالرجزَ، راء کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ زاء، سین سے بدلی ہوئی ہے، اصل میں رجسٌ ہے بمعنی ناپاکی، گندگی، بت، گناہ وغیرہ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول "فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ.

قولہ: بَدَلٌ مما قَبْلَهٗ یعنی یَوْمَئِذٍ، ذٰلِكَ اسم اشارہ سے بدل ہے۔

قولہ: المبتداء یہ مِمَّا قبلهٗ میں مَا کا بیان ہے یعنی یَوْمَئِذٍ، ذٰلِكَ سے بدل ہے جو کہ مبتداء ہے۔

قولہ: بُنِيَ لِاِضَافَتِهٖ اِلٰى غير متمكّنٍ یعنی یَوْمَ مبنی ہے غیر متمکن یعنی اِذْ کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے، یَوْمَئِذٍ کی تنوین جملہ محذوف کے عوض میں ہے ای یَوْمَ اِذْ نُقِرَ فی الناقور.

قولہ: والعامل فی اِذَا، مادَلَّتْ علیه الجملة، یعنی اِذا نُقِرَ فی الناقور میں اِذَا کا عامل وہ فعل محذوف ہے جس پر جملہ جزائیہ یعنی فَذٰلِكَ یَوْمٌ عَسِیْرٌ دلالت کر رہا ہے اور وہ عامل اشْتَدَّ الْاَمْرُ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اشْتَدَّ الامر اذا نُقِرَ فی الناقور.

قولہ: عطف علی المفعول یعنی ذَرْنِی کی یاء پر، یا پھر مفعول معہٗ ہے یعنی وَمَنْ خَلَقْتُ میں واؤ بمعنی مع ہے۔

قولہ: اَوْ مِنْ ضَمِیْرِهٖ المحذوف یعنی وَحِیْدًا یا تو مَنْ سے حال ہے یا خلقتُ کی ضمیر محذوف سے حال ہے اس لئے کہ اصل میں خلَقْتُهٗ ہے۔

قولہ: لا تُبْقِی ولَا تَذَرُ دونوں جملوں کا مفہوم ایک ہی ہے یہ عطف تاکید کے لئے ہے۔

قولہ: مِنْ غَیْرِهِمْ اس کے اضافہ کا مقصد، اعتراض تکرار کو دفع کرنا ہے۔

اعتراض: وَیَزْدَادَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا میں اہل کتاب میں سے مومنین مراد ہیں اور وَلَا یَرْتَابَ الَّذِیْنَ اُوْتوا لکتاب

سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو ایمان نہیں لائے اور والمؤمنون سے پھر وہ اہل کتاب مراد ہیں جن کا بیان شروع میں ہوا ہذا یہ تکرار ہے، مِنْ غیرهم کہہ کر اس اعتراض کو دفع کر دیا، دفع کا خلاصہ یہ ہے کہ اول سے مومنین اہل کتاب مراد ہیں اور ثانی المؤمنون سے غیر اہل کتاب مراد ہیں۔

قَوْلَهُ: بالمدینة، ای کائنًا بالمدینة یہ حال ہے، مدینہ کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ نفاق مدینہ میں ہی تھا، مکہ میں نفاق نہیں تھا۔

قَوْلَهُ: وَهٰذِیْ، ھَا کا فتحہ اور دال کا سکون نیز ھَا کا ضمہ اور دال کا فتح دونوں جائز ہیں۔ (صاوی)

تفسیر و تشریح

شانِ نزول:

یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ (الآیة) سورۂ مدثر قرآن کریم کی ان سورتوں میں سے ہے جو نزول قرآن کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہیں، اسی لئے بعض حضرات نے اس سورت کو سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت بھی کہا ہے مگر روایات صحیحہ معروفہ کی رو سے سورۂ اقرأ کی مالم یعلم تک، ابتدائی آیات کا سب سے پہلے نزول ہوا ہے، فترت وحی کے تین سالہ زمانہ کے بعد سب سے پہلے نازل ہونے والی سورۃ المدثر کی فاھجر تک، کی آیات ہیں، فترتِ وحی کی وجہ سے آپ ﷺ زیادہ کبیدہ خاطر رہتے تھے، بعض اوقات یہ کبیدگی اس قدر بڑھ جاتی تھی کہ آپ ﷺ کا جی چاہتا تھا کہ کسی پہاڑ کی چوٹی سے گر کر اپنی جان قربان کر دیں مگر جبرئیل امین ظاہر ہوتے اور فرماتے آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اس سے آپ ﷺ کو سکون ہوتا اور اضطرابی کیفیت دور ہو جاتی۔ (ابن جریر)

اسی زمانۂ فترت کے آخر میں امام زہری کی روایت کے مطابق یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک روز آپ ﷺ مکہ میں کسی جگہ تشریف لے جا رہے تھے آپ ﷺ نے ایک آواز سنی تو ادھر اُدھر دیکھا مگر کچھ نظر نہ آیا جب آسمان کی طرف دیکھا تو وہی فرشتہ جو غار حراء میں سورۂ اقرأ کی آیات لے کر آیا تھا وہی آسمان کے نیچے فضاء میں ایک معلق کرسی پر بیٹھا ہوا ہے، اس کو اس حال میں دیکھ کر وہی رعب و ہیبت کی کیفیت طاری ہوگئی جو غار حراء میں سورۂ اقرأ کی آیات نازل ہونے کے وقت ہوئی تھی، سخت سردی اور کپکپی کے احساس سے، آپ ﷺ گھر واپس تشریف لے آئے اور آپ ﷺ نے فرمایا زملونی، زملونی اور آپ ﷺ کپڑا اوڑھ، لپیٹ کر لیٹ گئے، اور بعض روایات میں آپ ﷺ نے فرمایا دَثِّرُوْنِی، دثرونی مجھے کپڑا اُڑھاؤ، دونوں کلموں کے تقریباً ایک ہی معنی ہیں، اسی حالت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور فرمایا:

"یاایھا المدثر" اس کے بعد آپ ﷺ پر لگاتار وحی کے نزول کا سلسلہ شروع ہوا تو اس سورت کی ابتدائی سات آیتیں نازل ہوئیں، یاایھا المدثر اور یاایھا المزمل یہ طرز خطاب، عام خطاب یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ، یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ کے خطاب سے

مختلف ہے اس خطاب میں شفقت محبوبیت اور قربت نمایاں ہے اس طرز خطاب سے مقصد آپ ﷺ سے اس خوف کو دور کرنا تھا جو جبرئیل علیہ السلام کو دیکھ کر طبعی طور پر آپ ﷺ پر طاری ہو گیا تھا، فرمایا آپ اوڑھ لپیٹ کر جہاں سے اٹھئے اب بیٹھنے کا وقت ختم ہوا، آپ ﷺ پر ایک کار عظیم کا بوجھ ڈالا گیا ہے جسے انجام دینے کے لئے آپ ﷺ کو پورے عزم کے ساتھ اٹھ کھڑا ہونا ہے۔

سورۂ مدثر اور سورۂ مزمل میں سے کونسی سورت پہلے نازل ہوئی اس میں روایات بہت مختلف ہیں لیکن اتنی بات طے شدہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں نزول قرآن کے ابتدائی دور کی ہیں اور ان دونوں کے نزول کا زمانہ بھی بہت قریب قریب ہے اور دونوں کا نزول ایک ہی واقعہ میں ہوا ہے، (معارف) مگر فرق دونوں میں یہ ہے کہ سورۂ مزمل کے شروع میں جو احکام دیئے گئے ہیں وہ اپنی ذاتی شخصیت کی اصلاح سے متعلق ہیں اور سورۂ مدثر کے شروع میں جو احکام دیئے گئے ہیں ان کا تعلق زیادہ تر دعوت وتبلیغ اور اصلاح خلق سے ہے۔

سورۂ مدثر میں سب سے پہلا حکم جو آپ ﷺ کو دیا گیا ہے، وہ قُم فانذر ہے یعنی کھڑے ہو جائیے، اس کے معنی حقیقی قیام کے بھی ہو سکتے ہیں کہ آپ ﷺ جو کپڑوں میں لپٹ کر لیٹ گئے ہیں اس کو چھوڑ کر کھڑے ہو جائیے اور یہ معنی بھی بعید نہیں کہ قیام سے مراد کام کے لئے مستعد ہو کر کمر کسنا ہو اور مطلب یہ ہو کہ آپ ﷺ ہمت کر کے خلق خدا کی اصلاح کی ذمہ داری سنبھالئے، فانذر یہ انذار سے مشتق ہے جس کے معنی شفقت اور محبت سے ڈرانے کے ہیں جس میں شفقت کے ساتھ ساتھ مضرت سے بھی بچانا ہو جیسے باپ اپنے بچے کو سانپ بچھو وغیرہ سے ڈراتا ہے، انبیاء کی یہی شان ہوتی ہے، اسی لئے ان کا لقب نذیر اور بشیر ہوتا ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے اوڑھ لپیٹ کر بیٹھنے والے! اٹھو اور آپ ﷺ کے گرد وپیش خدا کے جو بندے خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ان کو خبردار کر دو انہیں اس انجام سے ڈراؤ جس سے وہ یقیناً دوچار ہوں گے اگر اسی حالت میں مبتلا رہے، اور انہیں یہ بھی بتادو کہ وہ کسی اندھیر نگری میں نہیں رہتے جس میں وہ اپنی مرضی سے جو کچھ چاہیں کرتے رہیں اور ان کے کسی عمل کی کوئی باز پرس نہ ہو۔

وربك فكبّر، ایک نبی کا سب سے پہلا اور بڑا کام یہ ہوتا ہے کہ جاہل انسان جن جن کی بڑائی مان رہے ہیں ان کی نفی کر دے اور ہانکے پکارے دنیا بھر میں یہ اعلان کر دے کہ اس کائنات میں بڑائی ایک خدا کے سوا کسی کی نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام میں کلمہ اللّٰه اکبر کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اذان واقامت کی ابتداء اللّٰه اکبر کے اعلان سے ہوتی ہے، نماز میں بھی مسلمان اللّٰه اکبر کہہ کر داخل ہوتا ہے، اور بار بار اللّٰه اکبر کہہ کر اٹھتا اور بیٹھتا ہے اور جب ذبح کرتا ہے تو بسم اللّٰه اللّٰه اکبر کہہ کر، اور نعرۂ تکبیر پوری دنیا میں مسلمانوں کا سب سے زیادہ نمایاں امتیازی شعار ہے، کیونکہ اس امت کے نبی نے اپنا کام ہی اللّٰه اکبر کی تکبیر سے شروع کیا ہے۔

وثيابك فطهّر، ثیاب، ثوبٌ کی جمع ہے اس کے حقیقی معنی کپڑے کے ہیں اور مجازی طور پر عمل کو بھی ثوب ولباس

کہا جاتا ہے، قلب ونفس کو، خلق ودین کو اور انسانی جسم کو بھی ثوب سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس کے شواہد قرآن مجید اور محاورات عرب میں بکثرت موجود ہیں، اس آیت میں بھی حضرات مفسرین سے یہ سب ہی معنی منقول ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ ان تمام معنی میں کوئی تضاد وتناقض نہیں، بطور عموم مجاز کے اگر یہ سب ہی معنی مراد لئے جائیں، تو اس میں کوئی بعد نہیں، اور معنی اس حکم کے یہ ہوں گے کہ اپنے کپڑوں اور جسم کو ظاہری ناپاکیوں سے پاک رکھئے قلب ونفس کو باطل عقائد وخیالات سے اور اخلاق رذیلہ سے پاک رکھئے، پاجامہ یا تہبند کو ٹخنوں سے نیچے رکھنے کی ممانعت بھی اسی سے مستفاد ہے، اس لئے کہ نیچے لٹکے ہوئے کپڑوں کا نجاست سے آلودہ ہوجانا بعید نہیں۔

اللہ تعالیٰ طہارت کو پسند فرماتا ہے "اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ" اور حدیث میں طہارت کو نصف ایمان کہا گیا ہے، اس لئے مسلمان کو ہر حال میں اپنے جسم، مکان اور لباس کی ظاہری طہارت کا بھی اہتمام رکھنا ضروری ہے اور قلب کی باطنی طہارت کا بھی۔

وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ، گندگی سے مراد ہر قسم کی گندگی ہے، خواہ وہ عقائد وخیالات کی گندگی ہو یا اخلاق واعمال کی یا جسم ولباس اور رہن سہن کی، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے گردوپیش سارے معاشرے میں طرح طرح کی جو گندگیاں پھیلی ہوئی ہیں ان سب سے اپنا دامن بچا کر رکھو، کوئی شخص آپ ﷺ پر انگلی نہ اٹھا سکے کہ جن برائیوں سے آپ ﷺ لوگوں کو روک رہے ہوں ان میں سے کسی کا بھی کوئی شائبہ آپ ﷺ کی زندگی میں پایا جائے۔

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَکْثِرُ، اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جس پر احسان کرو بے غرض ہو کرو، آپ ﷺ کی عطا وبخشش، جود وسخا، حسن سلوک وہمدردی محض اللہ کے لئے ہو اس میں کوئی شائبہ اس خواہش کا نہ ہو کہ احسان کے بدلے آپ ﷺ کو کسی قسم کے دنیوی فوائد حاصل ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کو ہدیہ وتحفہ اس نیت سے دینا کہ وہ اس کے عوض اس سے زیادہ دے گا، یہ مذموم اور مکروہ ہے، قرآن کریم کی دوسری آیت سے اگرچہ عام لوگوں کے لئے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے مگر وہ بھی کراہت سے خالی نہیں اور شریفانہ اخلاق کے بھی منافی ہے۔

وَلِرَبِّکَ فَاصْبِرْ، یعنی جو کام آپ ﷺ کے سپرد کیا جا رہا ہے بڑے جان جوکھوں کا کام ہے، اس میں سخت مصائب اور صبر آزما مشکلات اور تکلیفوں سے آپ ﷺ کو سابقہ پڑے گا، آپ کی اپنی قوم آپ ﷺ کی دشمن ہو جائے گی، پورا عرب آپ ﷺ کے خلاف صف آرا ہو جائے گا مگر جو کچھ اس راہ میں پیش آئے اپنے رب کی خاطر اس پر صبر کرنا اور اپنے فرض کو پوری ثابت قدمی اور مستقل مزاجی سے انجام دینا، اس سے باز رکھنے کے لئے خوف، طمع، دوستی، دشمنی، محبت، غرضیکہ ہر چیز آپ ﷺ کے راستہ میں حائل ہوگی ان سب کے مقابلہ میں مضبوطی سے اپنے موقف پر قائم رہنا ہوگا۔

فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ، فَذٰلِکَ یَوْمَئِذٍ یَوْمٌ عَسِیْرٌ، اس سورت کا یہ حصہ، سورت کی ابتدائی آیات کے چند ماہ بعد اس

وقت نازل ہوا، جب رسول اللہ ﷺ کی طرف سے علانیہ تبلیغ اسلام شروع ہونے کے بعد پہلی مرتبہ حج کا زمانہ آیا تو سرداران قریش کو یہ اندیشہ ہوا کہ اس موقع پر پورے عرب سے لوگ آئیں گے ایسا نہ ہو کہ محمد ﷺ کے نئے دین سے لوگ متاثر ہو جائیں جس سے اس دین کو تقویت حاصل ہو جائے لہٰذا اس کے سدباب کے لئے کوئی متفقہ لائحہ عمل تیار کیا جائے۔

متفقہ لائحہ عمل کے لئے مشرکین مکہ کی کانفرنس:

قُمْ فَاَنْذِرْ، کی تعمیل میں جب آپ ﷺ نے علانیہ تبلیغ شروع کی اور قرآن مجید کی پے در پے نازل ہونے والی سورتوں کو آپ ﷺ نے سنانا شروع کیا تو مکہ میں کھلبلی مچ گئی، اور مخالفتوں کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا، چند مہینے اسی حال پر گذرے تھے کہ حج کا زمانہ آ گیا تو مکہ کے لوگوں کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ اس موقع پر تمام عرب سے حاجیوں کے قافلے آئیں گے، اگر محمد ﷺ نے ان قافلوں کی قیام گاہوں پر جا کر آنے والے حاجیوں سے ملاقاتیں کیں اور حج کے اجتماعات میں جگہ جگہ کھڑے ہو کر قرآن جیسا بے نظیر اور پر تاثیر کلام سنانا شروع کر دیا، تو عرب کے ہر گوشہ تک ان کی دعوت پہنچ جائے گی، اس لئے قریش کے سرداروں نے ایک کانفرنس کی، جس میں یہ طے کیا کہ حاجیوں کے آتے ہی ان کے اندر رسول اللہ ﷺ کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا جائے، اس پر اتفاق ہو جانے کے بعد ولید بن مغیرہ نے حاضرین سے کہا اگر آپ لوگوں نے محمد ﷺ کے متعلق مختلف باتیں لوگوں سے کہیں تو ہم سب کا اعتبار جاتا رہے گا، اس لئے کوئی ایک بات طے کر لیجئے جسے سب بالاتفاق کہیں، کچھ لوگوں نے کہا ہم محمد ﷺ کو کاہن کہیں گے، ولید نے کہا نہیں خدا کی قسم وہ کاہن نہیں ہے، ہم نے کاہنوں کو دیکھا ہے ان کے کلام سے قرآن کو دور کی بھی نسبت نہیں ہے، کچھ اور لوگ بولے انہیں مجنون کہا جائے، ولید نے کہا وہ مجنون بھی نہیں ہے ہم نے دیوانے اور پاگل بہت دیکھے ہیں مجنون جیسی بہکی بہکی اور بیہودہ باتیں کرتا ہے وہ کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہیں، کون باور کرے گا کہ محمد ﷺ جو کلام پیش کرتے ہیں وہ دیوانے کی بڑ ہے، لوگوں نے کہا اچھا تو ہم شاعر کہیں گے، ولید نے کہا وہ شاعر بھی نہیں ہے ہم شعر کی ساری اقسام سے واقف ہیں، اس کے کلام پر شاعری کی کسی قسم کا اطلاق بھی نہیں ہو سکتا، کچھ لوگ بولے تو ہم انہیں ساحر کہیں گے، ولید نے کہا وہ ساحر بھی نہیں ہے، جادوگروں کو ہم جانتے ہیں، جادوگر اپنے جادو کیلئے جو طریقہ اختیار کرتے ہیں ان سے بھی ہم واقف ہیں، یہ باتیں بھی محمد ﷺ پر چسپاں نہیں ہوتیں، پھر ولید نے کہا ان باتوں میں سے جو بات بھی تم کہو گے لوگ اس کو ناروا الزام سمجھیں گے، خدا کی قسم! اس کلام میں بڑی حلاوت ہے اس کی جڑ بڑی گہری اور اس کی ڈالیاں بڑی ثمردار ہیں، اس پر ابوجہل ولید کے سر ہو گیا اور اس نے کہا تمہاری قوم تم سے راضی نہ ہو گی جب تک کہ تم محمد ﷺ کے بارے میں کوئی بات نہ کہو، اس نے کہا اچھا مجھے سوچ لینے دو، پھر سوچ کر بولا! قریب ترین جو بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ کہ تم عرب کے لوگوں سے کہو، یہ شخص جادوگر ہے، یہ ایسا کلام پیش کرتا ہے جو آدمی کو اس کے باپ، بھائی، بیوی، بچوں اور سارے خاندان سے جدا کر دیتا ہے، ولید کی اس بات کو سب نے قبول کر لیا پھر ایک منصوبے کے مطابق حج کے زمانہ میں قریش کے وفود حاجیوں کے درمیان پھیل گئے اور انہوں نے آنے والے زائرین کو خبردار کرنا شروع کر دیا کہ یہاں ایک ایسا شخص ہے جو بڑا جادوگر ہے اور

اس کا جادو خاندانوں میں تفریق ڈال دیتا ہے اس سے ہوشیار رہنا، مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ کا نام خود ہی سارے عرب میں مشہور کر دیا۔ (سیرت ابن ہشام)

ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا یہ کلمہ وعید اور تہدید کے لئے ہے، یہ شخص جسے میں نے ماں کے پیٹ سے اکیلا پیدا کیا جب اس کے پاس نہ مال تھا اور نہ اولاد، یہ ولید بن مغیرہ کی طرف اشارہ ہے، اللہ نے اسے اولاد ذکور سے نوازا تھا اس کے دس بارہ لڑکے تھے جو ہر وقت اس کے پاس رہتے تھے، مجلسوں اور محفلوں میں ساتھ جاتے تھے، گھر میں دولت کی فراوانی تھی، اس لئے بیٹوں کو کاروبار اور تجارت کے لئے باہر جانے کی ضرورت نہیں تھی، بارہ بیٹوں میں سے تین مسلمان ہوگئے تھے، خالد، ہشام اور ولید بن ولید۔ (فتح القدیر)

وما جعلنا اصحٰب النار الا ملائكة، جب جہنم کے نگرانوں کا ذکر فرمایا اور ان کی تعداد بیان فرمائی تو ابوجہل نے جماعت قریش کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ کیا تم میں سے ہر دس آدمی مل کر بھی ایک ایک فرشتہ کے لئے کافی نہیں ہوں گے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کلدہ نامی ایک شخص نے جسے اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا کہا: تم سب صرف دو فرشتے سنبھال لینا، سترہ فرشتوں کے لئے میں اکیلا ہی کافی ہوں، کہتے ہیں کہ اس نے آپ ﷺ کو کئی مرتبہ کشتی کا چیلنج دیا اور ہر مرتبہ شکست کھائی مگر ایمان نہیں لایا، کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ رکانہ بن عبد یزید کے ساتھ بھی آپ ﷺ نے کشتی لڑی تھی مگر وہ شکست کھا کر مسلمان ہوگئے تھے۔ (ابن کثیر) مطلب یہ ہے کہ یہ تعداد بھی ان کے استہزاء اور آزمائش کا سبب بن گئی۔

كَلَّا استفتاح بمعنى ألا وَالْقَمَرِ ۝ وَاللَّيْلِ إِذْ بفتح الذال أَدْبَرَ ۝ جاء بعد النهار وفي قراءة إذا دبر بسكون الذال بعدها همزة أي مضى وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ۝ ظهر إِنَّهَا أي سقر لَإِحْدَى الْكُبَرِ ۝ البلايا العظام نَذِيرًا حال من إحدى وذكر لأنها بمعنى العذاب لِلْبَشَرِ ۝ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ بدل من البشر أَنْ يَتَقَدَّمَ إلى الخير أو الجنة بالإيمان أَوْ يَتَأَخَّرَ ۝ إلى الشر أو النار بالكفر كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ۝ مرهونة مأخوذة بعملها في النار إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ۝ وهم المؤمنون فناجون منها كائنون فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ ۝ بينهم عَنِ الْمُجْرِمِينَ ۝ وحالهم ويقولون لهم بعد إخراج الموحدين من النار مَا سَلَكَكُمْ أدخلكم فِي سَقَرَ ۝ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ۝ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ۝ وَكُنَّا نَخُوضُ في الباطل مَعَ الْخَائِضِينَ ۝ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ۝ البعث والجزاء حَتَّى أَتَانَا الْيَقِينُ ۝ الموت فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ۝ من الملائكة والأنبياء والصالحين والمعنى لا شفاعة لهم فَمَا مبتدأ لَهُمْ خبره متعلق بمحذوف انتقل ضميره إليه عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ۝ حال من الضمير والمعنى أي شيء حصل لهم في إعراضهم عن الاتعاظ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُسْتَنْفِرَةٌ ۝ وحشية

فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾ اسد ای هربت منه اشد الهرب بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾ ای من الله تعالى باتباع النبي صلى الله عليه وسلم كما قالوا لن نؤمن لك حتى تنزل علينا كتابا نقرؤه كَلَّا ردع عما ارادوه بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۵۳﴾ ای عذابها كَلَّآ استفتاح اِنَّهٗ ای القرآن تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ عظة فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾ قرأه فاتعظ به وَمَا يَذْكُرُوْنَ بالياء والتاء اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى بأن يُتّقى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾ بأن يغفر لمن اتقاه.

ترجمہ: ہرگز نہیں، قسم ہے چاند کی اور رات کی جب وہ جانے لگے (کلا) استفتاح کیلئے بمعنی اَلا ہے (اِذَا) ذال کے فتح کے ساتھ (دَبَرَ) بمعنی جاءَ بعد النهار اور ایک قراءت میں اِذْ اَدْبَرَ ذال کے سکون کے ساتھ، اس کے بعد ہمزہ، بمعنی مضی یعنی گیا، اور قسم ہے صبح کی جب کہ روشن ہو جائے کہ یقیناً جہنم بڑی بھاری چیزوں میں سے ایک ہے یعنی بڑی مصیبتوں میں سے ایک ہے، بنی آدم کو ڈرانے والی ہے (نَذِيْرًا) اِحْدَى سے حال ہے (نَذِيْرًا) کو مذکر لایا گیا ہے اس لئے کہ (سَقَر) عذاب کے معنی میں ہے، ہر اس شخص کے لئے جو تم میں سے ایمان کے ذریعہ خیر یا جنت کی طرف آگے بڑھے یا (لِمَنْ شَاءَ) البَشَر سے بدل ہے، (اس شخص کے لئے بھی) کہ وہ نار کی طرف کفر کے ذریعہ پیچھے ہٹے ہر شخص اپنے اعمال (کفریہ) کی وجہ سے دوزخ میں مرہون و ماخوذ ہے، مگر دائیں ہاتھ والے اور وہ مومنین ہیں کہ وہ جہنم سے نجات پانے والے ہیں کہ وہ جنتوں میں ہوں گے اور آپس میں مجرموں کے اور ان کے حال کے بارے میں پوچھتے ہوں گے اور موحدین، دوزخ سے نکلنے کے بعد مجرمین سے سوال کریں گے کہ تم کو دوزخ میں کس چیز نے داخل کر دیا؟ وہ جواب دیں گے، نہ تو ہم نماز پڑھا کرتے تھے اور نہ مسکینوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے اور ہم بھی (باطل) کے مشغلوں میں رہنے والوں کے ساتھ باطل کے مشغلہ میں رہا کرتے تھے، اور ہم یوم بعث اور روز جزاء کو جھٹلایا کرتے تھے، یہاں تک کہ ہمیں موت آگئی حتی کہ ان کو شفاعت کرنے والوں یعنی فرشتوں اور نبیوں اور صالحین کی شفاعت کچھ نفع نہ دے گی مطلب یہ ہے کہ ان کے لئے شفاعت نہ ہوگی، تو انہیں کیا ہوا؟ مَا مبتداء ہے اور لَهُمْ اس کی خبر ہے، محذوف (حَصَلَ) کے متعلق ہے، جس کی طرف خبر کی ضمیر راجع ہے کہ نصیحت سے منہ موڑتے ہیں، مُعْرِضِيْنَ (لَهُمْ) کی ضمیر سے حال ہے، مطلب یہ ہے کہ نصیحت سے اعراض کرنے سے ان کو کیا حاصل ہو؟ گویا کہ وہ وحشی گدھے ہیں جو شیر سے تیزی کے ساتھ بھاگے جا رہے ہیں بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ اسے اتباع نبی کے سلسلہ میں اللہ کی طرف سے کھلی ہوئی کتابیں دی جائیں جیسا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ ہم ہرگز آپ ﷺ پر ایمان نہ لائیں گے، تا آں کہ ہم پر کتاب نازل نہ کی جائے جس کو ہم پڑھیں ایسا ہرگز نہیں، کَلَّا حرف ردع ہے اس چیز کا انکار کرنے کے لئے جس کا انہوں نے ارادہ کیا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ آخرت یعنی اس کے عذاب سے نہیں ڈرتے، ہرگز نہیں! کَلَّا برائے استفتاح ہے، یہ قرآن تو نصیحت ہے اب جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے کہ اس کو پڑھے اور اس سے نصیحت حاصل کرے اور یہ لوگ

خدا کی مشیت کے بغیر نصیحت حاصل نہیں کر سکتے وہی لائق ہے کہ اس سے ڈریں اور وہ اس لائق ہے کہ بخشے یعنی جو اس سے ڈرے اسے معاف کرے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: کَلّا استفتاح بمعنی الا، کَلّا حرف ردع ہے یا اس شخص کے لئے زجر وتوبیخ ہے جو سقر (دوزخ) کو بڑی مصیبتوں میں سے تسلیم نہ کرے، واؤ قسمیہ جارہ ہے اور القمر مجرور ہے دونوں اُقسمُ محذوف کے متعلق ہیں انها لَاِحدی الکُبَر مقسم علیہ ہے اور کُبَر، کُبری کی جمع ہے (اعراب القرآن للدرویش) درویش نے کہا ہے کہ علامہ جلال الدین محلی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے کہ کَلّا استفتاح بمعنی الا ہے اس کا کوئی معنی نہیں ہے۔

قولہ: اِذا دبر اس میں دو قراءتیں ہیں ① اِذا دبر، دال کے فتحہ کے ساتھ ② اذ اَدبر، دال کے سکون کے ساتھ بعض نے کہا ہے کہ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں بعض نے کہا ہے دَبر بمعنی جاءَ اور اَدبر بمعنی مضی، مفسر علام اسی طرف گئے ہیں۔

قولہ: ذُکّر لانها بمعنی العذاب یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: سوال یہ ہے کہ احدی الکُبر، ذوالحال مؤنث ہے اور نذیرا حال مذکر ہے حالانکہ حال ذوالحال میں مطابقت ضروری ہے؟

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ احدی الکُبَر سے مراد عذاب ہے جو کہ مذکر ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قولہ: کَانُوْن، کانوا محذوف مان کر مفسر علام نے اشارہ کر دیا کہ فی جنّت یتساءلون، محذوف کے متعلق ہے اور وہ جملہ ہو کر هُمْ مبتداء محذوف کی خبر ہے اور مبتدا خبر سے مل کر جملہ مستانفہ ہے جو کہ سوال مقدر کا جواب ہے ماشانُهُمْ و حالُهم سوال ہے اور هم فی جنّت جواب ہے۔

قولہ: عن المجرمین ای عن حال المجرمین مضاف محذوف ہے۔

قولہ: والمعنی لا شفاعة لهُمْ یہ بھی دراصل ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: سوال یہ ہے "فما تنفعهُمْ شفاعةُ الشّافِعِیْن" سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے لئے شفاعت کرنے والے تو ہوں گے مگر شفاعت ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے لئے شفاعت ہی نہ ہوگی؟

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ نفی قید اور مقید دونوں پر داخل ہے یعنی نہ شفاعت ہوگی اور نہ شفاعت کا نفع۔

قولہ: معرضین یہ لهُمْ کی ضمیر سے حال ہے اور مَا لَهُمْ عن التذکرة معرضین کا مطلب ہے ایُّ شیء حصل لهُمْ فی اعراضهم عن الاتّعاظ؟ ان کو نصیحت سے اعراض کرنے میں کیا حاصل ہو؟ ما بمعنی مبتداء ہے لهُمْ، حصل محذوف

کے متعلق ہوکر مبتداء کی خبر، اور حصلَ محذوف کی ضمیر مستتر خبر یعنی جار مجرور لَهُمْ کی جانب راجع ہے۔

قولہ: وَحْشِيَّةٌ یہ مستنفرة کی تفسیر نہیں ہے بلکہ "حمارِ وحشی" ایک خاص قسم کے حمار کا نام ہے لہٰذا مناسب ہوتا اگر اسے حُمُرٌ کے بعد متصلاً لاتے، اور حُمُرٌ وحشية مستنفرة فرماتے۔

تفسیر وتشریح

اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ، هَا ضمیر سقر کی طرف راجع ہے جس کا ذکر اوپر کی آیت میں آیا ہے، کُبَرٌ، کُبْرٰی کی جمع ہے اور مصيبةٌ یا داهِيَةٌ کی صفت ہے۔

لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ اَنْ يَتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ، یہاں تَقَدَّمَ سے مراد تقدم الی الایمان و الطاعة ہے اور تَاَخُّرٌ سے مراد ایمان اور طاعت سے پیچھے ہٹنا ہے۔

رَهِيْنَةٌ، بمعنی مرهونة ہے یعنی ہر شخص اپنے اعمال کا گروی ہے، یعنی وہ عمل اگر نیک ہے تو اس کو عذاب سے چھڑا لے گا اور اگر برے ہیں تو ہلاک کرا دے گا۔ (بقیہ آیات کی تفسیر واضح ہے)۔



سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً.

سورهٔ قیامہ مکی ہے، چالیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ لَآ زائدة في الموضعين **اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ① وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ②** التي تلوم نفسها وإن اجتهدت في الإحسان وجواب القسم محذوف اي لتبعثن دل عليه **اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ** اي الكافر **اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ③** للبعث والإحياء، **بَلٰى قٰدِرِيْنَ** مع جمعها **عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ④** وهو الأصابع اي نعيد عظامها كما كانت مع صغرها فكيف بالكبيرة **بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ** اللام زائدة ونصبه بأن مقدرة اي ان يكذب **اَمَامَهٗ ⑤** اي يوم القيامة دل عليه **يَسْـَٔلُ اَيَّانَ** متى **يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ⑥** سؤال استهزاء وتكذيب **فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ⑦** بكسر الراء وفتحها دهش وتحير لما رأى مما كان يكذبه **وَخَسَفَ الْقَمَرُ ⑧** أظلم وذهب ضوءه **وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ⑨** فطلعا من المغرب او ذهب ضوءهما وذلك في يوم القيامة **يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ⑩** الفرار **كَلَّا** ردع عن طلب الفرار **لَا وَزَرَ ⑪** لا ملجأ يتحصن به **اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمُسْتَقَرُّ ⑫** مستقر الخلائق فيحاسبون ويجازون **يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۢ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ⑬** بأول عمله وآخره **بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ⑭** شاهد تنطق جوارحه بعمله والهاء للمبالغة فلا بد من جزائه **وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ⑮** جمع معذرة على غير قياس اي لو جاء بكل معذرة ما قبلت منه قال تعالى لنبيه **لَا تُحَرِّكْ بِهٖ** بالقرآن قبل فراغ جبرئيل منه **لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ⑯** خوف ان ينفلت منك **اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ** في صدرك **وَقُرْاٰنَهٗ ⑰** قراءتك اياه اي جريانه على لسانك **فَاِذَا قَرَاْنٰهُ** عليك بقراءة جبرئيل **فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ⑱** استمع قراءته فكان صلى الله عليه وسلم يستمع ثم يقرأ **ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ⑲** بالتفهيم لك والمناسبة بين هذه الآية وما قبلها ان تلك تضمنت الاعراض عن آيات الله تعالى وهذه تضمنت المبادرة اليها بحفظها **كَلَّا** استفتاح بمعنى ألا

بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۙ الدنیا بالتاء والیاء فی الفعلین وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۗ فلا تعملون لہا وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ ای فی یوم القیامة نَّاضِرَةٌ ۙ حسنة مضیئة اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ۙ کالحة شدیدة العبوس تَظُنُّ توقن اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۗ داہیة عظیمة تکسر فقار الظہر كَلَّآ بمعنی الا اِذَا بَلَغَتِ النفس التَّرَاقِيَ ۙ عظام الحلق وَقِيْلَ قال من حولہ مَنْ ۜ رَاقٍ ۙ یرقیہ لیشفی وَّظَنَّ ایقن من بلغت نفسہ ذلك اَنَّهُ الْفِرَاقُ ۙ فراق الدنیا وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۙ ای احداہما بالاخری عند الموت او التفت شدة فراق الدنیا بشدة اقبال الاخرة اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمَسَاقُ ۚ ای السوق وہذا یدل علی العامل فی اذا والمعنی اذا بلغت النفس الحلقوم تساق الی حکم ربہا.

ع۱

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، (لا اُقسم) میں لا زائد ہے، میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور قسم کھاتا ہوں بہت ملامت کرنے والے نفس کی کہ جو خود کو ملامت کرے، باوجودیکہ وہ نیکی کرنے میں جدوجہد کرتا ہے، اور جواب قسم محذوف ہے، یعنی تم کو ضرور زندہ کیا جائے گا، (اس حذف پر) ایحسب الانسان الخ دلالت کرتا ہے، کیا یہ کافر انسان یہ سمجھتا ہے کہ بعث اور حیات کے لئے ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہ کریں گے؟ کیوں نہیں! ہم ان کو ضرور جمع کریں گے ہم ان کے جمع کرنے پر قادر ہونے کے ساتھ ساتھ اس پر بھی قادر ہیں کہ اس کی پور پور درست کردیں (بنانٗ) انگلیاں، یعنی ہم اس کی ہڈیوں کو چھوٹا ہونے کے باوجود اس حالت پر لوٹا دیں کہ جس حالت پر وہ تھیں، تو بڑی ہڈیوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ بلکہ انسان یہ چاہتا ہے کہ آنے والی قیامت کو جھٹلا دے، لام زائد ہے اور اس کا نصب ان مقدرہ کی وجہ سے ہے، اس پر یسئلُ اَیّانَ یومُ القیامة دلالت کرتا ہے، وہ استہزاء اور تکذیب کے طور پر، سوال کرتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا؟ پس جب کہ نگاہیں خیرہ ہو جائیں گی (چندھیا جائیں گی) بـرق راء کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ ہے یعنی مدہوش، متحیر ہو جائیں گی جب کہ وہ ان چیزوں کو دیکھے گا جن کی وہ تکذیب کیا کرتا تھا، اور چاند بے نور ہو جائے گا (یعنی) تاریک ہو جائے گا، اور اس کی روشنی ختم ہو جائے گی، اور سورج اور چاند جمع کردیئے جائیں گے بایں طور کہ دونوں مغرب سے طلوع ہوں گے، یا دونوں کی روشنی ختم ہو جائے گی، اور ایسا قیامت کے دن ہوگا، اس دن انسان کہے گا آج بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟ ہرگز نہیں! یہ فرار کی تردید ہے، کوئی پناہ گاہ نہیں، یعنی ایسا کوئی ٹھکانہ نہیں کہ جس میں وہ پناہ لے سکے، آج تو تیرے پروردگار ہی کی طرف قرارگاہ ہے (یعنی) مخلوق کا ٹھکانہ ہے، لہٰذا ان کا حساب لیا جائے گا اور ان کو بدلہ دیا جائے گا، اس انسان کو اگلے پچھلے سب اعمال سے آگاہ کر دیا جائے گا یعنی اس کا اول عمل بھی اور آخر عمل بھی بتلا دیا جائے گا بلکہ انسان خود اپنے نفس پر شاہد ہوگا، اس کے اعضاء اس کے اعمال کی گواہی دیں گے، بَصیرة (میں) ھا مبالغہ کے لئے ہے لہٰذا اس کی جزاء کا واقع ہونا ضروری ہے، اگرچہ کتنے ہی حیلے بہانے پیش کرے، معاذیرة، معذرة کی جمع غیر قیاسی ہے یعنی اگرچہ ہر قسم کے حیلے بہانے پیش کرے گا

مگر قبول نہیں کئے جائیں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم اس کو ضرور آگاہ کردیں گے (اے نبی!) آپ ﷺ قرآن پڑھنے کے لئے جبرئیل علیہ السلام کے اس سے فارغ ہونے سے پہلے اپنی زبان کو قرآن کے فوت ہونے کے اندیشہ کے پیش نظر عجلت کرتے ہوئے حرکت نہ دیجئے، آپ ﷺ کے سینے میں اس کا جمع کرنا اور آپ ﷺ کو اس کا پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے یعنی اس کا آپ ﷺ کی زبان پر جاری کرنا (ہمارے ذمہ ہے) پس جبرئیل علیہ السلام کی قراءت کے ذریعہ آپ ﷺ سنیں تو آپ ﷺ اس کی قراءت کو سماعت فرمائیں چنانچہ آپ ﷺ (اول) سنتے پھر اس کو پڑھتے، پھر آپ ﷺ کو سمجھانے کے لئے اس کا واضح کردینا ہمارے ذمہ ہے اس آیت اور سابقہ آیت کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ وہ آیت خدا کی آیتوں سے اعراض (کے مضمون) پر مشتمل ہے اور یہ آیت اللہ کی آیتوں کی حفاظت کی طرف سبقت (کے مضمون پر) مشتمل ہے (گویا کہ دونوں آیتوں میں علاقہ تضاد ہے لہٰذا دونوں آیتیں بے ربط نہیں ہیں) ہرگز ایسا نہیں! کَلَّا بمعنی اَلَا استفتاح کے لئے ہے، بلکہ تم دنیا کو محبوب رکھتے ہو، دونوں فعلوں میں یاء اور تاء کے ساتھ، اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو، کہ اس کے لئے عمل نہیں کرتے، اس دن یعنی قیامت کے دن بہت سے چہرے تروتازہ اور بارونق ہوں گے، اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے یعنی آخرت میں اللہ سبحانہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہوں گے اور بہت سے چہرے اس روز بدرونق (اداس) بگڑے ہوئے ہوں گے یقین کرتے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑنے والا معاملہ کیا جائے گا یعنی ایسی مصیبت نازل کی جائے گی کہ کمر کے منکوں کو توڑ کر رکھ دے گی، ہرگز ایسا نہیں! کَلَّا بمعنی اَلَا ہے، جب روح حلق کی ہڈیوں (ہنسلی) تک پہنچ جائے گی اور کہا جائے گا اور کہنے والے وہ ہوں گے جو اس (مرنے والے) کے آس پاس ہوں گے، کیا کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے؟ کہ اس پر جھاڑ پھونک کرے، تاکہ اس کو شفاء ہو جائے، اور جس شخص کی روح حلق میں پہنچے گی وہ یقین کرلے گا کہ یہ دنیا کو ترک کرنے کا وقت ہے اور موت کے وقت پنڈلیاں آپس میں لپٹ جائیں گی یا دنیا کو چھوڑنے کی تکلیف آخرت میں داخل ہونے کی تکلیف سے لپٹ جائے گی، آج تیرے پروردگار کی طرف چلنا ہے مَسَاق بمعنی سَوْق ہے اور یہ إِذَا میں عامل پر دلالت کرتا ہے یعنی یہ ہیں، جب روح حلق میں پہنچے گی تو اس کو اس کے رب کے حکم کی طرف لے جایا جائے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: لَا أُقْسِمُ، لَا قسم پر زائدہ ہے، اور یہ کلام عرب میں نظم و نثر میں کثیر الوقوع ہے، قال امرؤ القیس. ـــ

وَلَا وَأَبِيكِ ابْنَةَ الْعَامِرِيِّ لَا يَدَّعِي الْقَوْمُ أَنِّي أَفِرّ

اور کہا گیا ہے کہ لَا نافیہ ہے، مقصد دعویٰ خصم کو رد کرنا ہے، یہاں لَا منکرین بعث پر رد کرنے کے لئے لایا گیا ہے، گویا کہ کہا "لَيْسَ الامر كما زَعَمُوْا أُقْسِمُ الخ" اور جیسا کہ کہا جاتا "لَا وَاللّٰهِ".

قولہ: اَلَّن نَجْمَعَ، اَنْ مخففہ عن الثقیلہ ہے اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے، ای انّہٗ اور لن اور اس کا مدخول انّ کی خبر ہے، انّ اپنے اسم وخبر سے مل کر جملہ ہوکر حسبَ کے دومفعولوں کے قائم مقام ہے، (الّن) میں ہمزہ اور لام کے درمیان نون نہیں ہے، یہ رسم مصحف کے طور پر ہے۔

قولہ: قَادِرِیْنَ یہ فعل مقدر نَجْمَعُهَا کی ضمیر فاعل سے حال ہے۔

قولہ: بَرِقَ الْبَصَرُ، برق میں دو قراءتیں ہیں، راء کے کسرہ کے ساتھ اور فتحہ کے ساتھ، کسرہ کی صورت میں مُتَحَيِّرٌ اور خیرہ ہونے کے معنی ہیں اور فتحہ کی صورت میں دھش کے معنی ہیں، مفسر علام نے دونوں معنی کی طرف اشارہ کردیا ہے۔

قولہ: يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یہ اِذَا کا جواب ہے۔

قولہ: بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ، بل الانسان مبتداء ہے بصیرۃ خبر، یہاں انسان سے مراد جوارح (اعضاء) ہیں جو کہ جمع ہے لہٰذا مطابقت موجود ہے مفسر علام نے تَنْطِقُ جَوَارِحُهٗ کہہ کر اس جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

دُوسرا جواب: دوسرے جواب کا حاصل یہ ہے کہ بَصِيْرَة میں تاء مبالغہ کی ہے نہ کہ تانیث کی لہٰذا کوئی اعتراض ہی پیدا نہیں ہوتا۔

قولہ: مَا قُبِلَتْ مِنْهُ مفسر علام نے اس عبارت کا اضافہ کرکے اشارہ کردیا کہ ولو القی میں لو شرطیہ ہے اور ما قُبلت اس کی جزاء مقدر ہے۔

قولہ: اَنَّهٗ، ای النَّازِلُ بِهٖ.

تفسیر وتشریح

لَآ اُقْسِمُ، کلام کی ابتداء ''نہیں'' سے کرنا خود بخود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ پہلے سے کوئی بات چل رہی تھی جس کی تردید میں یہ سورت نازل ہوئی ہے اور اگلے مضمون سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ وہ کیا بات تھی جس کی تردید مقصود ہے، اور وہ قیامت اور آخرت کی زندگی کے بارے میں تھی جس کا اہل مکہ انکار کررہے تھے بلکہ ساتھ ہی ساتھ اس کا مذاق بھی اڑارہے تھے۔

قرآن کریم نے نفس انسانی کی تین قسموں کا ذکر کیا ہے، (۱) ایک وہ نفس جو انسان کو برائیوں پر اکساتا ہے اس کا نام ''نفس امارہ'' ہے، (۲) وہ نفس جو غلط کام کرنے یا غلط سوچنے یا بری نیت رکھنے پر نادم ہوتا ہے اور خود کو اس پر مذمت کرتا ہے، اس کا نام ''نفسِ لوّامہ'' ہے، اسی کو آج کل کی اصطلاح میں ضمیر کہتے ہیں، (۳) وہ نفس جو صحیح راہ پر چلنے اور غلط راہ چھوڑنے پر اطمینان محسوس کرتا ہے اس کا نام ''نفسِ مطمئنہ'' ہے۔

حسن بصری رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰی نے ''نفسِ لوامہ'' کی تفسیر ''نفس مؤمنہ'' سے کی ہے اور فرمایا واللہ مؤمن تو ہمیشہ اور ہر حال میں اپنے نفس کو ملامت ہی کرتا رہتا ہے، سیئات پر ملامت تو ظاہر ہی ہے، حسنات اور نیک کاموں میں بھی وہ بہ مقابلہ شان حق سبحانہ

سے، کمی اور کوتاہی محسوس کرتا ہے کیونکہ حق عبادت پورا ادا کرنا تو کسی کے بس کی بات نہیں ہے اس لئے ادائے حق میں کوتاہی اس کے پیش نظر رہتی ہے اس پر وہ ملامت کرتا رہتا ہے۔

نفسِ امارہ، لوامہ، مطمئنہ:

حضرات صوفیائے کرام نے اس میں یہ تفصیل کی ہے کہ نفس اپنی جبلت اور فطرت کے اعتبار سے (اَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ) ہوتا ہے مگر ایمان اور عمل صالح اور ریاضت ومجاہدہ سے یہ ''نفس لوامہ'' بن جاتا ہے مگر برائی سے بالکلیہ اس کا انقطاع نہیں ہوتا، آگے عمل صالح میں ترقی اور قرب حق کے حصول میں کوشش کرتے کرتے جب اس کا یہ حال ہو جائے کہ شریعت اس کی طبیعت ثانیہ بن جائے اور خلاف شرع کام سے طبعی نفرت بھی ہونے لگے تو اس نفس کا لقب ''مطمئنہ'' ہو جاتا ہے۔

یکا یک سلسلہ کلام کو موقوف کر کے آیت ۱۶ سے ۱۹ تک جملہ معترضہ کے طور پر آپ ﷺ سے فرمایا جاتا ہے کہ اس وحی کو یاد کرنے کے لئے آپ ﷺ اپنی زبان مبارک کو حرکت نہ دیجئے اس کو یاد کرانا اور پڑھوانا ہمارا کام ہے الخ، اس کے بعد آیت ۲۰ سے پھر وہی مضمون شروع ہو جاتا ہے جو شروع سے چلا آ رہا ہے، یہ جملہ معترضہ اپنے موقع ومحل سے اور روایات کی رو سے بھی اس بنا پر دورانِ کلام میں وارد ہوا ہے کہ جس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ سورۃ حضور ﷺ کو سنا رہے تھے اس وقت آپ ﷺ اس اندیشہ سے کہ کہیں بعد میں بھول نہ جاؤں اس کے الفاظ اپنی زبان مبارک سے دہراتے جا رہے تھے، بعد میں جب آپ ﷺ کو اچھی طرح مشق ہوگئی اور تحمل وحی کی عادت پڑ گئی تو اس قسم کی ہدایت دینے کی ضرورت نہیں رہی، لہٰذا وہ شبہ بھی ختم ہو گیا کہ آیت نمبر ۱۴ اور ۱۵ میں کوئی جوڑ اور ربط نہیں ہے جس کو مفسر علام نے علاقہ تضاد ثابت کر کے علاقہ ثابت کرنے کی بایں طور کوشش کی ہے کہ سابقہ آیات میں آیات سے اعراض کا ذکر تھا اور ان آیات میں سبقت الی الآیات کا ذکر ہے، اور یہی علاقہ تضاد ہے۔

یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ، یہ ایک بڑا جامع فقرہ ہے، اس کے کئی معنی ہو سکتے ہیں، ایک معنی اس کے یہ ہیں کہ آدمی کو اس روز یہ بھی بتا دیا جائے گا کہ اس نے اپنی دنیا کی زندگی میں مرنے سے پہلے کیا نیکی یا بدی کما کر اپنی آخرت کے لئے آگے بھیجی تھی؟ اور یہ حساب بھی اس کے آگے رکھ دیا جائے گا کہ اچھے یا برے اعمال کے کیا اثرات وہ اپنے پیچھے دنیا میں چھوڑ آیا تھا جو اس کے بعد مدتہائے دراز تک آنے والی نسلوں میں چلتے رہے۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ اسے وہ سب کچھ بتا دیا جائے گا جو اسے کرنا چاہئے تھا مگر اس نے نہیں کیا اور جو کچھ نہ کرنا چاہئے تھا مگر اس نے کر ڈالا، تیسرے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ اس نے پہلے کیا اور جو کچھ بعد میں کیا اس کا پورا حساب تاریخ وار اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا، چوتھے معنی یہ ہیں کہ جو نیکی یا بدی اس نے کی وہ بھی اسے بتا دی جائے گی اور جس نیکی یا بدی کے کرنے سے وہ باز رہا اس سے بھی اسے آگاہ کر دیا جائے گا۔

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ، انسان کا اعمال نامہ اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا مگر اس رکھنے کی غرض درحقیقت یہ

نہیں ہوگی کہ مجرم کو اس کا جرم بتایا جائے بلکہ ایسا کرنا تو اس وجہ سے ضروری ہوگا کہ انصاف کے تقاضے بر سر عدالت جرم کا ثبوت پیش کئے بغیر پورے نہیں ہوتے ورنہ ہر انسان خوب جانتا ہے کہ وہ خود کیا ہے؟ اپنے آپ کو جاننے کے لئے وہ اس کا محتاج نہیں ہوتا کہ کوئی دوسرا اسے بتائے کہ وہ خود کیا ہے؟ ایک جھوٹا دنیا بھر کو دھوکا دے سکتا ہے لیکن اسے خود کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے، ایک چور، کھ حیلے بہانے اپنی چوری چھپانے کے لئے اختیار کر سکتا ہے مگر اس کے نفس سے تو یہ بات مخفی نہیں کہ وہ چور ہے، اس لئے آخرت کی عدالت میں پیش ہوتے وقت ہر کافر، ہر منافق، ہر فاسق، ہر فاجر اور ہر مجرم خود جانتا ہوگا کہ وہ کیا کر کے آیا ہے اور کس حیثیت میں آج اپنے خدا کے سامنے کھڑا ہے۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ، یہاں سے لے کر آیت ۱۹ تک ایک جملہ معترضہ ہے جو سلسلہ کلام کو توڑ کر نبی ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے جیسا کہ ماقبل میں ہم اس کی وضاحت کر آئے ہیں۔

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ، یہ ایک بڑی اہم آیت ہے جس سے چند ایسی اصولی باتیں ثابت ہوتی ہیں جنہیں اگر آدمی اچھی طرح سمجھ لے تو ان گمراہیوں سے بچ سکتا ہے، جن میں پہلے بھی بعض لوگ مبتلا ہوتے رہے ہیں اور آج بھی مبتلا ہو رہے ہیں۔

اول اس سے صریح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر صرف وہی وحی نازل نہیں ہوتی تھی جو قرآن میں درج ہے؛ بلکہ اس کے علاوہ بھی وحی کے ذریعہ سے آپ ﷺ کو ایسا علم دیا جاتا تھا جو قرآن میں درج نہیں ہے جس کو اصطلاح میں ''وحی غیر متلو'' کہا جاتا ہے اس لئے کہ قرآن کے احکام و فرامین اس کے اشارات اور اس کی مخصوص اصطلاحات کا جو مفہوم و مدعا حضور ﷺ کو سمجھایا جاتا تھا وہ اگر قرآن ہی میں درج ہوتا تو یہ کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ اس کا مطلب سمجھا دینا یا اس کی تشریح کر دینا بھی ہمارے ذمہ ہے، کیونکہ وہ تو پھر قرآن ہی میں مل جاتا لہٰذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مطالب قرآن کی تفہیم و تشریح جو اللہ کی طرف سے کی جاتی تھی وہ بہر حال الفاظ قرآن کے ماسوا تھی یہ ''وحی خفی'' کا ایک اور ثبوت ہے جو ہمیں قرآن سے ملتا ہے۔

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ، یہاں سے سلسلہ کلام پھر جڑ جاتا ہے جو جملہ معترضہ سے پہلے چل رہا تھا، ہرگز نہیں؛ کا یہ مطلب ہے کہ تمہارے انکار آخرت کی اصل یہ وجہ نہیں ہے کہ تم خالق کائنات کو قیامت برپا کرنے اور مرنے کے بعد زندہ کرنے سے عاجز سمجھتے ہو؛ بلکہ اصل وجہ یہ ہے اور یہ انکار آخرت کی دوسری وجہ ہے پہلی وجہ آیت ۵ میں بیان کی گئی تھی کہ انسان چوں کہ فجور اور بے راہ روی کی کھلی چھوٹ چاہتا ہے اور ان اخلاقی پابندیوں سے بچنا چاہتا ہے جو آخرت کے ماننے سے لازماً اس پر عائد ہوتی ہیں، اس لئے خواہشات نفس اسے انکار آخرت پر ابھارتی ہیں اور وہ عقلی دلیلیں گھڑتا ہے تاکہ اپنے اس انکار کو معقول ثابت کرے، اب دوسری وجہ یہ بیان کی جا رہی ہے کہ منکرین آخرت چوں کہ تنگ نظر اور کوتاہ بین ہیں اس لئے ان کی نگاہ میں ساری اہمیت انہیں نتائج کی ہے جو اسی دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں اور ان نتائج کو وہ کوئی اہمیت نہیں دیتا جو آخرت میں ظاہر ہونے والے ہیں۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ، ناضرة بمعنی تر و تازہ یعنی اس روز کچھ چہرے ہشاش بشاش اور تر و تازہ ہوں گے، یہ چہرے اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے، اس سے ثابت ہوا کہ آخرت میں اہل جنت کو حق تعالیٰ کا دیدار بچشم سر نصیب ہوگا،

اس پر اہل سنت والجماعت وفقہاء کا اجماع ہے، صرف معتزلہ اور خوارج منکر ہیں اور ان کے انکار کی وجہ فلسفیانہ موشگافیاں اور شبہات ہیں کہ آنکھ سے دیکھنے کے لئے دیکھنے والے اور جس کو دیکھا جائے ان دونوں کے درمیان مسافت کے لئے جو شرائط ہیں، خالق اور مخلوق کے درمیان ان کا تحقق نہیں ہوسکتا۔ اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ آخرت میں حق تعالیٰ کی رویت وزیارت ان سب شرائط سے بے نیاز ہوگی نہ کسی جہت سے اس کا تعلق اور نہ کسی سمت سے اس کو ربط اور نہ کسی ہیئت وصورت سے اس کو بہ وکار روایات حدیث سے یہ مضمون بڑی صراحت ووضاحت سے ثابت ہے، بخاری شریف کی روایت ہے "اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ عِیَانًا" تم اپنے رب کو کھلم کھلا دیکھو گے، مسلم وترمذی میں حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب جنتی لوگ جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرمائے گا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ میں مزید کچھ عطا کروں؟ وہ عرض کریں گے کیا آپ نے ہمارے چہرے روشن نہیں کر دیئے؟ کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کر دیا؟ اور کیا آپ نے ہمیں جہنم سے بچا نہیں لیا؟ اس پر اللہ تعالیٰ پردہ ہٹا دے گا اس وقت ان لوگوں کو جو کچھ انعامات ملے تھے ان میں سے کوئی بھی انہیں اس سے زیادہ محبوب نہ ہوگا کہ وہ اپنے رب کی دیدار سے مشرف ہوں، اور یہی وہ مزید انعام ہے جس کے متعلق قرآن میں فرمایا گیا ہے "لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَةٌ" بخاری ومسلم کی ایک دوسری روایت میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا ہم قیامت کے روز اپنے رب کو دیکھیں گے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں سورج اور چاند دیکھنے میں کوئی دقت ہوتی ہے جب کہ درمیان میں بادل بھی نہ ہو؟ لوگوں نے عرض کیا نہیں آپ ﷺ نے فرمایا اسی طرح تم اپنے رب کو دیکھو گے۔ اسی مضمون سے ملتی جلتی اور کئی روایتیں ہیں جن سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں حق تعالیٰ کا دیدار ہوگا، لیکن دیدار کی کیفیت اللہ کو معلوم ہے۔

کَلَّا اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ (الآیة) اس آیت میں انسان کو متوجہ کیا گیا ہے کہ اپنی موت کو نہ بھولے، موت سے پہلے پہلے ایمان اور عمل صالح کی طرف آجائے، تاکہ آخرت میں نجات ملے اس آیت میں موت کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے کہ غفلت شعار انسان غفلت میں رہتا ہے یہاں تک کہ موت سر پر آکھڑی ہو اور روح تراقوہ یعنی گلے کی ہنسلی میں آپہنچے اور تیمار دار لوگ دوا، مدح سے عاجز ہو کر جھاڑ پھونک کرنے والوں کو تلاش کرنے لگیں اور ایک پاؤں کی پنڈلی دوسری پر لپٹنے لگے تو یہ وقت اللہ کے پاس جانے کا ہے، اب نہ توبہ قبول ہوتی ہے اور نہ عمل، اس لئے عقلمند پر لازم ہے کہ اس وقت سے پہلے اصلاح کی فکر کرے۔

فَلَا صَدَّقَ الانسان وَلَا صَلّٰی ۙ ای لم یصدق ولم یصل وَلٰکِنْ کَذَّبَ بالقرآن وَتَوَلّٰی ۙ عن الایمان ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓی اَهْلِهٖ یَتَمَطّٰی ۗ یتبختر فی مشیته اعجابًا اَوْلٰی لَکَ فیه التفات عن الغیبة والکلمة اسم فعل واللام للتبیین ای ولیک ما تکره فَاَوْلٰی ۙ ای فهو اولی بک من غیرک ثُمَّ اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی ۗ تاکید اَیَحْسَبُ یظن الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ سُدًی ۗ هملا لا یکلف بالشرائع ای لا یحسب ذلک

الْمَرِيكُ ای كن نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُمْنٰى بالياء والتاء تُصبُّ في الرحم ثُمَّ كَانَ المنيّ عَلَقَةً فَخَلَقَ الله منه الانسان فَسَوّٰى عدّل اعضائه فَجَعَلَ مِنْهُ من المني الذي صار علقة اى قطعة دم ثم مضغة اى قطعة لحم الزَّوْجَيْنِ النوعين الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى يجتمعان تارة وينفرد كل منهما عن الآخر تارة أَلَيْسَ ذٰلِكَ الفعّال لهذه الاشياء بِقٰدِرٍ عَلٰى أَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى قال صلى الله عليه وسلم بلى

ترجمہ: انسان نے نہ تو تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی لیکن اس نے قرآن کی تکذیب کی اور ایمان سے روگردانی کی (خود پسندی) سے اتراتا ہوا اپنے گھر والوں کے پاس گیا افسوس ہے تجھ پر اس میں غیبت سے (حاضر کی طرف) التفات ہے، اور (ویل) کلمۂ اسم فعل ہے اور لام تبیین کے لئے ہے یعنی جس چیز کو تو ناپسند کرتا ہے، تجھ کو پیش آنے والی ہے حسرت ہے تجھ پر، پس وہ اولیٰ ہے تیرے لئے یعنی وہ تیرے لئے دوسروں کے اعتبار سے بہتر ہے، پھر وائے ہے تیرے لئے اور خرابی ہے تاکید ہے کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس کو بے کار چھوڑ دیا جائے گا؟ کہ اس کو (احکام) وشرائع کا مکلف نہ بنایا جائے گا، کیا وہ منی کا نطفہ نہیں تھا جو ٹپکایا گیا تھا؟ یاء اور تاء کے ساتھ (یعنی) رحم میں ٹپکایا گیا ہے پھر وہ منی کا قطرہ خون کا لوتھڑا ہو گیا؟ بعد ازاں اللہ نے اس سے انسان پیدا فرمایا پھر اس کے اعضاء کو درست کیا پھر اس نطفہ منی سے جو علقہ یعنی خون کا لوتھڑا ہو گیا تھا مضغہ یعنی گوشت کا وتھڑا ہو گیا مذکر و مؤنث کا جوڑا بنایا؟ کبھی نر کا لڑکی جمع ہو جاتے ہیں کبھی دونوں الگ الگ ہوتے ہیں، کیا ان چیزوں کا کرنے والا اس بات پر قادر نہیں کہ مردوں کو زندہ کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! کیوں نہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: والـلام للتبيين، اَوْلٰى لَكَ میں لام مفعول کی وضاحت کے لئے زائدہ ہے جو مفعول پر داخل ہے جیسا کہ سقیًا لك وردِف لكم میں ہے۔

قولہ: وَلِيَكَ ما تكرهُ یہ معنی فعل کا بیان ہے یعنی جس کو تو ناپسند کرتا ہے وہ تجھ کو پیش آئے گا۔

قولہ: يُمْنٰى، بالياء والتاء، اگر یاء کے ساتھ ہے تو مرجع منی ہوگا اور اگر تاء کے ساتھ ہو تو مرجع نطفہ ہوگا۔

تفسیر و تشریح

اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى الخ لفظ اَوْلٰی، وَیْلٌ کا مقلوب ہے "وَیل" کے معنی ہلاکت اور بربادی کے ہیں، یہاں اس شخص کے لئے جس نے کفر و تکذیب ہی کو اپنا شعار بنا رکھا ہے اور دنیا کے مال و دولت میں مست رہا ہے، پھر اسی حالت پر مر گیا

اس کیلئے چار مرتبہ لفظ ہلاکت و بربادی استعمال کیا گیا ہے سب علی الترتیب ثابت ہوں گے، مرنے کے وقت، پھر قبر میں، پھر حشر میں، پھر جہنم میں۔

اَلَیْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ الخ یعنی کیا وہ ذات حق جس کے قبضے میں موت وحیات اور سارا جہان ہے اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو دوبارہ زندہ کردے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص سورۂ قیامہ کی اس آیت کی تلاوت کرے تو اس کو یہ کلمات کہنا چاہئیں "بَلٰی وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِیْنَ"

بعض مفسرین نے فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی الخ کا یہ ترجمہ کیا ہے، مگر اس نے نہ سچ مانا اور نہ نماز پڑھی بلکہ جھٹلایا اور پلٹ گیا پھر اکڑتا ہوا اپنے گھر والوں کی طرف چل دیا، یہ روش تیرے ہی لئے سزاوار ہے اور تجھی کو زیب دیتی ہے، ہاں یہ روش تیرے ہی لئے سزاوار ہے اور تجھے ہی زیب دیتی ہے۔

مفسرین نے اولٰی لك، کے متعدد معنی بیان کئے ہیں، تف ہے تجھ پر، ہلاکت ہے تجھ پر، خرابی یا تباہی یا کمبختی ہے تیرے لئے، لیکن موقع ومحل کے لحاظ سے اس کا مناسب ترین مفہوم وہ ہے جو حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ جب تو اپنے خالق سے کفر کرنے کی جرأت کر چکا ہے تو پھر تجھ جیسے آدمی کو یہی چال زیب دیتی ہے جو تو چل رہا ہے۔



سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اِحْدٰى وَثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ الْاِنْسَانِ مَكِّيَّةٌ اِحْدٰى وَثَلٰثُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ انسان مکی ہے، اکتیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هَلْ قد **اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ** آدم **حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ** اربعون سنة **لَمْ يَكُنْ** فيه **شَيْئًا مَّذْكُوْرًا** كان فيه مصورًا من طين لا يذكر او المراد بالانسان الجنس وبالحين مدة الحمل **اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ** الجنس **مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ** اخلاط اى من ماء الرجل وماء المرأة المختلطين الممتزجين **نَّبْتَلِيْهِ** نختبره بالتكليف والجملة مستأنفة او حال مقدرة اى مريدين ابتلاءه حين تأهله **فَجَعَلْنٰهُ** بسبب ذلك **سَمِيْعًا بَصِيْرًا اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ** بيّنّا له طريق الهدى ببعث الرسل **اِمَّا شَاكِرًا** اى مؤمنا **وَّاِمَّا كَفُوْرًا** حالان من المفعول اى بيّنّا له فى حال شكره او كفره المقدرة واِمّا لتفصيل الاحوال **اِنَّا اَعْتَدْنَا** هيأنا **لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا** يسحبون بها فى النار **وَاَغْلٰلًا** فى اعناقهم تشد فيها السلاسل **وَّسَعِيْرًا** نارًا مسعرة اى مهيجة يعذبون بها **اِنَّ الْاَبْرَارَ** جمع بَرّ او بارّ وهم المطيعون **يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ** هو اناء شرب الخمر وهى فيه والمراد من خمر تسمية للحال باسم المحل ومن للتبعيض **كَانَ مِزَاجُهَا** ما تمزج به **كَافُوْرًا عَيْنًا** بدل من كافورًا فيها رائحته **يَّشْرَبُ بِهَا** منها **عِبَادُ اللّٰهِ** اولياؤه **يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا** يقودونها حيث شاءوا من منازلهم **يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ** فى طاعة الله **وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا** منتشرًا **وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ** اى الطعام وشهوتهم له **مِسْكِيْنًا** فقيرًا **وَّيَتِيْمًا** لا اب له **وَّاَسِيْرًا** يعنى المحبوس بحق **اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ** لطلب ثوابه **لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا** شكرًا فيه علة الاطعام وهل تكلموا بذلك او علمه الله منهم فاثنى عليهم به قولان **اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا** تكلح الوجوه فيه اى كريه المنظر لشدته **قَمْطَرِيْرًا** شديدًا فى ذلك **فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ** اعطاهم **نَضْرَةً** حسنًا واضاءة فى وجوههم **وَّسُرُوْرًا**

وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا بصبرهم عن المعصية جَنَّةً أدخلوها وَحَرِيْرًا ألبسوه مُّتَّكِـِٕيْنَ حال من مرفوع أدخلوها المقدرة وكذا لا يرون فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ السرر في الحجال لَا يَرَوْنَ يجدون حال ثانية فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا أي لا حرا ولا بردا وقيل الزمهرير القمر فهي مضيئة من غير شمس ولا قمر وَدَانِيَةً قريبة عطف على محل لا يرون أي غير رائين عَلَيْهِمْ منهم ظِلٰلُهَا شجرها وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا أدنيت ثمارها فينالها القائم والقاعد والمضطجع وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ أقداح بلا عرى كَانَتْ قَوَارِيْرَا قَوَارِيْرَاْ مِنْ فِضَّةٍ أي أنها من فضة يرى باطنها من ظاهرها كالزجاج قَدَّرُوْهَا أي الطائفون تَقْدِيْرًا على قدر ري الشاربين من غير زيادة ولا نقص وذلك ألذ الشراب وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا أي خمرا كَانَ مِزَاجُهَا ما تمزج به زَنْجَبِيْلًا عَيْنًا بدل من زنجبيلا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا يعني أن ماءها كالزنجبيل الذي تستلذ به العرب سهل المساغ في الحلق وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ بصفة الولدان لا يشيبون اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لحسنهم وانتشارهم في الخدمة لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا من سلكه أو من صدفه وهو أحسن منه في غير ذلك وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ أي وجدت الرؤية منك في الجنة رَاَيْتَ جواب إذا نَعِيْمًا لا يوصف وَّمُلْكًا كَبِيْرًا واسعا لا غاية له عَلَيْهِمْ فوقهم فنصبه على الظرفية وهو خبر المبتدأ بعده وفي قراءة بسكون الياء مبتدأ وما بعده خبر والضمير المتصل به للمعطوف عليهم ثِيَابُ سُنْدُسٍ حرير خُضْرٌ بالرفع وَّاِسْتَبْرَقٌ بالجر ما غلظ من الديباج وهو البطائن والسندس الظهائر وفي قراءة عكس ما ذكر فيهما وفي أخرى برفعهما وفي أخرى بجرهما وَّحُلُّوْا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ وفي موضع آخر من ذهب للإيذان بأنهم يحلون من النوعين معا ومفرقا وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا مبالغة في طهارته ونظافته بخلاف خمر الدنيا اِنَّ هٰذَا النعيم كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، بے شک انسان (یعنی) آدم پر زمانہ میں ایسا وقت (یعنی) چالیس سال بھی گذرا ہے کہ وہ اس میں کوئی قابل ذکر چیز نہیں تھا (بلکہ) وہ اس زمانہ میں ایک نا قابل ذکر مٹی کا پتلا تھا، یا انسان سے جنس انسان مراد ہے، اور حین سے مدت حمل مراد ہے، بے شک ہم نے انسان کو مرد اور عورت (یعنی) حال یہ کہ ہم اس کو اہل بنا کر آزمانے والے تھے، اسی لئے ہم نے اس کو شنوا اور بینا بنایا، ہم نے اس کو راہ دکھائی (یعنی) رسول بھیج کر اس کے لئے راہ ہدایت واضح فرمائی، اب خواہ وہ شکر گذار مومن بنے، یا نا شکرا دونوں مفعول سے حال ہیں یعنی اس کی حالت شکر یا حالت کفر میں جو اس کے لئے مقدر ہے (یعنی) راستہ واضح کر دیا، اور اِمَّا حالات کی تفصیل کے لئے ہے، بے

شک ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں جن کے ذریعہ ان کو آگ میں گھسیٹا جائے گا اور طوق ان کی گردن میں کہ جن میں زنجیریں کو باندھا جائے گا اور دہکتی ہوئی آگ جس میں ان کو عذاب دیا جائے گا تیار کر رکھی ہے، بے شک نیک لوگ ایسا جام شراب پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی کاس شراب کے اس پیالے کو کہتے ہیں جس میں شراب ہو اور کاس سے مراد جام کی شراب ہے، یعنی محل بول کر حال مراد ہے اور مِنْ تبعیضیہ ہے، (کافور) ایک چشمہ ہے کہ جس سے اللہ کے نیک بندے اس کے ذریعہ پئیں گے عَیْنًا، کافور سے بدل ہے، وہ چشمہ کہ جس میں کافور کی خوشبو ہوگی اور اپنے گھروں میں جہاں چاہیں گے اس سے نہریں نکال کرلے جائیں گے اور خدا کی طاعت میں جو نذریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی چاروں طرف پھیل جانے والی ہے اور مسکین کو یعنی فقیر اور یتیم کو جس کا باپ نہ ہو اور قیدیوں کو جو (اس پر) کی کے حق میں محبوس ہو اس کھانے کی خواہش کے باوجود کھلاتے ہیں (حال یہ کہ وہ کہتے ہیں) ہم تو تمہیں خدا کی رضا مندی یعنی طلب ثواب کے لئے کھلاتے ہیں نہ ہم تم سے کوئی صلہ چاہتے ہیں اور نہ شکر گذاری، اس میں کھانا کھلانے کی علت کا بیان ہے، خواہ انہوں نے یہ بات کہی ہو یا خدا کو ان کے بارے میں اس بات کا علم ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی ہو، دونوں قول ہیں، بے شک ہم اپنے پروردگار سے اداسی کے دن سے جس میں چہرے بگڑ جائیں گے ڈرتے ہیں یعنی اس دن کی نہایت شدت کی وجہ سے بہت منقبض ہو جائیں گے، پس انہیں اللہ تعالیٰ نے اس دن کی برائی سے بچا لیا اور انہیں تازگی (یعنی) حسن اور چہرے کی رونق اور خوشی عطا فرمائی اور ان کے معصیت سے باز رہنے پر صبر کرنے کے بدلے انہیں جنت میں داخلہ اور ریشم کا لباس عطا فرمایا، یہ لوگ وہاں مسہریوں پر خیموں میں تکیہ لگائے بیٹھیں گے (متکئین) ادخلوھا مقدر کی ضمیر مرفوع سے حال ہے نہ وہاں آفتاب کی گرمی دیکھیں گے اور نہ جاڑے کی سردی، یعنی نہ گرمی اور نہ سردی ہوگی، (لَا یَرَوْنَ) لَا یَجِدُوْنَ کے معنی میں حال ثانیہ ہے، کہا گیا ہے کہ زمھریر سے مراد قمر ہے (جنت) بغیر شمس و قمر کے (نور عرش سے منور ہوگی) اور ان پر جنت کے درختوں کے سایہ جھکے ہوئے ہوں گے، (دانیۃ) کا عطف لایرون کے محل پر ہے ای لَا یَرَوْنَ غیرَ رَائِیْنَ کے معنی ہیں، اور ان درختوں کے پھلوں کے گچھے نیچے لٹکائے گئے ہوں گے، یعنی ان درختوں کے پھل قریب کر دیئے گئے ہوں گے، کہ ان کو کھڑے کھڑے اور بیٹھے بیٹھے اور لیٹے لیٹے حاصل کر لیں، اور جنت میں ان پر چاندی کے برتنوں اور ایسے جاموں کا دور چلایا جائے گا، کہ جو شیشے کے ہوں گے (اکواب) ایسے جام کہ جن میں ٹونٹی نہ ہو اور شیشے بھی چاندی کے یعنی وہ جام ایسی چاندی کے ہوں گے کہ جن کا اندر باہر سے نظر آئے گا، کانچ کے مانند اور دور چلانے والے ان جاموں کو ایک انداز سے پینے والوں کے پیاس سے مطابق بغیر زیادتی اور کمی کے بھریں گے اور یہ (طریقہ) لذیذ ترین طریقہ ہے اور انہیں وہاں ایسے جام شراب پلائے جائیں گے کہ جن کی آمیزش زنجبیل (سونٹھ) کی ہوگی یعنی ان میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی، جنت کے ایک چشمے سے کہ جس کا نام سلسبیل ہے، عَیْنًا، زنجبیل سے بدل ہے یعنی اس کا پانی زنجبیل کی مانند ہوگا جس سے عرب لذت حاصل کرتے ہیں جس کا حلق سے اترنا سہل ہوگا، اور ان کے پاس ایسے نوخیز لڑکے آمد و رفت رکھیں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے، یعنی نوجوانی کی

صفت سے ہمیشہ متصف رہیں گے کبھی بوڑھے نہ ہوں گے، اور جب تو انہیں دیکھے تو سمجھے کہ وہ لڑی یا صدف سے بکھرے ہوئے موتی ہیں اور لڑی میں یا صدف میں حسین ترین معلوم ہونے کی وجہ سے، اور تو وہاں جہاں کہیں نظر ڈالے گا یعنی جب بھی تیری طرف سے رویت پائی جائے گی تو تو نعمت ہی نعمت کہ ان کی صفت بیان نہیں ہوسکتی اور بڑا ملک دیکھے گا ایسا وسیع کہ اس کی کوئی انتہا نہ ہوگی وہ سبز ریشم کے موٹے اور باریک کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے (عالِیَهُمْ) ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے، اور اس کا مابعد مبتداء کی خبر ہے، اور ایک قراءت میں یاء کے سکون کے ساتھ مبتداء ہے اور اس کا مابعد اس کی خبر ہے، اور (عَالِیَهُمْ) کی ضمیر متصل معطوف علیہ (یعنی) جنتیوں کی طرف راجع ہے، خُضرٌ رفع کے اور استبرق جر کے ساتھ، ریشم کے موٹے کپڑے کو کہتے ہیں اور وہ استر ہوگا، اور سُنْدُسٌ ابرا (اوپر کا کپڑا) اور ایک قراءت میں مذکورہ قراءت کا عکس ہے اور ایک تیسری قراءت میں دونوں کا رفع ہے اور ایک اور قراءت میں دونوں کا جر ہے، اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ایک دوسری جگہ ہے کہ ان کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کو دونوں قسم کے زیور ایک ساتھ یا متفرق طریقہ پر پہنائے جائیں گے، اور انہیں ان کا رب پاک صاف شراب پلائے گا وہ شراب اپنی طہارت اور نظافت میں انتہا درجہ پہنچی ہوگی بخلاف دنیا کی شرابوں کے (ان سے کہا جائے گا) یہ نعمتیں تمہارے لئے بطور صلہ کے ہیں اور تمہاری کوشش کی قدر کی گئی۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: هَلْ قَدْ اس میں اشارہ ہے کہ هَلْ بمعنی قَدْ ہے اس لئے کہ استفہام کے معنی اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہیں، یا پھر استفہام تقریری ہوسکتا ہے۔

قَوْلُہٗ: علی الانسان، آدم یہاں انسان کی تفسیر آدم سے کی ہے اور آئندہ انسان کی تفسیر جنس آدم سے کی ہے، حالانکہ قاعدہ ہے اِذَا اُعیدَت المعرفة کانت عین الاولی جب معرفہ کا اعادہ کیا جائے تو عین اولی مراد ہوتا ہے اس کا مقتضی ہے کہ دونوں جگہ انسان کی تفسیر آدم سے ہو۔

جَوَابٌ: یہ قاعدہ اکثریہ ہے کلیہ نہیں۔

دُوسرا جَوَابٌ: خلقنا الانسان میں مضاف محذوف ہے ای خلقنا ذُرِّیَةَ الْاِنْسَان.

قَوْلُہٗ: نَبْتَلِیْهِ جملہ مستانفہ ہے یا خلقنا کی ضمیر فاعل سے حال مقدرہ ہے ای خَلَقْنَاهُ حال کونِہٖ مریدین اِبتلاءَہٗ اس لئے کہ ابتلا بالتکالیف سمیع و بصیر ہونے کے بعد ہی ہوتی ہے نہ کہ اس سے پہلے۔

قَوْلُہٗ: اِنَّا هَدَیْنَاهُ یہاں ہدایت سے مراد دلالت اور رہنمائی ہے مفسر علام نے بَیَّنَّا کہہ کر اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: كَاْسٍ ''جام شراب'' یہاں کاس بول کر مجازاً شراب مراد ہے یعنی ظرف بول کر مظروف مراد ہے، اور اگر کاس سے ظرف ہی مراد لیا جائے تو مِنْ کو ابتدائیہ ماننا ہوگا یعنی شراب پینے کی ابتداء جام شراب سے ہوگی، ظرف بول کر مظروف مراد

لیٹے سے تکلف کی وجہ یہ ہے کہ كَانَ مِزَاجُهَا كافورًا جملہ ہوکر کأس کی صفت واقع ہورہی ہے ترجمہ یہ ہوگا جنتی ایسے جام سے پئیں گے کہ جس میں کافور کی آمیزش ہوگی حالانکہ جام میں کافور کی آمیزش کا کوئی مطلب نہیں ہے، البتہ شراب میں آمیزش ہوسکتی ہے اسی شبہ کو دفع کرنے کے لئے کہہ دیا کأس سے مافی الکأس مراد ہے۔

قَوْلُہٗ: يَشْرَبُ بِهَا، باء میں چند وجوہ ہیں۔ ① باء زائدہ ای یشربُهَا اس وقت یشرب متعدی بنفسہ ہوگا۔ ② بمعنی مِنْ مفسر علام نے یہی معنی مراد لئے ہیں، ③ باء حالیہ، ای ممزوجة بها ④ یشربون یلتذون کے معنی کو متضمن ہو، ای یلتذون بها شاربین.

قَوْلُہٗ: المحبوس بحق اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پر کسی کا حق واجب ہے مثلاً قرض وغیرہ جس کو یہ ادا نہیں کر سکتا، قرض خواہ نے اپنے حق کے عوض اس کو قید کرا دیا، اس لئے کہ قرض خواہ کو یہ حق ہے کہ مقروض کو عدم ادائیگی کی صورت میں قید کرادے اور اگر کوئی شخص باطل اور غلط طریقہ پر محبوس ہے تو اس کو کھانا کھلانا بطریق اولیٰ کار ثواب ہوگا۔

قَوْلُہٗ: اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ الخ، قائلین اس سے پہلے محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: شُكُوْرًا، شکرًا کے معنی میں ہے فواصل کی رعایت کی وجہ سے شکورًا لایا گیا ہے، ایک نسخہ میں فیه علة الاطعام ہے، اس کا مطلب ہے کہ انما نُطْعِمُكم لوجه الله یہ اطعام کی علت ہے، اور بعض نسخوں میں علة کے بجائے عَلِی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم تم کو لوجہ اللہ کھانا کھلاتے ہیں اس کھلانے پر ہم شکریہ کے طلب نہیں ہیں، مگر اس صورت میں فیه کی ضرورت نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: وَهَلْ تَكَلَّمُوْا بِذٰلِكَ اَوْ عَلِمَهُ اللّٰهُ مِنْهُمْ اس عبارت کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مذکورہ جملہ میں دو احتمال ہیں اول یہ کہ یہ مقولہ کھانا کھلانے والوں کا ہو اور انہوں نے زبان مقال سے یہ بات کہی ہو، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ مقولہ اللہ تعالیٰ کا ہو، اور اللہ تعالیٰ کو چونکہ ہر شخص کی نیت اور ارادہ کا علم ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ انہوں نے کھانا لوجہ اللہ کھلایا ہے کسی صلہ یا شکریہ کا طالب ہوکر نہیں کھلایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف کرتے ہوئے یہ جملہ فرمایا۔

قَوْلُہٗ: يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا، عَبُوْسٌ صفت مشبہ کا صیغہ ہے منہ بگاڑنے والا، ترش رو ہونے والا، قمطریرًا مصیبت اور رنج کا طویل دن (یعنی روز قیامت) کو کہتے ہیں، اصل محاورہ میں قَمْطَرَتِ النَّاقَةُ اس وقت بولتے ہیں جب اونٹنی دم اٹھا کر، ناک چڑھا کر، منہ بنا کر مکروہ شکل اختیار کرلے، اسی مناسبت سے ہر مکروہ اور رنج دہ دن کو "قمطریر" کہتے ہیں اصل مادہ قَطْرٌ ہے میم زائد ہے (لغات القرآن) يَوْمًا موصوف ہے عَبُوْسًا صفت اول ہے اور قَمْطَرِيْرًا صفت ثانی ہے جملہ ہوکر نَخَافُ کا ظرف ہے۔

قَوْلُہٗ: فِي ذٰلِكَ، ای فی العبوس.

قَوْلُہٗ: لَايَرَوْنَ یہ بھی اُدْخِلُوْا کی ضمیر سے حال ثانیہ ہے۔

قَوْلُہٗ: زمهريرا، زمهريرا کے معنی سخت سردی کے ہیں فلسفی اصطلاح میں زمہریر فضاء میں ایک نہایت شدید سرد طبقہ کا نام ہے اس کے علاوہ فضاء میں کرۂ ناری اور کرۂ ہوائی بھی ہیں۔

قَوْلُہٗ: علی مَحَلِّ لا یرون، لا یرون حال ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے اسی وجہ سے دانیة بھی منصوب ہے۔

قَوْلُہٗ: علیہِمْ، مِنْهُمْ، علی کی تفسیر من سے کرکے اشارہ کردیا کہ علی بمعنی من ہے اس لئے کہ دانیة کا صلہ مِن مستعمل ہے نہ کہ علی.

قَوْلُہٗ: شجرها، ظلالُها کی تفسیر شجرها سے کرنے کا مقصد ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے، اعتراض یہ ہے کہ جنت کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہوں گے، حالانکہ سایہ سورج کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور جنت میں شمس و قمر نہ ہوں گے تو سایہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اس کا جواب دیا کہ ظلال سے مراد نفس شجر ہے یعنی درخت کی شاخیں جھکی ہوئی ہوں گی۔

قَوْلُہٗ: احسنُ منهُ فی غیر ذلك اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب دینا ہے۔

سُوَال: جنت کے غلمان کو بکھرے ہوئے موتیوں سے تشبیہ دینے میں کیا حکمت ہے؟ جب کہ عام طور پر منظوم اور پروئے ہوئے موتیوں سے تشبیہ دی جاتی ہے؟

جَوَاب: جنتی غلمان کو حسن، انتشار میں غیر مثقب (بن بندھے) موتیوں سے تشبیہ دینا مقصود ہے، اس لئے کہ موتی میں سوراخ ہونے کے بعد چمک اور صفائی کم ہوجاتی ہے جو کہ ایک قسم کا نقص ہے اور بن بندھے (غیر مثقب) موتی منتشر ہی ہوتے ہیں، یعنی موتی جب صدف اور سلک میں نہیں ہوتا تو وہ حسن و خوبی میں بہتر ہوتا ہے اس سے جو صدف یا سلک میں ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: اِذا رَأیت ای وَحدتَ، رأیت کی تفسیر وَحدتَ سے کرکے اشارہ کردیا کہ رأیت یہاں لازم ہے اسی وجہ سے اس کے مفعول کو حذف کردیا گیا ہے۔

تفسیر و تشریح

هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنسانِ، هَلْ بمعنی قَدْ ہے جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے الانسان سے بعض حضرات نے ابوالبشر ''آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام'' مراد لئے ہیں، اور حین سے روح پھونکنے تک کا زمانہ مراد لیا ہے، جو چالیس سال ہے، اور اکثر مفسرین نے الانسان کو بطور جنس کے استعمال کیا ہے، اور حین سے مراد حمل کی مدت لی ہے جس میں جنین قابل ذکر شئ نہیں ہوتی، اس میں گویا انسان کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ ایک پیکر حسن و جمال کی صورت میں رحم مادر سے باہر آتا ہے اور جب عنفوان شباب کا زمانہ آتا ہے تو اپنے رب کے سامنے اکڑتا اور اتراتا ہے، اسے اپنی حیثیت اور حقیقت یاد رکھنی چاہئے کہ میں تو وہی ہوں کہ مجھ پر ایک زمانہ ایسا بھی گذرا ہے جب میں عالم نیست میں تھا اور کوئی قابل ذکر شئ نہ تھا۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ، پہلی آیتوں میں اشقیاء کا ذکر تھا اب ان کے مقابلہ میں سعداء کا ذکر ہے، کأس اس جام کو کہتے ہیں جو بھرا ہوا ہو، کافور ایک ٹھنڈی اور مخصوص خوشبو کی حامل شئ ہوتی ہے اس کی آمیزش سے شراب کا ذائقہ دو آتشہ اور اس کی خوشبو

شام جان کو معطر کرنے والی ہوجاتی ہے۔

یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ الخ، یعنی صرف ایک اللہ کی اطاعت اور عبادت کرتے ہیں اور نذر بھی مانتے ہیں تو صرف اللہ کے لئے اور اسے پورا کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ نذر کا پورا کرنا ضروری ہے بشرطیکہ معصیت کی نہ ہو۔

نذر ماننے کی چند شرائط:

مسئلہ: نذر ماننے کی چند شرائط ہیں، اول یہ کہ جس کام کی نذر مانی جائے وہ جائز ہو معصیت نہ ہو، اگر کسی شخص نے ناجائز کام کی نذر مانی تو اس پر لازم ہے کہ وہ ناجائز کام نہ کرے اور قسم کو توڑ دے اور قسم کا کفارہ ادا کردے اگر نذر قسم کے ساتھ مانی ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ وہ پہلے سے واجب نہ ہو اس لئے کہ اگر کوئی شخص واجب یا فرض کی نذر مان لے تو یہ لغو ہوگی۔

امام صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ جس کام کو بذریعہ نذر اپنے اوپر لازم کیا ہے، اس کی جنس کی کوئی عبادت شریعت میں واجب کی گئی ہو جیسے نماز، روزہ، صدقہ، حج، قربانی وغیرہ، اور جس کی جنس کی شریعت میں کوئی عبادت واجب نہیں، اس کی نذر ماننے سے نذر لازم نہ ہوگی، جیسے کسی مریض کی عیادت کی نذر یا جنازہ کے پیچھے چلنے کی نذر وغیرہ، نذر کے احکام کی تفصیل کے لئے کتب فقہ کی طرف رجوع کریں۔

وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ الخ، یعنی اہل جنت کے لئے مذکورہ انعامات اس لئے بھی ہیں کہ وہ دنیا میں مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے، عَلٰی حُبِّہٖ میں علی بمعنی مع ہے مطلب یہ کہ یہ لوگ ایسی حالت میں بھی غریبوں کو کھانا کھلاتے تھے، جب کہ وہ خود کھانے کے محتاج اور ضرورت مند ہوتے تھے، قیدی سے مراد وہ قیدی ہیں جنہیں اصول شریعت کے مطابق قید کیا گیا ہو، خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، مگر بہر حال قیدیوں کو کھانا کھلانا حکومت اور بیت المال کی ذمہ داری ہے جو شخص ان کو کھانا کھلاتا ہے وہ حکومت اور بیت المال کی مدد کرتا ہے۔

اِنَّا نَحْنُ تاكِيدٌ لِاسْمِ اِنَّ او فَصْلٌ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا خَبَرُ اِنَّ اى فَصَّلْنَاهُ وَلَمْ نُنَزِّلْهُ جُمْلَةً وَاحِدَةً فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ عَلَيْكَ بِتَبْلِيغِ رِسَالَتِه وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اى الكُفَّارِ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا اى عُتْبَةَ بْنَ رَبِيعَةَ والوَلِيدَ بْنَ المُغِيرَةِ قَالَا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِرْجِعْ عن هذا الاَمْرِ وَيَجُوزُ اَنْ يُرَادَ كُلُّ اٰثِمٍ وَكَافِرٍ اى لا تُطِعْ اَحَدَهُمَا اَيَّ كَانَ فِيمَا دَعَاكَ اِلَيْهِ مِنْ اِثْمٍ و كُفْرٍ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ فِي الصَّلوٰةِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا يَعْنِي الفَجْرَ والظُّهْرَ والعَصْرَ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ يَعْنِي المَغْرِبَ والعِشَاءَ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا صَلِّ التَّطَوُّعَ فِيهِ كَمَا تَقَدَّمَ مِنْ ثُلُثَيْهِ او نِصْفِه او ثُلُثِه اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ الدُّنْيَا يَخْتَارُوْنَ عَلَى الاٰخِرَةِ وَيَذَرُوْنَ وَرَاۗءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا شَدِيدًا اى يَوْمَ القِيٰمَةِ لا يَعْمَلُوْنَ لَهٗ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ قَوَّيْنَا اَسْرَهُمْ اَعْضَاءَهُمْ وَمَفَاصِلَهُمْ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ جَعَلْنَا اَمْثَالَهُمْ فِي الخِلْقَةِ بَدَلًا مِنْهُمْ بِاَنْ نُهْلِكَهُمْ تَبْدِيْلًا تاكِيدٌ

ووقعت إذا موقع إن نحو إن يشأ يُذهبكم لانه تعالى لم يشأ ذلك وإذا لما يقع إِنَّ هٰذِهٖ السورة تَذْكِرَةٌ عظة للخلق فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا بالطاعة وَمَا تَشَآءُوْنَ بالتاء والياء اتخاذ السبيل بالطاعة اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ذلك اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا بخلقه حَكِيْمًا في فعله يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ جنته وهم المؤمنون وَالظّٰلِمِيْنَ ناصبه فعل مقدر اي أعد يفسره اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا مؤلمًا وهم الكافرون

ع ٢

ترجمہ: بے شک ہم نے قرآن کو آپ ﷺ پر بتدریج نازل کیا ہے نحن، إنّ کے اسم کی تاکید ہے یا فصل کے لئے ہے (نزلنا علیك الخ) إنّ کی خبر ہے یعنی ہم نے قرآن تھوڑا تھوڑا کرکے نازل کیا، پس تو اپنے رب کے حکم پر اس کے پیغام کو پہنچا کر قائم رہ اور ان کفار میں سے کسی گنہگار اور ناشکرے کی بات نہ مان یعنی عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن مغیرہ کی جنہوں نے نبی ﷺ سے کہا تھا کہ تم اپنی اس تحریک سے باز آجاؤ اور یہ بھی درست ہے کہ ہر گنہگار اور کافر مراد ہو یعنی ان میں سے تو کسی کی بات نہ مان اس گناہ اور کفر کے معاملہ میں جس کی طرف یہ آپ ﷺ کو دعوت دے رہے ہیں، اور اپنے رب کے نام کا نماز میں صبح وشام ذکر کیا کر یعنی فجر اور ظہر اور عصر میں اور رات کے وقت اس کے سامنے سجدہ کر یعنی مغرب اور عشاء کی نماز پڑھ، اور بہت رات تک اس کی تسبیح کیا کر (یعنی) رات میں نفل نماز پڑھا کر جیسا کہ سابق میں گذر چکا ہے، دو تہائی یا نصف رات یا ایک تہائی رات، بے شک یہ لوگ دنیا کو چاہتے ہیں اور اپنے پیچھے ایک بڑے بھاری دن کو چھوڑ دیتے ہیں سخت دن کو، یعنی قیامت کے دن کو، کہ اس کے لئے عمل نہیں کرتے ہم نے ان کو پیدا کیا اور ان کے اعضاء و مفاصل کو مضبوط کیا اور ہم جب چاہیں ان کے بدلے تخلیق میں ان جیسے (دیگر لوگ) لے آئیں اس طریقہ پر کہ ان کو ہلاک کردیں تبدیلاً تاکید ہے اور إذا، إنْ کی جگہ واقع ہوا ہے جیسا کہ "إِنْ یَشَأ یُذهِبکُم" میں، مگر اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں چاہا، اور إذا، یقینی الوقوع کے لئے استعمال ہوتا ہے، بے شک یہ سورت مخلوق کے لئے نصیحت ہے پس جو چاہے طاعت کے ذریعہ اپنے رب کی راہ اختیار کرے اور تم طاعت کے ذریعہ راستہ نہ چاہو گے مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے (تشاؤن) تاء اور یاء کے ساتھ بے شک اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق اور اپنے فعل کے بارے میں علم وحکمت والا ہے جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کرلے اور وہ مومنین ہیں اور ظالموں کے لئے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے اور وہ کافر ہیں (الظالمین) کا ناصب فعل مقدر ہے اور وہ أعدّ ہے جس کی تفسیر أعدّ لهم کر رہا ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: تاکید لاسم إنّ، او فصل، اس عبارت کا مقصد إنّا نحنُ نزّلنا الخ کی دو ترکیبوں کی طرف اشارہ کرنا ہے، ① نحنُ، إنّا کی ضمیر کی تاکید ہے اور تاکید مؤکد سے مل کر مبتداء اور نزّلنا اس کی خبر، ② إنّا مبتداء اول نحنُ ضمیر فصل، مبتداء ثانی نزّلنا خبر مبتداء ثانی وہ اپنی خبر سے مل کر جملہ ہو کر، مبتداء اول کی خبر۔

قَوْلُہٗ: اِنَّ ھٰؤُلَاءِ یُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ یہ ماقبل مذکور امرونہی کی علت ہے، یعنی آپ ﷺ مذکورین سے اعراض اور توجہ الی اللہ اس لیے کیجئے کہ ان لوگوں کے توجہ الی اللہ نہ کرنے کی وجہ دنیا طلبی اور آخرت سے بے خوفی ہے۔

قَوْلُہٗ: وَیَذَرُوْنَ وَرَاءَ ھُمْ یَوْمًا ثَقِیْلًا، وَرَاءَ ھُمْ، یَوْمًا سے حال مقدم ہے اس لئے کہ دراصل وَرَاءَ ھُمْ، یَوْمًا نکرہ کی صفت ہے یَوْمًا ثقیلاً موصوف صفت سے مل کر یذرون کا مفعول ہے۔

قَوْلُہٗ: وَقعتْ اِذَا موقع اِن اس عبارت کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَالٌ: اِذَا امور محققہ کے لئے استعمال ہوتا ہے اور یہ تبدیلی واقع نہیں ہوئی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے نہیں چاہا تو یہ امر محتمل ہوا نہ کہ محقق اور امور محتملہ کے لئے اِنْ آتا ہے نہ کہ اِذَا؟

جَوَابٌ: اِذَا بمعنی اِنْ ہے مجازاً۔

قَوْلُہٗ: ذلك، ای اتخاذ السبیل.

قَوْلُہٗ: نَاصِبُهٗ فعلٌ مقدرٌ یہ ما اُضْمِرَ عامله علی شریطة التفسیر کے قبیل سے ہے یعنی الظالمین فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے ای اَعَدَّ الظّٰلمین اَعَدَّلَهُمْ.

تَفسِیر وتَشریح

فَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّكَ الخ یعنی آپ ﷺ کے رب نے جس کار عظیم پر آپ کو مامور کیا ہے اس کی راہ میں سختیوں اور تکالیف پر صبر کرو، آپ ﷺ پر اس سلسلہ میں جو حالات بھی آئیں انہیں پامردی سے برداشت کرو، اور اس معاملہ میں کسی منکر حق کی بات نہ مانو خواہ وہ تمہیں کتنا ہی لالچ دے یا ڈرائے۔ کہا گیا ہے کہ آثِم سے مراد عتبہ بن ربیعہ اور کفور سے مراد ولید بن مغیرہ ہے اس لئے کہ ان دونوں نے آپ ﷺ سے کہا تھا کہ اگر تم اپنے اس تبلیغی مشن کو ترک کردو تو ہم تم کو مالا مال کردیں گے اور عرب کی حسین ترین عورت سے شادی کردیں گے اور اپنا بادشاہ تسلیم کرلیں گے۔

﴿ تمت ﴾

سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُوْنَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ الْمُرْسَلَاتِ مَكِّيَّةٌ خَمْسُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ مرسلات مکی ہے، پچاس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۝١ ای الرِّياحِ مُتَتَابِعَةً كَعُرْفِ الفرس يَتْلُو بَعْضُهُ بَعْضًا ونصبه على الحال **فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۝٢** الرِّياحِ الشَّدِيْدَةِ **وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۝٣** الرِّياحِ تَنْشُرُ المطر **فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۝٤** ای اٰيات القُرْاٰنِ تُفَرِّقُ بَيْنَ الحق والباطل والحلال والحرام **فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۝٥** ای الملائكة تَنْزِلُ بالوحي إلى الأنبياءِ والرُّسُلِ يُلْقُوْنَ الوحي الى الأمم **عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۝٦** اى للإعذار والإنذار من الله تعالى وفي قراءةٍ بضمِّ ذالِ نُذُرًا وقُرِئَ بضمِّ ذالِ عُذُرًا **اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ** اى كُفَّارَ مكّة من البعث والعذاب **لَوَاقِعٌ ۝٧** كائنٌ لا مُحالةَ **فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۝٨** مُحِيَ نُوْرُها **وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۝٩** شُقَّتْ **وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۝١٠** فُتِّتَتْ وسُيِّرَتْ **وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۝١١** بالواو وبالهمزة بدلًا منها اى جُمِعَتْ لِوَقْتٍ **لِاَيِّ يَوْمٍ** ليومٍ عظيمٍ **اُجِّلَتْ ۝١٢** للشهادة على أُمَمِهِمْ بالتبليغ **لِيَوْمِ الْفَصْلِ ۝١٣** بين الخلق ويُؤْخَذُ منه جوابُ اذا اى وقع الفصلُ بين الخلائق **وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۝١٤** تهويلٌ لشأنه **وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١٥** هذا وعيدٌ لهم **اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ۝١٦** بتكذيبهم اى أهلكناهم **ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ۝١٧** ممن كذَّبُوْا كَكُفَّارِ مكّة فنُهْلِكُهُمْ **كَذٰلِكَ** مثل ما فعلنا بالمكذبين **نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ۝١٨** بكلِّ من اَجْرَمَ فيما يستقبل فنُهْلِكُهُمْ **وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١٩** تاكيدٌ **اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝٢٠** ضعيفٍ وهو المنيُّ **فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝٢١** حريزٍ وهو الرحمُ **اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝٢٢** وهو وقتُ الولادةِ **فَقَدَرْنَا** على ذلك **فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ۝٢٣** نحنُ **وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝٢٤ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ۝٢٥** مصدرُ كَفَتَ بمعنى ضَمَّ اى ضامَّةً **اَحْيَآءً** على ظهرها **وَّاَمْوَاتًا ۝٢٦** في بطنها **وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ** جبالًا مرتفعاتٍ **وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ۝٢٧** عذبًا **وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝٢٨** ويُقالُ للمكذبين يوم القيامة **اِنْطَلِقُوْا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ** من العذاب **تُكَذِّبُوْنَ ۝٢٩**

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِىْ ثَلٰثِ شُعَبٍ هو دخان جهنم اذا ارتفع افترق ثلاث فرق لعظمته **لَّا ظَلِيْلٍ** يُكِنُّهُم من حر ذلك اليوم **وَّلَا يُغْنِىْ** يرد عنهم شيئًا **مِنَ اللَّهَبِ** النار **اِنَّهَا** اى النار **تَرْمِىْ بِشَرَرٍ** هو ما تطاير منها **كَالْقَصْرِ** من البناء في عظمه وارتفاعه **كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ** جمع جمالة جمع جمل وفي قراءة جمالةٌ **صُفْرٌ** في هيئتها ولونها وفي الحديث شرار جهنم اسود كالقير والعرب تسمى سود الابل صُفرًا لشوب سوادها بصُفرة فقيل صُفرٌ في الاية بمعنى سُودٌ لما ذكر وقيل لا والشررُ جمع شررة والشرارُ جمعُ شرارةٍ والقيرُ القارُ **وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ** **هٰذَا** اى يوم القيمة **يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ** فيه بشيءٍ **وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ** في العذر **فَيَعْتَذِرُوْنَ** عطف على يُؤذنُ من غير تسبب عنه فهو داخلٌ في حيز النفي اى لا اذن فلا اعتذار **وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ** **هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ** ايها المكذبون من هذه الامة **وَالْاَوَّلِيْنَ** من المكذبين قبلكم فتحاسبون وتعذبون جميعًا **فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ** حيلةٌ في دفع العذاب عنكم **فَكِيْدُوْنِ** فافعلوها **وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ**

ع ۲۱

تَرْجَمَہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، قسم ہے مسلسل چلنے والی ہواؤں کی یعنی ان ہواؤں کی جو تسلسل میں گھوڑے کے (گردن) کے بالوں کی مانند ہیں، عُرفًا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، پھر زور سے چلنے والی ہواؤں کی قسم یعنی زوردار ہواؤں کی اور پھیلانے والی ہواؤں کی قسم، یعنی ان ہواؤں کی جو بادلوں کو پھیلاتی ہیں، پھر فرق کرنے والی آیات کی قسم یعنی قرآنی آیات کی جو حق و باطل اور حلال و حرام کے درمیان فرق کرتی ہیں، پھر وحی کا القاء کرنے والوں کی قسم یعنی ان فرشتوں کی قسم جو انبیاء ﷺ پر وحی لے کر نازل ہوتے ہیں یا ان رسولوں کی قسم جو اس وحی کو امت کو پہنچادیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ کا یا ڈرانے کا القاء کرتے ہیں اور ایک قراءت میں نُذُرًا ذال کے ضمہ کے ساتھ نُذُرًا آیا ہے، اور عُذُرًا بھی ضمہ ذال کے ساتھ پڑھا گیا ہے، اے مکہ کے کافرو! جس بعث و عذاب کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ یقینًا ہونے والا ہے یعنی لامحالہ واقع ہونے والا ہے جب ستارے بے نور کردیئے جائیں گے یعنی ان کا نور سلب کرلیا جائے گا، اور جب آسمان پھاڑ دیا جائے گا اور پہاڑ توڑ پھوڑ کر اڑا دیئے جائیں گے اور جب رسولوں کو وقت مقررہ پر جمع کیا جائے گا (وُقِّتَتْ) واؤ کے ساتھ اور واؤ کے عوض ہمزہ کے ساتھ، کس دن کے لئے (ان سب کو) مؤخر کیا جائے گا؟ بڑے دن میں امتوں پر تبلیغ (رسالت) کی شہادت کے لئے (مؤخر) کیا جائے گا، مخلوق کے درمیان فیصلے کے دن کے لئے (مؤخر کیا جائے گا) اور اس سے اِذَا کا جواب اخذ کیا جاتا ہے اور وہ جواب "وَقَعَ لفصل بین الخلائق" ہے، اور تجھے کیا معلوم کہ فیصلے کا دن کیا ہے؟ (ابہام) اس دن کی ہولناکی کو بیان کرنے کے لئے ہے، اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے یہ ان کے لئے وعید ہے کیا ہم نے اگلوں کو ان کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک نہیں

کردیا؟ یعنی ان کو ہلاک کردیا، پھر ہم ان کے بعد تکذیب کرنے والوں میں پچھلوں کو لائیں گے جیسا کہ کفار مکہ کہ ان کو ہم نے ہلاک کردیا، اور ہم ایسا ہی ہمارے تکذیب کرنے والوں کے ساتھ کرنے کے مانند ہر مجرم کے ساتھ کریں گے یعنی ہر اس شخص کے ساتھ کریں گے جو مستقبل میں جرم کرے گا، ان کو بھی ہلاک کردیں گے، اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے یہ تاکید ہے، کیا ہم نے تم کو ایک حقیر پانی سے کہ وہ نطفۂ منی ہے نہیں پیدا کیا؟ کہ ہم نے اس (پانی) کو ایک وقت مقررہ تک کے لئے ایک محفوظ جگہ میں کہ وہ رحم مادر ہے رکھ دیا اور وہ وقت ولادت ہے غرض ہم نے اس کی منصوبہ بندی کی (پلاننگ) کی ہم کیسے اچھے منصوبہ بندی کرنے والے ہیں؟ جھٹلانے والوں کے لئے اس دن بڑی خرابی ہے، کیا ہم نے زمین کو زندوں کو اپنی پیٹھ پر اور مردوں کو اپنے پیٹ میں سمیٹنے والی نہیں بنایا؟ (کِفَاتًا) کَفَتَ کا مصدر ہے (کَفْتَ) بمعنی ضَمَّ یعنی سمیٹنے والی، اور ہم نے ان میں بلند و بالا پہاڑ بنادیئے اور ہم نے تم کو شیریں پانی پلایا، اس دن جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہے، قیامت کے دن جھٹلانے والوں سے کہا جائے گا کہ تم اس عذاب کی طرف چلو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے، ایک سائبان کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہوں گی اور وہ جہنم کا دھواں ہے، جب وہ بلند ہوگا تو اس کے عظیم ہونے کی وجہ سے اس کی تین شاخیں ہوجائیں گی جس میں نہ ٹھنڈا سایہ ہے کہ اس دن کی گرمی سے ان پر سایہ فگن ہو اور وہ نہ ان کو آگ کے شعلوں سے ذرا بھی بچاسکے گا وہ آگ کے انگارے برسائے گی شرر اس چنگاری کو کہتے ہیں جو آگ سے اڑتی ہے محل کے مانند یعنی وہ (انگارے) عظیم ہونے میں اور بلند ہونے میں عمارت کی مانند ہوں گے گویا کہ وہ کالے کالے اونٹ ہیں ہیئت میں اور رنگ میں، جمالات، جمالۃ کی جمع ہے اور جمالۃ، جملٌ کی جمع ہے اور ایک قراءت میں جِمَالَۃٌ ہے، اور حدیث میں ہے کہ آگ کے شعلے تارکول کے مانند سیاہ ہوں گے، اور عرب کالے اونٹ کو صُفرٌ کہتے ہیں اس کی سیاہی میں زردی کے ملنے کی وجہ سے لہٰذا کہا گیا ہے کہ آیت میں صُفرٌ بمعنی سُوْدٌ ہے، مذکورہ قول کی وجہ سے اور کہا گیا ہے کہ صُفْرٌ بمعنی سود نہیں ہے، اور شَرَرٌ شررۃ کی جمع ہے اور شرار، شرارۃ کی جمع ہے اور قیر کے معنی قار (تارکول) کے ہیں، اس دن جھٹلانے والوں کیلئے بڑی خرابی ہے، یہ قیامت کا دن ایسا ہے کہ وہ اس دن میں کچھ بھی نہ بول سکیں گے اور نہ ان کو عذر خواہی کی اجازت ہوگی کہ اس میں وہ معذرت کرسکیں، یہ یُؤذَنُ پر عطف ہے، معطوف علیہ سے تسبب کے بغیر، لہٰذا وہ نفی کے تحت داخل ہے ای لَا اذنَ فلَا اِعتـــذارَ، یعنی جب اجازت نہیں تو معذرت بھی نہیں، اس دن جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہے، یہ فیصلے کا دن ہے اے اس امت میں سے تکذیب کرنے والو! ہم نے تم کو اور تم سے پہلے تکذیب کرنے والوں کو جمع کرلیا لہٰذا تم سب کا حساب لیا جائے گا اور عذاب دیا جائے گا، اگر تمہارے پاس تم سے عذاب کو دفع کرنے کی کوئی تدبیر ہو تو کرلو، اس دن جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے پانچ صفات کی قسم کھائی ہے جن کے موصوف محذوف ہیں بعض حضرات تمام موصوفات اَلرِّیَاح (ہوائیں) کو محذوف مانتے ہیں اور بعض کل میں ملائکہ موصوفات محذوف مانتے ہیں اور بعض نے مختلف یعنی بعض کے ملائکہ اور بعض کے اَلرِّیَاح۔

قَوْلُہٗ: عُرْفًا، عُرف گھوڑے کی گردن کے بالوں کو کہتے ہیں، پھر حقیقت عرفیہ کے طور پر تسلسل وتتابع کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔

قَوْلُہٗ: اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ جواب قسم ہے اور مَا بمعنی اَلَّذِیْ ہے اور عائد محذوف ہے، ای تُوْعَدُوْنَہٗ۔

قَوْلُہٗ: وَیُؤْخَذُ مِنْهُ جواب اِذَا، مِنْهُ ای من یوم الفصل یعنی اِذَا کی شرط محذوف ہے جو لِیَوْمِ الفَصْلِ سے مفہوم ہے ای وَقَعَ الفصلُ بین الخلائق۔

قَوْلُہٗ: وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ، وَیْلٌ دراصل مصدر ہے جو اپنے فعل کے قائم مقام ہے مگر ثبات ودوام پر دلالت کرنے کے لئے نصب سے رفع کی طرف عدول کرلیا گیا ہے، جیسا کہ سَلَامٌ عَلَیْکُمْ میں ہے، کہ اصل میں سلمت سلامًا تھا۔

قَوْلُہٗ: لاظلیل، لا نافیہ ہے یہ ظِلٍّ کی صفت ہے اور بطور تہکم مشرکین کے وہم کا رد ہے، اس لئے کہ ظل تو ظلیل ہوتا ہی ہے ان کے اس وہم کو لا ظَلِیْلٍ کہہ کر رد کردیا کہ ظل ہی نہیں ہوگا۔

قَوْلُہٗ: مِن غیر تَسَبُّبٍ عنه یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: یہ ہے کہ فاء کے ذریعہ منفی پر عطف معطوف پر نصب کا تقاضہ کرتا ہے کیونکہ معطوف بھی منفی کے حکم میں ہوتا ہے حالانکہ یہاں فَیَعْتَذِرُوْنَ کو حالت رفع میں لایا گیا ہے؟

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ مابعد فاء پر نصب اس وقت ہوتا ہے جب معطوف علیہ معطوف کا سبب ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے یعنی ایسی بات نہیں ہے کہ ان کی طرف سے معذرت اس لئے نہیں ہوئی کہ ان کو معذرت کی اجازت نہیں ملی، ای لا اِذْنَ فلا اعتذارَ، اور معطوف علیہ معطوف کے لئے سبب ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ وہ معذرت اس لئے نہ کرسکے کہ ان کو عذرخواہی کی اجازت نہیں ملی، اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ درحقیقت وہ معذور تھے مگر عذرخواہی کی اجازت نہیں ملی، اور یہ خلاف واقعہ ہے اگر معطوف علیہ کو معطوف کا سبب قرار دیا جائے تو معطوف پر حذف نون کے طور پر نصب آئے گا جیسے "لَایُقْضٰی عَلَیْهِمْ فَیَمُوْتُوْا" یہاں چونکہ معطوف علیہ معطوف کا سبب ہے اس لئے معطوف حذف نون کے ساتھ منصوب ہے یعنی نہ مرنے کا سبب ان کی موت کے فیصلہ کا نہ ہونا ہے، ابن عطیہ نے کہا ہے کہ فَیَعْتَذِرُوْنَ کے حذف نون کے ساتھ منصوب نہ ہونے کی وجہ فواصل کی رعایت ہے، مطلب یہ کہ فواصل کی رعایت کی وجہ سے فَیَعْتَذِرُوْنَ میں نون کو حذف نہیں کیا گیا ہے۔

تفسیر و تشریح

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رَضَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ منیٰ کی ایک غار میں تھے کہ اچانک سورۂ مرسلات نازل ہوئی، رسول اللہ ﷺ اس کو پڑھتے جاتے تھے اور میں آپ ﷺ کے دہن مبارک سے اس کو سنتا اور یاد کرتا جاتا تھا، آپ ﷺ کا دہن مبارک اس سورت کی حلاوت سے رطب تھا کہ اچانک ایک سانپ نے ہم پر حملہ کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے اس کو قتل کرنے کا حکم فرمایا، ہم اس کی طرف جھپٹے مگر وہ نکل بھاگا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس طرح تم اس کے شر سے محفوظ رہے وہ بھی تمہارے شر سے محفوظ ہو گیا، (معارف) اس سورت میں حق تعالیٰ نے پانچ چیزوں کی قسم کھا کر یہ بتایا ہے کہ قیامت یقیناً واقع ہوگی، مگر ان پانچ چیزوں کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ ان کی صفات کا ذکر فرمایا ہے اب وہ موصوف کیا ہیں اس میں مفسرین کا اختلاف ہے، بعض نے سب کا موصوف ہواؤں کو قرار دیا ہے اور بعض نے ملائکہ اور بعض نے پہلی تین صفات کا موصوف ہواؤں کو اور بقیہ دو کا ملائکہ کو، اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔

عُذْرًا اَوْنُذْرًا، یہ مُلْقِیٰتِ ذِکْرًا، سے متعلق ہے، یعنی یہ ذکر اور وحی انبیاء ورسل ﷺ پر اس لئے نازل کی جاتی ہے کہ مومنین کے لئے ان کی کوتاہیوں سے معذرت کا سبب بنے اور اہل باطل اور کافروں کے لئے عذاب سے ڈرانے کا ذریعہ ہو۔

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ، تمام قسموں کا مقسم ہے، کہ تم سے جس قیامت اور حساب و کتاب کا وعدہ بذریعۂ انبیاء کیا جا رہا ہے وہ ضرور پورا اور واقع ہو کر رہے گا، آگے اس کے واقع ہونے کے وقت کے چند حالات کا ذکر ہے، وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ مطلب یہ کہ انبیاء ورسل ﷺ کے لئے جو میعاد اور وقت مقرر کیا گیا تھا کہ اس وقت میں اپنی اپنی امتوں کے معاملہ میں شہادت کے لئے حاضر ہوں، وہ اس میعاد کو پہنچ گئے اور ان کی حاضری کا وقت آگیا۔

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ، کیا ہم نے پہلے لوگوں کو ان کے کفر وعناد کی وجہ سے ہلاک نہیں کیا؟ ثُمَّ نُتْبِعُهُمْ مشہور قراءت کی رو سے عین پر جزم کے ساتھ ہے، اور نُهْلِكُ پر عطف ہے معنی یہ ہیں کہ کیا ہم نے اولین کے بعد آخرین کو ان کے پیچھے ہلاک نہیں کر دیا؟ اس لئے آخرین سے مراد بھی سابقہ امتوں ہی کے آخرین مراد ہوں گے، جن کی ہلاکت نزول قرآن سے پہلے ہو چکی ہے، دوسری ایک قراءت میں عین کے ضمہ کے ساتھ ہے، اس قراءت کے مطابق یہ جملہ اور آخرین سے مراد امت محمدیہ ﷺ کے کفار ہیں، پچھلی امتوں کی ہلاکت کی خبر دینے کے بعد موجودہ کفار اہل مکہ کو آئندہ ان پر آنے والے عذاب کی خبر دینا مقصود ہے جیسا کہ غزوۂ بدر وغیرہ میں مسلمانوں کے ہاتھوں ان پر ہلاکت کا عذاب نازل ہوا۔ (معارف)

فرق یہ ہے کہ پچھلی امتوں پر آسمانی عمومی عذاب آتا تھا جس سے پوری بستیاں تباہ ہو جاتی تھیں، امت محمدیہ ﷺ کا آنحضرت ﷺ کی وجہ سے یہ اکرام خاص ہے کہ ان کے کفار پر آسمانی عمومی عذاب نہیں آتا: بلکہ ان کا عذاب مسلمانوں کی تلوار سے آتا ہے جس میں ہلاکت عام نہیں ہوتی بصرف بڑے بڑے سرکش مجرم ہی مارے جاتے ہیں۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ اى تَكاثُفِ اَشْجارٍ اذْ لَا شَمْسَ يُظَلُّ مِنْ حَرِّهَا وَّعُيُوْنٍ نابِعَةٍ مِن الماءِ وَّ فَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ فيه اعلامٌ بانَّ المَاكَلَ والمَشْرَبَ فِي الْجَنَّةِ بِحَسْبِ شَهَوَاتِهِمْ بِخِلَافِ الدُّنْيَا فَبِحَسْبِ ما يَجِدُ النَّاسُ فِي الاَغْلَبِ ويُقَالُ لَهُمْ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓئًا حَالٌ اى مُتَهَنِّئِيْنَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ من الطَّاعاتِ اِنَّا كَذٰلِكَ كَمَا جَزَيْنَا المُتَّقِيْنَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا خطابٌ لِلْكُفَّارِ فِي الدُّنيا قَلِيْلًا مِنَ الزَّمانِ وغَايَتُهُ اِلَى الْمَوْتِ وفي هذا تَهْدِيدٌ لَهُمْ اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا صَلُّوا لَا يَرْكَعُوْنَ لَا يُصَلُّوْنَ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ اى القُرْاٰنِ يُؤْمِنُوْنَ اى لَا يُمْكِنُ اِيْمَانُهُمْ بِغَيْرِهِ مِنْ كُتُبِ اللّٰهِ تعالى بَعْدَ تَكْذِيْبِهِمْ بِهٖ لِاشْتِمَالِهٖ عَلَى الاِعْجَازِ الَّذِيْ لَمْ يَشْتَمِلْ عَلَيْهِ غَيْرُهٗ.

ترجمہ: بے شک پرہیزگار لوگ سایوں یعنی گھنے درختوں میں ہوں گے اس لئے کہ (وہاں) سورج نہیں ہوگا، کہ اس کی گرمی سے سایہ حاصل کیا جائے اور بہتے ہوئے پانی کے چشموں میں ہوں گے، یعنی اُبلتے ہوئے پانی کے، اور دل پسند میووں میں ہوں گے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جنت میں کھانے پینے کی چیزیں حسب خواہش ہوں گی بخلاف دنیا کے کہ یہاں وہی میوے (پھل) ملتے ہیں جو اغلباً لوگوں کو دستیاب ہوتے ہیں اور ان سے کہا جائے گا (اے جنتیو!) تم خوشگواری کے ساتھ اپنے طاعت اعمال کے صلہ میں کھاؤ پیو، هَنِيْئًا حال ہے ای مُتَهَنِّئِيْنَ، بے شک ہم ایسی جزاء جیسی کہ تمام پرہیزگاروں کو دی ہے ہر نیکوکار کو دیں گے، اس دن جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہے (اے جھٹلانے والو!) یہ کافروں کو خطاب ہے تم دنیا میں تھوڑے دن یعنی موت تک کھالو اور مزے اڑالو اس میں تہدید (دھمکی) ہے بلاشبہ تم مجرم ہو، اس دن جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہے، اب اس قرآن کے بعد تم کس بات پر ایمان لاؤ گے؟ یعنی اس کتاب (قرآن) کی تکذیب کے بعد ان کے لئے ممکن نہیں کہ دیگر آسمانی کتابوں پر ایمان لائیں، اس قرآن کے ایسے اعجاز پر مشتمل ہونے کی وجہ سے کہ دیگر کتابیں اس اعجاز پر مشتمل نہیں ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: مِن تکاثف الاشجار یہ اضافت صفت الی الموصوف کے قبیل سے ہے، ای الاشجار المتکاثفة.

قولہ: کما جزینا المتقین، نجزی المحسنین.

سوال: یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے متقین اور محسنین میں مغایرت نہیں ہے بلکہ دونوں ایک ہیں، لہٰذا یہ فرمانا کہ ہم

نے جیسی جزا متقین کو دی ہے محسنین کو بھی دیں گے یہ تشبیہ الشئ بنفسہ ہے؟ جو کہ درست نہیں ہے۔

جَوَابْ: متقین سے مراد کاملین فی الطاعة ہیں، اور محسنین سے وہ لوگ مراد ہیں جو نفس ایمان کے حامل ہیں، چنانچہ مغایرت پائی گئی، فلا اشکال

تَفْسِیر وتَشْرِیح

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ ظِلَالٍ الخ، سورۂ دہر میں کفار کے احوال اختصار کے ساتھ اور مومنین کے احوال تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے اور یہاں اس کا عکس ہے تاکہ دونوں سورتوں میں تعادل وتساوی ثابت ہوجائے۔

كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُجْرِمُوْنَ، چند دن یعنی موت تک کھالو اور مزے اڑالو، آخر کار تم کو سخت عذاب میں جانا ہے اس لئے کہ تم مجرم ہو۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ، کہا گیا ہے کہ یہ آیت بنی ثقیف کے بارے میں نازل ہوئی، جب کہ ان سے کہا گیا کہ نماز پڑھو، تو انہوں نے کہا ہم جھک نہیں سکتے جھکنا ہمارے لئے مشکل ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا "لاخیر فی دین لیس فیه رکوع ولا سجود" اور کہا گیا ہے کہ یہ ان سے آخرت میں کہا جائے گا، مگر وہ رکوع سجدہ پر قادر نہ ہوں گے۔ (فتح القدیر، شوکانی)

اکثر مفسرین کے نزدیک یہاں "رکوع" کے لغوی معنی یعنی جھکنا اور اطاعت کرنا مراد ہیں، مطلب یہ ہے کہ جب ان سے دنیا میں احکام الہیہ کی اطاعت کے لئے کہا جاتا تھا تو یہ اطاعت نہ کرتے تھے، اور بعض حضرات نے رکوع کے اصطلاحی معنی بھی مراد لئے ہیں اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ جب ان کو نماز کے لئے بلایا جاتا تھا تو وہ نماز نہیں پڑھتے تھے، رکوع بول کر پوری نماز مراد لی گئی ہے۔ (معارف، روح)

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ، یعنی جب یہ لوگ قرآن جیسی عجیب وغریب حکمتوں سے پُر، واضح دلائل اور سابقہ تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والی کتاب پر ایمان نہیں لاتے تو پھر کونسی کتاب پر ایمان لائیں گے؟ حدیث شریف میں ہے کہ جب قاری اس آیت پر پہنچے تو اس کو کہنا چاہئے، آمَنَّا بِاللّٰهِ یعنی ہم اللہ پر ایمان لائے مگر فرائض میں ان الفاظ کے کہنے سے احتراز کرے۔ (معارف ملخصًا)



سُوْرَةُ النَّبَا مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً فِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ النَّبَأ مَكِّيَّةٌ اِحْدٰى وَاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ نبأ مکی ہے، اکتالیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ عَمَّ عن اَيِّ شيءٍ يَتَسَآءَلُوْنَ ۚ يسألُ بعضُ قريشٍ
بعضًا عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيْمِ ۙ بيانٌ لذلك الشيءِ والاستفهامُ لتفخيمه وهو ما جاء به النبيُّ صلّى
الله عليه وسلّم من القرآنِ المشتملِ على البعثِ وغيره الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۗ فالمؤمنون يُثبِتونه
والكافرون يُنكِرونه كَلَّا ردعٌ سَيَعْلَمُوْنَ ۙ ما يحلُّ بهم على انكارهم له ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝ تاكيدٌ وجيء
فيه بثُمَّ للايذان بانّ الوعيدَ الثاني اشدُّ من الاوّلِ ثُمّ اَومأَ تعالٰى الى القدرة على البعث فقال اَلَمْ
نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۙ فراشًا كالمهدِ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۙ تُثبَتُ بها الارضُ كما تُثبَتُ الخيامُ بالاوتادِ
والاستفهامُ للتقرير وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۙ ذكورًا واناثًا وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۙ راحةً لابدانكم
وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۙ ساترًا بسواده وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۠ وقتًا للمعايش وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا سبعَ سمٰوتٍ
شِدَادًا ۙ جمعُ شديدةٍ اي قويّةٍ مُحكمةٍ لا يُؤثِّرُ فيها مُرورُ الزمانِ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا منيرًا وَّهَّاجًا ۠ وقّادًا
يعني الشمسَ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ السحابات التي حان لها ان تُمطِرَ كالمُعصِرِ الجاريةِ التي دنت
من الحيضِ مَآءً ثَجَّاجًا ۙ صبّابًا لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا كالحنطةِ وَّنَبَاتًا ۙ كالتبنِ وَّجَنّٰتٍ بساتينَ اَلْفَافًا ۠ ملتفةً
جمعُ لفيفٍ كشريفٍ واشرافٍ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ بين الخلائقِ كَانَ مِيْقَاتًا ۙ وقتًا للثوابِ والعقابِ
يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ القرنِ بدلٌ من يومِ الفصلِ او بيانٌ له والنافخُ اسرافيلُ فَتَاْتُوْنَ من قبوركم الى
الموقفِ اَفْوَاجًا ۙ جماعاتٍ مختلفةً وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ بالتشديدِ والتخفيفِ شُقّقت لنزولِ الملائكةِ
فَكَانَتْ اَبْوَابًا ۙ ذاتَ ابوابٍ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ ذُهِبَ بها عن اماكنها فَكَانَتْ سَرَابًا ۠ هباءً اي مثلَه في
خفّةِ سيرها اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۙ راصدةً او مُرصَدةً لِّلطّٰغِيْنَ الكافرين فلا يتجاوزونها مَاٰبًا ۙ مرجعًا

لهم فيدخلونها لّٰبِثِيْنَ حال مقدرة اي مقدرا لبثهم فِيْهَآ اَحْقَابًا دهورا لا نهاية لها جمع حقب بضم اوله لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا نوما وَّلَا شَرَابًا ما يشرب تلذذا اِلَّا لكن حَمِيْمًا ماء حارا غاية الحرارة وَّغَسَّاقًا بالتخفيف والتشديد ما يسيل من صديد اهل النار فانهم يذوقونه جوزوا بذلك جَزَآءً وِّفَاقًا موافقا لعملهم فلا ذنب اعظم من الكفر ولا عذاب اعظم من النار اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ يخافون حِسَابًا لانكارهم البعث وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا القران كِذَّابًا تكذيبا وَكُلَّ شَيْءٍ من الاعمال اَحْصَيْنٰهُ ضبطناه كِتٰبًا كتبا في اللوح المحفوظ لنجازي عليه ومن ذلك تكذيبهم بالقران فَذُوْقُوْا اي فيقال لهم في الاخرة عند وقوع العذاب عليهم ذوقوا جزاءكم فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا فوق عذابكم ع

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، یہ قریشی آپس میں کس چیز کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہے ہیں؟ کیا اس بڑی خبر کے بارے میں جس کے متعلق یہ لوگ مختلف قسم کی چہ میگوئیاں کرتے ہیں؟ (عن النبا العظیم) (شئ مسئول کا) عطف بیان ہے، اور استفہام اس شئ کی عظمت کو بیان کرنے کے لئے ہے اور وہ قرآن ہے جس کو نبی ﷺ لائے جو کہ بعث وغیرہ پر مشتمل ہے، (بایں طور) کہ مومنین اس کو ثابت کرتے ہیں اور کافر اس کا انکار کرتے ہیں، خبردار! ان کو عنقریب وہ چیز معلوم ہو جائے گی جو ان کے اوپر اس کے انکار کی وجہ سے نازل ہوگی (کلا) حرف ردع ہے، پھر بالیقین انہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا، یہ تاکید ہے، اس میں ثُمَّ اس بات کو بتانے کے لئے لایا گیا ہے کہ دوسری وعید پہلی سے شدید تر ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے قدرت علی البعث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا (الم نجعل الخ) کیا یہ واقعہ نہیں کہ ہم نے زمین کو گہوارہ کے مانند بچھونا بنایا اور پہاڑوں کو میخوں کے مانند گاڑ دیا، زمین کو پہاڑوں کے ذریعہ ساکن (غیر مضطرب) کر دیا جس طرح خیموں کو میخوں کے ذریعہ قائم کر دیا جاتا ہے، اور استفہام تقریر کے لئے ہے، اور ہم نے تم کو مردوں اور عورتوں کے جوڑوں کی شکل میں پیدا کیا اور تمہاری نیند کو ہم نے تمہارے جسموں کے لئے (باعث) راحت بنایا اور ہم نے رات کو اس کی ظلمت کی وجہ سے ساتر بنایا اور دن کو معاش یعنی معاش کا وقت بنایا، اور تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان قائم کئے شِدادًا، شدیدة کی جمع ہے یعنی ایسے قوی اور مضبوط کہ ان میں مرور زمان بھی اثر نہ کر سکے، اور ایک نہایت ہی روشن دہکتا ہوا چراغ یعنی سورج بنایا اور ہم نے پانی بھرے بادلوں سے یعنی ان بادلوں سے جو برسنے کے قریب ہو گئے ہوں مثل اس عورت کے کہ جو قریب البلوغ ہو اور جس کے حیض کا زمانہ قریب آ گیا ہو، بہتا ہوا پانی برسایا، تاکہ ہم اس (پانی) کے ذریعہ غلہ مثل گندم اور گھاس مثل بھوسہ کے پیدا کریں اور گھنے گتھے ہوئے باغات اگائیں (الفاف) لفیف کی جمع ہے جیسے کہ اشراف، شریف کی جمع ہے، بلاشبہ مخلوق کے درمیان فیصلے کا دن ایک مقرر وقت ہے (یعنی) ثواب وعقاب کا وقت ہے، جس روز صور میں پھونک ماری جائے گی صور بمعنی قرن، (یوم ینفخ) یَوْمَ الْفَصْل سے بدل ہے یا اس کا عطف بیان ہے، اور صور پھونکنے والے (حضرت) اسرافیل

علیہ الصلاۃ والسلام ہیں تو تم اپنی قبروں سے محشر کی جانب مختلف جماعتوں کی شکل میں چلے آؤ گے، اور آسمان کھول دیا جائے گا (فُتحت) تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے یعنی (آسمان کو) نزول ملائکہ کے لئے پھاڑ دیا جائے گا، تو وہ دروازے ہی دروازے ہو جائے گا یعنی دروازوں والا ہو جائے گا، اور پہاڑ چلائے جائیں گے یعنی ان کو ان کی جگہ سے اکھاڑ دیا جائے گا، تو وہ چمکتے ہوئے ریت ہو جائیں گے (یعنی) اڑنے میں اور ہلکے پن میں مثل غبار (ہو جائیں گے) بلاشبہ جہنم کافروں کے گھات میں ہے کہ اس سے بچ کر نہیں جا سکتے یا (کافروں کے لئے) تیار کی گئی ہے کہ وہ ان کا ٹھکانہ ہے جس میں وہ داخل ہوں گے، اور وہ اس میں قرنہا قرن رہیں گے (لابثین) حال مقدرہ ہے یعنی ان کے لئے اس میں داخل ہونا مقدر ہو چکا ہے نہ ان کو وہاں نیند میسر ہوگی اور نہ لذت کے ساتھ پینے کے قابل کوئی چیز اور اگر کچھ ملے گا تو بس نہایت گرم پانی اور بہتی پیپ (غسّاقًا) تخفیف اور تشدید کے ساتھ یعنی وہ چیز جو دوزخیوں کے زخموں سے نکلے گی، بس وہ اسی کو چکھیں گے، اور اسی کے ذریعہ ان کو ان کے اعمال کے مطابق بھرپور بدلہ دیا جائے گا، یہ لوگ ان کے بعث سے منکر ہونے کی وجہ سے حساب کا اندیشہ نہ رکھتے تھے اور انہوں نے ہماری آیتوں قرآن کو بالکل جھٹلا دیا تھا، حال یہ ہے کہ ہم نے ان کے ہر عمل کو گن کر ضبط کر لیا تھا یعنی لوح محفوظ میں لکھ دیا تھا تاکہ ہم اس کا بدلہ دیں اور ان ہی (اعمال) میں سے ان کا قرآن کو جھٹلانا بھی ہے، اب چکھو مزہ یعنی ان پر عذاب واقع کرتے وقت ان سے کہا جائے گا کہ تم اپنے (اعمال) کا بدلہ چکھو، اب ہم تمہارے لئے عذاب پر عذاب ہی کا اضافہ کرتے جائیں گے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: عَمَّ، عَمَّ دو حرفوں عَنْ، اور مَا سے مرکب ہے، اصل میں عَمَّا تھا، مَا استفہامیہ ہے اس پر حرف جر داخل ہے قاعدہ معروفہ کی وجہ سے مَا سے الف حذف ہو گیا، قاعدہ معروفہ یہ ہے کہ جب مَا استفہامیہ پر حرف جر داخل ہو تو الف کو حذف کر دیا جاتا ہے، البتہ ضرورت شعری وغیرہ کے لئے باقی بھی رکھا جا سکتا ہے، مَا استفہامیہ یہاں تفخیم و عظمت کیلئے ہے، اس لئے کہ یہاں استفہام کے حقیقی معنی ممکن نہیں کیوں کہ استفہام کے لئے مستفہم کا ناواقف ہونا ضروری ہے اور یہ خدا کے لئے محال ہے۔

قِوْلُہٗ: اَلنَّبَأ، نبَاء عظیم الشان اور بڑی خبر کو کہتے ہیں، یہاں عظیم الشان خبر سے مراد قیامت ہے، کَلَّا یہ حرف زجر و توبیخ ہے اس میں وعید وتہدید کے معنی ہیں۔

قِوْلُہٗ: مَا یَحِلُّ بِھِمْ یہ یَعْلَمُوْنَ کا مفعول بہ ہے۔

قِوْلُہٗ: وَجِیْ بِثُمَّ لِلْاِیْذَانِ الخ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے۔

اعتراض: اعتراض یہ ہے کہ جو مفہوم معطوف علیہ کا ہے وہی بعینہٖ معطوف کا ہے اور یہ عطف الشیٔ علیٰ نفسہٖ ہے جو کہ جائز نہیں ہے؟

جَوَابٌ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ ثُمَّ کے ذریعہ عطف کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ دوسری تاکید پہلی کی بہ نسبت شدید ہے، پس دونوں میں تغایر موجود ہے لہٰذا عطف الشئ علیٰ نفسہ کا اعتراض دفع ہو گیا۔

قَوْلُهُ: اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا، اَلْاَرْضَ مفعول بہ اول ہے اور مِهٰدًا مفعول بہ ثانی جب کہ جَعَلَ بمعنی صَيَّرَ ہو اور اگر بمعنی خلق ہو تو مِهٰدًا، اَلْاَرْضَ سے حال ہوگا۔

قَوْلُهُ: سُبَاتًا، سُبات، سَبْتٌ سے مشتق ہے اس کے معنی موندنے اور قطع کرنے کے ہیں، نیند چونکہ ہموم و غموم کو قطع کر دیتی ہے جس کی وجہ سے جسم کو راحت اور دماغ کو سکون نصیب ہوتا ہے، اسی وجہ سے بعض حضرات نے سُبات کے معنی راحت کے کئے ہیں، انہیں میں سے مفسر علام بھی ہیں، یوم السبت کو سبت اسی لئے کہتے ہیں کہ یوم السبت میں بقول یہود کے اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق سے فارغ ہونے کے بعد آرام فرمایا تھا۔

قَوْلُهُ: وَقْتًا لِلْمَعَايِشِ اس میں اشارہ کر دیا کہ معاش مصدر میمی بمعنی ظرف زمان ہے۔

قَوْلُهُ: الجارية یہاں مطلق آگ مراد ہے۔

قَوْلُهُ: اِنَّ يَوْمَ الفصل یہ کلام مستانف ہے جو کہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ وہ وقت کونسا ہے جو ادلۂ متقدمہ سے ثابت کیا گیا ہے؟ اس کا جواب اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ سے دیا ہے کہ وہ مخلوق کے درمیان فیصلے کا دن ہے اس دن کے آنے میں چونکہ کفار کو تردد تھا اس لئے کلام کو اِنَّ کے ذریعہ مؤکد کیا گیا ہے۔

قَوْلُهُ: جُوْزُوْا بِذٰلِكَ اس عبارت کے اضافہ سے اشارہ کر دیا کہ جزاء وفاقًا فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے، ای جُوْزُوْا جَزَاءً وِفَاقًا.

قَوْلُهُ: مُوَافِقًا لعملهم اس سے اشارہ کر دیا کہ وفاقًا مصدر بمعنی اسم فاعل ہے اور جزاءً کی صفت ہے، ای جزاءً مُوَافِقًا لِعَمَلِهِمْ.

قَوْلُهُ: وَكُلَّ شَيْءٍ یہ اشتغال کی وجہ سے منصوب ہے تقدیر عبارت یہ ہے اَحْصَيْنَا كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ اور بعض حضرات نے كُلُّ کو ابتداء کی وجہ سے مرفوع پڑھا ہے اور اس کا مابعد اس کی خبر ہے، اور یہ جملہ سبب اور مسبب کے درمیان معترضہ ہے۔

قَوْلُهُ: كِتٰبًا، كتابًا مصدریت کی وجہ سے منصوب ہے اس لئے کہ اَحْصَيْنَا بمعنی كتبنا ہے ای كتبناه كتابًا

قَوْلُهُ: فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا یہ جملہ ان کے کفر و تکذیب کا مسبب ہے۔

تفسیر و تشریح

جب رسول اللہ ﷺ کو خلعت نبوت سے نوازا گیا، اور آپ ﷺ نے توحید، قیامت وغیرہ کو بیان فرمایا، تو کفار آپس میں پوچھا تاچھ کرتے کہ کیا واقعی قیامت برپا ہو سکتی ہے؟ اور یہ قرآن جس کو یہ شخص اللہ کا کلام کہتا ہے کیا واقعی اللہ کا کلام ہے؟

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے منقول ہے کہ جب قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوا تو کفار مکہ اپنی مجلسوں میں بیٹھ کر اس کے متعلق رائے زنی اور چہ میگوئیاں کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے خود ہی سوال کر کے ان امور کی حیثیت واہمیت کو واضح فرمایا اور پھر خود ہی جواب دے کر فیصلہ فرما دیا اور کَلَّا کے ذریعہ ڈانٹ ڈپٹ کر کے فرمایا کہ یہ چیزیں بحث ومباحثہ اور تنقید وتبصرہ سے سمجھ میں آنے والی نہیں ہیں، جب اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھو گے تو سب کچھ خود ہی معلوم ہو جائے گا اور یہ عنقریب ہونے والا ہے۔

نیند بہت بڑی نعمت ہے:

اللہ تعالیٰ نے عورت ومرد کے جوڑے کا ذکر کرنے کے بعد جو کہ اسباب راحت میں ایک ہے، نیند کا ذکر فرمایا، اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ نیند ایک ایسی عظیم الشان نعمت ہے کہ انسان کی ساری راحتوں کا مدار اسی پر ہے اور اس نعمت کو اللہ تعالیٰ نے پوری مخلوق کے لئے ایسا عام فرما دیا ہے کہ امیر، غریب، عالم، جاہل، بادشاہ، فقیر سب کو یہ دولت یکساں اور مفت عطا ہوتی ہے، اگر دنیا کے حالات کا تجزیہ کریں تو معلوم ہوگا کہ غریبوں اور محنت کشوں کو یہ نعمت جیسی حاصل ہوتی ہے ویسی وہ مالداروں اور بڑے بڑے سرداروں اور بادشاہوں کو نصیب نہیں ہوتی، ان کے پاس راحت کے سامان تو ہیں مگر راحت نہیں ہے، راحت کا مکان ہے، نیز سردی گرمی کے اعتدال کا انتظام ہے گرم تکیے، گدے سب کچھ ہیں جو غریبوں کو بہت کم نصیب ہوتے ہیں، مگر نیند کی نعمت ان گدوں، تکیوں یا کوٹھی، بنگلوں کی فضا کے تابع نہیں وہ تو حق تعالیٰ کی نعمت ہے بعض اوقات مفلس بے سامان کو یہ نعمت بغیر کسی بستر اور تکیے کے کھلی زمین پر فراوانی سے دے دی جاتی ہے اور بعض اوقات ساز وسامان والوں کو نہیں دی جاتی حتی کہ ان کو خواب آور گولیاں کھا کر بھی یہ نعمت حاصل نہیں ہوتی۔

رات کو تاریک بنایا تاکہ لوگوں کو آرام وراحت نصیب ہو اور دن کو روشن بنایا تاکہ لوگ کسب معاش کے لئے جدوجہد کریں، اور زیادہ سے زیادہ سہولت کے ساتھ انسان اپنی معاش کی جستجو کر سکے۔

وَاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا، مُعْصِرات، مُعْصِرَۃٌ کی جمع ہے، ایسے بادل کو کہتے ہیں جو پانی سے بھرا ہوا ہو، اور برسنے کے قریب ہو گیا ہو، اَلْمَرْأَۃُ الْمُعْصِرَۃ اس عورت کو کہتے ہیں جس کی ماہواری کا وقت قریب آ گیا ہو، ثَجَّاجًا کثرت سے بہنے والا پانی، جَزَاءً وِفَاقًا پورا بدلہ، یعنی جو سزا ان کو جہنم میں دی جائے گی وہ ان کے عقائد باطلہ واعمال سیئہ کے مطابق ہوگی، از روئے عدل وانصاف اس میں کوئی زیادتی نہ ہوگی۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ مَفَازًا مَكَانَ فَوْزٍ فِي الْجَنَّةِ **حَدَآئِقَ** بَسَاتِيْنَ بَدَلٌ مِنْ مَفَازًا او بَيَانٌ لَهُ **وَاَعْنَابًا** عطفٌ على مفازًا **وَّكَوَاعِبَ** جَوَارِيَ تَكَعَّبَتْ ثُدِيُّهُنَّ جَمْعُ كَاعِبٍ **اَتْرَابًا** عَلٰى سِنٍّ وَاحِدٍ جَمْعُ تِرْبٍ بِكَسْرِ التاء وسُكُونِ الراءِ **وَّكَاْسًا دِهَاقًا** خَمْرًا مَالِئَةً مَحَالَّهَا وفي القِتَالِ وَاَنْهٰرٌ مِنْ خَمْرٍ **لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا** اي الجنة عند شُرْبِ الخمرِ وغيرِهِ من الاَحْوَالِ **لَغْوًا** بَاطِلاً مِنَ القَوْلِ **وَّلَا كِذّٰبًا** بالتَّخْفِيْفِ اي كَذِبًا وبالتَّشْدِيْدِ

ای كذب من واحدٍ لغيرهٖ بخلاف ما يقع في الدنيا عند شرب الخمر **جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ** اى جزاهم الله بذلك جزاءً **عَطَآءً** بدلٌ من جزاءً **حِسَابًا** اى كثيرًا من قولهم اعطاني فاحسبني اى اكثر عليّ حتى قلتُ حسبي **رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** بالجر والرفع **وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ** كذلك وبرفعه مع جر رب السموات **لَا يَمْلِكُوْنَ** اى الخلق **مِنْهُ** تعالٰى **خِطَابًا** اى لا يقدر احدٌ ان يخاطبه خوفًا منه **يَوْمَ** ظرفٌ بلا يملكون **يَقُوْمُ الرُّوْحُ** جبرئيل او جند الله **وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا** حالٌ اى مصطفّين **لَا يَتَكَلَّمُوْنَ** اى الخلق **اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ** في الكلام **وَقَالَ** قولًا **صَوَابًا** من المؤمنين والملائكة كأن يشفعوا لمن ارتضى **ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ** الثابت وقوعُه وهو يوم القيمة **فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا** مرجعًا اى رجع الى الله تعالى بطاعته ليسلم من العذاب فيه **اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ** اى كفار مكة **عَذَابًا قَرِيْبًا** اى عذاب يوم القيمة الاتي وكلُّ اتٍ قريبٌ **يَّوْمَ** ظرفٌ لعذابًا بصفته **يَنْظُرُ الْمَرْءُ** كلُّ امرءٍ **مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ** من خيرٍ وشرٍ **وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ** حرفُ تنبيهٍ **لَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا** يعني فلا اُعذَّبُ يقول ذلك عند ما يقول الله تعالى للبهائم بعد الاقتصاص من بعضها لبعضٍ كوني ترابًا.

ع ۲

ترجمہ: یقیناً پرہیزگاروں کے لئے کامیابی ہے (یعنی) جنت میں کامیابی کا مقام ہے، باغات ہیں (حَدَائِق) مَفَازًا سے بدل ہے یا اس کا عطف بیان ہے اور انگور ہیں مَفَازًا پر عطف ہے اور ہم عمر ابھری ہوئی پستانوں والی نوخیز لڑکیاں ہیں کَوَاعِبَ، کَاعِبَۃٌ کی جمع ہے وہ لڑکیاں جو نوجوان ہوں اور ان کی پستانیں ابھری ہوئی ہوں، (اَتْرَاب) تِرْبٌ کی جمع ہے ہم عمر کو کہتے ہیں اور چھلکتے ہوئے جامِ شراب ہیں (یعنی) ایسی شراب ہے جو جاموں کو بھرنے والی ہے اور سورۂ قتال میں ہے، اور شراب کی نہریں ہیں، وہاں یعنی جنت میں کسی بھی وقت نہ تو شراب پینے کے وقت اور نہ اس کے علاوہ نہ تو بیہودہ کلام ہوگا یعنی باطل قول اور نہ جھوٹی باتیں سنیں گے (کِذَّابًا) تخفیف کے ساتھ بمعنی کذب اور تشدید کے ساتھ بمعنی تکذیب ہے یعنی کسی سے کسی کی تکذیب نہ سنیں گے، بخلاف اس کے جو دنیا میں شراب پینے کے وقت ہوتا ہے (یعنی دنیا میں جو شراب پی کر مستی کی حالت میں گالی گلوچ اور بکواس کرتے ہیں یہ کیفیت جنت کی شراب میں نہ ہوگی) یہ تیرے رب کی جانب سے بدلہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ جزاء عطا فرمائی جو کثیر انعام ہوگا (عَطَاءً) جَزَاءً سے بدل ہے اور یہ عرب کے قول "اعطانی فَاَحْسَبَنِی" سے مشتق ہے یعنی میرے اوپر اس کثرت سے انعامات کی (بارش کی) کہ میں نے بس بس کہہ دیا (یہ بدلہ) اس رب کی طرف سے ہوگا جو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، کا مالک ہے (وَالْاَرْض) جر اور رفع کے ساتھ ہے (اور جو) رحمٰن ہے اس میں بھی دونوں اعراب ہیں، کسی مخلوق کو اس سے بات چیت کرنے کا اختیار نہیں ہوگا یعنی خوف کی وجہ سے اس سے بات کرنے پر کوئی قادر نہ ہوگا رب پر کسرہ کے ساتھ، رحمٰن پر رفع بھی درست ہے، جس دن روح یعنی جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام یا اللہ

کالشکر اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے (صَفًّا) حال ہے بمعنی مصطفین تو کوئی مخلوق بات نہ کر سکے گی سوائے ان کے جن کو رحمٰن کلام کی اجازت دے گا اور مومنین اور فرشتوں میں سے ٹھیک بات کہے گا بایں طور کہ اس کی سفارش کریں، جس کے لئے خدا نے رضا مندی ظاہر کردی، یہ دن حق ہے یعنی اس کا وقوع ثابت ہے اور وہ قیامت کا دن ہے اب جو چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانہ بنائے یعنی اس کی اطاعت کرکے اس کی طرف رجوع کرے، تاکہ وہ اس ٹھکانہ میں عذاب سے محفوظ رہے اے کفر مکہ! ہم نے تم کو عنقریب آنے والے عذاب سے ڈرایا یعنی قیامت کے دن آنے والے عذاب سے، اور ہر آنے والی، قریب ہے، جس دن انسان اپنے ہاتھوں کی کمائی خیر و شر کو دیکھ لے گا (یَوْمَ) عَذَابًا کا مع اس کی صفت کے ظرف ہے اور کافر کہے گا کاش میں مٹی ہو جاتا، یا، حرف تنبیہ ہے، یعنی پھر مجھے عذاب نہ دیا جاتا، یہ اس وقت کہے گا جب اللہ تعالیٰ جانوروں سے بعض کا بعض سے بدلہ دلوانے کے بعد کہے گا ''تم مٹی ہو جاؤ''۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ یہ کلام مستانف ہے، اہل جنت کے احوال کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے، اس کے ماقبل اہل نار کے احوال بیان فرمائے، لِلْمتقین، اِنَّ کی خبر مقدم اور مَفَازًا اسم مؤخر ہے، اِنَّ لِلْمتقین مَفَازًا، اِنَّ لِلطَّاغِیْنَ مآبا کے مقابلہ میں لایا گیا۔

قَوْلُہٗ: عطف علی مَفَازًا مناسب یہ ہے کہ اعْنَابًا کا عطف حَدَائِق پر ہو اور یہ عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہوگا۔

قَوْلُہٗ: ثُدِیُّهُنَّ یہ ثَدیٌ کی جمع ہے بمعنی پستان۔

قَوْلُہٗ: خَمْرًا مَالِئَةً مفسر علام نے کَاسًا کی تفسیر خَمْرًا سے کی ہے اور دِھَاقًا کی تفسیر مَالِئَةً سے کی ہے، یعنی جام کو بھرنے والی شراب، گویا کہ ظرف بول کر مظروف مراد لیا ہے، زیادہ بہتر ہوتا کہ کَاسًا کو اپنے معنی ہی میں رہنے دیتے، اور مَالِئَةً بمعنی مُمْتَلِئَةً ہو مطلب واضح ہے، لبالب بھرا ہوا جام۔

قَوْلُہٗ: عِنْدَ شُرْبِ الْخَمْرِ وغیرِهَا، ھا ضمیر شُرْبٌ کی طرف راجع ہے یہاں سوال ہوگا کہ ھا ضمیر مؤنث ہے اور شربٌ مذکر ہے لہٰذا شربٌ کی طرف ضمیر لوٹانا درست نہیں ہے؟

جَوَابٌ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ شُرْبٌ نے تانیث اپنے مضاف الیہ خَمْرًا سے حاصل کرلی ہے اور یہ بات درست ہے کہ مضاف الیہ کی رعایت سے مؤنث کی ضمیر لائی جائے خَمْرٌ مؤنث سماعی ہے، گو بعض اوقات مذکر بھی استعمال ہوتی ہے، اور بعض نسخوں میں غَیْرِهَا کے بجائے غَیْرِہٖ ہے، اس صورت میں کوئی اشکال نہیں ہوگا۔

قَوْلُہٗ: حِسَابًا یہ عَطَاءً کی صفت ہے، حِسَابًا اگرچہ مصدر ہے مگر قائم مقام صفت کے ہے، یا پھر بطور مبالغہ وصف ہے، یا پھر مضاف محذوف ہے، ای ذو كِفَايَةٍ اس صورت میں زیدٌ عدلٌ کے قبیل سے ہوگا۔ (صاوی)

قَوْلُهٗ: كَذٰلِكَ وَبِرَفْعِهٖ مع جرِّ رَبِّ یعنی رَبّ کا جواعراب ہے یعنی رفع اور جر ہے وہی اعراب الرحمن کا بھی ہے، ایک مزید اعراب رحمٰن میں یہ بھی ہے کہ ربّ کے جر کے باوجود رحمٰن پر رفع ہو اس صورت میں رحمٰن، ھو مبتداء محذوف کی خبر ہوگی، یا الرحمٰن مبتدا ہوگا اور لا یملکون اس کی خبر ہوگی۔

تفسیر و تشریح

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا، کافروں کے احوال اور ان کی سزا کے بیان کرنے کے بعد یہاں سے مومنین کے حالات اور ان کے لئے تیار کردہ انعامات کا ذکر ہے۔

جَزَاءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَاءً حِسَابًا، یعنی اوپر جنت کی جن نعمتوں کا ذکر کیا ہے وہ مومنین کے اعمال صالحہ کی جزاء اور ان کے رب کی جانب سے عطا ہیں، یہاں نعمتوں کو اول جزاء اعمال بتایا پھر عطاء ربانی فرمایا، بظاہر دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ جزاء عوض اور بدلے کو کہتے ہیں اور عطاء وہ انعام ہے جو بلا کسی بدلے کے ہو؟ اس پر کہا جائے گا کہ مذکورہ دونوں لفظوں کو جمع کرنے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ بظاہر تو جنت کے انعامات جزاء اعمال ہوں گے مگر حقیقت میں وہ عطاء ربانی اور انعامات یزدانی ہوں گے اس لئے کہ بندے کے لئے اعمال تو دنیوی انعامات کے مقابلہ میں بھی کم ہیں، دوسرا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ دونوں لفظوں کو لاکر یہ بتانا مقصود ہے کہ نیک بندے کو صلہ صرف استحقاق ہی کے مطابق نہیں ملے گا بلکہ اس سے کہیں زیادہ بطور عطاء، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے عنایت فرمائیں گے۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ کوئی شخص محض اپنے اعمال کے بل بوتے پر جنت میں داخل نہیں ہوسکتا جب تک کہ حق تعالیٰ کا فضل نہ ہو، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا، کیا آپ بھی یا رسول اللہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں! میں بھی۔

لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا، یعنی میدان حشر میں دربار الٰہی کے رعب کا یہ عالم ہوگا کہ اہل زمین ہوں یا اہل آسمان کسی کو بھی یہ مجال نہ ہوگی کہ از خود بغیر اجازت خداوندی کے اللہ تعالیٰ کے حضور زبان کھول سکے، یا عدالت کے کام میں مداخلت کرے کہ فلاں کو اتنا زیادہ کیوں دیا؟ اور فلاں کو اتنا کم کیوں دیا؟

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا، روح سے مراد بعض ائمہ تفسیر کے نزدیک جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام ہیں چونکہ حضرت جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام کا ملائکہ میں ایک خاص امتیازی مقام ہے اس وجہ سے عام ملائکہ سے الگ ان کا ذکر فرمایا، اور بعض روایات میں ہے کہ روح، اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم الشان مخصوص لشکر ہے جو فرشتے نہیں ہیں، اس تفسیر کی رو سے دو صفیں ہوں گی ایک روح کی اور دوسری فرشتوں کی۔ (معارف ملخصًا)

لَا یَتَکَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا، یہاں کلام نہ کرنے سے مراد شفاعت نہ کرنا ہے، شفاعت کی اجازت دو شرطوں کے ساتھ ممکن ہوگی، ایک شرط یہ کہ جس شخص کو جس گنہگار کے حق میں شفاعت کی اجازت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملے گی صرف وہی شخص اسی کے حق میں شفاعت کر سکے گا، دوسری شرط یہ کہ شفاعت کرنے والا بجا اور درست بات کہے یعنی بے جا سفارش نہ کرے اور جس کے معاملہ میں وہ سفارش کر رہا ہو وہ دنیا میں کم از کم کلمۂ حق کا قائل رہا ہو یعنی وہ گنہگار ہو، کافر مشرک نہ ہو۔

یَوْمَ یَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ یَدَاهُ، ظاہر یہی ہے کہ اس دن سے مراد روز قیامت ہے اور محشر میں ہر شخص اپنے اعمال کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا، یا اعمال نامہ کی صورت میں کہ اس کا نامۂ عمل اس کے ہاتھ میں آ جائے گا جس میں وہ بچشم خود اپنے اعمال کی تفصیل دیکھ لے گا، یا اس طرح کہ اس کے اعمال متشکل ہو کر خود اس کے سامنے آ جائیں گے جیسا کہ روایات حدیث سے ثابت ہے کہ وہ مال جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہوگی وہ ایک زہریلے اژدہے کی شکل میں اس پر مسلط کر دیا جائے گا، اور یَوْمٌ سے موت کا دن بھی مراد ہو سکتا ہے اس وقت اعمال کو دیکھنے سے عالم برزخ میں دیکھنا مراد ہوگا۔ (مظہری)

وَیَقُوْلُ الْکٰفِرُ یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرَابًا، حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ قیامت کے روز پوری زمین ایک سطح مستوی ہو جائے گی، جس میں انسان و جنات اور وحشی و پالتو جانور سب جمع کر دیے جائیں گے، اور جانوروں میں سے اگر کسی نے دوسرے جانور پر دنیا میں ظلم کیا ہوگا تو اسے اس کا انتقام دلوایا جائے گا، حتی کہ اگر سینگ والی بکری نے بے سینگ والی بکری کو مارا ہوگا تو آج اس کو یہ بدلہ دلوایا جائے گا، جب اس سے فراغت ہوگی تو تمام جانوروں کو حکم ہوگا کہ مٹی ہو جاؤ، وہ سب مٹی ہو جائیں گے، اس وقت کافر یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم بھی جانور ہوتے اور اس وقت مٹی ہو جاتے اور حساب و کتاب اور جہنم کی سزا سے بچ جاتے۔ (معارف)

بحمد اللہ تم

سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتٌّ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ والنَّازِعَاتِ مَكِّيَّةٌ سِتٌّ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ والنازعات مکی ہے، چھیالیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَالنّٰزِعٰتِ المَلائِكَةِ تَنزِعُ اَرْوَاحَ الكُفَّارِ غَرْقًا ۙ نَزْعًا بِشِدَّةٍ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۙ المَلائِكَةِ تَنْشِطُ اَرْوَاحَ المُؤْمِنِيْنَ اى تَسُلُّهَا بِرِفْقٍ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۙ المَلائِكَةِ تَسْبَحُ مِنَ السَّمَاءِ بِاَمْرِهِ تَعَالٰى اى تَنْزِلُ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۙ اى المَلائِكَةِ تَسْبِقُ بِاَرْوَاحِ المُؤْمِنِيْنَ اِلَى الجَنَّةِ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۘ المَلائِكَةِ تُدَبِّرُ اَمْرَ الدُّنْيَا اى تَنْزِلُ بِتَدْبِيْرِهِ وجَوَابُ هٰذِهِ الاَقْسَامِ مَحْذُوْفٌ اى لَتُبْعَثُنَّ يَا كُفَّارَ مَكَّةَ وهُوَ عَامِلٌ فِى يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۙ النَّفْخَةُ الاُوْلٰى بِهَا يَرْجُفُ كُلُّ شَيْءٍ اى يَتَزَلْزَلُ فَوُصِفَتْ بِمَا يَحْدُثُ مِنْهَا تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۗ النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ وبَيْنَهُمَا اَرْبَعُوْنَ سَنَةً والجُمْلَةُ حَالٌ مِنَ الرَّاجِفَةِ فَالْيَوْمُ واسِعٌ لِلنَّفْخَتَيْنِ وغَيْرِهِمَا فَصَحَّ ظَرْفِيَّتُهُ لِلْبَعْثِ الوَاقِعِ عَقِيْبَ الثَّانِيَةِ قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۙ خَائِفَةٌ قَلِقَةٌ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۘ ذَلِيْلَةٌ لِهَوْلِ مَا تَرٰى يَقُوْلُوْنَ اى اَرْبَابُ القُلُوْبِ والاَبْصَارِ اسْتِهْزَاءً واِنْكَارًا لِلْبَعْثِ ءَاِنَّا بِتَحْقِيْقِ الهَمْزَتَيْنِ وتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ واِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الوَجْهَيْنِ فِى المَوْضِعَيْنِ لَمَرْدُوْدُوْنَ فِى الْحَافِرَةِ ۗ اى اَنُرَدُّ بَعْدَ المَوْتِ اِلَى الحَيٰوةِ والحَافِرَةُ اِسْمٌ لِاَوَّلِ الاَمْرِ ومِنْهُ رَجَعَ فُلَانٌ فِى حَافِرَتِهٖ اِذَا رَجَعَ مِنْ حَيْثُ جَاءَ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۗ وفِى قِرَاءَةٍ نَاخِرَةً بَالِيَةً مُتَفَتِّتَةً نُحْيٰى قَالُوْا تِلْكَ اى رَجْعَتُنَا اِلَى الحَيَاةِ اِذًا اِنْ صَحَّتْ كَرَّةٌ رَجْعَةٌ خَاسِرَةٌ ۘ ذَاتُ خُسْرَانٍ قَالَ تَعَالٰى فَاِنَّمَا هِىَ اى الرَّادِفَةُ الَّتِىْ يَعْقُبُهَا البَعْثُ زَجْرَةٌ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ فَاِذَا نُفِخَتْ فَاِذَا هُمْ اى كُلُّ الخَلَائِقِ بِالسَّاهِرَةِ ۗ بِوَجْهِ الاَرْضِ اَحْيَاءً بَعْدَ مَا كَانُوْا بِبَطْنِهَا اَمْوَاتًا هَلْ اَتٰىكَ يَا مُحَمَّدُ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۘ عَامِلٌ فِى اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۚ اِسْمُ الوَادِى بِالتَّنْوِيْنِ وتَرْكِهٖ فَقَالَ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۖ تَجَاوَزَ الحَدَّ فِى الكُفْرِ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اَدْعُوْكَ اِلٰى اَنْ تَزَكّٰى ۙ وفِى قِرَاءَةٍ بِتَشْدِيْدِ الزَّاىِ بِاِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِى الاَصْلِ فِيْهَا تَطَّهَّرُ مِنَ الشِّرْكِ بِاَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ ادلك على معرفته بالبرهان فَتَخْشٰى ۚ فتخافه فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ۝ۖ من اياته التسع وهي اليد او العصا فَكَذَّبَ فرعون موسى وَعَصٰى ۝ۖ الله تعالى ثُمَّ اَدْبَرَ عن الايمان يَسْعٰى ۝ۖ في الارض بالفساد فَحَشَرَ جمع السحرة وجنده فَنَادٰى ۝ۖ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۝ۖ لا رب فوقي فَاَخَذَهُ اللّٰهُ اهلكه بالغرق نَكَالَ عقوبة الْاٰخِرَةِ اي هذه الكلمة وَالْاُوْلٰى ۝ؕ اي قوله قبلها ما علمت لكم من اله غيري وكان بينهما اربعون سنة اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ المذكور لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝ؕ الله تعالى

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، قسم ہے ان فرشتوں کی جو کفار کی روح کو ڈوب کر سختی سے کھینچنے والے ہیں، قسم ہے ان فرشتوں کی جو نرمی سے مسلمانوں کی (روح) کو نکالنے والے ہیں یعنی روح کو آسانی کے ساتھ نکالنے والے ہیں، قسم ہے ان فرشتوں کی جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آسمان میں تیزی سے تیرنے والے ہیں یعنی نازل ہوتے ہیں، پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو مومنین کی روحوں کو لے کر جنت کی طرف سبقت کرنے والے ہیں، پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو دنیاوی معاملات کی تدبیر کرتے ہیں یعنی اس کی تدبیر کو لے کر نازل ہوتے ہیں، ان قسموں کا جواب محذوف ہے اور وہ لَتُبْعَثُنَّ یا کُفّارَ مکّۃ ہے۔ (اے کفار مکہ! تم کو ضرور اٹھایا جائے گا) اور یہی یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ میں عامل ہے، جس دن ہلا ڈالنے والا ہلا ڈالے گا (یعنی) نفخہ اولیٰ، اس کی وجہ سے ہر چیز کانپنے لگے گی یعنی ہر شئی متزلزل ہو جائے گی (قیامت کو) اسی صفت سے متصف کیا گیا ہے جو اس سے پیدا ہوگی، اور اس کے پیچھے ایک اور جھٹکا پڑے گا یعنی دوسرا نفخہ، اور دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہوگا، اور جملہ راجفۃٌ سے حال ہے، (روز قیامت میں) دونوں نفخوں وغیرہ ہما کی گنجائش ہوگی، لہٰذا روز قیامت کا اس بعث کے لئے ظرف بننا صحیح ہے جو نفخہ ثانیہ کے بعد واقع ہوگا، بہت سے دل ہوں گے جو اس دن خوف کی وجہ سے کانپ رہے ہوں گے یعنی اضطراب کی وجہ سے خوف زدہ ہوں گے ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی اس ہولناکی کی وجہ سے جس کو وہ دیکھ رہی ہوں گی، پست ہوں گی، یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیا ہم پہلی حالت میں واپس لائے جائیں گے یعنی یہ قلب ونظر والے (کفار مکہ) استہزاء اور انکار بعث کے طور پر کہتے ہیں (کیا ہم پہلی حالت میں واپس لائے جائیں گے) یعنی کیا ہم مرنے کے بعد لوٹائے جائیں گے اور حافرہ اول امر کا نام ہے، اسی سے رجع فلان فی حافرته ہے (یعنی فلاں شخص اپنے سابقہ حال پر آ گیا) یہ اس وقت بولتے ہیں جب اسی طرف لوٹ جائے جہاں سے آیا تھا، کیا اس وقت جب کہ ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے اور ایک قراءت میں ناخرة ہے بمعنی بوسیدہ، ریزہ ریزہ، زندہ کئے جائیں گے کہتے ہیں پھر تو یہ ہمارا حیات کی طرف لوٹنا بڑے خسارے کا ہوگا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا پس یہ یعنی نفخہ ثانیہ ایک آواز ہوگی جس کے بعد بعث ہوگی جب وہ پھونک دی جائے گی تو اچانک پوری مخلوق زندہ ہو کر سطح زمین پر آ جائے گی حالانکہ وہ مردے تھے زمین کے نیچے، کیا آپ ﷺ کو اے محمد ﷺ! موسیٰ کا قصہ پہنچا ہے (حدیثُ) اِذْ نَادَاهُ میں عامل ہے (نہ کہ اَتٰكَ) جب کہ ان کو ان کے

رب نے مقدس میدان طوی میں پکارا (طُـوًی) ایک وادی کا نام ہے، تنوین کے ساتھ اور بغیر تنوین کے، تو فرمایا کہ تم فرعون کے پاس جاؤ کہ اس نے سرکشی اختیار کر رکھی ہے یعنی کفر میں حد سے تجاوز کر گیا ہے، اس سے کہو کہ کیا تیری چاہت ہے کہ میں تجھ کو ایسی چیز کی دعوت دوں جس سے تو پاک ہو جائے؟ ایک قراءت میں (تَـزَّکّٰی) میں زا کی تشدید کے ساتھ ہے، تـزکی کی تاء ثانیہ کو اصل میں زاء میں ادغام کر کے، یعنی شرک سے پاک ہو جائے، اس طریقہ سے کہ تو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی شہادت دے اور یہ کہ میں تجھے تیرے رب کی راہ دکھاؤں کہ تو اس سے ڈرنے لگے، یعنی دلیل کے ساتھ اس کی معرفت کی طرف تیری رہنمائی کروں پھر موسیٰ علیہ السلام نے اس کو نو نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی دکھائی اور وہ ید بیضا یا عصا کی نشانی ہے، مگر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی پھر (اس نے) ایمان سے روگردانی کی اور فساد فی الارض کے لئے دوڑ دھوپ کرنے لگا، پھر اس نے جادوگروں اور اپنے لشکر کو جمع کیا اور پکار کر کہا میں تمہارا بڑا رب ہوں مجھ سے بڑا کوئی رب نہیں ہے، پھر اللہ نے اس کو غرقِ آب کے ذریعہ ہلاک کر کے آخری کلمہ اور پہلے کلمے کے عذاب میں پکڑ لیا یعنی آخری کلمہ سے پہلے کلمے کے عذاب میں (اور وہ پہلا کلمہ) "مَا عَلِمْتُ لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرِیْ" ہے اور ان دونوں کلموں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ تھا بے شک اس (مذکور) میں اس شخص کے لئے عبرت ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔

تَحقِیق وتَرکِیب وتَسہِیل وتَفسِیری فَوائد

قَوْلُہٗ: اَلنّٰزِعٰتِ (ض) نَزْعٌ سے اسم فاعل جمع مونث، کھینچ کر نکالنے والیں، یہاں طائفۃ کے معنی میں ملائکہ مراد ہیں۔

قَوْلُہٗ: غَرْقًا یہ حذف زوائد کے ساتھ مصدر ہے ای اِغْرَاقًا اپنے عامل النازعات کے معنی میں ہونے کی وجہ سے مفعول مطلق ہے جیسے قُمْتُ وُقُوْفًا، یا قعدتُ جُلُوْسًا، یا حال ہے ای ذَوَاتَ اِعراقٍ، اَغْرَقَ فی الشئ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی معاملہ میں انتہائی حد کو پہنچ جائے۔

قَوْلُہٗ: اَلنّٰشِطٰتِ (ض) نَشْطًا سے اسم فاعل جمع مؤنث، کھولنے والیں، سہولت کرنے والیاں، نَشَطَ فی العملِ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی چیز میں سہولت اور جلدی کرتے ہیں، نَشْطًا اور اس کے مابعد سب اپنے عوامل کی تاکید کرنے والے مصادر ہیں۔

قَوْلُہٗ: ای تـنـزِلُ بتدبیرہٖ اس اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ تدبیر کی نسبت ملائکہ کی جانب اسناد مجازی کے طور پر ہے، اصل مدبر اللہ تعالیٰ ہیں، اسی کے حکم سے ملائکہ تدبیر کرتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: لَتُبْعَثُنَّ یا کفار مکۃ یہ مذکورہ قسموں کا جواب ہے، کفار مکہ کی تخصیص صرف اس لئے ہے کہ وہ بعث کے منکر ہیں ورنہ بعث مومن و کافر سب کے لئے ہے۔

قَوْلُہٗ: فَالیَوْمُ وَاسِعٌ لِلنَّفْخَتَیْنِ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: سوال یہ ہے کہ یومَ ترجُفُ الرّاجفة سے نفخۂ اولیٰ مراد ہے، جو کہ موت کا سبب ہوگا تو پھر وہ لَتُبْعَثُنَّ مقدر کا ظرف کس طرح ہوسکتا ہے، اس لئے کہ بعث تو نفخۂ ثانیہ کے وقت ہوگا۔

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ وہ دن اتنا بڑا ہوگا کہ اس میں دونوں نفخوں کی گنجائش ہوگی اگرچہ دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہوگا، چالیس سال کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی دن چالیس سال کے برابر ہوگا، فصحَّ ظرفیّتُهٗ للبعث یعنی یوم کا بعث مقدر کے لئے ظرف واقع ہونا صحیح ہے۔

قولہ: تَتْبَعُهَا الرَّادِفَة، رادفة کے معنی ہیں متصلاً بعد میں آنے والا نفخۂ ثانیہ چونکہ اولیٰ کے بعد واقع ہوگا ان کے درمیان اور کوئی شئ حائل نہ ہوگی اسی وجہ سے نفخۂ ثانیہ کو رادفہ کہا گیا ہے۔

قولہ: قُلُوْبٌ يَوْمَئِذٍ واجفة، قُلُوْبٌ مبتداء ہے اور اَبْصَارُهَا اس کی خبر ہے۔

سوال: قُلُوْبٌ نکرہ ہے اس کا مبتداء بننا صحیح نہیں ہے؟

جواب: وَاجفة، قُلُوْبٌ کی صفت مخصصہ ہے جس کی وجہ سے نکرہ کا مبتدا بننا صحیح ہے، یعنی واجفة، يَوْمَئِذٍ اپنے ظرف سے مل کر قلوب کی صفت ہے اَبْصَارُهَا میں ها ضمیر قلوب کی طرف راجع ہے اور قلوبٌ کا مضاف محذوف ہے، ای ابصارُ اصحاب القلوب خاشعة.

ترکیب: قُلُوْبٌ موصوف يَوْمَئِذٍ، وَاجفةٌ کا ظرف مقدم، واجفةٌ اپنے ظرف مقدم سے مل کر قُلُوْبٌ کی صفت، موصوف صفت سے مل کر مبتداء، اَبْصَارُهَا مبتدا ثانی، خَاشِعَةٌ اس کی خبر، مبتدا خبر سے مل کر جملہ ہو کر مبتداء اول کی خبر ہے۔

قولہ: فِي الْحَافِرَةِ، ای الی الحافرة، فی بمعنی الی اور حافرہ بمعنی حیات۔

قولہ: ءَ اِذَا كُنَّا عِظَامًا نَخِرَة، اذا کا عامل محذوف ہے جس پر مردودون دلالت کر رہا ہے، ای ءَ اِذَا كُنَّا عِظَامًا بَالِيَة نُرَدُّ ونُبعَثُ.

قولہ: نَخِرَة یہ نَخِرَ الْعَظْمُ سے ماخوذ ہے بوسیدہ اور کھوکھلی ہڈی کو کہتے ہیں۔

قولہ: قالوا تلك، تلك مبتداء ہے اور اس کا مشار الیہ رجعة ہے، كَرَّةٌ بمعنی رجعةٌ موصوف ہے، خاسِرَةٌ صفت، موصوف صفت سے مل کر مبتداء کی خبر ہے۔

قولہ: خاسِرَةٌ اس کی تفسیر ذاتُ خُسْرانٍ سے کر کے ایک سوال مقدر کے جواب کی طرف اشارہ کر دیا۔

سوال: خَاسِرَةٌ کا حمل كَرَّةٌ پر درست نہیں ہے؟

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ خاسِرَةٌ، ذات خسران کے معنی میں ہے، یا خاسِرَة سے اصحاب خسران مراد ہیں، اور اسناد مجازی ہے جیسا کہ رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ میں اسناد مجازی ہے۔

قولہ: فاذا نُفِخَتْ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ فَاِذَاهُمْ بِالسَّاهِرَة شرط محذوف کی جزاء ہے۔

قولہ: فقال، ای فقال تعالیٰ.

قولہ: بالتنوین و ترکه. یعنی طوی اگر مکان کے معنی میں ہو تو منصرف ہونے کی وجہ سے منون ہوگا اور اگر بقعة کے معنی میں ہو تو غیر منصرف ہونے کی وجہ سے غیر منون ہوگا۔

قولہ: نکال الآخرة، آخرة سے مراد بعد والا کلمہ ہے جو کہ "انا ربکم الاعلی" ہے اور اولی سے مراد پہلا کلمہ ہے اور وہ "ما علمت لکم من اله غیری" ہے اور بعض حضرات نے اولی سے عذاب غرق اور آخرة سے عذاب حرق مراد لیا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

تفسیر و تشریح

والنازعات غرقًا، نازعات، نزع سے مشتق ہے اس کے معنی کسی چیز کو کھینچ کر نکالنے کے ہیں، اور غرقًا اس کی تاکید ہے اس لئے کہ غرق و اغراق کے معنی پوری طاقت صرف کرنے کے ہیں "اغرق النازع" اس وقت بولتے ہیں جب کمان کھینچنے والا کمان کھینچنے میں پورا زور لگادے، یہ جان نکالنے والے فرشتوں کی صفت ہے فرشتے کافر کی جان نہایت سختی سے نکالتے ہیں، اور اس سختی کا تعلق روح سے ہوتا ہے اگر کسی کافر یا مجرم کی جان بظاہر آسانی سے نکلتی معلوم ہو تو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس کی روح کو سختی سے نہیں نکالا گیا۔

وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا، نَشْطٌ گرہ کھولنے کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جس طرح گرہ کھولنے کے بعد چیز آسانی سے نکل جاتی ہے، اسی طرح مومن کی روح بھی فرشتے آسانی سے نکالتے ہیں۔

والسّٰبحٰتِ سَبْحًا، سبح کے لغوی معنی تیرنے کے ہیں، یہاں تیزی سے چلنا مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ روح قبض کرنے کے بعد فرشتے روح کو لے کر تیزی سے بلا روک ٹوک آسمانوں کی طرف چلے جاتے ہیں۔

فالسّٰبقٰتِ سَبْقًا، یعنی ان فرشتوں کی قسم جو سبقت کرنے والے ہیں، کس چیز میں سبقت کرنے والے ہیں؟ تو ظاہر ہے کہ یہاں روحوں کو ان کے ٹھکانے پر پہنچانے میں سبقت کرنا مراد ہے، ورنہ تو اس امر خاص میں سبقت اور عجلت کے علاوہ فرشتے ہر امر خداوندی کی بجا آوری میں سبقت کرتے ہیں۔

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا، یعنی امر الٰہی کی تدبیر و تنفیذ کرنے والے ہیں، امر الٰہی کی تدبیر و تنفیذ سے روح کے معاملے میں تدبیر و تنفیذ مراد ہے اور اس کے علاوہ دیگر امور میں بھی تدبیر و تنفیذ مراد ہو سکتی ہے۔

خلاصہ: یہاں پانچ اوصاف رکھنے والی ہستیوں کی قسم جس بات پر کھائی گئی ہے اس کی وضاحت نہیں کی گئی لیکن بعد کا مضمون اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ قسم اس بات پر کھائی گئی ہے کہ قیامت ضرور آنے کی اور تمام مردوں کو از سر نو ضرور زندہ کیا جائے گا، نیز اس امر کی وضاحت بھی نہیں کی گئی کہ یہ اوصاف کن ہستیوں کے ہیں لیکن صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین اور اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ ان سے مراد فرشتے ہیں۔

نفس اور روح سے متعلق قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک طویل حدیث مشکوٰۃ میں بحوالہ مسند احمد مذکور ہے، اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ نفس انسان ایک لطیف جسم ہے جو اس کے جسم کثیف میں سمایا ہوا ہے اور وہ انہی مادی عناصر اربعہ سے بنا ہے، فلاسفہ اور طباء اسی کو روح کہتے ہیں، مگر درحقیقت روح انسانی ایک جوہر مجرد اور لطیفہ ربانی ہے جو اس طبعی روح یعنی نفس کے ساتھ ایک خاص ربط وتعلق رکھتا ہے اور اس طبعی روح یعنی نفس کی حیات خود اس لطیفہ ربانی پر موقوف ہے، اس کو روح الروح بھی کہہ سکتے ہیں، کہ جسم کی زندگی نفس سے اور نفس کی زندگی روح سے ہے، اس لطیفہ ربانی کا تعلق اس جسم لطیف (نفس) کے ساتھ کس قسم کا ہے؟ اس کی حقیقت کا علم ان کے پیدا کرنے والے کے علاوہ کسی کو نہیں، اور یہ جسم لطیف جس کا نام نفس ہے اس کو حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ایک آئینہ کے مثل بنایا ہے جو آفتاب کے بالمقابل رکھ دیا گیا ہو تو آفتاب کی روشنی اس میں ایسی آجاتی ہے کہ یہ خود آفتاب کی طرح روشنی پھیلاتا ہے، نفس انسانی اگر تعلیم وحی کے مطابق ریاضت ومحنت کر لیتا ہے تو وہ بھی منور ہو جاتا ہے یہی وہ جسم لطیف ہے جس کو فرشتے اوپر لے جاتے ہیں اور یہی جسم لطیف اعمال صالحہ سے منور اور خوشبودار ہو جاتا ہے اور کفر وشرک سے تاریک وبدبودار ہو جاتا ہے، روح مجرد کا تعلق بواسطہ جسم لطیف یعنی نفس کے واسطے سے ہوتا ہے، اس جسم لطیف پر موت طاری نہیں ہوتی قبر (برزخ) کا عذاب وثواب بھی اسی روح سے متعلق ہوتا ہے اس نفس کا تعلق قبر (برزخ) سے رہتا ہے اور روح مجرد اعلیٰ علیین میں رہتی ہے، اور روح مجرد اس ثواب وعقاب سے بواسطہ نفس متاثر ہوتی ہے، اس طرح روح کا قبر میں ہونا بمعنی نفس کے صحیح ہے اور اس کا عالم ارواح میں ہونا بمعنی روح مجرد صحیح ہے، اس سے ان روایات مختلفہ میں تطبیق ہو جاتی ہے جن میں سے بعض کی رو سے روح کا قبر میں ہونا معلوم ہوتا ہے اور بعض سے اعلیٰ علیین میں ہونا۔

فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ، سَاهِرَة، سے مراد سطح زمین ہے، قیامت کے دن پوری زمین سطح اور چٹیل میدان ہو جائے گی، نہ کہیں نشیب وفراز ہوگا اور نہ آڑ پہاڑ، اس کے بعد کفار اور منکرین بعث کی ضد سے جو آنحضرت ﷺ کو ایذاء پہنچی تھی اس کا ازالہ فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ بیان کر کے کیا گیا ہے کہ مخالفین سے ایذاء پہنچ جانا کچھ آپ ﷺ کے ساتھ خاص نہیں، انبیاء سابقین علیہم السلام کو بھی بڑی بڑی اذیتیں دی گئی تھیں انہوں نے صبر کیا آپ ﷺ بھی صبر کیجئے۔

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى، ''نکال'' ایسے عذاب کو کہا جاتا ہے جس کو دیکھ کر دوسروں کو عبرت حاصل ہو، ''آخرۃ'' اور ''اولیٰ'' کا مطلب مفسر علام نے جو لیا ہے وہ تحقیق وترکیب کے زیر عنوان گذر چکا ہے، ملاحظہ فرمالیا جائے، بعض حضرات نے نکال الآخرۃ سے فرعون کے لئے عذاب آخرت مراد لیا ہے، اور نکال اولیٰ سے مراد وہ عذاب ہے جو دنیا میں اس کی پوری قوم کو غرق دریا ہو جانے سے پہنچا۔ (معارف)

ءَاَنْتُمْ بتحقیقِ الهمزتینِ وإبدالِ الثانیةِ ألفًا وتسهیلِها وإدخالِ ألفٍ بینَ المُسَهَّلةِ والأُخرى وترکِه ای

مُنكِرُوا البَعْثِ **اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ** اَشَدُّ خَلْقًا **بَنٰهَا**۝۲۷ بَيَانٌ لِكَيْفِيَّةِ خَلْقِهَا **رَفَعَ سَمْكَهَا** تَفْسِيرٌ لِكَيْفِيَّةِ البِنَاءِ اي جَعَلَ سَمْتَهَا مِنْ جِهَةِ العُلُوِّ رَفِيْعًا وقِيلَ سَمْكُهَا سَقْفُهَا **فَسَوّٰىهَا**۝۲۸ جَعَلَهَا مُسْتَوِيَةً بِلَا عَيْبٍ **وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا** اَظْلَمَهُ **وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا**۝۲۹ اَبْرَزَ نُوْرَ شَمْسِهَا واُضِيفَ اِلَيْهَا اللَّيْلُ لِاَنَّهُ ظِلُّهَا وَالشَّمْسُ لِاَنَّهَا سِرَاجُهَا **وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا**۝۳۰ بَسَطَهَا وَكَانَتْ مَخْلُوْقَةً قَبْلَ السَّمَاءِ مِنْ غَيْرِ دَحْوٍ **اَخْرَجَ** حَالٌ بِإِضْمَارِ قَدْ اي مُخْرِجًا **مِنْهَا مَآءَهَا** بِتَفْجِيرِ عُيُوْنِهَا **وَمَرْعٰىهَا**۝۳۱ مَا تَرْعَاهُ النَّعَمُ مِنَ الشَّجَرِ والعُشْبِ وَمَا يَأكُلُهُ النَّاسُ مِنَ الاَقْوَاتِ والثِّمَارِ وإِطْلَاقُ المَرْعَى عَلَيْهِ اِسْتِعَارَةٌ **وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا**۝۳۲ اَثْبَتَهَا عَلَى وَجْهِ الاَرْضِ لِتَسْكُنَ **مَتَاعًا** مَفْعُوْلٌ لَهُ، لِمُقَدَّرٍ اي فَعَلَ ذٰلِكَ مُتْعَةً او مَصْدَرٌ اي تَمْتِيْعًا **لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ**۝۳۳ جَمْعُ نَعَمٍ وهِيَ الإِبِلُ والبَقَرُ والغَنَمُ **فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى**۝۳۴ النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ **يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ** بَدَلٌ مِنْ إِذَا **مَا سَعٰى**۝۳۵ فِي الدُّنْيَا مِنْ خَيْرٍ وشَرٍّ **وَبُرِّزَتِ** اُظْهِرَتِ **الْجَحِيْمُ** النَّارُ المُحْرِقَةُ **لِمَنْ يَّرٰى**۝۳۶ لِكُلِّ رَاءٍ وَجَوَابُ إِذَا **فَاَمَّا مَنْ طَغٰى**۝۳۷ كَفَرَ **وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا**۝۳۸ بِاتِّبَاعِ الشَّهَوَاتِ **فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى**۝۳۹ مَأْوَاهُ **وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ** قِيَامَهُ بَيْنَ يَدَيْهِ **وَنَهَى النَّفْسَ** الاَمَّارَةَ **عَنِ الْهَوٰى**۝۴۰ المُرْدِي بِاتِّبَاعِ الشَّهَوَاتِ **فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى**۝۴۱ وَحَاصِلُ الجَوَابِ فَالعَاصِي فِي النَّارِ والمُطِيعُ فِي الجَنَّةِ **يَسْـَٔلُوْنَكَ** اي كُفَّارُ مَكَّةَ **عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا**۝۴۲ مَتَى وُقُوْعُهَا وَقِيَامُهَا **فِيْمَ** فِي اَيِّ شَيْءٍ **اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا**۝۴۳ اي لَيْسَ عِنْدَكَ عِلْمُهَا حَتّٰى تَذْكُرَهَا **اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا**۝۴۴ مُنْتَهَى عِلْمِهَا لَا يَعْلَمُهُ غَيْرُهُ **اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ** اِنَّمَا يَنْفَعُ اِنْذَارُكَ **مَنْ يَّخْشٰىهَا**۝۴۵ يَخَافُهَا **كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا** فِي قُبُوْرِهِمْ **اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا**۝۴۶ اي عَشِيَّةَ يَوْمٍ او بُكْرَتَهُ وَصَحَّ إِضَافَةُ الضُّحَى إِلَى العَشِيَّةِ لِمَا بَيْنَهُمَا مِنَ المُلَابَسَةِ إِذْ هُمَا طَرَفَا النَّهَارِ وَحَسَّنَ الإِضَافَةَ وُقُوْعُ الكَلِمَةِ فَاصِلَةً.

ع ۲

ترجمہ: اے بعث کے منکرو! کیا تمہاری تخلیق زیادہ دشوار ہے یا آسمان کی؟ (اَاَنْتُمْ) دونوں ہمزوں کی تحقیق اور ثانی کو الف سے بدل کر اور ثانی کی تسہیل کے ساتھ اور مسہلہ اور دوسرے کے درمیان الف داخل کر کے اور ترک ادخال کے ساتھ، اللہ نے اس کو بنایا یہ آسمان کی تخلیق کی کیفیت کا بیان ہے، اس کو بلند و بالا بنایا یہ کیفیت بناء کا بیان ہے یعنی اس کی بلندی کو اونچا کیا، کہا گیا ہے کہ رَفَعَ سَمْكَهَا سے مراد رَفَعَ سَقْفَهَا ہے، یعنی اس کی چھت خوب اونچی اٹھائی، پھر اس کو ٹھیک ٹھاک کیا (یعنی) اس کو بلا نقص کے سپاٹ بنایا، اور اس کی رات کو تاریک بنایا اور اس کا دن نکالا یعنی اس کے آفتاب کا نور ظاہر کیا، اور لیل کی اضافت آسمان کی جانب اس لئے کی کہ رات اس کا سایہ ہے اور شمس کی اضافت آسمان کی طرف کی گئی ہے اس لئے کہ شمس اس کا چراغ ہے، اور اس کے بعد زمین کو بچھایا وہ بغیر بچھائے اس کی تخلیق خلقِ سماء سے پہلے ہی ہو چکی تھی، اور اس سے اس کا پانی

نکالا اس سے چشموں کو جاری کر کے (اَخْرَجَ) قد کے اضمار کے ساتھ حال ہے مُخْرِجًا کے معنی میں، اور اس کے چارے کو نکالا یعنی وہ جس کو مویشی کھاتے ہیں خواہ درخت کے قبیل سے ہو یا گھاس کے، اور وہ چیز پیدا کی جس کو انسان کھاتے ہیں خواہ غلہ ہو یا پھل، اور انسانی خوراک پر مرعی کا اطلاق بطور استعارہ (مجاز) کے ہے، اور پہاڑوں کو اس پر قائم کر دیا یعنی زمین پر ثبت کر دیا، تاکہ اس کا اضطراب ختم ہو جائے، یہ سب تمہارے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لئے ہیں (مَتَاعًا) فعل مقدر کا مفعول لہ ہے ای فَعَلَ ذٰلِكَ مُتْعَةً یا مَتَاعًا بمعنی تمتیعًا مصدر ہے (اس کا بھی فعل مَتَّعْنَا مقدر ہوگا ای مَتَّعْنَا تمتیعًا) اَنْعَامٌ، نَعَمٌ کی جمع ہے اور اَنْعَام اونٹ، گائے اور بکری کو کہتے ہیں، سو جب ہنگامۂ عظیم آوے گا یعنی نفخۂ ثانیہ، یعنی جس دن انسان دنیا میں اپنے کئے ہوئے خیر و شر کو یاد کرے گا (يَوْمَ) اِذَا سے بدل ہے اور ہر دیکھنے والے کے سامنے جہنم یعنی جلا دینے والی آگ ظاہر کی جائے گی اور اِذَا کا جواب فَاَمَّا مَنْ طَغٰی ہے تو جس شخص نے سرکشی یعنی کفر کیا اور خواہشات کی اتباع کی وجہ سے دنیوی زندگی کو ترجیح دی اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے، ہاں جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا ہوگا اور اپنے نفس امارہ کو شہوتوں کی اتباع کے ذریعہ ہلاک کرنے والی خواہشات سے روکا ہوگا تو اس کا ٹھکانہ جنت ہی ہے، اور جواب کا حاصل یہ ہے کہ نافرمان دوزخ میں ہوگا اور فرمانبردار جنت میں، کفار مکہ آپ ﷺ سے قیامت واقع ہونے کا وقت دریافت کرتے ہیں یعنی یہ کہ اس کا وقوع اور قیام کب ہوگا؟ اس کے بیان کرنے سے آپ ﷺ کا کیا تعلق، یعنی آپ ﷺ کے پاس اس کا علم نہیں ہے کہ آپ ﷺ اس کو بیان کریں، اس کے علم کی انتہا تو اللہ کی جانب ہے (یعنی) وقوع قیامت کے علم کی انتہا (اسی کی طرف ہے) یعنی اللہ کے سوا اس کو کوئی نہیں جانتا، آپ ﷺ تو صرف اس سے ڈرتے رہنے والوں کو آگاہ کرنے والے ہیں یعنی آپ ﷺ کا ڈرانا صرف اس شخص کو فائدہ دے گا جو اس سے ڈرے گا، جس روز یہ اسے دیکھ لیں گے، تو ایسا معلوم ہوگا کہ وہ اپنی قبروں میں صرف دن کے پچھلے پہر یا اگلے پہر کی مقدار رہے ہیں یعنی ایک دن کی شام یا صبح کی مقدار، اور ضُحٰی کی اضافت عَشِيَّةً کی جانب اس وجہ سے ہے کہ ان کے درمیان تعلق ہے، اس لئے کہ دونوں دن کے کنارے ہیں اور اضافت کو کلمہ فاصلہ (او) کے واقع ہونے نے حسین بنا دیا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: ءَاَنْتُمْ یہ استفہام منکرین بعث کی توبیخ کے لئے ہے۔

قَوْلُهٗ: بتحقیق الهمزتین ای مع اِدْخَالِ الْاَلِفِ وَتَرْكِهٖ، پہلا ہمزہ ہمیشہ محقق ہی ہوتا ہے تسہیل و تحقیق صرف دوسرے میں ہوتی ہے، لہٰذا دونوں ہمزوں کے محقق ہونے کی صورت میں ادخال الف اور ترک ادخال، یہ دو قراءتیں ہوئیں اور دوسرے ہمزہ کے مسہلہ ہونے کی صورت میں بھی ادخال الف اور ترکِ ادخال، دو یہ ہوئیں، اور دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل کر ایک قراءت یہ ہوئی، کل پانچ قراءتیں ہو گئیں۔

قَوْلُہٗ: اَشَدُّ خَلْقًا اس سے اشارہ کردیا ہے کہ اَمِ السَّمَآءُ مبتداء ہے اور اَشَدُّ خلقًا اس کی خبر محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: وَالْاَرْضَ، اَلْاَرْضَ اشتغال کی وجہ سے منصوب ہے۔

قَوْلُہٗ: کانت محلوقة یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: سوال یہ ہے کہ سورۂ فصلت میں ہے کہ ابتداء تخلیق، ارض سے ہوئی اس کے بعد آسمان کی تخلیق ہوئی اور یہاں اس کا عکس ہے جو تعارض ہے؟

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ زمین کے مادہ کی تخلیق تو تخلیق آسمان سے مقدم ہی ہے مگر اس کا پھیلانا اور بچھانا بعد میں ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

قَوْلُہٗ: واطلاق المرعٰی علیہ استعارة یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ انسان کی غذا پر چارے کا اطلاق کیا گیا ہے جو کہ مناسب نہیں ہے، اس لئے کہ چارا جانور کی خوراک کو کہا جاتا ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ اطلاق بطور مجاز کے ہے یعنی اس سے مطلقاً ماکول مراد ہے، جس میں انسانی اور حیوانی دونوں غذائیں شامل ہیں۔

قَوْلُہٗ: وجوابُ اِذَا فَاَمَّا مَنْ طَغٰی الخ یعنی اِذَا کا جواب فَاَمَّا مَنْ طَغٰی ہے، اس میں قدرے تسہّل ہے، اس لئے کہ فَاَمَّا مَنْ طَغٰی یہ دنیا میں لوگوں کی حالت کا بیان ہے اور فَاِذَا جَاءَتِ الطَّآمَّةُ الْکُبْرٰی آخرت میں لوگوں کی حالت کا بیان ہے جس کی وجہ سے جزاء اور شرط دو الگ الگ مقاموں میں ہوں گی، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اِذَا کا جواب محذوف مانا جائے جیسا کہ دیگر مفسرین نے مانا ہے، اور وہ یہ ہے "دَخَلَ اَهْلُ النَّارِ النَّارَ وَاَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ".

قَوْلُہٗ: مَاْوَاہ اس میں اشارہ ہے کہ هِیَ الْمَاْوٰی میں الف لام ضمیر کے عوض میں ہے جو کہ "مَنْ طَغٰی" کی جانب لوٹ رہی ہے "اِذَا" کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ عاصی دوزخ میں اور مطیع جنت میں ہوں گے، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اِذَا کا جواب فَاَمَّا مَنْ طَغٰی کو قرار دینے کے بجائے محذوف مانا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا، جیسا کہ سابق میں اشارہ کیا گیا۔ (صاوی)

قَوْلُہٗ: فِیْمَ اَنْتَ، فِیْمَ اصل میں فِیْمَا تھا قاعدہ معروفہ کی وجہ سے الف کو حذف کردیا گیا، اور فِیْمَ خبر مقدم ہے اور اَنْتَ مبتداء مؤخر ہے۔

قَوْلُہٗ: وصح اضافة الضحٰی یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: سوال یہ ہے کہ رات کے لئے ضحٰی نہیں ہوتا ضحٰی تو دن کے لئے ہوتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ ضحٰی کی اضافت عشیة کی طرف لوٹنے والی ضمیر کی طرف کی گئی ہے؟

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ عشیة اور ضحٰی دونوں یوم کے اطراف (کنارے) ہیں لہٰذا ان دونوں کے درمیان ربط و تعلق ہے، اسی وجہ سے ایک کی اضافت دوسرے کی طرف درست ہے۔

قَوْلُہٗ: وحَسَّنَ الاِضافَةَ وُقُوْعُ الکَلِمَةِ فَاصِلَةً مطلب یہ ہے کہ اس ادنی مناسبت کی وجہ سے اضافت میں فواصل آیت کی رعایت نے حسن پیدا کر دیا۔

تفسیر وتشریح

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا، یہ کفار مکہ کو خطاب ہے اور مقصد زجر و توبیخ ہے، مطلب یہ ہے کہ تم جو موت کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کو بڑا ہی امر محال سمجھتے ہو اور بار بار کہتے ہو کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ جب ہماری ہڈیاں بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گی تو ہمارے جسم کے پراگندہ اور منتشر اجزاء دوبارہ جمع کر دیئے جائیں؟ اور ان میں جان ڈال دی جائے؟ کبھی تم اس بات پر بھی غور کرتے ہو کہ اس عظیم کائنات کا بنانا زیادہ مشکل کام ہے یا تمہارا دوبارہ پیدا کرنا؟ جس خدا کے لئے اتنی بڑی اور عظیم کائنات کو پیدا کر دینا کوئی مشکل کام نہیں، تو اس کے لئے آخر تمہارا دوبارہ پہلی شکل میں پیدا کر دینا کیوں مشکل ہے؟

وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا، اَغْطَشَ بمعنی اَظْلَمَ اور اَخْرَجَ کا مطلب ہے اَبْرَزَ، اور نہار کی جگہ ضُحٰهَا اس لئے کہا کہ چاشت کا وقت سب سے اچھا اور عمدہ ہے مطلب یہ ہے کہ دن کو سورج کے ذریعہ روشن کیا۔

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا اس آیت میں زمین کو پھیلانے اور ہموار کرنے کا ذکر ہے، خلق یعنی (پیدا کرنا) اور چیز ہے اور دَحی (پھیلانا) اور چیز ہے، زمین کا مادہ تخلیق آسمان سے پہلے پیدا کیا البتہ زمین کو ہموار تخلیق آسمان کے بعد کیا اور پھیلانے کا مطلب صرف ہموار کرنا ہی نہیں ہے بلکہ زمین کو رہائش کے قابل بنانا اور اس پر رہنے بسنے والوں کے لئے تمام ضروریات زندگی کے اسباب مہیا کرنا ہے۔

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى الخ، اول اہل جہنم کی خاص علامات بیان کی گئی تھیں اور وہ دو ہیں: اوّل طغیان، یعنی اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے مقابلہ میں سرکشی اختیار کرنا، اور دوسرے دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دینا، ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم بتایا ہے۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ الخ، اس آیت میں اہل جنت کی دو علامتوں کو بیان فرمایا، اوّل یہ کہ جس شخص کو دنیا میں ہر عمل کے کرنے کے وقت یہ خوف اور اندیشہ لگا رہا کہ مجھے ایک روز حق تعالیٰ کے حضور پیش ہو کر اپنے تمام اعمال کی جواب دہی کرنی ہے، دوسرے اپنے نفس کو ناجائز خواہشات سے قابو میں رکھا، جس نے دنیا میں یہ دو وصف حاصل کر لئے اس کے لئے قرآن کریم یہ خوشخبری دے رہا ہے کہ اس کا ٹھکانہ جنت ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔



سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اثْنَتَانِ وَاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعٌ وَاحِدٌ

سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ اِثْنَتَانِ وَاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ عبس مکی ہے، بیالیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ **عَبَسَ** النبيُّ صلّى اللّٰه عليه وسلم كلح وجهَهُ **وَتَوَلّٰىٓ** أعرض لأجل **اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى** عبدُ اللّٰه ابن أمّ مكتومٍ فقطعهُ عمّا هو مشغولٌ به ممّن يرجو إسلامهُ من أشراف قريشٍ الذي هو حريصٌ على إسلامهم ولم يدرِ الأعمى أنّهُ مشغولٌ بذلك فناداهُ علّمني ممّا علّمك اللّٰهُ فانصرف النبيُّ صلّى اللّٰه عليه وسلم إلى بيته فعُوتب في ذلك بما نزل في هذه السُّورة فكان بعد ذلك يقولُ لهُ إذا جاء مرحبًا بمن عاتبني فيه ربّي ويبسطُ لهُ رداءهُ **وَمَا يُدْرِيْكَ** يُعلمك **لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ** فيه إدغامُ التاء في الأصل في الزّاي أي يتطهّرُ من الذُّنوب بما يسمعُ منك **اَوْ يَذَّكَّرُ** فيه إدغامُ التاء في الأصل في الذّال أي يتّعظُ **فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى** العظةُ المسموعةُ منك وفي قراءةٍ بنصب تنفعهُ جوابُ الترجّي **اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى** بالمال **فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى** وفي قراءةٍ بتشديد الصّاد بإدغام التاء الثانية في الأصل فيها تُقبلُ وتتعرّضُ **وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى** يُؤمن **وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى** حالٌ من فاعل جاء **وَهُوَ يَخْشٰى** اللّٰه حالٌ من فاعل يسعى وهو الأعمى **فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى** فيه حذفُ التاء الأُخرى في الأصل أي تتشاغلُ **كَلَّآ** لا تفعل مثل ذلك **اِنَّهَا** السُّورة او الآيات **تَذْكِرَةٌ** عظةٌ للخلق **فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ** حفظ ذلك فاتّعظ به **فِيْ صُحُفٍ** خبرٌ ثانٍ لأنّها وما قبلهُ اعتراضٌ **مُّكَرَّمَةٍ** عند اللّٰه تعالى **مَّرْفُوْعَةٍ** في السّماء **مُّطَهَّرَةٍ** مُنزّهةٍ عن مسّ الشّياطين **بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ** كتبةٍ ينسخونها من اللّوح المحفوظ **كِرَامٍ بَرَرَةٍ** مُطيعين للّٰه تعالى وهُم الملائكةُ **قُتِلَ الْاِنْسَانُ** لُعن الكافرُ **مَآ اَكْفَرَهٗ** استفهامُ توبيخٍ اي ما حملهُ على الكُفر **مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ** استفهامُ تقريرٍ ثُمّ بيّنهُ فقال **مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ** علقةً ثُمّ مُضغةً الى آخر خلقه **ثُمَّ السَّبِيْلَ** اي طريق خُروجه من بطن أُمّه **يَسَّرَهٗ**

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۝ جعله في قبر يستره ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ۝ للبعث كَلَّا حقا لَمَّا يَقْضِ لم يفعل مَآ اَمَرَهٗ ۝ به ربه فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ نظر اعتبار اِلٰى طَعَامِهٖٓ ۝ كيف قدر ودبر له اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ من السحاب صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ بالنبات شَقًّا ۝ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۝ كالحنطة والشعير وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ۝ هو القت الرطب وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ۝ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ۝ بساتين كثيرة الاشجار وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ۝ ما ترعاه البهائم وقيل التبن مَّتَاعًا متعة او تمتيعا كما تقدم في السورة قبلها لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۝ تقدم فيها ايضا فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ۝ النفخة الثانية يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ زوجته وَبَنِيْهِ ۝ يوم بدل من اذا وجوابها دل عليه لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ۝ حال يشغله عن شان غيره ان اشتغل كل واحد بنفسه وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝ مضيئة ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝ فرحة وهم المؤمنون وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ غبار تَرْهَقُهَا تغشاها قَتَرَةٌ ۝ ظلمة وسواد اُولٰٓئِكَ اهل هذه الحالة هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝ اى الجامعون بين الكفر والفجور.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، ترش رو ہوئے محمد ﷺ یعنی منہ بنایا، اور اعراض کیا، اس وجہ سے کہ نابینا ان کے پاس آیا، عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سو اس نے آپ ﷺ کے اس کام میں خلل ڈالا جس میں آپ ﷺ مشغول تھے ان لوگوں کے ساتھ اشراف قریش میں سے جن کے اسلام کی آپ ﷺ امید رکھتے تھے، اس لئے کہ آپ ﷺ ان کے اسلام کے بڑے حریص تھے، اور نابینا کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ آپ ﷺ کسی (اہم کام) میں مشغول ہیں، تو اس نے آپ ﷺ کو پکارنا شروع کر دیا کہ مجھے اس میں سے کچھ سکھا دو جو اللہ نے آپ ﷺ کو سکھایا ہے پھر آپ ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے، اس بارے میں آپ ﷺ پر عتاب فرمایا گیا اس کے ذریعہ جو اس سورت میں نازل ہوا، تو اس کے بعد آپ ﷺ عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کرتے تھے جب وہ آیا کرتے تھے، اس شخص کے لئے مرحبا ہو جس کے بارے میں مجھ پر میرے رب نے عتاب فرمایا اور آپ ﷺ ان کے لئے اپنی چادر بچھا دیا کرتے تھے، اور آپ کو کیا معلوم شاید کہ وہ سنور جاتا یَزَّکّٰی میں تاء کا ادغام ہے اصل زاء میں یعنی گناہوں سے پاک ہو جاتا آپ ﷺ کی باتیں سن کر اور نصیحت قبول کرتا (یَذَّکَّرُ) میں اصل میں تاء کا ادغام ہے ذال میں، یعنی نصیحت قبول کرتا، اور نصیحت اس کے لئے نافع ہوتی یعنی آپ ﷺ سے سنی ہوئی نصیحت اس کے لئے سود مند ہوتی اور ایک قراءت میں جواب ترجی کی وجہ سے تَنْفَعَهُ نصب کے ساتھ ہے، جو شخص مال کی وجہ سے بے پرواہی کرتا ہے آپ ﷺ اس کی فکر میں تو پڑے ہیں اور ایک قراءت میں صاد کی تشدید کے ساتھ ہے، اصل میں تاء ثانیہ کو صاد میں ادغام کر کے (یعنی) توجہ کرتے ہیں اور فکر کرتے ہیں، حالانکہ اگر وہ نہ ایمان لائے تو آپ ﷺ پر اس کی کوئی ذمہ

داری نہیں، اور جو آپ ﷺ کے پاس دوڑا آتا ہے کے فاعل سے حال ہے اور وہ اللہ سے ڈرتا بھی ہے یہ یسعٰی کے فاعل سے حال ہے اور وہ نابینا ہے سو آپ ﷺ اس سے بے رخی برتتے ہیں اس میں اصل میں تاء ثانیہ کا حذف ہے، یعنی آپ ﷺ اس سے بے اعتنائی کرتے ہیں، خبردار! آپ ﷺ ایسا ہرگز نہ کریں، یہ سورت یا آیت تو نصیحت ہیں مخلوق کے لئے، جس کا جی چاہے اسے قبول کرے (یاد رکھے) اور نصیحت حاصل کرے، یہ ایسے صحیفوں میں درج ہیں جو عند اللہ مکرم ہیں (فی صحف) اِنّ کی خبر ثانی ہے اور اس کے ماقبل جملہ معترضہ ہے، آسمان میں بلند مرتبہ ہیں شیاطین کے مس کرنے سے پاکیزہ ہیں معزز اور نیک یعنی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار کاتبوں کے ہاتھ میں رہتے ہیں، جو اس کو لوح محفوظ سے نقل کرتے ہیں، اور وہ ملائکہ ہیں، لعنت ہو کافر انسان پر کیسا سخت منکر حق ہے؟ استفہام توبیخ کے لئے ہے یعنی کس نے اس کو کفر پر آمادہ کیا؟ کیسی حقیر چیز سے (اللہ نے) اس کو پیدا کیا یہ استفہام تقریری ہے، پھر اس کو (خود ہی) بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا نطفہ سے، اس کی صورت بنائی پھر اس میں مختلف اطوار جاری فرمائے (اول) دم بستہ بنایا پھر گوشت کا لوتھڑا بنایا، اس کی تخلیق کے مکمل ہونے تک تغیرات کو جاری فرمایا پھر اس کی ماں کے پیٹ سے اس کے نکلنے کا راستہ آسان فرمایا، پھر اسے موت دی اور قبر میں پہنچایا یعنی اس کو ایسی قبر میں پہنچا دیا جس نے اس کو چھپا لیا، پھر جب اللہ چاہے گا اسے بعث کے لئے زندہ کرے گا، ہرگز نہیں! اس نے وہ فرض ادا نہیں کیا جس کا اس کو اس کے رب نے حکم دیا پھر انسان ذرا نظر عبرت سے اپنی خوراک کو دیکھے کہ کس طرح اس کو مقدر کیا اور اس کے لئے تدبیر کی، کہ ہم نے بادلوں سے خوب پانی برسایا پھر ہم نے نباتات کے ذریعہ زمین کو عجیب طریقہ سے پھاڑا پھر ہم نے اس میں غلہ مثلاً گندم، جو، اور انگور اور سبزہ اور وہ ہرا چارہ ہے زیتون اور کھجور اور گھنے باغ (یعنی) بکثرت درختوں والے باغات اور میوے اور چارہ پیدا کیا جس کو مویشی چرتے ہیں اور کہا گیا ہے، گھاس (پیدا کی) تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے فائدے کے لئے تاکہ فائدہ پہنچائے تم کو فائدہ پہنچانا، جیسا کہ اسی سورت میں اس سے پہلے گذر چکا ہے، (وَلِاَنْعَامِكُمْ) کی تفسیر بھی ابل، بقر، غنم سے سابق میں گذر چکی ہے پھر آخر جب وہ کانوں کو بہرہ کر دینے والی آواز آئے گی یعنی نفخۂ ثانیہ، اس روز آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے بھاگے گا یَوْمَ، اِذَا سے بدل ہے اور اس کا جواب وہ ہے جس پر لِكُلِّ امْرِئٍ دلالت کرتا ہے، اس دن میں ہر شخص کو ایسا مشغلہ ہوگا کہ جو اس کو کسی دوسری طرف متوجہ نہ ہونے دے گا، (یعنی) ایسا حال ہوگا جو اس کو دوسروں کے حال سے بے خبر کر دے گا یعنی ہر شخص اپنے حال میں مبتلا ہوگا، کچھ چہرے اس روز روشن ہشاش بشاش ہوں گے یعنی خوش و خرم ہوں گے اور وہ مؤمن ہیں، اور کچھ چہرے اس روز خاک آلود ہوں گے جن پر ظلمت چھائی ہوگی یعنی تاریکی اور سیاہی، یہی اس حالت والے کافر اور فاجر لوگ ہوں گے یعنی کفر و فجور کے جامع ہوں گے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: عبس وتولی (ض) عَبْسًا، عُبُوْسًا، ترش رو ہونا، چیں بہ جبیں ہونا، اظہار ناگواری کرنا، ماتھے پر بل ڈالنا، اور اگر ماتھے پر بل ڈالنے کے ساتھ دانت بھی ظاہر ہو جائیں تو کَلَحٌ کہتے ہیں اور اگر منہ بھی بنایا جائے تو بُسُرٌ کہتے ہیں اور ساتھ میں غصہ بھی ہو تو بَسْلٌ کہتے ہیں (لغات القرآن) عَبَسَ اور وَتَوَلّٰی میں غائب کے صیغے استعمال فرمانا، انتہائی لطف وکرم کے اظہار کے طور پر ہے کہ عتاب کے وقت حاضر کے صیغے استعمال نہیں فرمائے؛ تاکہ ایسا معلوم ہو کہ جس کام پر عتاب کیا جارہا ہے وہ آپ ﷺ نے نہیں کیا؛ بلکہ کسی اور نے کیا ہے، پھر آگے وَمَا یُدْرِیْكَ، وَمَا عَلَیْكَ اَلَّا یَزَّکّٰی میں حاضر کے صیغے سے خطاب فرمایا، اس میں بھی آپ ﷺ کی دل جوئی اور احترام ملحوظ ہے اگر بالکل خطاب کا صیغہ نہ فرماتے تو اس سے اعراض کا شبہ پیدا ہو سکتا تھا جس سے آپ ﷺ کو ناقابل برداشت رنج وغم ہوتا۔

قولہ: عَبَسَ وَتَوَلّٰی ان دونوں فعلوں نے اَنْ جَاءَهُ الاَعْمٰی میں تنازع کیا، دونوں اس کو مفعول لاجلہ بنانا چاہتے ہیں، ایک کو عمل دے کر، دوسرے کے لئے ضمیر کو حذف کر دیا فضلہ ہونے کی وجہ سے۔

قولہ: عبداللّٰہ ابن ام مکتوم، ای ابن شریح بن مالك بن ربیعة الفهری من بنی عامر بن لؤی، اپنی دادی کی کنیت سے مشہور ہیں، قدیم الاسلام ہیں، حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ حضرت خدیجہ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا بنت خویلد کے خالہ زاد بھائی ہیں، آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کو تیرہ مرتبہ مدینہ طیبہ پر نائب مقرر فرمایا، آپ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ جنگ قادسیہ میں شہید ہوئے۔

قولہ: وَمَا یُدْرِیْكَ اس میں غیبت سے خطاب کی طرف التفات ہے مَا استفہامیہ مبتداء ہے یُدْرِیْكَ فعل متعدی بدومفعول ہے، کاف مفعول اول ہے اور لَعَلَّهٗ یَزَّکّٰی جملہ ہو کر قائم مقام دوسرے مفعول کے ہے۔

قولہ: فَتَنْفَعَهٗ مرفوع ہے یذّکّرُ پر عطف کی وجہ سے اور منصوب ہے جواب ترجی ہونے کی وجہ سے۔

قولہ: فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی جار مجرور تَصَدّٰی کے متعلق ہے، فواصل کی رعایت کی وجہ سے مقدم کر دیا گیا ہے۔

قولہ: تَصَدّٰی اصل میں تَصَدَّدَ تھا دوسری دال کو حرف علت یاء سے بدل دیا گی۔

قولہ: وَمَا عَلَیْكَ، مَا نافیہ ہے اور عَلَیْكَ مبتداء محذوف کی خبر ہے اور اَلَّا یَزَّکّٰی مبتداء محذوف کے متعلق ہے، تقدیر عبارت یہ ہے، لَیْسَ عَلَیْكَ بَأس فِی عَدَمِ تَزْکِیَتِهٖ.

قولہ: وَمَا قبله اعتراض یعنی اِنَّ کی دونوں خبروں کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

قولہ: بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ بمعنی کاتبین، سَفَرَة جمع سافِر جیسا کہ کَتَبَة جمع کاتب۔

قولہ: لُعِنَ الکَافِرُ اس میں اشارہ ہے کہ انسان سے مطلق انسان مراد نہیں ہے بلکہ انسان کافر مراد ہے۔

قَوْلُہٗ: قُتِلَ الانسان اس آیت میں دو طریقہ سے اشکال ہے۔

پہلا اشکال:

یہ کہ اس سے بددعاء کا وہم ہوتا ہے اور دعاء یا بددعاء عاجز کیا کرتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے؟ لہٰذا یہ اس کی شایان شان نہیں۔

دوسرا اشکال:

تعجب اس امر عظیم سے ہوا کرتا ہے جس کا سبب مخفی ہو، اور یہ معنی اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہیں؟ اس لئے کہ وہ تو علم کی تمام اشیاء سے اجمالاً اور تفصیلاً واقف ہے؟

اشکال اول کا پہلا جواب:

یہ کلام، عرب کے کلام کے اسلوب پر ہے گویا کہ اس میں استحقاق عذاب عظیم کی طرف اشارہ ہے ان کے عظیم ترین جرم کے ارتکاب کرنے کی وجہ سے، عرب جب کسی چیز سے تعجب کرتے ہیں تو کہتے ہیں، قاتلَه اللّٰه مَا اَخْبَثَهٗ اللّٰه اس کو ہلاک کرے کس قدر خبیث ہے۔

دوسرا جواب: قُتِلَ الانسان بددعا نہیں ہے؛ بلکہ یہ اس بات کی خبر دینا ہے کہ اللہ نے اس کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔

دوسرے اشکال کا جواب:

یہ استفہام تعجب نہیں ہے بلکہ استفہام توبیخ ہے اور مفسر علام نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: فَقَدَّرَهٗ یہ من نطفة خلقَه کی تفصیل ہے ای قدَّرَ اَطْوارہ یعنی اس کے مراحل تخلیق کو بیان فرمایا ہے۔

قَوْلُہٗ: ثم السبيل يَسَّرَه یہ بابِ اشتغال سے ہے، ای یَسَّرَ السَّبِیْلَ یَسَّرَهٗ.

قَوْلُہٗ: اِذَا شَاءَ اَنْشَرَه مشیت کا مفعول محذوف ہے، ای اِذَا شَاءَ اِنشارَهٗ اَنْشَرَهٗ.

قَوْلُہٗ: هُوَ القت الرطب جانوروں کا ہرا چارا، ہرے چارے کو قضبًا کہا ہے، اس لئے کہ قضبًا کے معنی کاٹنے کے ہیں اور چارا چونکہ بار بار کاٹا جاتا ہے، اس لئے اس کو قضب کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: غُلْبًا یہ اَغْلَب وَغُلْبَاء کی جمع ہے جیسے اَحْمَرُ، حمراء کی جمع حُمْرٌ آتی ہے، گھنے درختوں کو کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: وَاَبًّا، اَبٌّ بھی جانوروں کے چارے کو کہتے ہیں، مگر قَضْبٌ اور اَبٌّ میں فرق یہ ہے کہ قضبٌ ہرے چارے کو کہتے ہیں اور اَبٌّ عام ہے خواہ ہرا ہو یا خشک۔

قَوْلُہٗ: قیل التِبْنُ یہ اَبًّا کے دوسرے معنی کا بیان ہے، تبن کے معنی خشک گھاس کے ہیں، اس معنی کے اعتبار سے اَبٌّ، قضبٌ کی ضد ہوگی۔

قَوْلُہٗ: مُتْعَۃ او تَمْتِیْعًا، مَتَاعًا کی تفسیر متعۃ اور تَمْتِیْعًا سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہ مفعول لہٗ بھی ہو سکتا ہے اور مفعول مطلق بھی۔

قَوْلُہٗ: والصَّاخۃ، صَاخّہ زوردار آواز جو کانوں کو بہرا کر دے۔

قَوْلُہٗ: لکل امرئٍ بھاگنے کے سبب کو بیان کرنے کے لئے جملہ مستانفہ ہے۔

قَوْلُہٗ: اَشْغَلَ کُلٌّ واحدٍ بنفسہٖ یہ اِذَا کا جواب محذوف ہے۔

تفسیر وتشریح

شانِ نزول:

مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ عَبَسَ وتولی الخ کے نزول کا سبب یہ ہے کہ قریش کے سرداروں کی ایک جماعت، جن کے ناموں کی مختلف روایات میں یہ صراحت ملتی ہے کہ وہ عتبہ، شیبہ، ابوجہل، امیہ بن خلف، ابی بن خلف جیسے اسلام کے بدترین دشمن تھے، جو ایک روز آپ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ ﷺ ان کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش فرما رہے تھے، اتنے میں عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی جو کہ نابینا تھے، حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور انہوں نے اسلام کے متعلق آپ ﷺ سے کچھ پوچھنا چاہا، حضور ﷺ کو ان کی اس مداخلت پر ناگواری ہوئی اور آپ ﷺ نے ان سے بے رخی برتی، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سورت نازل ہوئی۔

(ترمذی شریف)

عَبَسَ وتولی، اس فقرہ کا انداز بیان، اپنے اندر عجیب لطف رکھتا ہے اگرچہ بعد کے فقروں میں براہ راست آپ ﷺ کو خطاب ہے، جس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ ترش روئی اور بے اعتنائی برتنے کا فعل آپ ﷺ ہی سے صادر ہوا تھا

لیکن کلام کی ابتداء اس طرح کی گئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نہیں بلکہ اور کوئی شخص ہے جس سے یہ فعل صادر ہوا ہے، اس طرز بیان سے ایک نہایت لطیف طریقہ پر رسول اللہ ﷺ کو یہ احساس دلایا گیا ہے کہ یہ ایسا کام تھا جو آپ ﷺ کے کرنے کا نہ تھا، گویا کہ یہ **حسنات الابرار، سیئات المقربین** کے قاعدہ کے مطابق خلاف اولی کے اختیار پر تنبیہ تھی، مقصد یہ ہے کہ خلاف اولی کا ارتکاب بھی آپ ﷺ کی شایان شان نہیں ہے۔

آپ ﷺ کا اجتہاد اور اس کی اصلاح:

سرداران قریش کی طرف توجہ کرنے اور عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف توجہ نہ کرنے میں آپ ﷺ کا خیال یہ تھا کہ میں اس وقت جن لوگوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کر رہا ہوں، ان میں سے اگر کوئی ایک شخص بھی ہدایت پالے تو وہ اسلام کی تقویت کا بڑا ذریعہ بن سکتا ہے، بخلاف ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہ وہ تو ایمان لا ہی چکے ہیں اور جو کچھ ان کو معلوم کرنا ہے وہ بعد میں بھی معلوم کر سکتے ہیں، اسی اجتہادی خطاء پر گرفت فرماتے ہوئے فرمایا **وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكّٰى الخ** آپ ﷺ کو کیا معلوم کہ یہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بات دریافت کر رہے تھے اس کا فائدہ متیقن تھا کہ آپ ان کو تعلیم دیتے، تو یہ اسکے ذریعے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیتے یا کم از کم ذکر اللہ سے ابتدائی نفع حاصل کرتے۔

تبلیغ و تعلیم کا ایک اہم قرآنی اصول:

یہ بات تو ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے دو کام بیک وقت آگئے ایک مسلمانوں کی تعلیم اور ان کی دل جوئی، دوسرے غیر مسلموں کو اسلام کی طرف لانے کے لئے ان کی طرف توجہ، قرآن کریم کے اس ارشاد نے یہ واضح کر دیا کہ پہلا کام دوسرے کام پر مقدم ہے، دوسرے کام کی وجہ سے پہلے کام میں تاخیر کرنا یا کوئی خلل ڈالنا درست نہیں، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مسلمانوں کی تعلیم اور ان کی اصلاح کی فکر غیر مسلموں کے شبہات کے ازالے اور ان کو اسلام سے مانوس کرنے کی خاطر ایسے کام کرنے کہ جس سے عام مسلمانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات یا شکایات پیدا ہو جائیں مناسب نہیں ہیں؛ بلکہ ان قرآنی ہدایات کے مطابق مسلمانوں کی تعلیم و تربیت اور حفاظت کو مقدم رکھنا چاہئے، اکبر مرحوم نے خوب فرمایا ہے۔

بے وفا سمجھیں تمہیں اہل حرم اس سے بچو دیر والے کج ادا کہہ دیں یہ بد نامی بھلی

اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى یعنی ایسا ہرگز نہ کرو، خدا کو بھولے ہوئے اور اپنی دنیوی وجاہت پر پھولے

ہوئے لوگوں کو بے جا اہمیت نہ دو، اور نہ اسلامی تعلیم ایسی چیز ہے کہ جو اس سے منہ موڑے اس کے سامنے اسے بالحاح پیش کیا جائے اور نہ آپ ﷺ کی یہ شان ہے کہ ان مغرور لوگوں کو اسلام کی طرف لانے کے لئے کسی ایسے انداز سے کوشش کرو کہ جس سے یہ اس غلط فہمی میں پڑ جائیں کہ تمہاری کوئی غرض ان سے اٹکی ہوئی ہے، حق ان سے اس سے زیادہ بے نیاز ہے جتنے یہ حق سے بے نیاز ہیں۔

وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى، اگر یہ لوگ ایمان نہ لائیں تو آپ ﷺ کا کام تو صرف تبلیغ ہے اس لئے اس قسم کے کفار کے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى، یعنی ایسے شخص کی جن کے دل میں خدا کا خوف ہو جس کی وجہ سے یہ امید ہے کہ وہ آپ ﷺ کی باتوں پر عمل کرے گا اور آپ کی نصیحت اس کے لئے مفید ثابت ہوگی، قدر کرنے کی ضرورت ہے، نہ کہ ان سے بے رخی برتنے کی، ان آیت سے یہ معلوم ہوا کہ دعوت و تبلیغ میں کسی کو خاص نہیں کرنا چاہئے بلکہ اصحاب حیثیت اور بے حیثیت، امیر اور غریب، آقا و غلام، مرد و عورت چھوٹے اور بڑے سب کو یکساں حیثیت دی جائے اور سب کو مشترکہ خطاب کیا جائے اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اپنی حکمت بالغہ کے تحت ہدایت سے نواز دے گا۔ (ابن کثیر)

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَا اَكْفَرَهٗ، یہاں سے عتاب کا رخ براہ راست ان کفار کی طرف پھرتا ہے جو حق سے بے نیازی برت رہے تھے۔ اس سے پہلے ابتداء سورت سے آیت ۱۶ تک خطاب نبی ﷺ سے تھا اور عتاب در پردہ کفار پر، اس کا انداز بیان یہ تھا کہ اے نبی! ایک طالب حق کو چھوڑ کر آپ ﷺ یہ کن لوگوں پر اپنی توجہ صرف کر رہے ہیں، جو دعوت حق کے نقطہ نظر سے بالکل بے قدر و قیمت ہیں؟ اور جن کی یہ حیثیت نہیں ہے کہ آپ ﷺ جیسا عظیم القدر پیغمبر قرآن جیسی بلند مرتبہ چیز کو ان کے آگے پیش کرے۔

مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ، اس آیت میں سرکش اور خدا کے باغی انسان کو یہ بات یاد دلائی گئی ہے کہ پہلے وہ ذرا اپنی حقیقت پر غور کرے کہ وہ کس چیز سے وجود میں آیا؟ کس جگہ اس نے پرورش پائی؟ اور کس راستے سے وہ دنیا میں آیا؟ اور رحم مادر میں اس نے کیا غذا کھائی؟ اور کس بے بسی کی حالت میں اس کی زندگی کی ابتداء ہوئی؟ اپنی اس اصل اور حقیقت کو بھول کر ''ہمچو من دیگرے نیست'' کی غلط فہمی میں کیسے مبتلاء ہو جاتا ہے۔

خلقهٗ فقدّرهٗ، یعنی یہی نہیں کہ نطفہ سے ایک جاندار کا وجود بنا دیا بلکہ اس کو ایک خاص انداز اور بڑی حکمت سے بنایا، اس کے قد و قامت اور جسامت اور شکل و صورت اور اعضاء کا طول و عرض اور جوڑ و بند، آنکھ، ناک وغیرہ کی تخلیق میں ایسا اندازہ قائم کیا کہ ذرا اس کے خلاف ہو جائے تو انسان کی صورت بگڑ جائے۔

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ، تخلیق انسانی کی ابتداء بیان کرنے کے بعد اس کی انتہا کو بیان فرمایا کہ اس کی انتہاء موت اور قبر ہے، اس کا ذکر بسلسلۂ انعامات فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی موت درحقیقت کوئی مصیبت نہیں، نعمت ہی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا "تحفة المؤمن الموت" کہ مومن کا تحفہ موت ہے، اور اس میں مجموعۂ عالم کے اعتبار سے بڑی حکمتیں ہیں فَاَقْبَرَہ پھر اس کو قبر میں داخل کیا، یہ بھی ایک انعام ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ نے عام جانوروں کی طرح نہیں رکھا کہ مرگیا تو وہیں زمین پر پڑا سڑتا اور پھولتا پھٹتا رہے، بلکہ اس کا اکرام یہ کیا گیا کہ اس کو نہلا کر نئے اور پاک صاف کپڑوں میں ملبوس کرکے احترام کے ساتھ قبر میں دفن کرنا واجب ہے۔

مَسْئَلۃ: اس سے معلوم ہوا کہ مردہ انسان کو دفن کرنا واجب ہے۔

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ، آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب لوگ میدان محشر میں ننگے بدن، ننگے پیر اور غیر مختون ہوں گے، حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے آپ ﷺ سے معلوم کیا اس طرح شرمگاہوں پر نظریں نہیں پڑیں گی؟ آپ ﷺ نے اس کے جواب میں یہ آیت تلاوت فرمائی، اور فرمایا کہ اس روز کسی کو کسی کی طرف دیکھنے کا ہوش نہ ہوگا۔ (نسائی، ترمذی وغیرہ)

﴿تمت﴾

سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً

سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ تِسْعٌ وعِشْرُوْنَ ايَةً.

سورۂ تکویر مکی ہے، انتیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ **اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ** لُفَّتْ وذُهِبَ بنورِها **وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ** انقضَّتْ وتساقطَتْ على الارض **وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ** ذُهِبَ بها عن وجهِ الارض فصارت هباءً مُنْبَثًّا **وَاِذَا الْعِشَارُ** النوقُ الحوامِلُ **عُطِّلَتْ** تُرِكَتْ بلا راعٍ او بلا حَلْبٍ لما دهاهم من الامر ولم يكن مالٌ اعْجَبَ اِلَيْهِمْ مِنْهَا **وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ** جُمِعَتْ بعد البعث لِيُقْتَصَّ لِبَعْضٍ مِنْ بعضٍ ثُمَّ تَصِيْرُ تُرَابًا **وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ** بالتخفيف والتشديد اُوْقِدَتْ فصارت نارًا **وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ** قُرِنَتْ بِاَجْسَادِهَا **وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ** الجارِيَةُ تُدْفَنُ حَيَّةً خوفَ العارِ والحاجة **سُئِلَتْ** تبكيتًا لقاتِلِها **بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ** وقُرِئَ بكسر التاء حكايةً لما تُخَاطَبُ به وجوابُها ان تقولَ قُتِلْتُ بلا ذنبٍ **وَاِذَا الصُّحُفُ** صُحُفُ الاعمال **نُشِرَتْ** بالتخفيف والتشديد فُتِحَتْ وبُسِطَتْ **وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ** نُزِعَتْ عن اماكنِها كما يُنْزَعُ الجلدُ عن الشاة **وَاِذَا الْجَحِيْمُ** النار **سُعِّرَتْ** بالتخفيف والتشديد اُجِّجَتْ **وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ** قُرِّبَتْ لِاَهلِها ليدخلوها وجوابُ اذا اوّلَ السُّورةِ وما عُطِفَ عليها **عَلِمَتْ نَفْسٌ** اى كُلُّ نفسٍ وقتَ هذه المذكورات وهو يومُ القيامة **مَّآ اَحْضَرَتْ** من خيرٍ وشرٍّ **فَلَآ اُقْسِمُ** لا زائدةٌ **بِالْخُنَّسِ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ** هى النُّجُوْمُ الخمسةُ زُحَلُ والمُشْتَرِى والمِرِّيْخُ والزُّهَرَةُ وعُطَارِدُ تَخْنُسُ بضمِّ النُّون اى ترجِعُ فى مَجْرَاهَا وراءَها بينما نرى النجمَ فى آخِرِ البُرْجِ اذ كَرَّ راجعًا الى اوّلِه وتَكْنِسُ بكسرِ النُّونِ تدخُلُ فى كِنَاسِهَا اى تغيبُ فى المواضعِ التى تغيبُ فيها **وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ** اقبلَ بظلامِه او ادبرَ **وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ** امتدَّ حتّى يصيرَ نهارًا بيِّنًا **اِنَّهٗ** اى القرآن **لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ** على اللّٰه تعالى وهو جبريلُ اُضِيْفَ اليه لنُزُوْلِه به **ذِىْ قُوَّةٍ** اى شديدِ القُوى **عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ** اى اللّٰه تعالى **مَكِيْنٍ** ذى مكانةٍ متعلِّقٌ به عند

مُطَاعٍ ثَمَّ اى تُطِيعُهُ الملائِكَةُ فِي السَّمٰوٰتِ **اَمِيْنٍ**ﯗ عَلى الوَحْيِ **وَمَا صَاحِبُكُمْ** مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ عطفٌ على اِنَّهُ اِلى اٰخِرِ المُقْسَمِ عَلَيْهِ **بِمَجْنُوْنٍ**ﯘ كَما زَعَمْتُمْ **وَلَقَدْ رَاٰهُ** رَاى مُحَمَّدٌ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِما الصَّلوٰةُ والسَّلامُ عَلى صُوْرَتِه الَّتِيْ خُلِقَ عَلَيْها **بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ**ﯙ البَيِّنِ وهُوَ الاَعلى بِناحِيَةِ المَشْرِقِ **وَمَا هُوَ** اى مُحَمَّدٌ عَلَيْهِ الصَّلوٰةُ والسَّلامُ **عَلَى الْغَيْبِ** ما غابَ مِنَ الوَحْيِ وَخَبَرِ السَّمَاءِ **بِضَنِيْنٍ**ﯚ بِمُتَّهَمٍ وفِى قِراءَةٍ بالضَّادِ اى بِبَخِيْلٍ فَيَنْقُصُ شَيْئًا مِنْهُ **وَمَا هُوَ** اى القُرْاٰنُ **بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ** مُسْتَرِقِ السَّمْعِ **رَجِيْمٍ**ﯛ مَرْجُوْمٍ **فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ**ﯜ فاىَّ طَرِيْقٍ تَسْلُكُوْنَ فِي اِنْكارِكُمُ القُرْاٰنَ واِعْراضِكُمْ عَنْهُ **اِنْ** مَا **هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ** عِظَةٌ **لِّلْعٰلَمِيْنَ**ﯝ الاِنْسِ والجِنِّ **لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ** بَدَلٌ مِنَ العَالَمِيْنَ بِاِعادَةِ الجارِّ **اَنْ يَّسْتَقِيْمَ**ﯞ بِاتِّباعِ الحَقِّ **وَمَا تَشَآءُوْنَ** الاِسْتِقَامَةَ عَلى الحَقِّ **اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ**ﯟ الخَلائِقِ اِسْتِقامَتَكُمْ عَلَيْهِ. ﮒ

تَرجَمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، جب سورج لپیٹ دیا جائے گا، اور اس کی روشنی ختم کردی جائے گی، اور جب تارے جھڑ جائیں گے اور زمین پر گر جائیں گے، اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے، یعنی ان کو سطح زمین سے اکھاڑ دیا جائے گا، تو وہ اڑتے ہوئے غبار کی مانند ہو جائیں گے، اور جب دس ماہ کی گابھن اونٹنیاں اپنے حال پر چھوڑ دی جائیں گی (یعنی) بغیر نگران یا بغیر دودھے چھوڑ دی جائیں گی، اس لئے کہ ان کو ایک عظیم ہولناکی نے خوف زدہ کر دیا ہوگا، اور عرب کے نزدیک دس ماہہ گابھن اونٹنی سے زیادہ نفیس مال کوئی نہیں تھا، اور جب بعث کے بعد جنگلی جانور سمیٹ کر جمع کر دیئے جائیں گے تاکہ بعض کا بعض سے بدلہ لیا جائے اور پھر وہ مٹی ہو جائیں اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے تخفیف وتشدید کے ساتھ تو وہ آگ (کے مانند) ہو جائیں گے، اور جب جانیں اپنے جسموں سے جوڑ دی جائیں گی اور جب زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے قاتل کو لاجواب کرنے کے لئے پوچھا جائے گا، کہ وہ کس قصور میں ماری گئی؟ اور (قُتِلَتْ) کو تاء کے کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اس کی حکایت کرتے ہوئے جس کے ذریعہ اس کو خطاب کیا جائے گا اور اس کا جواب یہ ہوگا کہ وہ کہے گی کہ مجھے بلا کسی قصور کے قتل کیا گیا، اور جب اعمال نامے کھولے جائیں گے اور پھیلائے جائیں گے، تخفیف اور تشدید کے ساتھ، اور جب آسمان کا پردہ ہٹا دیا جائے گا، (یعنی) اپنی جگہ سے ہٹا دیا جائے گا جس طرح بکری سے کھال اتار دی جاتی ہے اور جب جہنم کی آگ دہکائی جائے گی، (سُعِّرَتْ) تخفیف اور تشدید کے ساتھ اور جب جنت قریب کر دی جائے گی، جنتیوں کے لئے تاکہ اس میں داخل ہو جائیں، اول سورت میں اِذَا اور اس پر جو معطوف ہے اس کا جواب عَلِمَتْ نَفْسٌ الخ ہے (اس وقت) ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا یعنی ہر شخص کو ان مذکورہ اوقات میں اور وہ قیامت کا دن ہے (معلوم ہو جائے گا) کہ وہ خیر و شر میں سے کیا لایا ہے؟ بس میں قسم کھاتا ہوں پلٹنے والے اور چھپنے والے ستاروں کی (لَا زائدہ ہے) اور وہ پانچ ستارے ہیں ① زحل ② مشتری ③ مریخ ④ زہرہ ⑤ عطارد، تخنس نون کے ضمہ کے ساتھ، یعنی اپنے راستہ میں پیچھے کی

طرف پہنچتے ہیں جب تو ان ستاروں کو آخر برج میں دیکھے کہ اچانک پلٹ جاتے ہیں اپنے اول برج کی طرف اور تکنِس نون کے کسرہ کے ساتھ، (اس کے معنی ہیں) داخل ہو جائے اپنی جھاڑی میں یعنی ایسے مقام میں گھس جائے جہاں وہ چھپ سکے، اور (قسم ہے) رات کی جب وہ اپنی تاریکی کے ساتھ آئے یا جائے، اور صبح کی جب کہ وہ دراز ہو یہاں تک کہ روشن دن ہو جائے یہ قرآن فی الواقع ایک پیغامبر کا قول ہے جو عند اللہ بزرگی والا ہے اور وہ جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے، قول کی نسبت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف اس کے ذریعہ نازل ہونے کی وجہ سے کر دی گئی ہے قوت والا یعنی مضبوط قویٰ والا ہے اور عرش والے یعنی اللہ کے نزدیک بلند مرتبہ ہے، عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ، مَكِيْنٍ سے متعلق ہے وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے یعنی آسمانوں میں فرشتے اس کی بات مانتے ہیں، وہ وحی کے بارے میں بااعتماد ہے (اور اے اہل مکہ!) تمہارا رفیق محمد ﷺ جیسا کہ تم گمان کرتے ہو مجنون نہیں ہے (وَمَا صَاحِبُكُمْ) کا عطف اِنَّهٗ لَقَوْلُ الخ مقسم علیہ پر ہے اس نے اس پیغمبر کو یعنی محمد ﷺ نے جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کی اس اصلی صورت میں صاف کنارے پر دیکھا ہے، جس پر اس کو پیدا کیا گیا ہے، جبکہ وہ مشرق کی جانب اونچے کنارے پر تھا، اور وہ یعنی محمد ﷺ مغیبات کے بارے میں جو وحی اور آسمانی خبریں ہیں، متہم نہیں ہے، اور ایک قراءت میں ضاد کے ساتھ ہے یعنی بخیل نہیں ہے کہ وحی میں سے کچھ چھپالے اور وہ یعنی قرآن چوری سے سننے والے شیطان مردود کا کلام نہیں ہے پھر تم لوگ کدھر چلے جا رہے ہو؟ یعنی قرآن کا انکار کر کے اور اس سے اعراض کر کے تم کونسے راستہ پر جا رہے ہو؟ یہ تو سارے جہان والوں (یعنی) جن وانس کے لئے نصیحت ہے، تم میں سے ہر اس شخص کے لئے جو (لِمَنْ شَاءَ الخ) اعادۂ جار کے ساتھ العٰلمین سے بدل ہے، اتباع حق کے ذریعہ سیدھے راستہ پر چلنا چاہے، تمہارے استقامت علی الحق کو چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کہ اللہ رب العٰلمین تمہارے لئے استقامت علی الحق نہ چاہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ، اَلشَّمْسُ باب اشتغال سے ہے بصریین کے نزدیک فعل محذوف کی وجہ سے مرفوع ہے بعد والا فعل، فعل محذوف کی تفسیر کر رہا ہے اس لئے کہ حرف شرط بصریین کے نزدیک اسم پر داخل نہیں ہوتا، تقدیر عبارت یہ ہے اِذَا كُوِّرَتِ الشمسُ كُوِّرَتْ، البتہ اخفش اور کوفیین کے نزدیک اَلشَّمْسُ کا مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہونا درست ہے، مبتداء کا مابعد مبتداء کی خبر ہے، اِذَا بارہ جگہ واقع ہوا ہے وہ سب شرط ہیں اور عَلِمَتْ نَفْسٌ مَا اَحْضَرَتْ جواب شرط ہے۔

قَوْلُهٗ: العِشَارُ دس ماہ کی گابھن اونٹنی، عِشَارٌ، عُشَرَاء کی جمع ہے جیسے کہ نِفَاس نُفَسَاءُ کی جمع ہے۔

قَوْلُهٗ: خُنَّس پیچھے ہٹ جانے والے، یہ خانِسٌ کی جمع ہے، بعض مفسرین کے نزدیک مطلقاً ستارے مراد ہیں اور بعض کے نزدیک چاند اور سورج، کیونکہ یہ دن میں چھپ جاتے ہیں اور بعض کے نزدیک مریخ، زحل، عطارد، زہرہ، اور مشتری مراد ہیں، ان کو "خمسہ متحیرہ" بھی کہتے ہیں، یہ پانچوں ستارے آگے کی طرف چلتے چلتے یک لخت پیچھے کی طرف پلٹ جاتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: کُنَّسِ یہ کانِسٌ کی جمع ہے کناس ہرن کی جھاڑی کو کہتے ہیں اور جھاڑی میں چھپنے کو بھی کہتے ہیں۔

(لغات القرآن ملخصًا)

قَوْلُہٗ: بَیْنَا تری النجم بعض نسخوں میں بَیْنَمَا ہے بَیْنَا میں الف اشباع کا ہے، اصل میں بَیْنَ ہے اور بَیْنَمَا میں میم بھی زائدہ ہے یہ ظروف زمانیہ میں سے ہے بَیْنَا دراصل بَانَ یَبِیْنُ کا مصدر ہے بین کی اضافت ہمیشہ مفرد کی طرف ہوتی ہے اگر جملہ کی جانب اضافت کی جائے تو فتحہ کو کھینچتے ہیں جس کی وجہ سے الف ہو جاتا ہے، مفسر علام جلال الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ کے قول کے معنی یہ ہیں اے مخاطب! جب تو ستارے کو آخر برج میں دیکھے تو وہ تیزی سے برج کے اول حصہ کی طرف پلٹ جاتا ہے۔

قَوْلُہٗ: اذکر، اذ مفاجاتیہ ہے اور کَرَّ بمعنی اسرع راجعًا

قَوْلُہٗ: اقبل بظلامه او ادبر اس اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ عَسْعَسَ اضداد میں سے ہے، اس کے معنی آگے بڑھنے اور پیچھے ہٹنے، دونوں کے ہیں۔

قَوْلُہٗ: وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ، اذا تَنَفَّسَ بالفارسیہ، آنگاہ کہ دم زند یعنی طلوع کند طلوع ہونا۔

قَوْلُہٗ: مُتَعَلِّقٌ به عِنْد، بہ کی ضمیر مَکِیْنٌ کی طرف راجع ہے یعنی عند، مکین کے متعلق ہے عند خبر مقدم اور مکینٌ مبتدا مؤخر ہے۔

قَوْلُہٗ: اِلٰی آخر المقسم عَلَیْه، اَیْ عِنْدَ ذی العَرْش.

قَوْلُہٗ: مِنَ الْوحی الخ، من بیانیہ ہے۔

تَفسِیر وتشریح

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ، یہ سورج کے بے نور ہونے کے لئے ایک بے نظیر استعارہ ہے تکویر کے معنی لپیٹنے کے ہیں، سر پر عمامہ باندھنے کو تکویر العمامة کہتے ہیں جس طرح پھیلے ہوئے عمامہ کو سر پر لپیٹ دیا جاتا ہے اسی طرح سورج کی پھیلی ہوئی روشنی کو لپیٹ دیا جائے گا، جس کی وجہ سے وہ قیامت کے دن بے نور ہو جائے گا۔

وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ، عربوں کو کسی چیز کی سختی اور ہولناکی کا تصور دلانے کے لئے یہ بہترین طرز بیان تھا، اس زمانہ میں عرب کے نزدیک دس مہینے کی گابھن اونٹنی سے زیادہ قیمتی اور کوئی مال نہیں ہوتا تھا، ایسی اونٹنی کی بہت زیادہ حفاظت اور دیکھ بھال کی جاتی تھی، ایسی اونٹنی سے لوگوں کا غافل ہو جانا گویا یہ معنی رکھتا تھا کہ اس وقت کچھ ایسی سخت افتاد لوگوں پر پڑے گی کہ انہیں اپنے اس عزیز ترین مال کی حفاظت کا بھی ہوش نہ رہے گا۔

وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ، سُجِّرَتْ، تَسْجِیر سے ماضی مجہول کا صیغہ ہے تَسْجِیْر تنور میں آگ دہکانے کو کہتے ہیں، بظاہر یہ بات عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ قیامت کے دن سمندروں میں آگ بھڑک اٹھے گی، لیکن اگر پانی کی حقیقت معلوم ہو تو اس میں کوئی چیز قابل تعجب نہیں، اس سے سراسر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ظہور ہوتا ہے کہ اس نے آکسیجن اور

ہائیڈ روجن، دوایسی گیسوں کو ملا دیا جن میں سے ایک آگ بھڑکانے والی اور دوسری بھڑک اٹھنے والی ہے اور ان دونوں کی ترکیب سے پانی جیسا مفید اور کارآمد مادہ پیدا کیا جو آگ کو بجھانے والا ہے، اللہ تعالیٰ کا ایک اشارہ اس بات کے لئے بالکل کافی ہے کہ وہ پانی کی اس ترکیب کو بدل ڈالے اور یہ دونوں گیسیں ایک دوسرے سے الگ ہو کر بھڑکنے اور بھڑکانے لگیں، جو ان کی اصل بنیادی خاصیت ہے۔

وَاِذَا الْمَوْءُ وْدَةُ سُئِلَتْ، اس آیت کے انداز بیان میں ایسی شدید غضبناکی پائی جاتی ہے، جس سے زیادہ غضبناکی کا تصور نہیں کیا جا سکتا، بیٹی کو زندہ درگور کرنے والے والدین اللہ کی نظر میں ایسے قابل نفرت ہوں گے کہ ان کو مخاطب کر کے ان سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ تم نے اس معصوم کو کیوں قتل کیا؟ بلکہ اس سے نگاہ پھیر کر معصوم بچی سے پوچھا جائے گا کہ تو بے چاری آخر کس قصور میں ماری گئی؟ اور وہ اپنی داستان مظلومیت سنائے گی، اس آیت کے مضمون سے ایک اہم بات خود بخود یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اس میں آخرت کے ضروری ہونے کی ایک صریح دلیل پیش کی گئی ہے، جس لڑکی کو زندہ دفن کر دیا گیا، آخر اس کی کہیں تو دادرسی ہونی چاہئے، اور جن ظالموں نے یہ ظلم کیا، آخر کبھی تو وہ وقت آنا چاہئے جب ان سے اس بے دردانہ ظلم کی بازپرس کی جائے، دفن ہونے والی لڑکی کی فریاد دنیا میں تو کوئی سننے والا نہ تھا، بچوں کا ناز نخرہ والدین پر ہوا کرتا ہے، والدین نے خود ہی اپنے ہاتھوں سے اس معصوم اور مظلوم بچی کو زندہ دفن کر دیا، اب معاشرہ ہی تھا کہ جس سے کچھ دادرسی کی توقع کی جا سکتی تھی؛ مگر معاشرہ نے بھی تو اس فعل کو پہلے ہی جائز قرار دے رکھا تھا، اس فعل پر نہ ماں باپ کو کوئی ندامت اور نہ اہل خاندان کو کوئی شرم، اور نہ معاشرہ میں اس پر کوئی گرفت کرنے والا، تو اب اس مظلوم کی فریاد کون سنے؟ تو کیا خدا کی خدائی میں یہ ظلم عظیم بالکل ہی بے داد رہ جانا چاہئے؟ اگر ایسا ہی ہو تو یہ ''اندھیر نگری چوپٹ راجہ'' کا مصداق ہوگا، جو خدا کی خدائی میں ممکن نہیں ہے۔

لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کی وجہ:

عرب میں لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کا یہ بے رحمانہ طریقہ، قدیم زمانہ میں مختلف وجوہ سے رائج ہو گیا تھا، ایک تو معاشی بدحالی جس کی وجہ سے لوگ چاہتے تھے کہ کھانے والے افراد کم ہوں اور اولاد کو پالنے پوسنے کا بار ان پر نہ پڑے، بیٹوں کو تو اس امید پر پال لیا جاتا تھا کہ وہ حصول معاش میں معاون ہوں گے، مگر بیٹیوں سے یہ توقع نہیں ہوتی تھی، علاوہ ازیں بیٹیوں کو پال پوس کر جوان ہونے کے بعد دوسروں کے حوالہ کر دینا ہوگا جس میں سراسر زیان ہی زیان ہے، اس کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ قبائلی لڑائیوں میں دفاع میں وہ کچھ کام نہ آتی تھیں بلکہ الٹی ان کی حفاظت کرنی پڑتی تھی اور اگر دشمن ان کو گرفتار کر کے لے جاتا تو ان کو باندی بنالیتا تھا یا بازار میں فروخت کر دیتا تھا جس کی وجہ سے رسوائی ہوتی تھی، انہی وجوہ سے عرب میں یہ طریقہ چل پڑا تھا کہ کبھی تو زچگی کے وقت ہی عورت کے آگے ایک گڑھا کھود کر رکھا جاتا تھا؛ تاکہ اگر لڑکی پیدا ہو تو اسی وقت اسے گڑھے میں ڈال کر مٹی ڈال دی جائے اور اگر کبھی ماں اس پر راضی نہ ہوتی یا اور کوئی وقتی مصلحت مانع ہوتی، تو بادلِ ناخواستہ اسے کچھ مدت تک برداشت کر لیا جاتا اور پھر کسی وقت صحرا میں لے جا کر زندہ دفن کر دیا جاتا، اس

معاملہ میں جو شقاوت برتی جاتی تھی اس کا قصہ ایک شخص نے خود رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا۔

بیٹی کے ساتھ بے رحمی کا واقعہ:

سنن داری کے پہلے ہی باب میں یہ حدیث منقول ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے اپنے عہد جاہلیت کا یہ واقعہ بیان کیا کہ میری ایک بیٹی تھی جو مجھ سے بہت مانوس تھی، جب میں اس کو پکارتا تھا تو وہ دوڑی دوڑی میرے پاس آتی تھی، ایک روز میں نے اس کو بلایا اور اپنے ساتھ لے کر چل پڑا، راستہ میں ایک کنواں آیا میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کنویں میں دھکا دے دیا، آخری آواز جو اس کی میرے کانوں میں آئی وہ یہ تھی، ہائے ابا، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ رو دیئے اور آپ ﷺ کے آنسو بہنے لگے، حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا اے شخص! تو نے حضور ﷺ کو غمگین کر دیا، حضور ﷺ نے فرمایا اسے مت روکو، جس چیز کا اسے سخت احساس ہے اس کے بارے میں اسے سوال کرنے دو، پھر آپ ﷺ نے اس سے فرمایا تو اپنا قصہ پھر بیان کر، اس نے دوبارہ بیان کیا آپ ﷺ سن کر اس قدر روئے کہ آپ ﷺ کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا جاہلیت میں جو کچھ ہو گیا اللہ نے اسے معاف کر دیا اب نئے سرے سے اپنی زندگی کا آغاز کر۔

یہ خیال صحیح نہیں کہ اہل عرب اس انتہائی غیر انسانی فعل کی قباحت ہی نہ رکھتے تھے، ظاہر بات ہے کہ کوئی معاشرہ خواہ کتنا ہی بگڑ چکا ہو، ایسے ظالمانہ افعال کی برائی کے احساس سے بالکل خالی نہیں ہو سکتا، عرب کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے لوگوں کو زمانہ جاہلیت میں اس رسم کی قباحت کا احساس تھا، طبرانی میں ایک روایت ہے کہ فرزدق شاعر کے دادا صعصعہ بن ناجیہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے جاہلیت کے زمانہ میں کچھ اچھے اعمال بھی کئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ میں نے ۳۶۰ لڑکیوں کو زندہ دفن ہونے سے بچایا اور ہر ایک کی جان کے لئے دو دو اونٹ فدیے میں دیئے ہیں تو کیا مجھے اس پر اجر ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! تیرے لئے اجر ہے، اور وہ یہ ہے کہ اللہ نے تجھے اسلام کی نعمت عطا فرمائی۔

اسلام کا عورت پر احسان:

دراصل یہ اسلام کی برکتوں میں سے ایک بڑی برکت ہے کہ اس نے نہ صرف یہ کہ عرب سے اس انتہائی سنگدلانہ رسم کا خاتمہ کیا، بلکہ اس تخیل کو مٹایا کہ بیٹی کی پیدائش کوئی حادثہ اور مصیبت ہے، جسے بادل ناخواستہ برداشت کیا جائے، اس کے برعکس اسلام نے یہ تعلیم دی کہ بیٹیوں کی پرورش کرنا ان کی عمدہ تعلیم و تربیت کرنا اور انہیں اس قابل بنانا کہ وہ ایک اچھی گھر والی بن سکے بہت بڑا نیکی کا کام ہے، اس کا اندازہ ان احادیث سے ہو سکتا ہے جو آپ ﷺ سے منقول ہیں، مثال کے طور پر ذیل میں آپ ﷺ کے چند ارشادات نقل کئے جاتے ہیں۔

❶ مَنْ اُبْتُلِیَ مِنْ هذه البنات بشيءٍ فَاَحْسَنَ اِلَيْهِنَّ كُنَّ لهُ سِترا مِن النار (بخاری، مسلم)

ترجمہ: جو شخص ان لڑکیوں کی پیدائش سے آزمائش میں ڈالا جائے اور پھر وہ ان سے نیک سلوک کرے تو یہ اس کیلئے جہنم کی آگ سے بچاؤ کا ذریعہ بنیں گی۔

۲ مَنْ عَالَ جَارِیتینِ حَتّٰی تَبْلُغا جَاء یَوْم القیامة انا وهو هکذا وَضَمَّ اَصَابِعَهٗ. (مسلم شریف)

ترجمہ: جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہوگئیں تو قیامت کے روز میرے ساتھ وہ اس طرح آئے گا، یہ فرما کر حضور نے اپنی انگلیوں کو ملا کر بتایا۔

۳ مَنْ کَانَ لَهٗ انثی فَلَمْ یَئِدْهَا وَلَمْ یُهِنْهَا وَلَمْ یؤثِر وَلَدَهٗ عَلَیها ادخله اللّٰه الجنة.. (ابوداؤد)

ترجمہ: جس کے یہاں لڑکی ہو اور وہ اسے زندہ دفن نہ کرے، نہ ذلیل کر کے رکھے، نہ بیٹے کو اس پر ترجیح دے تو اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔

۴ مَنْ کَانَ لَهٗ ثلٰثُ بَنَاتٍ وَصَبَرَ عَلَیْهِنَّ وَکَسَاهُنَّ مِنْ جِدَتِهٖ کنّ له حجابًا من النار. (بخاری، ابن ماجه)

ترجمہ: جس کے یہاں تین بیٹیاں ہوں اور وہ ان پر صبر کرے اور اپنی وسعت کے مطابق ان کو اچھے کپڑے پہنائے تو وہ اس کیلئے جہنم کی آگ سے بچاؤ کا ذریعہ ہوں گی۔

۵ ما من مسلم تدرکه ابنتان فیحسنُ صحبتهما اِلّا اَدْخَلَتَاهُ الجنة. (بخاری ادب المفرد)

ترجمہ: جس مسلمان کے یہاں دو بیٹیاں ہوں اور وہ ان کو اچھی طرح رکھے تو ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ اسے جنت میں نہ پہنچائیں۔

۶ اِنَّ النَّبی ﷺ قال لِسُراقَةَ بن جُعشم اَلَا اَدُلُّكَ علی اعظم الصدقة قال بلٰی یا رسول اللّٰه ﷺ قال اِبْنَتُكَ اَلْمردودة اِلَیْكَ لیس لها کاسِبٌ غیركَ. (بخاری، ابن ماجه)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے سراقہ بن جعشم سے فرمایا میں تمہیں بتاؤں کہ سب سے بڑا صدقہ (یا فرمایا بڑے صدقوں میں سے ایک) کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا ضرور بتائیے یا رسول اللہ ﷺ! فرمایا تیری وہ بیٹی جو (طلاق پا کر یا بیوہ ہو کر) تیری طرف پلٹ آئے اور تیرے سوا اس کیلئے کمانے والا کوئی نہ ہو۔

یہی وہ تعلیم ہے جس نے لڑکیوں کے متعلق لوگوں کا نقطۂ نظر صرف عرب ہی میں نہیں بلکہ دنیا کی ان تمام قوموں میں بدل دیا جو اسلام کی نعمت سے فیض یاب ہوتی چلی گئیں۔

مسئلہ: کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس سے حمل قرار نہ پائے، جیسے آج کل ضبط تولید کے نام سے دنیا میں ہزاروں صورتیں رائج ہوگئی ہیں، اس کو بھی رسول اللہ ﷺ نے وَأْدٌ خفیٌ یعنی خفیہ طور پر بچہ کو زندہ درگور کرنا فرمایا ہے۔ (مسلم) اور بعض دوسری روایات میں جو عزل یعنی ایسی تدبیر کرنا کہ نطفہ رحم میں نہ جائے، اس پر رسول اللہ ﷺ سے سکوت یا عدم ممانعت منقول ہے وہ ضرورت کے مواقع کے ساتھ مخصوص ہے، وہ بھی اس طرح کہ ہمیشہ کے لئے قطع نسل کی صورت نہ بنے۔ (مظہری، معارف)

سُوْرَةُ الْاِنفِطَارِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعَ عَشَرَةَ اٰيَةً

سُوْرَةُ الْاِنفِطَارِ مَكِّيَّةٌ تِسْعَ عَشَرَةَ اٰيَةً.

سورۂ انفطار مکی ہے، انّیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اِذَا السَّمَاۗءُ انْفَطَرَتْ ۙ انشقت وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۙ انقضت وتساقطت وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۙ فُتِحَ بعضها في بعضٍ فصارت بحرًا واحدًا واختلط العذب بالملح وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۙ قُلِبَ ترابها وبُعِثَ موتاها وجواب اذا وما عُطِفَ عليها عَلِمَتْ نَفْسٌ اي كل نفس وقت هذه المذكورات وهو يوم القيامة مَّا قَدَّمَتْ من الاعمال وَ مَا اَخَّرَتْ ۭ منها فلم تعمله يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ الكافر مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۙ حتى عصيته الَّذِيْ خَلَقَكَ بعد ان لم تكن فَسَوّٰىكَ جعلك مستوى الخلق سالم الاعضاء فَعَدَلَكَ ۙ بالتخفيف والتشديد جعلك معتدل الخلق متناسب الاعضاء ليست يد اورجل اطول من الاخرى فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا زائدة شَاۗءَ رَكَّبَكَ ۭ كَلَّا ردع عن الاغترار بكرم الله تعالى بَلْ تُكَذِّبُوْنَ اي كفار مكة بِالدِّيْنِ ۙ الجزاء على الاعمال وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۙ من الملائكة لاعمالكم كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۙ لها يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ جميعه اِنَّ الْاَبْرَارَ المؤمنين الصادقين في ايمانهم لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝ جنة وَاِنَّ الْفُجَّارَ الكفار لَفِيْ جَحِيْمٍ ۝ نار محرقة يَّصْلَوْنَهَا يدخلونها ويقاسون حرها يَوْمَ الدِّيْنِ ۝ الجزاء وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَاۗىِٕبِيْنَ ۝ بمخرجين وَمَآ اَدْرٰىكَ اعلمك مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ تعظيم لشأنه يَوْمَ بالرفع اي هو يوم لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَـيْـــًٔا ۭ من المنفعة وَالْاَمْرُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ۝ لا امر لغيره فيه اي لم يمكن احد من التوسط فيه بخلاف الدنيا.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، جب آسمان پھٹ جائے گا اور جب ستارے جھڑ جائیں گے اور گر جائیں گے، اور جب سب دریا بہہ پڑیں گے بعد ازاں آپس میں مل جائیں گے تو سب مل کر ایک

سمندر ہو جائیں گے اور شیریں شور کے ساتھ مخلوط ہو جائیں گے، اور جب قبریں اکھاڑ دی جائیں گی ان کی مٹی پٹ دی جائے گی، اور ان میں مدفون مردوں کو زندہ کر دیا جائے گا، اِذا اور اس پر معطوف کا جواب عَلِمَتْ نَفْسٌ ہے، ہر شخص اپنے اگلے اعمال کو اور پچھلے اعمال جن کو نہیں کیا یعنی ہر نفس ان مذکورہ اوقات میں جو کہ قیامت کا دن ہے جان لے گا، اے کافر انسان! کس چیز نے تجھے اپنے اس رب کریم کے بارے میں دھوکے میں ڈال دیا، حتیٰ کہ تو نے اس کی نافرمانی کی جس نے تجھ کو بعد اس کے کہ تو نہیں تھا پیدا کیا، پھر تجھ کو درست کیا تجھ کو اعضاء کی سلامتی کے ساتھ مناسب اعتدال بخشا، اور تجھ کو متناسب (الاعضاء) بنایا (فَعَدَلَكَ) (دال) کی تخفیف اور تشدید کے ساتھ، یعنی تجھ کو معتدل الخلق اور متناسب الاعضاء بنایا، کہ ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ سے اور ایک پیر دوسرے پیر سے طویل نہیں ہے، جس صورت میں تجھ کو چاہا ترکیب دیا، مَا زائدہ ہے، ہرگز نہیں! كَلَّا خدا کے بارے میں دھوکے میں پڑنے سے روکنے کے لئے، حرف توبیخ ہے، بلکہ (اصل بات یہ ہے) اے مکہ کے کافرو! تم جزاء اعمال کو جھٹلاتے ہو، حالانکہ تمہارے اوپر ملائکہ میں سے تمہارے اعمال کے نگران مقرر ہیں ایسے عند اللہ معزز اعمال کے کاتب جو کچھ تم کرتے ہو سب کو جانتے ہیں، بے شک اپنے ایمان میں مخلص نعمتوں والی جنت میں ہوں گے اور بے شک کفار فجار جلا دینے والی آگ میں ہوں گے اس میں جزاء کے دن داخل ہوں گے، اور اس کی گرمی کو برداشت کریں گے اس سے باہر نہ ہوں گے (یعنی) نکلیں گے نہیں، اور آپ ﷺ کو کچھ خبر ہے کہ یوم جزاء کیا ہے؟ پھر (مکرر) آپ ﷺ کو کچھ خبر ہے کہ وہ روز جزاء کیا ہے؟ (یہ تکرار) یوم جزاء کی تعظیم کے لئے ہے، یومُ رفع کے ساتھ ہے ای هُوَ یَوْمٌ، وہ ایسا دن ہے جس میں کسی شخص کا کسی شخص کے نفع کے لئے کچھ بس نہ چلے گا اور تمام تر حکومت اس روز اللہ ہی کی ہوگی اس دن میں کسی غیر کی حکومت نہ ہوگی یعنی اس (دن) میں کسی کا واسطہ ممکن نہ ہوگا بخلاف دنیا کے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: وَقْتَ هٰذِهِ الْمَذْكُورَاتِ، ای المذکورات الاربعة ① اِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ ② اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ③ اِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ④ اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ۔

قَوْلُهٗ: مَا قَدَّمَتْ یعنی نفس نے جو اچھے برے اعمال کئے، ان کو اپنے اعمال ناموں میں دیکھ لے گا، ما اخرت سے وہ رسوم نیک و بد مراد ہیں جو اس نے دنیا میں جاری کیں، ان کا عذاب یا ثواب اس کو ہمیشہ ملتا رہے گا، اور بعض حضرات نے کہا ہے ماقدمت سے مراد وہ فرائض ہیں جو اس نے ادا کئے اور مَا اَخَّرَت سے وہ فرائض مراد ہیں جو اس نے نہیں کئے۔

قَوْلُهٗ: فی ایِّ صورة یہ رَكَّبَكَ کے متعلق ہے اور شَاءَ، صورة کی صفت ہے۔

قَوْلُهٗ: وَمَا اَدْرٰكَ، مَا استفہامیہ مبتدا، اَدْرٰی فعل، کاف مفعول اول، ما یوم الدین مبتدا، خبر سے مل کر اَدْرٰی کا مفعول ثانی۔

قَوْلُهٗ: یَـوْمُ الدین ، هُوَ مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع، اور اَعْنِی فعل محذوف کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب۔

تفسیر و تشریح

عَـلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ، یعنی جب قیامت کے وہ حالات پیش آ چکے ہوں گے جن کا ذکر شروع سورت میں کیا گیا ہے مثلاً آسمان کا پھٹنا وغیرہ، تو اس وقت ہر انسان کو اپنے کرے دھرے کا سب تفصیلی پتہ چل جائے گا، یعنی کیا اس نے آگے بھیجا اور کیا پیچھے چھوڑا؟ آگے بھیجنے سے مراد عمل کرنا اور پیچھے چھوڑنے کا مطلب ترک عمل کرنا اور آگے بھیجنے اور پیچھے چھوڑنے کا ایک مطلب، اچھے برے عمل کے نمونے چھوڑنا بھی ہو سکتا ہے کہ اس چھوڑے ہوئے نمونوں پر لوگ عمل کرتے ہیں، اگر یہ نمونے اچھے ہیں تو اس کے مرنے کے بعد لوگ ان پر عمل کریں گے تو اس کا ثواب اس کو بھی پہنچتا رہے گا، اور اگر یہ دنیا میں بُرے نمونے چھوڑ کر گیا ہے تو جو ان بُرے نمونوں اور طریقوں پر عمل کرے گا اس کا گناہ بھی اس کو پہنچتا رہے گا۔

فِیْ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَاءَ رَکَّبَكَ ، اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بچہ کو جس کے چاہے مشابہ بنادے، باپ کے یا ماں کے، چچا یا ماموں وغیرہ کے، دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ جس شکل صورت میں چاہے بنادے حتی کہ قبیح ترین جانور کی شکل میں بھی ڈھال سکتا ہے؛ لیکن یہ اس کا لطف و کرم ہی ہے کہ وہ ایسا نہیں کرتا اور بہترین انسانی شکل ہی میں پیدا فرماتا ہے۔

یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْئًا وَّالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ، یعنی تم لوگ چاہے یوم جزاء کا انکار کرو، یا اس کا مذاق اڑاؤ، اس سے حقیقت نہیں بدلتی، حقیقت یہ ہے کہ تمہارے رب نے تمہیں شتر بے مہار بنا کر نہیں چھوڑا! بلکہ اس نے تم میں سے ایک ایک آدمی پر نہایت راست باز، نگراں مقرر کر رکھے ہیں، جو بالکل بے لاگ اور غیر جانب دارانہ طریقہ سے تمہارے تمام اچھے اور برے اعمال کو ریکارڈ کر رہے ہیں، اور ان سے تمہارا کوئی کام چھپا ہوا نہیں ہے، خواہ تم اندھیرے میں، خلوتوں میں، سنسان جنگلوں میں، یا کسی اور حالت میں اس کا ارتکاب کرو جہاں تمہیں پورا اطمینان ہو کہ جو کچھ تم نے کیا ہے وہ نگاہ خلق سے مخفی رہ گیا ہے، ان نگراں فرشتوں کے لئے اللہ نے کـرامًـا کـاتبین کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں یعنی ایسے کاتب جو نہایت کریم اور بزرگ ہیں اور معزز ہیں، کسی سے نہ ذاتی محبت رکھتے ہیں اور نہ عداوت کہ ایک کی بے جا رعایت اور دوسرے کی ناروا مخالفت کر کے خلاف واقعہ ریکارڈ تیار کریں، خائن بھی نہیں ہیں کہ اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہوئے بغیر بطور خود، غلط سلط اندراجات کر لیں، رشوت خور بھی نہیں کہ کچھ لے دے کر کسی کے حق میں یا کسی کے خلاف جھوٹی رپورٹیں کر دیں، ان کا مقام ان ساری اخلاقی کمزوریوں سے بلند ہے اس لئے نیک و بد دونوں قسم کے انسانوں کو مطمئن رہنا چاہئے کہ ہر ایک کی نیکی اور بدی بے کم و کاست ریکارڈ ہوگی۔

کسی کی وہاں یہ طاقت نہ ہوگی کہ وہ کسی شخص کو اس کے اعمال کے نتائج بھگتنے سے بچا سکے، کوئی وہاں ایسا باثر یا زور آور یا اللہ کا چہیتا نہ ہوگا کہ عدالت خداوندی میں اَڑ کر بیٹھ جائے اور یہ کہہ سکے کہ فلاں شخص میرا عزیز یا متوسل ہے، اسے تو بخشنا ہی ہوگا، خواہ یہ دنیا میں کیسے ہی برے اعمال کر کے آیا ہو۔

سُوْرَةُ التَّطْفِيْفِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتٌّ وَّ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً

سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ او مَدَنِيَّةٌ سِتٌّ وَّثَلَاثُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ مطففین مکی ہے یا مدنی ہے، چھتیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ **وَيْلٌ** كَلِمَةُ عَذَابٍ او وَادٍ فِي جَهَنَّمَ **لِّلْمُطَفِّفِيْنَ**① **الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى** اى مِنَ **النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ**② الكَيْلَ **وَاِذَا كَالُوْهُمْ** اى كَالُوْا لَهُمْ **اَوْ وَّزَنُوْهُمْ** اى وَزَنُوْا لَهُمْ **يُخْسِرُوْنَ**③ يَنْقُصُوْنَ الْكَيْلَ اَوِ الوَزْنَ **اَلَا** اِسْتِفْهَامُ تَوْبِيْخٍ **يَظُنُّ** يَتَيَقَّنُ **اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ**④ **لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ**⑤ اى فيه وهُوَ يَوْمُ القِيَامَةِ **يَوْمَ** بَدَلٌ مِنْ مَحَلِّ لِيَوْمٍ فَنَاصِبُهُ مَبْعُوْثُوْنَ **يَقُوْمُ النَّاسُ** مِنْ قُبُوْرِهِمْ **لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ**⑥ الخَلَائِقِ لِاَجْلِ اَمْرِه وحِسَابِه وجَزَائِه **كَلَّآ** حقًّا **اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ** اى كُتُبَ اَعْمَالِ الْكُفَّارِ **لَفِيْ سِجِّيْنٍ**⑦ قِيْلَ هُوَ كِتَابٌ جَامِعٌ لِاَعْمَالِ الشَّيَاطِيْنِ والْكَفَرَةِ وقِيْلَ هُوَ مَكَانٌ اَسْفَلَ الاَرْضِ السَّابِعَةِ وهُوَ مَحَلُّ اِبْلِيْسَ وجُنُوْدِه **وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ**⑧ مَا كِتَابُ سِجِّيْنٍ **كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ**⑨ مَخْتُوْمٌ **وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ**⑩ **الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ**⑪ الجَزَاءِ بَدَلٌ او بَيَانٌ لِلْمُكَذِّبِيْنَ **وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ** مُتَجَاوِزِ الحَدِّ **اَثِيْمٍ**⑫ صِيْغَةُ مُبَالَغَةٍ **اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا** القُرْاٰنُ **قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ**⑬ الحِكَايَاتُ الَّتِيْ سُطِرَتْ قَدِيْمًا جَمْعُ اُسْطُوْرَةٍ بالضَمِّ او اِسْطَارَةٍ بالكَسْرِ **كَلَّا** رَدْعٌ وزَجْرٌ لِقَوْلِهِمْ ذٰلِكَ **بَلْ سكتة رَانَ** غَلَبَ **عَلٰى قُلُوْبِهِمْ** فَغَشِيَهَا **مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ**⑭ مِنَ المَعَاصِي فَهُوَ كَالصَّدَاءِ **كَلَّآ** حَقًّا **اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ** يَوْمَ القِيَامَةِ **لَّمَحْجُوْبُوْنَ**⑮ فَلَا يَرَوْنَهُ **ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ**⑯ لَدَاخِلُوا النَّارِ المُحْرِقَةِ **ثُمَّ يُقَالُ** لَهُمْ **هٰذَا** اى العَذَابُ **الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ**⑰ **كَلَّآ** حَقًّا **اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ** اى كُتُبَ اَعْمَالِ المُؤْمِنِيْنَ الصَّادِقِيْنَ فِي اِيْمَانِهِمْ **لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ**⑱ قِيْلَ هُوَ كِتَابٌ جَامِعٌ لِاَعْمَالِ الْخَيْرِ مِنَ المَلَائِكَةِ ومُؤْمِنِي الثَّقَلَيْنِ وقِيْلَ هُوَ مَكَانٌ فِي السَّمَاءِ السَّابِعَةِ تَحْتَ العَرْشِ **وَمَآ اَدْرٰىكَ** اَعْلَمَكَ **مَا عِلِّيُّوْنَ**⑲ مَا كِتَابُ عِلِّيِّيْنَ هُوَ **كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ**⑳ مَخْتُوْمٌ **يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ**㉑ مِنَ المَلَائِكَةِ **اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ**㉒ جَنَّةٍ **عَلَى الْاَرَآئِكِ**

السُّرُر فِي الحجالِ يَنْظُرُوْنَ ما أُعطوا مِنَ النعيم تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ بَهْجَةَ التنعُّم وحُسْنَه يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ خمر خالصة مِنَ الدَّنَسِ مَّخْتُوْمٍ على إنائها لا يُفكُّ خَتْمُه إلا هُم خِتٰمُهٗ مِسْكٌ اى اٰخرُ شُربه يَفُوحُ منه رائحةُ المسك وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ فَلْيَرْغَبُوْا بالمُبادرة إلى طاعة الله تعالى وَمِزَاجُهٗ اى ما يُمزَجُ به مِنْ تَسْنِيْمٍ فُسِّرَ بقوله عَيْنًا فنصبُه بأمدح مُقدرًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ اى منها او ضمن يشرب معنى يلتذّ اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كأبي جهلٍ ونحوِه كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كعمّارٍ وبلالٍ ونحوِهما يَضْحَكُوْنَ استهزاءً بهم وَاِذَا مَرُّوْا اى المؤمنون بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ اى يُشير المجرمون إلى المؤمنين بالجفن والحاجب استهزاءً وَاِذَا انْقَلَبُوْا رجعوا اِلٰى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ وفي قراءة فَكِهِيْنَ مُعجبين بذكرهم المؤمنين وَاِذَا رَاَوْهُمْ رأوا المؤمنين قَالُوْا اِنَّ هٰؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ لإيمانهم بمحمد صلى الله عليه وسلم قال تعالى وَمَا اُرْسِلُوْا اى الكفار عَلَيْهِمْ على المؤمنين حٰفِظِيْنَ لهم او لأعمالهم حتى يردوهم إلى مصالحهم فَالْيَوْمَ اى يوم القيامة الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ عَلَى الْاَرَآئِكِ في الجنة يَنْظُرُوْنَ من منازلهم إلى الكفار وهم يُعذَّبون فيضحكون منهم كما ضحك الكفار منهم في الدنيا هَلْ ثُوِّبَ جُوزِيَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ

ع ۸

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، بڑی خرابی ہے (وَیْل) کلمہ عذاب ہے یا جہنم میں ایک وادی ہے، ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے، کہ جب لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں یعنی ناپ تول میں کمی کرتے ہیں، کیا انہیں یہ استفہام توبیخ کے لئے ہے یقین نہیں کہ انہیں ایک عظیم (سخت) دن میں زندہ کرکے اٹھایا جائے گا، اور وہ قیامت کا دن ہے، جس دن لوگ اپنی قبروں سے رب العالمین یعنی مخلوق کے پروردگار کے حضور میں اس کے حکم سے اپنے حساب اور جزاء کے لئے کھڑے ہوں گے، یَوْمَ، لِیَوْمٍ کے محل سے بدل ہے اور اس کا ناصب مبعوثون ہے، ہرگز نہیں! یقیناً کافروں کا نامہ عمل قید خانہ کے دفتر میں ہے کہا گیا ہے کہ وہ شیاطین اور کافروں کے اعمال کے لئے ایک جامع کتاب ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ ساتویں زمین کے نیچے ایک مقام ہے اور وہ ابلیس اور اس کے لشکر کا ٹھکانہ ہے، تجھے کیا معلوم سجین کیا ہے؟ یعنی جیل خانہ کا دفتر کیا ہے؟ ایک کتاب ہے لکھی ہوئی مہر شدہ، اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی جو روز جزاء کو جھٹلاتے ہیں (اَلَّذِیْنَ) مکذبین کا بیان یا بدل ہے، اور اسے وہی شخص جھٹلاتا ہے جو حد سے تجاوز کرنے والا بدعمل ہے (اثیمٌ) مبالغہ کا صیغہ ہے، جب اسے ہماری کتاب قرآن سنائی جاتی ہے تو کہتا ہے یہ تو اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں یعنی وہ کہانیاں جو اگلے زمانوں میں لکھی گئیں، (اَسَاطِیر) اسطورہ بالضم یا اِسطارۃ بالکسر کی جمع ہے (یہ بات) ہرگز نہیں! کلّا، انّ الخ اس قول کے لئے حرف توبیخ ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے دلوں پر

ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے زنگ چڑھ گیا ہے پس وہ بدعملی زنگ کے مانند ہے، ہرگز نہیں! بالیقین یہ لوگ قیامت کے دن خدا کے دیدار سے محروم ہوں گے جس کی وجہ سے ان کو خدا کا دیدار نصیب نہ ہوگا، پھر وہ جہنم میں جا پڑیں گے، یعنی جلا دینے والی آگ میں داخل ہوں گے، پھر ان سے کہا جائے گا یہ وہی عذاب ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے، ہرگز نہیں! بے شک نیک آدمیوں کا نامۂ اعمال یعنی مومنین، صدقین فی الایمان کا نامۂ عمل علیین میں ہے کہا گیا ہے کہ (علیین) ملائکہ اور مومنین جن وانس کے اعمال خیر کی جامع ایک کتاب ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ عرش کے نیچے ایک مقام ہے، تجھے کیا معلوم کہ علیون کیا ہے؟ وہ تو لکھی ہوئی مہر شدہ ایک کتاب ہے جس کی نگہداشت مقرب فرشتے کرتے ہیں یقیناً نیک لوگ جنت کے خیموں میں مسہریوں پر ہوں گے، جو ان کو عطا کیا جا رہا ہوگا اس کو دیکھ رہے ہوں گے ان کے چہروں پر تم خوش حالی کی رونق اور اس کی تروتازگی محسوس کرو گے یہ لوگ میل سے پاک صاف سربمہر شراب پلائے جائیں گے یعنی شراب کی صراحی سیل بند ہوگی اس کی سیل کو خود وہی توڑیں گے، اور اس کے آخری گھونٹ میں مشک کی خوشبو مہک رہی ہوگی، سبقت کرنے والوں کو اسی میں سبقت کرنی چاہئے بہذا ان کو اللہ کی طاعت کی طرف سبقت کرنے میں سبقت کرنی چاہئے، اور اس میں تسنیم کی آمیزش ہوگی تسنیم کی تفسیر عَیْنًا سے کی گئی ہے لہٰذا (عَیْنًا) کا نصب اَمْدَحُ مقدر کی وجہ سے ہے، اس چشمہ کا پانی مقرب لوگ پئیں گے، یَشْرَبُ، یَتَلَذَّذُ کے معنی کو متضمن ہے، اور ابوجہل اور اس جیسے مجرم لوگ ایمان والوں مثلاً عمار رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور بلال رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور ان جیسے لوگوں کی ہنسی اڑایا کرتے تھے، اور مومنین جب ان کے پاس سے گذرتے تھے تو مجرمین مومنین کی طرف آنکھ اور ابرو سے استہزاءً اشارہ کرتے تھے اور جب وہ اپنے گھر والوں کے پاس جاتے تھے (تو وہاں بھی) تمسخر کرتے تھے اور ایک قراءت میں فکھین ہے یعنی مومنین کے ذکر سے تعجب کرتے تھے، (مزے لیتے تھے) اور جب مومنین کو دیکھتے تو کہتے یقیناً یہ لوگ محمد ﷺ پر ایمان لاکر گمراہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ان کافروں کو مومنین کا یا ان کے اعمال کا پاسبان بنا کر نہیں بھیجا گیا کہ یہ ان کو ان کی اصلاح کی جانب لوٹائیں، پس آج قیامت کے دن ایمان والے کافروں پر ہنسیں گے جنت میں مسہریوں پر بیٹھے ہوئے کافروں کے ٹھکانوں کو دیکھ رہے ہوں گے حال یہ کہ کافروں کو عذاب دیا جا رہا ہوگا، تو مومنین کافروں پر ہنسیں گے جیسا کہ وہ دنیا میں مومنین پر ہنسا کرتے تھے، واقعی کافروں کو ان کے کئے کا خوب بدلہ ملا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَیْلٌ، وَیْلٌ کے مفسر علام نے دو معنی بیان کئے ہیں: ایک بمعنی عذاب اور دوسرے جہنم میں ایک وادی کا نام، ویل اگر بمعنی عذاب ہو تو نکرہ ہوگا اور اگر جہنم کی وادی کا علم ہو تو معرفہ ہوگا، وَیْلٌ مبتدا اور لِلْمُطَفِّفِیْنَ اس کی خبر علم ہونے کی صورت میں ویل کے مبتداء بننے میں کوئی قباحت نہیں ہے البتہ اگر بمعنی عذاب ہو تو یہ اعتراض ہوگا کہ ویل نکرہ ہے اور نکرہ کا مبتداء واقع ہونا درست نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہوگا کہ نکرہ جب دعاء یا بددعاء کے معنی میں ہو تو اس کا مبتداء واقع ہونا صحیح ہو جاتا ہے،

ویل یہاں بددعاء کے معنی میں ہے؛ لہٰذا اس کا مبتداء بننا درست ہے۔

قَوْلُہٗ: مُطَفِّفِيْنَ، یہ مُطَفِّفٌ کی جمع ہے، کم کرنے والے کو کہتے ہیں کمی خواہ ناپ تول میں ہو یا کسی اور چیز میں، حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے ایک شخص کو جلدی جلدی نماز پڑھتے دیکھا اور جب وہ نماز سے فارغ ہو گیا تو آپ نے فرمایا "طَفَّفْتَ یا رجل" اے شخص تو نے نماز کا حق ادا نہیں کیا۔

قَوْلُہٗ: مِن الناس اس میں اشارہ ہے کہ علی بمعنی مِن ہے۔

قَوْلُہٗ: ای کالوا لهم اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کَالُوْهُمْ میں هُمْ ضمیر مفعول ہے یہ اصل میں لَهُمْ تھا، لام حرف جر کو حذف کر دیا، حرف جر کے حذف کے بعد کالوا متعدی بنفسہ ہو گیا۔

قَوْلُہٗ: ای فیہ اس میں اشارہ ہے کہ لِيَوْمٍ میں لام بمعنی فی ہے لِيَوْم، مبعوثون کا ظرف ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے، يَوْمَ يقوم الناس میں يَوْمَ، لِيَوْم کے محل پر عطف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قَوْلُہٗ: کتب بمعنی مکتوب اعمال الکفار میں حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے اور اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ کتاب بمعنی کتب ہے۔

قَوْلُہٗ: سِجِّيْن، سِجِّين کے نون کے بارے میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ نون اصلی ہے اور یہ لفظ سجن سے مشتق ہے جس کے معنی قید و بند کے ہیں، اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ نون، لام سے بدلا ہوا ہے یہ اصل میں سِجِّيلٌ جو سجلٌ سے ماخوذ ہے اس کے معنی لکھنے کے ہیں سِجِّيْلٌ بمعنی کتابٌ جامعٌ ہے۔

قَوْلُہٗ: مَرْقُوْمٌ یہ کتاب الفجار میں مذکور کتاب کا بیان ہے مطلب یہ ہے کہ یہ وہ کتاب ہے کہ جس میں اعمال لکھے ہوئے ہیں، بعض حضرات نے رقمٌ بمعنی ختم (مہر) لئے ہیں مفسر علام نے بھی یہی معنی مراد لئے ہیں۔

قَوْلُہٗ: عِلِّيِّيْنَ یہ اسم مفرد، بروزن جمع ہے لفظوں میں اس کی جمع نہیں۔

تفسیر وتشریح

وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِيْنَ، تطفیف سے مشتق ہے جس کے معنی ناپ تول میں کمی کرنے کے ہیں، عربی زبان میں طفیف چھوٹی اور حقیر چیز کے لئے بولا جاتا ہے، ناپ تول میں کمی کرنے والا بھی کوئی بڑی مقدار نہیں اڑاتا؛ بلکہ ہر گاہک سے تھوڑا تھوڑا اڑاتا رہتا ہے، جو عام طور پر خریدار کو معلوم بھی نہیں ہوتا، ناپ تول میں کمی کرنا قرآنی حکم کے اعتبار سے حرام ہے، تطفیف صرف ناپ تول ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر حق واجب میں کمی کرنے کو تطفیف کہتے ہیں، ایک مزدور اگر کام کی چوری کرتا ہے یا کوئی ملازم اپنے فرض منصبی میں کوتاہی کرتا ہے یہ سب بھی تطفیف میں شامل ہیں۔

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو دیکھا کہ مدینہ کے لوگ ناپ تول میں کمی کرتے ہیں، اس پر یہ سورت نازل ہوئی، اس سورت کے نازل ہونے کے بعد یہ لوگ اس بری

عادت سے باز آگئے اور ایسے باز آئے کہ آج تک اہل مدینہ پورا ناپنے تولنے میں معروف مشہور ہیں۔

(رواہ الحاکم والنسائی)

قوم شعیب علیہ الصلاۃ والسلام پر جس جرم کی وجہ سے عذاب نازل ہوا تھا وہ یہی تھا کہ اس کے اندر ناپ تول میں کمی کرنے کا مرض عام تھا حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کے مسلسل نصیحت کرنے کے باوجود یہ قوم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئی تھی۔

سجین کے معنی جیل یا قید خانہ کے ہیں، کتابٌ مرقومٌ میں اس کی تشریح کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سِجّین سے مراد وہ رجسٹر ہے جس میں سزا پانے والے لوگوں کے اعمال نامے درج کئے جا رہے ہیں۔

کَلَّا بَلْ رَّانَ، یعنی جزاء، سزا کو افسانہ اور اساطیر الاولین قرار دینے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے؛ لیکن جس وجہ سے یہ لوگ اسے افسانہ قرار دے رہے ہیں وہ یہ ہے کہ جن گناہوں کا یہ ارتکاب کرتے رہے ہیں ان کا زنگ ان کے دلوں پر پوری طرح چڑھ گیا ہے اس لئے جو چیز سراسر معقول ہے وہ ان کو افسانہ نظر آتی ہے، اس زنگ کی تشریح رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمائی ہے کہ بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے اگر وہ توبہ کر لے تو وہ نقطہ صاف ہو جاتا ہے لیکن اگر وہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہی چلا جائے تو وہ نقطہ پورے دل پر چھا جاتا ہے۔ (مسند احمد، ترمذی، نسائی)

خِتٰمُهٗ مِسْكٌ، اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ جن برتنوں میں وہ شراب رکھی ہوئی ہوگی اس پر لاکھ یا موم کی مہر کے بجائے مشک کی مہر ہوگی، جو نہروں میں بہنے والی شراب سے اعلیٰ اور افضل ہوگی، اور اسے جنت کے خدام، مشک کی مہر لگے ہوئے برتنوں میں اہل جنت کو پیش کریں گے، دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ شراب جب پینے والوں کے حلق سے اترے گی تو آخر میں ان کو مشک کی خوشبو محسوس ہوگی یہ کیفیت دنیا کی شرابوں کے بالکل برعکس ہے جس کی بوتل کھلتے ہی بد بو کا ایک بھبکا ناک میں آ جاتا ہے۔

﴿ تمت ﴾

سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً

سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ ثلٰث اَوْ خَمْسٌ وعِشْرُوْنَ ايَةً.

سورۂ انشقاق مکی ہے، تیئیس یا پچیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اِذَا السَّمَاۗءُ انْشَقَّتْ ۝ وَاَذِنَتْ سَمِعَتْ وَاَطَاعَتْ فِي الاِنْشِقَاقِ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝ اي حُقَّ لَهَا اَنْ تَسْمَعَ وَتُطِيْعَ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝ زِيْدَ فِي سِعَتِهَا كَمَا يُمَدُّ الاَدِيْمُ وَلَمْ يَبْقَ عَلَيْهَا بِنَاءٌ وَلَا جَبَلٌ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا مِنَ الْمَوْتٰى اِلٰى ظَاهِرِهَا وَتَخَلَّتْ ۝ عَنْهُ وَاَذِنَتْ سَمِعَتْ وَاَطَاعَتْ فِي ذٰلِكَ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝ وذٰلكَ كُلُّهُ يَكُوْنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجَوَابُ اِذَا وَمَا عُطِفَ عَلَيْهَا مَحْذُوْفٌ دَلَّ عَلَيْهِ مَا بَعْدَهُ تَقْدِيْرُهُ لَقِيَ الاِنْسَانُ عَمَلَهُ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ جَاهِدٌ فِي عَمَلِكَ اِلٰى لِقَاءِ رَبِّكَ وَهُوَ الْمَوْتُ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۝ اي مُلاقٍ عَمَلَكَ الْمَذْكُوْرَ مِنْ خَيْرٍ او شَرٍّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ كِتَابَ عَمَلِهِ بِيَمِيْنِهٖ ۝ وَهُوَ الْمُؤْمِنُ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۝ هُوَ عَرْضُ عَمَلِهِ عَلَيْهِ كَمَا فُسِّرَ فِي حَدِيْثِ الصَّحِيْحَيْنِ وَفِيْهِ مَنْ نُوْقِشَ الْحِسَابَ هَلَكَ وَبَعْدَ الْعَرْضِ يُتَجَاوَزُ عَنْهُ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ فِي الْجَنَّةِ مَسْرُوْرًا ۝ بِذٰلِكَ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَاۗءَ ظَهْرِهٖ ۝ هُوَ الْكَافِرُ تُغَلُّ يُمْنَاهُ اِلٰى عُنُقِهِ وَتُجْعَلُ يُسْرَاهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ فَيَأْخُذُ بِهَا كِتَابَهُ فَسَوْفَ يَدْعُوْا عِنْدَ رُؤْيَةِ مَا فِيْهِ ثُبُوْرًا ۝ يُنَادِي هَلَاكَهُ بِقَوْلِهِ يَا ثُبُوْرَاهُ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ۝ يَدْخُلُ النَّارَ الشَّدِيْدَةَ وَفِي قِرَاءَةٍ بِضَمِّ الْيَاءِ وَفَتْحِ الصَّادِ وَتَشْدِيْدِ اللَّامِ اِنَّهٗ كَانَ فِيْۤ اَهْلِهٖ عَشِيْرَتِهِ فِي الدُّنْيَا مَسْرُوْرًا ۝ بَطَرًا بِاتِّبَاعِهِ لِهَوَاهُ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ وَاسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اي اَنَّهُ لَّنْ يَّحُوْرَ ۝ يَرْجِعَ اِلٰى رَبِّهِ بَلٰۤى ۚ يَرْجِعُ اِلَيْهِ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ۝ عَالِمًا بِرُجُوْعِهِ اِلَيْهِ فَلَاۤ اُقْسِمُ لَا زَائِدَةٌ بِالشَّفَقِ ۝ هُوَ الْحُمْرَةُ فِي الْاُفُقِ بَعْدَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ۝ جَمَعَ مَا دَخَلَ عَلَيْهِ مِنَ الدَّوَابِّ وَغَيْرِهَا وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ۝ اِجْتَمَعَ وَتَمَّ نُوْرُهُ وَذٰلِكَ فِي اللَّيَالِي الْبِيْضِ لَتَرْكَبُنَّ اَيُّهَا النَّاسُ اَصْلُهُ تَرْكَبُوْنَنَّ حُذِفَتْ نُوْنُ الرَّفْعِ لِتَوَالِي الْاَمْثَالِ وَالْوَاوُ لِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۝ حَالًا بَعْدَ حَالٍ

وهو الموت ثم الحياة وما بعدها من احوال القيامة **فَمَا لَهُمْ** اى الكفار **لَا يُؤْمِنُوْنَ** اى اىّ مانع لهم من الايمان او اىّ حجة لهم فى تركه مع وجود براهينه **وَ** مالهم **اِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ** يخضعون بان يؤمنوا به لاعجازه **بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ** بالبعث وغيره **وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ** يجمعون فى صحفهم من الكفر والتكذيب واعمالهم السوء **فَبَشِّرْهُمْ** اخبرهم **بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ** مؤلم **اِلَّا** لكن **الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ** غير مقطوع ولا منقوص ولا يمنّ به عليهم.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، جب آسمان پھٹ جائے گا اور اپنے رب کے حکم پر کان لگائے گا، (یعنی اس کا حکم) سنے گا، اور پھٹنے میں اس کی تعمیل کرے گا، اور اس کے لئے یہی حق ہے (کہ اپنے رب کا حکم مانے) یعنی اس پر لازم کر دیا گیا ہے کہ سنے اور اطاعت کرے اور جب زمین ہموار کر دی جائے گی۔ یعنی اس کی وسعت میں اضافہ کر دیا جائے گا جس طرح چمڑے کو پھیلا دیا جاتا ہے اور نہ اس پر کوئی عمارت رہے گی اور نہ پہاڑ، اور مردے (وغیرہ) جو کچھ اس کے اندر ہیں انہیں باہر پھینک کر خالی ہو جائے گی اور اپنے رب کا حکم سنے گی اور اس باہر پھینکنے میں اپنے رب کی اطاعت کرے گی اور اس کے لئے حق یہی ہے اور یہ سب کچھ قیامت کے دن ہوگا اور اِذَا اور اس پر معطوف کا جواب محذوف ہے جس پر اس کا مابعد دلالت کرتا ہے، اس کی تقدیر لَقِيَ الْاِنْسَانُ عَمَلَهٗ ہے، اے انسان! تو اپنے عمل میں اپنے رب سے ملنے تک کوشش میں لگا ہوا ہے اور وہ (وقت) موت ہے، سو تو اس سے ملنے والا ہے یعنی قیامت کے دن اپنے اچھے برے مذکور عمل سے ملنے والا ہے، سو جس کے دائیں ہاتھ میں اس کا نامۂ عمل دیا جائے گا حال یہ کہ وہ مومن بھی ہو تو اس سے ہلکا حساب لیا جائے گا، اور وہ اس کے عمل کو اس پر پیش کرنا ہے جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں تفسیر کی گئی ہے، اور حدیث میں ہے کہ جس کے حساب کی جانچ پڑتال کی گئی، وہ مارا گیا، اور پیش کرنے کے بعد اس سے درگزر کر دیا جائے گا، اور وہ جنت میں اپنے اہل کی جانب اس بات پر خوش و خرم لوٹے گا، لیکن رہا وہ شخص جس کا نامۂ عمل اس کی پشت کی جانب سے دیا جائے گا (اور) حال یہ کہ وہ کافر ہوگا، تو اس کا داہنا ہاتھ اس کی گردن سے باندھ دیا جائے گا اور اس کا بایاں ہاتھ پشت کے پیچھے کر دیا جائے گا تو وہ اس سے اپنا نامۂ عمل پکڑے گا، تو وہ اس میں مندرجات کو دیکھ کر موت کو پکارے گا (یعنی) اپنی ہلاکت کو آواز دے گا اپنے قول یا ثُبُوْرَاهُ سے اور نہایت سخت آگ میں جا پڑے گا اور ایک قراءت میں یاء کے ضمہ اور صاد کے فتحہ اور لام کی تشدید کے ساتھ ہے وہ اپنے گھر والوں میں یعنی دنیا میں اپنے خاندان والوں میں مگن تھا، اس کے اپنی خواہش کی اتباع کرنے کی وجہ سے، اس نے سمجھا تھا کہ اسے اپنے رب کی طرف کبھی پلٹنا نہیں ہے (اَنْ) مخففہ عن الثقیلہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے، ہاں پلٹنا کیوں نہ ہوگا اس کی طرف پلٹے گا یقیناً اس کا رب اپنی طرف اس کے لوٹنے سے بخوبی واقف تھا پس میں قسم کھاتا ہوں شفق کی لا

زائدہ ہے، اور وہ غروب شمس کے بعد کنارے کی سرخی ہے اور قسم ہے رات کی اور اس کی جس کو وہ سمیٹ لیتی ہے یعنی ہر اس چیز کو جمع کر لیتی ہے جس پر وہ داخل ہوتی ہے مثلاً جانور وغیرہ اور چاند کی جب کہ کامل ہو جائے اور اس کا نور کامل ہو جائے اور یہ چاندنی راتوں میں ہوتی ہے، اے انسان! تجھ کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف گذرتے چلے جانا ہے اور (وہ حالت) موت ہے اور پھر حیات ہے، اور اس کے بعد قیامت کے حالات ہیں (تَرْكَبُنَّ) تَرْكَبُوْنَنَّ تھا کئی نونوں کے جمع ہونے کی وجہ سے نون رفع کو حذف کیا گیا اور واو کو التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف کر دیا گیا پھر ان کافروں کو کیا ہو گیا کہ ایمان نہیں لاتے؟ یعنی ان کو ایمان لانے سے کیا مانع ہے، یعنی ترک ایمان کی ان کے پاس کیا دلیل ہے؟ جب کہ ایمان لانے کی دلیل موجود ہے، اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے کہ جھک جائیں بایں طور کہ قرآن پر ایمان لے آئیں، قرآن کے اعجاز کی وجہ سے، بلکہ یہ کافر تو بعث وغیرہ کو جھٹلاتے ہیں حالانکہ یہ جو کچھ اپنے اعمال ناموں میں جمع کر رہے ہیں اللہ اس کو بخوبی جانتا ہے ان کے کفر اور تکذیب اور ان کے اعمال بد کو، لہٰذا ان کو دردناک عذاب کی خبر دے دو، البتہ جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک اعمال کئے ان کے لئے کبھی ختم اور کم نہ ہونے والا ثواب ہے اور نہ ان پر اس ثواب کا احسان جتایا جائے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَحُقَّتْ ماضی مجہول واحد مؤنث غائب، اس کے فاعل اور مفعول دونوں محذوف ہیں، اصل میں حَقَّ اللّٰہُ عَلَیْھَا اِسْتِمَاعَھَا فاعل اور مفعول دونوں کو حذف کر کے فعل کی اسناد سموات کی طرف لوٹنے والی ضمیر کی طرف کر دی۔

قَوْلُہٗ: اَذِنَتْ لِرَبِّھَا وَحُقَّتْ یہ تکرار نہیں ہے اس لئے کہ اول سموات کے بارے میں ہے اور یہ ارض کے بارے میں، اِذَا کا جواب محذوف ہے جس پر اس کا مابعد یعنی فَمُلَاقِیْہِ دلالت کرتا ہے، اور جواب شرط لَقِیَ الْاِنْسَانُ عَمَلَہٗ ہے، اور بعض حضرات نے عَلِمَتْ نَفْسٌ کو جواب شرط محذوف مانا ہے، اور یہ زیادہ مناسب ہے اس لئے کہ سورۂ تکویر اور انفطار میں عَلِمَتْ نَفْسٌ کو ہی محذوف مانا ہے۔

قَوْلُہٗ: کَادِحٌ، اَلْکَدْحُ، العمل والکسب والسعی کوشش کرنا۔

قَوْلُہٗ: اِلٰی رَبِّكَ، الی حرف غایت ہے، اور معنی ہیں کَدْحُكَ فی الخیر والشرّ ینتھی بلقاء رَبِّكَ وھو الموت.

قَوْلُہٗ: فَمُلَاقِیْہِ اس کا عطف کَادِحٌ پر ہے، یا پھر فانت مبتداء محذوف کی خبر ہے، ای فَاَنْتَ مُلَاقِیْہِ، اور جملہ معطوف ہے سابقہ جملہ اِنَّكَ کَادِحٌ پر۔

قَوْلُہٗ: ای مُلَاقٍ عَمَلَكَ، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ فَمُلَاقِیْہِ کی ضمیر مفعولی کَدْحٌ بمعنی عمل کی طرف راجع ہے اور مضاف محذوف ہے، ای فَمُلَاقٍ حِسَابَ عَمَلِہٖ اور یہ بھی درست ہے کہ مُلَاقِیْہِ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہو، ای فَمُلَاقٍ رَبَّہٗ یعنی اس کے لئے کوئی مفر نہیں ہے۔

قولہ: یَدْعُوا ثُبُوْرًا ای یَتَمَنَّاہ، موت کو پکارنے کا مطلب ہے موت کی تمنا کرنا اس لئے کہ لا یعقل کو ندا تمنا ہی ہوتی ہے۔

قولہ: فَلَآ اُقْسِمُ یہ شرط محذوف کا جواب ہے ای اِذَا عَرَفْتَ ھٰذا فلا اقسمُ، لَا زائدہ ہے۔

تفسیر وتشریح

اس سورت میں قیامت کے احوال، حساب وکتاب جزاء وسزا کا ذکر ہے، اور غافل انسان کو گردوپیش میں غور وفکر کر کے ایمان باللہ تک پہنچنے کی ہدایت ہے اَذِنَ بمعنی سن لیا، اور مراد سن کر اطاعت کرنا، ذرہ برابر سرتابی نہ کرنا ہے۔

وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ، زمین کو پھیلا دیئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ سمندر اور دریا پاٹ دیئے جائیں گے، پہاڑ ریزہ ریزہ کر کے بکھیر دیئے جائیں گے اور زمین کی ساری اونچ نیچ ختم کر کے ہموار میدان بنا دیا جائے گا، سورۂ طٰہٰ میں اس کیفیت کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے چٹیل میدان بنا دے گا جس میں تم کوئی بل اور سلوٹ نہ پاؤ گے۔

وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ، یعنی ہر اس چیز کو اُگل دے گی جو اس کے بطن میں ہے اور بالکل خالی ہو جائے گی زمین کے بطن میں خزائن و دفائن و معادن بھی ہیں اور ابتداء آفرینش سے مرنے والوں کے اجسام و ذرات بھی، زمین ایک زلزلہ کے ساتھ یہ سب چیزیں اپنے بطن سے باہر نکال دے گی، کوئی چیز بھی چھپی ہوئی یا دبی ہوئی نہیں رہ جائے گی، یہاں یہ نہیں بتایا گیا کہ اس کے بعد کیا ہوگا؟ اس لئے کہ آگے کا مضمون خود بتا رہا ہے کہ اے انسان! تو اپنے رب کی طرف چلا جا رہا ہے، تو اس کے سامنے حاضر ہونے والا ہے تیرا اعمال نامہ تجھے دیئے جانے والا ہے اور تیرے اعمال نامہ کے مطابق تیری جزاء یا سزا کا فیصلہ ہونے والا ہے۔

اِنَّكَ كَادِحٌ، كَدْحٌ کے معنی کسی کام میں پوری جدوجہد اور توانائی صرف کرنے کے ہیں اور اِلٰى رَبِّكَ کا مطلب ہے اِلٰى لِقَاءِ رَبِّكَ یعنی ساری تگ و دو اور دوڑ دھوپ صرف دنیوی زندگی تک محدود ہے؛ لیکن حقیقت اور واقعہ یہ ہے کہ شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے رب کی طرف جا رہا ہے وہی انسان کی منزل اور ٹھکانہ ہے۔

فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا جس کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا اس سے آسان حساب لیا جائے گا، مطلب یہ ہے کہ اس سے سخت حساب فہمی نہ کی جائے گی، اس سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ فلاں کام تو نے کیوں کیا؟ البتہ جس سے سخت حساب لیا جائے گا اس سے ہر بدی کے لئے سخت مناقشہ کیا جائے گا. بخاری شریف کی ایک حدیث جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا مَنْ حُوْسِبَ یوم القیامة عُذِّبَ، یعنی روز قیامت جس سے حساب لیا گیا وہ مارا گیا، اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سوال کیا کہ کیا قرآن میں حق تعالیٰ نے نہیں فرمایا يُحَاسَبُ حِسَابًا يسيرًا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آیت میں جس کو حساب یسیر فرمایا گیا ہے درحقیقت وہ مکمل حساب نہیں ہے؛ بلکہ صرف رب العالمین کے روبرو پیشی ہے اور جس شخص سے اس کے اعمال کا پورا حساب لیا گیا وہ ہرگز عذاب سے نہ بچے گا۔

اِلٰی اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ، "اہل" سے مراد اہل خاندان، دوست واحباب بھی مراد ہو سکتے ہیں جن کو حساب یسیر کے بعد چھوڑ دیا گیا ہوگا، اور جنت میں ملنے والے حور وغلمان بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ الخ اس آیت میں حق تعالیٰ نے تین چیزوں کی قسم کے ساتھ مؤکد کر کے انسان کو پھر ان چیزوں کی طرف متوجہ کیا ہے جن کا ذکر کچھ پہلے اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰی رَبِّكَ كَدْحًا میں آچکا ہے، یہ تینوں چیزیں جن کی قسم کھائی گئی ہے اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ اس مضمون کی شاہد ہیں جو جواب قسم میں آنے والا ہے، یعنی انسان کو ایک حالت پر قرار نہیں اس کے حالات ہر وقت بدلتے رہتے ہیں۔

﴿تمت﴾

سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اِثْنَتَانِ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً

سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ اِثْنَتَانِ وعِشْرُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ بروج مکی ہے، بائیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ① لِلكَوَاكِبِ اثْنَا عَشَرَ بُرْجٌ تَقَدَّمَتْ فِي الفُرْقَانِ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ② يَوْمِ القِيَامَةِ وَشَاهِدٍ يَومِ الجُمْعَةِ وَّمَشْهُوْدٍ ③ يَومِ عَرَفَةٍ كَذَا فُسِّرَتِ الثَّلٰثَةُ فِي الأحَادِيثِ فَالأَوَّلُ مَوعُودٌ بِهِ وَالثَّانِي شَاهِدٌ بِالعَمَلِ فِيهِ وَالثَّالِثُ يَشْهَدُهُ النَّاسُ وَالمَلَائِكَةُ وَجَوَابُ القَسَمِ مَحْذُوفٌ صَدْرُهُ اي لَقَد قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ④ الشَّقِّ فِي الأَرْضِ النَّارِ بَدَلُ اشْتِمَالٍ مِنهُ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ⑤ مَا تُوقَدُ بِهِ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا اي حَوْلَهَا عَلَى جَانِبِ الأُخْدُودِ عَلَى الكَرَاسِيِّ قُعُوْدٌ ⑥ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ بِاللّٰهِ مِن تَعذِيبِهِم بِالإِلْقَاءِ فِي النَّارِ اِنْ لَمْ يَرْجِعُوا عَن اِيمَانِهِم شُهُوْدٌ ⑦ حُضُورٌ رُوِيَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْجَى المُؤْمِنِينَ المُلْقَيْنَ فِي النَّارِ بِقَبْضِ اَرْوَاحِهِمْ قَبْلَ وُقُوعِهِم فِيهَا وَخَرَجَتِ النَّارُ اِلَى مَنْ ثَمَّ فَاَحْرَقَتْهُمْ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ فِي مُلْكِهِ الْحَمِيْدِ ⑧ المَحْمُودِ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ⑨ اي مَا اَنْكَرَ الكُفَّارُ عَلَى المُؤْمِنِينَ اِلَّا اِيمَانَهُم اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِالإِحْرَاقِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ بِكُفرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ⑩ اي عَذَابُ اِحْرَاقِهِمُ المُؤْمِنِينَ فِي الآخِرَةِ وَقِيلَ فِي الدُّنيَا بِاَن خَرَجَتِ النَّارُ فَاَحْرَقَتْهُم كَمَا تَقَدَّمَ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ⑪ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ بِالكُفَّارِ لَشَدِيْدٌ ⑫ بِحَسْبِ اِرَادَتِهِ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ الخَلْقَ وَيُعِيْدُ ⑬ فَلَا يُعْجِزُهُ مَا يُرِيدُ وَهُوَ الْغَفُوْرُ لِلمُؤْمِنِينَ المُذْنِبِينَ الْوَدُوْدُ ⑭ المُتَوَدِّدُ اِلَى اَوْلِيَائِهِ بِالكَرَامَةِ ذُو الْعَرْشِ خَالِقُهُ وَمَالِكُهُ الْمَجِيْدُ ⑮ بِالرَّفْعِ المُسْتَحِقُّ لِكَمَالِ صِفَاتِ العُلُوِّ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ⑯ لَا يُعْجِزُهُ شَيْءٌ هَلْ اَتٰىكَ يَا مُحَمَّدُ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ⑰ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ⑱ بَدَلٌ مِنَ الجُنُودِ وَاسْتَغْنَى بِذِكْرِ فِرْعَوْنَ عَنْ اَتْبَاعِهِ وَحَدِيثُهُمْ اَنَّهُمْ اُهْلِكُوا بِكُفْرِهِمْ وَهٰذَا تَنْبِيهٌ لِمَنْ كَفَرَ

بالنبی صلی اللہ علیہ وسلّم والقرآن لِیَتَعِظُوا **بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ تَكْذِیْبٍ** ﴿۱۹﴾ بِمَا ذُكِرَ **وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ مُّحِیْطٌ** ﴿۲۰﴾ لا عَاصِمَ لَهُمْ منه **بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ** ﴿۲۱﴾ عظِیمٌ **فِیْ لَوْحٍ** بُوَ فِی الهَوَاءِ فَوْقَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ **مَّحْفُوْظٍ** ﴿۲۲﴾ بالحَرَ مِنَ الشَّیَاطِیْنِ ومِن تَغَیُّرِ شَیْءٍ مِنْهُ وَطُوْلُهُ مَا بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَعَرْضُهُ مَابَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَهُوَ مِنْ دُرَّةٍ بَیْضَاءَ قَالَهُ ابنُ عبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا۔

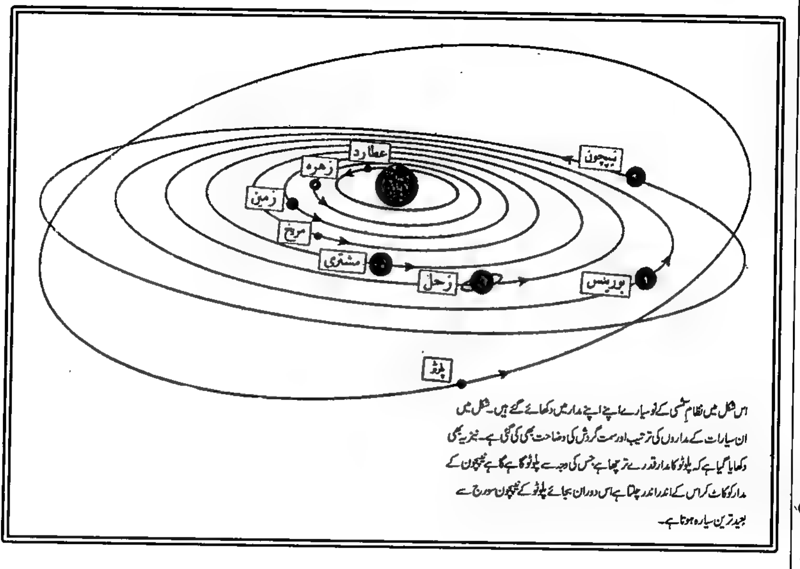
ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، قسم ہے بُرجوں والے آسمان کی سبع سیارہ کے بارہ برج ہیں (جن کی تفصیل سورۂ فرقان میں گذر چکی ہے) اور قسم ہے یومِ موعود (یعنی) قیامت کے دن کی اور حاضر ہونے والے جمعہ کے دن کی قسم اور اس دن کی قسم جس میں حاضری ہوتی ہے یعنی یوم عرفہ کی، حدیث شریف میں تینوں کی ایسی ہی تفسیر کی گئی ہے اول **موعود بہ** ہے دوسرا (یعنی جمعہ) اپنے اندر ہونے والے عمل کی شہادت دینے والا ہے اور تیسرا (یعنی) یوم عرفہ کہ اس میں انسان اور ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور جواب قسم کا صدر محذوف ہے اور وہ **لَقَدْ** ہے ای **لَقَدْ قُتِلَ اَصْحٰبُ الاخدود**، ہلاک کئے گئے گڑھے والے یعنی زمین میں خندق والے، وہ ایک آگ تھی ایندھن والی، **النّار**، **اخدود** سے بدل الاشتمال ہے **وَقُود** اس ایندھن کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ آگ جلائی جاتی ہے، جب کہ وہ لوگ اس خندق کے اردگرد کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے، اور مومنین کے ساتھ ایمان سے باز نہ آنے کی صورت میں آگ میں ڈالنے کا جو عمل کر رہے تھے اس کو اپنے سامنے دیکھ رہے تھے روایت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آگ میں ڈالے جانے والے مومنین کو آگ میں ڈالے جانے سے پہلے روح قبض کر کے نجات دی اور آگ ان لوگوں کی طرف نکلی جو وہاں موجود (تماشہ دیکھ رہے) تھے اور ان کو جلا ڈالا، اور اہل ایمان سے ان کی دشمنی کی وجہ اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ وہ اس اللہ پر جو اپنے ملک میں غالب اور محمود ہے ایمان رکھتے تھے اور آسمانوں اور زمین کی ملکیت اسی کی ہے اور وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے یعنی کافروں کو مومنین کی سوائے ان کے ایمان لانے کے اور کوئی بات ناپسند نہیں تھی، یقیناً ان لوگوں کے لئے جنہوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں پر آگ میں جلا کر ظلم ڈھایا پھر توبہ نہ کی تو ان کے لئے ان کے کفر کی وجہ سے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لئے آخرت میں جلانے کا یعنی مومنین کو آگ میں جلانے کی وجہ سے عذاب ہے اور کہا گیا ہے کہ دنیا ہی میں ہے، اس طریقہ پر کہ (خندق سے) آگ نکلی اور ان کو جلا دیا جیسا کہ ماسبق میں گذرا، جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے یقیناً ان کے لئے جنت کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، یہ ہے بڑی کامیابی بے شک کافروں پر تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے اس کے ارادے کے مطابق، وہی مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا اس کو اس کے ارادہ سے کوئی چیز باز نہیں رکھ سکتی وہ گنہگار مومنین کو بخشنے والا ہے اور اکرام کے ذریعہ اپنے اولیاء سے محبت کرنے والا ہے اور عرش کا مالک ہے یعنی اس کا خالق ہے، اور مالک ہے، اور بزرگ و برتر ہے (**المجیدُ**) کے رفع کے ساتھ، وہ صفاتِ کمالاتِ عالیہ کا مستحق ہے اور جو کچھ چاہے کر ڈالنے والا ہے اس کو کوئی

شئی عاجز نہیں کر سکتی، کیا اے محمد ﷺ! تمہیں فرعون اور ثمود کے لشکروں کی خبر پہنچی؟ یہ جنود سے بدل ہے، اور فرعون کے ذکر کی وجہ سے اس کے اتباع کے ذکر کی ضرورت نہیں رہی، اور ان کا واقعہ یہ ہے کہ ان کو ان کے کفر کی وجہ سے ہلاک کر دیا گیا، اور (در اصل) ان لوگوں کو تنبیہ ہے جنہوں نے نبی ﷺ اور قرآن کا انکار کیا، تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں، مگر جنہوں نے کفر کیا وہ مذکور کے جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں حالانکہ اللہ نے ان کو ہر طرف سے گھیرے میں لے رکھا ہے، اس سے ان کو کوئی نہیں بچا سکتا، بلکہ یہ قرآن بلند پایہ ہے اس لوح میں جو فضا میں ساتویں آسمان کے اوپر ہے محفوظ ہے اور اس کا طول آسمان اور زمین کے فاصلہ کے برابر ہے اور اس کا عرض مشرق سے مغرب تک کی مسافت کے برابر ہے اور وہ (لوح) سفید موتی کی ہے یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

① الحمل ② الثور ③ الجوزاء ④ السرطان ⑤ الاسد ⑥ السنبلة ⑦ الميزان ⑧ العقرب ⑨ القوس ⑩ الجدى ⑪ الدلو ⑫ الحوت، یہ مذکورہ بارہ برج، سات سیاروں کے ہیں، مریخ کے دو برج ہیں، حمل اور عقرب، اور زہرہ کے بھی دو برج ہیں، ثور اور میزان، اور عطارد کے بھی دو دو برج ہیں، الجوزاء اور سنبلہ، قمر کا ایک برج ہے اور وہ سرطان ہے، اور شمس کا بھی ایک ہی ہے اور وہ اسد ہے، اور مشتری کے دو ہیں، القوس اور حوت، اور زحل اس کے بھی دو ہیں، الجدی اور دلو۔





اس شکل میں نظامِ شمسی کے نو سیارے اپنے اپنے مدار میں دکھائے گئے ہیں۔ شکل میں ان سیارات کے مداروں کی ترتیب اور سمت گردش کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ نیز یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ پلوٹو کا مدار قدرے ترچھا ہے، جس کی وجہ سے پلوٹو گاہے گاہے نیپچون کے مدار کو کاٹ کر اس کے اندر اندر چلتا ہے اس دوران بجائے پلوٹو کے نیپچون سورج سے بعید ترین سیارہ ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: الموعود ای موعود بِهٖ هو القيامة.

قَوْلُہٗ: محذوف صَدْرُہٗ یعنی ماضی مثبت جس کا معمول مقدم نہ ہو جب جواب قسم واقع ہو تو اس پر لام اور قد داخل کرنا ضروری ہے ایک پر اکتفا جائز نہیں ہے البتہ طول کلام یا ضرورت کی وجہ سے ایک پر اکتفا کر سکتے ہیں، جیسا کہ قَدْ اَفْلَحَ میں طول کلام کی وجہ سے صرف قد پر اکتفا کیا ہے قُتِلَ اَصْحَابُ الاخدود، ای لَقَدْ قُتِلَ اصحٰبُ الاخدود، اُخْدُوْدٌ مفرد ہے جمع اَخَادِیْدُ بمعنی خندق۔

قَوْلُہٗ: النَّارُ بدل الاشتمال منه، النَّارُ، اُخدود سے بدل اشتمال ہے اس لئے کہ اُخدود، نار پر مشتمل ہے۔

قَوْلُہٗ: الوَقُوْد، واؤ کے فتحہ کے ساتھ بمعنی ایندھن اور ضمہ کے ساتھ مصدر ہے، جلانا۔

قَوْلُہٗ: اِذْهم علَيْها، قُتِل مقدم کا ظرف مؤخر ہے، یعنی مؤمنین کو خندق کی آگ میں جلاتے وقت خندقوں کے کنارے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے، شهودٌ بعض نے کہا ہے کہ شهادۃٌ بمعنی گواہی سے مشتق ہے، یعنی بادشاہ کے حضور بعض بعض کی حسن کارکردگی کی شہادت دیتے تھے یا شهادة بمعنی حُضورٌ سے مشتق ہے، مفسر علام نے یہی معنی مراد لئے ہیں مطلب یہ ہے کہ مومنین کے ساتھ تعذیب اور احراق فی النار کا جو معاملہ کیا جاتا تھا اس کو کرسیوں پر بیٹھ کر تماشہ کے طور پر دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔

قَوْلُہٗ: اَلَّذِیْ لَهٗ مُلك السمٰوات والارض یہ العزیز الحمید کا بیان ہے۔

قَوْلُہٗ: فَلَهُمْ عذابُ جهنم یہ اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوْا کی خبر ہے، مبتداء چونکہ متضمن بمعنی شرط ہے اس لئے خبر پر فاء داخل ہوئی ہے۔

قَوْلُہٗ: بدل مِنَ الجنود، فرعون حذف مضاف کے ساتھ جنود سے بدل ہے، ای جنود فرعون، فرعون کو ذکر کرنے کے بعد اَتباعِ فرعون کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔

قَوْلُہٗ: بِما ذُكِرَ، ای القرآن والنبی ﷺ، مَا سے مراد قرآن یا نبی ﷺ ہیں۔

تَفسیر وتشریح

سورۂ بروج مکہ معظمہ کے اس دور میں نازل ہوئی ہے جب ظلم و ستم پوری شدت کے ساتھ برپا تھا اور مشرکین مکہ مسلمانوں کو سخت سے سخت اذیتیں دے کر ایمان سے منحرف کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

سورۂ بروج کے نزول کی حکمت:

کفار کو اس ظلم وستم کے بُرے انجام سے آگاہ کرنا ہے جو وہ ایمان لانے والوں پر توڑ رہے تھے، اور اہل ایمان کو یہ تسلی دینا ہے کہ اگر وہ ان مظالم کے مقابلہ میں ثابت قدم رہیں گے تو ان کو بہترین اجر ملے گا اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے بدلہ لے گا۔

بُرُوْج، بُرج کی جمع ہے، بڑے محل یا قلعہ کو کہتے ہیں، قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے "وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوْجٍ مُشَيَّدَةٍ" بُرْجٌ کے اصل معنی ظہور کے ہیں، تَبَرُّجٌ بے پردہ کھلے پھرنے کو کہتے ہیں اس آیت میں جمہور مفسرین کے نزدیک بڑے بڑے ستارے مراد ہیں، حضرت ابن عباس، مجاہد، ضحاک، حسن بصری، قتادہ، سدی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان سب حضرات کا یہی قول ہے، یعنی قسم ہے ستاروں والے آسمان کی اور بعض نے آسمان کے دروازے یا چاند کی منزلیں مراد لی ہیں۔ (فتح القدیر)

وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ، شاہد اور مشہود کی تفسیر میں بہت اختلاف ہے، علامہ شوکانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے آثار و روایات کی بنیاد پر کہا ہے کہ شاہد سے مراد جمعہ کا دن ہے، یعنی اس دن جس نے جو بھی عمل کیا ہوگا یہ قیامت کے دن اس کی گواہی دے گا اور مشہود سے مراد عرفہ کا دن ہے جس میں لوگ ۹ رذی الحجہ کو عرفات میں جمع ہوتے ہیں۔

اصحابِ اخدود کا واقعہ:

اس سورت میں "اصحاب اخدود" کا واقعہ بیان ہوا ہے اور یہی واقعہ اس سورت کے نزول کا سبب ہے، گڑھوں میں آگ جلا کر ایمان والوں کو اس میں ڈال کر جلا دینے کے متعدد واقعات روایات میں بیان ہوئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں متعدد مرتبہ اس قسم کے واقعات ہوئے ہیں۔

ان میں سے ایک واقعہ صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ ایک بادشاہ کے پاس ایک ساحر تھا، (بعض روایتوں میں کاہن کا لفظ ہے) جب وہ ساحر بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں لہٰذا مجھے ایک ذہین لڑکا دے دیا جائے تاکہ میں اس کو اپنا علم سحر سکھا دوں میرے مرنے کے بعد اس علم کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے بادشاہ نے ایک ذہین لڑکا مقرر کر دیا وہ لڑکا ساحر کے پاس جاتے آتے ایک راہب سے بھی راستہ میں ملنے لگا اور اس کی باتوں سے متاثر ہو کر ایمان لے آیا حتی کہ اس کی تربیت سے صاحب کشف و کرامات ہو گیا، جس بادشاہ کا ذکر اس واقعہ میں آیا ہے وہ ملک یمن کا بادشاہ تھا جس کا نام حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں یوسف ذونواس بتایا گیا ہے، اس کا زمانہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت سے ستر سال پہلے تھا اور اس لڑکے کا نام جس کو سحر سیکھنے کے لئے مقرر کیا

گیا تھا عبداللہ بن تامر تھا، اور وہ راہب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذہب کا پیروکار تھا، وہ لڑکا کشف و کرامات کے ذریعہ ندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو تندرست کرنے لگا، اللہ تعالیٰ نے اسے ایسا پختہ ایمان نصیب فرمایا کہ ایمان کی خاطر لوگوں کی ذیتیں برداشت کرتا تھا، ساحر کے پاس جاتے وقت راستہ میں راہب کے پاس کچھ دیر بیٹھتا تھا جس کی وجہ سے ساحر اس کو تاخیر کی وجہ سے مارتا تھا اور واپسی کے وقت بھی راہب کے پاس بیٹھتا جس کی وجہ سے گھر پہنچنے میں دیر ہو جاتی تو گھر والے س کی پٹائی کرتے، مگر اس نے کسی کی پرواہ کئے بغیر راہب کی صحبت اور مجالست نہ چھوڑی، اور خفیہ طور پر مسلمان ہو گیا، ایک ر اس لڑکے نے دیکھا کہ شیر وغیرہ کسی درندے نے راستہ روک رکھا ہے اور لوگ پریشان ہیں تو اس نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر دعاء کی کہ اے اللہ! اگر راہب کا دین سچا ہے تو یہ جانور میرے پتھر سے مارا جائے اور اگر کاہن کا دین سچا ہے تو نہ مارا جائے، یہ کہہ کر اس نے پتھر مارا جس کی وجہ سے وہ شیر ہلاک ہو گیا، اس واقعہ سے لوگوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ اس لڑکے کو کوئی عجیب علم آتا ہے ایک نابینا نے جب یہ سنا تو آ کر درخواست کی کہ میری آنکھیں اچھی ہو جائیں گی؟ لڑکے نے کہا بشرطیکہ تو مسلمان ہو جائے۔ نابینا نے یہ شرط قبول کر لی، لڑکے نے اللہ سے دعاء کی چنانچہ وہ نابینا بینا ہو گیا اسی قسم کے بہت سے واقعات و کرامات ظاہر ہوئیں، جب بادشاہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے راہب کو اور لڑکے کو اور نابینا کو گرفتار کر کے حاضر کرنے کا حکم دیا چنانچہ تینوں گرفتار کر کے بادشاہ کی خدمت میں حاضر کئے گئے راہب اور نابینا کو تو فوراً ہی قتل کرا دیا، اور ڑکے کے لئے حکم دیا کہ اس کو پہاڑ کے اوپر سے گرا کر ہلاک کر دیا جائے، مگر جو لوگ اس کو لے کر پہاڑ پر گئے تھے وہ سب ہلاک ہو گئے اور لڑکا صحیح سلامت واپس آ گیا، اس کے بعد بادشاہ نے دریا میں غرق کرنے کا حکم دیا وہ اس سے بھی بچ گیا اور جو لوگ اس کو لے کر گئے تھے وہ سب غرق ہو گئے غرضیکہ کوئی ہتھیار اور کوئی حربہ کارگر نہ ہوا آخر کار لڑکے نے بادشاہ سے کہا گر تو مجھے قتل کرنا ہی چاہتا ہے تو مجمع عام میں "بِاسْمِ اللّٰهِ رَبِّ هٰذَا الغلام" کہہ کر تیر مار میں مر جاؤں گا، چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور لڑکا مر گیا، لوگ پکار اٹھے کہ ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لے آئے، بادشاہ کے مصاحبوں نے بادشاہ سے کہہ دیا کہ یہ تو وہی کچھ ہو گیا جس سے آپ بچنا چاہتے تھے، لوگوں نے آپ کے دین کو چھوڑ کر لڑکے کے دین کو قبول کر لیا، بادشاہ یہ دیکھ کر غصے میں بھر گیا، اس نے خندقیں کھدوائیں اور ان کو آگ سے بھر دیا اور اشتہار دیا کہ جو اسلام سے نہ پھرے گا اس آگ میں جلا دیا جائے گا چنانچہ ایک ایک مسلمان کو لایا جاتا اور اس سے کہا جاتا کہ یا تو ایمان ترک کر و، ورنہ اس خندق میں جلنا پڑے گا، اللہ تعالیٰ نے ان مومنین کو ایسی استقامت بخشی کہ ان میں سے ایک بھی ایمان چھوڑنے پر راضی نہ ہوا اور آگ میں جل کر مر جانا قبول کیا صرف ایک عورت جس کی گود میں شیرخوار بچہ تھا وہ جھجکی تو فوراً ہی وہ بچہ بولا اے اماں! تو صبر کر کیونکہ تو حق پر ہے، جن لوگوں کو اس ظالم بادشاہ نے اس طرح آگ میں جلا کر ہلاک کیا ان کی تعداد بعض روایات میں بارہ ہزار اور بعض میں اس سے بھی زیادہ آئی ہے۔

(روح المعانی، احمد، مسلم، ترمذی، ابن جریر، عبدالرزاق ابن ابی شیبہ وغیرہ)

عجیب تاریخی واقعہ:

محمد بن اسحاق کی روایت میں ہے کہ یہ لڑکا جس کا نام عبداللہ بن تامر تھا جس جگہ مدفون تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں کسی ضرورت سے جب وہ زمین کھودی گئی تو اس میں سے عبداللہ بن تامر کا جسم صحیح سالم اس طرح برآمد ہوا کہ ان کا ہاتھ تیر لگنے کی جگہ کنپٹی پر رکھا ہوا ہے، کسی شخص نے ان کا ہاتھ کنپٹی سے ہٹایا تو زخم سے خون جاری ہوگیا جب ہاتھ اسی جگہ رکھ دیا تو خون بند ہوگیا ان کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی تھی جس پر "اللّٰہ ربّی" لکھا ہوا تھا، یمن کے حاکم نے اس واقعہ کی اطلاع مدینہ منورہ فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دی تو آپ نے جواب میں لکھا کہ ان کو ان کی ہیئت پر مع انگوٹھی کے اسی جگہ دفن کر دیا جائے جہاں وہ ظاہر ہوئے ہیں۔ (معارف، ابن کثیر)

فَائِدَة: ابن کثیر نے بحوالہ ابن ابی حاتم نقل کیا ہے کہ آگ کی خندق کے واقعات دنیا میں مختلف ملکوں اور مختلف زمانوں میں پیش آئے ہیں، ابن ابی حاتم نے خصوصیت کے ساتھ تین واقعات کا ذکر کیا ہے۔

پہلا واقعہ:

یہی ہے جو اوپر مذکور ہوا جو کہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت سے ستر سال قبل ملک یمن میں پیش آیا، دوسرا واقعہ شام میں، تیسرا فارس میں، اس سورت میں جس واقعہ کا ذکر ہے وہ ملک یمن نجران کے علاقہ میں پیش آیا تھا، یہ عرب کا علاقہ تھا۔ (معارف)

دوسرا واقعہ:

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ ایران کے ایک بادشاہ نے شراب پی کر اپنی بہن سے زنا کیا اور دونوں کے درمیان تعلقات استوار ہوگئے جب بات کھل گئی اور لوگوں میں اس کا بہت چرچا ہوگیا تو بادشاہ نے اعلان کرایا کہ خدا نے بہن سے نکاح حلال کر دیا ہے لوگوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا تو اس نے لوگوں کو طرح طرح کے عذاب دے کر یہ بات ماننے پر مجبور کیا یہاں تک کہ وہ آگ سے بھری ہوئی خندقوں میں ہر اس شخص کو ڈلوا دیتا تھا جو اس بات کو ماننے سے انکار کرتا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ اسی وقت سے مجوسیوں میں محرمات سے نکاح کا طریقہ رائج ہوا ہے۔ (ابن جریر)

تیسرا واقعہ:

حضرت ابن عباس نے غالباً اسرائیلی روایات سے نقل کیا ہے کہ بابل والوں نے یہودیوں کو دین موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منحرف ہو جانے پر مجبور کیا تھا یہاں تک کہ انہوں نے آگ سے بھری ہوئی خندقوں میں ان لوگوں کو پھینک دیا جو اس سے انکار کرتے تھے۔ (ابن جریر، عبد بن حمید)

اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ یہ ان ظالموں کی سزا کا بیان ہے جنہوں نے مسلمانوں کو صرف ان کے ایمان کی بناء پر آگ کی خندق میں ڈال کر جلایا تھا اور سزا میں دو باتیں ارشاد فرمائیں فَلَهُمْ عذابُ جهنّم یعنی ان کے لئے آخرت میں جہنم کا عذاب ہے دوسری وَلَهُمْ عذاب الحریق یعنی ان کے لئے جلنے کا عذاب ہے، ہوسکتا ہے کہ دوسرا جملہ پہلے جملہ کا بیان اور تاکید ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ دوسرے جملے میں ان کی اسی سزا کا ذکر ہو جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ جن مومنین کو ان لوگوں نے آگ کی خندق میں ڈالا تھا اللہ نے ان کو تو تکلیف سے اس طرح بچالیا کہ آگ کے چھونے سے پہلے ہی ان کی ارواح قبض کر لی گئیں، پھر یہ آگ اس قدر بھڑک اٹھی کہ خندق کی حدود سے نکل کر شہر میں پھیل گئی اور ان سب لوگوں کو جو مسلمانوں کے جلنے کا تماشہ دیکھ رہے تھے اس آگ نے جلا دیا صرف بادشاہ یوسف ذونواس بھاگ نکلا اور آگ سے بچنے کے لئے دریا میں کود گیا جس کی وجہ سے غرق ہو کر مر گیا۔

(مظہری)



سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سَبْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً

سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ سَبْعَ عَشَرَةَ اٰيَةً.

سورۂ طارق مکی ہے، سترہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ﴿١﴾ اَصْلُهٗ كُلُّ اٰتٍ لَيْلًا وَمِنْهُ النُّجُوْمُ لِطُلُوْعِهَا لَيْلًا وَمَآ اَدْرٰىكَ اَعْلَمَكَ مَا الطَّارِقُ ﴿٢﴾ مُبْتَدأٌ وخَبرٌ فِي مَحَلِّ المَفْعُوْلِ الثَّانِيْ لِاَدْرٰى وَمَا بَعْدَ مَا الأُوْلٰى خَبَرُهَا وفِيْهِ تَعْظِيْمٌ لِشَانِ الطَّارِقِ المفَسَّرِ بِمَا بَعْدَهٗ هُوَ النَّجْمُ اى الثُّرَيَّا او كُلُّ نَجمٍ الثَّاقِبُ ﴿٣﴾ الْمُضِيْءُ لِثَقْبِهِ الظَّلَامَ بِضَوْئِهٖ وَجَوَابُ القَسَمِ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴿٤﴾ بِتَخْفِيْفِ مَا فَهِيَ مَزِيْدَةٌ وَاِنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ وَاسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اى اِنَّهٗ واللَّامُ فَارِقَةٌ وبِتَشْدِيْدِهَا فَاِنْ نَافِيَةٌ ولَمَّا بِمَعْنٰى اِلَّا وَالحَافِظُ مِنَ المَلَائِكَةِ يَحْفَظُ عَمَلَهَا مِنْ خَيْرٍ وشَرٍّ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ نَظَرَ اعْتِبَارٍ مِمَّ خُلِقَ ﴿٥﴾ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ جَوَابُهٗ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ﴿٦﴾ ذِيْ اِنْدِفَاقٍ مِنَ الرَّجُلِ والمَرْاَةِ فِي رَحِمِهَا يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ لِلرَّجُلِ وَالتَّرَآئِبِ ﴿٧﴾ لِلْمَرْاَةِ وهِيَ عِظَامُ الصَّدْرِ اِنَّهٗ تَعَالٰى عَلٰى رَجْعِهٖ بَعْثِ الْاِنْسَانِ بَعْدَ مَوْتِهٖ لَقَادِرٌ ﴿٨﴾ فَاِذَا اعْتَبَرَ اَصْلَهٗ عَلِمَ اَنَّ الْقَادِرَ عَلٰى ذٰلِكَ قَادِرٌ عَلٰى بَعْثِهٖ يَوْمَ تُبْلَى تُخْتَبَرُ وتُكْشَفُ السَّرَآئِرُ ﴿٩﴾ ضَمَائِرُ القُلُوْبِ فِي العَقَائِدِ والنِّيَّاتِ فَمَا لَهٗ لِمُنْكِرِ البَعْثِ مِنْ قُوَّةٍ يَمْتَنِعُ بِهَا عَنِ الْعَذَابِ وَّلَا نَاصِرٍ ﴿١٠﴾ يَدْفَعُهٗ عَنْهُ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿١١﴾ المَطَرِ لِعَوْدِهٖ كُلَّ حِيْنٍ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿١٢﴾ الشَّقِّ عَنِ النَّبَاتِ اِنَّهٗ اى القُرْاٰنُ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿١٣﴾ يَفْصِلُ بَيْنَ الحَقِّ وَالبَاطِلِ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿١٤﴾ بِاللَّعِبِ والبَاطِلِ اِنَّهُمْ اى الكُفَّارَ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿١٥﴾ يَعْمَلُوْنَ المَكَائِدَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿١٦﴾ اَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ فَمَهِّلِ يَا مُحَمَّدُ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ تَاكِيْدٌ حَسَّنَهٗ مُخَالَفَةُ اللَّفْظِ اى اَنْظِرْهُمْ رُوَيْدًا ﴿١٧﴾ قَلِيْلًا وَهُوَ مَصْدَرٌ مُؤَكِّدٌ لِمَعْنَى العَامِلِ مُصَغَّرُ رُوْدًا اَوْ اِرْوَادٍ عَلَى التَّرْخِيْمِ وقَدْ اَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ ونُسِخَ الْاِمْهَالُ بِاٰيَةِ السَّيْفِ اى بِالْاَمْرِ بِالْجِهَادِ والقِتَالِ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، قسم ہے آسمان کی اور اس چیز کی جو رات کو نمودار ہونے والی ہے طارق اصل میں رات میں ہر آنے والے کو کہتے ہیں، اور اسی میں سے ستارے ہیں اس لئے کہ یہ بھی رات ہی کو طلوع ہوتے ہیں، اور آپ ﷺ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا ہے؟ (مَا الطارق) مبتداء اور خبر ہیں جو کہ اَدْرٰی کے مفعول ثانی کے محل میں ہے اور پہلے مَا کا مابعد اس کی خبر ہے اور اس میں طارق کی شان کی تعظیم ہے جس کی مابعد کے ذریعہ تفسیر کی گئی ہے (اور طارق) روشن ثریا یا ہر روشن ستارہ ہے جو اپنی روشنی کے ذریعہ تاریکی کو پھاڑنے کی وجہ سے ثاقب کہلاتا ہے اور جواب قسم محذوف ہے، کوئی جان ایسی نہیں کہ جس کے اوپر کوئی نگہبان نہ ہو، مَا کی تخفیف کے ساتھ، سو وہ زائدہ ہے اور اِنْ ثقیلہ سے مخففہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے ای اِنَّهٗ اور لام (مخففہ اور نافیہ) کے درمیان فارقہ ہے اور لَمَّا تشدید کے ساتھ بھی ہے سو اِنْ نافیہ ہے اور لَمَّا بمعنی اِلَّا ہے اور نگرانی کرنے والے فرشتے ہیں جو کہ ہر نفس کے اچھے برے عمل کی نگرانی کرتے ہیں پھر ذرا انسان اسی پر عبرت کی نظر کرے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ اس کا جواب خُلِقَ مِنْ مَاءٍ دَافِقٍ ہے (یعنی) مرد اور عورت کے رحم میں اچھلنے والی پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو مرد کی پیٹھ اور عورت کی پسلیوں کے درمیان سے نکلتا ہے اور تَرَائب سینے کی ہڈیوں کو کہتے ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ انسان کے مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے پس جب انسان اپنی اصل میں نظر عبرت سے غور کرے گا تو یہ بات سمجھ لے گا کہ جو ذات اس (ابتداء تخلیق) پر قادر ہے وہ اس کے اعادہ پر بھی قادر ہے، جس روز پوشیدہ اسرار کی جانچ پڑتال ہوگی اور ظاہر کئے جائیں گے، یعنی عقیدے اور نیتوں کے بارے میں دلوں کے مخفی رازوں کی (جانچ پڑتال ہوگی) تو اس وقت اس منکر بعث کے پاس نہ خود اپنا کوئی زور ہوگا کہ جس کے ذریعہ عذاب سے بچ سکے، اور نہ کوئی اس کی مدد کرنے والا ہوگا جو اس کا دفاع کر سکے اور قسم ہے بارش برسانے والے آسمان کی مطر کو رَجْعٌ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ بار بار رجوع کرتی ہے، اور شگاف والی زمین کی یعنی وہ شگاف جو نباتات کے نکلنے سے ہوتے ہیں بلاشبہ یہ قرآن ایک قول فیصل ہے، (جو) حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرتا ہے، اور وہ کوئی ہنسی مذاق نہیں ہے یعنی لہو ولعب اور باطل نہیں ہے، یہ کفار کچھ چالیں چل رہے ہیں یعنی نبی ﷺ کے ساتھ مکر کر رہے ہیں اور میں بھی ایک چال چل رہا ہوں، یعنی ان کو ڈھیل دے رہا ہوں اس طریقہ پر کہ وہ سمجھ نہیں پا رہے ہیں پس اے محمد ﷺ! ان کافروں کو چھوڑ دو اَمْهِلْهُمْ تاکید ہے لفظی الفت نے اس میں حسن پیدا کر دیا ہے یعنی ان کو کچھ وقت مہلت دیجئے (رُوَیْدًا) معنی عامل کے لئے مؤکد ہے اور رُوَیْدًا حذف زوائد کے ساتھ اِرْوَادٌ کا مصغر ہے، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بدر میں پکڑ لیا، اور مہلت آیت سیف سے منسوخ ہوگئی، یعنی قتال و جہاد کے حکم سے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اَصْلُهٗ كُلُّ آتٍ لَيْلًا، طارق، طارق لغت میں کھٹکھٹانے والے کو کہتے ہیں رات میں آنے والے کو اسی لئے طارق کہتے ہیں کہ وہ بھی دروازہ کھٹکھٹاتا ہے، پھر اس میں وسعت کر کے رات میں ہر ظاہر ہونے والی چیز پر اطلاق ہونے لگا، پھر اس میں بھی توسیع دے کر مطلقاً ظاہر ہونے والی چیز کو کہا جانے لگا خواہ دن میں ظاہر ہو یا رات میں، اسی سے یہ حدیث ہے "اَعُوْذُبِكَ مِن شرِّ طارقِ الليل والنهارِ الّا طارقًا يَطرقُ بخيرٍ يا رحمن".

قَوْلُہٗ: وَمَا اَدْرٰكَ استفہام انکاری ہے اور مَا الطارق میں استفہام تعظیم وتفخیم کے لئے ہے۔

قَوْلُہٗ: النجم، هُوَ مبتداء محذوف کی خبر ہے، اور یہ اس ابہام کی تفسیر بھی ہے جو استفہام سے پیدا ہوا ہے۔

قَوْلُہٗ: الثُريّا او كل نجمٍ یہ النجم کی تفسیر کے تین اقوال میں سے دو ہیں تیسرا قول زحل کا ہے اور زحل کا مقام ساتواں آسمان ہے زحل آسمان کی خوبصورت ترین چیزوں میں سے ہے۔

قَوْلُہٗ: اِنْ كُلُّ نفسٍ الخ جوابِ قسم ہے، قسم اور جوابِ قسم کے درمیان وَمَا اَدْرٰكَ الخ جملہ معترضہ ہے جو کہ مقسم بہٖ کی عظمت کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: بتخفيف مَا، لَمَا میں دو قراءتیں ہیں اول مَا کی تخفیف کے ساتھ زائدہ اس صورت میں اِنْ مخففہ عن الثقیلہ ہوگا اور اس کا اسم محذوف ہوگا، ای اِنَّهٗ اور لَمَا کا لام اِنْ مخففہ اور نافیہ کے درمیان فارقہ ہوگا۔

قَوْلُہٗ: بتشديدها یہ لَمَّا کی دوسری قراءت کا بیان ہے اس صورت میں لَمَّا مشدد بمعنی اِلَّا ہوگا اور اِن نافیہ ہوگا۔

قَوْلُہٗ: ذی اِندِفَاقٍ یہ دَافِقٍ کی تفسیر ہے اس تفسیر کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ دَافِقٍ اسم فاعل برائے نسبت ہے، جیسا کہ لَابِنٌ دودھ فروخت کرنے والا، تَامِرٌ تمر فروخت کرنے والا، دافقٌ اچھلنے والا۔

قَوْلُہٗ: فی رحمها یہ دافق سے متعلق ہے، مطلب یہ ہے کہ مرد کے نطفہ کا اندفاق، رحم مادر میں ہوتا ہے اور عورت کے نطفہ کا آلیا اندفاق تو رحم کے اندر ہوتا ہی ہے اس طرح مرد اور عورت دونوں کے نطفہ کا اندفاق رحم ہی میں ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: من بَيْنِ الصلبِ میں بین زائدہ ہے اس لئے کہ بین کا استعمال متعدد میں ہوتا ہے اور صلب میں تعدد نہیں ہے الا یہ کہ صلب سے مراد اجزاء صلب ہوں تو تعدد کی صورت ہو سکتی ہے۔

قَوْلُہٗ: اِنَّهٗ لقولٌ فصلٌ، فصل بمعنی فاصل ہے یہ والسماء ذات الرجع الخ کا جواب قسم ہے۔

قَوْلُہٗ: تاكيد حسَنَهٗ مخالفة اللفظ یعنی اَمْهِلْهُمْ، فَمَهِّلْ کی تاکید ہے مؤکد اور مؤکَد کے درمیان لفظی اختلاف نے ایک قسم کا حسن پیدا کر دیا ہے اور وہ اختلاف یہ ہے کہ مؤکد یعنی فمهل میں اسناد اسم ظاہر یعنی کافرین کی طرف ہے اور مؤکَد یعنی اَمْهِلْهُمْ میں ضمیر هم کی جانب ہے اس اختلاف سے افادۂ جدید ہوا جو کہ حکم میں تاسیس کے ہے اور تاسیس تاکید سے بہتر ہے،

اور مؤکد ومؤکد میں صیغہ کے اعتبار سے بھی اختلاف ہے یہ اختلاف بھی عبارت کے تنوع پر دلالت کرتا ہے جو کہ مطلوب ہے۔

قِوْلَہُ: علی الترحیم اس کا تعلق ارو ادًا سے ہے، اور رُوَیْدًا اِرْوَادًا کی تصغیر ہے حذف زوائد کے بعد، امہال کا حکم جہاد کے حکم سے منسوخ ہوگیا۔

تَفسِیر وتَشریح

وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ اس سورت میں حق تعالیٰ نے آسمان اور ستاروں کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا ہے کہ ہر انسان پر محافظ اور نگران مقرر ہے جو اس کے تمام حرکات وسکنات وافعال واعمال کو دیکھتا اور لکھتا ہے اور یہ لکھنا اور محفوظ کرنا حساب کے لئے ہے جو قیامت کے دن ہوگا اس لئے عقل کا تقاضہ ہے کہ انسان کبھی آخرت کی فکر سے غافل نہ ہو۔

حضرت خالد عدوانی رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو ثقیف کے بازار میں کمان یا لاٹھی کے سہارے کھڑے دیکھا آپ ﷺ میرے پاس مدد حاصل کرنے آئے تھے، میں نے وہاں آپ ﷺ سے سورۂ طارق سنی اور میں نے اسے یاد کرلیا حالانکہ میں ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا پھر مجھے اللہ نے ایمان کی دولت سے نواز دیا۔ (مسند احمد، مجمع الزوائد)

طارق سے کیا مراد ہے؟ خود قرآن نے واضح کردیا کہ روشن ستارہ مراد ہے، طارق طروق سے ماخوذ ہے جس کے لغوی معنی کھٹکھٹانے کے ہیں، رات میں آنے والے کو بھی طارق کہتے ہیں اس لئے کہ وہ بھی دروازہ کھٹکھٹاتا ہے ستاروں کو بھی اسی لئے طارق کہتے ہیں کہ وہ دن کو چھپے رہتے ہیں اور رات کو نمودار ہوتے ہیں۔

اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَمَّا عَلَيْهَا حافظ یعنی ہر نفس پر اللہ کی طرف سے محافظ اور نگران مقرر ہیں اور وہ فرشتے ہیں جیسا کہ سورۂ رعد کی آیت ۱۱ سے معلوم ہوتا ہے اور بعض مفسرین نے حافظ سے مراد خود اللہ تعالیٰ کو لیا ہے۔

يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ "صلب" ریڑھ کی ہڈی کو کہتے ہیں اور تَرَائب، تَرِيْبَةٌ کی جمع ہے سینے کے اس حصہ کو کہتے ہیں جہاں ہار پہنا جاتا ہے، انسان کا مادۂ تولید اس حصہ سے نکلتا ہے جو صلب اور سینے کے درمیان واقع ہے۔

خُلِقَ مِنْ مَاءٍ دَافِقٍ یعنی انسان کو ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے انسان کا مادۂ تولید مرد کی پیٹھ اور عورت کے سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے خارج ہوتا ہے اور یہ مادہ انسان کے ہر عضو سے نکل کر یہاں جمع ہوتا ہے لہٰذا دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

والسماء ذات الرجع، رجعٌ کے لغوی معنی لوٹنا، پلٹنا کے ہیں، بارش کو رجع اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ پلٹ کر بار بار آتی ہے۔

اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ یہ جواب قسم ہے یعنی کھول کر بیان کرنے والا جس سے حق و باطل میں امتیاز ہو جائے وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ یعنی جس طرح آسمان سے بارش کا برسنا اور زمین کا شق ہو کر نباتات کو اپنے اندر سے اگلنا کوئی مذاق نہیں ہے بلکہ ایک سنجیدہ حقیقت ہے، اسی طرح قرآن خبر دے رہا ہے کہ انسان کو پھر اپنے خدا کی طرف پلٹنا ہے یہ بھی کوئی ہنسی مذاق کی بات نہیں ہے بلکہ ایک دوٹوک بات ہے اور ایک سنجیدہ حقیقت ہے جسے پورا ہو کر رہنا ہے۔

اِنَّهُمْ یَكِیْدُوْنَ كَیْدًا یعنی یہ کفار قرآنی دعوت کو شکست دینے کے لئے طرح طرح کی چالیں چل رہے ہیں، اپنی پھونکوں سے اس چراغ کو بجھانا چاہتے ہیں، ہر قسم کے شبہات لوگوں کے دلوں میں ڈال رہے ہیں، ایک سے ایک جھوٹا الزام تراش کر اس کے پیش کرنے والے نبی ﷺ پر لگا رہے ہیں تاکہ دنیا میں اس کی بات چلنے نہ پائے اور کفر و جہالت کی وہی تاریکی چھائی رہے جسے وہ چھانٹنے کی کوشش کر رہا ہے، اور خدا بھی ایک تدبیر کر رہا ہے کہ ان کی کوئی تدبیر اور مکر چلنے نہ پائے اور وہ نور پھیل کر رہے جسے یہ بجھانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔



سُوْرَةُ الْاَعْلٰی مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً

سُوْرَةُ الْاَعْلٰی مَكِّيَّةٌ تِسْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً.

سورۂ اعلیٰ مکی ہے، انیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ اى نَزِّهْ رَبَّكَ عَمَّا لَا يَلِيْقُ بِه وَلَفْظُ اِسْمِ زَائِدٌ الْاَعْلَى ۝۱ صِفَةٌ لِرَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝۲ مَخْلُوْقَهُ جَعَلَهُ مُتَنَاسِبَ الْاَجْزَاءِ غَيْرَ مُتَفَاوِتٍ وَالَّذِيْ قَدَّرَ مَا شَاءَ فَهَدٰى ۝۳ اِلٰى مَا قَدَّرَهُ مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ وَالَّذِيْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۝۴ اَنْبَتَ الْعُشْبَ فَجَعَلَهُ بَعْدَ الْخُضْرَةِ غُثَاءً جَافًا هَشِيْمًا اَحْوٰى ۝۵ اَسْوَدَ يَابِسًا سَنُقْرِئُكَ الْقُرْاٰنَ فَلَا تَنْسٰى ۝۶ مَا تَقْرَؤُهُ اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَنْسَاهُ بِنَسْخِ تِلَاوَتِه وَحُكْمِه وَكَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ مَعَ قِرَاءَةِ جِبْرِيْلَ خَوْفَ النِّسْيَانِ فَكَاَنَّهُ قِيْلَ لَهُ لَا تَعْجَلْ بِهَا اَنَّكَ لَا تَنْسٰى فَلَا تُتْعِبْ نَفْسَكَ بِالْجَهْرِ بِهَا اِنَّهُ تَعَالٰى يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَالْفِعْلِ وَمَا يَخْفٰى ۝۷ مِنْهُمَا وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۝۸ لِلشَّرِيْعَةِ السَّهْلَةِ وَهِيَ الْاِسْلَامُ فَذَكِّرْ عِظْ بِالْقُرْاٰنِ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۝۹ مَنْ تَذَكَّرَهُ الْمَذْكُوْرُ فِيْ سَيَذَّكَّرُ بِهَا مَنْ يَّخْشٰى ۝۱۰ يَخَافُ اللّٰهَ تَعَالٰى كَاٰيَةِ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ وَيَتَجَنَّبُهَا اى الذِّكْرٰى يَتْرُكُهَا جَانِبًا لَا يَلْتَفِتُ اِلَيْهَا الْاَشْقَى ۝۱۱ بِمَعْنَى الشَّقِيِّ اى الْكَافِرُ الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۝۱۲ هِيَ نَارُ الْاٰخِرَةِ وَالصُّغْرٰى نَارُ الدُّنْيَا ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا فَيَسْتَرِيْحَ وَلَا يَحْيٰى ۝۱۳ حَيَاةً هَنِيْئَةً قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝۱۴ تَطَهَّرَ بِالْاِيْمَانِ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ مُكَبِّرًا فَصَلّٰى ۝۱۵ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ وَذٰلِكَ مِنْ اُمُوْرِ الْاٰخِرَةِ وَكُفَّارُ مَكَّةَ مُعْرِضُوْنَ عَنْهَا بَلْ تُؤْثِرُوْنَ بِالتَّحْتَانِيَّةِ وَالْفَوْقَانِيَّةِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝۱۶ عَلَى الْاٰخِرَةِ وَالْاٰخِرَةُ الْمُشْتَمِلَةُ عَلَى الْجَنَّةِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝۱۷ اِنَّ هٰذَا اى فَلَاحَ مَنْ تَزَكّٰى وَكَوْنَ الْاٰخِرَةِ خَيْرًا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝۱۸ الْمُنَزَّلَةِ قَبْلَ الْقُرْاٰنِ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۝۱۹ وَهِيَ عَشْرُ صُحُفٍ لِاِبْرَاهِيْمَ وَالتَّوْرَاةُ لِمُوْسٰى.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، (اے نبی ﷺ!) اپنے رب برتر کے

نام کی تسبیح کر یعنی اپنے رب کی ان چیزوں سے پاکی بیان کر جو اس کی شایانِ شان نہیں ہیں، اور لفظ اسم زائد ہے (اَلْاَعْلٰی) رب کی صفت ہے جس نے پیدا کیا اور اپنی مخلوق کو درست کیا (یعنی) متناسب الاعضاء بنایا نہ کہ غیر متناسب جس نے جیسی چاہی تقدیر بنائی پھر اس نے اس خیر و شر کی راہ بتائی جو اس نے مقدر فرمائی جس نے نباتات گھاس اگائی پھر اس کو ہریالی کے بعد سوکھا سیاہ کوڑا کرکٹ کر دیا ہم قرآن آپ کو پڑھوا دیں گے پھر آپ ﷺ جو پڑھیں گے اس کو نہ بھولیں گے سوائے اس کے کہ جس کو اللہ بھلانا چاہے گا اس حکم اور اس کی تلاوت کو منسوخ کر کے، اور آپ ﷺ جبرائیل علیہ السلام کی قراءت کے ساتھ ساتھ بھولنے کے خوف سے زور زور سے قراءت کرتے تھے گویا آپ ﷺ کو یہ فرمایا گیا کہ جلدی نہ کیجئے، آپ ﷺ بھولیں گے نہیں، اس لئے زور سے پڑھ تعب نہ اٹھائیے، اور اللہ تعالیٰ ظاہر قول و فعل کو بھی جانتا ہے اور پوشیدہ قول و فعل کو بھی (جانتا ہے) اور ہم آپ ﷺ کو آسان شریعت کی سہولت دیتے ہیں اور وہ اسلام ہے، سو آپ ﷺ قرآن کے ذریعہ نصیحت کرتے رہیں اگر نصیحت نافع ہو اس شخص کو جس کو آپ ﷺ نصیحت فرمائیں جو کہ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى میں مذکور ہے جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے نصیحت حاصل کرے گا جیسا کہ آیت فَذَكِّرْ بالقرآن مَن يخاف وعيد میں ہے، یعنی آپ ﷺ اس شخص کو نصیحت فرمائیں جو وعید سے ڈرتا ہے اور اس نصیحت کو وہ شخص درکنار کرے گا یعنی اس کی طرف توجہ نہ کرے گا جو انتہائی بدبخت ہوگا جو بڑی آگ میں داخل ہوگا اور اشقٰی بمعنی شقی، یعنی کافر ہے اور وہ (بڑی آگ) آخرت کی آگ ہے اور چھوٹی آگ دنیا کی آگ ہے، پھر وہ اس میں نہ مرے گا کہ راحت پا جائے اور نہ خوشگواری کی زندگی جئے گا، وہ شخص کامیاب ہوگا جس نے ایمان کے ذریعہ پاکیزگی اختیار کی اور اپنے رب کا نام یاد کیا تکبیر کہتے ہوئے، پھر پنج وقتہ نماز پڑھی اور یہ امور آخرت میں سے ہیں اور مکہ کے کافر روگردانی کرتے ہیں تم لوگ دنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہو (تُؤثِرُون) یا اور تاء کے ساتھ ہے حالانکہ آخرت جو کہ جنت پر مشتمل ہے بہتر اور باقی رہنے والی ہے بلاشبہ یہی بات یعنی پاکیزگی حاصل کرنے والے کی فلاح اور آخرت کا بہتر اور دائمی ہونا پہلے صحیفوں میں ہے اور ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں بھی جو قرآن سے پہلے نازل ہوئے ہیں اور وہ ابراہیم علیہ السلام کے دس صحیفے اور موسیٰ علیہ السلام کی تورات ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: صِفَةٌ لِرَبِّكَ یعنی اَلْاَعْلٰی، ربّ کی صفت ہے اس کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اَلْاَعْلٰی، اِسْمَ کی صفت نہیں ہے اس لئے کہ اَلَّذِی، رَبِّكَ کی صفت ہے ورنہ تو یہ خرابی لازم آئے گی کہ موصوف ربك اور صفت الذی خَلَقَ کے درمیان غیر صفت یعنی الاعلی کا فصل ہے جو کہ درست نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: غُثَاء، غُثَاء اس کوڑے کرکٹ کو کہتے ہیں جو سطح آب پر بہہ کر چلا آتا ہے، یہاں مطلقاً سوکھا سیاہ کوڑا کرکٹ مراد ہے یعنی مقید کو معنی میں مطلق کے استعمال کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: مَنْ تُذَکِّرُہٗ المذکور، فی سَیَذَّکَّرُ مَنْ موصولہ ہے اور نَفَعَتْ کا مفعول ہے اور تُذَکِّرُ کی ضمیر مرفوع مخاطب یعنی آپ ﷺ کی طرف راجع ہے اور ضمیر منصوب (ہٗ) موصول کی طرف راجع ہے اور المذکور موصول کی صفت ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نصیحت کریں اگر نصیحت اس شخص کو فائدہ دے جس کو آپ ﷺ نصیحت کریں، اور جس کا ذکر سَیَذَّکَّرُ من یخشیٰ میں ہے، مَنْ تُذَکِّرُہٗ کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ اِنْ نَفَعَتِ الذکریٰ میں جو نفع کے بارے میں تردد ہے وہ ذکریٰ کے مفعول کی نسبت سے ہے نہ کہ فاعل کی نسبت سے اس لئے کہ فاعل کی نسبت سے ذکر کا فائدہ محقق ہے۔ (کمالا یخفی)

قَوْلُہٗ: فیستریح یہ اس سوال مقدر کا جواب ہے کہ لایَموت فِیْھَا ولا یحییٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ موت اور حیات کے درمیان کوئی واسطہ ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

جَوَابُ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ ایسی موت نہ آئے گی کہ یہ مرنے کے بعد راحت پا جائے اور نہ ایسی حیات ہوگی کہ اس میں خوشگواری ہو۔

تَفْسِیر وتَشْریح

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی رسول اللہ ﷺ اس سورت اور سورۂ غاشیہ کو عیدین اور جمعہ کی نماز میں پڑھا کرتے تھے، اسی طرح وتر کی پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ اور دوسری میں سورۂ کافرون اور تیسری میں سورۂ اخلاص پڑھتے تھے، حضرت عقبہ بن عامر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ سبح اسم ربك الاعلی جب نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کو اپنے سجود میں داخل کرو اور جب فسبح باسم ربك العظیم نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے اپنے رکوع میں داخل کرو۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی، تسبیح کے معنی پاک رکھنے اور پاکی بیان کرنے کے ہیں سبح اسم ربك الاعلی کے معنی یہ ہیں کہ اپنے رب کے نام کو پاک رکھئے، مطلب یہ کہ رب کے نام کی تعظیم تکریم کیجئے اور جب اللہ کا نام آئے تو ادب اور خضوع اور خشوع کا لحاظ رکھئے، اور ہر ایسی چیز سے اس کے نام کو پاک رکھئے جو اس کی شایانِ شان نہ ہو، اس میں یہ بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صرف ان ناموں سے پکاریئے جو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بیان فرمائے ہیں یا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بتلائے ہیں ان کے سوا کسی اور نام سے اس کو پکارنا جائز نہیں۔

اسی میں یہ بھی داخل ہے کہ جو نام اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں وہ کسی مخلوق کے لئے استعمال کرنا اس کی تنزیہ وتقدیس کے خلاف ہے اس لئے جائز نہیں (قرطبی) جیسے رحمٰن، رزاق، غفار، قدوس وغیرہ، آج کل اس معاملہ میں غفلت بڑھتی جا رہی ہے۔

بعض حضرات مفسرین نے اس جگہ اسم سے خود مسمّٰی کی ذات مراد لی ہے اور لفظ اسم کو زائد کہا ہے مفسر علام کا بھی یہ خیال ہے، اور عربی زبان کے اعتبار سے اس کی گنجائش بھی ہے اور قرآن کریم میں بھی اس معنی کے لئے استعمال ہوا ہے اور حدیث میں جو رسول اللہ ﷺ نے اس کلمہ کو نماز کے سجدے میں پڑھنے کا حکم دیا اس کی تعمیل میں جو کلمہ اختیار کیا گیا وہ سبحان اسم ربك

الاعلی نہیں بلکہ سبحان ربی الاعلی ہے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ لفظ اسم اس جگہ مقصود نہیں خود مسمی مقصود ہے۔

فَجَعَلَهٗ غُثَاءً جب گھاس خشک ہو جائے تو اس کو غثاء کہتے ہیں اَحوی بمعنی سیاہ کرنا، یعنی تازہ اور سرسبز لہلہاتی گھاس کو ہم سکھا کر سیاہ کوڑا بھی کر دیتے ہیں۔

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى حاکم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ قرآن کے الفاظ کو اس خوف سے جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ساتھ دہراتے جاتے تھے کہ کہیں بھول نہ جائیں، مجاہد اور کلبی کہتے ہیں کہ جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام وحی سنا کر فارغ نہ ہوتے تھے کہ آپ ﷺ بھول جانے کے اندیشہ سے دہرانے لگتے تھے اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو یہ اطمینان دلایا کہ وحی کے نزول کے وقت آپ ﷺ خاموشی سے سنتے رہیں ہم اسے آپ ﷺ کو پڑھوا دیں گے، اور وہ ہمیشہ کے لئے آپ ﷺ کو یاد ہو جائے گا۔

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى یہ عام ہے مثلاً ہم آپ ﷺ پر وحی آسان کر دیں گے تاکہ اس کو یاد کرنا اور اس پر عمل کرنا آسان ہو جائے، ہم آپ ﷺ کی اس طریقہ کی طرف رہنمائی کریں گے جو آسان ہوگا، ہم آپ ﷺ کے لئے ایسی شریعت مقرر کریں گے جو سہل، مستقیم اور معتدل ہوگی، جس میں کوئی کجی اور عسر اور تنگی نہیں ہوگی، وغیرہ۔

فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى یعنی وعظ و نصیحت وہاں کریں کہ جہاں محسوس ہو کہ نصیحت فائدہ مند ہوگی، یہ وعظ و نصیحت کا ایک اصول اور ادب بیان فرما دیا۔ (ابن کثیر)

﴿تمت﴾

سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتٌّ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً

سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ ست وعشرون اٰية.

سورۂ غاشیہ مکی ہے، چھبیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ هَلْ قد اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ① القيٰمة لِاَنّها تغشى الخلائق بِاَهوالِها وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عُبّرَ بها عن الذّوات في الموضعين خَاشِعَةٌ ② ذليلة عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ③ ذاتُ نصَبٍ وتعَب بالسّلاسِل والاغلال تَصْلٰى بضمّ التّاء وفتحِها نَارًا حَامِيَةً ④ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ⑤ شديدة الحَرارَةِ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ⑥ هو نوعٌ مِنَ الشّوكِ لَا تَرعَاهُ دابّةٌ لِخُبْثِه لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ⑦ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ⑧ حَسنَةٌ لِّسَعْيِهَا في الدّنيا بالطّاعةِ رَاضِيَةٌ ⑨ في الاٰخرةِ لَمّا رَأَتْ ثَوابَهُ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ⑩ حِسًّا ومَعْنًى لَّا تَسْمَعُ بالياءِ والتّاءِ فِيْهَا لَاغِيَةً ⑪ اى نَفسٌ ذَات لَغْوٍ اى هذيان مِنَ الكلامِ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ⑫ بالماءِ بِمعنى عُيُوْنٍ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ⑬ ذاتًا وقَدرًا ومَحَلًّا وَّاَكْوَابٌ اَقداحٌ لَا عُرى لَها مَّوْضُوْعَةٌ ⑭ على حَافّاتِ العُيُوْنِ مُعَدَّةٌ لِشُربِهم وَّنَمَارِقُ وَسائِدُ مَصْفُوْفَةٌ ⑮ بعضُها بِجَنْبِ بَعضٍ يُستَنَدُ اِلَيْها وَّزَرَابِيُّ بُسُطٌ طَنافِسُ لها خَمْلٌ مَبْثُوْثَةٌ ⑯ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اى كُفّارُ مكّة نَظَرَ اعتبارٍ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ⑰ وَاِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ⑱ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ⑲ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ⑳ اى بُسِطَتْ فَيَستَدِلّون بِها على قُدرةِ اللّٰهِ تَعالى ووَحدانِيّتِه وصُدِّرَتْ بِالاِبِلِ لِاَنّهم اَشَدُّ مُلَابَسَةً لها مِنْ غَيرِه وقَوْلُهُ سُطِحَتْ ظاهِرٌ في اَنَّ الارضَ سَطْحٌ وَعَلَيه عُلَماءُ الشّرعِ لا كُرَةٌ كما قالَهُ اَهلُ الهيئةِ وان لَمْ يَنقُضْ رُكْنًا مِنْ اَرْكانِ الشّرعِ فَذَكِّرْ هُمْ بِنِعَمِ اللّٰهِ ودَلائِلِ تَوحِيْدِه اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ ㉑ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ㉒ وفي قراءةٍ بالصّادِ بدلَ السّينِ اى بِمُسَلَّطٍ وهذا قَبلَ الامرِ بالجِهادِ اِلَّا لكن مَنْ تَوَلّٰى اَعرَضَ عَنِ الايمانِ وَكَفَرَ ㉓ بالقُراٰن فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ㉔ عَذابَ الاٰخِرةِ والاَصغَرُ عَذابُ الدّنيا بالقَتلِ والاَسرِ اِنَّ اِلَيْنَا اِيَابَهُمْ ㉕ رُجُوعَهُم بَعدَ المَوتِ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ㉖ جَزائَهم لا نَترُكُهُ اَبَدًا.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، کیا تجھے چھا جانے والی قیامت کی خبر پہنچی (قیامت کو غاشیہ) اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ اپنی ہولناکیوں کے ذریعہ پوری مخلوق پر چھا جائے گی، کچھ چہرے اس روز ذلیل ہوں گے دونوں جگہ شخصیات کو وجوہ سے تعبیر کیا گیا ہے، سخت محنت جھیل رہے ہوں گے طوق اور زنجیروں کی وجہ سے سخت محنت و مشقت جھیل رہے ہوں گے، وہ سخت آگ میں جھلس رہے ہوں گے (تُصْلٰی) تاء کے ضمہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ ہے، نہایت گرم کھولتے ہوئے چشمے کا پانی انہیں پینے کے لئے دیا جائے گا ان کے لئے سوائے کانٹے دار درختوں کے اور کوئی غذا نہ ہوگی، (ضریع) ایک قسم کی کانٹے دار گھاس ہے جسے اس کے خبث کی وجہ سے کوئی جانور نہیں چرتا، جو نہ موٹا کرے گی اور نہ بھوک مٹائے گی کچھ چہرے اس روز بارونق ہوں گے دنیا میں طاعت کی کارگزاری پر خوش ہوں گے، جب حسًّا و معنًا عالی مقام جنت میں (اپنی) سعی کا ثواب دیکھیں گے، اے مخاطب! کوئی بے ہودہ بات وہاں نہ سنے گا یسمع یا اور تا کے ساتھ، یعنی بے ہودہ کلام، وہاں پانی کے بہتے چشمے ہوں گے عَیْنٌ بمعنی عیون ہے اس میں ذات اور مرتبہ اور محل کے اعتبار سے اونچے اونچے تخت ہوں گے اور چشموں کے کنارے بغیر دستے (ٹونٹی) کے ساغر رکھے ہوں گے جو جنتیوں کے پینے کے لئے بنائے گئے ہوں گے اور گاؤتکیوں کی قطاریں لگی ہوں گی جن پر ٹیک لگائی جائے گی، اور مخملی غالیچے بچھے ہوئے ہوں گے، یعنی ایسے فرش جو روئیں دار ہوں گے، کیا یہ کفار مکہ عبرت کی نظر سے اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے گئے ہیں؟ (اور کیا) آسمان کو نہیں دیکھتے کہ ان کو کس طرح اونچا کیا گیا ہے؟ اور (کیا) پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کیسے جمائے گئے ہیں؟ اور (کیا) زمین کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح بچھائی گئی ہے کہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی وحدانیت پر استدلال کریں، اِبِلُ کو شروع میں لایا گیا ہے اس لئے کہ عرب بہ نسبت دیگر چیزوں کے ان سے زیادہ گھلے ملے رہتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کا قول سُطِحَتْ اس بات پر ظاہر الدلالت ہے کہ زمین مسطح ہے اور اسی نظریہ پر علماء شرع ہیں، نہ کہ گول جیسا کہ اہل ہیئت کا قول ہے اگرچہ زمین کے گول ہونے سے شریعت کا کوئی رکن نہیں ٹوٹتا، پس آپ ﷺ نصیحت کرتے رہئے کیونکہ آپ ﷺ صرف نصیحت کرنے والے ہیں، آپ ﷺ ان پر داروغہ نہیں ہیں اور ایک قراءت میں سین کے بجائے صاد کے ساتھ ہے یعنی آپ ﷺ مسلط نہیں ہیں اور یہ حکم، جہاد کا حکم آنے سے پہلے کا ہے البتہ جو ایمان سے اعراض کرے گا اور قرآن کا انکار کرے گا تو اللہ اس کو بھاری سزا دے گا (یعنی) آخرت کا عذاب، اور اصغر دنیا کا عذاب ہے قتل اور قید کے ساتھ، بلاشبہ ان لوگوں کو موت کے بعد ہماری ہی طرف پلٹنا ہے پھر ان کا حساب لینا یعنی ان کی جزا و سزا ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اس کو ہرگز ترک نہ کریں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: هَلْ اَتٰکَ ایک جماعت نے کہا ہے کہ هَلْ بمعنی قد ہے، ای قد جاءَ کَ یا محمد! حدیث الغاشیة، اور کہا گیا ہے کہ هل اپنے معنی پر ہے اور تعجب کے معنی کو متضمن ہے۔

قَوْلُهُ: وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ یہ جملہ مستانفہ سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: ماحدیث الغاشیة؟

جَوَاب: وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ، وُجُوْهٌ مبتداء ہے اور خاشعة اس کی خبر ہے۔

سَوَال: وُجُوْهٌ نکرہ ہے اس کا مبتداء بننا کس طرح درست ہے؟

جَوَاب: نکرہ چونکہ مقام تفصیل میں واقع ہے لہٰذا اس کا مبتداء بننا صحیح ہے، یَوْمَئِذٍ میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے ای یومَ غشیان الغاشیة، یہاں وُجُوْهٌ سے اصحاب وجوہ مراد ہیں یہ اطلاق الجزء علی الکل کے قبیل سے ہے، وجہ چونکہ اشرف الاعضاء ہے اس لئے اس کو اختیار کیا گیا ہے۔

قَوْلُهُ: عاملة محنت کشندہ، مشقت اٹھانے والا۔

قَوْلُهُ: ناصِبة تھکنے والا، درماندہ عاملةٌ ناصبةٌ رفع کے ساتھ یہ دونوں مبتداء کی دوسری خبر ہیں۔

قَوْلُهُ: آنیة کھولتا ہوا پانی، اِنًی سے اسم فاعل واحد مؤنث۔

قَوْلُهُ: ضَرِیعٌ خاردار جھاڑ، ضریع ایک گھاس ہے جس کو شبرق کہا جاتا ہے اور جب یہ گھاس خشک ہو جاتی ہے تو اہل حجاز اس کو ضریع کہتے ہیں اور یہ زہر ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب التفسیر)

قَوْلُهُ: لا تَسْمَعُ فِیْهَا لَاغِیَةً ① جمہور کے نزدیک تاء فوقانیہ کے فتحہ اور لاغیة کے نصب کے ساتھ ہے، ای لا تَسْمَعُ اَنْتَ اَیُّهَا المخاطَب فِیْهَا لَاغِیَةً (یا) لا تَسْمَعُ تِلْكَ الوجوہ لاغِیة ② اور ابن کثیر اور ابوعمرو نے یاء تحتانیہ مضمومہ کے ساتھ مَبْنِی للمفعول لاغیة کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے ③ اور نافع نے تاء فوقانیہ مضمومہ کے ساتھ مَبْنِی للمفعول پڑھا ہے ④ اور فضل اور جحدری نے تاء فوقانیہ کے فتحہ کے ساتھ مبنی للفاعل اور لاغیة کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے لاغیة یہ موصوف محذوف کی صفت ہے، ای کلمة لاغیة (یا) نفسًا لاغیة (یا) عافیه کے وزن پر مصدر بمعنی لغوًا ہے، ای لا یسمعُ فیها لَغوًا۔

قَوْلُهُ: ای نفس ذات لغو اس اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ نَفْسٌ، لَاتَسْمَعُ کا فاعل ہے، لاغیة مفعول بہ، اور تاء والی قراءت میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لا تَسْمَع کا فاعل انت محذوف ہو اور نَفْسًا لاغیة مفعول اس صورت میں نفسًا محذوف ماننے کے بجائے کلمةً بھی محذوف مان سکتے ہیں، ای کلمةً ذَاتَ لغو۔

قَوْلُهُ: اَکْوَاب، اَقْدَاحٌ لا عُریَ لَهَا، اَکْوَاب، کُوْبٌ کی جمع ہے بروزن قُفْلٌ واَقْفَالٌ، کُوْبٌ اس برتن کو کہتے ہیں

جس میں دستہ اور ٹونٹی نہ ہو مثلاً گلاس، پیالہ وغیرہ۔

قَوْلُہٗ: نَمَارِقُ یہ نُمْرُقَۃٌ کی جمع ہے، نون اور راء کے ضمہ اور دونوں کے کسرہ کے ساتھ بمعنی تکیے، مسند۔

قَوْلُہٗ: زَرَابِیُّ، زَرْبِیَّۃ کی جمع ہے۔

قَوْلُہٗ: طَنَافِسُ یہ طِنفسۃ مثلث کی جمع ہے، روئیں دار فرش، چٹائی، قالین مخملی فرش۔

تَفْسِیر وتَشْرِیح

هَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَۃِ یہاں غاشیہ سے مراد قیامت ہے یعنی وہ آفت کہ جو سارے جہان پر چھا جائے گی، اس آیت میں مجموعی طور پر پورے عالم آخرت کا ذکر ہے۔

وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ خَاشِعَۃٌ یہاں ''چہرے'' کا لفظ اشخاص کے معنی میں استعمال ہوا ہے، اس لئے کہ انسانی جسم کی نمایاں ترین چیز چہرہ ہے اور انسان پر اچھی بری کیفیات کا اثر اولاً چہرے ہی پر نمایاں ہوتا ہے، اس لئے ''کچھ لوگ'' کہنے کے بجائے ''کچھ چہرے'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

لَیْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِیْعٍ قرآن مجید میں کہیں فرمایا گیا کہ دوزخیوں کو زقوم کھانے کو دیا جائے گا، اور کہیں ارشاد ہوا کہ غسلین ملے گا، اور یہاں فرمایا گیا کہ انہیں (ضریع) خاردار سوکھی گھاس کے سوا کچھ کھانے کو نہ ملے گا، ان میں درحقیقت کوئی تضاد نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ جہنم کے بہت سے درجے ہوں گے جن میں مختلف قسم کے مجرمین اپنے جرائم کے لحاظ سے ڈالے جائیں گے اور ان کو مختلف قسم کے عذاب دیئے جائیں گے، اس سے یہ شبہ دور ہو گیا کہ دوزخیوں کو دوزخ میں مختلف قسم کی غذائیں دی جائیں گی؟ جیسا کہ اوپر بیان ہوا، اور اس آیت میں حصر کے ساتھ فرمایا گیا کہ ان کو ضریع کے علاوہ کچھ نہ ملے گا یہ حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے یعنی کھانے کے لائق چیزوں کے مقابلہ میں حصر ہے اور ضریع کو بطور مثال بیان فرمایا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ جہنمیوں کو کوئی کھانے کے لائق خوشگوار جزو بدن بننے والی غذا نہ دی جائے گی بلکہ ضریع جیسی غذا جو کھانے کے لائق نہ ہو، دی جائے گی۔

لِسَعْیِهَا رَاضِیَۃٌ یعنی دنیا میں جو سعی صالح اور عمل نیک کر کے جب آخرت میں پہنچیں گے اور اس کے بہترین اور خوشگوار نتائج دیکھیں گے تو خوش ہوں گے اور انہیں اطمینان ہو جائے گا کہ دنیا میں ایمان اور صلاح و تقویٰ کی زندگی بسر کر کے انہوں نے جو نفس کی خواہشات کی قربانیاں دیں فرائض کو ادا کرنے میں جو تکلیفیں اٹھائیں معصیتوں سے بچنے کی کوشش میں جو نقصانات اٹھائے اور جن فائدوں اور لذتوں سے خود کو محروم رکھا یہ سب کچھ فی الواقع بڑے نفع کا سودا تھا۔

فِی جَنَّۃٍ عَالِیَۃٍ معنوی اور حسی دونوں طرح سے عالی مقام جنتوں میں ہوں گے۔

لَا تَسْمَعُ فِیهَا لَاغِیَۃً یہ اہل جنت کا تذکرہ ہے جو جہنمیوں کے برعکس نہایت آسودہ حال اور ہر قسم کی آسائشوں سے بہرہ

ور ہوں گے، یعنی جنت میں کوئی ایسا کلام ان کے کانوں میں نہ پڑے گا جو لغو اور بے ہودہ اور دلخراش، تکلیف دہ ہو، اس میں کلمات کفریہ اور گالی گلوچ اور افتراء و بہتان سب داخل ہیں۔

بعض آداب معاشرت:

واکوابٌ موضوعة، اکواب، کوبٌ کی جمع ہے، پانی پینے کے برتن کو کہا جاتا ہے جیسے آبخورے، گلاس وغیرہ، **اکوابٌ** کی صفت **موضوعہ** بیان فرمائی ہے یعنی پانی کے قریب اپنی مقررہ جگہ پر رکھے ہوئے ہوں گے، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ پانی پینے کا برتن پانی کے قریب ہی متعین جگہ پر ہونا چاہئے تاکہ وقت ضرورت اِدھر اُدھر تلاش کرنا نہ پڑے جو کہ باعث تکلیف ہوتا ہے؛ اس لئے ہر شخص کو اس کا اہتمام کرنا چاہئے کہ ایسی استعمالی چیزیں جو تمام گھر والوں کے کام آتی ہیں جیسے لوٹا، گلاس، تولیہ، صابن، کنگھا، سرمہ وغیرہ ان کی ایک جگہ مقرر ہو اور استعمال کرنے کے بعد اسی جگہ رکھ دیا جائے تاکہ کسی کو پریشانی نہ ہو۔ (معارف)

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ عربوں کی غالب سواری اونٹ ہی تھی، نیز اونٹ عربوں کے لئے بیش بہا، نہایت قیمتی سرمایہ تھا اور ہر وقت ان کے استعمال میں رہنے والی چیز تھی اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا خصوصیت سے ذکر فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اپنی جن قدرت کی نشانیوں میں غور کرنے کا حکم فرمایا ہے ان میں ایک اونٹ بھی ہے، اونٹ عربوں کے لئے جہاں مفید اور نہایت کار آمد چیز ہے وہیں اس میں کچھ ایسی خصوصیات بھی قدرت نے ودیعت رکھ دی ہیں کہ دوسرے جانوروں میں نہیں پائی جاتیں، اول تو عرب میں سب سے بڑا جانور اونٹ ہی ہے اس لئے کہ ہاتھی عرب میں نہیں ہوتا اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس عظیم الجثہ جانور کو اس طرح بنایا ہے کہ عرب کے غریب اور نادار لوگ اس کو پالنے میں کوئی دشواری محسوس نہیں کرتے، اس لئے کہ اگر اس کو چھوڑ دیا جائے تو یہ بے چارہ اونچے اونچے درختوں کے پتے کھا کھا کر اپنا پیٹ خود ہی بھر لیتا ہے، ہاتھی وغیرہ دیگر جانوروں کی طرح اس کی خوراک مہنگی نہیں پڑتی عرب کے جنگلوں میں پانی بہت ہی کمیاب چیز ہے ہر جگہ اور ہر وقت میسر نہیں ہوتا، قدرت نے اس کے پیٹ میں ایک ٹنکی ایسی لگا دی ہے کہ سات آٹھ روز کا پانی پی کر یہ اس ٹنکی میں محفوظ کر لیتا ہے، اور بتدریج اس پانی کو کام میں لاتا ہے اتنے اونچے جانور پر سوار ہونے کے لئے سیڑھی لگانی پڑتی ہے مگر قدرت نے اس کی ٹانگ میں تین قبضے لگا دیئے ہیں جس کی وجہ سے اس کی لمبی ٹانگ تین قسطوں میں مڑ جاتی ہے اس پر چڑھنا آسان ہو جاتا ہے محنت کش اتنا ہے کہ سب جانوروں سے زیادہ بوجھ اٹھاتا ہے، عرب کے میدانوں میں دھوپ اور گرمی کی وجہ سے دن کا سفر دشوار ہوتا ہے قدرت نے اس کو رات کو چلنے کا عادی بنایا ہے، مسکین اس قدر کہ ایک کم سن بچہ بھی اس کی نکیل پکڑ کر جہاں چاہے لے جا سکتا ہے۔

لَسْتَ عَلَیْھِمْ بِمُصَیْطِرٍ اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی فرمائی کہ آپ ﷺ ان کے ایمان نہ لانے سے رنجیدہ نہ ہوں، اس لئے کہ آپ ﷺ ان پر مسلط نہیں ہیں، آپ ﷺ کا کام تبلیغ اور نصیحت کرنا ہے، وہ کر کے آپ ﷺ بے فکر ہو جائیں باقی کام ہمارے اوپر چھوڑ دیں، ان کا حساب کتاب اور جزاء و سزا سب ہمارا کام ہے۔

سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً

سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ ثَلاثُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ فجر مکی یا مدنی ہے، تیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ وَالْفَجْرِ ۝ اى فَجر كُلِّ يَوم وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝ اى عشر ذِى الحِجّة وَّالشَّفْعِ الزَّوج وَالْوَتْرِ ۝ بفتح الواو وكسرها لُغتان الفرد وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۝ اى مُقبلاً ومُدبرًا هَلْ فِىْ ذٰلِكَ القَسم قَسَمٌ لِّذِىْ حِجْرٍ ۝ عقل وجوابُ القَسم محذُوفٌ اى لَتُعذَّبُنَّ يا كُفّار مكّة اَلَمْ تَرَ تَعلَم يا مُحَمَّدُ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ هى عادٌ الاُولى فارمُ عَطفُ بَيانٍ او بَدلٌ ومُنِعَ الصَّرف لِلعلمِيّةِ والتانيث ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ اى الطُّول كان طُولُ الطَّويلِ مِنهُم اَربَعَ مِائَة ذِراع الَّتِىْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِى الْبِلَادِ ۝ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝ وادى القُرى وَفِرْعَوْنَ ذِى الْاَوْتَادِ ۝ كان يَتِدُ اَربَعَة اوتادٍ يَشُدُّ اِلَيها يدَىْ وَرِجلَىْ مَن يُعَذِّبُهٗ الَّذِيْنَ طَغَوْا تجبّروا فِى الْبِلَادِ ۝ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ۝ القتلَ وغيرَهٗ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ نوعَ عَذَابٍ ۝ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝ يَرصُدُ اَعمالَ العِبادِ فَلا يفُوتُهٗ مِنها شَىْءٌ لِيُجازِيَهُم عَلَيها فَاَمَّا الْاِنْسَانُ الكافِرُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ اِختَبرَهٗ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ بالمال وغيره وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّىْ اَكْرَمَنِ ۝ وَاَمَّا اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ ضيّق عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّىْ اَهَانَنِ ۝ كَلَّا ردعٌ اى لَيس الاِكرامُ بالغِنى والاِهانةُ بالفَقر وانّما هُما بالطّاعةِ والمَعصِيَةِ وكُفّارُ مكّة لا يَتَنبَّهُونَ لِذلِكَ بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۝ لا يُحسِنُونَ اِلَيه مَعَ غِناهُم او لا يُعطُونَهٗ حقّهٗ مِن الميراثِ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ اَنفُسَهُم ولا غيرَهُم عَلٰى طَعَامِ اِطعام الْمِسْكِيْنِ ۝ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ الميراثَ اَكْلًا لَّمًّا ۝ اى شَديدًا لِلمّهم نَصِيبَ النِّساءِ والصِّبيانِ مِن المِيراثِ مع نَصيبهم مِنهُ اَو مع مالِهِم وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝ اى كثيرًا فلا يُنفِقُونَهٗ وفى قِراءَةٍ بالفوقانيّةِ فى الافعالِ الاربعةِ كَلَّا ردعٌ لهُم عن ذلك اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۝ زُلزِلَت حتّى يَنهدِمَ كُلُّ بِناءٍ عليها ويَنعدِمَ وَّجَآءَ رَبُّكَ اى اَمرُهٗ

وَالْمَلَكُ اى الملائكة صَفًّا صَفًّا ۝ حالٌ اى مُصْطَفِّيْنَ او ذَوِيْ صُفُوْفٍ كَثِيْرَةٍ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ تُقَادُ بِسَبْعِيْنَ اَلْفَ زِمَامٍ كُلُّ زِمَامٍ بِاَيْدِيْ سَبْعِيْنَ اَلْفَ مَلَكٍ، لَهَا زَفِيْرٌ وتَغَيُّظٌ يَوْمَئِذٍ بَدَلٌ مِنْ اِذَا وجوابُها يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ اى الكافِرُ ما فرَّطَ فِيْهِ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ۝ اِسْتِفْهامٌ بمَعْنى النَّفْيِ اى لَا يَنْفَعُهُ تَذَكُّرُهُ ذلك يَقُوْلُ مَعَ تَذَكُّرِهِ يٰا لِلتَّنْبِيْهِ لَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ الخَيْرَ والاِيْمَانَ لِحَيَاتِيْ ۝ الطَّيِّبَةِ فِي الاٰخِرَةِ او وَقْتَ حَيَاتِيْ فِي الدُّنْيَا فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ بكَسْرِ الذَّالِ عَذَابَهٗٓ اى اللّٰهِ اَحَدٌ ۝ اى لَا يَكِلُهُ اِلَى غَيْرِهِ وَ كَذَا لَا يُوْثِقُ بكَسْرِ الثَّاءِ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ۝ وفِي قِرَاءَةٍ بفَتْحِ الذَّالِ والثَّاءِ فَضَمِيْرُ عَذَابَهُ وَوَثَاقَهُ لِلْكَافِرِ والمَعْنَى لَا يُعَذَّبُ اَحَدٌ مِثْلَ تَعْذِيْبِهِ ولَا يُوْثَقُ مِثْلَ اِيْثَاقِهِ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ الاٰمِنَةُ وهِيَ المُؤْمِنَةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ يُقَالُ لَهَا ذٰلِكَ عِنْدَ المَوْتِ اى ارْجِعِيْ اِلَى اَمْرِهِ وَاِرَادَتِهِ رَاضِيَةً بالثَّوَابِ مَّرْضِيَّةً ۝ عِنْدَ اللّٰهِ بِعَمَلِكِ اى جَامِعَةً بَيْنَ الْوَصْفَيْنِ وهُمَا حَالَانِ ويُقَالُ لَهَا فِي القِيَامَةِ فَادْخُلِيْ فِيْ جُمْلَةِ عِبٰدِيْ ۝ لا الصَّالِحِيْنَ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝ مَعَهُمْ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، قسم ہے فجر کی یعنی ہر دن کی فجر کی، اور دس راتوں کی یعنی ذی الحجہ کی دس راتوں کی اور جفت کی یعنی زوج کی، اور طاق کی اور الوتر واؤ کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے یہ دو لغت ہیں (وَتْـر) میں بمعنی فرد، اور رات کی جب وہ رخصت ہونے لگے یعنی جب وہ آئے اور جائے، کیا اس قسم میں عقلمند کے لئے کافی قسم (نہیں) ہے؟ اور جواب قسم محذوف ہے (اور وہ) لَتُعَذَّبُنَّ يَا كُفَّارَ مَكَّةَ! ہے، (اے کفار مکہ! تم کو ضرور عذاب دیا جائے گا) کیا اے محمد ﷺ! آپ ﷺ کو معلوم نہیں کہ تیرے رب نے عادیوں کے یعنی قوم ارم کے ساتھ کیا کیا؟ اِرَمَ عاد اولیٰ ہے، اِرَمَ عطف بیان یا بدل ہے اور علمیت و تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہے جن کے قد و قامت درازی میں ستونوں جیسے تھے ان میں کا دراز ترین چار سو گز کا تھا، زور و قوت میں دنیا بھر میں ان کے جیسا کوئی نہیں پیدا کیا گیا، اور قوم ثمود کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ جو وادئ قریٰ میں پتھر تراشا کرتے تھے اور ان سے گھر بنایا کرتے تھے، صَخْرٌ صَخْرَةٌ کی جمع ہے، اور میخوں والے فرعون کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ اور وہ چار میخیں گاڑ دیتا تھا اور جس شخص کو سزا دینی ہوتی تھی اس کے چاروں ہاتھوں پیروں کو ان سے باندھ دیا کرتا تھا، جنہوں نے شہروں میں بڑی سرکشی کی تھی، اور ان میں قتل وغیرہ کے ذریعہ بہت فساد برپا کر رکھا تھا سو آپ ﷺ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا، بے شک آپ ﷺ کا رب گھات میں ہے بندوں کے اعمال کی نگرانی کر رہا ہے لہٰذا کوئی عمل اس سے مخفی نہیں رہ سکتا کہ اس کی جزا نہ دے، سو اس کافر انسان کو جب اس کا رب آزماتا ہے بایں طور کہ مال وغیرہ کے ذریعہ اس کا اکرام کرتا ہے اور اس کو انعام دیتا ہے تو وہ کہتا ہے میرے رب نے میری قدر بڑھا دی (یعنی عزت بخشی) اور جب اس کو (دوسری طرح) آزماتا ہے یعنی اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے رب نے

میری قدر گھٹادی (یعنی ذلیل کردیا) ہرگز ایسا نہیں ہے یعنی غنا کی وجہ سے اکرام ہوا اور فقر کی وجہ سے توہین ہو، ان دونوں باتوں کا تعلق اطاعت اور معصیت سے ہے، لیکن کفار مکہ اس بات سے واقف نہیں ہیں، بلکہ تم یتیم کے ساتھ عزت کا سلوک نہیں کرتے یعنی وہ لوگ فارغ البالی کے باوجود اس کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ نہیں کرتے یا میراث سے اس کا حق نہیں دیتے، اور آپس میں ایک دوسرے کو مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے، نہ خود کو اور نہ دوسروں کو، **طعام** بمعنی **اطعام** ہے، اور میراث کے مال کو سمیٹ کر کھا جاتے ہو عورتوں اور بچوں کے مال میراث پر ان کے شدید حریص ہونے کی وجہ سے، اپنے حصے کے ساتھ یا اپنے مال کے ساتھ، اور مال کی محبت میں بری طرح گرفتار ہو جس کی وجہ سے اسے خرچ نہیں کرتے ہو، اور ایک قراءت میں چاروں فعلوں میں تاء فوقانیہ کے ساتھ ہے، ہرگز نہیں! (خبردار!) یہ ان کی اس خصلت پر تنبیہ ہے، جب زمین کوٹ کوٹ کر برابر کردی جائے گی (یعنی) زمین کو ہلا دیا جائے گا حتی کہ اس زمین پر کی ہر عمارت معدوم اور منہدم ہوجائے گی، اور تمہارا رب جلوہ افروز ہوگا یعنی اس کا حکم حال یہ کہ فرشتے صف درصف کھڑے ہوں گے (**صفًا صفًا**) حال ہے معنی میں **مصطفین** کے، یعنی ملائکہ کی بہت سی صفیں ہوں گی، اور جہنم اس روز ستر ہزار لگاموں کے ذریعہ کھینچ کر سامنے لائی جائے گی اور ہر لگام میں ستر ہزار فرشتوں کے ہاتھوں میں ہوں گی اور سخت آواز ہوگی اور جوش ہوگا اس دن انسان یعنی کافر انسان اس چیز کو سمجھ جائے گا، **یومئذٍ**، **اذا** سے بدل ہے اور اس کا جواب **یتذکر الانسان** ہے، جس میں اس نے حد سے تجاوز کیا ہوگا، اور اس وقت اس کے سمجھنے سے کیا حاصل ہوگا، استفہام بمعنی نفی ہے، یعنی اس وقت سمجھ میں آنا اس کے لئے کچھ نافع نہ ہوگا، سمجھ میں آنے کے ساتھ ہی وہ کہے گا ہائے افسوس! میں آخرت میں اپنی عمدہ زندگی کے لئے خیر اور ایمان آگے بھیج دیتا، یا دنیوی زندگی کے زمانہ میں (نیک اعمال کرلیتا) پھر اس دن اللہ (خود) عذاب دے گا کوئی (دوسرا) نہ دے گا، **یعذِّب** کسرہ کے ساتھ ہے یعنی وہ تعذیب غیر کے سپرد نہ کرے گا اور نہ اس کے جکڑنے والے کے مانند کوئی جکڑنے والا ہوگا **یُوثِقُ** میں ثاء کے کسرہ کے ساتھ اور ایک قراءت میں ذال اور ثاء کے فتحہ کے ساتھ ہے لہٰذا **عذابَهٗ** اور **وَثاقَهٗ** کی ضمیریں کافر کی طرف راجع ہوں گی اور معنی یہ ہوں گے کہ نہ اس کے جیسا کوئی عذاب دے گا اور نہ اس کے جیسا کوئی جکڑے گا (دوسری طرف ارشاد ہوگا) اے نفس مطمئن! (یعنی) مامون حال یہ کہ وہ مومنہ ہو، اپنے رب کی طرف اس حال میں چل کہ تو ثواب سے خوش ہے اور اپنے عمل کی وجہ سے اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے یعنی دونوں وصفوں کو جامع ہوگا اور وہ دونوں حال ہیں، یہ بات اس سے موت کے وقت کہی جائے گی یعنی تو اس کے امر اور ارادہ کی طرف لوٹ اور قیامت کے دن اس سے کہا جائے گا تو میرے نیک بندوں میں شامل ہوجا اور میری جنت میں ان کے ساتھ داخل ہوجا۔

تَحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: **وَالفجر**، **الفجر** اسم فعل، مصدر بمعنی پو پھٹنا، صبح کی روشنی نمودار ہونا، پھاڑ کر بہانا، وقت فجر، ان کے علاوہ اور بہت سے معانی کے لئے مستعمل ہے قرآن مجید میں صرف وقت فجر اور طلوع سحر کے لئے اس کا استعمال ہوا ہے (لغات القرآن

فـجـر سے یا تو ہر روز کی طلوع فجر مراد ہے یا خاص طور پر دسویں ذی الحجہ کی یا محرم کی پہلی تاریخ کی فجر مراد ہے اس لئے کہ اسی دن سے عربی کا نیا سال شروع ہوتا ہے، اور لیالٍ عشر سے ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتیں مع ان کے دنوں کے مراد ہیں، اس لئے کہ ان کی بہت فضیلت وارد ہوئی ہے۔

قَوْلُہٗ: والشفع والوتر کے معنی جفت اور طاق کے ہیں، شَفع اور وَتر کے معنی میں مفسرین کا بہت اختلاف ہے حتی کہ جفت وطاق کے معنی کی تعیین میں ۳۶ اقوال ملتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: اِذَا یَسْرِ، یَسْرِ دراصل یَسْرِیْ تھا تخفیفاً، یاء کو فواصل کی رعایت کی وجہ سے حذف کر دیا گیا۔

قَوْلُہٗ: هَلْ فِیْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِیْ حِجْرٍ یہ استفہام تقریری ہے یعنی ان قسموں میں عقلمند کے لئے کافی قسم ہے، قوم عاد کی جانب حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا، اس قوم کے دو نام ہیں ① عاد ② ارم، اس لئے کہ عاد بیٹا ہے عوص کا اور عوص بیٹا ہے ارم کا، اور ارم بیٹا ہے سام بن نوح کا؛ لہٰذا کبھی تو اس قوم کے باپ عاد کی طرف نسبت کر کے قوم عاد کہتے ہیں اور کبھی ان کے دادا کے نام کی طرف نسبت کر کے قوم ارم کہتے ہیں؛ پس عاد اور ثمود دونوں ارم میں جا کر مل جاتے ہیں، عاد بواسطۂ عوص کے اور ثمود بواسطۂ عابر کے اور یہاں ارم اس لئے بڑھا دیا ہے کہ اس قوم عاد میں دو طبقے ہیں ایک متقدمین کا جس کو عاد اولیٰ کہتے ہیں اور دوسرا متاخرین کا جن کو عاد اخریٰ کہتے ہیں اس سے معلوم ہو گیا کہ یہاں عاد اولیٰ مراد ہے، عاد نے بارہ سو سال عمر پائی جس کی صلبی اولاد کی تعداد چار ہزار تھی اس نے ایک ہزار عورتوں سے شادی کی اور اس کا انتقال حالت کفر میں ہوا۔ (جمل)

ماقبل میں چار چیزوں کی قسمیں مذکور ہیں ان کا جواب قسم محذوف ہے اور وہ لَتُعَذَّبُنَّ یا کفار مکة! ہے، اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جواب قسم مذکور ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا قول "اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ" ہے، مفسر علام نے اول قول کو اختیار کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: ذات العماد بعض حضرات نے اس کا ترجمہ "دراز قد" بیان کیا ہے، اور دراز ترین قد والا پانچ سو ہاتھ کا خود اپنے ہاتھ سے اور قصیر ترین تین سو ہاتھ کا، اور بعض حضرات نے ذات العماد کا ترجمہ ستونوں والی بلند عمارتوں والے، مراد لیا ہے (جمل) مفسر علام نے اول معنی مراد لئے ہیں۔

تفسیر و تشریح

اس سورت میں پانچ چیزوں کی قسم کھا کر اس مضمون کی تاکید کی گئی ہے جو آگے (اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ) میں بیان ہوا ہے یعنی اس دنیا میں تم جو کچھ کر رہے ہو اس پر جزاء وسزا ہونا لازمی ہے تمہارے سب اعمال تمہارے رب کی نگرانی میں ہیں۔

وہ پانچ چیزیں جن کی قسم کھائی ہے ان میں سے۔

پہلی چیز فـجـر یعنی صبح صادق کا وقت ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر روز کی صبح صادق مراد ہو؛ اس لئے کہ ہر صبح صادق عالم میں ایک عظیم انقلاب لاتی ہے اور حق تعالیٰ شانہ کی قدرت کاملہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الـفـجـر میں الف لام کو عہد کا قرار دے کر کسی خاص دن کی فجر مراد ہو، حضرت علی، حضرت ابن عباس، اور حضرت ابن زبیر

رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ سے پہلے معنی یعنی عام وقتِ فجر مراد ہونا منقول ہے اور ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی ایک روایت میں ماہِ محرم کی پہلی تاریخ کی فجر مراد ہونا بھی منقول ہے حضرت قتادہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے بھی یہی تفسیر کی ہے، اور بعض حضرات سے دسویں ذی الحجہ یعنی یوم النحر کی فجر مراد ہونا منقول ہے، یوم نحر کی تخصیص کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دن کے لئے ایک رات ساتھ لگائی ہے جو اسلامی اصول کے مطابق دن سے پہلے ہوتی ہے، صرف یوم نحر ایک ایسا دن ہے کہ اس کے ساتھ کوئی رات نہیں ہے، کیونکہ یوم النحر سے پہلے جو رات ہے وہ یوم النحر کی نہیں بلکہ شرعاً عرفہ ہی کی رات قرار دی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی حج کرنے والا عرفہ کے دن میدان عرفات میں نہ پہنچ سکا، اور رات کو صبح صادق سے پہلے کسی وقت بھی عرفات میں پہنچ گیا تو اس کا وقوف معتبر اور حج صحیح ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یوم عرفہ کی دو راتیں ہیں ایک اس سے پہلے اور دوسری اس کے بعد اور یوم النحر کی کوئی رات نہیں اس لحاظ سے یوم النحر کی فجر تمام ایام میں ایک خاص شان رکھتی ہے۔ (قرطبی، معارف)

دوسری چیز جس کی قسم کھائی گئی ہے وہ دس راتیں ہیں کیونکہ حدیث شریف میں ان کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

شفع اور وتر کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں مثلاً بعض نے نماز وتر اور غیر وتر مراد لی ہے، بعض ائمہ تفسیر مثلاً ابن سیرین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ، مسروق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ، ابو صالح رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ، قتادہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ شفع سے مراد تمام مخلوق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تمام مخلوقات کو جفت پیدا کیا ہے "وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ" یعنی ہم نے ہر شئ کو جوڑے سے پیدا کیا اور ان کے بالمقابل وتر صرف اللہ ہے، مطلب یہ کہ ہر شئ بلکہ ہر ذرہ با جوڑ ہے، ہر شئ اور ہر ذرہ میں سوائے اللہ کے دو پہلو، مثبت اور منفی ضرور پائے جاتے ہیں۔



سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ عِشْرُوْنَ اٰيَةً

سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ عِشْرُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ بلد مکی ہے، بیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ لَآ زائدةٌ أُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ مكّة وَأَنْتَ يا محمد حِلٌّ حلالٌ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ بأن يَحِلَّ لك فتُقاتِلَ فيه وقد أُنجِزَ له هذا الوعدُ يومَ الفتح فالجُملةُ إعتراضٌ بين المُقسَمِ به وما عُطِفَ عليه وَوَالِدٍ اي اٰدمَ وَّمَا وَلَدَ ۙ اي ذُرِّيَّتِه وما بمعنى مَن لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ اي الجنس فِيْ كَبَدٍ ۭ نُصبٍ وشِدَّةٍ يُكابِدُ مَصائبَ الدُّنيا وشدائدَ الاٰخرةِ أَيَحْسَبُ اي أيظُنُّ الإنسانُ قَوِيُّ قُرَيشٍ وهو أبو الأشَدِّ بنُ كَلَدَةَ بقُوَّتِه أَنْ مُخفَّفةٌ من الثقيلة واسمُها محذوفٌ اي أنّه لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ ۘ واللّٰهُ قادرٌ عليه يَقُوْلُ أَهْلَكْتُ على عداوةِ محمّدٍ مَالًا لُّبَدًا ۭ كثيرًا بعضُه على بعضٍ أَيَحْسَبُ أَنْ اي أنّه لَّمْ يَرَهٗٓ أَحَدٌ ۭ فيما أنفقه فيَعلَمُ قَدْرَه واللّٰهُ أعلمُ بقَدْرِه وأنّه ليس ممّا يُتكثَّرُ به ومُجازيه على فعلِه السَّيِّءِ أَلَمْ نَجْعَلْ استفهامُ تقريرٍ اي جعلنا لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۙ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۙ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۚ بيَّنّا له طريقَي الخيرِ والشرِّ فَلَا فهلّا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۡ ۖ جاوزها وَمَآ أَدْرٰىكَ أعلمك مَا الْعَقَبَةُ ۭ التي يقتحمُها تعظيمٌ لشأنها والجُملةُ إعتراضٌ وبيَّن سببَ جوازِها بقوله فَكُّ رَقَبَةٍ ۙ من الرِّقِّ بأن أعتقها أَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۙ مَجاعةٍ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۙ قرابةٍ أَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۭ اي لُصُوقٍ بالتُّراب لفقرِه وفي قراءةٍ بدلَ الفعلَين مصدرانِ مرفوعانِ مُضافُ الأوّلِ لرقبةٍ ويُنَوَّنُ الثاني فيُقدَّرُ قبلَ العقبةِ اِقتحامٌ والقراءةُ المذكورةُ بيانُه ثُمَّ كَانَ عطفٌ على اقتحم وثُمَّ للتّرتيبِ الذِّكريِّ والمعنى كان وقتَ الإقتحامِ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا أوصى بعضُهم بعضًا بِالصَّبْرِ على الطّاعةِ وعن المعصيةِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۭ الرّحمةِ على الخلقِ أُولٰٓئِكَ الموصوفون بهذه الصّفاتِ أَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۭ اليمينِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ أَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۭ الشِّمالِ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ۧ بالهمزةِ وبالواوِ بدلَه مُطبَقةٌ

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، میں قسم کھاتا ہوں اس شہر مکہ کی

(لَا اُقْسِمُ) میں، لا زائدہ ہے، اور اے محمد ﷺ! آپ ﷺ کے لئے اس شہر میں قتال حلال ہونے والا ہے، بایں طور کہ آپ ﷺ کے لئے قتال حلال کر دیا جائے گا، سو آپ ﷺ اس میں قتال کریں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کو فتح مکہ کے دن پورا فرما دیا (اَنْتَ حِلٌّ الخ) مقسم بہ اور اس کے درمیان جس کا مقسم بہ پر عطف کیا گیا ہے، جملہ معترضہ ہے، اور قسم ہے والد آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اور ان کی اولاد کی یعنی ان کی ذریت کی اور مَا بمعنی مَنْ ہے، یقیناً ہم نے انسان کو یعنی جنس انسان کو مشقت اور شدت میں پیدا کیا ہے کہ وہ دنیا کے مصائب اور آخرت کی مشقت برداشت کرتا ہے کیا انسان یعنی قریش کا طاقتور شخص اور وہ ابوالاشد بن کلدہ ہے اپنی قوت کی وجہ سے یہ سمجھتا ہے کہ اس پر کوئی قابو نہ پا سکے گا؟ حالانکہ اللہ اس پر قابو پانے والا ہے، أَن مخففه عن الثقیله ہے اور اس کا اسم محذوف ہے، ای اَنَّهُ وہ کہتا ہے کہ محمد ﷺ کی عداوت میں، میں نے ڈھیروں جمع شدہ مال خرچ کر دیا کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کو کسی نے دیکھا نہیں ہے کہ اس نے وہ مال کس میں خرچ کیا ہے؟ (اور کتنا خرچ کیا ہے؟) کہ وہ اس کی مقدار لوگوں کو بتا رہا ہے، اور حال یہ کہ اللہ اس کی مقدار کو خوب جانتا ہے اور وہ مال اس قدر نہیں کہ اس پر فخر کیا جائے، اور وہ اس کی بدکرداری پر سزا دینے والا ہے کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے؟ یہ استفہام تقریری ہے یعنی ہم نے اس کو (یہ چیزیں) دی ہیں اور ہم نے اس کو خیر و شر کے دونوں راستے بتا دیئے تو پھر کس لئے گھاٹی میں داخل نہیں ہوا؟ اور تم کو کیا معلوم کہ کیا ہے وہ (دشوار گزار) گھاٹی؟ جس میں وہ داخل ہو گا، (یہ استفہام) عقبہ کی عظمتِ شان کو بیان کرنے کے لئے ہے اور جملہ معترضہ ہے، اور گھاٹی میں دخول کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول فَكُّ رَقَبَةٍ سے بیان فرما دیا، یعنی غلامی سے گردن کو چھڑانا بایں طور کہ اس کو آزاد کر دے یا فاقہ کے دن کسی قریبی یتیم یا کسی خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا، یعنی وہ فقیر کہ جو اپنے فقر کی وجہ سے خاک نشین ہو گیا ہو، اول فقیر کہ جو اپنے فقر کی وجہ سے خاک نشین ہو گیا ہو، اور ایک قراءت میں دونوں فعلوں کے بجائے دونوں مرفوع مصدر ہیں، اول مصدر رقبہ کا مضاف ہے اور دوسرا مصدر مُنَوَّن ہے، لہٰذا العقبه سے پہلے اقتحام مقدر مانا جائے گا، اور مذکورہ قراءت اقتحام کا بیان ہو گی، اور پھر وہ اقتحام (یعنی گھاٹی میں داخل ہوتے وقت) مومنین میں سے ہو اور جنہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو طاعت پر اور معصیت سے باز رہنے پر صبر کی اور خلق خدا پر رحم کی تلقین کی ہو یہ لوگ جو ان صفات سے متصف ہوں گے دائیں ہاتھ والے ہیں اور جنہوں نے ہماری آیات کے ماننے سے انکار کیا یہ ہیں بائیں ہاتھ والے، ان پر آگ چھائی ہوئی ہو گی (مؤصَدَة) ہمزہ کے ساتھ ہے اور ہمزہ کے بجائے واؤ کے ساتھ بھی ہے بمعنی چھائی ہوئی۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: لَا زائدة یہ ایک قول ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ منکرین بعث کے قول کی نفی ہے، مطلب یہ ہے کہ اے مشرکین مکہ! جو تم کہتے ہو بات ایسی نہیں۔

قَوْلُهٗ: وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذا البلد آپ ﷺ کو تسلی ہے اور آئندہ فتح مکہ کی خوشخبری ہے، یقینی الوقوع ہونے کی وجہ سے حال کے صیغہ سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ میں (وَاَنْتَ حِلٌّ) جملہ معترضہ ہے، نہ ماقبل سے اس کا کوئی تعلق ہے اور نہ مابعد سے، بلکہ اس جملہ سے آئندہ ہونے والے واقعہ کی خبر دی گئی ہے، اور بہتر یہ ہے کہ اس جملہ کو حالیہ قرار دیا جائے۔

قَوْلُهٗ: بِاَنْ يحلّ لك یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مصدر بمعنی مستقبل ہے۔ (صاوی)

قَوْلُهٗ: لَقَدْ خلقنا الإنسان یہ مقسم علیہ (جواب قسم) ہے۔

قَوْلُهٗ: وَمَا وَلَدَ، مَا بمعنی مَن ہے۔

قَوْلُهٗ: فَهَلَّا اس میں اشارہ ہے کہ "لا" بمعنی هلّا ہے، اور اپنی اصل پر بھی ہو سکتا ہے۔

سَوَال: لَا جب ماضی پر داخل ہوتا ہے تو لَا کی تکرار ضروری ہوتی ہے، جیسا کہ فلَا صَدَّق ولَا صَلّٰی؟

جَواب: معنی تکرار ہے اگرچہ لفظاً تکرار نہیں، اس لئے کہ اصل میں فلَا فكَّ رَقَبَةً وَلَا اطعَمَ مسكينًا ہے۔

قَوْلُهٗ: اَلْعَقَبَة، عقبه پہاڑوں کے درمیان دشوار گزار راستہ کو کہتے ہیں اِقْتِحام کے معنی گھاٹی میں داخل ہونے کے ہیں بعد میں مطلقاً ترک محرمات اور فعل الطاعات میں مجاہدہ پر اطلاق ہونے لگا ہے۔

قَوْلُهٗ: جاوزَهَا یہ اقتحام العقبة کی تفسیر ہے۔

قَوْلُهٗ: بيَّنَ سَبَبَ جَوَازِهَا، اى بيَّنَ طريقَ دخولها، وفى قراءة بَدَلَ الفعلين مَصْدَرَان مرفوعان، یہ فَكُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعَامٌ میں دوسری قراءت کا بیان ہے، مفسر علام فرماتے ہیں کہ بعض قراءتوں میں مذکورہ دونوں فعلوں کے بجائے یعنی فَكَّ کے بجائے فَكُّ اور اَطْعَمَ کے بجائے اطعامٌ ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ مفسر علام کے پیش نظر قرآن کا جو نسخہ ہے اس میں مصدر کے بجائے فعل ہیں، اور ہمارے سامنے جو نسخہ ہے اس میں دونوں جگہ مصدر ہی ہیں، اگر مصدروں کے بجائے افعال مانے جائیں تو پھر دونوں فعل فَلَا اقْتَحَمَ سے بدل ہوں گے یعنی وہ عقبہ میں داخل نہیں ہوئے یعنی گردنوں کو آزاد نہیں کرایا اور فاقہ کے دن کھانا نہیں کھلایا، اور اگر دونوں فعلوں کے بجائے مصدر ہی مانا جائے جیسا کہ ہمارے پیش نظر نسخہ میں ہے تو یہ دونوں مصدر مَا الْعَقَبَة کی تفسیر ہوں گے مگر اس صورت میں ذات کی تفسیر مصدر سے ہونا لازم آئے گی، اس لئے کہ عقبہ ذات ہے اور فَكُّ اور اطعامٌ مصدر ہیں اور یہ جائز نہیں ہے؟ لہٰذا عقبہ سے پہلے اقتحام مصدر ماننا ضروری ہوگا، تقدیر عبارت ہوگی ما اقتحام العقبة؟ هو فكّ رقبة او اطعام يوم ذى مسغبة اس تقدیر کے بعد مصدر کا حمل ذات پر ہونا لازم نہیں آتا۔

قَوْلُهٗ: ثُمَّ للترتيبِ الذِكرى اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: اوپر کی آیت میں طاعات بدنیہ اور مالیہ کے ذریعہ مجاہدہ کا حکم دیا گیا ہے اور ثم كان مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا میں ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے حالانکہ ایمان طاعت سے مقدم ہے؟

جَوَابٌ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ثُمَّ ترتیب ذکری کے لئے ہے ترتیب زمانی کے لئے نہیں اور مطلب یہ ہے کہ مجاہدۂ نفس بالاطاعت کے وقت مومن ہو۔

تَفسِیر وَتَشریح

لَا اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ، بلد سے مراد مکہ مکرم ہے جس میں اس وقت جب کہ اس سورت کا نزول ہوا نبی کریم ﷺ کا قیام تھا آپ ﷺ کا مولد و مسکن بھی یہی شہر مکہ تھا یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے مولد و مسکن کی قسم کھائی ہے اس سے مکۃ المکرمہ کی دوسرے شہروں کی بہ نسبت شرافت اور فضیلت ثابت ہوتی ہے، حضرت عبداللہ بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے وقت شہر مکہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ، خدا تعالیٰ کی قسم: تو تمام روئے زمین پر اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ بہتر اور محبوب ہے اگر مجھے یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کر دیا گیا ہوتا، تو میں تیری زمین سے نہ نکلتا۔ (ترمذی وابن ماجه)

وَاَنْتَ حِلٌّ بِھٰذَا الْبَلَدِ اس فقرہ کے تین معنی مفسرین نے بیان کئے ہیں، ایک یہ کہ آپ ﷺ اس شہر میں مقیم ہیں، اس وقت یہ حلول سے مشتق ہوگا جس کے معنی حلول کرنے، اترنے اور فروکش ہونے کے ہیں یوں تو شہر مکہ خود بھی محترم اور مکرم ہے مگر آپ ﷺ کے اس میں مقیم ہونے کی وجہ سے اس کی عظمت میں اور اضافہ ہو گیا ہے۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ لفظ حِلٌّ مصدر ہے جو حِلَّتْ سے مشتق ہے جس کے معنی کسی چیز کے حلال ہونے کے ہیں اس اعتبار سے لفظ حِلٌّ کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ کفار مکہ نے آپ ﷺ کو حلال سمجھ رکھا ہے کہ آپ ﷺ کے قتل کے درپے ہیں حالانکہ وہ خود بھی شہر مکہ میں کسی شکار تک کو بھی حلال نہیں سمجھتے مگر ان کا ظلم اور سرکشی اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ جس مقدس مقام پر کسی جانور کا قتل بھی جائز نہیں اور خود ان لوگوں کا بھی یہی عقیدہ ہے وہاں انہوں نے اللہ کے رسول کا قتل اور خون حلال سمجھ لیا ہے۔

تیسرے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ کے لئے حرم مکہ میں کفار کے ساتھ قتال حلال ہونے والا ہے جیسا کہ فتح مکہ میں ایک روز کے لئے آپ ﷺ سے احکام حرم اٹھا لئے گئے تھے اور کفار کا قتل حلال کر دیا گیا تھا؛ چنانچہ عبداللہ بن خطل کو فتح مکہ کے دن اس وقت قتل کر دیا گیا جب کہ وہ بیت اللہ کے پردوں سے چمٹا ہوا تھا، یہ شخص قریشی تھا لوگ اس کو ذوقلبین کہا کرتے تھے، آنحضرت ﷺ کے حکم سے اس کو ابو برزہ بن سعید بن حرب اسلمی نے قتل کر دیا، اس نے اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کیا تھا اور چند روز وحی کی کتابت بھی کی تھی مگر بعد میں مرتد ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے لگا تھا اور کہتا تھا کہ محمد ﷺ جو وحی لکھاتے ہیں وہ خدا کی طرف سے نہیں ہوتی بلکہ خود ان کی طرف سے ہوتی ہے۔

(روح المعانی)

وَوَالِدٍ وَمَا وَلَدَ بعض مفسرین نے اس سے حضرت آدم اور ان کی صلبی اولاد مراد لی ہے اور بعض کے نزدیک عام ہے ہر باپ اور اس کی اولاد اس میں شامل ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ یعنی انسان کی زندگی محنت ومشقت اور شدائد سے معمور ہے، یہ جواب قسم ہے۔

أَوْ إِطْعَامٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ، مسغبة بھوک، اور ذی مسغبة بھوک والے دن اور ذا متربة (مٹی والا) یعنی وہ شخص جو فقر وغربت کی وجہ سے زمین پر پڑا رہتا ہو، اس کا گھر بار کچھ نہ ہو، مطلب یہ کہ کسی غلام کو آزاد کرنا کسی بھوکے کو، رشتہ دار یتیم کو کھانا کھلانا یہ دشوار گزار گھاٹی میں داخل ہونا ہے جس کے ذریعہ انسان جہنم سے بچ کر جنت میں جا پہنچے گا یتیم کی کفالت ویسے بھی بڑے اجر کا کام ہے اور اگر وہ رشتہ دار بھی ہو تو اس کی کفالت کا اجر بھی دگنا ہے ایک صدقہ کا اور دوسرا صلہ رحمی کا اسی طرح غلام آزاد کرنے کی بھی حدیث شریف میں بڑی فضیلت آئی ہے آج کل اس کی ایک صورت کسی مقروض کو قرض کے بوجھ سے نجات دلا دینا بھی ہوسکتی ہے، یہ بھی ایک قسم کا فَكُّ رَقَبَة ہے۔

بحمداللہ تعالیٰ

سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسَ عَشْرَةَ اٰيَةً

سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ خَمسَ عشرَةَ اٰيَةً.

سورۂ والشمس مکی ہے، پندرہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝١ ضوءِ ها وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝٢ تبعَهَ طَالِعًا عِنْدَ غُرُوْبِهَا وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ۝٣ بارْتِفَاعِه وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ۝٤ يُغَطِّيْهَا بظُلْمَتِه واذَا فِى الثَّلٰثَ لِمُجَرَّدِ الظَّرْفِيَّةِ والعَامِلُ فِيْهَا فِعْلُ القَسَمِ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ۝٥ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ۝٦ بَسَطَهَا وَنَفْسٍ بمَعْنى نُفُوْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۝٧ فِى الخِلْقَةِ ومَا فِى الثَّلاثَةِ مَصْدَرِيَّةٌ او بمَعْنى مَنْ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝٨ بَيَّنَ طَرِيْقَي الخَيْرِ والشَّرِّ واَخَّرَ التَّقْوٰى رِعَايَةً لِرُؤُسِ الآى وَجَوَابُ القَسَمِ قَدْ اَفْلَحَ حُذِفَتْ مِنْهُ اللّامُ لِطُوْلِ الكَلامِ مَنْ زَكّٰهَا ۝٩ طَهَّرَهَا مِنَ الذُّنُوْبِ وَقَدْ خَابَ خَسِرَ مَنْ دَسّٰهَا ۝١٠ اَخْفَاهَا بِالمَعْصِيَةِ اَصْلُ دَسَّسَهَا اُبْدِلَتِ السِّيْنُ الثَّانِيَةُ اَلِفًا تَخْفِيْفًا كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ رَسُوْلَهَا صَالِحًا بِطَغْوٰهَا ۝١١ بِسَبَبِ طُغْيَانِهَ اِذِ انْبَعَثَ اَسْرَعَ اَشْقٰهَا ۝١٢ واسْمُهٗ قُدَارٌ اِلٰى عَقْرِ النَّاقَةِ بِرِضَاهُمْ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَالِحٌ نَاقَةَ اللّٰهِ اى ذَرُوْهَا وَسُقْيٰهَا ۝١٣ وشُرْبَهَا فِى يَوْمِهَا وَكَانَ لَهَا يَوْمٌ وَلَهُمْ يَوْمٌ فَكَذَّبُوْهُ فِى قَوْلِهٖ ذٰلِكَ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰى المُرَتَّبِ عَلَيْهِ نُزُوْلُ العَذَابِ بِهِمْ اِنْ خَالَفُوْهُ فَعَقَرُوْهَا قَتَلُوْهَا لِيَسْلَمَ لَهُمْ مَاءُ شُرْبِهَا فَدَمْدَمَ اَطْبَقَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ العَذَابَ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰهَا ۝١٤ اَىِ الدَّمْدَمَةَ عَلَيْهِمْ اى عَمَّهُمْ بِهَا فَلَمْ يُفْلِتْ مِنْهُمْ اَحَدًا وَ بِالوَاوِ والفَاءِ يَخَافُ تَعَالٰى عُقْبٰهَا ۝١٥ تبعَتَهَا.

ع

تَرْجَمَہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، سورج اور اس کی روشنی کی قسم او چاند کی قسم جب وہ سورج کے پیچھے آتا ہے، یعنی اس کے غروب ہونیکے بعد طلوع ہوتا ہے اور دن کی قسم جب وہ اپ ارتفاع کے ساتھ سورج کو نمایاں کر دیتا ہے اور قسم ہے رات کی جب وہ سورج کو اپنی تاریکی کے ذریعہ چھپا لیتی ہے اور اذ تینوں جگہ محض ظرفیت کے لئے ہے اور عامل (اذا) میں فعل قسم ہے اور آسمان اور اس ذات کی قسم جس نے اسے قائم کیا او

زمین کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے بچھایا، اور قسم ہے نفس کی اور اس ذات کی جس نے اس کی تخلیق کو درست کیا اور نفس بمعنی نفوس ہے اور ما تینوں جگہ مصدر یہ ہے یا بمعنی مَنْ ہے، پھر اس کی بدکاری اور اس کی پرہیزگاری کا الہام فرمایا یعنی خیر و شر کے دونوں طریقے واضح فرمائے اور تقویٰ کو فواصل کی رعایت کی وجہ سے، مؤخر کیا ہے، اور جواب قسم قَدْ اَفْلَحَ ہے جواب قسم سے لام طول کلام کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔ یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے اس نفس کو گناہوں سے پاک کر لیا اور یقیناً نامراد ہوا وہ جس نے نفس کو معصیت میں دبا دیا "دَسّٰھَا" اصل میں دَسَّسَھَا تھا دوسرے سین کو تخفیف الف سے بدل دیا، اور قوم ثمود نے اپنے رسول صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اپنی سرکشی کے سبب تکذیب کی جب کہ اس قوم کے شقی ترین شخص نے جس کا نام قُدار تھا اپنی قوم کی رضامندی سے اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کی طرف سبقت کی، تو ان سے اللہ کے رسول صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا کہ اللہ کی اونٹنی سے بچو (یعنی اس کو بدنیتی سے ہاتھ نہ لگانا) اور اس کی باری کے دن میں پانی پینے سے خبردار رہنا اور ایک دن اس کی باری کا تھا اور قوم کے لئے ایک دن تھا سو انہوں نے اس صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب کی اس بات میں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے اگر وہ اس کا خلاف کریں گے تو اس پر نزول عذاب مرتب ہوگا تو پھر انہوں نے اس اونٹنی کو ہلاک کر دیا یعنی اس کو قتل کر دیا تاکہ اس (اونٹنی) کی پانی پینے کی باری خالص اُن کے لئے ہو جائے تو ان کے پروردگار نے ان کے گناہوں کے سبب ان پر ہلاکت نازل فرمائی پھر اس ہلاکت کو ان کے اوپر عام کر دیا کہ ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑا اور اللہ تعالیٰ کو اس کے (برے) انجام کا خوف نہیں (وَلَا) میں واو اور فا دونوں ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَضُحٰھَا، الضَحْوَۃُ، ارتفاع النہار، اور الضُّحٰی بالضم و القصر ارتفاع النہار سے بڑھ کر اور اَلضَّحَاءُ فتحہ اور مد کے ساتھ وہ وقت جب کہ دن نصف النہار کے قریب پہنچ جائے۔

قَوْلُہٗ: والنھار اِذَا جَلّٰھَا، اِذَا جَلّٰھَا کی ضمیر مرفوع مستتر یا تو نہار کی طرف یا اللہ کی طرف راجع ہے اور ضمیر بارز منصوب یا تو شمس کی طرف راجع ہے یا ظلمت کی طرف۔

قَوْلُہٗ: لمجرد الظرفیۃ یہ اضافت الصفت الی الموصوف کے قبیل سے ہے ای الظرفیۃ المجردۃ عن الشرط.

قَوْلُہٗ: قَدْ اَفْلَحَ یہ جواب قسم ہے، حذفت منه اللام یعنی قد پر سے طول کلام کی وجہ سے لام حذف کر دیا گیا ہے، ماضی مثبت جب جواب قسم واقع ہو تو اس پر لام اور قد لانا ضروری ہوتا ہے؛ البتہ صرف قد پر بھی اکتفا جائز ہے۔

تفسیر وتشریح

اس سورت کے شروع میں سات چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے جن کا جواب قسم قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ہے، والشَّمْسِ وَضُحٰهَا یہاں اگرچہ ضُحٰہا کو واو عطف کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے مگر بعد کے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ضحیٰ کا ذکر بطور وصفِ شمس کے ہے یعنی قسم ہے آفتاب کی جب کہ وہ وقت ضحیٰ میں ہو، ضحیٰ اس وقت کو کہا جاتا ہے جب آفتاب طلوع ہو کر کچھ بلند ہو جائے اور اس کی روشنی زمین پر پھیل جائے۔

والقمرِ اِذَا تَلٰهَا یعنی سورج غروب ہونے کے بعد وہ طلوع ہو جیسا کہ مہینے کے نصف اول میں ہوتا ہے۔

وَالسَّمَاءِ وَمَا بَنٰهَا یعنی اس ذات کی قسم جس نے اس کو بنایا، اس معنی کے اعتبار سے مَا بمعنی مَنْ ہے، اور اگر ترجمہ یہ کیا جائے کہ قسم ہے آسمان کی اور اس کے بنانے کی، اس صورت میں مَا مصدریہ ہوگا۔

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا الہام کا مطلب یا تو یہ ہے کہ انہیں انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ سے خیر وشر کی پہچان کرادی، یا مطلب یہ ہے کہ ان کی عقل وفطرت میں خیر وشر، نیکی اور بدی کا شعور ودیعت فرما دیا؛ تاکہ وہ نیکی کو اختیار کریں اور بدی سے اجتناب کریں۔

فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک معجزہ کی فرمائش کی، حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جس کی برکت سے پہاڑ سے ایک دس مہینہ کی گابھن اونٹنی نکلی اور اس نے بچہ دیا، حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اس اونٹنی کا خیال رکھنا اس کو نقصان نہ پہنچانا ورنہ عذاب الٰہی نازل ہو جائے گا ایک دن پانی پینے کی اس کی باری ہوگی اور ایک دن تمہارے سب جانوروں کی؛ لیکن ان ظالموں نے اس کی پروانہ کی اور قدار بن سالف نامی ایک شخص کو اس اونٹنی کو ہلاک کرنے کے لئے آمادہ کرلیا اور اس شخص نے یہ کام انجام دے دیا جس کی وجہ سے وہ شخص رئیس الاشقیاء ہوگیا، یہ حرکت اگرچہ قدار بن سالف نے انجام دی مگر پوری قوم بھی چونکہ اس فعل سے راضی تھی اس لئے پوری قوم کو برابر کا مجرم قرار دے دیا گیا، اس سے یہ اصول مستنبط ہوتا ہے کہ اگرچہ برائی کا ارتکاب کرنے والے چند افراد یا ایک فرد ہو مگر پوری قوم کی اس کو پشت پناہی حاصل ہو اور ان کے اس فعل پر پوری قوم راضی ہو اور اس فعل پر نکیر کرنے کے بجائے اسے پسند کرتی ہو تو اللہ کے یہاں پوری قوم اس جرم کی مرتکب قرار پائے گی۔

وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا یعنی اللہ تعالیٰ دنیا کے بادشاہوں اور حکمرانوں کی طرح نہیں ہے کہ جو کسی قوم کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کے وقت یہ سوچنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ اس اقدام کے نتائج کیا ہوں گے؟ اس کا اقتدار سب سے بالاتر ہے، اسے اس امر کا کوئی اندیشہ نہیں تھا کہ ثمود کی حامی کوئی ایسی طاقت ہے جو اس سے بدلہ لینے کے لئے آئے گی۔



سُوْرَةُ الَّيلِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اِحْدٰى وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً

سُوْرَةُ الَّيلِ مَكِّيَّةٌ اِحْدٰى وعِشْرُوْنَ اٰيةً.

سورۃ اللّیل مکی ہے، اکیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ﴿١﴾ بظُلْمَتِهٖ كُلَّ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ والاَرْض وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ﴿٢﴾ تَكَشَّفَ وظَهَرَ واِذَا فِي المَوْضِعَيْنِ لِمُجَرَّدِ الظَّرْفِيَّةِ والعَامِلُ فيها فِعْلُ القَسَمِ وَمَا بمَعْنى مَنْ او مَصْدَرِيَّةٌ خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿٣﴾ اٰدَمَ وحَوَّاءَ، وكُلَّ ذَكَرٍ وكُلَّ اُنْثٰى وَالخُنْثٰى المُشْكِلُ عِنْدَنَا ذَكَرٌ او اُنْثٰى عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى فَيَحْنَثُ بِتَكْلِيْمِهٖ مَنْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُ ذَكَرًا وَلَا اُنْثٰى اِنَّ سَعْيَكُمْ عَمَلَكُمْ لَشَتّٰى ﴿٤﴾ مُخْتَلِفٌ فَعَامِلٌ لِلْجَنَّةِ بِالطَّاعَةِ وعَامِلٌ لِلنَّارِ بِالمَعْصِيَةِ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى حَقَّ اللّٰهِ وَاتَّقٰى ﴿٥﴾ اللّٰهَ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ﴿٦﴾ اي بلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فِي المَوْضِعَيْنِ فَسَنُيَسِّرُهٗ نُهَيِّئُهٗ لِلْيُسْرٰى ﴿٧﴾ لِلْجَنَّةِ وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ﴿٨﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ﴿٩﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ﴿١٠﴾ لِلنَّار وَمَا نَافِيَةٌ يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ﴿١١﴾ فِي النَّارِ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ﴿١٢﴾ لِتَبْيِيْنِ طَرِيْقِ الهُدٰى مِنْ طَرِيْقِ الضَّلَالِ لِيَمْتَثِلَ اَمْرَنَا بِسُلُوْكِ الاَوَّلِ وَنَهْيَنَا عَنِ ارْتِكَابِ الثَّانِي وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ﴿١٣﴾ اي الدُّنْيَا فَمَنْ طَلَبَهُمَا مِنْ غَيْرِنَا فَقَدْ اَخْطَأَ فَاَنْذَرْتُكُمْ خَوَّفْتُكُمْ يَا اَهْلَ مَكَّةَ نَارًا تَلَظّٰى ﴿١٤﴾ بِحَذْفِ اِحْدَى التَّائَيْنِ مِنَ الاَصْلِ وقُرِئَ بِثُبُوْتِهَا اي تَتَوَقَّدُ لَا يَصْلٰىهَا يَدْخُلُهَا اِلَّا الْاَشْقٰى ﴿١٥﴾ بِمَعْنَى الشَّقِيِّ الَّذِيْ كَذَّبَ النَّبِيَّ وَتَوَلّٰى ﴿١٦﴾ عَنِ الاِيْمَانِ وهٰذَا الحَصْرُ مُؤَوَّلٌ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ فَيَكُوْنُ المُرَادُ الصَّلْيُ المُؤَبَّدُ وَسَيُجَنَّبُهَا يُبْعَدُ عَنْهَا الْاَتْقَى ﴿١٧﴾ بِمَعْنَى التَّقِيِّ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿١٨﴾ مُتَزَكِّيًا بِهٖ عِنْدَ اللّٰهِ بِاَنْ يُخْرِجَهٗ لِلّٰهِ تَعَالٰى لَا رِيَاءً وَلَا سُمْعَةً فَيَكُوْنُ زَكِيًّا عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى وهٰذَا نَزَلَ فِي الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ لَمَّا اشْتَرٰى بِلَالًا المُعَذَّبَ عَلٰى اِيْمَانِهٖ واَعْتَقَهٗ فَقَالَ الكُفَّارُ اِنَّمَا فَعَلَ ذٰلِكَ لِيَدٍ كَانَتْ لَهٗ عِنْدَهٗ فَنَزَلَ وَمَا لِاَحَدٍ بِلَالٍ وَغَيْرِهٖ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰى ﴿١٩﴾ اِلَّا لٰكِنْ فَعَلَ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿٢٠﴾ اي طَلَبَ ثَوَابِ اللّٰهِ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿٢١﴾ بِمَا يُعْطَاهُ مِنَ الثَّوَابِ فِي الجَنَّةِ والاٰيَةُ تَشْتَمِلُ مَنْ فَعَلَ مِثْلَ فِعْلِهٖ فَيُبْعَدُ عَنِ النَّارِ ويُثَابُ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، قسم ہے رات کی جب وہ اپنی تاریکی سے آسمان اور زمین کی ہر شئ پر چھا جائے اور قسم ہے دن کی جب وہ روشن ہو (یعنی) جب کہ وہ واضح اور ظاہر ہو، اور اِذا دونوں جگہ ظرفیت کے لئے ہے اور اس میں عامل فعل قسم ہے اور مَا بمعنی مَنْ یا مصدریہ ہے اور قسم ہے اس ذات کی جس نے نرومادہ پیدا کئے، (یعنی) آدم وحوا یا مذکر ومؤنث کو پیدا کیا، اور خنثیٰ مشکل ہمارے نزدیک ہے (مگر) اللہ کے نزدیک وہ مذکر یا مؤنث ہے لہٰذا وہ شخص جس نے قسم کھائی کہ وہ مرد اور عورت سے بات نہ کرے گا تو وہ خنثیٰ مشکل سے کلام کرنے سے حانث ہو جائے گا، یقیناً تمہاری کوشش (یعنی) عمل مختلف قسم کے ہیں کچھ لوگ طاعت کے ذریعہ جنت کے لئے عمل کرنے والے ہیں اور کچھ لوگ معصیت کے ذریعہ جہنم کے لئے عمل کرنے والے ہیں سو جس نے اللہ کا حق ادا کیا اور اللہ سے ڈرا اور سچی بات کی تصدیق کی یعنی لا الٰہ الا اللّٰہ کی، دونوں جگہ، تو ہم اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیں گے اور جس نے اللہ کے حق میں بخل کیا اور اس کے ثواب سے بے نیازی برتی اور اچھی بات کو جھٹلایا تو اس کو ہم سخت راستہ یعنی آگ کے لئے سہولت مہیا کریں گے اور اس کا مال اس کے کچھ کام نہ آئے گا جب کہ وہ آگ میں ہلاک ہو جائے گا بے شک راہ دکھانا ہمارے ذمہ ہے یعنی ہدایت کے راستہ کو گمراہی کے راستہ سے ممتاز کرنا، تاکہ اول راستہ پر چل کر ہمارے حکم کی تعمیل کرے اور ہماری نہی پر عمل کرے ثانی راستہ کو اختیار نہ کر کے اور بلاشبہ آخرت اور اولیٰ یعنی دنیا ہماری ہی ملک ہے لہٰذا دنیا کو جس نے ہمارے غیر سے طلب کیا اس نے خطا کی، پس میں نے تم کو اے اہل مکہ! بھڑکتی ہوئی آگ سے خبردار کر دیا ہے، اصل میں ایک تاء کو حذف کر کے، اور تاء کو باقی رکھتے ہوئے بھی، یعنی تَتَوَقَّدُ بھی پڑھا گیا ہے، جس میں صرف وہی بدبخت داخل ہوگا جس نے نبی کی تکذیب کی اور ایمان سے اعراض کیا اور اشقی بمعنی شقی ہے، اور یہ حصر مؤول ہے اللہ تعالیٰ کے قول "ویغفر ما دون ذالك لمن یشاء" کی وجہ سے لہٰذا دائمی دخول مراد ہوگا، اور اس سے وہ متقی دور رکھا جائے گا جو اپنے مال کو عند اللہ پاکیزہ ہونے کی خاطر دیتا ہے اور اتقٰی بمعنی تقی ہے، بایں طور کہ وہ مال اللہ کے لئے خرچ کرتا ہے نہ کہ دکھانے اور سنانے کے لئے؛ لہٰذا یہ شخص عند اللّٰہ پاکیزہ ہوگا اور یہ آیت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بارے میں نازل ہوئی جب کہ انہوں نے بلال رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو اس وقت جب کہ وہ اپنے ایمان کی وجہ سے تکلیف میں مبتلا تھے خرید کر آزاد کر دیا تھا تو کفار نے کہا، ابوبکر نے یہ عمل اس لئے کیا کہ بلال رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا ان پر ایک احسان تھا، تو یہ آیت نازل ہوئی "وَمَا لِاَحَدٍ الخ" یعنی بلال وغیرہ کا ان پر کوئی احسان نہیں ہے کہ جس کا بدلہ اسے چکانا ہو وہ تو صرف اپنے رب برتر کی رضا جوئی (یعنی) اللہ کی جانب سے صلہ حاصل کرنے کے لئے یہ کام کرتا ہے اور وہ اس ثواب سے ضرور خوش ہوگا، جو اس کو جنت میں دیا جائے گا اور آیت ہر اس شخص پر مشتمل ہے جس نے حضرت ابوبکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ جیسا عمل کیا تو اس کو دوزخ سے دور رکھا جائے گا اور اس کو اجر دیا جائے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: کُلَّ مَا بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اس میں اشارہ ہے کہ یَغْشٰی کا مفعول بہ محذوف ہے۔

قولہ: لمجرد الظرفیة، ای المجرد عن الشرط.

قولہ: آدم وحوّاء علیہما السلام اس میں اشارہ ہے کہ اَلذَّکَر وَالْاُنْثیٰ میں الف لام عہد کا ہے۔

قولہ: اَوْ کلَّ ذکرٍ و کلَّ انثی اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ الذکر والانثی کا الف لام استغراق کا بھی ہوسکتا ہے۔

قولہ: والخنثی المشکل عندنا، الخنثی المشکل مبتداء ہے اور عندنا خبر، اور عند اللّٰہ ذکرٌ اَوْ انثی کا ظرف ہے، اور یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: سوال یہ ہے کہ خنثیٰ مشکل نہ مذکر کے عموم میں داخل ہے اور نہ انثیٰ کے عموم میں تو وہ اس حکم میں کیسے داخل ہوا؟

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ خنثیٰ مشکل ہمارے علم کے اعتبار سے ہے، مگر اللہ کے علم کے اعتبار سے خنثیٰ یا تو مذکر ہے یا مؤنث ہے، لہٰذا یہ ذکر او رانثی کے عموم میں داخل ہے خنثیٰ کوئی تیسری جنس نہیں ہے اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے "یھبُ لمن یشاء اناثا ویھب لمن یشاء الذکور".

قولہ: اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی یہ جواب قسم ہے سَعْیَکُمْ مصدر مضاف ہے جو عموم کا فائدہ دیتا ہے لہٰذا معنی کے اعتبار سے جمع ہے اگرچہ لفظوں کے اعتبار سے مفرد ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کی خبر جمع لائی گئی ہے اور شتّٰی بمعنی مَساعیکم ہے۔

قولہ: حق اللّٰہ اور اِتّقی کے بعد لفظ اللّٰہ کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ اعطی اور اتقی کے مفعول بہ محذوف ہیں۔

قولہ: نُھَیِّئُهٗ اس لفظ کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب دینا ہے۔

سوال: فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی سے معلوم ہوتا ہے کہ عسر کے لئے بھی یسر ہے، حالانکہ عسر میں یسر کا کوئی مطلب نہیں ہے؟

جواب: جواب کا ماحصل یہ ہے کہ یہاں یسر سے مراد اسباب مہیا کرنا ہے جو یسر اور عسر دونوں کے لئے ہوسکتا ہے یعنی ہم اس کے لئے ایسے اعمال آسان کردیتے ہیں جو اس کو جہنم کی طرف لے جائیں۔

قولہ: وَھٰذا الحَصر مؤوّلٌ یعنی یہ حصر اپنے ظاہر سے پھرا ہوا ہے، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد فرقۂ مُرجئہ پر رد کرنا ہے، جن کا عقیدہ ہے کہ ایمان کے ساتھ کوئی گناہ مضر نہیں ہے اور استدلال مذکورہ آیت "لَا یَصْلٰھَا اِلَّا الْاَشْقٰی" سے کرتے ہیں یعنی جہنم میں شقی ترین شخص ہی داخل ہوگا اور شقی ترین کافر ہوتا ہے، مومن داخل نہ ہوگا اگرچہ مرتکب گناہ کبیرہ ہی کیوں نہ ہو۔

رد کا خلاصہ یہ ہے کہ دخول سے مراد دخول مؤبد ہے لہٰذا یہ اس کے منافی نہیں کہ گنہگار مومن جہنم میں داخل ہو اور بعد میں نکال لیا جائے۔

قَوْلُہٗ: یَتَزَکّٰی اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ یُؤْتِیْ سے بدل ہو اور دوسرے یہ کہ یُؤْتِیْ کے فاعل سے حال ہو مفسر علام نے متزکیًا کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ ان کے نزدیک حال ہونا راجح ہے۔

تفسیر و تشریح

وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی الخ تین چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے اور مقسم علیہ اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی ہے اس کے بعد نیک و بد سعی کا ذکر ہے، پھر ہر ایک کی تین تین صفت بیان فرمائی ہیں، نیک سعی کی تین صفتیں فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی واتقٰی وصَدَّقَ بیان فرمائی ہیں اور سعی بد کی تین صفتیں وَاَمَّا مَنْ بخل واستغنٰی وکذّبَ بالحسنٰی بیان فرمائی ہیں، مطلب یہ ہے کہ انسان فطری طور پر کسی نہ کسی کام کے لئے سعی اور جد و جہد کا عادی ہے، بعض لوگ اپنی جد و جہد سے دائمی راحت کا سامان کر لیتے ہیں اور بعض اپنی اسی سعی کے ذریعہ دائمی عذاب خرید لیتے ہیں، حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ ہر انسان جب صبح کو اٹھتا ہے تو وہ اپنے نفس کو تجارت پر لگا دیتا ہے کوئی تو اپنی سعی میں کامیاب ہوتا ہے اور اپنے آپ کو آخرت کے دائمی عذاب سے آزاد کرا لیتا ہے اور بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ انکی سعی اور محنت ہی ان کی ہلاکت کا سبب بن جاتی ہیں۔

سعی اور عمل کے اعتبار سے انسانوں کی قسمیں:

آئندہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے سعی اور عمل کے اعتبار سے انسانوں کے دو گروہ بتلائے ہیں اور دونوں کے تین تین اوصاف ذکر کئے ہیں، پہلا گروہ کامیاب لوگوں کا ہے ان کے تین عمل یہ ہیں، ① راہِ خدا میں خرچ کرنا، ② اللہ سے ڈرنا اور ③ اچھی بات کی تصدیق کرنا، اچھی بات سے مراد کلمہ لا الٰہ الا اللّٰہ کی تصدیق ہے۔

وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ الخ اس میں دوسرے گروہ کے تین اوصاف کا ذکر فرمایا، ① راہِ خدا میں مال خرچ کرنے سے بخل کرنا ② خدا سے بے نیازی اختیار کرنا اور ③ اچھی بات یعنی کلمۂ ایمان کی تکذیب کرنا، مذکورہ دونوں گروہوں میں سے پہلے گروہ کے بارے میں فرمایا فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی، یُسْر کے لفظی معنی ہیں آرام دہ چیز جس میں مشقت نہ ہو اور مراد اس سے جنت ہے، اسی طرح اس کے مقابل دوسرے گروہ کے متعلق فرمایا فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی، عُسر کے معنی ہیں مشکل اور تکلیف دہ چیز مراد اس سے جہنم ہے، اور معنی دونوں جملوں کے یہ ہیں کہ جو لوگ اپنی سعی اور محنت پہلے تین کاموں میں لگاتے ہیں یعنی اللہ کی راہ میں خرچ، اور اللہ سے ڈرنا اور ایمان کی تصدیق ان لوگوں کو یُسْرٰی یعنی اعمال جنت کے لئے آسان کر دیتے ہیں اور جو لوگ یہ سعی اور عمل دوسرے تین کاموں میں خرچ کرتے ہیں ان کو ہم عُسْرٰی یعنی اعمال جہنم کے لئے آسان کر دیتے ہیں، یہاں بظاہر مقتضائے مقام یہ کہنے کا تھا کہ ان کے لئے اعمال جنت یا اعمال دوزخ آسان کر

دیئے جائیں گے، کیوں کہ آسان یا مشکل ہونا اعمال ہی کی صفت ہوسکتی ہے اس لئے کہ نہ خود ذوات اور اشخاص آسان ہوتے ہیں اور نہ مشکل مگر قرآن کریم نے اس کی تعبیر اس طرح فرمائی کہ خود ان لوگوں کی ذات اور وجود ان اعمال کے لئے آسان کر دیئے جائیں گے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی طبیعتوں اور مزاجوں کو ایسا بنایا جائے گا کہ پہلے گروہ کیلئے اعمال جنت ان کی طبیعت بن جائیں گے ان کے خلاف کرنے میں وہ تکلیف محسوس کرنے لگیں گی، اسی طرح دوسرے گروہ کا مزاج ایسا بنا دیا جائے گا کہ اس کو اعمال جہنم ہی پسند آئیں گے اور اعمال جنت سے نفرت ہوگی، ان دونوں گروہوں کے مزاجوں میں یہ کیفیت پیدا کر دینے کو اس سے تعبیر فرمایا کہ یہ خود ان کاموں کے لئے آسان ہو گئے۔

وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى یعنی جس مال کی خاطر یہ کمبخت حقوق واجبہ میں بخل کیا کرتا تھا یہ مال ان پر عذاب آنے کے وقت کچھ کام نہ دے گا تَرَدّٰی کے لفظی معنی گڑھے میں گر جانے اور ہلاک ہونے کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ موت کے بعد قبر میں اور پھر قیامت میں جب وہ جہنم کے گڑھے میں گرتا ہوگا تو یہ مال اس کو کچھ نفع نہیں دے گا۔ (معارف)

صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ جہنم سے محفوظ ہیں:

اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو ان حضرات سے گناہ کا صدور شاذ و نادر ہی ہوا ہے اور بوجہ خوف آخرت کے ان کے حالات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے توبہ کر لی ہوگی علاوہ ازیں ان کے ایک گناہ کے مقابلہ میں ان کے اعمال حسنہ اتنے زیادہ ہیں کہ ان کی وجہ سے بھی یہ گناہ معاف ہوسکتا ہے جیسا کہ خود قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے "اِنّ الحسنات یذھبن السیئات" یعنی نیک اعمال برے اعمال کا کفارہ بن جاتے ہیں اور خود آنحضرت ﷺ کی صحبت میں رہنا ایسا عمل ہے کہ جو تمام اعمال حسنہ پر غالب ہے حدیث میں صلحاء امت کے بارے میں آیا ہے "ھم قوم لا یَشْقٰی جلیسھم وَلَا یَخابُ انیسھم" (صحیحین) یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا شقی اور نامراد نہیں ہوسکتا اور جو ان سے مانوس ہو وہ محروم نہیں ہوسکتا تو جو شخص سید الانبیاء کا جلیس اور انیس ہو وہ کیسے شقی ہوسکتا ہے اسی لئے احادیث صحیحہ میں اس کی تصریحات موجود ہیں کہ صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ سب کے سب عذاب جہنم سے بری ہیں خود قرآن مجید میں صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے بارے میں موجود ہے "وکلًا وعد اللّٰہ الحسنیٰ" یعنی ان میں سے ہر ایک کے لئے اللہ نے حسنیٰ یعنی جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

شان نزول:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الخ یہ اہل شقاوت کے مقابل اہل سعادت کا بیان ہے کہ جو آدمی اتقی یعنی مکمل اطاعت حق کا خوگر ہو اور وہ اپنا مال اللہ کی راہ میں صرف اس لئے خرچ کرتا ہے کہ وہ گناہوں سے پاک ہو جائے ایسا شخص اس جہنم کی آگ سے دور رکھا جائے گا، اگرچہ آیت کے الفاظ عام ہیں جو شخص بھی ایمان کے ساتھ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے اس کے لئے یہ بشارت ہے لیکن شان نزول کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد اتقی سے حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہیں ابن ابی حاتم

رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے حضرت عروہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ سے روایت کیا ہے کہ سات اشخاص ایسے تھے جن کو کفار مکہ نے اپنا غلام بنایا ہوا تھا جب وہ مسلمان ہو گئے تو ان کو طرح طرح کی ایذائیں دیتے تھے حضرت صدیق اکبر رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے اپنا بڑا مال خرچ کر کے ان کو کفار سے خرید کر آزاد کر دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری)

قَوْلُہٗ: وهٰذا نزلَ فی ابی بکر الصدیق رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ، حضرت بلال بن رباح، رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ امیہ بن خلف جمحی کے غلام تھے اور صادق الاسلام اور طاہر القلب تھے، اور امیہ بن خلف کی یہ عادت تھی کہ جب دن چڑھ جاتا اور دھوپ شدید ہو جاتی اور زمین خوب تپنے لگتی تو حضرت بلال رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کو جنگل میں لے جاتا اور تپتی ہوئی زمین پر چت لٹا دیتا اور ان کے سینے پر ایک بھاری پتھر رکھ دیتا اور پھر کہتا کہ تجھ کو اسی حال میں رکھا جائے گا تا آں کہ تو مر جائے یا محمد ﷺ کا منکر ہو جائے، مگر حضرت بلال رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اس حالت میں بھی اَحَــــدْ اَحَــــدْ فرماتے رہتے، اسی حالت میں ایک روز آنحضرت ﷺ کا حضرت بلال رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ پر گذر ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا اَحَــــدْ تجھ کو نجات دے گا، یعنی اللہ تعالیٰ تجھ کو نجات دے گا، پھر آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ سے فرمایا کہ بلال رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کو اللہ کے راستہ میں تکلیف دی جا رہی ہے حضرت ابو بکر رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ آپ ﷺ کا مقصد سمجھ گئے تو اپنے گھر گئے اور ایک رطل سونا لیا اور امیہ بن خلف کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے کہا کیا تو اس مسکین کے بارے میں خدا سے نہیں ڈرتا؟ امیہ نے جواب دیا تو نے ہی اس کو خراب کیا لہٰذا تو ہی اس کو بچا، ایک روایت میں یہ ہے کہ ایک رطل سونے کے عوض اس کو خرید کر آزاد کر دیا اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ ابو بکر صدیق رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے فرمایا میرے پاس ایک قوی طاقتور غلام ہے اور وہ تیرے دین پر ہے چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے وہ غلام دے کر حضرت بلال رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کو خرید کر آزاد کر دیا۔

وَلَسَوْفَ یَرْضٰی یعنی جس شخص نے اپنا مال خرچ کرنے میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کو دیکھا اپنا کوئی دنیوی فائدہ پیش نظر نہ رکھا تو اللہ تعالیٰ بھی آخرت میں اس کو راضی فرما دیں گے، شان نزول کے واقعہ سے ان آیات کا صدیق اکبر رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کی شان میں نازل ہونا ثابت ہے اس لئے یہ آخری کلمہ صدیق اکبر رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کے لئے عظیم خوشخبری اور اعزاز ہے کہ ان کو دنیا ہی میں اللہ کی طرف سے راضی کر دیئے جانے کی خوشخبری سنادی گئی۔

﴿ تمت ﴾

سُوْرَۃُ الضُّحٰی مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ اِحْدٰی عَشْرَۃَ اٰیَۃً

سُورَۃُ وَالضُّحٰی مَكِّيَّةٌ اِحْدٰى عَشْرَۃَ اٰيَةً.

سورۂ والضحیٰ مکی ہے، گیارہ آیتیں ہیں۔

وَلَمَّا نَزَلَتْ كَبَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسُنَّ التَّكْبِيْرُ اٰخِرَهَا وَرُوِيَ الأمر به خَاتِمَتَهَا وخَاتِمَةَ كُلِّ سُوْرَةٍ بَعْدَهَا وَهُوَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَوْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ.

اور جب یہ سورت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے تکبیر کہی؛ لہٰذا اس کے آخر میں تکبیر سنت قرار دے دی گئی، اور اس سورت کے آخر میں اور ہر اس سورت کے آخر میں جو اس کے بعد ہے تکبیر کا حکم بھی مروی ہے، اور وہ **اللّٰه اکبر یا لا اله الا اللّٰه واللّٰه اکبر** ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَالضُّحٰى ① اَوَّلِ النَّهَارِ او كُلِّهِ **وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ②** غَطّٰى بِظَلَامِهِ او سَكَنَ **مَا وَدَّعَكَ** يَا مُحَمَّدُ **رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ③** اَبْغَضَكَ نَزَلَ هٰذَا لَمَّا قَالَ الْكُفَّارُ عِنْدَ تَاَخُّرِ الْوَحْيِ عَنْهُ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا اِنَّ رَبَّهُ وَدَّعَهُ وَقَلَاهُ **وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ** لِمَا فِيْهَا مِنَ الْكَرَامَاتِ **مِنَ الْاُوْلٰى ④** الدُّنْيَا **وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ** فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَيْرَاتِ عَطَاءً جَزِيْلًا **فَتَرْضٰى ⑤** بِهِ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذًا لَا اَرْضٰى وَوَاحِدٌ مِّنْ اُمَّتِيْ فِي النَّارِ، اِلٰى هُنَا تَمَّ جَوَابُ الْقَسَمِ بِمُثْبَتَيْنِ بَعْدَ مَنْفِيَّيْنِ **اَلَمْ يَجِدْكَ** اِسْتِفْهَامُ تَقْرِيْرٍ اي وَجَدَكَ **يَتِيْمًا** بِفَقْدِ اَبِيْكَ قَبْلَ وِلَادَتِكَ او بَعْدَهَا **فَاٰوٰى ⑥** بِاَنْ ضَمَّكَ اِلٰى عَمِّكَ اَبِي طَالِبٍ **وَوَجَدَكَ ضَآلًّا** عَمَّا اَنْتَ عَلَيْهِ الْاٰنَ مِنَ الشَّرِيْعَةِ **فَهَدٰى ⑦** اي هَدَاكَ اِلَيْهَا **وَوَجَدَكَ عَآئِلًا** فَقِيْرًا **فَاَغْنٰى ⑧** اَغْنَاكَ بِمَا قَنَّعَكَ بِهِ مِنَ الْغَنِيْمَةِ وَغَيْرِهَا وَفِي الْحَدِيْثِ لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ **فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ⑨** بِاَخْذِ مَالِهِ اَوْ غَيْرِ ذٰلِكَ **وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ⑩** تَزْجُرْهُ لِفَقْرِهِ **وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ** عَلَيْكَ بِالنُّبُوَّةِ وَغَيْرِهَا **فَحَدِّثْ ⑪** اَخْبِرْ وَحُذِفَ ضَمِيْرُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فِی بَعْضِ الْاَفْعَالِ رِعَایَۃً لِلْفَوَاصِلِ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، قسم ہے شروع دن کی یا پورے دن کی اور قسم ہے رات کی جب وہ اپنی تاریکی کے ساتھ چھا جائے یا پرسکون ہو جائے (اے محمد ﷺ!) تمہارے رب نے تم کو ہرگز نہیں چھوڑا اور نہ وہ آپ سے ناراض ہوا یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب آپ ﷺ سے پندرہ روز تک وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا تو کفار نے کہا تھا کہ محمد ﷺ کو تو اس کے رب نے چھوڑ دیا اور اس سے ناراض ہو گیا، اور یقیناً آپ ﷺ کے لئے آخرت دنیا سے بہتر ہے اس لئے کہ آخرت میں (آپ ﷺ کے لئے) عظمتیں ہیں اور عنقریب یقیناً آپ ﷺ کا رب آپ ﷺ کو آخرت میں خیر سے اور بے انتہا انعامات سے نوازے گا، کہ آپ ﷺ اس سے خوش ہو جائیں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا تب تو میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک میرا ایک امتی بھی دوزخ میں رہے گا، یہاں تک جواب قسم دو منفی انعاموں کے بعد دو مثبت انعاموں پر ختم ہو گیا، کیا اس نے آپ ﷺ کو یتیم نہیں پایا آپ ﷺ کے والد کے، آپ ﷺ کی ولادت یا اس کے بعد فوت ہو جانے کی وجہ سے اور پھر ٹھکانہ فراہم کیا؟ استفہام تقریر کے لئے ہے یعنی آپ ﷺ کو یتیم پایا اس طریقہ پر کہ آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کے ساتھ ملا دیا، اور آپ ﷺ کو اس شریعت سے بے خبر پایا جس پر آپ ﷺ اب ہیں تو اس نے آپ ﷺ کی اس کی طرف رہنمائی فرمائی اور آپ ﷺ کو نادار پایا پھر آپ ﷺ کو مستغنی کر دیا اس مال غنیمت وغیرہ کے ذریعہ جس پر آپ ﷺ نے قناعت کی، اور حدیث میں ہے کہ غنا مال ومتاع کی کثرت سے نہیں ہے بلکہ غنا تو دل کا غنا ہوتا ہے، لہٰذا تم بھی یتیم پر اس کا مال وغیرہ لے کر سختی نہ کرنا اور نہ سائل کو فقر کی وجہ سے جھڑکنا اور اپنے اوپر اپنے رب کی نبوت وغیرہ نعمتوں کو ظاہر کرتے رہنا بیان کرتے رہنا، اور بعض افعال سے آپ ﷺ کی (طرف لوٹنے والی) ضمیریں فواصل کی رعایت کی وجہ سے حذف کر دی گئی ہیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: ضُحٰی دن چڑھے، چاشت کا وقت، ضحی مذکر ومؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: سَجٰی (نَصَرَ) سے ماضی واحد مذکر غائب، اس نے سکون پایا، وہ چھا گیا۔

قَوْلُہٗ: وَمَا قَلٰی یہ اصل میں قَلَاكَ تھا، مفعول بہ کو ماقبل پر قیاس کرتے ہوئے حذف کر دیا۔

قَوْلُہٗ: قَلٰی (ض ن) ماضی واحد مذکر غائب سخت نفرت کرنا۔

قَوْلُہٗ: جَزِیْلٌ بہت زیادہ، کثیر۔

قولہ: تمّ جواب القسم بمُثْبَتَيْنِ بَعْدَ المَنْفِيَيْن جواب قسم مَا وَدَّعَكَ سے شروع ہو کر فَتَرْضٰی پر ختم ہوا ہے، اس میں چار چیزوں کا بیان ہے اول دو یعنی مَا وَدَّعَكَ اور وَمَا قَلٰی منفی ہیں اور اس کے بعد وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ من الاولی اور لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی اس میں دو چیزوں کا بیان ہے یعنی خیر آخرت اور اعطاء رب اور یہ دونوں مثبت ہیں۔

قولہ: فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ، اَلْيَتِيْمَ، فَلَا تَقْهَرْ کی وجہ سے منصوب (مفعول بہ مقدم) ہے۔

قولہ: وحُذِف ضميره صلى الله عليه وسلم في بعض الافعال رعايةً للفواصل اور وہ تین افعال ہیں، ① یعنی فَاٰوٰی اصل میں فَاٰوَاكَ تھا ② فَهَدٰی ای فَهَدَاكَ ③ فَاَغْنٰی ای فاغناكَ تھا، مذکورہ تینوں افعال میں سے ضمیر مفعولی کو فواصل کی رعایت کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔

تفسیر و تشریح

شان نزول:

اس سورت کے سبب نزول کے متعلق بخاری و مسلم میں حضرت جندب بن عبداللہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی روایت سے آیا ہے اور ترمذی نے حضرت جندب سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ کی ایک انگلی زخمی ہوگئی اس سے خون جاری ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دُمِيْتِ   وفی سبيلِ اللّٰهِ ما لقيتِ

''یعنی تو ایک انگلی ہی تو ہے جو خون آلود ہوگئی اور جو تکلیف تجھے پہنچی وہ اللہ کی راہ میں ہے''، (اس لئے کیا غم ہے؟) حضرت جندب رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ اس واقعہ کے بعد (کچھ روز) جبرئیل امین عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وحی لے کر نہیں آئے تو مشرکین مکہ نے یہ طعنہ دینا شروع کر دیا کہ محمد (ﷺ) کو ان کے خدا نے چھوڑ دیا اور ناراض ہوگیا، اس پر یہ سورت نازل ہوئی، حضرت جندب رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی روایت جو بخاری میں ہے اس میں ایک دو رات تہجد کے لئے نہ اٹھنے کا ذکر ہے، وحی کی تاخیر کا ذکر نہیں اور ترمذی میں تہجد میں ایک دو رات نہ اٹھنے کا ذکر نہیں صرف وحی میں تاخیر کا ذکر ہے، ظاہر ہے کہ ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں، ہوسکتا ہے کہ دونوں باتیں پیش آئی ہوں، راوی نے کبھی ایک کو بیان کیا اور کبھی دوسرے کو اور جس نے آپ ﷺ کو طعنہ دیا وہ ابولہب کی بیوی ام جمیل تھی، جیسا کہ دوسری روایت میں اس کی صراحت موجود ہے، اور تاخیر وحی کے واقعات متعدد مرتبہ پیش آئے ہیں ایک شروع نزول قرآن کے وقت پیش آیا جس کو زمانہ فترت وحی کہا جاتا ہے، یہ سب سے زیادہ طویل تھا ایک واقعہ تاخیر وحی کا اس وقت پیش آیا جب کہ مشرکین اور یہود نے

آنحضرت ﷺ سے روح کی حقیقت کے متعلق سوال کیا تھا اور آپ ﷺ نے بعد میں جواب دینے کا وعدہ فرمایا تھا، مگر انشاء اللہ نہ کہنے کی وجہ سے کچھ روز تک سلسلۂ وحی بند رہا اس پر مشرکین نے یہ طعنہ دینا شروع کر دیا کہ محمد (ﷺ) کا خدا ان سے ناراض ہو گیا اور ان کو چھوڑ دیا اسی طرح کا یہ واقعہ ہے جو سورۂ ضحیٰ کے نزول کا سبب ہوا یہ ضروری نہیں کہ یہ سب واقعات ایک ہی زمانہ میں پیش آئے ہوں؛ بلکہ آگے پیچھے بھی ہو سکتے ہیں۔ (معارف)

وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولٰى بعض مفسرین نے آخرت اور اولیٰ سے دنیا آخرت مراد لی ہے اور بعض دیگر مفسرین نے اولیٰ سے ابتدائی دور اور آخرۃ سے بعد کا دور مراد لیا ہے، یہ خوشخبری اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو ایسی حالت میں دی تھی جب کہ چند مٹھی بھر افراد آپ ﷺ کے ساتھ تھے، ساری قوم آپ ﷺ کی مخالف تھی، بظاہر کامیابی کے آثار دور دور تک نظر نہیں آ رہے تھے اسلام کی شمع مکہ میں ٹمٹما رہی تھی اور اسی کو بجھانے کے لئے چاروں طرف سے طوفان اٹھ رہے تھے اس وقت اللہ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا کہ ابتدائی دور کی مشکلات سے آپ ﷺ کی عزت و شوکت اور آپ ﷺ کی قدر و منزلت برابر بڑھتی چلی جائے گی اور آپ ﷺ کا نفوذ و اثر پھیلتا چلا جائے گا، پھر یہ وعدہ صرف دنیا ہی تک محدود نہیں ہے اس میں یہ وعدہ بھی شامل ہے کہ آخرت میں جو مرتبہ آپ ﷺ کو ملے گا وہ اس مرتبہ سے بھی بدرجہا بڑھ کر ہوگا جو دنیا میں آپ ﷺ کو حاصل ہوگا، طبرانی نے اوسط میں اور بیہقی نے دلائل میں ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میرے سامنے وہ تمام فتوحات پیش کی گئیں جو میرے بعد میری امت کو حاصل ہونے والی ہیں اس پر مجھے بڑی خوشی ہوئی، تب اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا کہ آخرت تمہارے لئے دنیا سے بہتر ہے۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى یعنی آپ ﷺ کا رب آپ ﷺ کو اتنا دے گا کہ آپ ﷺ راضی ہو جائیں، اس میں حق تعالیٰ نے یہ متعین کر کے نہیں بتلایا کہ کیا دیں گے؟ اس میں اشارہ عموم کی طرف ہے کہ آپ ﷺ کی ہر پسندیدہ چیز اتنی عطا کی جائے گی کہ آپ خوش ہو جائیں گے، آپ ﷺ کی مرغوب چیزوں میں اسلام کی ترقی، دین اسلام کا عام طور پر دنیا میں پھیلنا وغیرہ وغیرہ سب داخل ہیں، یعنی اگرچہ دینے میں کچھ تاخیر ہوگی لیکن وہ وقت دور نہیں کہ جب آپ ﷺ پر آپ ﷺ کے رب کی عطا و بخشش کی وہ بارش ہوگی کہ آپ ﷺ خوش ہو جائیں گے یہ وعدہ آپ ﷺ کی زندگی ہی میں اس طرح پورا ہوا کہ سارا ملک عرب جنوب کے سواحل سے لے کر شمال میں سلطنت روم کی شامی اور سلطنت فارس کی عراقی سرحدوں تک اور مشرق میں خلیج فارس سے لے کر مغرب میں بحر احمر تک آپ ﷺ کے زیر نگین ہو گیا، عرب کی تاریخ میں یہ سرزمین پہلی مرتبہ ایک قانون اور ضابطہ کی تابع ہوئی تھی، جو طاقت بھی اس سے ٹکرائی وہ پاش پاش ہو کر رہ گئی، لوگوں کے صرف سر ہی اطاعت کے لئے نہیں جھک گئے بلکہ ان کے قلوب بھی مسخر ہو گئے پوری انسانی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی کہ ایک جاہلیت کی تاریکی میں ڈوبی ہوئی قوم صرف ۲۳/ سال کے اندر اتنی بدل گئی ہو، اس کے بعد آپ ﷺ کی برپا کی ہوئی تحریک اس طاقت کے ساتھ اٹھی کہ ایشیا، افریقہ اور یورپ کے ایک بڑے حصے پر چھا گئی

اور دنیا کے گوشے گوشے میں اس کے اثرات پھیل گئے یہ کچھ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو دنیا میں عطا فرمایا اور آخرت میں جو کچھ عطا کرے گا اس کی عظمت کا تصور بھی کوئی نہیں کر سکتا۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا "**اِذًا لَا ارضی وواحد من امتی فی النار**" یعنی جب یہ بات ہے تو میں اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک میری امت کا ایک فرد بھی جہنم میں رہے گا۔

(قرطبی)

صحیح مسلم میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے وہ آیت تلاوت فرمائی جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ہے "**فمن تبعني فانه مني ومن عصاني فانّك غفور رّحيم**" پھر دوسری آیت تلاوت فرمائی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول "**اِن تعذبهم فَاِنّهم عبادك**" پھر آپ ﷺ نے دعا کے لئے دونوں ہاتھ اٹھائے اور گریہ وزاری شروع کی اور بار بار فرماتے تھے "**اللّٰهم امتي امتي**" حق تعالیٰ نے جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا کہ آپ سے دریافت کریں کہ آپ ﷺ کیوں روتے ہیں؟ (اور یہ بھی فرمایا کہ اگرچہ ہمیں سب معلوم ہے) جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام آئے اور سوال کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں امت کی مغفرت چاہتا ہوں حق تعالیٰ نے جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا کہ پھر جاؤ اور کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ سے فرماتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی امت کے بارے میں راضی کر دیں گے اور آپ ﷺ کو رنجیدہ نہ کریں گے۔ (معارف)

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى یعنی آپ ﷺ کو چھوڑ دینے اور آپ ﷺ سے ناراض ہو جانے کا کیا سوال؟ ہم تو آپ ﷺ پر اس وقت سے مہربان ہیں جب آپ ﷺ یتیم پیدا ہوئے تھے آپ ﷺ ابھی بطن مادر میں چھ ماہ ہی کے تھے کہ آپ ﷺ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا تھا، اس لئے آپ ﷺ دنیا میں یتیم کی حیثیت سے تشریف لائے مگر اللہ تعالیٰ نے ایک دن بھی آپ ﷺ کو بے سہارا نہیں چھوڑا، چھ سال کی عمر تک والدہ ماجدہ نے آپ ﷺ کی پرورش کی، ان کی شفقت سے محروم ہوئے تو آٹھ سال کی عمر تک آپ ﷺ کے جد امجد نے آپ ﷺ کی نگرانی اور پرورش فرمائی اور نہ صرف یہ کہ پرورش فرمائی بلکہ ان کو آپ ﷺ پر فخر تھا اور وہ لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ میرا یہ بیٹا ایک دن دنیا میں بڑا نام پیدا کرے گا جب دادا کا بھی انتقال ہو گیا تو آپ ﷺ کے حقیقی چچا ابو طالب نے آپ ﷺ کی کفالت اپنے ذمہ لے لی اور آپ ﷺ کے ساتھ ایسی محبت کا برتاؤ کیا کہ کوئی باپ بھی اس سے زیادہ نہیں کر سکتا حتی کہ نبوت کے بعد ساری قوم آپ ﷺ کی دشمن ہو گئی تھی اس وقت دس سال تک وہی آپ ﷺ کی حمایت میں سینہ سپر رہے۔

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى لفظ ضال کے معنی گمراہ کے بھی آتے ہیں اور ناواقف و بے خبر کے بھی، یہاں دوسرے معنی مراد ہیں کہ نبوت سے پہلے آپ ﷺ شریعت الٰہیہ کے احکام اور علوم سے بے خبر تھے، اللہ نے آپ ﷺ کو منصب نبوت پر فائز فرما کر آپ ﷺ کی رہنمائی فرمائی۔

وَوَجَدَكَ عَـائِلًا فَـأَغْنٰى ''غنی کرنے'' کا مطلب ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کو اپنے سوا ہر ایک سے بے نیاز کر دیا پس آپ ﷺ فقر میں صابر اور غنیٰ میں شاکر رہے خود نبی ﷺ کا بھی فرمان ہے کہ تونگری ساز و سامان کی کثرت کا نام نہیں اصل تونگری دل کی تونگری ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ)

وَاَمَّـا بِـنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ، حَدِّثْ تحدیث سے مشتق ہے اس کے معنی بات کرنے کے ہیں، مطلب یہ کہ آپ ﷺ اللہ کی نعمتوں کا لوگوں کے سامنے ذکر کیا کریں، کہ یہ بھی شکر گذاری کا ایک طریقہ ہے حتی کہ آدمی جو کسی پر احسان کرے اس کا بھی شکر ادا کرنے کا حکم ہے۔

مَسْئَلَۃ: ہر نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہے، مالی نعمت کا شکر یہ ہے کہ اس مال میں سے کچھ اللہ کے لئے اخلاص نیت کے ساتھ خرچ کرے اور نعمت بدنی کا شکر یہ ہے کہ جسمانی طاقت کو اللہ تعالیٰ کے واجبات ادا کرنے میں صرف کرے۔



سُوْرَةُ الْاِنْشِرَاحِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانُ اٰيٰتٍ

سُوْرَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ مَكِّيَّةٌ ثَمَانُ ايَاتٍ.

سورۂ الم نشرح مکی ہے، آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اَلَمْ نَشْرَحْ اِسْتِفْهَامُ تَقْرِيْرٍ اَيْ شَرَحْنَا لَكَ يَا مُحَمَّدُ صَدْرَكَ ۝ بِالنُّبُوَّةِ وَغَيْرِهَا وَوَضَعْنَا حَطَطْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ اَثْقَلَ ظَهْرَكَ ۝ وَهٰذَا كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ بِاَنْ تُذْكَرَ مَعَ ذِكْرِيْ فِي الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ وَالتَّشَهُّدِ وَالْخُطْبَةِ وَغَيْرِهَا فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ الشِّدَّةِ يُسْرًا ۝ سُهُوْلَةً اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاسٰى مِنَ الْكُفَّارِ شِدَّةً ثُمَّ حَصَلَ لَهُ الْيُسْرُ بِنَصْرِهٖ عَلَيْهِمْ فَاِذَا فَرَغْتَ مِنَ الصَّلٰوةِ فَانْصَبْ ۝ اِتْعَبْ فِي الدُّعَاءِ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝ تَضَرَّعْ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، اے محمد ﷺ کیا ہم نے تیرا سینہ نبوت وغیرہ کے لئے نہیں کھول دیا استفہام تقریری ہے، یعنی کھول دیا، اور ہم نے تجھ سے تیرا وہ بوجھ اتار دیا جس نے تیری پیٹھ توڑ دی یعنی جس نے تیری کمر کو گراں بار کر دیا، اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول "لیغفر لک اللّٰہ ما تقدم من ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ" اور ہم نے تیرا ذکر بلند کر دیا بایں طور کہ اذان، اقامت میں اور تشہد اور خطبہ وغیرہ میں میرے ذکر کے ساتھ تیرا بھی ذکر کیا جاتا ہے یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے، اور نبی ﷺ نے کفار کی جانب سے (بہت) اذیت برداشت فرمائی، پھر آپ کو آسانی حاصل ہوئی آپ کو ان پر فتح دے کر، اور جب آپ نماز سے فارغ ہو جائیں تو دعا میں کوشش کیجئے، اور اپنے رب ہی کی طرف توجہ رکھئے یعنی عاجزی انکساری کیجئے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُهُ: اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ استفہام تقریری ہے، اس لئے کہ لَمْ نشرح منفی ہے اور اس پر استفہام انکاری داخل ہے، لہٰذا منفی کے نفی ہوئی اور منفی کے نفی تقریر کا فائدہ دیتی ہے، مفسر علام نے ای شرحنا کہہ کر اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُهُ: وغیرها اس سے شق صدر کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُهُ: وِزْرٌ کسرہ کے ساتھ۔ بوجھ، گرانی۔

قَوْلُهُ: وهذا كقوله "لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ الخ" مطلب یہ ہے کہ جس طرح لیغفر لَكَ اللّٰهُ مَا تقدم اپنے ظاہر سے مؤول ہے اسی طرح الَّذی انقض ظَهرك بھی اپنے ظاہر سے مؤول ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ سے سہو ونسیان کو معاف کر دیا گیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ امت کے گناہ مراد ہیں، اور بعض نے کہا ہے کہ ترک اولیٰ مراد ہے۔

قَوْلُهُ: اِنَّ مع العُسر یسرًا اس میں تاکید کا بھی احتمال ہے اور تاسیس کا بھی دوسری صورت میں جملہ مستانفہ ہوگا۔

تفسیر وتشریح

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ گذشتہ سورت میں آپ پر تین انعاموں کا ذکر تھا اس سورت میں مزید تین احسانات کا ذکر ہے، ان میں سے پہلا سینہ کھول دینا ہے اس کا مطلب ہے سینے کا منور اور فراخ ہو جانا، شرح صدر ہو جانا، تا کہ حق واضح ہو کر دل میں سما جائے اسی مفہوم میں قرآن کریم کی یہ آیت "فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَهديه يشرح صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَام" (سورۂ انعام) جس کو اللہ ہدایت سے نوازنے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے، اس شرح صدر میں وہ شق صدر بھی آجاتا ہے جو معتبر روایات کی رو سے دو مرتبہ نبی ﷺ کا کیا گیا، ایک مرتبہ بچپن میں جب کہ آپ ﷺ عمر کے چوتھے سال میں تھے، حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور آپ ﷺ کا سینہ مبارک چیر کر وہ شیطانی حصہ نکال دیا جو ہر انسان کے اندر موجود ہوتا ہے پھر اسے دھو کر بند کر دیا۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان باب الاسراء)

دوسری مرتبہ معراج کے موقع پر اس موقع پر آپ ﷺ کا سینہ مبارک چاک کر کے آپ ﷺ کا دل نکالا اسے آب زم زم سے دھو کر اپنی جگہ رکھ دیا، اور اسے ایمان وحکمت سے بھر دیا گیا، (صحیحین ابواب المعراج وکتاب الصلوٰۃ) مگر علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں، "حمل الشرح فی الآیة علی شق الصدر ضعیف عند المحققین" محققین کے نزدیک اس آیت میں شرح صدر کو شق صدر پر محمول کرنا کمزور بات ہے۔

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ، وِزْرٌ کے معنی بوجھ کے ہیں اور نقض کے معنی کمر توڑ دینے یعنی کمر جھکا دینے کے ہیں، اس آیت میں ارشاد یہ ہے کہ وہ بوجھ جس نے آپ ﷺ کی کمر جھکا دی تھی ہم نے اس کو آپ سے ہٹا دیا وہ بوجھ کیا تھا؟ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ وہ بوجھ جائز اور مباح کام ہیں جن کو بعض اوقات آپ ﷺ نے قرین حکمت ومصلحت سمجھ کر

اختیار فرمایا بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مصلحت کے خلاف یا خلاف اولی تھے رسول اللہ ﷺ کو اپنی علو شان اور تقرب الٰہی میں خاص مقام حاصل ہونے کی بنا پر ایسی چیزوں پر بھی سخت رنج و ملال اور صدمہ ہوتا تھا حق تعالیٰ نے اس آیت میں بشارت سنا کر وہ بوجھ آپ سے ہٹا دیا کہ ایسی چیزوں پر آپ سے مواخذہ نہیں ہوگا۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ بوجھ نبوت سے قبل چالیس سالہ دور زندگی سے متعلق ہے اس دور میں اگرچہ اللہ نے آپ ﷺ کو محفوظ رکھا کسی بت کے سامنے آپ ﷺ نے سجدہ نہیں کیا نہ کبھی آپ ﷺ نے شراب پی بلکہ تمام برائیوں سے آپ ہمیشہ دامن کش رہے تاہم معروف معنی میں اللہ کی عبادت اور اطاعت کا نہ آپ ﷺ کو علم تھا نہ آپ ﷺ نے کی، اس لئے آپ ﷺ کے دل و دماغ پر اس چالیس سالہ عدم عبادت اور عدم اطاعت کا بوجھ تھا جو حقیقت میں تو نہیں تھا لیکن آپ ﷺ کے احساس اور شعور نے اسے بوجھ بنا رکھا تھا اللہ نے اسے اتار دینے کا اعلان فرمایا یہ گویا وہی مفہوم ہے جو "لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ" (سورۃ الفتح) کا ہے، بعض کہتے ہیں کہ یہ بار نبوت تھا جسے اللہ نے ہلکا کر دیا یعنی اس راہ کی مشکلات برداشت کرنے کا وہ حوصلہ، وہ ہمت، وہ اولوالعزمی اور وہ وسعت قلب عطا فرما دی جو اس منصب عظیم کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے درکار تھی آپ ﷺ اس وسیع علم کے حامل ہو گئے جو آپ ﷺ کے سوا کسی انسان کے ذہن میں سما نہ سکتا تھا۔

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا مشہور قاعدہ ہے کہ معرفہ کو اگر بعینہٖ مکرر لایا جائے تو اس کا مصداق وہی ہوتا ہے جو پہلے کلمہ کا تھا، اور اگر بغیر الف لام تعریف کے مکرر لایا جائے تو دونوں کے مصداق الگ الگ ہوتے ہیں اس آیت میں العُسر مکرر آیا ہے، تو معلوم ہوا کہ اس سے پہلا ہی عسر مراد ہے اور لفظ یُسْر دونوں جگہ بغیر الف لام کے نکرہ لایا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ دوسرا یُسْر پہلے یسر کے علاوہ ہے تو اس آیت میں اِنَّ مع العُسرِ یُسْرًا کے تکرار سے یہ نتیجہ نکلا کہ ایک ہی عُسر کے لئے دو آسانیوں کا وعدہ ہے اور دو سے بھی خاص دو کا عدد مراد نہیں بلکہ متعدد ہونا مراد ہے مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو ایک عسر کے ساتھ متعدد آسانیاں دی جائیں گی۔

فَائِدَة: بعض صالحین نے سورۂ الم نشرح کے کچھ خواص ذکر کئے ہیں ان میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں اگر کوئی شخص سورۂ الم نشرح کو کسی کانچ یا چینی کے برتن میں لکھ کر اور گلاب کے پانی سے دھو کر پیئے تو اس سے رنج، غم اور دل تنگی زائل ہو جائے گی، اور اگر کسی بھی برتن میں لکھ کر اور دھو کر پیئے تو حفظ و فہم کے لئے مفید ہے اور جو شخص ہر فرض نماز کے بعد مذکورہ سورت دس مرتبہ پڑھنے کا التزام کرے تو اس کو رزق میں سہولت حاصل ہوگی اور عبادت کی توفیق ہوگی، اور کسی اہم مقصد کے لئے با طہارت قبلہ رو ہو کر بیٹھے اور اس سورت کو اس کی تعداد حروف کی مقدار جو کہ ۱۰۳ ہے پڑھے اور اپنے مقصد کے لئے دعاء کرے تو انشاء اللہ دعاء قبول ہوگی۔ (یہ مجرب اور صحیح ہے، صاوی)

﴿تمت﴾

سُوْرَةُ التِّيْنِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانِي اٰيَاتٍ

سُوْرَةُ التِّيْنِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ ثَمَانُ اٰيَاتٍ.

سورۂ والتین مکی یا مدنی ہے، آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۙ اى الماكُوْلَيْنِ او جَبَلَيْنِ بالشّام يُنْبِتَانِ الماكُوْلَيْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۙ الجَبَلِ الَّذِى كَلَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَيْهِ ومَعْنٰى سِيْنِيْنَ المُبَارَكُ اَوِ الحَسَنُ بالاَشْجَارِ المُثْمِرَةِ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۙ مَكَّةَ لِاَمْنِ النَّاسِ فِيْهَا جَاهِلِيَّةً وإسْلَامًا لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ الجِنْسَ فِىْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۙ تَعْدِيْلٍ لِصُوْرَتِهٖ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ فِى بَعْضِ اَفْرَادِهٖ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۙ كِنَايَةٌ عَنِ الهَرَمِ والضُّعْفِ فَيَنْقُصُ عَمَلُ المُؤْمِنِ عَنْ زَمَنِ الشَّبَابِ وَيَكُوْنُ لَهٗ اَجْرُهٗ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى اِلَّا اى لكِنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۙ مَقْطُوْعٍ وفى الحَدِيْثِ اِذَا بَلَغَ المُؤْمِنُ مِنَ الكِبَرِ مَا يُعْجِزُهٗ عَنِ العَمَلِ كُتِبَ لَهٗ مَا كَانَ يَعْمَلُ فَمَا يُكَذِّبُكَ اَيُّهَا الكَافِرُ بَعْدُ اى بَعْدَ مَا ذُكِرَ مِنْ خَلْقِ الإنْسَانِ فِى اَحْسَنِ صُوْرَةٍ ثم رَدِّهٖ اِلٰى اَرْذَلِ العُمُرِ الدَّالِّ عَلَى القُدْرَةِ عَلَى البَعْثِ بِالدِّيْنِ ۙ بالجَزَاءِ المَسْبُوْقِ بالبَعْثِ والحِسَابِ اى مَا يَجْعَلُكَ مُكَذِّبًا بذٰلِكَ وَلَا جَاعِلَ لَهٗ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۙ اى هُوَ اَقْضَى القَاضِيْنَ وحُكْمُهٗ بالجَزَاءِ مِنْ ذٰلِكَ وفى الحَدِيْثِ مَنْ قَرَاَ بالتِّيْنِ اِلٰى اٰخِرِهَا فَلْيَقُلْ بَلٰى وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی یعنی کھائے جانے والے دونوں پھلوں کی، یا قسم ہے دو پہاڑوں کی جن پر (مذکورہ) دونوں پھل پیدا ہوتے ہیں ملک شام میں، اور قسم ہے طور سینین کی یعنی اس پہاڑ کی کہ جس پر موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ ہم کلام ہوئے تھے اور سینین کے معنی مبارک (یا وہ مقام) جو پھل دار درختوں کی وجہ سے حسین ہو اور قسم ہے اس پُر امن شہر مکہ کی اس میں لوگوں کے زمانۂ جاہلیت اور اسلام میں مامون ہونے کی وجہ سے، اور ہم نے جنس انسان کو بہترین معتدل صورت پر پیدا کیا پھر ہم نے اس کے بعض افراد کو نیچوں سے نیچ کر دیا

یہ بڑھاپے اور ضعف سے کنایہ ہے، چنانچہ مومن کا عمل (بڑھاپے کے زمانہ میں) شباب کے زمانہ کی بہ نسبت گھٹ جاتا ہے، مگر اس کے اجر کا سلسلہ بدستور جاری رہتا ہے، اللہ تعالیٰ کے قول "اِلَّا الَّذِیْنَ آمنوا" الآیۃ، کی دلیل سے، مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کے لئے ختم نہ ہونے والا اجر ہے اور حدیث شریف میں ہے، جب مومن بڑھاپے کی وجہ سے اس حالت کو پہنچ جاتا ہے کہ جو اس کو عمل سے عاجز کر دیتی ہے تو اس کے لئے وہی اجر لکھا جاتا ہے جو وہ (زمانۂ شباب میں) کیا کرتا تھا، پس اے کافر! تجھے اب یعنی مذکورہ صورت حال کے بعد اور وہ صورت حال، انسان کو احسن صورت میں پیدا کرنا پھر اس کو گھٹیا ترین عمر تک پہنچا دینا ہے جو کہ بعث (بعد الموت) پر قدرت رکھنے پر دلالت کرتی ہے روز جزاء کے جھٹلانے پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ وہ جزا کہ جو بعث اور حساب کے بعد ہوگی، یعنی کس چیز نے تجھے اس کی تکذیب کرنے والا بنا دیا؟ حالانکہ اس کا کوئی سبب نہیں ہے، کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں کا حاکم نہیں ہے؟ یعنی وہ تمام فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بڑا فیصلہ کرنے والا ہے، اور اس کے جزا کا حکم کرنے کا تعلق بھی اسی فیصلہ سے ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو پوری سورۂ تین پڑھے اس کو "بلٰی و انا علٰی ذٰلك مِنَ الشاهدين" کہنا چاہئے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: والتِّیْنِ والزَّیْتُونِ، وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ، وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک مقسم علیہ کیلئے چار قسمیں کھائی ہیں، اس لئے کہ مقسم علیہ کی عظمت اور اہمیت پر دلالت مقصود ہے اور مقسم علیہ "لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ" ہے۔

قَوْلُہٗ: وَالتین والزیتون، تین اور زیتون سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں، ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا، اس سے مراد انجیر اور زیتون دونوں پھل ہیں۔

فَائِدَہ: انجیر، غذا، دواء، اور پھل، تینوں اوصاف کا جامع ہے، اطباء کی رائے ہے کہ انجیر لطیف اور زود ہضم غذا ہے، معدہ میں زیادہ دیر نہیں ٹھہرتا، طبیعت کی تسکین کرتا ہے، بلغم کو کم کرتا ہے گردوں کی تطہیر کرتا ہے، نیز ریگ مثانہ کو خارج کرتا ہے، مثانہ کو تقویت دیتا ہے، بدن کو فربہ کرتا ہے اور جگر اور تلی کے سدوں کو کھولتا ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ انجیر کھانا منہ کی بدبو کو زائل کرتا ہے اور بالوں کو دراز کرتا ہے، روح المعانی میں یہ بھی ہے کہ انجیر بہترین غذا ہے اگر نہار منہ کھایا جائے اور اس کے بعد کچھ نہ کھائے، اور مزید لکھا ہے کہ یہ کثیر النفع دوا ہے، سدوں کو کھولتا ہے جگر کو قوی کرتا ہے ورم طحال کو زائل کرتا ہے اور عسر البول میں نافع ہے ہزال الکلی (ذبول گردہ) اور خفقان اور ضیق النفس تیز کھانسی اور وجع الصدر وغیرہ میں مفید ہے۔ (روح المعانی) اگر خواب میں کسی نے انجیر پایا تو اس کو مال حاصل ہوگا اور اگر انجیر کھایا تو اس کو اولاد نصیب ہوگی۔ (جمل، صاوی)

بعض حضرات نے کہا ہے کہ تین اور زیتون ملک شام کے دو پہاڑ ہیں، مفسر علام نے بہت سے اقوال میں سے دو قول نقل کئے ہیں۔

قولہ: وطور سینین یہ اضافت موصوف الی الصفت کے قبیل سے ہے۔

قولہ: فی بعض افرادہ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آیت میں صنعت استخدام ہے اس طریقہ پر کہ انسان کو اولاً جنس انسان کے معنی میں لیا پھر جب رددناہ کی ضمیر کو اس کی طرف لوٹایا تو انسان کو دوسرے معنی یعنی بعض افراد انسان کے معنی میں اور پھر ضمیر کو انسان کی طرف لوٹایا۔

تفسیر و تشریح

وَالتّین والزیتون اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے درمیان بہت اختلاف ہے، حسن بصری، عکرمہ، عطا بن ابی رباح، جابر بن زید رَحِمَہُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی وغیرہ کہتے ہیں کہ انجیر سے یہی انجیر مراد ہے جسے لوگ کھاتے ہیں اور زیتون سے مراد وہی پھل ہے جو مشہور ہے جس سے روغن زیتون نکالا جاتا ہے اور عام طور پر دستیاب ہے، ابن ابی حاتم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اور حاکم نے ایک قول عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے بھی اس کی تائید میں نقل کیا ہے۔

بعض مفسرین نے تین اور زیتون سے وہ مقامات مراد لئے ہیں جن مقامات میں یہ پیدا ہوتے ہیں، کعب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، احبار اور قتادہ اور ابن زید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کہتے ہیں کہ تین سے مراد دمشق ہے اور زیتون سے مراد بیت المقدس۔

وطور سینین، سِیْنِیْنَ جزیرہ نمائے سینا کا دوسرا نام ہے اس کو سِیْنا اور سَیْنا بھی کہتے ہیں۔

لَقد خلقنا الانسان الخ یہی ہے وہ بات جس پر مذکورہ چاروں قسمیں کھائی گئی ہیں، انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو وہ اعلیٰ درجہ کا جسم عطا کیا ہے کہ جو دوسری کسی جاندار مخلوق کو نہیں دیا گیا اور اسے فکر و فہم اور علم و عقل کی وہ بلند پایہ قابلیتیں بخشی گئی ہیں جو کسی دوسری مخلوق کو نہیں بخشی گئیں۔

حسنِ انسانی کا ایک عجیب واقعہ:

قرطبی نے نقل کیا ہے کہ عیسیٰ بن موسیٰ ہاشمی جو خلیفہ ابو جعفر منصور کے دربار کے مخصوص لوگوں میں سے تھے، اور اپنی بیوی سے بہت محبت رکھتے تھے ایک روز چاندنی رات میں بیوی کے ساتھ بیٹھے ہوئے بول اٹھے، اگر تو چاند سے زیادہ خوبصورت نہ ہو تو تجھے تین طلاق، یہ سنتے ہی بیوی پردے میں چلی گئی کہ آپ نے مجھے طلاق دے دی، بات اگرچہ ہنسی دل لگی کی تھی؛ مگر طلاق کا حکم یہی ہے کہ ہنسی مذاق میں بھی واقع ہو جاتی ہے، عیسیٰ بن موسیٰ نے رات بڑے کرب و بے چینی میں گذاری، صبح کو خلیفۂ وقت ابو جعفر منصور کی مجلس میں حاضر ہوئے اور رات کا اپنا قصہ سنایا اور اپنی پریشانی کا اظہار کیا، خلیفہ نے شہر کے فقہاء اور اہل فتویٰ کو جمع کر کے سوال کیا سب نے ایک ہی جواب دیا کہ طلاق واقع ہوگئی؛ کیونکہ چاند سے زیادہ حسین ہونے کا کسی انسان کے لئے

امکان ہی نہیں، مگر ایک عالم جو امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے شاگردوں میں سے تھے خاموش بیٹھے رہے منصور نے پوچھا آپ کیوں خاموش ہیں؟ تب یہ بولے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر سورۂ والتین کی تلاوت کی اور فرمایا امیر المومنین اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کا احسن تقویم ہونا بیان فرمادیا ہے، کوئی شئی اس سے حسین نہیں، یہ سن کر سب علماء اور فقہاء حیران رہ گئے اور کسی نے مخالفت نہیں کی اور منصور نے حکم دے دیا کہ طلاق نہیں ہوئی۔

ثُمَّ رددناهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ، مفسرین نے بالعموم اس کے دو مطلب بیان کئے ہیں ایک یہ کہ ہم نے اسے **ارذل العمر** یعنی بڑھاپے کی ایسی حالت کی طرف پھیر دیا جس میں وہ کچھ سوچنے سمجھنے اور کام کرنے کے قابل نہ رہا، دوسرے یہ کہ ہم نے اسے جہنم کے سب سے نیچے درجے کی طرف پھیر دیا، لیکن یہ دونوں معنی اس مقصود کلام کے لئے دلیل نہیں بن سکتے جسے ثابت کرنے کے لئے یہ سورت نازل ہوئی ہے، سورت کا مقصد جزا اور سزا کے برحق ہونے پر استدلال کرنا ہے اس پر نہ یہ بات دلالت کرتی ہے کہ انسانوں میں سے بعض لوگ بڑھاپے کی انتہائی کمزور حالت کو پہنچا دیئے جاتے ہیں اور نہ یہ بات دلالت کرتی ہے کہ انسانوں کا ایک گروہ جہنم میں ڈالا جائے گا، پہلی بات اس لئے جزا سزا کی دلیل نہیں بن سکتی کہ بڑھاپے کی حالت اچھے اور برے دونوں قسم کے لوگوں پر طاری ہوتی ہے اور کسی کا اس حالت کو پہنچنا کوئی سزا نہیں ہے جو اسے اس کے اعمال پر دی جاتی ہو، رہی دوسری بات تو وہ آخرت میں پیش آنے والا معاملہ ہے اسے ان لوگوں کے سامنے دلیل کے طور پر کیسے پیش کیا جاسکتا ہے؟ جنہیں آخرت ہی کی جزا سزا کا قائل کرنے کے لئے یہ سارا استدلال کیا جارہا ہے؟ اس لئے آیت کا صحیح مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہترین ساخت پر پیدا کرنے کے بعد انسان اپنے جسم اور ذہن کی طاقتوں کو برائی کے راستے میں استعمال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے برائی ہی کی توفیق دیتا ہے اور گراتے گراتے اسے گراوٹ کی اس انتہاء تک پہنچا دیتا ہے کہ کوئی مخلوق گراوٹ میں اس حد کو پہنچی ہوئی نہیں ہوتی، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو انسانی معاشرے کے اندر بکثرت مشاہدہ میں آتی ہے، حرص، طمع، خودغرضی، شہوت پرستی، نشہ بازی، کمینہ پن، غیظ وغضب اور ایسی ہی دوسری خصلتوں میں جو لوگ غرق ہوجاتے ہیں وہ اخلاقی حیثیت سے فی الواقع سب نیچوں سے نیچ ہو کر رہ جاتے ہیں، مثال کے طور پر صرف اسی بات کو لے لیجئے کہ ایک قوم جب دوسری قوم کی دشمنی میں اندھی ہوجاتی ہے تو کس طرح درندگی میں تمام درندوں کو مات کر دیتی ہے، درندہ تو صرف اپنی غذا کے لئے کسی جانور کا شکار کرتا ہے جانوروں کا قتل عام نہیں کرتا مگر انسان خود اپنے ہی ہم جنس انسانوں کا قتل عام کرتا ہے، درندہ صرف اپنے پنجوں اور دانتوں ہی سے کام لیتا ہے مگر یہ احسن تقویم پر پیدا ہونے والا انسان اپنی عقل سے کام لے کر توپ، بندوق، ٹینک، ہوائی جہاز، راکٹ، میزائل، اور ایٹم بم جیسے خطرناک ہتھیار بناتا ہے، تاکہ آن کی آن میں پوری بستیوں کی بستیوں کو تباہ کر کے رکھ دے، اور انتقام کی آگ ٹھنڈی کرنے کے لئے کمینہ پن کی اس انتہاء کو پہنچتا ہے کہ عورتوں کے ننگے جلوس نکالتا ہے، ایک ایک عورت کو دس دس بیس بیس آدمی اپنی ہوس کا نشانہ بناتے ہیں اور باپوں اور بھائیوں اور شوہروں کے سامنے ان کے گھر کی عورتوں کی عصمت لوٹتے ہیں، بچوں کو ان کے ماں باپ کے سامنے قتل کرتے ہیں، ماؤں کو اپنے بچوں کا خون پینے پر مجبور کرتے ہیں، انسانوں کو زندہ جلانے میں جھجک محسوس نہیں کرتے، دنیا میں وحشی سے وحشی جانوروں کی بھی کوئی قسم ایسی نہیں ہے جو انسان کی اس وحشت کا

کسی درجہ میں بھی مقابلہ کرسکتی ہو، شاہ ولی اللہ صاحب انسان کی اسی ارذل صفت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: اس کو لائق بنایا فرشتوں کے مقام کا پھر جب منکر ہوا تو جانوروں سے بدتر ہے۔ (فوائد عثمانی)

یہی حال دوسری بری صفات کا بھی ہے کہ ان میں سے جس طرف بھی انسان برخ کرتا ہے اپنے آپ کو ارذل المخلوقات ثابت کر دیتا ہے حتی کہ مذہب جو انسان کے لئے مقدس ترین شئی ہے اس کو بھی وہ اتنا گرا دیتا ہے کہ درختوں اور جانوروں اور پتھروں کو پوجتے پوجتے پستی کی انتہاء کو پہنچ کر مرد اور عورت کی شرمگاہوں کو پوج ڈالتا ہے۔

جن مفسرین نے اَسْفَلَ سافلین سے مراد بڑھاپے کی وہ حالت لی ہیں جس میں انسان اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے، وہ اس آیت کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں، جن لوگوں نے اپنی جوانی اور تندرستی کی حالت میں ایمان لا کر نیک عمل کئے ہوں ان کے لئے بڑھاپے کی اس حالت میں بھی وہی نیکیاں لکھی جائیں گی، ان کے اجر میں اس بنا پر کوئی کمی نہ کی جائے گی کہ عمر کے اس دور میں ان سے وہ نیکیاں صادر نہیں ہوئیں، اور جو مفسرین اسفل سافلین کی طرف پھیرے جانے کا مطلب، جہنم کے اسفل ترین درجہ میں پھینک دیا جانا لیتے ہیں، ان کے نزدیک اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ ایمان لا کر عمل صالح کرنے والے لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں، وہ اس درجہ کی طرف نہیں پھیرے جائیں گے؛ بلکہ ان کو وہ اجر ملے گا جو کبھی منقطع نہ ہوگا۔

﴿تمت﴾

سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعَ عَشَرَةَ آيَةً

سُوْرَةُ اِقْرَأ مَكِّيَّةٌ تِسعَ عَشَرَةَ ايَةً.

سورۂ اقرأ مکی ہے، انیس آیتیں ہیں۔

صَدْرُهَا اِلٰى مَالَمْ يَعْلَمْ اَوَّلُ مَا نَزَلَ مِنَ الْقُرْآنِ وَذٰلِكَ بِغَارِ حِرَاءَ. (رواه البخاري)

اس کا مَالَمْ يَعْلَمْ تک کا ابتدائی حصہ، قرآن کا سب سے پہلے نازل ہونے والا حصہ ہے اور یہ نزول غار حراء میں ہوا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اِقْرَأْ اَوْجِدِ الْقِرَاءَةَ مُبْتَدِءًا بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ① الخَلَائِقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ الجِنْسَ مِنْ عَلَقٍ ② جَمْعُ عَلَقَةٍ وهِيَ القِطْعَةُ اليَسِيْرَةُ مِنَ الدَّمِ الغَلِيْظِ اِقْرَأْ تَاكِيْدٌ لِلْاَوَّلِ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ③ الَّذِي لَايُوَازِيْهِ كَرِيْمٌ حَالٌ مِن ضَمِيْرِ اِقْرَأْ الَّذِيْ عَلَّمَ الخَطَّ بِالْقَلَمِ ④ وَاَوَّلُ مَن خَطَّ بِهِ اِدْرِيْسُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ الجِنْسَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ⑤ قَبْلَ تَعْلِيْمِهِ مِنَ الهُدٰى وَالكِتَابَةِ وَالصِّنَاعَةِ وَغَيْرِهَا كَلَّا حَقًّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى ⑥ اَنْ رَّاٰهُ اي نَفْسَهُ اسْتَغْنٰى ⑦ بِالمَالِ نَزَلَ فِي اَبِيْ جَهْلٍ وَرَاٰى عِلْمِيَّةٌ وَاسْتَغْنٰى مَفْعُوْلٌ ثَانٍ وَاَنْ رَّاٰهُ مَفْعُوْلٌ لَهُ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ يَا اِنْسَانُ الرُّجْعٰى ⑧ الرُّجُوْعُ تَخْوِيْفٌ لَهُ فَيُجَازِي الطَّاغِيَ بِمَا يَسْتَحِقُّهُ اَرَءَيْتَ فِي مَوَاضِعِهَا الثَّلَاثَةِ لِلتَّعَجُّبِ الَّذِيْ يَنْهٰى ⑨ هُوَ اَبُوْ جَهْلٍ عَبْدًا هُوَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى ⑩ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ اي المَنْهِيُّ عَلَى الْهُدٰى ⑪ اَوْ لِلتَّقْسِيْمِ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ⑫ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ اي النَّاهِيُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَوَلّٰى ⑬ عَنِ الاِيْمَانِ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ⑭ مَا صَدَرَ مِنْهُ اي يَعْلَمُ فَيُجَازِيْهِ عَلَيْهِ اي اِعْجَبْ مِنْهُ يَا مُخَاطَبُ مِنْ حَيْثُ نَهْيِهِ عَنِ الصَّلٰوةِ وَمِنْ حَيْثُ اَنَّ المَنْهِيَّ عَلَى الهُدٰى اٰمِرٌ بِالتَّقْوٰى وَمِنْ حَيْثُ اَنَّ النَّاهِيَ مُكَذِّبٌ مُتَوَلٍّ عَنِ الاِيْمَانِ كَلَّا رَدْعٌ لَهُ لَئِنْ لَامُ قَسَمٍ لَّمْ يَنْتَهِ ۵ عَمَّا هُوَ عَلَيْهِ مِنَ الكُفْرِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ⑮ لَنَجُرَّنَّ بِنَاصِيَتِهِ اِلَى النَّارِ نَاصِيَةٍ بَدَلُ نَكِرَةٍ مِنْ مَعْرِفَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ⑯ وَوَصْفُهَا بِذٰلِكَ مَجَازٌ وَالمُرَادُ صَاحِبُهَا فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ⑰ اي اَهْلَ نَادِيْهِ وَهُوَ المَجْلِسُ يَنْتَدِيْ يَتَحَدَّثُ فِيْهِ القَوْمُ كَانَ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا انْتَهَرَهُ حَيْثُ

نهاهُ عَنِ الصَّلوةِ لَقَدْ عَلِمْتَ ما بِها رَجُلٌ اَكْثَرُ نَادِيًا مِنِّي لَاَمْلَاَنَّ عَلَيْكَ هذا الوادِي اِنْ شِئْتُ خَيْلًا جُرْدًا ورِجَالًا مُرْدًا **سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ**⑱ الملائِكَةَ الغِلَاظَ الشِّدادَ لِاِهْلاكِه فِي الحديثِ لَوْ دَعَا نَادِيَهُ لَاَخَذَتْهُ الزَّبانيةُ عِيانًا **كَلَّا** رَدْعٌ له **لَا تُطِعْهُ** يا مُحَمَّدُ في تَرْكِ الصَّلاةِ **وَاسْجُدْ** صَلِّ لِلّٰهِ **وَاقْتَرِبْ**⑲ مِنْه بِطاعَتِه

تَرْجَمَہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، پڑھو (اے نبی ﷺ!) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے مخلوق کو پیدا کیا جنس انسان کو دم بستہ سے عَلَقٌ، عَلَقَةٌ کی جمع ہے اور وہ دم بستہ کا چھوٹا سا ٹکڑا ہے پڑھو، یہ پہلے اِقْرَأْ کی تاکید ہے، آپ ﷺ کا رب بڑا کریم ہے اس کی برابری کوئی کریم نہیں کر سکتا، (وَرَبُّكَ) اِقْرَأْ کی ضمیر سے حال ہے، جس نے قلم کے ذریعہ لکھنا سکھایا اور سب سے پہلے جس نے قلم سے لکھا وہ ادریس علیہ السلام ہیں جنس انسان کو وہ علم سکھایا جسے وہ سکھانے سے پہلے نہیں جانتا تھا، (مثلاً) ہدایت اور کتابت اور صنعت وغیرہ، درحقیقت انسان سرکشی کرتا ہے اس بنا پر کہ وہ خود کو مال کی وجہ سے بے نیاز سمجھتا ہے (یہ آیت) ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی، اور رؤیت سے رؤیت علمیہ مراد ہے اور استغنا مفعول ثانی ہے اور اَنْ رَّاٰهُ مفعول لہ ہے، یقیناً اے انسان! تجھ کو تیرے رب ہی کی طرف پلٹنا ہے یہ انسان کو خوف دلانا ہے لہٰذا سرکش کو سزا دے گا جس کا وہ مستحق ہے، کیا تو نے اس شخص کو دیکھا؟ جو ایک بندے کو اور وہ نبی ﷺ ہیں منع کرتا ہے جب کہ وہ نماز پڑھتا ہے اَرَاَيْتَ تینوں جگہ تعجب کے لئے ہے اور وہ (منع کرنے والا) ابوجہل ہے، بھلا بتلاؤ تو اگر وہ جس کو منع کیا گیا ہدایت پر ہو یا پرہیزگاری کی تلقین کرتا ہو اَوْ تقسیم کے لئے ہے، بھلا دیکھو تو اگر یہ نبی ﷺ کو منع کرنے والا جھٹلاتا ہو اور ایمان سے منہ موڑتا ہو، کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے جو وہ کر رہا ہے یعنی وہ جانتا ہے لہٰذا اس کو اس کی سزا دے گا، اے مخاطب! تو اس سے تعجب کر اس حیثیت سے کہ اس کا منع کرنا نماز سے ہے اور اس حیثیت سے کہ جس شخص کو منع کیا گیا ہے وہ راہ راست پر ہے اور پرہیزگاری کی تلقین کرنے والا ہے، اور اس حیثیت سے کہ منع کرنے والا جھٹلانے والا اور ایمان سے منہ موڑنے والا ہے خبردار! اگر وہ اختیار کردہ کفر سے باز نہ آیا، كَلَّا حرف ردع ہے اور لَئِنْ میں لام قسمیہ ہے تو ہم یقیناً (اس کی) پیشانی کے بال پکڑ کر جہنم کی طرف کھینچیں گے یہ نکرہ معرفہ سے بدل ہے، ایسی پیشانی کہ جو جھوٹی اور خطا کار ہے، اور نَاصِيَةٍ کی صفت كَاذِبَةٍ لانا یہ مجاز ہے (یعنی مجاز عقلی ہے) اور مراد صاحب ناصیہ ہے، اپنی مجلس والوں کو بلالے اور مجلس سے مراد وہ ہے جو اس لئے بلائی جاتی ہے کہ قوم کے لوگ اس میں باتیں کریں، جب آنحضرت ﷺ نے ابوجہل کو نماز سے منع کرنے پر ڈانٹا تھا تو ابوجہل نے نبی ﷺ سے کہا تھا کہ تم جانتے ہو کہ مکہ میں کوئی شخص مجھ سے بڑی مجلس والا نہیں ہے میں تمہارے خلاف اگر چاہوں تو اس وادی کو عمدہ گھوڑوں (گھوڑسواروں) اور نوجوان مردوں (پیادوں) سے بھر دوں، تو ہم بھی اس کو ہلاک کرنے کے لئے سخت دل قوی فرشتوں کو بلالیں گے، حدیث شریف میں ہے کہ اگر وہ اپنے حمایتیوں کو بلاتا تو دوزخ کے فرشتے اس کو سب کے سامنے پکڑ لیتے، خبردار! یہ آپ ﷺ کو تنبیہ ہے، اے محمد ﷺ! ترک صلوۃ میں آپ ﷺ ہرگز اس

کی بات نہ مانیں، اور سجدہ کرو، (یعنی) اللہ کے لئے نماز پڑھو اور اس کی طاعت کے ذریعہ اس کا قرب حاصل کرو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

سورۃ اقرأ بعض نسخوں میں سورۃ العلق ہے اور بعض میں سورۃ القلم، اس سے معلوم ہوا کہ اس سورت کے تین نام ہیں۔

قِوْلِہٗ: اوجد القراۃ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اِقْرأ، اَوْجِدْ کے معنی میں بمنزلہ لازم کے ہے یعنی پڑھنا شروع کر اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس کا مفعول مقدر ہے ای اِقْرأ القران بعض حضرات نے کہا ہے کہ اِسْمِ، اِقْرأ کا مفعول ہے اور باء زائدہ ہے، مگر مفسر علام نے مُبْتَدِءً امحذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ اسم مفعول نہیں اور نہ باء زائدہ ہے بلکہ بِاسْمِ رَبِّکَ، مبتداء کے متعلق ہو کر اِقرأ کی ضمیر فاعل انت سے حال ہے۔

قِوْلِہٗ: خَلَقَ، خَلَقَ کے مفعول کو عموم پر دلالت کرنے کے لئے ذکر نہیں کیا گیا ہے مفسر علام نے، الخلائق مقدر مان کر عموم کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

قِوْلِہٗ: خَلَقَ الانسان انسان کو اس کے شرف کی وجہ سے مفرد لایا گیا ہے اگرچہ معنی میں جمع کے ہے اس لئے کہ الف لام استغراق کے لئے ہے۔

قِوْلِہٗ: عَلَقٌ یہ عَلَقَۃٌ کی جمع ہے، دم بستہ کو کہتے ہیں ای نَفْسَہٗ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رَاٰی کی ضمیر فاعل انسان کی طرف راجع ہے اور ضمیر مفعولی بھی انسان کی طرف راجع ہے اور مراد اس سے نفسِ انسان ہے۔

قِوْلِہٗ: رُجْعٰی (ض) کا مصدر ہے لوٹنا بروزن بشری لازم بھی استعمال ہوتا ہے۔

قِوْلِہٗ: اَرَاَیْتَ تینوں جگہ تعجب کے لئے ہے نہ کہ استفہام کے لئے، اور اَرَاَیْتَ کی تکرار تاکید کے لیے ہے۔

قِوْلِہٗ: لَنَسْفَعًا، سَفْعٌ سے مضارع جمع متکلم کا صیغہ ہے دراصل لنسفعَنْ تھا، نونِ خفیفہ کو تنوین سے بدل دیا گیا ہے، سَفْعًا کسی چیز کو پکڑ کر سختی سے کھینچنا، اور صراح میں ہے موئے پیشانی گرفتن۔

قِوْلِہٗ: بَدَلُ نکرۃٍ مِن معرفۃٍ، ناصیۃ نکرہ کی صفت لانے کی وجہ سے الناصیہ معرفہ سے بدل واقع ہونا صحیح ہے۔

تفسیر و تشریح

سب سے پہلی وحی:

اِقْرأ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ یہ سب سے پہلی وحی ہے جو رسول اللہ ﷺ پر اس وقت نازل ہوئی جب آپ ﷺ غار حراء میں مصروف عبادت تھے، فرشتے نے آ کر کہا "پڑھو"! آپ ﷺ نے فرمایا میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں،

فرشتے نے آپ ﷺ کو پکڑ کر زور سے دبایا اور کہا پڑھو آپ ﷺ نے پھر وہی جواب دیا اس طرح فرشتے نے آپ کو تین مرتبہ دبایا۔

زمانۂ نزول وحی:

اس سورت کے دو حصے ہیں پہلا حصہ اِقْرَأْ سے مَالَمْ یَعْلَمْ تک اور دوسرا حصہ كَلَّا اِنَّ الْاِنسانَ لَيَطْغٰى سے آخر سورت تک ہے، پہلے حصے کے متعلق علماء امت کی عظیم اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ یہ سب سے پہلی وحی ہے، اس معاملہ میں حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی وہ حدیث جسے امام احمد، بخاری، مسلم اور دیگر محدثین نے متعدد سندوں سے نقل کیا ہے صحیح ترین احادیث میں شمار ہوتی ہے اور اس حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے خود آنحضرت ﷺ سے سن کر آغاز وحی کا پورا قصہ بیان کیا ہے۔

دوسرا حصہ بعد میں اس وقت نازل ہوا جب رسول اللہ ﷺ نے حرم میں اپنے طریقہ سے نماز پڑھنی شروع کی اور ابوجہل نے دھمکیاں دے کر اس سے روکنے کی کوشش کی۔

آغاز وحی کا واقعہ:

محدثین نے آغاز وحی کا قصہ اپنی اپنی سندوں کے ساتھ امام زہری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی سے اور انہوں نے حضرت عروہ بن زبیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے اور انہوں نے اپنی خالہ حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے نقل کیا ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی کی ابتداء سچے اور اچھے خوابوں کی شکل میں ہوئی، آپ ﷺ جو خواب بھی دیکھتے وہ ایسا ہوتا کہ جیسے روز روشن میں آپ ﷺ کوئی چیز دیکھ رہے ہیں، پھر آپ ﷺ تنہائی پسند ہو گئے اور کئی کئی شب و روز غار حراء میں رہ کر عبادت کرنے لگے، اس عبادت کے لئے حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے تَحَنُّث کا لفظ استعمال کیا ہے، جس کی تشریح امام زہری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے تَعَبُّد سے کی ہے، آپ ﷺ غار حراء میں کس قسم کی عبادت کرتے تھے کسی روایت سے اس کا ثبوت نہیں ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ آپ ﷺ حضرت نوح عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اور حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اور حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے طریقہ پر عبادت کرتے تھے مگر اس کا ثبوت بھی کسی حدیث سے نہیں ہے، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت آپ کی عبادت، محض خلق سے انقطاع اور اللہ کی طرف خاص توجہ اور تفکر کی تھی۔

غرضیکہ آپ ﷺ گھر سے خورد و نوش کا سامان لے جا کر وہاں چند روز گذارتے، پھر حضرت خدیجہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے پاس آتے اور مزید چند روز کے لئے حضرت خدیجہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا آپ ﷺ کے لئے سامان مہیا کر دیتی تھیں۔

غارحراء میں قیام کی مدت:

غارحراء میں خلوت گزینی کی مدت میں علماء کے درمیان اختلاف ہے صحیحین کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے پورا ایک ماہ اس میں قیام فرمایا اور وہ ماہِ رمضان تھا، (معارف) اسی دوران ایک روز حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے اور آپ ﷺ سے فرمایا اِقْرأ آپ ﷺ نے فرمایا، میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ ﷺ کو زور سے دبایا، حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ ﷺ کے ساتھ یہی معاملہ تین مرتبہ فرمایا، اس کے بعد سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیتیں نازل فرمائیں۔

قرآن کریم کی یہ پانچ آیتیں لیکر جب آپ ﷺ واپس گھر تشریف لائے تو آپ ﷺ کا دل کانپ رہا تھا، آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْهَا سے فرمایا زَمِّلُونِی زَمِّلُونِی، مجھے اڑھاؤ مجھے اڑھاؤ چنانچہ آپ ﷺ کو اڑھادیا گیا، جب آپ ﷺ کے خوف کی کیفیت ختم ہوگئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اے خدیجہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْهَا! یہ مجھے کیا ہوگیا ہے؟ پھر آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْهَا کو پورا قصہ سنایا اور فرمایا مجھے اپنی جان کا خوف ہے، حضرت خدیجہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْهَا نے عرض کیا ہرگز نہیں! خدا کی قسم آپ ﷺ کو خدا کبھی رسوا نہ کرے گا، آپ ﷺ رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں، زیر بار لوگوں کا بار برداشت کرتے ہیں، بے روزگاروں کو ذریعہ معاش مہیا فرماتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں، غرضیکہ حضرت خدیجہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْهَا نے آپ ﷺ کو تسلی دی۔

پھر حضرت خدیجہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْهَا آپ ﷺ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، انہوں نے نصرانی مذہب اختیار کرلیا تھا، عربی اور عبرانی میں انجیل لکھا کرتے تھے بہت بوڑھے تھے آپ کی بینائی بھی جاتی رہی تھی، حضرت خدیجہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْهَا نے ان سے کہا، میرے چچازاد بھائی! ذرا اپنے بھتیجے کی بات تو سنو، ورقہ بن نوفل نے آنحضرت ﷺ سے حال دریافت کیا تو آپ ﷺ نے غارحراء میں جو کچھ دیکھا تھا بیان کردیا، ورقہ بن نوفل نے سنتے ہی کہا یہ وہی ناموس یعنی فرشتہ ہے جس کو اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اتارا تھا کاش! میں آپ ﷺ کی نبوت کے زمانہ میں قوی ہوتا اور کاش کہ میں اس وقت زندہ ہوتا جب کہ آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ کو (وطن سے) نکالے گی، رسول اللہ ﷺ نے (تعجب سے پوچھا) کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟ ورقہ نے کہا بلا شبہ نکالے گی کیونکہ جب بھی کوئی شخص وہ پیغام حق لے کر آیا ہے جو آپ ﷺ لائے ہیں تو اس کی قوم نے اس کو ستایا ہے، اور اگر میں نے وہ زمانہ پایا تو میں آپ ﷺ کی بھرپور مدد کروں گا، ورقہ اس کے چند روز بعد ہی انتقال کر گئے، ادھر اس واقعہ کے بعد وحی قرآنی کا سلسلہ موقوف ہوگیا، فترت وحی کی مدت کے بارے میں سہیلی کی روایت یہ ہے کہ ڈھائی سال تک رہی اور بعض روایات میں تین سال بیان کی گئی ہے۔ (مظہری، معارف)

دوسرے حصہ کا شان نزول:

کلّا ان الانسان لیطغٰی اس سورت کا یہ حصہ اس وقت نازل ہوا جب رسول اللہ ﷺ نے حرم میں اسلامی طریقہ پر نماز پڑھنی شروع کی، ابوجہل نے آپ ﷺ کو ڈرا دھمکا کر اس سے روکنا چاہا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ابوجہل نے قریش کے لوگوں سے کہا کہ محمد (ﷺ) تمہارے سامنے زمین پر اپنا منہ ٹیکتے ہیں؟ لوگوں نے کہا ہاں، اس نے کہا **لات و عزیٰ** کی قسم اگر میں نے حرم میں ان کو اس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو ان کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا اور ان کا منہ زمین میں رگڑ دوں گا، پھر ایک روز ایسا ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو حرم میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر وہ آگے بڑھا، تا کہ آپ ﷺ کی گردن پر پاؤں رکھے، مگر یکا یک لوگوں نے دیکھا کہ وہ پیچھے ہٹ رہا ہے اور اپنا منہ کسی چیز سے بچانے کی کوشش کر رہا ہے، اس سے پوچھا گیا کہ یہ تجھے کیا ہو گیا ہے؟ اس نے کہا میرے اور ان کے درمیان آگ کی ایک خندق اور ایک ہولناک چیز تھی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ میرے قریب آتا تو ملائکہ اس کے چیتھڑے اڑا دیتے۔

(احمد، مسلم، نسائی وغیرہ)

﴿تمت﴾

سُوْرَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسُ اٰيَاتٍ

سُوْرَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ خَمْسٌ او سِتُّ اٰيَاتٍ.

سورۂ قدر مکی یا مدنی ہے، پانچ یا چھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ **اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ** اى القُرْاٰنَ جُمْلَةً وَاحِدَةً مِنَ اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ الى سَمَاءِ الدُّنيا **فِىْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ** ۝ اى الشرفِ والعَظمِ **وَمَآ اَدْرٰىكَ** اَعْلَمَكَ يا مُحَمَّدُ **مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ** ۝ تَعْظِيْمٌ لِشَانِهَا وتَعْجِيْبٌ مِنْهُ **لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ** ۝ لَيسَ فِيْهَا لَيْلَةُ القَدْرِ فَالعَمَلُ الصَالِحُ فِيهَا خَيْرٌ مِنْهُ فِى اَلْفِ شَهْرٍ لَيْسَتْ فِيْهَا **تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ** بحَذْفِ اِحْدَى التَائَيْنِ مِنَ الاَصْلِ **وَالرُّوْحُ** اى جِبْرِيْلُ **فِيْهَا** فِى اللَّيْلَةِ **بِاِذْنِ رَبِّهِمْ** بِاَمْرِهِ **مِنْ كُلِّ اَمْرٍ** ۝ قَضَاهُ اللّٰهُ فِيْهَا لِتِلْكَ السَّنَةِ اِلَى قَابِلٍ ومِنْ سَبَبِيَّةٌ بمَعْنَى البَاءِ **سَلٰمٌ هِيَ** خَبَرٌ مُقَدَّمٌ ومُبْتَدأٌ **حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ** ۝ بِفَتْحِ اللَّامِ وَكَسْرِهَا اِلَى وَقْتِ طُلُوْعِهِ جُعِلَتْ سَلَامًا لِكَثْرَةِ السَّلَامِ فِيْهَا مِنَ المَلَائِكَةِ لَا تَمُرُّ بِمُؤمِنٍ وَلَا مُؤمِنَةٍ الا سَلَّمَتْ عَلَيْهِ.

تَرجَمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، یقیناً ہم نے اس کو یعنی قرآن کو شب قدر یعنی شرف اور عظمت والی رات میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف یکبارگی نازل فرمایا اور اے محمد ﷺ! آپ ﷺ کو کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے؟ (یہ استفہام) لیلۃ القدر کی عظمت اور اس سے تعجب کے اظہار کا بیان ہے، شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے، جن میں شب قدر نہ ہو، یعنی شب قدر میں عمل صالح ہزار مہینوں میں عمل سے بہتر ہے جن میں شب قدر نہ ہو، اس رات میں (عام) فرشتے اور جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام اترتے ہیں (تَنَزَّلُ) کی اصل (تتنزل) ہے ایک تاء کے حذف کے ساتھ ہے اپنے رب کے حکم سے ہر کام کو سرانجام دینے کے لئے جس کے کرنے کا اللہ نے اس رات میں فیصلہ کرلیا ہے اس سال سے آئندہ سال تک کے لئے، مِنْ سببیہ بمعنی باء ہے یہ رات سراسر سلامتی کی ہوتی ہے سَلَامٌ هِيَ مبتداء مؤخر کی خبر مقدم ہے اور فجر کے طلوع ہونے تک رہتی ہے (مطلع)

کے لام کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ، یعنی فجر کے طلوع ہونے کے وقت تک اس رات کو (سراپا) سلام بنا دیا گیا ہے، اس رات میں فرشتوں کی جانب سے کثرتِ سلام ہونے کی وجہ سے، ان کا کسی مومن اور مومنہ پر گذر نہیں ہوتا مگر یہ کہ وہ ان کو سلام کرتے ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ. بلاشبہ ہم ہی نے اس قرآن کو نازل کیا۔

سوال: اَنْزَلْنٰهُ کی ضمیر کا مرجع قرآن ہے حالانکہ قرآن کا ماقبل میں ذکر نہیں ہے یہ اضمار قبل الذکر ہے جو ممنوع ہے؟

جواب: قرآن کے شرف و شہرت پر اعتماد کرتے ہوئے مرجع کا ذکر نہیں کیا گیا ہے گویا کہ قرآن اپنی عظمت و شہرت کی وجہ سے حکم میں مذکور کے ہے اور ہر شخص کے دل و دماغ میں موجود ہے، عرب کی عادت ہے کہ مرجع کے مشہور و معروف ہونے کی وجہ سے، اس کا ذکر کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔

سوال: انزال اجسام کی صفت ہے اور قرآن عرض ہے نہ کہ جسم لہٰذا اس کی صفت انزال لانا کس طرح درست ہوگا؟

جواب: انزال بمعنی ایحاء ہے جو عرض کے لئے ہوتا ہے۔

دوسرا جواب: قرآن کی طرف نزول کی نسبت اسناد مجاز عقلی ہے اصل یہ ہے کہ اسناد حامل قرآن کی طرف ہو۔

قولہ: مِن کل امرٍ من سببیہ ہے ای لِاَجل کل امرٍ.

قولہ: سَلٰمٌ هِیَ، سَلٰمٌ خبر مقدم اور هِیَ مبتدا مؤخر ہے، اور یہ تقدیم قصر و حصر کے لئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس رات میں سلامتی ہی سلامتی مقدر فرمائی ہے۔

قولہ: وقت طلوعهٖ یہ حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر و تشریح

شانِ نزول:

ابن ابی حاتم نے مرسلاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک مجاہد کا حال ذکر فرمایا جو ایک ہزار مہینہ تک مسلسل مشغولِ جہاد رہا، کبھی اس نے ہتھیار نہیں اتارے، مسلمانوں کو یہ سن کر تعجب ہوا اس پر سورۂ قدر

نازل ہوئی، جس میں اس امت کے لئے صرف ایک رات کی عبادت کو اس مجاہد کی عمر بھر کی عبادت یعنی ایک ہزار مہینے (۸۳ سال چار ماہ) سے بہتر قرار دیا اور ابن جریر رَضِّیَاللّٰہُ تَعَالٰی نے بروایت مجاہد ایک دوسرا واقعہ یہ ذکر کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد کا یہ حال تھا کہ پوری رات عبادت میں مشغول رہتا اور صبح ہوتے ہی جہاد کے لئے نکل کھڑا ہوتا، دن بھر جہاد میں مشغول رہتا ایک ہزار مہینے اس نے اسی طرح مسلسل عبادت میں گذار دیئے اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ قدر نازل فرما کر اس امت کی فضیلت سب پر ثابت فرما دی، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شب قدر امت محمدیہ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔ (معارف القرآن)

یہاں کہا گیا ہے کہ ہم نے قرآن کو شب قدر میں نازل کیا، اور سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا "شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ" رمضان وہ مہینہ ہے کہ جس میں قرآن نازل کیا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزول کی ابتداء رمضان کے مہینہ میں ہوئی، اس رات کو یہاں شب قدر کہا گیا ہے اور سورۂ دخان میں اسی کو مبارک رات کہا گیا ہے "اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُبٰرَکَةٍ" ہم نے اسے ایک برکت والی رات میں نازل کیا۔

لیلۃ القدر کے معنی:

قدر کے ایک معنی عظمت اور شرف کے ہیں، زہری رَضِّیَاللّٰہُ تَعَالٰی وغیرہ حضرات نے اس جگہ یہی معنی مراد لئے ہیں، قدر کے دوسرے معنی تقدیر اور حکم کے بھی ہیں، یعنی یہ وہ رات ہے جس میں اللہ تعالیٰ تقدیر کے فیصلے نافذ کرنے کے لئے فرشتوں کے سپرد کر دیتا ہے، اس کی تائید سورۂ دخان کی اس آیت سے ہوتی ہے "فِیْهَا یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ" کہ اس رات میں ہر معاملہ کا حکیمانہ فیصلہ صادر کیا جاتا ہے۔

لیلۃ القدر کی تعیین:

اب رہا یہ سوال کہ یہ کونسی رات تھی؟ تو اس میں اتنا اختلاف ہے کہ اقوال کی تعداد قریب قریب چالیس تک پہنچتی ہے، لیکن علماء امت کی غالب اکثریت یہ رائے رکھتی ہے کہ رمضان کی آخری دس تاریخوں میں سے کوئی ایک طاق رات شبِ قدر ہے، تفسیر مظہری میں ہے کہ ان سب اقوال میں صحیح یہ ہے کہ لیلۃ القدر رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے، مگر آخری عشرہ کی کوئی رات متعین نہیں اور ان دس میں سے خاص طور سے طاق راتوں کا از روئے احادیث زیادہ احتمال ہے اور ان میں بھی زیادہ تر لوگوں کی رائے یہ ہے کہ وہ ستائیسویں رات ہے، اس معاملہ میں معتبر روایتیں مندرجہ ذیل ہیں:

① حضرت ابوہریرہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لیلۃ القدر کے بارے میں فرمایا کہ وہ ستائیسویں یا انتیسویں رات ہے (ابوداؤد طیالسی) دوسری روایت حضرت ابوہریرہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے یہ ہے کہ وہ رمضان کی آخری رات ہے۔ (مسند احمد) ② حضرت عبادہ بن صامت رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شب قدر کو رمضان کی آخری دس راتوں میں سے طاق راتوں میں تلاش کرو۔ (مسند احمد ملخصًا)

تنزل الملائكة والروح، روح سے مراد حضرت جبرئیل امین عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ ہیں، حضرت انس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب شب قدر ہوتی ہے تو جبرئیل امین عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ فرشتوں کی بڑی جماعت کے ساتھ زمین پر اترتے ہیں، اور جتنے اللہ کے بندے مرد ہوں یا عورت نماز یا ذکر میں مشغول ہوتے ہیں، سب کے لئے رحمت کی دعاء کرتے ہیں۔ (مظہری)

مِن کل اَمرٍ اس میں مِنْ بمعنی بـا ہے، معنی یہ ہیں کہ فرشتے لیلۃ القدر میں تمام سال کے اندر پیش آنے والے تقدیری واقعات لے کر زمین پر اترتے ہیں۔



سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانِيْ اٰيَاتٍ

سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ تِسْعُ اٰيَاتٍ.

سورۂ بینہ مکی یا مدنی ہے، نوآیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ لِلْبَيَانِ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ اي عَبَدَةِ الاَصْنَامِ عَطْفٌ عَلٰى اَهْلِ مُنْفَكِّيْنَ خَبَرُ يَكُنْ اي زَائِلِيْنَ عَمَّا هُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿۱﴾ اي الحُجَّةُ الوَاضِحَةُ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ بَدَلٌ مِنَ البَيِّنَةِ وهُوَ النَّبِيُّ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ﴿۲﴾ مِنَ البَاطِلِ فِيْهَا كُتُبٌ اَحْكَامٌ مَكْتُوْبَةٌ قَيِّمَةٌ ﴿۳﴾ مُسْتَقِيْمَةٌ اي يَتْلُوْا مَضْمُوْنَ ذٰلِكَ وهُوَ القُرْاٰنُ فَمِنْهُمْ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ فِي الاِيْمَانِ بِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿۴﴾ اي هُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوِ القُرْاٰنُ الجَائِي بِهٖ مُعْجِزَةً لَهٗ وقَبْلَ مَجِيْئِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوْا مُجْتَمِعِيْنَ عَلَى الاِيْمَانِ بِهٖ اِذَا جَاءَ فَحَسَدَهٗ مَنْ كَفَرَ بِهٖ مِنْهُمْ وَمَآ اُمِرُوْٓا فِي كِتَابَيْهِمُ التَّوْرٰةِ وَالاِنْجِيْلِ اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ اي اَنْ يَّعْبُدُوْهُ فَحُذِفَتْ اَنْ وزِيْدَتِ اللَّامُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۥۙ مِنَ الشِّرْكِ حُنَفَاۗءَ مُسْتَقِيْمِيْنَ عَلٰى دِيْنِ اِبْرَاهِيْمَ ودِيْنِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَاءَ فَكَيْفَ كَفَرُوْا بِهٖ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ المِلَّةِ الْقَيِّمَةِ ﴿۵﴾ المُسْتَقِيْمَةُ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا حَالٌ مُقَدَّرَةٌ اي مُقَدَّرًا خُلُوْدُهُمْ فِيْهَا مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى اُولٰۗىِٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ﴿۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ﴿۷﴾ الخَلِيْقَةِ جَزَاۗؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ اِقَامَةٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ بِطَاعَتِهٖ وَرَضُوْا عَنْهُ بِثَوَابِهٖ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ﴿۸﴾ خَافَ عِقَابَهٗ فَانْتَهٰى عَنْ مَعْصِيَتِهٖ تَعَالٰى.

تَرجِمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ

کافر تھے یعنی بت پرست تھے (والمشرکین) کا عطف اَھْل پر ہے اور مِن اَھْلِ الکتاب میں مِن بیانیہ ہے، وہ (اپنے کفر سے) باز آنے والے نہیں تھے (مُنفکِّیْنَ) یکن کی خبر ہے، یعنی جس (کفر) پر وہ تھے اس کو چھوڑنے والے نہیں تھے تا آنکہ ان کے پاس واضح دلیل آجائے، یعنی اللہ کی طرف سے ایک رسول (رسول من اللّٰہ) البیّنة سے بدل ہے اور وہ نبی ﷺ ہیں، جو ان کو باطل سے پاک صحیفے پڑھ کر سنائے، جن میں صحیح احکام مکتوب ہوں یعنی اس کے مضمون کو پڑھ کر سنائے اور وہ قرآن ہے، چنانچہ ان میں سے بعض اس پر ایمان لائے اور ان میں سے بعض نے انکار کر دیا، اور اہل کتاب نے آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے میں اختلاف نہیں کیا مگر بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح بیان آچکا اور وہ محمد ﷺ ہیں یا قرآن ہے جس کو آپ ﷺ لانے والے ہیں جو آپ کا معجزہ ہے اور آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے آپ ﷺ پر ایمان لانے پر متفق تھے، مگر جب آپ ﷺ آگئے تو آپ کا اُن لوگوں نے انکار کر دیا جنہوں نے آپ ﷺ پر حسد کیا، اور ان کی کتاب تورات اور انجیل میں ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ کی بندگی کریں، یعنی یہ کہ اس کی بندگی کریں، اَنْ حذف کر دیا گیا اور لام اس کی جگہ زیادہ کر دیا گیا، اپنے دین کو اس کے لئے شرک سے خالص کر کے دین ابراہیم اور دین محمد ﷺ پر استقامت کے ساتھ اور نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں یہی درست دین ہے اہل کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ یقیناً جہنم کی آگ میں جائیں گے، اور (خالدین) حال مقدرہ ہے یعنی اللہ کی طرف سے ان کے لئے جہنم میں ہمیشہ کے لئے دخول مقدر ہو چکا ہے یہی لوگ بدترین خلائق ہیں اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے وہ یقیناً بہترین خلائق ہیں ان کا صلہ ان کے رب کے یہاں دائمی قیام کی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے اللہ ان سے ان کی طاعت کی وجہ سے راضی ہوا اور وہ اس سے اس کے ثواب کی وجہ سے راضی ہوئے، یہ (صلہ) اس شخص کے لئے ہے جس نے اپنے رب کا خوف کیا یعنی اس کی سزا کا خوف کیا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے ڈرا۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا، الَّذِیْنَ کَفَرُوْا، یَکُنْ کا اسم ہے مِنْ بیانیہ ہے نہ کہ تبعیضیہ، مِنْ اَھْلِ الکتاب والمشرکین جمہ ہو کر کَفَرُوْا کی ضمیر سے حال ہے، اَلَّذِیْنَ اپنے صلہ سے مل کر یَکُنْ کا اسم ہے مُنْفکِّیْنَ یَکُنْ کی خبر ہے،

قَوْلُہٗ: مُنْفکِّیْنَ، انفکاك سے اسم فاعل، باز آنے والے، جدا ہونے والے۔

سَوَال: مُنْفکِّیْن کا مفعول کیا ہے؟ اور اس کے حذف پر کیا دلیل ہے؟

جَوَاب: مفسر علام نے عَمَّاھُمْ عَلَیْھِمْ کہہ کر حذف مفعول کی طرف اشارہ کر دیا اور وہ کفر ہے، اور دلیل حذف پر اَلَّذِیْنَ کا صلہ کفروا ہے۔

سَوَال: اہل کتاب کے لئے کَفَرُوْا ماضی اور مشرکین کے لئے المشرکین کو اسم فاعل لانے میں کیا نکتہ ہے؟

جَوَابٌ: اہل کتاب ابتداء سے کافر نہیں تھے آپ ﷺ کی نبوت کا انکار کر کے کافر ہوئے بخلاف مشرکین عرب کے کہ وہ شروع ہی سے کافر تھے۔

قَوْلُهٗ: الحجة الواضحة یہ حذف موصوف کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُهٗ: یَتْلُوا مضمونَ ذٰلِكَ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَالٌ: یَتْلُوا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ صحیفہ یعنی قرآن میں مکتوب کو پڑھ کر سناتے تھے، حالانکہ اس وقت مصحف میں کوئی چیز لکھی ہوئی نہیں تھی اور آپ زبانی پڑھ کر سناتے تھے؟

جَوَابٌ: آیت حذف مضاف کے ساتھ ہے، ای یَتْلُوْا مضمون الصحف الذی یتضمنه الصحف.

(فتح القدیر شوکانی)

قَوْلُهٗ: اَنْ یَعْبُدُوه یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَالٌ: اِلَّا لِیَعْبُدُوْهُ میں لام غرض کے لئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کرانے کے لئے حکم دیا، اور یہ استکمال بالغیر ہے جو کہ علامت نقص ہے جو خدا کی شان رفیع کے خلاف ہے؟

جَوَابٌ: اصل میں اَنْ یَعْبُدُوْهُ تھا، اَنْ کو حذف کر کے لام لایا گیا ہے گویا اس طرح لام بمعنی اَن ہے۔

قَوْلُهٗ: دین القیمة. یہاں بھی ایک سوال ہے۔

سُوَالٌ: یہ اضافت موصوف الی الصفت کے قبیل سے ہے جو کہ اضافت الشئ الی نفسہ کے مترادف ہے اور وہ غیر مستحسن ہے تو اس کو کیوں ذکر کیا؟

جَوَابٌ: مفسر علام نے الملة محذوف مان کر اسی سوال کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ دین اور ملت میں فرق اعتباری ہے لہٰذا اضافت الشئ الی نفسہ کا اعتراض لازم نہیں آتا۔

قَوْلُهٗ: خَالِدِیْنَ فِیْهَا حَالٌ مُقَدَّرَةٌ اس اضافہ کا مقصد بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَالٌ: حال اور ذوالحال کا زمانہ ایک ہوتا ہے یہاں دونوں کا زمانہ ایک نہیں ہے اس لئے کہ خَالِدِیْنَ، اِنّ کی خبر محذوف کی ضمیر سے حال ہے، اور وہ مشترکون ہے مطلب یہ کہ ہم ان کے جہنم میں خلود کا اعتقاد رکھتے ہیں، ظاہر ہے کہ اعتقاد کا زمانہ دنیا ہے اور خلود کا زمانہ آخرت ہے؟

جَوَابٌ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کافروں کے خلود مقدر کا اعتقاد رکھتے ہیں، اعتقاد ہمارا کام ہے اور ہمیشہ کے لئے جہنم میں ڈالنا اللہ کا کام ہے، اور اللہ کے جانب سے تقدیر کا زمانہ اور اعتقاد کا زمانہ ایک ہے؛ لہٰذا اس میں کوئی حرج اور اشکال نہیں۔

تفسیر وتشریح

اس سورت کا نام بینة قرار دیا گیا ہے، اس کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے بعض مفسرین کہتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک یہ مکی ہے اور بعض دوسرے حضرات اس کو مدنی قرار دیتے ہیں، اس سورت میں اندرونی کوئی ایسی شہادت نہیں۔ ہے کہ جو مدنی یا مکی ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہو، ابن زبیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور عطا ابن یسار رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا قول ہے کہ یہ مدنی ہے، ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور قتادہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے دو قول ہیں ایک مکی ہونے کا اور دوسرا مدنی ہونے کا، ابوحیان بھی بحر محیط میں مکی ہونے ہی کو ترجیح دیتے ہیں۔

سورت کا مضمون اور موضوع:

اس سورت میں بتایا گیا ہے کہ اس کتاب کے ساتھ رسول بھیجنا کیوں ضروری تھا؟ سب سے پہلے رسول بھیجنے کی ضرورت بیان کی گئی ہے اور وہ یہ کہ دنیا کے لوگ خواہ وہ اہل کتاب ہوں یا مشرکین جس کفر کی حالت میں مبتلا تھے اس سے ان کا نکلنا بغیر اس کے ممکن نہ تھا کہ ایک ایسا رسول بھیجا جائے کہ جس کا وجود خود اپنی رسالت پر دلیل ہو اور وہ خدا کی کتاب کو لوگوں کے روبرو اس کی اصلی اور صحیح صورت میں پیش کرے، جو باطل کی ان تمام آمیزشوں سے پاک ہو جن سے پچھلی آسمانی کتابوں کو آلودہ کر دیا گیا تھا۔

''اہل کتاب'' سے وہ لوگ مراد ہیں جو کسی آسمانی کتاب کے ماننے والے ہوں، خواہ وہ کتاب ان کے پاس اصلی شکل میں باقی ہو یا محرف ہو چکی ہو، مثلاً یہود و نصاریٰ۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد یہود و نصاریٰ پر لازم تھا کہ وہ آپ ﷺ پر ایمان لاتے مگر انکار کی وجہ سے کافر ہو گئے اور آیت میں مشرکین سے مراد عام ہے خواہ بت پرست ہوں یا آتش پرست، غرضیکہ اللہ کے علاوہ جو بھی کسی شئ کی پرستش کرتا ہو وہ کافر کا مصداق ہوگا۔

فیها کتب قیمة یہاں کُتُبٌ سے مراد احکام دینیہ ہیں اور قیمة سیدھے اور معتدل راستہ کو کہتے ہیں۔

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ الخ یہاں تفرق سے مراد انکار و اختلاف ہے، نزول قرآن اور آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے تمام اہل کتاب خواہ یہود ہوں یا نصاریٰ اس بات پر متفق تھے کہ نبی آخر الزمان کا ابھی آنا باقی ہے؛ کیوں کہ ان کی آسمانی کتابوں میں آپ ﷺ کی بعثت کی اطلاع دی گئی تھی اور آپ ﷺ کی مخصوص صفات کو واضح طور پر بیان کیا گیا تھا اور اہل کتاب آپ ﷺ کی آمد کے شدت سے منتظر تھے، اور جب کبھی اہل کتاب اور

مشرکین کے درمیان نزاع ہوتا اور مشرک اپنی عددی طاقت میں زیادہ ہونے کی وجہ سے یہود پر غالب آ جاتے تو یہود آنحضرت ﷺ کے واسطے سے مشرکین پر فتح مندی کی دعاء کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اے اللہ! تو آنے والے نبی آخر الزمان کی برکت سے ہمیں فتح نصیب فرما دے، یا یہ کہ مشرکین سے کہا کرتے تھے کہ تم لوگ ہمارے خلاف زور آزمائی کرتے ہو؛ مگر عنقریب ایک ایسے رسول ﷺ آنے والے ہیں جو تم سب کو زیر کر دیں گے اور ہم چونکہ ان کے ساتھ ہوں گے تو ہماری فتح ہوگی، مگر جب وہ نبی ﷺ آ گیا اور آسمانی پیشین گوئی کے مطابق اہل کتاب نے ان کو پہچان لیا، تو حسد کی وجہ سے اس کا انکار کر بیٹھے، اور آپس میں اختلاف کرنے لگے، کچھ لوگ آپ پر ایمان لائے مگر اکثر نے انکار کر دیا۔

﴿تمت﴾

سُوْرَةُ الزِّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانُ آيَاتٍ

سُوْرَةُ زُلْزِلَتْ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ تِسْعُ اٰيَاتٍ

سورۂ زلزلت مکی یا مدنی ہے، نو آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ حُرِّكَتْ لِقِيَامِ السَّاعَةِ زِلْزَالَهَا ① تَحْرِيْكَهَا الشَّدِيْدَ الْمُنَاسِبَ لِعَظَمَتِهَا وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ② كُنُوْزَهَا وَمَوْتَاهَا فَاَلْقَتْهَا عَلٰى ظَهْرِهَا وَقَالَ الْاِنْسَانُ الْكَافِرُ بِالْبَعْثِ مَا لَهَا ③ اِنْكَارًا لِتِلْكَ الْحَالَةِ يَوْمَئِذٍ بَدَلٌ مِنْ اِذَا وَجَوَابُهَا تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ④ تُخْبِرُ بِمَا عُمِلَ عَلَيْهَا مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ بِاَنَّ بِسَبَبِ اَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ⑤ اَيْ اَمَرَهَا بِذٰلِكَ وَفِي الْحَدِيْثِ تَشْهَدُ عَلٰى كُلِّ عَبْدٍ وَاَمَةٍ بِكُلِّ مَا عَمِلَ عَلٰى ظَهْرِهَا يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ يَنْصَرِفُوْنَ مِنْ مَوْقِفِ الْحِسَابِ اَشْتَاتًا ۙ مُتَفَرِّقِيْنَ فَاٰخِذٌ ذَاتَ الْيَمِيْنِ اِلَى الْجَنَّةِ وَاٰخِذٌ ذَاتَ الشِّمَالِ اِلَى النَّارِ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ⑥ اَيْ جَزَاءَهَا مِنَ الْجَنَّةِ اَوِ النَّارِ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ زِنَةَ نَمْلَةٍ صَغِيْرَةٍ خَيْرًا يَّرَهُ ⑦ يَرَ ثَوَابَهُ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهُ ⑧ جَزَاءَهُ

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، جب زمین پوری شدت سے قیام قیامت کے وقت ہلا دی جائے گی جو کہ اس کے عظیم ہونے کے مناسب ہوگی اور زمین اپنے اندر کے سارے بوجھ مثلاً اس کے خزانے اور اس کے مردے نکال دے گی اور ان کو اپنی ظاہری سطح پر ڈال دے گی، اور بعث کا منکر انسان اس حالت کا انکار کرتے ہوئے کہے گا کہ اس کو کیا ہو رہا ہے؟ اس روز (یَوْمَئِذٍ اِذَا سے بدل ہے اور (اِذَا) کا جواب تُحَدِّثُ اخبارھا ہے، ان تمام حالات کو بیان کرے گی جو نیک و بد اعمال اس کے اوپر کئے گئے ہوں گے یہ اس وجہ سے ہوگا کہ تیرے رب نے اس کے لئے وحی بھیجی ہوگی یعنی اس کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہوگا اور حدیث شریف میں ہے کہ زمین ہر بندے اور بندی کے خلاف ہر اس عمل کی گواہی دے گی جو اس پر کیا گیا ہوگا، اس روز لوگ موقف حساب سے متفرق حالت میں واپس ہوں گے، دائیں ہاتھ میں (اعمال نامہ) لینے والا جنت کی طرف لوٹے گا اور بائیں ہاتھ میں (اعمال نامہ) لینے والا جہنم کی طرف لوٹے گا تا کہ ان کے

اعمال یعنی ان کی جزاء کو، خواہ جنت سے ہو یا دوزخ سے ان کو دکھائے جائیں پھر جس نے ذرہ برابر یعنی چھوٹی چیونٹی کے برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو بھی دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی تو وہ اس کی جزاء بھی دیکھ لے گا۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا، اِذَا ظرفیہ متضمن بمعنی شرط ہے، یَوْمَئِذٍ اس سے بدل ہے اور تُحَدِّثُ جواب شرط ہے اور جمہور کے نزدیک یہی ظرف کا ناصب ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ ظرف کا عامل محذوف ہے اور وہ یُحْشَرُوْنَ ہے اور بعض نے اُذْكُر محذوف کو عامل مانا ہے؛ مگر اس صورت میں اِذَا ظرفیت اور شرطیت سے خارج ہو جائے گا، تُحَدِّثُ متعدی بدو مفعول ہے مفعول اول محذوف ہے، ای تحدث الناس اَخْبَارَها، اَلنَّاسَ مفعول اول ہے اور اخبارَها مفعول ثانی، زِلْزَالَها میں مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ہے۔

قولہ: كُنُوْزَهَا وَمَوْتَاهَا مناسب، واؤ کے بجائے اَوْ تھا، اس لئے کہ "اخرجت الارضُ اثقالها" کی تفسیر میں دو قول ہیں، یعنی ثقل سے مراد خزانے یا مردے ہیں اور دونوں بھی ہو سکتے ہیں تو "واو" بھی درست ہوگا۔

قولہ: انكارًا لِتِلْكَ الحالة مفسر علام کے لئے مناسب تھا کہ، تعجبًا لِتِلْكَ الحالة فرماتے، اس لئے کہ یہ وقت انکار کا نہ ہوگا بلکہ حیرت اور تعجب کا ہوگا۔

قولہ: یومئذٍ بدل من اِذَا، یَوْمَئِذٍ، اذَا سے بدل ہے اور جو عامل مبدل منہ کا ہے وہی بدل کا ہے۔

قولہ: یَوْمَئِذٍ یَصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا، یَوْمَئِذٍ، اول یومَئِذٍ سے بدل ہے اور بعض حضرات نے یَصْدُرُ کو عامل مانا ہے، اور اَشْتَاتًا، النَّاسُ سے حال ہے۔

قولہ: لِیُرَوْا اَعْمَالَهُمْ، لِیُرَوا، یَصْدر النَّاسُ سے متعلق ہے، اور رویت سے رویت بصری مراد ہے، باب افعل کے ہمزہ کی وجہ سے متعدی بدو مفعول ہے، اول مفعول لِیُرَوا کا واؤ ہے جو کہ نائب فاعل ہے اور دوسرا مفعول اَعْمَالَهم ہے۔

قولہ: خَيْرًا یہ مثقال سے تمیز ہے اور اسی طرح شَرًّا ہے۔

تفسیر وتشریح

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا، اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے ابن مسعود رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، عطاء رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، جابر رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور مجاہد رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کہتے ہیں کہ مکی ہے، حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کا بھی ایک قول یہی ہے، قتادہ اور مقاتل کہتے ہیں کہ مدنی ہے، حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کا دوسرا قول اس کی تائید کرتا ہے۔

فضائل سورت:

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ فَمَنْ یَّعْمَلْ الخ یہ آیت قرآن کی سب سے زیادہ مستحکم اور جامع آیت ہے، اور حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ اِذَا زُلْزِلَتْ کو نصف قرآن اور قل ھو اللّٰہ کو ثلث قرآن اور قل یایھا الکافرون کو ربع قرآن فرمایا ہے۔ (ترمذی، بغوی)

زلزلہ سے کون سا زلزلہ مراد ہے؟

اس امر میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں جس زلزلہ کا ذکر آیا ہے، یہ وہ زلزلہ ہے جو نفخۂ اولیٰ سے پہلے دنیا میں واقع ہوگا جیسا کہ علامات قیامت میں اس زلزلہ کا ذکر آیا ہے؟ یا اس زلزلہ سے مراد نفخۂ ثانیہ کے بعد کا زلزلہ ہے؟ جب مُردے زندہ ہو کر زمین سے نکلیں گے؟ تو واضح رہے کہ اس میں کوئی بُعد نہیں کہ زلزلے متعدد ہوں، مگر یہاں مابعد کے قرینہ سے دوسرا زلزلہ مراد معلوم ہوتا ہے، اسلئے کہ اسی سورت میں آگے احوال قیامت اور حساب و کتاب کا ذکر ہے۔ (معارف، مظہری)

زِلْزَالَهَا، زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ کی تاکید ہے، اس تاکید کا مقصد زلزلہ کی شدت کو بیان کرنا ہے، یعنی کرۂ ارض کے عظیم ہونے کی وجہ سے اس کا زلزلہ اور جھٹکا بھی اس کے شایان شان شدید ہوگا، اور یہ زلزلے پے درپے اور عام ہوں گے یعنی زمین کے کسی ایک حصہ میں نہیں بلکہ پوری زمین ہلا دی جائے گی۔

وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا اسی مضمون کو سورۂ انشقاق میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے "وَاَلْقَتْ مَا فِیْهَا وَتَخَلَّتْ" اور جو کچھ اس کے اندر ہے اسے باہر پھینک کر خالی ہو جائے گی، اس کے متعدد مطلب ہیں: ایک یہ کہ مرے ہوئے انسان زمین کے اندر جہاں اور جس شکل میں بھی پڑے ہوں گے ان سب کو وہ نکال کر باہر پھینک دے گی، اس مفہوم پر بعد کا فقرہ یعنی "وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا" دلالت کر رہا ہے، یعنی انسانی منتشر اجزاء جمع ہو کر از سرنو اسی شکل و صورت میں جمع ہو جائیں گے، جس میں وہ دنیوی زندگی کی حالت میں تھے؛ کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو وہ یہ کیسے کہیں گے کہ زمین کو یہ کیا ہو رہا ہے؟

دوسرا مطلب یہ ہے کہ صرف مردہ انسانوں ہی کو باہر پھینکنے پر اکتفا نہ کرے گی؛ بلکہ ان کی پہلی زندگی کے افعال و اقوال، حرکات و سکنات کی شہادتوں کا جو انبار اس کی تہوں میں دبا پڑا ہے، ان سب کو بھی وہ نکال کر باہر ڈال دے گی، اس مطلب پر بعد کا فقرہ "یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا" دلالت کرتا ہے، کہ زمین اپنے اوپر گذرے ہوئے حالات بیان کرے گی، اس ترقی یافتہ دور میں اس شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ زمین اپنے اوپر گذرے ہوئے حالات کس طرح بیان کرے گی؟ آج علوم طبعی کے انکشافات اور ریڈیو، ٹیلی ویژن، ٹیپ رکارڈر، اور الکٹرانکس کی ایجادات کے اس دور میں یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ زمین اپنے حالات کیسے بیان کرے گی؟ انسان جو کچھ بولتا ہے اس کے نقوش ریڈیائی لہروں میں، ہوا اور فضا میں، اور در و دیواروں پر نقش ہیں، انسان نے زمین پر جہاں جس حالت میں بھی کوئی کام کیا ہے اس کی ایک ایک

حرکت کا عکس، اس کے گرد و پیش کی تمام چیزوں پر پڑا ہے، اس کی تصویریں ان پر نقش ہو چکی ہیں، گھپ اندھیرے میں بھی اگر کوئی عمل کیا ہے تو خدا کی خدائی میں ایسی شعائیں موجود ہیں جن کے لئے اندھیرا اجالا کوئی معنی نہیں رکھتا، آج جب کہ تاریکی میں دیکھنے والے چشمے ایجاد کئے جا چکے ہیں تو خدائی شعاؤں کے موجود ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے؟ یہ ساری تصویریں قیامت کے دن متحرک فلم کی شکل میں دکھائی جائیں گی۔

تیسرا مطلب یہ ہے کہ سونا چاندی، ہیرے جواہر غرضیکہ ہر قسم کی دولت کے ڈھیر کے ڈھیر باہر نکال کر جمع کر دے گی، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زمین اپنے جگر کے ٹکڑے سونے کو بڑی چٹانوں کی شکل میں اگل دے گی، اس وقت ایک شخص جس نے مال کے لئے کسی کو قتل کیا تھا وہ دیکھ کر کہے گا کہ یہ وہ چیز ہے جس کے لئے میں نے اتنا بڑا جرم کیا تھا، جس شخص نے اپنے رشتہ داروں سے مال کی وجہ سے قطع تعلق کیا تھا وہ کہے گا کہ یہ وہ چیز ہے جس کے لئے میں نے یہ حرکت کی تھی، چور جس کا ہاتھ چوری کی سزا میں کاٹا گیا تھا اس کو دیکھ کر کہے گا کہ اس کے لئے میں نے اپنا ہاتھ گنوایا تھا، اور پھر کوئی بھی اس سونے کی طرف التفات نہ کرے گا۔ (معارف، رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ ؓ)

﴿تمت﴾

سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً

سُوْرَةُ الْعٰدِيَاتِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ اِحْدٰى عَشْرَةَ آيَةً.

سورۂ عادیات مکی یا مدنی ہے، گیارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ **وَالْعٰدِيٰتِ** الخَيْلِ تَعْدُوْ فِي الغَزْوِ وتَضْبَحُ **ضَبْحًا** ﴿١﴾ هُوَ صَوْتُ أَجْوَافِهَا إِذَا عَدَتْ **فَالْمُوْرِيٰتِ** الخَيْلِ تُوْرِي النَّارَ **قَدْحًا** ﴿٢﴾ بِحَوَافِرِهَا إِذَا سَارَتْ فِي الأَرْضِ ذَاتِ الحِجَارَةِ بِاللَّيْلِ **فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا** ﴿٣﴾ الخَيْلِ تُغِيْرُ عَلَى العَدُوِّ وَقْتَ الصُّبْحِ بِاِغَارَةِ أَصْحَابِهَا **فَاَثَرْنَ** هَيَّجْنَ **بِهٖ** بِمَكَانِ عَدْوِهِنَّ او بِذٰلِكَ الوَقْتِ **نَقْعًا** ﴿٤﴾ غُبَارًا بِشِدَّةِ حَرْكَتِهِنَّ **فَوَسَطْنَ بِهٖ** بِالنَّقْعِ **جَمْعًا** ﴿٥﴾ مِنَ العَدُوِّ اي صِرْنَ وَسْطَهُ وعَطْفُ الفِعْلِ عَلَى الإِسْمِ لِأَنَّهُ فِي تَاوِيْلِ الفِعْلِ اي واللّاتِي عَدَوْنَ فَاَوْرَيْنَ فَاَغَرْنَ **اِنَّ الْاِنْسَانَ** اي الكَافِرَ **لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ** ﴿٦﴾ لَكَفُوْرٌ يَجْحَدُ نِعْمَهُ تَعَالٰى **وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ** اي كُنُوْدِهِ **لَشَهِيْدٌ** ﴿٧﴾ يَشْهَدُ عَلٰى نَفْسِهِ بِصُنْعِهِ **وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ** اي المَالِ **لَشَدِيْدٌ** ﴿٨﴾ اي لَشَدِيْدُ الحُبِّ لَهُ فَيَبْخَلُ بِهِ **اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ** أُثِيْرَ وأُخْرِجَ **مَا فِي الْقُبُوْرِ** ﴿٩﴾ مِنَ المَوْتٰى اي بُعِثُوا **وَحُصِّلَ** بُيِّنَ وأُفْرِزَ **مَا فِي الصُّدُوْرِ** ﴿١٠﴾ القُلُوْبِ مِنَ الكُفْرِ والإِيْمَانِ **اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ** ﴿١١﴾ لَعَالِمٌ فَيُجَازِيْهِمْ عَلٰى كُفْرِهِمْ أُعِيْدَ الضَّمِيْرُ جَمْعًا نَظَرًا لِمَعْنَى الإِنْسَانِ وهٰذِهِ الجُمْلَةُ دَلَّتْ عَلٰى مَفْعُوْلِ يَعْلَمُ اي إِنَّا نُجَازِيْهِ وَقْتَ مَا ذُكِرَ وتَعَلَّقَ خَبِيْرٌ، بِيَوْمَئِذٍ وهُوَ تَعَالٰى خَبِيْرٌ دَائِمًا لِأَنَّهُ يَوْمُ المُجَازَاةِ.

تَرْجَمَہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، قسم ہے ان گھوڑوں کی جو جہاد میں پھنکارتے ہوئے (ہانپتے ہوئے) دوڑتے ہیں، ضَبح جوف (پیٹ) کی اس آواز کو کہتے ہیں جو دوڑتے وقت نکلتی ہے، پھر ان گھوڑوں کی جو ٹاپوں سے چنگاریاں جھاڑتے ہیں پھر ان گھوڑوں کی جو صبح سویرے دشمن پر شب خون مارتے ہیں، اپنے سوار کے شب خون مارنے سے پھر اس موقع پر یعنی اپنے دوڑنے کی جگہ یا اس وقت اپنی شدید حرکت کی وجہ سے غبار

اڑاتے ہیں پھر اسی غبار میں دشمن کے مجمع میں گھس جاتے ہیں یعنی ان کے وسط تک پہنچ جاتے ہیں، اور فعل کا عطف اسم پر اس لئے درست ہے کہ اسم فعل کی تاویل میں ہے، یعنی معنی میں وَاللَّاتِی عَدَوْنَ، فَاَوْرَیْنَ فَاَغَرْنَ کے ہے حقیقت یہ ہے کہ کافر انسان اپنے رب کی نعمتوں کا انکار کر کے بڑا ناشکرا ہے اور وہ خود اس اپنی ناشکری پر گواہ ہے کہ وہ اپنے عمل سے اپنے نفس پر گواہ ہے اور وہ مال کی محبت میں بری طرح مبتلا ہے یعنی وہ مال سے بے حد محبت رکھنے والا ہے جس کی وجہ سے وہ اس (کے خرچ کرنے) میں بخل کرتا ہے تو کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا کہ جب قبروں میں مدفون مردوں کو نکالا جائے گا؟ اور دلوں میں جو کفر و ایمان (مخفی) ہے اس کو برآمد کر لیا جائے گا، یعنی ظاہر اور عیاں کر دیا جائے گا، ان کا رب اس روز ان سے خوب باخبر ہوگا پھر ان کو ان کے کفر کی سزا دے گا، (هُمْ) ضمیر کو انسان کے معنی کا لحاظ کرتے ہوئے جمع لایا گیا ہے اور یہ جملہ یَعْلَمُ کے مفعول پر دلالت کرتا ہے یعنی ہم انسان کو مذکورہ وقت میں جزاء دیں گے، اور خَبِیْرٌ کا تعلق یَوْمَئِذٍ سے ہے؛ حالانکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ باخبر ہے اس لئے کہ وہ صلہ دینے کا دن ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَالْعٰدِیٰتِ، عَادِیَۃٌ کی جمع ہے تیز دوڑنے والیاں، یہ عَدْوٌ سے مشتق ہے جس کے معنی تجاوز کرنے اور تیز دوڑنے کے ہیں، واو کے ماقبل کسرہ ہونے کی وجہ سے واؤ کو یاء سے بدل دیا ہے؛ چنانچہ عَدْوٌ سے عادیاتٌ ہو گیا، جیسا کہ غَزْوٌ سے غازیات. (لغات القرآن)

قَوْلُہٗ: ضَبْحًا (ف) یہ ضَبَحَ یَضْبَحُ کا مصدر ہے، گھوڑوں کے دوڑنے کے وقت ہانپنا، پھنکار مارنا مفسر علام کا ضَبْحًا سے پہلے تَضْبَحُ کا اضافہ کرنا یہ بتانے کے لئے ہے کہ ضبحًا فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔

قَوْلُہٗ: اَلْمُوْرِیَاتِ، مُوْرِیَۃٌ سے اسم فاعل جمع مؤنث ہے، یہ اِیْرَاءٌ سے مشتق ہے، آگ روشن کرنے والے، اِیراء (افعال) آگ نکالنا، مراد وہ گھوڑے ہیں جو پتھریلی زمین پر چلتے ہیں، تو ان کی ٹاپوں کی رگڑ سے چنگاریاں نکلتی ہیں۔

قَوْلُہٗ: قَدْحًا (ف) قَدَحَ کا مصدر ہے، پتھر پر پتھر مار کر آگ نکالنا، قَدَحَ الزَّنْدَ چقماق رگڑ کر آگ نکالی، قَدْحًا بھی ضَبْحًا کی طرح فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے، ای یَقْدَحُ قَدْحًا.

قَوْلُہٗ: فَالْمُغِیْرَاتِ صُبْحًا صبح کے وقت شب خون مارنے والے، غارت گری کرنے والے و بالفارسیہ، پس قسم بسیاں غارت کنندہ بوقت صبح، اَلْمُغِیْرَاتِ اسم فاعل جمع مؤنث، واحد المغیرۃ، مصدر اِغارۃ، لوٹنا، چھاپہ مارنا، مراد چھاپہ مار دستے ہیں۔

قَوْلُہٗ: فَاَثَرْنَ (ض ن) ماضی صیغہ جمع مؤنث غائب، یہ اِثَارَۃٌ سے ہے، بمعنی برانگیختہ کرنا، اڑانا۔

قَوْلُہٗ: فَوَسَطْنَ بِہٖ، بِہٖ ای ذالک الوقت.

سُؤَالٌ: فَاَثَرْنَ اور فَوَسَطْنَ کا عطف وَالْعٰدِیٰتِ، فالموریٰت، فَالْمُغِیرات پر ہے، اس میں معطوف علیہ اسماء ہیں اور معطوف افعال ہیں جو درست نہیں ہے؟

جَوَابٌ: ماقبل میں مذکورتینوں اسماء تاویل میں افعال کے ہیں، اس لئے کہ موصول کا صلہ واقع ہیں، جیسا کہ مفسر علام نے واللاتی عَدَوْن کہہ کر اشارہ کردیا ہے، وَالْعٰدِیٰتِ معنی میں اللاتی عَدَوْنَ کے ہیں، ھٰکذا المُوریٰت اور فالمغیرات۔

قَوْلُہٗ: وھذہ الجملۃ دَلَّتْ علی مفعول یَعْلَمُ اس جملہ کا مقصد اس اعتراض کا جواب ہے کہ یَعْلَمُ فعل متعدی ہے جس کے لئے مفعول کا ہونا ضروری ہے، مگر یہاں اس کا مفعول نہیں ہے؟

جَوَابٌ: یَعْلَمُ کا مفعول محذوف ہے اور حذف پر جملہ اِنَّ رَبَّھُمْ بِھِمْ یَوْمَئِذٍ لخبیر دلالت کر رہا ہے، اور مفعول محذوف انا نُجَازِیْہِ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے: افلا یَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ وَحُصِّلَ مَا فی الصدور انا نُجَازِیْہِ.

قَوْلُہٗ: حُصِّلَ یہ تحصیل سے ہے، جس کے معنی چھلکے سے مغز یا خوشے سے غلہ نکالنے کے ہیں۔

قَوْلُہٗ: تَعَلَق خبیرٍ بیومَئِذٍ یہ ایک سوال مقدار کا جواب ہے؟

سُؤَالٌ: سوال یہ ہے کہ یَوْمَئِذٍ لخبیر کیوں کہا جب کہ اللہ تعالیٰ ہر زمان ومکان سے باخبر ہے؟

جَوَابٌ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس روز ہر شخص کو اس کے ہر عمل کی جزا دیں گے اور ظاہر ہے کہ جزا علم کے بغیر ممکن نہیں ہے، اور اس سے اللہ تعالیٰ کے عمومی علم کی نفی نہیں ہوتی۔

تفسیر وتشریح

اس سورت میں پانچ صفات کی قسم کھا کر ایک بات کہی گئی ہے اور وہ ہے (اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوْدٌ) بلاشبہ انسان بڑا ناشکرا ہے، مذکورہ پانچ صفات کا قرآن مجید میں موصوف بیان نہیں کیا گیا؛ اس لئے مقسم بہ میں مفسرین کا اختلاف ہوا ہے کہ دوڑنے والوں اور آگ جھاڑنے والوں، شب خون مارنے والوں، غبار اڑانے والوں اور مجمع میں داخل ہونے والوں سے کیا مراد ہے؟ صحابہ رَضِّاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ اور تابعین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ مذکورہ صفات کے موصوفات گھوڑے ہیں، اور ایک دوسری جماعت اس طرف گئی ہے کہ اونٹ مراد ہیں، مگر دوڑتے ہوئے ایک خاص قسم کی آواز نکالنا جس کو عربی میں ضبحٌ کہتے ہیں وہ گھوڑا ہی نکالتا ہے، اور بعد کی آیات بھی جن میں چنگاریاں جھاڑنے، صبح سویرے چھاپہ مارنے کا ذکر ہے یہ بات بھی گھوڑوں ہی پر صادق آتی ہے؛ اس لئے اکثر محققین نے ان سے مراد گھوڑے ہی لئے ہیں، ابن جریر رَضِّاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ فرماتے ہیں کہ مذکورہ دونوں قولوں میں گھوڑوں والا قول قابل ترجیح ہے۔

یہاں جنگی گھوڑوں کی سخت خدمات کا ذکر گویا اس بات کی شہادت میں لایا گیا ہے کہ انسان بڑا ناشکرا ہے، تشریح اس کی یہ ہے کہ گھوڑوں کے اور بالخصوص جنگی گھوڑوں کے حالات پر نظر ڈالئے کہ وہ میدان جنگ میں اپنی جان کو خطرہ میں

ڈال کر کیسی کیسی سخت خدمات، انسان کے حکم واشارہ کے تابع انجام دیتے ہیں؛ حالاں کہ انسان نے ان گھوڑوں کو پیدا نہیں کیا، ان کو جو گھاس دانہ انسان دیتا ہے وہ بھی اس کا پیدا کیا ہوا نہیں ہے، اس کا کام صرف اتنا ہے کہ خدا کے پیدا کئے ہوئے رزق کو ان تک پہنچانے کا ایک واسطہ ہے، اب گھوڑوں کو دیکھئے کہ انسان کے اتنے سے احسان کو کیسا پہچانتا ہے کہ اس کے ادنیٰ اشارہ پر اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیتا ہے، اس کے بالمقابل انسان کو دیکھو کہ ایک حقیر قطرہ سے اللہ نے اس کو پیدا کیا اور اس کو مختلف کاموں کی صلاحیت بخشی، عقل وشعور بخشا، نیز اس کی تمام ضروریات کو کس قدر آسان کر کے اس تک پہنچادیا کہ عقل حیران رہ جاتی ہے، مگر انسان ان احسانات کا شکر گذار نہیں ہوتا، اسی مناسبت سے گھوڑوں کی قسم کھا کر فرمایا کہ بلاشبہ انسان ناشکرا ہے۔

مذکورہ آیت میں جہادی گھوڑوں کی قسم کھا کر دو باتیں کہی گئی ہیں: ایک یہ کہ انسان ناشکرا ہے، مصیبتوں اور تکلیفوں کو یاد رکھتا ہے، نعمتوں اور احسانات کو بھول جاتا ہے، دوسرے یہ کہ وہ مال کی محبت میں شدید ہے، یہ دونوں باتیں شرعاً اور عقلاً مذموم ہیں، ناشکری کا مذموم ہونا تو بالکل ظاہر ہے، مال کی محبت کو بھی مذموم قرار دیا گیا ہے؛ حالانکہ مال پر انسانی بہت سی ضروریات کا مدار ہے، بہت سی عبادات کا تعلق مال ہی سے ہے، مال کے کسب اور اکتساب کو شریعت نے نہ صرف یہ کہ حلال کیا ہے؛ بلکہ بقدر ضرورت فرض قرار دیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً مال کی محبت مذموم نہیں ہے؛ بلکہ شدت کے وصف کے ساتھ مذموم ہے کہ انسان مال کی محبت میں ایسا مغلوب ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے غافل ہو جائے اور حلال وحرام کی پروانہ رہے، حاصل یہ ہوا کہ مال کو بقدر ضرورت حاصل کرنا اور اس سے کام لینا تو امر محمود ہے؛ مگر دل میں اس کی محبت کا جاگزیں ہو جانا مذموم ہے۔

تمت

سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً

سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ ثمانُ اٰيَاتٍ.

سورۃ القارعہ مکی ہے، آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَلْقَارِعَةُ ۝۱ اَيِ الْقِيَامَةُ الَّتِيْ تَقْرَعُ الْقُلُوْبَ بِاَهْوَالِهَا مَا الْقَارِعَةُ ۝۲ تَهْوِيْلٌ لِشَانِهَا وَهُمَا مُبْتَدأٌ وَخَبَرٌ خَبَرُ الْقَارِعَةِ وَمَآ اَدْرٰىكَ اَعْلَمَكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝۳ زِيَادَةُ تَهْوِيْلٍ لَهَا وَمَا الْاُوْلٰى مُبْتَدأٌ وَمَا بَعْدَهَا خَبَرُهُ وَمَا الثَّانِيَةُ وَخَبَرُهَا فِيْ مَحَلِّ الْمَفْعُوْلِ الثَّانِيْ لِاَدْرٰى يَوْمَ نَاصِبُهُ دَلَّ عَلَيْهِ الْقَارِعَةُ اَيْ تَقْرَعُ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝۴ كَغَوْغَاءِ الْجَرَادِ الْمُنْتَشِرِ يَمُوْجُ بَعْضُهُمْ فِيْ بَعْضٍ لِلْحَيْرَةِ اِلٰى اَنْ يُدْعَوْا لِلْحِسَابِ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝۵ كَالصُّوْفِ الْمَنْدُوْفِ فِيْ خِفَّةِ سَيْرِهَا حَتّٰى تَسْتَوِيَ مَعَ الْاَرْضِ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ ۝۶ بِاَنْ رَجَحَتْ حَسَنَاتُهُ عَلٰى سَيِّاٰتِهِ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝۷ فِي الْجَنَّةِ اَيْ ذَاتِ رِضًا بِاَنْ يَّرْضَاهَا اَيْ مَرْضِيَّةٍ لَهُ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهُ ۝۸ بِاَنْ رَجَحَتْ سَيِّاٰتُهُ عَلٰى حَسَنَاتِهِ فَاُمُّهُ فَمَسْكَنُهُ هَاوِيَةٌ ۝۹ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَاهِيَهْ ۝۱۰ اَيْ مَا هَاوِيَةٌ هِيَ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝۱۱ شَدِيْدَةُ الْحَرَارَةِ وَهَاءُ هِيَهْ لِلسَّكْتِ تَثْبُتُ وَصْلًا وَوَقْفًا وَفِيْ قِرَاءَةٍ تُحْذَفُ وَصْلًا.

ع ۱۴

تَرْجَمَہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، وہ کھڑکھڑانے والی یعنی قیامت جو کہ دلوں کو اپنی ہولناکی سے کھڑکھڑادے گی کیا ہے وہ کھڑکھڑا دینے والی؟ (یہ استفہام) قیامت کی ہولناکی کی شان کو بیان کرنے کے لئے ہے، (مَا الْقَارِعَةُ) مبتداء خبر ہیں، اور مبتداء خبر سے مل کر الْقَارِعَةُ کی خبر ہے اور تم کیا جانو کہ وہ کھڑکھڑا دینے والی کیا ہے؟ یہ قیامت کی مزید ہولناکی کا بیان ہے، (مَا اَدْرٰكَ مَا الْقَارِعَةُ میں) پہلا مَا مبتداء ہے اور اس کا مابعد یعنی اَدْرٰكَ اپنے دونوں مفعولوں سے مل کر مبتداء کی خبر ہے، اَدْرٰی کا مفعول اول كَ ہے اور مَا الْقَارِعَةُ مبتداء خبر سے مل کر مفعول ثانی ہے، جس دن انسان پریشان پروانوں کی طرح ہو جائیں گے یَوْمَ کا ناصب وہ ہے جس پر الْقَارِعَة دلالت کرتا ہے یعنی تَقْرَعُ،

یعنی ٹڈی کے منتشر بچے جو حیرانی کی وجہ سے ایک دوسرے پر چڑھ جائیں، یہاں تک کہ وہ حساب کے لئے بلائے جائیں، اور پہاڑ دھنی ہوئی رنگین اون کے مانند ہوں گے یعنی تیز رفتاری میں دھنی ہوئی اون کے مانند ہوں گے؛ یہاں تک کہ زمین کے ہم سطح ہو جائیں گے، پھر جس کے پلڑے بھاری ہوں گے بایں طور کہ اس کی حسنات زیادہ ہوں گی بہ نسبت سیئات کے تو وہ من پسند خوشی کی زندگی میں ہوں گے، رضاو خوشنودی کی جنت میں، بایں طور کہ وہ اس سے خوش ہوں گے یعنی اس کی رضا کے مطابق ہوں گی، اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے بایں طور کہ اس کی سیئات زیادہ ہوں گی بہ نسبت اس کی حسنات کے، تو اس کا ٹھکانہ دوزخ میں ہوگا، تجھے کیا معلوم کہ وہ کیا ہے؟ یعنی هاویه کیا ہے؟ وہ نہایت سخت گرم آگ ہے، اور هِيَهْ کی هَا وقف کے لئے ہے جو کہ وقفاً اور وصلاً باقی رہتی ہے اور ایک قراءت میں وصلاً حذف کر دی جاتی ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: ما القارعة زيادة تهويل لها، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ استفہام بعد الاستفہام سے قیامت کی زیادتی ہولناکی کو بیان کرنا ہے اور مَا الْاُوْلٰی مبتدا الخ کے اضافہ کا مقصد الْقَارِعَةُ مَا الْقَارِعَةُ کی ترکیب نحوی بیان کرنا ہے، ترکیب کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلا مَا مبتداء ہے، اَدْرٰی فعل ماضی متعدی بدو مفعول ہے، كَ مفعول اول ہے اور مَا الْقَارِعَة مبتدا خبر سے مل کر اَدْرٰی کا مفعول ثانی ہے فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر مَا مبتدا کی خبر ہے۔

قَوْلُهٗ: يَوْمَ ناصبه الخ، يومَ کا ناصب تَفْزَعُ فعل محذوف ہے: جیسا کہ مفسر علام نے ظاہر کر کے بتا دیا ہے، اور لفظ الْقارعة اس حذف پر دلالت کر رہا ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی، تَفْزَعُ القلوبُ يومَ يكون الناس كالْفراش المبثوثِ، يَوْمَ کا ناصب يَفْزَعُ محذوف ماننے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ يَوْمَ میں نہ تو الْقَارِعَة اول عامل ہو سکتا ہے اور نہ ثانی اور ثالث، اول تو اس لئے نہیں ہو سکتا کہ عامل و معمول کے درمیان خبر کا فصل لازم آتا ہے، اور ثانی و ثالث اس لئے نہیں ہو سکتا کہ يَوْمَ کا معنی کے اعتبار سے ان سے کوئی جوڑ نہیں ہے۔

قَوْلُهٗ: اَلْفَراش، یہ فَراشَةٌ کی جمع ہے پروانے کو کہتے ہیں یہاں اسم جنس کے طور پر استعمال ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کی صفت المبثوث لائی گئی ہے، صاحب جلالین نے الفَرَاش کا ترجمہ غَوْغَاءُ الْجَراد سے کیا ہے، غَوْغاء ٹڈی کے اس بچہ کو کہتے ہیں، جو اڑنے کے قابل ہو گیا ہو۔

قَوْلُهٗ: المنتشر بمعنی پراگندہ، بے ترتیب، قیامت کے روز حیرانی اور پریشانی کی وجہ سے انسان پراگندہ اور بے ترتیب چلیں گے، اسی حیرانی اور پریشانی کو ظاہر کرنے کے لئے انسانوں کو جرادِ منتشر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

قَوْلُهٗ: المنفوش یہ نَفْشٌ (ض س ن) سے اسم مفعول ہے بمعنی دھنا ہوا۔

قَوْلُهٗ: ذات رضا کا اضافہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ راضية بمعنی مرضية ہے، علم معانی کی زبان میں اس کو

اسنادمجازی کہتے ہیں، ای عیشة مرضیة اس لئے کہ عیش راضی یعنی پسند کرنے والانہیں ہوتا؛ بلکہ مرضیۃ یعنی پسندیدہ ہوتا ہے۔

قولہ: ای مَا هَاوِيَة اس عبارت کے اضافہ کا مقصد مَاهِيَهْ کا مرجع متعین کرنا ہے۔

قولہ: فَمَسكَنُهٗ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اُمٌّ سے مراد بطور تشبیہ مسکن اور ٹھکانہ ہے اس لئے کہ (ماں) بچے کے لئے ٹھکانہ ہوتی ہے۔

تفسیر و تشریح

اَلْقَارِعَة یہ قیامت کے متعدد ناموں میں سے ایک نام ہے، قیامت کے متعدد نام ماقبل میں گذر چکے ہیں، مثلاً الحاقة، الطّآمّة، الصّآخة، الغاشية، السّاعة، الواقعة وغیرہ، یہاں اَلْقَارِعة کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس کے اصلی معنی کھڑ کھڑانے والی، ٹھوکنے والی کے ہیں، اس لغوی معنی کے اعتبار سے قارعة کے معنی کسی ہولناک حادثے یا کسی بڑی بھاری آفت کے بھی لئے جاسکتے ہیں، مثلاً عرب بولتے ہیں: "قرعت القارعةُ" یعنی فلاں قوم یا قبیلہ پر سخت آفت آگئی، لیکن یہاں القارعة کا لفظ قیامت کے لئے استعمال ہوا ہے، یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہاں قیامت کے پہلے مرحلے سے لے کر عذاب و ثواب کے آخری مرحلے یعنی پورے عالم آخرت کا ذکر ہے۔

القارعة سے كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْش تک پہلے مرحلے کا ذکر ہے یعنی جب وہ حادثۂ عظیمہ برپا ہوگا جس کے نتیجے میں دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا، اس وقت لوگ گھبراہٹ کی حالت میں اس طرح بھاگے بھاگے پھریں گے جیسے روشنی پر پروانے ہر طرف پراگندہ و منتشر ہوتے ہیں، اور پہاڑ رنگ برنگ کی دھنی ہوئی اون کے مانند اس لئے ہوں گے کہ خود پہاڑ مختلف رنگ کے ہوتے ہیں۔

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ یہاں سے قیامت کے دوسرے مرحلے کا ذکر ہے کہ جب دوبارہ زندہ ہو کر انسان اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہوں گے۔

وزن اعمال کے متعلق ایک شبہ اور اس کا جواب:

قرآن مجید میں بروز قیامت وزن اعمال کا مسئلہ بہت سی آیات میں مختلف عنوانوں سے آیا ہے اور روایات حدیث میں اس کی تفصیلات بے شمار ہیں، وزن اعمال کے متعلق جو تفصیلی بیان آپ ﷺ کی احادیث میں آیا ہے، اس میں ایک بار تو یہ قابل غور ہے کہ متعدد روایات میں آیا ہے کہ محشر کی میزان عدل میں سب سے بھاری وزن کلمۂ "لا اِلٰـهَ الا اللّٰه محمد رسول اللّٰه" کا ہوگا۔

ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان، بیہقی اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن عمر رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ محشر میں میری امت کا ایک آدمی ساری مخلوق کے سامنے لایا جائے گا اور اس کے ننانوے اعمال نامے لائے جائیں گے اور ان میں سے ہر اعمال نامہ اتنا طویل ہوگا جہاں تک اس کی نظر پہنچے گی، اور یہ اعمال نامے برائیوں سے لبریز ہوں گے، اس شخص سے پوچھا جائے گا کہ ان نامہائے اعمال میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب صحیح ہے یا نامۂ اعمال لکھنے والے فرشتوں نے تم پر کچھ ظلم کیا ہے؟ اور خلاف واقعہ کوئی بات لکھ دی ہے؟ وہ اقرار کرے گا کہ اے میرے پروردگار! جو کچھ لکھا ہے وہ سب صحیح ہے، اور وہ گھبرائے گا کہ میری نجات کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ اس وقت حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ آج کسی پر ظلم نہیں ہوگا، ان تمام گناہوں کے مقابلہ میں تمہاری ایک نیکی کا پرچہ بھی ہمارے پاس موجود ہے جس میں تمہارا کلمۂ "اشهد ان لا الٰه الا اللّٰه واشهد ان محمدًا عبدهٗ ورسوله" لکھا ہوا ہے، وہ عرض کرے گا، اے پروردگار! اتنے بڑے سیاہ نامۂ اعمال کے مقابلہ میں یہ چھوٹا سا پرچہ کیا وزن رکھے گا، اس وقت ارشاد ہوگا کہ تم پر ظلم نہیں ہوگا اور ایک پلہ میں وہ تمام سیاہ نامۂ اعمال رکھے جائیں گے اور دوسرے میں یہ کلمۂ ایمان کا پرچہ رکھا جائے گا تو اس کلمہ کا پرچہ بھاری ہو جائے گا، اس واقعہ کو بیان فرما کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے نام کے مقابلہ میں کوئی چیز بھاری نہیں ہو سکتی۔ (معارف، مظہری)

مسند بزار، مسند حاکم میں حضرت ابن عمر رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب حضرت نوحؑ کی وفات کا وقت آیا تو اپنے لڑکوں کو جمع کر کے فرمایا کہ میں تمہیں کلمہ "لا الٰه الا اللّٰه" کی وصیت کرتا ہوں؛ کیونکہ اگر ساتوں آسمان اور زمین ایک پلہ میں اور کلمہ "لا اله الا الله" دوسرے پلہ میں رکھ دیا جائے تو کلمہ کا پلہ بھاری ہو جائے گا، اسی مضمون کی روایتیں حضرت ابوسعید خدری رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ اور ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ وغیرہم سے معتبر سندوں کے ساتھ منقول ہیں۔

(مظہری)

ان روایات کا مقتضی تو یہ ہے کہ مؤمن کی نیکیوں کا پلہ ہمیشہ بھاری ہی رہے گا خواہ کتنے ہی گناہ کر لے، لیکن قرآن مجید کی دوسری آیات اور بہت سی روایات حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان کی حسنات سیئات کو تولا جائے گا، کسی کی حسنات کا پلہ بھاری ہوگا اور کسی کی سیئات کا، جس کی حسنات کا پلہ بھاری رہے گا وہ نجات پائے گا، اور جس کی سیئات کا پلہ بھاری رہے گا اسے جہنم رسید کیا جائے گا۔

مثلاً قرآن مجید کی ایک آیت میں ہے:

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ.

ترجمہ: یعنی ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو قائم کریں گے اس لئے کسی شخص پر ظلم نہیں ہوگا، جو بھلائی یا برائی ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی کسی نے کی ہوگی وہ سب میزان عمل میں رکھی جائے گی اور ہم حساب کے لئے کافی ہیں۔

دوسری آیت: یہی سورۂ قارعۃ کی ہے:

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ. وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ.

ترجمہ: یعنی جس کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا وہ عمدہ عیش میں رہے گا اور جس کی نیکیوں کا پلہ ہلکا ہوگا اس کا مقام دوزخ ہوگا۔

ابوداؤد میں بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ منقول ہے کہ اگر کسی بندہ کے فرائض میں کوئی کمی پائی جائے گی تو رب العالمین کا ارشاد ہوگا کہ دیکھو اس بندے کے کچھ نوافل بھی ہیں یا نہیں؟ اگر نوافل موجود ہیں تو فرائض کی کمی کو نفلوں سے پورا کر دیا جائے۔ (مظہری)

ان تمام روایات کا حاصل یہ ہے کہ مؤمن کا پلہ کبھی بھاری اور کبھی ہلکا ہوگا، اس لئے بعض علماء تفسیر نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محشر میں وزن دو مرتبہ ہوگا اول کفر و ایمان کا وزن ہوگا جس کے ذریعہ مؤمن، کافر میں امتیاز ہوگا، پھر دوسرا وزن نیک و بد اعمال کا ہوگا، اس میں کسی مسلمان کی نیکیاں اور کسی کی بدیاں بھاری ہوں گی، اور اسی کے مطابق اس کو جزاء و سزا ملے گی، اس طرح تمام آیات اور روایات کا مضمون اپنی جگہ درست اور مربوط ہو جاتا ہے۔ (بیان القرآن)

جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ انسان کے اعمال کا وزن دو مرتبہ ہوگا اس سورت میں بظاہر وہ پہلا وزن مراد ہے جس میں ہر مؤمن کا ایمان کی وجہ سے پلہ بھاری رہے گا خواہ اس کا عمل کیسا بھی ہو، نیز مذکورہ آیات اور روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے اعمال تولے جائیں گے، گنے نہیں جائیں گے اور عمل کا وزن بقدر اخلاص ہوگا۔

اب رہا یہ شبہ کہ اعمال تو اعراض ہوتے ہیں اور کرنے کے بعد فنا ہو جاتے ہیں، پھر ان کے وزن کرنے کی کیا صورت ہوگی؟ وزن تو جوہر کا ہوتا ہے نہ کہ عرض کا تو اس ترقی یافتہ دور میں اس شبہ کے کوئی معنی نہیں ہیں، سائنسی نئی نئی ایجادات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اعراض فنا نہیں ہوتے؛ بلکہ جوہر کی طرح باقی رہتے ہیں نیز اعراض کو تولنے اور ناپنے کے مختلف آلات ایجاد کر لئے گئے ہیں، جن کا رات دن مشاہدہ ہوتا ہے، گرمی سردی ناپنے کے آلے، گیس اور بجلی ناپنے کے میٹر، تو یہ بات خدا کی قدرت سے بعید نہیں کہ وہ ایسے آلے ایجاد فرما دے جن سے اعمال و اقوال کا وزن کیا جا سکے۔

﴿ تمت ﴾

سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانِيْ اٰيَاتٍ

سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ ثمانُ اٰياتٍ.

سورۂ تکاثر مکی ہے، آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ **اَلْهٰكُمُ** شَغَلَكُمْ عَنْ طَاعَةِ اللّٰهِ **التَّكَاثُرُ**① التَّفَاخُرُ بِالْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَالرِّجَالِ **حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ**② بِاَنْ مُتُّمْ فَدُفِنْتُمْ فيها أو عَدَدْتُمُ الموتٰى تكاثُرًا **كَلَّا** رَدْعٌ **سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ**③ **ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ**④ سُوْءَ عَاقِبَةِ تَفَاخُرِكُمْ عِنْدَ النَزْعِ ثُمَّ فِي القَبْرِ **كَلَّا** حَقًّا **لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ**⑤ اى عِلْمًا يَقِيْنًا عَاقِبَةَ التَّفَاخُرِ مَا اشْتَغَلْتُمْ بِهِ **لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ**⑥ النَّارَ جوابُ قَسَمٍ مَحْذُوْفٍ وحُذِفَ مِنْهُ لامُ الفِعْلِ وعَيْنُهُ وأُلْقِيَ حَرَكَتُها على الرَّاءِ **ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا** تَاكِيْدٌ **عَيْنَ الْيَقِيْنِ**⑦ مَصْدَرٌ لِاَنَّ رأى وعَايَنَ بِمَعْنًى وَاحِدٍ **ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ** حُذِفَ مِنْهُ نُوْنُ الرَّفْعِ لِتَوَالِي النُّوْنَاتِ وواوُ الضَّمِيرِ الجَمْعِ لِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ **يَوْمَئِذٍ** يَوْمَ رُؤْيَتِها **عَنِ النَّعِيْمِ**⑧ مَا يُلْتَذُّ بِهِ فِي الدُّنيا مِنَ الصِّحَّةِ والفَرَاغِ والاَمنِ والمَطْعَمِ والمَشْرَبِ وغيرِ ذٰلك.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، مال واولاد اور افراد رجال کی کثرت پر فخر مباہات نے تم کو اللہ کی طاعت سے غافل کر دیا یہاں تک کہ تم لب گور پہنچ گئے بایں طور کہ تم مر گئے اور قبروں میں تم دفن کر دیئے گئے یا کثرت ثابت کرنے کے لئے مردوں کو بھی تم نے شمار کر لیا، ہرگز نہیں، یہ حرف ردع ہے عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا، پھر ہرگز نہیں تم کو اپنے تفاخر کا انجام بد نزع کے وقت پھر قبر میں عنقریب معلوم ہو جائے گا، یہ امر واقعہ ہے اگر تم تفاخر کے انجام کو علم یقینی کے طور پر جان لیتے، تو تم اس میں مشغول نہ ہوتے، تو تم بے شک جہنم کو دیکھ کر رہو گے یہ قسم محذوف کا جواب ہے (لَتَرَوُنَّ) سے لام (جو کہ یاء ہے) اور عین کلمہ (جو کہ ہمزہ ہے) حذف کر دیا گیا اور ہمزہ کی حرکت راء کو دے دی گئی، اور پھر تم اسے یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے (عَيْنَ) لَتَرَوُنَّ کا مصدر (بغیر لفظہ) ہے اس لئے کہ رأى اور عَايَنَ ایک ہی معنی میں ہے

(عَیْنُ رُؤْیَۃٌ کے معنی میں ہے) پھر اس کو دیکھنے کے دن تم سے ضرور بالضرور نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا وہ نعمتیں کہ جن سے تم دنیا میں لذت اندوز ہوتے ہو جو کہ صحت، فارغ البالی، امن اور ماکولات و مشروبات وغیرہ ہیں، (لَتُسْئَلُنَّ) سے نون رفع (تین) نونوں کے مسلسل آنے کی وجہ سے حذف کردیا گیا اور ضمیر جمع کا واؤ التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف کردیا گیا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اَلْھٰکُمْ، اِلْھَاءٌ سے ماضی واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے، تم کو غافل کردیا۔

قَوْلُہٗ: تکاثُر (تفاعل) کا مصدر ہے، مال و اولاد، نیز عزت و جاہ کی کثرت میں ایک دوسرے پر فخر کرنا۔

قَوْلُہٗ: اَوْعَدَدْتُمْ یہ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ کی دوسری تفسیر ہے۔

قَوْلُہٗ: عَاقِبَۃَ التَّفَاخُرِ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ تَعْلَمُوْنَ کا مفعول محذوف ہے اور وہ عاقبۃ التفاخر ہے۔

قَوْلُہٗ: مَا اَشْغَلَتُمْ بِہٖ یہ لَوْ کا جواب ہے۔

قَوْلُہٗ: جواب قسم محذوف یعنی لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ یہ قسم محذوف کا جواب ہے، ای وَاللہِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ.

سُؤَالٌ: لَتَرَوُنَّ کو لَوْ کا جواب قرار دینے میں کیا قباحت ہے کہ اس کا جواب محذوف مانا؟

جَوَابٌ: لَوْ کا جواب غیر یقینی الوقوع ہوتا ہے اور یہ یقینی الوقوع ہے، لہٰذا یہ لَوْ کا جواب نہیں ہوسکتا۔

قَوْلُہٗ: حُذِفَ منه لام الفعل وعَیْنُهٗ وَاُلْقِیَ حَرَکَتُھَا عَلَی الرَّاءِ، لَتَرَوُنَّ اصل میں لَتَرْاَیُوْنَ بروزن لَتَفْعَلُوْنَ تھا، لام کلمہ جو کہ یاء ہے اور عین کلمہ جو کہ ہمزہ ہے حذف کردیئے گئے، یاء التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف ہوگئی، اس لئے کہ یاء متحرک ماقبل اس کے ہمزہ مفتوح یاء الف سے بدل گئی، واؤ اور یاء کے ساکن ہونے کی وجہ سے یاء حذف ہوگئی، پھر ہمزہ (جو کہ عین کلمہ ہے) کی حرکت راء (جو کہ فا کلمہ ہے) کو دیدی اور ہمزہ حذف ہوگیا، پھر اس پر نونِ تاکید مشدد داخل کردیا اور نون رفع تین نونوں کے جمع ہونے کی وجہ سے حذف ہوگیا اور واؤ کو اس کی مناسبت سے ضمہ دے دیا۔

سُؤَالٌ: واؤ کو التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف کیوں نہیں کیا؟

جَوَابٌ: اس لئے کہ اگر واؤ ضمیر کو حذف کردیتے تو فعل ہی مختل (نیست) ہوجاتا، اس لئے کہ عین کلمہ اور لام کلمہ تو پہلے ہی حذف کئے جاچکے ہیں، اب اگر واؤ کو بھی حذف کردیا جاتا تو باقی کیا رہ جاتا؟ اس لئے واؤ کو حذف نہیں کیا گیا۔

قَوْلُہٗ: ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ نعمتوں کے بارے میں یہ سوال عام ہے، مومن اور کافر دونوں سے سوال ہوگا، کافر سے توبیخ کے طور پر اور مومن سے تشریف اور اظہار فضیلت کے طور پر۔

قِوْلَہٗ: حُذِفَ منہ الخ تُسْئَلُنَّ کی اصل تُسْئَلُوْنَنَّ تھی، نون اعرابی تین نونوں کے جمع ہونے کی وجہ سے حذف ہوگیا، پھر التقاء ساکنین کی وجہ سے واؤ حذف ہوگیا اور واؤ کی جگہ بطور دلالت ضمہ رہ گیا۔

تفسیر و تشریح

سورۂ تکاثر کی فضیلت:

رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی شخص ایک ہزار آیتیں روزانہ نہیں پڑھ سکتا؟ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ روزانہ ایک ہزار آیتیں کون پڑھ سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں کوئی الھاکم التکاثر نہیں پڑھ سکتا؟ مطلب یہ کہ الھاکم التکاثر روزانہ پڑھنا ایک ہزار آیتیں پڑھنے کے برابر ہے۔

(مظھری، معارف)

اَلْھٰکُمُ التکاثر، اَلْھٰکُمْ، لَھْوٌ سے مشتق ہے، جس کے اصل معنی غفلت کے ہیں؛ لیکن عربی محاورہ میں اس شغل کے لئے بولا جاتا ہے، جس سے آدمی کی دلچسپی اتنی بڑھ جائے کہ وہ اس میں منہمک ہوکر دوسرے اہم ترین کاموں سے غافل ہوجائے، تکاثرٌ یہ کثرۃٌ سے ماخوذ ہے اور اس کے تین معنی ہیں: ایک یہ کہ آدمی زیادہ سے زیادہ مال حاصل کرنے اور جمع کرنے کی کوشش کرے، دوسرے یہ کہ لوگ مال حاصل کرنے اور جمع کرنے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں، تیسرے یہ کہ لوگ ایک دوسرے کے مقابلہ میں کثرت مال واولاد میں تفاخر کریں، حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہی تفسیر ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ پڑھ کر فرمایا کہ اس کی مراد یہ ہے کہ مال ناجائز طریقوں سے حاصل کیا جائے اور مال پر جو فرائض عائد ہوتے ہیں ان کو ادا نہ کیا جائے۔ (قرطبی)

حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ تم زندگی بھر تکاثر وتفاخر کے شغل میں مشغول رہے جس کی وجہ سے آخرت کی فکر اور اس کے بارے میں سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا حتی کہ تمہاری موت کا وقت آگیا، اور اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم نے تفاخر کے طور پر اپنی کثرت کو ثابت کرنے کے لئے زندوں کو شمار کرتے کرتے مردوں کو بھی شمار کرنا شروع کردیا جس کی وجہ سے قبرستان میں جا کر قبروں کو بھی شمار کر ڈالا جو کہ ایک نہایت احمقانہ حرکت ہے۔

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ یہ سوال ان نعمتوں کے بارے میں ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں عطا کی ہوں گی جیسے آنکھ، کان، دل، دماغ، امن، صحت، مال دولت، اولاد وغیرہ، بعض حضرات نے کہا کہ یہ سوال کافروں سے ہوگا؛ مگر صحیح بات یہ ہے کہ یہ سوال مومن وکافر ہر ایک سے ہوگا اس لئے کہ محض سوال مستلزم عذاب نہیں ہے۔

﴿ تمت ﴾



سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلٰثُ اٰيَاتٍ

سُوْرَةُ وَالْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ ثَلَاثُ اٰيَاتٍ.

سورۂ عصر مکی یا مدنی ہے، تین آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَالْعَصْرِ ۙ الدَّهْر وَمَا بَعْدَ الزَّوَالِ اِلَى الْغُرُوْبِ اَوْ صَلَاةِ الْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ الجِنْس لَفِيْ خُسْرٍ ۙ فِي تِجَارَتِهٖ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَيْسُوْا فِي خُسْرَانٍ وَتَوَاصَوْا اَوْصٰى بَعْضُهُمْ بَعْضًا بِالْحَقِّ ۙ اَيِ الْاِيْمَانِ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۙ عَلَى الطَّاعَةِ وَعَنِ الْمَعْصِيَةِ.

تَرْجَمَہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، زمانہ کی یا مابعد الزوال سے غروب تک کے زمانہ یا عصر کی نماز کی قسم بلاشبہ انسان اپنی تجارت میں بڑے خسارے میں ہے سوائے ان کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور ایک دوسرے کو حق کی یعنی ایمان کی نصیحت اور طاعت پر صبر اور معصیت سے اجتناب کی تلقین کرتے رہے، خسارے میں نہیں ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

مفسر علام نے الدّهر، او مابعد الزوال، او صلوة العصر، کہہ کر عصر کی تین تفسیروں کی طرف اشارہ کیا ہے اور الانسان کے بعد لفظ جنس کا اضافہ کرکے بتادیا کہ الانسان میں الف لام جنس کا ہے اور اس کی تائید اِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا کے استثناء سے بھی ہوتی ہے، اور بعض مفسرین نے الف لام کو عہد کا لیا ہے، اور معین افراد مراد لئے ہیں، بعض نے ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل اور اسود بن المطلب اور بعض نے ابولہب مراد لیا ہے۔

سَوَال: تَوَاصَوْا بالحق وتَوَاصَوْا بالصبر میں فعل کی تکرار سے کیا فائدہ ہے، عطف سے بھی کام چل سکتا تھا؟

جَوَاب: دونوں جگہ چونکہ مفعول مختلف ہیں؛ اس لئے فعل کو مکرر ذکر کیا ہے۔

سوال: تَوَاصِیْ بالحق تمام تواصی بالخیر کو شامل ہے تو پھر تواصی بالصبر کو کیوں مستقلاً ذکر فرمایا؟

جواب: تواصی بالصبر کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لئے مستقلاً ذکر فرمایا اور یہ ذکر خاص بعد العام کے قبیل سے ہے جیسا کہ حافظوا علی الصَلَوٰتِ والصلوۃ الوسطی میں ہے۔

تفسیر وتشریح

سورۃ العصر کی فضیلت:

حضرت عبید اللہ بن حصن رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ کے صحابہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ میں دو شخص ایسے تھے کہ جب وہ آپس میں ملتے تھے تو اس وقت تک جدا نہیں ہوتے تھے جب تک کہ ایک دوسرے کو سورۂ **والعصر** نہ سنالیں۔ (طبرانی) اور امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے فرمایا کہ اگر لوگ صرف اسی سورت میں تدبر کر لیتے تو یہی ان کے لئے کافی تھی۔ (ابن کثیر، معارف) یہ سورت جامع اور مختصر کلام کا ایک بے نظیر نمونہ ہے اس کے اندر چند جچے تلے الفاظ میں معنی کی ایک دنیا بھر دی گئی ہے۔

اس سورت میں حق تعالیٰ نے زمانہ کی قسم کھا کر فرمایا کہ نوع انسان بڑے خسارے میں ہے اور اس خسارے سے مستثنیٰ صرف وہ لوگ ہیں جو چار چیزوں پر عامل ہیں: ① ایمان ② عمل صالح ③ دوسروں کو حق کی نصیحت ④ اور صبر کی تلقین، دین و دنیا کے خسارے سے بچنے اور نفع عظیم حاصل کرنے کا یہ قرآنی نسخہ چار اجزاء سے مرکب ہے، جن میں پہلے دو اجزاء اپنی ذات کی اصلاح کے متعلق ہیں، اور دوسرے دو جز دوسروں کی ہدایت و اصلاح سے متعلق ہیں۔

سورت کے مضمون کے ساتھ زمانہ کی مناسبت:

یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ اس مضمون کے ساتھ زمانہ کی کیا مناسبت ہے جس کی قسم کھائی گئی ہے کیونکہ قسم اور جواب قسم میں باہم مناسبت ضروری ہوتی ہے، تو یہ بات پہلے بھی بارہا گذر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات میں سے کسی چیز کی قسم محض اس کی عظمت یا اس کے کمالات وعجائب کی بنا پر نہیں کھائی ہے؛ بلکہ اس بنا پر کھائی ہے کہ وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے جسے ثابت کرنا مقصود ہے، لہٰذا زمانہ کی قسم کا مطلب یہ ہے کہ زمانہ اس حقیقت پر گواہ ہے کہ انسان بڑے خسارے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جن میں یہ چار صفات پائی جائیں، زمانہ کا لفظ، ماضی، حال، مستقبل

تینوں زمانوں پر بولا جاتا ہے، حال کسی لمبے زمانہ کا نام نہیں ہے؛ بلکہ حال، ہر آن گذر کر ماضی بنتا چلا جاتا ہے اور ہر آن، آ کر مستقبل کو حال اور جا کر، ماضی بنا رہی ہے، یہاں چونکہ مطلق زمانہ کی قسم کھائی گئی ہے، اس لئے تینوں قسم کے زمانے اس کے مفہوم میں شامل ہیں، گذرے ہوئے زمانہ کی قسم کھانے کا مطلب یہ ہے کہ انسانی تاریخ اس بات پر شہادت دے رہی ہے کہ جو لوگ بھی ان صفات سے عاری تھے وہ بالآخر خسارے میں پڑے رہے اور گذرتے ہوئے زمانہ کی قسم کھانے کا مطلب سمجھنے کے لئے پہلے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ جو زمانہ اب گذر رہا ہے یہ دراصل وہ وقت ہے جو ہر فرد و قوم کو کام کرنے کے لئے دیا گیا ہے، اس کی مثال اس وقت کی سی ہے جو طالب علم کو امتحان گاہ میں پرچہ حل کرنے کے لئے دیا جاتا ہے، یہ وقت جس تیز رفتاری سے گذر رہا ہے اس کا اندازہ گھڑی کی سکنڈ کی سوئی کی حرکت سے ہو جائے گا، حالانکہ ایک سکنڈ بھی وقت کی ایک بہت بڑی مقدار ہے، اسی ایک سکنڈ میں روشنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل یا تقریباً دو لاکھ نواسی ہزار کلومیٹر کا فاصلہ طے کر لیتی ہے، اور خدا کی خدائی میں بہت سی ایسی چیزیں بھی ہو سکتی ہیں جو اس سے بھی زیادہ تیز رفتار ہوں، تاہم اگر وقت گذرنے کی رفتار وہی سمجھ لی جائے جو گھڑی کی سکنڈ کی سوئی کی حرکت سے معلوم ہوتی ہے تو ہمیں محسوس ہوگا کہ ہمارا اصل سرمایہ یہی وقت ہے جو تیزی سے گذر رہا ہے، امام رازی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے کسی بزرگ کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے سورۃ العصر کا مطلب ایک برف فروش سے سمجھا جو بازار میں آواز لگا رہا تھا کہ رحم کرو اس شخص پر جس کا سرمایہ پگھلا جا رہا ہے، رحم کرو اس شخص پر کہ جس کا سرمایہ گھلا جا رہا ہے، اس کی یہ بات سن کر میں نے کہا: یہ ہے وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِی خُسْرٍ. اس کا مطلب ہے، عمر کی جو مدت انسان کو عمل کے لئے دی گئی ہے وہ برف کی طرح گھل رہی ہے اس کو اگر ضائع کیا جائے یا غلط کاموں میں صرف کیا جائے، تو یہی انسان کا خسارہ ہے، پس گذرتے ہوئے زمانہ کی قسم کھا کر جو بات اس سورت میں کہی گئی ہے کہ یہ تیز رفتاری سے گذرتا ہوا زمانہ شہادت دے رہا ہے کہ ان چار صفات سے خالی ہو کر انسان جن کاموں میں بھی اپنی مہلتِ عمر کو صرف کر رہا ہے وہ سراسر خسارے ہی خسارے میں ہے، نفع میں صرف وہ لوگ ہیں جو ان چار صفات سے متصف ہو کر دنیا میں کام کر رہے ہیں، یہ ایسی بات ہے جیسے ہم اس طالب علم سے جو امتحان کے مقررہ وقت کو اپنا پرچہ حل کرنے کے بجائے کسی اور کام میں صرف کر رہا ہو، کمرہ میں لگے ہوئے گھنٹے کی طرف اشارہ کر کے کہیں کہ یہ گذرتا ہوا وقت بتا رہا ہے کہ تم اپنا نقصان کر رہے ہو، نفع میں صرف وہ طالب علم ہے جو اس وقت کا ہر لمحہ اپنا پرچہ حل کرنے میں صرف کر رہا ہے، بعض علماء حقیقت شناس نے کیا خوب کہا ہے۔

حَیَاتُکَ اَنْفَاسٌ تُعَدُّ فَکُلَّمَا مَضٰی نَفَسٌ مِنْهَا انْتَقَصَتْ بِهٖ جُزْءًا

تَرْجَمَہ: تیری زندگی چند گنے ہوئے سانسوں کا نام ہے، جب ان میں سے ایک سانس گذر جاتا ہے تو تیری عمر کا ایک جز کم ہو جاتا ہے۔

یہ بات یقینی ہے کہ عمر سے زیادہ قیمتی سرمایہ کوئی چیز نہیں ہے اور اس کو ضائع کرنے سے بڑا کوئی نقصان نہیں، اس بات کی تائید ایک حدیث مرفوع سے بھی ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: كُلّ يَغدُو فَبَائِعٌ نَفسَهُ فَمُعْتِقُهَا اَوْ مُوْبِقُهَا یعنی ہر شخص جب صبح کو اٹھتا ہے تو اپنی جان کا سرمایہ تجارت میں لگاتا ہے، پھر کوئی تو اپنے اس سرمایہ کو خسارہ سے آزاد کرالیتا ہے اور کوئی ہلاکت میں ڈالتا ہے۔

نجات کے لئے صرف اپنے عمل کی اصلاح کافی نہیں بلکہ دوسروں کی فکر بھی ضروری ہے:

اپنے عمل کو قرآن و سنت کے تابع کر لینا جتنا اہم اور ضروری ہے اتنا ہی اہم یہ ہے کہ دوسرے مسلمانوں کو بھی ایمان اور عمل صالح کی طرف بلانے کی مقدور بھر کوشش کرے ورنہ صرف اپنا عمل نجات کے لئے کافی نہ ہوگا، خصوصاً اپنے اہل وعیال سے غفلت برتنا اپنی نجات کا راستہ بند کرنا ہے۔

بحمد اللہ تم

سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعُ اٰيَاتٍ

سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ تِسْعُ اٰيَاتٍ.

سورۂ ہمزہ مکی یا مدنی ہے، نو آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ **وَيْلٌ** كَلِمَةُ عَذَابٍ او وادٍ فِي جَهَنَّمَ **لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ** اي كَثِيرِ الهَمْزِ واللَّمْزِ أي الغِيبَةِ نَزَلَتْ فِيمَنْ كَانَ يَغْتَابُ النَّبِيَّ صلَّى الله عليه وسلم والمُؤمِنِينَ كَأُمَيَّةَ بنِ خَلَفٍ وَالوَلِيدِ بنِ المُغِيرَةِ وغيرِهما **اِلَّذِيْ جَمَعَ** بالتَّخفِيفِ والتَّشدِيدِ **مَالًا وَّعَدَّدَهٗ** أحصَاهُ وَجَعَلَهُ عُدَّةً لِحَوَادِثِ الدَّهْرِ **يَحْسَبُ** لِجَهْلِهِ **اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ** جَعَلَهُ خَالِدًا لا يَمُوتُ **كَلَّا** رَدْعٌ **لَيُنْۢبَذَنَّ** جَوابُ قَسَمٍ مَحْذُوفٍ اي لَيُطْرَحَنَّ **فِي الْحُطَمَةِ** الَّتِي تَحْطِمُ كُلَّ مَا أُلْقِيَ فيها **وَمَآ اَدْرٰىكَ** أعْلَمَكَ **مَا الْحُطَمَةُ** **نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ** المُسَعَّرَةُ **الَّتِيْ تَطَّلِعُ** تُشْرِفُ **عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ** القُلُوبِ فتُحْرِقُها وَأَلَمُها أشَدُّ مِن أَلَمِ غيرِها لِلُطْفِها **اِنَّهَا عَلَيْهِمْ** جَمْعُ الضَّمِيرِ رِعَايَةً لِمَعْنَى كُلِّ **مُّؤْصَدَةٌ** بالهَمْزَةِ وبِالوَاوِ بَدَلَه مُطْبَقَةٌ **فِيْ عَمَدٍ** بِضَمِّ الحَرْفَيْنِ وبِفَتْحِهِمَا **مُّمَدَّدَةٍ** صِفَةٌ لِمَا قَبْلَهُ فتَكُونُ النَّارُ دَاخِلَةَ العَمَدِ.

تَرْجَمَہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، بڑی خرابی ہے (وَیْـــل) کلمۂ عذاب ہے یا جہنم میں ایک وادی کا نام ہے، ہر ایسے شخص کے لئے جو عیب ٹٹولنے والا، طعنہ زنی کرنے والا ہو، یعنی بکثرت بدگوئی کرنے والا اور طعنہ زن ہو، یہ سورت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو آنحضرت ﷺ اور مومنین کی غیبت کرتا تھا، جیسا کہ امیہ بن خلف اور ولید بن مغیرہ وغیرہما جس نے مال جمع کر کے رکھا ہے جَمَعَ تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے اور اس کو گن گن کر رکھا اور اس کو حوادث زمانہ کے لئے تیار کر کے رکھا، (اور) وہ اپنی جہالت کی وجہ سے سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کو دوام بخشے گا کہ کبھی نہ مرے گا، ہرگز نہیں (کَلَّا) حرف تنبیہ ہے، یہ شخص یقیناً آگ میں پھینک دیا جائے گا جو ہر اس چیز کو توڑ پھوڑ دے گی جو اس میں ڈالی جائے گی تم کو کیا معلوم کہ وہ توڑ پھوڑ کرنے والی کیا ہے؟ وہ اللہ کی سلگائی ہوئی

آگ ہے یعنی بھڑکائی ہوئی، جو دلوں تک سرایت کر جائے گی تو ان کو جلا کر رکھ دے گی اور دلوں کی تکلیف دیگر اعضاء کی بہ نسبت زیادہ ہوتی ہے ان کے لطیف ہونے کی وجہ سے، وہ آگ ان پر ڈھانک کر بند کردی جائے گی کُلّ کے معنی کی رعایت کی وجہ سے (عَلَيْهِمْ) کی ضمیر کو جمع لایا گیا ہے، (مؤصدة) ہمزہ کے ساتھ ہے اور ہمزہ کے عوض واؤ کے ساتھ بھی ہے بمعنی بند ہونے والی، بڑے بڑے لمبے ستونوں میں (عَمَدٌ) میں دونوں حرفوں کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ، (مُمَدَّدَةٍ) اپنے ماقبل کی صفت ہے؛ لہٰذا آگ ستونوں کے اندر ہوگی۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: هُمَزَةٍ، بروزن فُعَلَة، بہت طعنہ زن، بڑا عیب گو، فُعَلَةٌ فاعل کے مبالغہ کا وزن ہے، اس میں ۃ مبالغہ کے لئے ہے، هَمْزٌ (ن ض) کا مصدر ہے، طعنہ زنی کرنا، آنکھ سے اشارہ کرنا۔

قَوْلُہٗ: لُمَزَة صیغہ صفت برائے مبالغہ پس پشت برائی کرنے والا بعض حضرات نے کہا ہے دونوں کے تقریباً ایک ہی معنی ہیں۔

قَوْلُہٗ: يَحْسَبُ الخ یہ جملہ استینافیہ بھی ہوسکتا ہے، اس صورت میں سوال مقدر کا جواب ہوگا، ای مَا بَالُهُ يَجْمَعُ الْمَالَ يهتمُّ بِهٖ یعنی وہ اس اہتمام کے ساتھ مال کیوں جمع کرتا ہے؟ اس کا جواب دیا: يَحْسَبُ انَّ مَا لَهُ اَخْلَدَهٗ کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اسے دوام بخشے گا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ يَحْسَبُ، جَمَعَ وَاَخْلَدَ کے فاعل سے حال واقع ہو۔

قَوْلُہٗ: جَوَابُ قَسَمٍ محذوفٍ تقدیر عبارت یہ ہے، وَاللّٰهِ لَيُنْبَذَنَّ فِي الحطمة.

قَوْلُہٗ: جُمِعَ الضمير رِعَايَةً لِمعنٰی كُلٍ، یعنی عَلَيْهِمْ کی ضمیر كُلٌّ کی طرف راجع ہے، سوال ہوتا ہے کہ کل مفرد ہے اور هُمْ جمع ہے؛ لہٰذا ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں ہے؟

جَوَابٌ: جواب یہ ہے کہ لفظ کل معنی کے اعتبار سے جمع ہے، اسی رعایت سے هم ضمیر کو جمع لایا گیا ہے، عَمَدٌ اور عُمُدٌ یہ دونوں عُمُود کی جمع ہیں بمعنی ستون۔

تفسیر و تشریح

اس سورت میں تین سخت گناہوں پر عذاب شدید کی وعید کا بیان ہے اور پھر اس عذاب کی شدت کا بیان ہے، وہ تین گناہ، ہمز، لمز، جمع مال ہیں، همز اور لمز چند معانی کے لئے استعمال ہوتے ہیں، جو بہت حد تک قریب قریب ہیں، حتی کہ بعض اوقات دونوں ہم معنی استعمال ہوتے ہیں، اور بعض لوگوں نے خفیف فرق کے ساتھ بھی استعمال کیا ہے؛ مگر جو معنی قدر مشترک ہیں وہ یہ ہیں، کسی کی تذلیل و تحقیر کرنا، کسی کی کردار کشی کرنا، کسی کی طرف انگلیاں اٹھانا، اشارہ کنایہ سے کسی کے نسب

وغیرہ پر طعن کرنا، کسی کی شخصیت کو مجروح کرنا، کسی کے منہ درمنہ چوٹیں کرنا یا پس پشت بدگوئی کرنا، یہ سب ہی معنی مذکورہ دونوں لفظوں کے مفہوم میں شامل ہیں، اور ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں نہایت مذموم اور شریعت کی نظر میں ممنوع ہیں۔

تیسری خصلت جس پر اس سورت میں وعید آئی ہے، وہ مال کی حرص اور محبت ہے، اور بار بار گننے سے اس کی حرص اور محبت کی طرف اشارہ ہے، مگر یہ بات ذہن نشین رہے کہ بہت سی آیات وروایات اس پر شاہد ہیں کہ مطلقاً مال کا جمع کرنا کوئی حرام اور گناہ نہیں؛ اس لئے یہاں مال جمع کرنے سے وہ مال مراد ہے، جس میں حقوق واجبہ ادا نہ کئے گئے ہوں یا فخر وتفاخر مقصود ہو یا مال کی محبت میں منہمک ہو کر دین کی ضروریات سے غفلت پائی جاتی ہو۔

تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ یعنی جہنم کی یہ آگ دلوں تک پہنچ جائے گی، یوں تو ہر آگ کا یہ خاصہ ہے کہ جو بھی اس پر پڑے، اس کے سب ہی اجزاء کو جلا دیتی ہے، مگر دنیوی آگ جیتے جی دل تک نہیں پہنچتی؛ بلکہ دل تک پہنچنے سے پہلے ہی انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے بخلاف جہنم کی آگ کے، کہ وہ جلاتی جلاتی دل تک پہنچ جائے گی، اس لئے کہ جہنم میں موت نہیں ہے۔

﴿تمت﴾

سُوْرَةُ الْفِيْلِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُ اٰيَاتٍ

سُوْرَةُ الفِيْلِ مَكِّيَّةٌ خَمسُ ايَاتٍ.

سورۂ فیل مکی ہے، پانچ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ **اَلَمْ تَرَ** اِستِفهامُ تعجيبٍ اى اِعجبْ **كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ**① هُو محمودٌ واَصحابُهُ اَبرهَةُ مَلِكُ اليَمنِ وجَيْشُهُ بَنى بِصَنْعَاءَ كَنِيسةً لِيَصْرِفَ اليها الحاجَّ مِن مَكَّةَ فَاَحْدَثَ رَجُلٌ مِنْ كِنانَةَ فيها ولَطَخَ قِبْلَتَها بالعَذِرَة اِحتِقارًا بها فَحَلَفَ اَبْرَهَةُ لَيَهْدِمَنَّ الكَعْبَةَ فجاءَ مَكّةَ بِجَيْشِه عَلى افيَالٍ مُقدِّمُهَا محمودٌ فحِينَ تَوَجَّهُوا لِهَدْمِ الكَعْبَةِ اَرْسَلَ اللّٰهُ عليهم ما قَصَّه فِي قَوْلِه **اَلَمْ يَجْعَلْ** اى جَعَلَ **كَيْدَهُمْ** فِى هَدْمِ الكَعْبَةِ **فِيْ تَضْلِيْلٍ**② خَسَارٍ وهَلَاكٍ **وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ**③ جماعَاتٍ قيلَ لا واحِدَ له وقِيلَ واحِدُهُ اُبُولٌ او ابَّالٌ او اِبِيْلٌ كعُجُولٍ ومِفْتاحٍ وسِكِّينٍ **تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ**④ طِينٍ مَطْبُوخٍ **فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ**⑤ كَوَرَقِ زَرْعٍ اَكَلَتْهُ الدَوابُّ وداسَتْهُ وَاَفْنَتْهُ اى اَهْلَكَهُمُ اللّٰهُ تعالى كُلَّ وَاحِدٍ بِحَجَرِهِ المَكْتُوبِ عليه اسْمُهُ وهُوَ اَكْبَرُ مِن العَدَسَة واَصْغَرُ مِنَ الحِمَّصَةِ يَخْرِقُ البَيْضَةَ والرَّجُلَ والفِيْلَ ويَصِلُ اِلَى الاَرْضِ وكَانَ هٰذا عامَ مَوْلِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلم.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، کیا آپ ﷺ کو معلوم نہیں ہے کہ آپ ﷺ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ (اور) اس ہاتھی کا نام محمود تھا، اور اس کے اصحاب ابرہہ یمن کا بادشاہ اور اس کا لشکر تھا، اس نے صنعاء میں کلیسا بنوایا تھا، تاکہ حجاج کو مکہ کے بجائے اس کی طرف موڑ دے، کنانہ کے ایک شخص نے کلیسا میں رفع حاجت کر کے اس کے قبلہ کو تحقیر کے طور پر نجاست سے آلودہ کر دیا، چنانچہ ابرہہ نے خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کی قسم کھالی، سو وہ اپنے لشکر کے ساتھ ہاتھیوں پر سوار ہو کر مکہ آیا اور ہاتھیوں میں سب سے آگے محمود نامی ہاتھی تھا، چنانچہ جب یہ لوگ کعبۃ اللہ کو منہدم کرنے کے لئے متوجہ ہوئے (تو اللہ نے) ان پر وہ چیز بھیج دی جس کا قصہ (اللہ نے)

اپنے قول اَلَمْ یَجْعَلْ کَیْدَھُمْ الخ میں بیان فرمایا ہے، کیا اس نے انہدام کعبہ کے بارے میں ان کی تدبیر کو اکارت اور ناکارہ نہیں کردیا؟ اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیے، کہا گیا ہے کہ (اَبَابِیْلَ) کا واحد نہیں ہے اور کہا گیا ہے کہ واحد اِبُّول ہے جیسا کہ عِجُّول، عَجَاجِیل کا واحد ہے یا اِبَّال ہے جیسا کہ مفتاح، مفاتیح کا واحد ہے یا اس کا واحد اِبّیل ہے، جیسا کہ سکاکین کا واحد سکّین ہے، جو ان پر پکی ہوئی مٹی کی پتھریاں پھینک رہے تھے، پھر ان کا ایسا حال کردیا جیسا کہ جانوروں کا کھایا ہوا بھوسہ جیسا کہ کھیتی کے پتے، کہ ان کو جانوروں نے چر دیا ہو، اور اس کو فنا کردیا ہو، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک کو اس کی اس پتھری سے ہلاک کردیا، جس پر اس کا نام لکھا ہوا تھا، اور وہ مسور سے بڑی اور چنے سے چھوٹی تھی، جو خود کو، ہاتھی کو اور آدمی کو چھیدتی ہوئی زمین تک پہنچ جاتی تھی، اور یہ واقعہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کے سال پیش آیا۔

تَحقیق و ترکیب و تَسہیل و تَفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اَلَمْ تَرَ رؤیت سے رؤیت علمیہ مراد ہے، اور خطاب آپ ﷺ کو ہے، رؤیت سے رؤیت بصری بھی مراد ہوسکتی ہے، اس لئے کہ اگرچہ آپ ﷺ نے اس واقعہ کو نہیں دیکھا؛ مگر اس کے آثار و علامات کو دیکھا تھا یا آپ ﷺ نے اس واقعہ کو متواتر بیان کرنے والوں سے اس قدر تواتر کے ساتھ سنا کہ بمنزلہ مشاہدہ کے ہوگیا، اس لئے کہ تواتر کے ساتھ سنی ہوئی چیز بمنزلہ مشاہد کے ہوتی ہے۔

قَوْلُہٗ: استفہام تعجیب یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہیں ان کو تو مَا کَانَ وَمَا یکونُ کا علم ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ نے اَلَمْ تَرَ کے ذریعہ کیوں سوال فرمایا؟

جَوَاب: جواب کا ماحصل یہ ہے کہ یہ استفہام برائے تعجب ہے نہ کہ برائے سوال، یعنی اے مخاطب! تو اصحاب فیل کی حالت کو دیکھ کر تعجب کر۔

قَوْلُہٗ: ھو محمودٌ تمام ہاتھیوں کا سردار ایک محمود نامی ہاتھی تھا، جو عظیم الجثہ اور بڑے ڈیل ڈول والا تھا، اس کی کنیت ابو العباس تھی۔

قَوْلُہٗ: ابابیل ایک پرندہ جو کہ کبوتر سے قدرے چھوٹا ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: سِجِّیْلٌ یہ سنگ گل کا معرب ہے، وہ پتھر جس میں مٹی کی آمیزش ہو، آگ میں پکی ہوئی مٹی کو بھی "سِجّیل" کہتے ہیں۔

تفسیر وتشریح

اس سورت میں واقعۂ فیل کا مختصر بیان ہے، شاہِ حبشہ کی طرف سے یمن میں ابرہتہ الاشرم گورنر تھا، اس نے صنعاء میں ایک بہت بڑا گرجا تعمیر کرایا تھا اور اس کی کوشش تھی کہ لوگ خانہ کعبہ کے بجائے اسی گرجا کا حج کیا کریں، یہ بات اہل مکہ اور دیگر عرب قبائل کو سخت ناگوار تھی؛ چنانچہ بنی کنانہ کے ایک قریشی شخص نے ابرہہ کے بنائے ہوئے عبادت خانہ کو غلاظت سے آلودہ کر کے ناپاک کر دیا، جب ابرہہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کا عزم کر لیا اور ایک لشکر جرار لے کر مکہ پر حملہ آور ہوا، کچھ ہاتھی بھی اس کے ساتھ تھے جب یہ لشکر وادیٔ محسّر کے پاس پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے غول بھیج کر اپنے گھر کی حفاظت فرمائی، ہر پرندے کی چونچ میں ایک ایک اور پنجوں میں دو دو کنکریاں تھیں جو چنے یا مسور کے برابر تھیں، جس لشکری کے بھی وہ کنکری لگتی وہ وہیں ڈھیر ہو جاتا، خود ابرہہ کا بھی یہی حشر ہوا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی حفاظت فرمائی، مکہ کے قریب پہنچ کر ابرہہ نے نبی ﷺ کے دادا عبدالمطلب (جو کہ مکہ کے سردار تھے) کے دو سو اونٹوں پر قبضہ کر لیا، جس پر آپ کے دادا عبدالمطلب نے ابرہہ سے آ کر کہا: میرے اونٹ واپس کر دو، باقی رہا خانہ کعبہ کا مسئلہ تو وہ اللہ کا گھر ہے وہ خود اس کی حفاظت کرے گا۔ (ایسر التفاسیر ملخصًا)

واقعہ کی تفصیل اور پس منظر:

اصحاب فیل کا واقعہ آپ ﷺ کی سن ولادت ۵۷۱ء میں پیش آیا تھا، آپ ﷺ کی بعثت ۶۱۱ء میں ہوئی تھی اس وقت بھی اس واقعہ کے چشم دید گواہ بڑی تعداد میں موجود تھے، یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کے ارہاصات میں سے ہے ارہاص تاسیس وتمہید کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، رھص سنگ بنیاد کو کہتے ہیں۔

تاریخی پس منظر:

نجران میں یمن کے فرمانروا ذونواس نے عیسائیوں پر آتش بھری خندق میں جلا کر ظلم کیا تھا اس کا بدلہ لینے کے لئے حبش کی عیسائی سلطنت نے یمن پر حملہ کر کے حِمْیَری حکومت کا خاتمہ کر دیا تھا، اور سن ۵۲۵ء میں اس پورے علاقہ پر حبشی حکومت قائم ہو گئی تھی، یہ پوری کارروائی دراصل قسطنطنیہ کی رومی سلطنت اور حبش کے باہمی تعاون سے ہوئی تھی، یہ عسکری کارروائی شاہِ حبش کے کمانڈر ارباط اور ابرہہ کی زیر کمان پایۂ تکمیل کو پہنچی تھی، حمیر کا بادشاہ ذونواس فرار ہو گیا؛ مگر دریا میں غرق ہو کر مر گیا، ادھر یہ ہوا کہ ارباط اور ابرہہ کے درمیان جنگ چھڑ گئی، جس میں ارباط مارا گیا، اس طرح ابرہہ شاہِ حبشہ کی طرف سے یمن کا حاکم مقرر ہو گیا، اور شاہِ حبشہ کے انتقال کے بعد اس کے جانشین نے ابرہہ کو نائب السلطنت تسلیم کر لیا، اس کے بعد ابرہہ رفتہ رفتہ یمن کا خود مختار بادشاہ بن گیا اور برائے نام ہی اس نے شاہِ حبش کی بالادستی قبول کر رکھی تھی۔

یمن پر پوری طرح اقتدار مضبوط کر لینے کے بعد ابرہہ نے اس مقصد کے لئے کام شروع کر دیا جو اس مہم کی ابتداء سے رومی سلطنت اور اس کے حلیف حبشی عیسائیوں کے پیش نظر تھا یعنی ایک طرف عرب میں عیسائیت کا پھیلانا اور دوسری طرف اس تجارت پر قبضہ کرنا جو بلادِ مشرق اور رومی مقبوضات کے درمیان عربوں کے ذریعہ ہوتی تھی، یہ ضرورت اس بناء پر بڑھ گئی تھی کہ ایران کی ساسانی سلطنت کے ساتھ رومی سلطنت کی کشمکش اقتدار نے بلادِ مشرق سے رومی تجارت کے دوسرے تمام راستے بند کر دیئے تھے۔

ابرہہ نے اس مقصد کے لئے یمن کے دارالسلطنت صنعاء میں ایک عظیم الشان کلیسا بنایا، محمد بن اسحاق کی روایت کے مطابق کلیسا کی تکمیل کے بعد ابرہہ نے شاہِ حبش کو لکھا کہ میں عربوں کو حج کعبہ سے اس کلیسا کی طرف موڑے بغیر نہ رہوں گا، ابن کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے لکھا ہے کہ اس نے علی الاعلان اپنے اس ارادہ کا اظہار کیا اور اس کی منادی کرادی کہ اب یمن سے کوئی کعبہ کے حج کے لئے نہ جائے، اس کی اس حرکت کا مقصد ہمارے نزدیک یہ تھا کہ عربوں کو غصہ دلائیں؛ تاکہ وہ کوئی ایسی کارروائی کریں جس سے اس کو مکہ پر حملہ کرنے اور کعبہ کو منہدم کرنے کا بہانہ مل جائے، محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ اس کے اس اعلان سے عرب کے قبائل عدنان، قحطان اور قریش کے قبائل میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی؛ یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے رات کے وقت کلیسا میں داخل ہو کر اس کو گندگی سے آلودہ کر دیا۔

ابرہہ کو جب اس حرکت کا علم ہوا تو اس نے قسم کھالی کہ میں کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گا، اس کے بعد ۵۷۰ء یا ۵۷۱ء میں ٦٠ ہزار فوج اور ١٢ ہاتھی لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوا، راستہ میں عربوں کے ایک سردار ذونفر نے اس کی مزاحمت کی؛ مگر وہ شکست کھا کر گرفتار ہو گیا، اس کے بعد خشعم کے علاقہ میں ایک عرب سردار نفیل بن حبیب خشعمی نے مزاحمت کی؛ مگر وہ بھی شکست کھا کر گرفتار ہوا، اور اس نے اپنی جان بچانے کے لئے رہبری کی خدمت انجام دینا قبول کر لیا۔

محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ المغمس سے ابرہہ نے اپنے مقدمۃ الجیش کو آگے بڑھایا اور وہ اہل تہامہ اور قریش کے بہت سے مویشی لوٹ کر لے گیا، جن میں رسول اللہ ﷺ کے دادا عبد المطلب کے بھی دو سو اونٹ تھے، اس کے بعد اس نے اپنے ایک ایلچی کو مکہ بھیجا اور اس کے ذریعہ اہل مکہ کو یہ پیغام دیا کہ میں تم سے لڑنے نہیں آیا ہوں؛ بلکہ کعبہ کو منہدم کرنے کے لئے آیا ہوں اگر تم تعرض نہ کرو گے تو میں تمہاری جان ومال سے کوئی تعرض نہ کروں گا، نیز اس نے اپنے ایلچی کو ہدایت کردی کہ اہل مکہ اگر بات کرنا چاہیں تو ان کے سردار کو میرے پاس لے آنا، مکہ کے سب سے بڑے سردار اس وقت عبد المطلب تھے، ایلچی نے ان کو ابرہہ کا پیغام پہنچایا، انہوں نے کہا ہم میں ابرہہ سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے، یہ اللہ کا گھر ہے وہ چاہے گا تو خود اپنے گھر کی حفاظت کرلے گا، ایلچی نے کہا آپ میرے ساتھ ابرہہ کے پاس چلیں، وہ اس پر راضی ہو گئے، ابرہہ نے جب عبد المطلب کو دیکھا کہ بڑے وجیہ آدمی ہیں تو ان کو دیکھ کر اپنے تخت سے نیچے اتر کر بیٹھ گیا اور عبد المطلب کو اپنے برابر بٹھایا، پھر پوچھا آپ کیا چاہتے ہیں؟ عبد المطلب نے جواب دیا کہ آپ نے جو میرے اونٹ پکڑ لئے ہیں وہ مجھے واپس دے دیئے جائیں، ابرہہ نے کہا کہ آپ کو دیکھ کر تو میں بہت متاثر ہوا تھا؛ مگر آپ کی اس بات

نے آپ کو میری نظر سے گرا دیا کہ آپ اپنے اونٹوں کا مطالبہ کر رہے ہیں اور یہ گھر جو آپ کا اور آپ کے دین کا آبائی مرجع ہے، اس کے بارے میں کچھ نہیں کہتے، عبدالمطلب نے جواب دیا: میں تو صرف اپنے اونٹوں کا مالک ہوں اور انہی کے بارے میں آپ سے درخواست کر رہا ہوں، اب رہا کعبہ، تو اس کا مالک رب ہے، وہ اس کی حفاظت خود کرے گا، ابرہہ نے جواب دیا: وہ اس کو مجھ سے نہ بچا سکے گا، عبدالمطلب نے کہا آپ جانیں اور وہ جانے، عبدالمطلب کے اونٹ ابرہہ نے واپس کر دیئے وہ اپنے اونٹ لے کر واپس آئے تو بیت اللہ کے دروازے کا حلقہ پکڑ کر دعاء میں مشغول ہوئے جس میں قریش کی بڑی جماعت ساتھ تھی سب نے اللہ سے گڑگڑا کر بڑی عاجزی کے ساتھ دعائیں کیں، اس خانۂ کعبہ میں ۳۶۰ بت موجود تھے؛ مگر یہ لوگ اس نازک گھڑی میں ان سب کو بھول گئے اور انہوں نے صرف اللہ کے آگے دستِ سوال پھیلایا ان کی جو دعائیں تاریخوں میں منقول ہیں ان میں اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے سوا کسی دوسرے کا نام تک نہیں پایا جاتا، سچ ہے کہ مصیبت کے وقت خدا ہی یاد آتا ہے۔

مقصودِ کلام:

جو تاریخی تفصیلات اوپر درج کی گئی ہیں ان کو نگاہ میں رکھ کر سورۂ فیل پر غور کیا جائے تو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے کہ اس سورت میں اس قدر اختصار کے ساتھ صرف اصحاب فیل پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا ذکر کر دینے پر کیوں اکتفاء کیا گیا ہے؟ واقعہ کچھ پرانا نہ تھا مکہ کا بچہ بچہ اس کو جانتا تھا عرب کے لوگ عام طور پر اس سے واقف تھے، تمام اہل عرب اس بات کے قائل تھے کہ ابرہہ کے اس حملہ سے کعبہ کی حفاظت کسی دیوی دیوتا نے نہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ نے کی تھی، اللہ ہی سے قریش کے سرداروں نے مدد مانگی تھی اور چند سال تک قریش کے لوگ اس واقعہ سے اس قدر متاثر رہے تھے کہ انہوں نے اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کی تھی اس لئے سورۂ فیل میں ان تفصیلات کے ذکر کی حاجت نہیں تھی، بلکہ صرف اس واقعہ کو یاد دلانا کافی تھا؛ تاکہ قریش کے لوگ خصوصاً اور عرب عموماً اپنے دلوں میں اس بات پر غور کریں کہ محمد ﷺ جس چیز کی طرف دعوت دے رہے ہیں، وہ آخر اس کے سوا اور کیا ہے کہ تمام دوسرے معبودوں کو چھوڑ کر صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کی جائے، نیز وہ یہ بھی سوچ لیں کہ اگر اس دعوتِ حق کو دبانے کے لئے انہوں نے زور زبردستی سے کام لیا تو جس خدا نے اصحابِ فیل کو تہس نہس کیا تھا اسی کے غضب میں وہ گرفتار ہوں گے۔



سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اَرْبَعُ اٰيَاتٍ

سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ اَرْبَعُ اٰيَاتٍ.

سورۂ قریش مکی یا مدنی ہے، چار آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝ اِلٰفِهِمْ تاكيد وهو مصدر آلف بالمد رِحْلَةَ الشِّتَآءِ الى اليَمَنِ وَ رِحلَةَ الصَّيْفِ ۝ الى الشام في كُلِّ عامٍ يَسْتَعِيْنُوْنَ بالرِّحْلَتَيْنِ لِلتِّجَارَةِ على الإقامةِ بمَكَّةَ لخدمةِ البيتِ الَّذي هو فَخْرُهُمْ وهم وُلْدُ النَّضْرِ بنِ كِنَانَةَ فَلْيَعْبُدُوْا تَعلَّق به لِاِيْلاف والفاءُ زائد رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۝ اي مِن اَجلِه وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝ اي مِن اَجلِه وكان يُصِيْبُهُمُ الجُوْعُ لِعَدَمِ الزَّرْعِ بمَكَّةَ وخافوا جَيْشَ الفِيلِ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، چونکہ قریش مانوس ہوئے (دوسرا اِلٰفِهِمْ پہلے اِيْلاف) کی تاکید ہے یہ آلَفَ بالمد کا مصدر ہے یعنی سردیوں میں یمن کے سفر سے اور گرمیوں میں شام کے سفر سے مانوس، ہر سال دونوں تجارتی سفروں سے بیت اللہ کی خدمت کے لئے مکہ میں قیام پر مدد لیتے تھے، جو کہ ان کے لئے موجب فخر تھی اور وہ نضر بن کنانہ کی اولاد میں سے تھے، لہٰذا ان کو چاہئے کہ لِاِيْلٰفِ، فَلْيَعْبُدُوْا کے متعلق ہے اور فا زائدہ ہے، اس گھر کے رب کی عبادت کریں، اس لئے کہ اس نے ان کو بھوک سے بچا کر کھانا کھلایا اور خوف سے بچا کر ان کو امن عطا کیا مکہ میں زراعت نہ ہونے کی وجہ سے ان کو بھوک لاحق ہو جاتی تھی اور ہاتھیوں کے لشکر سے وہ خوف زدہ تھے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ، اِيْلٰفِ باب افعال کا مصدر ہے، مانوس رکھنا، الفت کرنا۔

قَوْلُهٗ: قُرَيْش قبیلۂ عدنان کے قبیلۂ کنانہ کی ایک شاخ ہے، جو خاندان قریش کے نام سے مشہور ہوئی، قریش کے مورث اعلیٰ نضر کو ہی قریش کہا جاتا ہے، لِاِيْلٰفِ جار مجرور سے مل کر کس کے متعلق ہے؟ اس میں بہت اختلاف ہے

اول راجح قول لکھا جاتا ہے، راجح قول یہ ہے کہ یہ اپنے مابعد فَلْیَعْبُدوا سے متعلق ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی فان لم یعبدوا اللّٰہ لسائر نِعَمِہٖ السابقۃ فَلْیَعْبُدُوْہُ لِاِیْلٰفِھِمْ رحلۃ الشتاء والصیف یعنی اگر قریش اللہ کی دیگر کامل نعمتوں کا شکریہ ادا نہیں کرتے تو کم از کم اس کی نعمت کے شکریہ میں اس گھر کے مالک کی بندگی کریں کہ جس نے ان کو سردی، گرمی کے ان دو سفروں کا خوگر بنایا جو ان کی خوشحالی کے ضامن ہیں۔

عام طور پر جار مجرور کا تعلق مقدم سے ہوا کرتا ہے لہٰذا لِاِیْلٰفِ کا تقاضہ یہ ہے کہ اپنے ماقبل سے متعلق ہو، اسی لئے متعلق میں متعدد اقوال ہیں، گذشتہ سورۂ فیل سے معنوی تعلق کی بناء پر بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ لِاِیْلٰفِ سے پہلے ایک جملہ محذوف ہے اور وہ اِنَّا اَھْلَکْنَا اصحٰبَ الفِیلِ ہے یعنی ہم نے اصحاب فیل کو اس لئے ہلاک کیا کہ قریش مکہ سردی اور گرمی کے دو سفروں کے عادی تھے، تاکہ ان کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ رہے اور سب کے دلوں میں ان کی عظمت پیدا ہو جائے؛ چنانچہ اصحاب فیل کے ہلاک ہونے کے بعد نہ صرف یہ کہ قریش مکہ کی عظمت باقی رہی؛ بلکہ اس میں اور اضافہ ہو گیا اور عرب کو پورا یقین ہو گیا کہ بیت اللہ واقعۃً اللہ کا گھر ہے، اور اگر خدا نخواستہ ابرہہ بیت اللہ کو منہدم کر دیتا تو قریش مکہ کی نہ صرف یہ کہ عظمت کم ہو جاتی؛ بلکہ ختم ہو جاتی اور بیت اللہ کے خادم اور مجاور ہونے کی وجہ سے جو قدر و قیمت ان کو حاصل تھی وہ سب خاک میں مل جاتی، رہزنی اور لوٹ مار کے جو واقعات غیروں کے ساتھ ہو رہے تھے، وہ قریش کے ساتھ بھی ہونے لگتے؛ لیکن اللہ نے بیت اللہ کی حفاظت فرما کر قریش کی عزت وقار میں اور چار چاند لگا دیئے، اور ان کے لئے راستے پہلے سے بھی زیادہ مامون و محفوظ ہو گئے۔

اور بعض حضرات نے متعلق محذوف جملہ اعجبوا مانا ہے یعنی قریش کے معاملہ سے تعجب کرو کہ وہ کس طرح سردی گرمی کے سفر آزادانہ بے خطر ہو کر کرتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: اِیْلٰفِھِم یہ پہلے اِیْلٰف کی تاکید لفظی ہے بعض حضرات نے ثانی کو اول سے بدل قرار دیا ہے، رِحْلَۃ پہلے اِیْلٰف کا مفعول بہ ہے۔

قَوْلُہٗ: فَلْیَعْبُدُوا اس میں فاء جزائیہ ہے، شرط محذوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے کہ اِن لَّمْ یَعْبُدُوا لِسَائِرِ نِعَمِہٖ فَلْیَعْبُدُوہ لِاِیْلٰفِھِم رِحْلَۃَ الشِّتَاءِ والصَّیْفِ، فانَّھَا اَظْھَرُ نِعَمِہِم عَلَیْھِم اور فَلْیَعْبُدُوا میں لام امر کا ہے۔

تفسیر و تشریح

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ معنی اور مضمون کے اعتبار سے یہ سورت سورۂ فیل ہی سے متعلق ہے اور شاید اسی وجہ سے بعض مصاحف میں ان دونوں سورتوں کو ایک ہی سورت کر کے لکھا گیا تھا، بایں طور کہ ان کے درمیان بسم اللہ نہیں لکھی تھی؛ مگر حضرت عثمان غنی رَضِحَالقَہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے جب تمام مصاحف کو جمع کر کے ایک نسخہ تیار فرمایا اور تمام صحابۂ کرام رَضِحَالقَہُ تَعَالیٰ عَنْہُم کا اس پر اجماع ہوا، جس نسخۂ قرآن کو جمہور کے نزدیک ''مصحف امام'' کہا جاتا ہے تو اس میں ان دونوں سورتوں کو الگ الگ ہی لکھا گیا ہے۔

رِحْلَۃَ الشِّتَاءِ وَالصَّیْفِ سردی اور گرمی کے سفروں سے مراد یہ ہے کہ گرمی کے زمانہ میں قریش کے سفر شام اور

فلسطین کی طرف ہوتے تھے، اس لئے کہ وہ ٹھنڈے علاقہ ہیں اور سردی کے زمانہ میں جنوب یعنی یمن کی طرف ہوتے تھے، اس لئے کہ یہ گرم علاقہ ہے۔

رَبَّ هٰذَا البیت سے مراد بیت اللہ کا رب ہے رَبَّ هٰذَا البیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ قریش کو یہ نعمت اسی گھر کی بدولت حاصل ہوئی ہے اور اسی بیت کے رب نے انہیں اصحاب فیل کے حملے سے بچایا اور اسی گھر کی خدمت اور سدانت کی وجہ سے انہیں سارے عرب میں عزت ملی اور وہ پورے عرب میں بے خوف وخطر سفر کرتے تھے، پس ان کو جو کچھ نصیب ہوا وہ اس گھر کے رب کی بدولت نصیب ہوا اس لئے انہیں اسی کی عبادت کرنی چاہئے۔

اَلَّذِی اَطْعَمَهُمْ مِنْ جوعٍ اس میں اشارہ ہے کہ مکہ میں آنے سے پہلے قریش عرب میں منتشر تھے تو بھوکوں مر رہے تھے، یہاں آنے کے بعد ان کے لئے رزق کے دروازے کھلتے چلے گئے اور ان کے حق میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاء حرف بحرف قبول ہوئی۔

و آمَنَهُمْ مِن خوف میں دشمنوں، ڈاکوؤں کے خوف سے مامون ہونا بھی شامل ہے اور آخرت کے عذاب سے مامون ہونا بھی۔ (معارف)

﴿تمت﴾

سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سَبْعُ آيَاتٍ

سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ اَوْ نِصْفُهَا وَنِصْفُهَا سِتٌّ اَو سَبْعُ آيَاتٍ.

سورۂ ماعون مکی ہے یا مدنی ہے یا نصف نصف ہیں، چھ یا سات آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ① بِالحِسَابِ والجزاءِ اى هَلْ عَرَفْتَهُ او لَمْ تعرفْهُ فَذٰلِكَ بتقديرِ هُوَ بَعْدَ الفاءِ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ② اى يَدْفَعُهُ بِعُنْفٍ عَنْ حَقِّهِ وَلَا يَحُضُّ نَفْسَه ولا غيرَهُ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ③ اى اِطْعَامِهٖ نَزَلَتْ فِي العَاصِ بن وائِلٍ أو الوَلِيد بن المُغيرةِ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ④ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ⑤ غافِلُونَ يُؤَخِّرُونَها عَنْ وَقْتِها الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ⑥ فى الصَّلوةِ وَغَيْرِها وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ⑦ كالابرةِ والفَاسِ والقِدْرِ والقَصْعَةِ.

تَرجَمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، کیا آپ ﷺ نے اس شخص کو دیکھا جو روزِ جزاء یعنی حساب اور جزاء کے دن کو جھٹلاتا ہے؟ یعنی آپ ﷺ نے اس کو پہچانا یا نہیں پہچانا؟ یہ وہی شخص ہے فاء کے بعد ھُوَ مقدر ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے یعنی اس کو سختی کے ساتھ اس کے حق سے محروم رکھتا ہے اور مسکینوں کو کھانا دینے کی نہ خود کو ترغیب دیتا ہے اور نہ دوسروں کو (یہ آیت) عاص بن وائل یا ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی، سو ایسے نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو غفلت کرتے ہیں بایں طور کہ اس کو اس کے وقت سے مؤخر کردیتے ہیں، جو ایسے ہیں کہ نماز وغیرہ میں ریاکاری کرتے ہیں اور برتنے کی چیز سے منع کردیتے ہیں مثلاً سوئی، کلہاڑی اور ہانڈی اور پیالہ۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلَهُ: هَلْ عَرَفْتَهُ اَوْ لَمْ تَعْرِفْه اس عبارت کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ ارایتَ سے رؤیت علمیہ مراد ہے جو متعدی بیک مفعول ہے۔

قَوْلَهُ: بتقدیر هو بعد الفاء یہ تقدیر لازم نہیں ہے؛ بلکہ اسم اشارہ کا مبتدا واقع ہونا اور موصوف کا خبر واقع درست ہے، بہر حال! فذٰلك جملہ اسمیہ ہے جو کہ جواب شرط واقع ہے، اسی وجہ سے اس پر فاء داخل ہے اور شرط مقدر ہے۔

تفسیر و تشریح

سورۂ ماعون کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے جبکہ بعض نے کہا ہے کہ اس کا نصف مکی اور نصف مدنی ہے، ابن مردویہ نے ابن عباس اور ابن زبیر رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا کا قول نقل کیا ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور یہی قول عطاء اور جابر کا ہے؛ لیکن ابوحیان نے البحر المحیط میں ابن عباس اور قتادہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اور ضحاک رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔

اَرَایتَ میں بظاہر خطاب آپ ﷺ کو ہے؛ مگر قرآن کا انداز بیان یہ ہے کہ وہ ایسے موقع پر عموماً ہر وہ صاحب عقل و خرد کو مراد لیتا ہے جس میں مخاطب بننے کی صلاحیت ہو اور رویت سے مراد رویت علمیہ ہے، رویت بصریہ بھی مراد ہوسکتی ہے اور استفہام سے مراد اظہار تعجب ہے۔

اس سورت میں آیت (۲) اور آیت (۳) میں ان کفار کی حالت بیان کی گئی ہے جو علانیہ آخرت کو جھٹلاتے ہیں اور آخری چار آیتوں میں ان منافقین کا حال بیان کیا گیا ہے جو بظاہر مسلمان ہیں مگر دل میں آخرت اور اس کی جزا و سزا اور اس کے ثواب و عقاب کا کوئی تصور نہیں رکھتے، مجموعی طور پر دونوں گروہوں کے طرز عمل کو بیان کرنے سے مقصود یہ حقیقت لوگوں کے ذہن نشین کرانا ہے کہ انسان کے اندر ایک مضبوط اور مستحکم پاکیزہ کردار، عقیدۂ آخرت کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتا۔

جن اعمال قبیحہ کا ذکر اس سورت میں فرمایا گیا ہے وہ یہ ہیں: ① یتیم کے ساتھ بدسلوکی اور اس کی توہین، ② مسکین محتاج کو قدرت کے باوجود کھانا نہ دینا اور دوسروں کو اس کی ترغیب نہ دینا، ③ نماز پڑھنے میں ریاکاری کرنا اور سستی و غفلت سے کام لینا، ④ برتنے کی چیزیں نہ دینا یا زکوٰۃ ادا نہ کرنا، یہ سب اعمال اپنی ذات میں بہت مذموم اور سخت گناہ ہیں اور جب کفر و تکذیب کے نتیجہ میں یہ اعمال سرزد ہوں تو ان کا وبال دائمی جہنم ہے، جس کو اس سورت میں ویل کے الفاظ سے بیان فرمایا گیا ہے۔

یَدُعُّ الْیَتِیْمَ اس فقرہ کے کئی معنی ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ وہ یتیم کا حق مار کھاتا ہے اور اس کو اس کے باپ کی چھوڑی ہوئی میراث سے بے دخل کر کے اسے دھکے مار کر نکال دیتا ہے، دوسرے یہ کہ اگر یتیم اس سے مدد مانگنے آتا ہے تو رحم کھانے کے بجائے اسے دھتکار دیتا ہے، تیسرے یہ کہ وہ یتیم پر ظلم ڈھاتا ہے، مثلاً اس کے گھر میں اگر اس کا اپنا ہی کوئی رشتہ دار یتیم ہو تو اس کے ذمہ پورے گھر کی خدمت گاری کرنے اور بات بات پر جھڑکیاں اور دن بھر ٹھوکریں کھانے کے سوا کچھ نہیں ہوتا، اس فقرہ سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ اس شخص سے کبھی کبھار یہ ظالمانہ حرکت سرزد نہیں ہوجاتی؛ بلکہ اس کی عادت اور اس کا مستقل رویّہ یہی ہے اور اسے یہ احساس ہی نہیں ہے کہ یہ بھی کوئی برا کام ہے جو وہ کر رہا ہے۔

عجیب واقعہ:

اس سلسلہ میں ایک بڑا عجیب واقعہ قاضی ابوالحسن الماوردی نے اپنی کتاب اعلام النبوۃ میں لکھا ہے، ابوجہل ایک یتیم کا وصی تھا وہ بچہ ایک روز اس حالت میں اس کے پاس آیا کہ اس کے بدن پر کپڑے تک نہ تھے، اس نے آکر یہ التجاء کی کہ اس کے باپ کے چھوڑے ہوئے مال میں سے وہ اسے کچھ دیدے؛ مگر اس ظالم نے اس کی طرف کچھ توجہ نہ کی اور وہ کھڑے کھڑے آخر مایوس ہو کر واپس چلا گیا، قریش کے سرداروں نے ازراہِ شرارت اس سے کہا کہ محمد ﷺ کے پاس جا کر شکایت کر، وہ ابوجہل سے سفارش کر کے تجھے تیرا مال دلوا دیں گے، بچہ بیچارہ حالات سے ناواقف تھا کہ ابوجہل کا حضور ﷺ سے کیا تعلق ہے اور یہ بدبخت اسے کس غرض کے لئے یہ مشورہ دے رہے ہیں؟ وہ سیدھا حضور ﷺ کے پاس پہنچا، اور آپ ﷺ سے اپنا حال بیان کیا، آپ ﷺ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور اسے ساتھ لے کر اپنے بدترین دشمن ابوجہل کے یہاں تشریف لے گئے، آپ ﷺ کو دیکھ کر اس نے آپ ﷺ کا استقبال کیا اور جب آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس بچہ کا حق اسے دیدو، تو وہ فوراً مان گیا اور اس کا مال لا کر اسے دیدیا، قریش کے سردار تاک میں لگے ہوئے تھے کہ دیکھیں ان دونوں کے درمیان کیا معاملہ پیش آتا ہے؟ وہ کسی مزے دار جھڑپ کی امید کر رہے تھے؛ مگر انہوں نے یہ معاملہ دیکھا تو حیران ہو کر ابوجہل کے پاس آئے اور اسے طعنہ دیا کہ تم بھی اپنا دین چھوڑ گئے، اس نے کہا خدا کی قسم میں نے اپنا دین نہیں چھوڑا؛ مگر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ محمد (ﷺ) کے دائیں اور بائیں ایک ایک نیزہ ہے، جو میرے اندر گھس جائے گا اگر میں نے ذرا بھی ان کی مرضی کے خلاف حرکت کی، اس واقعہ سے نہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں عرب کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور معزز قبیلہ تک کے بڑے بڑے سرداروں کا یتیموں اور دوسرے بے یار و مددگاروں کے ساتھ کیا سلوک تھا؛ بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کس بلند اخلاق کے مالک تھے اور آپ ﷺ کے اس اخلاق کا آپ ﷺ کے بدترین دشمنوں تک پر کیا رعب تھا؟

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ (الآية) یہ منافقین کا حال بیان فرمایا ہے جو لوگوں کو دکھلانے اور اپنے دعوائے اسلام کو ثابت کرنے کے لئے نماز تو پڑھتے ہیں؛ مگر چونکہ وہ نماز ہی کی فرضیت کے معتقد نہیں، اس لئے نہ اوقات کی پابندی کرتے ہیں نہ اصل نماز کی۔

ویمنعون الماعون، ماعون کے اصل لغوی معنی ''شئ قلیل'' کے ہیں، اس لئے ماعون ایسی استعمالی اشیاء کو کہا جاتا ہے جو عادۃً آپس میں عاریۃً دی جاتی ہیں، جیسے کلہاڑی، پھاوڑا یا کھانے پکانے کے برتن، چاقو، چھری وغیرہ ان اشیاء کا ضرورت کے وقت پڑوسیوں سے مانگ لینا کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا اور جو اس میں دینے سے بخل کرے، وہ بڑا کنجوس و کمینہ سمجھا جاتا ہے، آیتِ مذکورہ میں لفظ ماعون سے بعض نے زکوۃ مراد لی ہے اور زکوۃ کو ماعون اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ مقدار کے اعتبار سے نسبۃً بہت قلیل ہے یعنی صرف چالیسواں حصہ، حضرت علی، ابن عمر، حسن بصری، قتادہ، ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ جمہور مفسرین نے اس آیت میں ماعون کی تفسیر زکوۃ سے کی ہے۔ (مظہری) اور بعض روایات حدیث میں ماعون کی تفسیر استعمالی اشیاء سے کی گئی ہے، مطلب یہ ہے کہ جو شخص معمولی چیزوں کے دینے میں کنجوسی کرتا ہے وہ زکوۃ کیا دے گا؟

﴿تمت﴾

سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلٰثُ اٰيٰتٍ

سُوْرَةُ الكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ او مَدَنِيَّةٌ ثَلاثُ اٰيَاتٍ.

سورۂ کوثر مکی یا مدنی ہے، تین آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ يَا مُحَمَّدُ الْكَوْثَرَ هو نَهرٌ فِي الجَنَّةِ او هو حَوْضُهُ تَرِدُ عَليه أُمَّتُه او الكَوْثَرُ الخَيْرُ الكَثِيْرُ مِنَ النُّبُوَّةِ والقُرْاٰنِ والشَّفَاعَةِ ونَحْوِهَا فَصَلِّ لِرَبِّكَ صَلاةَ عِيْدِ النَّحْرِ وَانْحَرْ نُسُكَكَ اِنَّ شَانِئَكَ اي مُبْغِضَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ المُنْقَطِعُ عَنْ كُلِّ خَيْرٍ او المُنْقَطِعُ العَقْبِ نَزَلَتْ فِي العَاصِ بنِ وائِلٍ سَمَّى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰه عليه وسلم اَبْتَرَ عِنْدَ مَوْتِ ابْنِهِ القَاسِمِ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، اے محمد ﷺ! ہم نے آپ ﷺ کو نہر کوثر عطا کی، (کوثر) جنت میں ایک نہر یا حوض ہے، جس پر آپ ﷺ کی امت وارد ہوگی، یا کوثر خیر کثیر کو کہتے ہیں، جو کہ نبوت، قرآن اور شفاعت اور ان جیسی چیزیں ہیں، پس آپ ﷺ اپنے رب کے لئے عید الاضحیٰ کی نماز پڑھئے اور اپنی قربانی کیجئے یقیناً آپ ﷺ کا دشمن ہی دم بریدہ (لاوارث) ہے (یعنی ہر خیر سے منقطع ہے یا منقطع النسل ہے)، (یہ آیت) عاص بن وائل کے بارے میں نازل ہوئی، جس نے آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے صاحبزادے قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے وقت ابتر (یعنی منقطع النسل) کہا تھا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اَلْكَوْثَر جنت کی ایک نہر یا حوض کا نام ہے، سعید بن جبیر نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ کوثر ہر اس شئی کو کہتے ہیں جس میں خیر زیادہ ہو، کَوْثَر کثیرۃ سے ماخوذ ہے جیسے نَوْفَل نَفْلٌ سے بنا ہے، جو چیز تعداد میں کثیر اور باعظمت ہو، اس کو عرب کوثر کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: شَانِئَكَ تیرا دشمن، یہ شَنَاءٌ سے ماخوذ ہے، جس کے معنی دشمنی کے ہیں۔

قَوْلُہٗ: اَبْتَر لاولد، دم کٹا، یہ بَتْرٌ سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے، (ن س) بَتْرًا کاٹنا، کٹنا، باتر، شمشیر براں۔

تفسیر و تشریح

شانِ نزول:

ابن ابی حاتم رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی نے سدی سے اور بیہقی نے دلائل نبوت میں حضرت محمد بن علی بن حسین رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی سے نقل کیا ہے کہ جس شخص کی اولاد ذکور مر جائے اس کو عرب ابتــر یعنی مقطوع النسل کہتے تھے، جس وقت آپ ﷺ کے صاحبزادے قاسم رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی یا ابراہیم رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی کا بچپن میں انتقال ہو گیا، تو کفار مکہ آپ ﷺ کو ابتــر کا طعنہ دینے لگے، طعنہ دینے والوں میں عاص بن وائل کا نام خاص طور پر ذکر کیا جاتا ہے، اس پر سورۂ کوثر نازل ہوئی۔ (معارف ملخصًا)

بعض روایات میں ہے کہ کعب بن اشرف یہودی ایک مرتبہ مکۃ المکرمہ آیا تو قریش مکہ اس کے پاس گئے اور کہا کہ آپ اس نوجوان کو نہیں دیکھتے جو کہتا ہے کہ وہ ہم سب سے دین کے اعتبار سے بہتر ہے؟ حالانکہ ہم حجاج کی خدمت کرتے ہیں اور بیت اللہ کے نگہبان ہیں، لوگوں کو پانی پلاتے ہیں، کعب نے یہ بات سن کر کہا تم لوگ اس سے بہتر ہو، اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ (ابن کثیر)

اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْکَوْثَرَ، امام بخاری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی سے اس کی تفسیر میں یہ روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ کوثر وہ خیر کثیر ہے، جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا فرمائی ہے، ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی کے خاص شاگرد سعید بن جبیر رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی سے کسی نے کہا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کــوثــر جنت کی ایک نہر کا نام ہے؟ تو سعید بن جبیر رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی نے جواب دیا کہ وہ جنت کی نہر جس کا نام کوثر ہے وہ بھی اس خیر کثیر میں داخل ہے۔

﴿ تمت ﴾

سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتُّ اٰيَاتٍ

سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ او مَدَنِيَّةٌ سِتُّ اٰيَاتٍ

سورۂ کافرون مکی یا مدنی ہے، چھ آیتیں ہیں۔

نَزَلَتْ لَمَّا قَالَ رَهْطٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْبُدُ اٰلِهَتَنَا سَنَةً وَنَعْبُدُ اِلٰهَكَ سَنَةً.

یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین میں سے کچھ لوگوں نے نبی ﷺ سے یہ کہا کہ تم ہمارے معبودوں کی ایک سال بندگی کرو اور ایک سال ہم تمہارے معبود کی بندگی کریں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَاۤ اَعْبُدُ فِي الحَالِ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ مِنَ الاَصْنَامِ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ فِي الحَالِ مَاۤ اَعْبُدُ ۝ وهُوَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَحْدَهٗ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ فِي الاِسْتِقْبَالِ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ فِي الاِسْتِقْبَالِ مَاۤ اَعْبُدُ ۝ عَلِمَ اللّٰهُ مِنْهُمْ اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ واِطْلَاقُ ما عَلَى اللّٰهِ علٰى جِهَةِ المُقَابَلَةِ لَكُمْ دِيْنُكُمْ الشِّرْكُ وَلِيَ دِيْنِ ۝ الاِسْلَامُ وهٰذا قبلَ ان يُؤْمَرَ بالحَرْبِ وحَذَفَ يَاءَ الاِضَافَةِ السَّبْعَةُ وَقْفًا ووَصْلًا واَثْبَتَهَا يَعْقُوْبُ فِي الحَالَيْنِ.

تَرْجَمَہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، آپ ﷺ کہہ دیجئے، اے کافرو! نہ میں فی الحال ان بتوں کی بندگی کرتا ہوں جن کی تم بندگی کرتے ہو اور نہ فی الحال تم بندگی کرتے ہو اس کی جس کی میں بندگی کرتا ہوں اور وہ اللہ وحدہ ہے، اور نہ میں آئندہ بندگی کرنے والا ہوں جن کی تم بندگی کرتے اور نہ تم آئندہ بندگی کرنے والے ہو اس کی جس کی میں بندگی کرتا ہوں اللہ کو ان کے بارے میں علم تھا کہ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں، اور مَــا، کا اللہ پر اطلاق بطور مقابلہ ہے، تمہارے لئے تمہارا دین شرک ہے اور میرے لئے میرا دین اسلام ہے، اور یہ حکم، جہاد کا حکم دیئے جانے سے پہلے کا ہے اور قــرّاء سبعة نے یـاء اضافت کو وقفاً اور وصلاً حذف کر دیا، اور یعقوب نے دونوں حالتوں میں باقی رکھا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: ایھا الکافرون اس کے مخاطب مخصوص کافر ہیں جن کے بارے میں اللہ کو علم تھا کہ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

قَوْلُہٗ: فی الحال لفظ فی الحال حقیقی صورت حال پر دلالت کرنے کے لئے ہے، یعنی واقعہ یہی ہے کہ نہ میں تمہارے معبودوں کی بندگی کرتا ہوں اور نہ تم میرے معبود کی بندگی کرتے ہو۔

قَوْلُہٗ: فی الاستقبال، فی الاستقبال کا اضافہ ایک سوال مقدر کے جواب کے لئے ہے۔

سُوَال: آیت میں اعبد کی تکرار ہے جو کہ پسندیدہ نہیں ہے؟

جَوَاب: تکرار نہیں ہے؛ اس لئے کہ اول میں حال اور دوسرے میں استقبال مراد ہے۔

قَوْلُہٗ: عَلِمَ اللّٰہُ مِنْھُمْ اَنَّھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد بھی ایک سوال کا جواب دینا ہے۔

سُوَال: آپ ﷺ مشرکین مکہ کے ایمان سے کیوں ناامید ہوگئے؛ حالانکہ آپ ﷺ کی بعثت تو ان کی ہدایت ہی کے لئے ہوئی تھی؟ نیز آپ ﷺ تو ان کے ایمان پر بہت زیادہ حریص تھے۔

جَوَاب: ایمان نہ لانے کی اطلاع کچھ مخصوص کافروں کے بارے میں ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی بتلا دیا تھا کہ فلاں فلاں ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

قَوْلُہٗ: واطلاقُ ما، عَلَی اللّٰہِ علی وجہ المُقَابَلَۃِ یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: سوال یہ ہے کہ مَا، کا اطلاق غیر ذوی العقول پر ہوتا ہے نہ کہ ذوی العقول پر حالانکہ یہاں مَا، کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے لئے ہوا ہے جو کہ خلاف ضابطہ ہے؟

جَوَاب: یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے؛ بلکہ بعض نحویین کے نزدیک مَا، کا اطلاق ذوی العقول پر بھی درست ہے؛ لہٰذا اس صورت میں جواب کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے اور جن لوگوں کے یہاں مَا، کا اطلاق ذوی العقول پر درست نہیں ہے تو ان کی طرف سے یہ جواب ہوگا کہ یہ مشاکلت کے طور پر استعمال ہوا ہے؛ چونکہ سابق میں بتوں کیلئے مَا کا استعمال کیا گیا ہے؛ لہٰذا اللہ تعالیٰ کیلئے بھی مَا کا استعمال کیا گیا، اور مشاکلت کی رعایت رکھنا فصاحت کے مقتضی کے عین مطابق ہے۔

تفسیر و تشریح

اس سورت کے فضائل اور خواص:

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ طواف کی دو رکعتوں اور فجر اور مغرب کی سنتوں میں "قل یٰایھا الکافرون" اور سورۂ اخلاص پڑھتے تھے، اسی طرح آپ ﷺ نے بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ رات کو سوتے وقت یہ

سورت پڑھ کر سوؤ گے تو شرک سے بری قرار پاؤ گے۔ (مسند احمد، ترمذی)

حضرت جبیر بن مطعم رَضِّوَاللّٰہُ تَعَالٰیٔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جب تم سفر میں جاؤ تو وہاں تم اپنے سب رفقاء سے زیادہ خوش حال، بامراد ہو اور تمہارا سامان زیادہ ہو جائے؟ انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ بے شک میں ایسا چاہتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ آخر قرآن کی پانچ سورتیں یعنی **قل یٰاَیُّها الکافرون** سے آخر تک پڑھا کرو اور ہر سورت بسم اللہ سے شروع کرو اور بسم اللہ ہی پر ختم کرو، حضرت جبیر رَضِّوَاللّٰہُ تَعَالٰیٔ فرماتے ہیں کہ اس وقت میرا حال یہ تھا کہ سفر میں اپنے دوسرے ساتھیوں کے بالمقابل قلیل الزاد اور خستہ حال ہوتا تھا، جب رسول اللہ ﷺ کی اس تعلیم پر عمل کیا، میں سب سے بہتر حال میں رہنے لگا۔ (مظہری، معارف)

حضرت علی رَضِّوَاللّٰہُ تَعَالٰیٔ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کو بچھو نے کاٹ لیا تو آپ ﷺ نے پانی اور نمک منگایا آپ ﷺ پانی اور نمک کاٹنے کی جگہ لگاتے جاتے تھے اور **قل یٰاَیُّها الکافرون**، اور **قل اعوذ برب الفلق**، اور **قل اعوذ برب الناس** پڑھتے جاتے تھے۔ (مظہری، معارف)

شانِ نزول:

ابن اسحاق کی روایت ابن عباس رَضِّوَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن عبدالمطلب اور اُمیہ بن خلف رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ آؤ ہم آپس میں اس پر صلح کریں کہ ایک سال آپ ﷺ ہمارے بتوں کی عبادت کریں اور ایک سال ہم آپ ﷺ کے معبود کی عبادت کریں۔ (قرطبی)

اور طبرانی کی روایت حضرت ابن عباس رَضِّوَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے یہ ہے کہ کفار نے اول تو باہمی مصالحت کے لئے رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ صورت پیش کی کہ ہم آپ ﷺ کو اتنا مال دیتے ہیں کہ آپ ﷺ سارے مکہ میں سب سے زیادہ مال دار ہو جائیں اور جس عورت سے آپ ﷺ چاہیں آپ ﷺ کا نکاح کر دیں، آپ ﷺ صرف اتنا کریں کہ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہا کریں، اور اگر آپ ﷺ یہ بھی نہیں مانتے تو ایسا کریں کہ ایک سال ہم آپ ﷺ کے معبود کی عبادت کیا کریں اور ایک سال آپ ﷺ ہمارے معبودوں کی عبادت کیا کریں۔ (مظہری)

ابو صالح کی روایت حضرت ابن عباس رَضِّوَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے یہ ہے کہ کفار مکہ نے باہمی مصالحت کے لئے یہ صورت پیش کی تھی کہ آپ ﷺ ہمارے بتوں میں سے بعض کو صرف ہاتھ لگا دیں تو ہم آپ ﷺ کی تصدیق کرنے لگیں گے، اس پر جبرئیل امین سورۂ کافرون لے کر نازل ہوئے جس میں کفار کے اعمال سے براءت اور خالص اللہ کی عبادت کا حکم ہے، شان نزول میں جو متعدد واقعات بیان ہوئے ہیں ان میں کوئی تضاد نہیں، ہوسکتا ہے کہ یہ سب ہی واقعات پیش آئے ہوں اور ان سب کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی ہو، جس کا حاصل ایسی مصالحت سے روکنا ہے۔

تَنْبِيْه: کـافـر، کا لفظ کوئی گالی نہیں ہے جو اس آیت کے مخاطبوں کو دی گئی ہی؛ بلکہ عربی زبان میں کافر کے معنی انکار کرنے

والے اور نہ ماننے والے کے ہیں اور اس کے مقابل مومن کا لفظ مان لینے اور تسلیم کر لینے والے کے لئے بولا جاتا ہے۔

کفار سے صلح کے بعض مسائل:

سورۂ کافرون میں کفار کی پیش کی ہوئی مصالحت کی چند صورتوں کو بالکلیہ رد کرنے کے بعد اعلان براءت کیا گیا، مگر خود قرآن کریم میں یہ ارشاد بھی موجود ہے: **فَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا** یعنی کفار اگر صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی جھک جائیے (معاہدۂ صلح کر لیجئے) اور مدینہ طیبہ جب آپ ﷺ ہجرت کر کے تشریف لے گئے تو یہود مدینہ سے آپ ﷺ کا معاہدۂ صلح مشہور و معروف ہے، اس لئے بعض مفسرین نے سورۂ کافرون کو منسوخ کہہ دیا ہے اور منسوخ کہنے کی بڑی وجہ "**لکم دینکم ولی دین**" کو قرار دیا ہے؛ کیونکہ یہ احکام بظاہر جہاد کے منافی ہیں، مگر صحیح یہ ہے کہ یہاں "**لکم دینکم ولی دین**" کا مطلب یہ نہیں کہ کفار کو کفر کی اجازت یا کفر پر برقرار رکھنے کی ضمانت دے دی گئی: بلکہ اس کا حاصل وہی ہے جو "**لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ**" کا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جیسا کرو گے ویسا بھگتو گے، اس لئے راجح اور صحیح جمہور کے نزدیک یہ ہے کہ یہ سورت منسوخ نہیں جس قسم کی مصالحت سورۂ کافرون کے نزول کا سبب بنی وہ جیسے اس وقت حرام تھی آج بھی حرام ہے اور جس صورت کی اجازت آیت مذکورہ میں آئی اور رسول اللہ ﷺ کے معاہدۂ یہود سے عملاً ظاہر ہوئی، وہ جیسے اس وقت جائز تھی آج بھی جائز ہے، بات صرف محل اور موقع کو سمجھنے اور شرائط صلح کو دیکھنے کی ہے جس کا فیصلہ خود رسول اللہ ﷺ نے حدیث میں فرمایا ہے، جس میں کفار سے معاہدہ کو جائز قرار دینے کے ساتھ ایک استثناء کا ارشاد ہے وہ یہ ہے **اِلَّا صُلْحًا اَحَلَّ حَرَامًا اَوْ حَرَّمَ حَلَالًا** یعنی ہر صلح جائز ہے بجز اس صلح کے جس کی رو سے اللہ کی حرام کی ہوئی کسی چیز کو حلال یا حرام کی ہوئی کس چیز کو حرام قرار دیا گیا ہو، اب غور کیجئے کہ کفار مکہ نے صلح کی جو صورتیں پیش کی تھیں، ان سب میں کم از کم کفر اور اسلام کی حدود میں التباس یقینی ہے اور بعض صورتوں میں تو شرک تک کا ارتکاب لازم آتا ہے، ایسی صلح سے سورۂ کافرون نے اعلانِ براءت کیا ہے اور دوسری جگہ جس صلح کو جائز قرار دیا اور معاہدۂ یہود سے اس کی عملی صورت معلوم ہوئی۔ اس میں کوئی چیز ایسی نہیں جس میں اصول اسلام کا خلاف کیا گیا ہو یا کفر و اسلام کی حدود آپس میں ملتبس ہوئی ہوں، اسلام سے زیادہ کوئی مذہب رواداری، حسنِ سلوک، صلح و سالمیت کا داعی نہیں؛ مگر صلح اپنے انسانی حقوق میں ہوتی ہے، خدا کے قانون اور اصول دین میں کسی صلح و مصالحت کی کوئی گنجائش نہیں۔

(واللہ اعلم، معارف)

تمت

سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَلٰثُ اٰيَاتٍ

سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ ثَلَاثُ اٰيَاتٍ.

سورۂ نصر مدنی ہے، تین آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ **اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ** نَبِيَّهٗ صَلَّى اللّٰه عليه وسلم عَلٰى اَعْدَائِه **وَالْفَتْحُ ﴿١﴾** فَتْحُ مَكَّةَ **وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ** اَيِ الاِسْلَامِ **اَفْوَاجًا ﴿٢﴾** جَمَاعَاتٍ بَعْدَ مَا كَانَ يَدْخُلُ فيه وَاحِدٌ وَاحِدٌ وذٰلِكَ بَعْدَ فَتْحِ مَكَّةَ جَاءَ الْعَرَبُ مِنْ اَقْطَارِ الاَرْضِ طَائِعِيْنَ **فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ** اى مُتَلَبِّسًا بِحَمْدِهٖ **وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ﴿٣﴾** وكَانَ صَلَّى اللّٰه عليه وسلم بَعْدَ نُزُوْلِ هٰذِهِ السُّوْرَةِ يُكْثِرُ مِنْ قَوْلِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ واَتُوْبُ اِلَيْهِ وعَلِمَ بها اَنَّهٗ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهٗ وكَانَ فَتْحُ مَكَّةَ فى رَمَضَانَ سَنَةَ ثَمَانٍ وَتُوُفِّيَ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلم فِي رَبِيْعِ الاَوَّلِ سَنَةَ عَشْرٍ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، جب اپنے نبی ﷺ کے لئے اس کے دشمنوں پر اللہ کی مدد آجائے، اور فتح مکہ نصیب ہوجائے اور تو لوگوں کو دیکھ لے کہ اللہ کے دین اسلام میں جوق درجوق داخل ہورہے ہیں بعد اس کے کہ دین میں ایک ایک کرکے داخل ہورہے تھے، اور یہ صورت حال فتح مکہ کے بعد ہوئی کہ عرب بخوشی اطراف وجوانب سے (دین میں داخل ہونے کے لئے) آئے، تو اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرنے لگو اور اس سے مغفرت طلب کرو، بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے؛ چنانچہ اس سورت کے نزول کے بعد آپ ﷺ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ بکثرت پڑھا کرتے تھے، اور اس سے سمجھ گئے تھے کہ آپ ﷺ کا انتقال کا وقت قریب آگیا ہے، اور فتح مکہ رمضان ٨ھ میں ہوا اور آپ ﷺ کی وفات ربیع الاول ١٠ھ میں ہوئی۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: اِذَا جَاءَ، المجیء دراصل موجودِ غائب کے حاضر ہونے کو کہتے ہیں، یہاں ایسا نہیں ہے؛ اس لئے کہ فتح پہلے سے موجود نہیں تھی کہ وہ آ گئی ہو، اس لئے یہاں جاء بمعنی حَصَلَ وحَقَّقَ ہے، یا یہ کہا جائے کہ جس چیز کا موجود ہونا تقدیر الٰہی میں مقدر ہو چکا ہے گویا کہ وہ موجود ہے اور جب اس موجود ہونے کا وقت آیا تو گویا پہلے وہ غائب تھی اب حاضر ہو گئی، اس صورت میں جاء اپنے حقیقی معنی میں ہوگا، اِذَا شرطیہ ہے اور فَسَبِّحْ بحمد رَبِّكَ اس کی جزاء ہے، یہ اس صورت میں ہے جب کہ سورت فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی ہو، اور اگر سورت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی ہو، تو اِذَا بمعنی اِذْ ہوگا اور محذوف کے متعلق ہوگا، تقدیر عبارت یہ ہوگی، اَكْمَلَ اللّٰهُ الْاَمْرَ وَاَتَمَّ النِّعْمَةَ عَلَى الْعِبَادِ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ.

قولہ: نصر اللّٰه یہ مصدر مضاف الی الفاعل ہے اور اس کا مفعول نَبِيَّهٗ محذوف ہے، جس کو مفسر علام نے ظاہر کر دیا ہے۔

قولہ: الفتح کوفیین کے نزدیک الفتح میں الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے، ای فتحهٗ.

قولہ: افواجًا، یدخلون کے فاعل سے حال ہے، اگر رویت بصریہ مراد ہو، اور اگر رویت علمیہ مراد ہو تو مفعول ثانی ہے۔

تفسیر وتشریح

یہ سورت بالاجماع مدنی ہے اس سورت کا ایک نام سورۃ التودیع بھی ہے، تو دیع کے معنی رخصت کرنے کے ہیں، اس سورت میں چونکہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے قریب ہونے کی طرف اشارہ ہے، اس لئے اس کو **سورۃ التودیع** بھی کہا گیا ہے۔

قرآن مجید کی آخری سورت اور آخری آیات:

صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ سورۂ نصر قرآن مجید کی آخری سورت ہے۔

(قرطبی، معارف)

مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد کوئی مکمل سورت نازل نہیں ہوئی، بعض آیات کا جو اس کے بعد نازل ہونا بعض روایات سے ثابت ہے وہ اس کے منافی نہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ سورت حجۃ الوداع میں نازل ہوئی، اس کے بعد آیت "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ" نازل ہوئی، ان دونوں کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ اس دنیا میں صرف اسی روز بقید حیات رہے، ان دونوں کے بعد آیت "کلالہ" (الآیۃ) نازل ہوئی جس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی عمر کے کل پچاس دن رہ گئے تھے، اس کے بعد آیت "لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ" (الآیۃ) نازل ہوئی، جس کے بعد آپ ﷺ کی عمر شریف

کے کل ۳۵ روز باقی تھے، اس کے بعد آیت "اِتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ" نازل ہوئی جس کے بعد صرف اکیس روز باقی تھے اور مقاتل کی روایت کے مطابق اس کے صرف سات روز کے بعد آپ ﷺ کی وفات ہوگئی۔ (معارف، قرطبی)

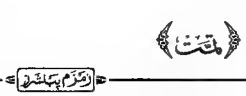
اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ اس سورت میں فتح سے فتح مکہ مراد ہے؛ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ سورت فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی یا بعد میں؟ لفظ اِذَا جَاءَ سے بظاہر قبل فتح مکہ نازل ہونا معلوم ہوتا ہے، روح المعانی میں، بحر محیط سے ایک روایت بھی اس کے موافق نقل کی ہے، جس میں اس سورت کا نزول غزوۂ خیبر سے لوٹنے کے وقت بیان کیا گیا ہے اور خیبر کی فتح مکہ سے یقیناً مقدم ہے نیز روح المعانی میں بسند عبد بن حمید حضرت قتادہ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ اس سورت کے بعد دو سال زندہ رہے، اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ اس کا نزول فتح مکہ سے پہلے ہوا؛ کیونکہ فتح مکہ سے وفات تک کی مدت دو سال سے کم ہے، فتح مکہ ۸ھ رمضان المبارک میں ہوئی، اور آپ ﷺ کی وفات ربیع الاول ۱۰ھ میں ہوئی اور جن روایات میں اس کا فتح مکہ یا حجۃ الوداع میں نازل ہونا بیان کیا گیا ہے ان کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے یہ سورت پڑھی ہو جس سے لوگوں کو یہ خیال ہوگیا کہ یہ سورت ابھی نازل ہوئی ہے۔ (معارف)

آپ ﷺ کی وفات کے قریب آجانے کی طرف اشارہ:

متعدد احادیث مرفوعہ اور آثار صحابہ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ میں ہے کہ اس سورت میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت کا قریب آجانے کی طرف اشارہ ہے کہ اب آپ ﷺ کی بعثت اور دنیا میں قیام کا وقت پورا ہوگیا ہے؛ لہٰذا اب تسبیح و استغفار میں لگ جائیے، مقاتل کی روایت میں ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ کے مجمع میں اس کی تلاوت فرمائی، اس مجمع میں حضرت ابوبکر رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ و عمر رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اور سعد بن ابی وقاص رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ وغیرہ موجود تھے، سب اس کو سن کر خوش ہوئے کہ اس میں فتح مکہ کی خوشخبری ہے؛ مگر حضرت عباس رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ رونے لگے، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ رونے کا کیا سبب ہے تو حضرت عباس رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے عرض کیا کہ اس میں تو آپ ﷺ کی وفات کی خبر مضمر ہے، جس کی آپ ﷺ نے تصدیق فرمائی۔

جب موت قریب ہو تو تسبیح و استغفار کرنی چاہئے:

حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا فرماتی ہیں کہ اس سورت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ جب کوئی نماز پڑھتے تو یہ دعاء کرتے: سُبْحَانَكَ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغفرلی. (بخاری)



سُوْرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُ ايَاتٍ

سُوْرَةُ اَبِى لَهَبٍ مَكِيَّةٌ خَمْسُ اٰيَاتٍ.

سورۂ ابی لہب مکی ہے، پانچ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ لَمَّا دَعَا صَلَّى اللّٰه عليه وسلم قَوْمَهٗ وقَالَ اِنِّى نَذِيْرٌ لكمْ بَيْنَ يَدَى عَذَابٍ شَدِيْدٍ فقَالَ عَمُّه اَبُو لَهَبٍ تَبًّا لَكَ اَلِهٰذا دَعَوْتَنَا نَزَلَ **تَبَّتْ** خَسِرَتْ **يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ** اى جُمْلَتُهٗ وعُبِّرَ عَنْهَا بِالْيَدَيْنِ مَجَازًا لِاَنَّ اَكْثَرَ الْاَفْعَالِ تُزَاوَلُ بِهِمَا وهٰذِه الجُمْلَةُ دُعاءٌ **وَّتَبَّ ۝** خَسِرَ هُوَ وهٰذِه خَبَرٌ كَقَوْلِهِم اَهْلَكَه اللّٰهُ وقَدْ هَلَكَ وَلَمَّا خَوَّفَهُ النبيُّ صلى اللّٰه عليه وسلم بالعَذَابِ فَقَالَ اِنْ كَانَ ما يَقُولُ ابنُ اَخِيْ حَقًّا فَاِنِّيْ اَفْتَدِيْ منه بمَالِي وَوَلَدِي نَزَلَ **مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝** و كَسْبُهٗ اَىْ وَلَدُهٗ واَغْنٰى بمعنى يُغْنِي **سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝** اى تَلَهُّبٍ وتَوَقُّدٍ فهِيَ مَآلُ تَكْنِيَتِهٖ لِتَلَهُّبِ وجهه اِشْرَاقًا وحُمْرَةً **وَّامْرَاَتُهٗ** عَطْفٌ عَلٰى ضَمِيرِ يَصْلٰى سَوَّغَهُ الفَصْلُ بِالمَفْعُولِ وصِفَتِهٖ وهِيَ اُمُّ جَمِيْلٍ **حَمَّالَةَ** بالرفع والنَّصب **الْحَطَبِ ۝** الشَّوْكِ والسَّعْدَانِ تُلْقِيهِ فِي طَرِيقِ النَّبِيِّ صلى اللّٰه عليه وسلم **فِىْ جِيْدِهَا** عُنُقِهَا **حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝** اى لِيْفٍ وهٰذِه الجُمْلَةُ حالٌ مِن حَمَّالَةَ الحَطَبِ الَّذِى هُو نَعْتٌ لِامْرَاَتِهٖ او خَبرُ مُبْتَدَاٍ مُقَدَّرٍ.

ع ٥ ٣٦

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کو پکارا اور کہا میں تم کو شدید عذاب آنے سے پہلے ڈراتا ہوں، تو آپ ﷺ کے چچا ابولہب نے کہا تیرا ناس ہو، کیا تو نے ہمیں اسی کے لئے بلایا؟ تو تبت یدا نازل ہوئی، ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے، یعنی وہ خود ہلاک ہو گیا، اور ذات کو دونوں ہاتھوں سے مجازاً تعبیر کیا ہے، اس لئے کہ اکثر افعال ہاتھوں ہی کی شرکت سے ہوتے ہیں، یہ جملہ بددعاء ہے اور ہلاک ہو گیا اور یہ (جملہ) بددعاء کی قبولیت کی خبر ہے، جیسا کہ عرب کہتے ہیں "اَهْلَكَهُ اللّٰهُ وَقَدْ هَلَكَ" اور جب اس کو

نبی ﷺ نے عذاب سے ڈرایا تو اس نے کہا جو کچھ میرا بھتیجا کہتا ہے اگر وہ حق ہے تو میں اس کا اپنے مال اور اولاد سے فدیہ دے دوں گا، تو "مَا اَغْنٰی عنه مالهٗ وَمَا كَسَبَ" نازل ہوئی، اس کے نہ اس کا مال کام آیا اور نہ اولاد، اور اَغْنٰی بمعنی یُغْنِی ہے، اور وہ عنقریب بھڑکنے والی آگ میں جائے گا، یعنی شعلہ زن، سلگنے والی آگ میں، یہ انجام ہے اس کی کنیت کا، اس کے چہرے کے دمکنے کی وجہ سے، چمک اور سرخی کے اعتبار سے، اور اس کی بیوی بھی جائے گی اس کا عطف یَصْلٰی کی ضمیر پر ہے مفعول اور اس کی صفت کے فصل نے اس عطف کو جائز کر دیا ہے اور اس کی بیوی ام جمیل ہے جو لکڑیاں ڈھونے والی ہے، حَمَّالَةُ رفع اور نصب کے ساتھ ہے یعنی کانٹوں کو اور سعدان (کانٹے دار گھاس) کو ڈھونے والی ہے، جن کو وہ نبی ﷺ کے راستہ میں ڈالتی تھی، اس کی گردن میں مونجھ کی رسی ہوگی یعنی چھال کی اور یہ جملہ حَمَّالَة الحطب سے حال ہے جو کہ امرأة کی صفت ہے یا مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: تَبَّتْ يَدَا اَبِیْ لَهَبٍ اس سورت کو سورۂ مَسَد اور سورۂ ابی لَہَب بھی کہتے ہیں، ابولہب کا اصل نام عبدالعزیٰ ہے، اپنے حسن و جمال اور چہرے کی سرخی کی وجہ سے اسے ابولہب (شعلہ فروزاں) کہا جاتا تھا، تَبَّتْ يَدَا اَبِیْ لَهَبٍ بددعاء ہے اور وَتَبَّ قبولیت دعاء کی اطلاع ہے اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ دونوں ہی بددعاء ہیں، ایک ہاتھوں کے لئے اور دوسری کل مجسم کے لئے، ہاتھوں سے بھی کل ہی مراد ہے؛ لہٰذا وتبَّ، تَبَّتْ يدا کی تاکید ہوگی۔

قَوْلُهٗ: مَآلُ تَكْنِيَتِهٖ یعنی نار جہنم میں داخلہ اس کی کنیت کی تاثیر اور نتیجہ تھا۔

قَوْلُهٗ: لِتَلَهُّبِ وَجْهِهٖ یہ اس کی کنیت کی علت ہے، مطلب یہ کہ اس کی کنیت ابولہب اس لئے پڑی کہ وہ خوبصورتی اور سرخی میں شعلہ فروزاں کے مانند تھا؛ مگر یہی کنیت تلازم النار کی طرف پلٹ گئی۔

قَوْلُهٗ: وَامْرَاَتُهٗ اس کا عطف سیصلٰی کی ضمیر مرفوع مستتر پر ہے، یعنی نار جہنم میں ابولہب داخل ہوگا اور اس کی بیوی (ام جمیل جس کا نام اروٰی تھا) بھی اس آگ میں داخل ہوگی۔

قَوْلُهٗ: سَوَّغَهُ الفصل الخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوال: قاعدہ ہے کہ ضمیر مرفوع متصل پر عطف کرنے کے لئے ضمیر مرفوع منفصل کے ذریعہ تاکید لانا ضروری ہوتی ہے؛ حالانکہ یہاں ایسا نہیں ہے؟

جَواب: ضمیر مرفوع متصل مستتر پر عطف کرنے کے لئے دو شرطوں میں سے ایک کا پایا جانا ضروری ہے، ایک یہ کہ ضمیر منفصل کے ذریعہ تاکید لائی جائے اور دوسرے یہ کہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان فصل واقع ہو، اور یہاں دوسری شرط موجود ہے؛ اس لئے کہ معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان مفعول یعنی نارًا اور اس کی صفت یعنی ذات لَهَبٍ کا فصل موجود ہے؛ لہٰذا اب

کوئی اعتراض نہیں ہے۔

قِوْلَہٗ: ام جمیل، ام جمیل ابوسفیان بن حرب کی بہن تھی اور عوراء یعنی کانی تھی۔ (جمل)

قِوْلَہٗ: بالرفع والنصب، حَمَّالَۃُ میں رفع اور نصب دونوں جائز ہیں، رفع یا تو امرأتہ کی صفت ہونے کی وجہ سے (اور یہ جائز ہے اس لئے کہ حمالۃ الحطب میں اضافت حقیقیہ ہے) یا امْرَأتُہٗ سے عطف بیان ہونے کی وجہ سے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہو، ای ھِیَ حَمَّالَۃُ الحَطَب، ایک قراءت نصب کی بھی ہے اور اس کا ناصب فعل محذوف ہے، ای اعنی حمّالۃ الحطب (یا) اَذُمُّ حَمَّالۃ الحطب، حَطَبٌ ایک خاردار گھاس ہے جس کو ہندی میں ''اونٹ کٹارا'' کہتے ہیں، اس گھاس کو اونٹ کے علاوہ کوئی جانور نہیں کھاتا اور خشک ہونے کے بعد وہ بھی نہیں کھاتا۔

قِوْلَہٗ: لِیْفٍ، لیف کی جمع اَلیاف ہے، کھجور کے درخت کی چھال کو کہتے ہیں، مطلقاً چھال کو بھی کہتے ہیں، مونجھ جس کی عام طور پر رسی بنائی جاتی ہے وہ بھی ایک قسم کی چھال ہی ہوتی ہے۔

قِوْلَہٗ: ھذہ الجملۃ، یعنی مبتداء وخبر سے مرکب جملہ اور وہ فی جیدھا حبل من مَسَدٍ ہے، حَبْلٌ موصوف، من مَسَدٍ، کائن کے متعلق ہوکر صفت، موصوف صفت سے مل کر مبتدا مؤخر، فی جیدھا خبر مقدم، مبتداء خبر سے مل کر جملہ ہوکر حمالۃ الحطب سے حال ہے۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

ابولہب کا اصلی نام عبدالعزیٰ تھا، یہ آنحضرت ﷺ کا حقیقی چچا تھا، اس کو ابولہب اس لئے کہا جاتا تھا کہ اس کا رنگ بہت چمکتا ہوا، سرخ وسفید تھا، لہب آگ کے شعلے کو کہتے ہیں اور ابولہب کے معنی ہیں: شعلہ رو، یہاں اس کا اصل نام ذکر کرنے کے بجائے اس کی کنیت کو ذکر کرنے کی کئی وجوہ ہوسکتی ہیں، اوّل یہ کہ وہ اپنے اصلی نام کے بجائے اپنی کنیت سے معروف تھا، دوم یہ کہ اس کا اصل نام عبدالعزیٰ مشرکانہ نام تھا جس کو قرآن میں پسند نہیں کیا گیا، سوم یہ کہ اس کا انجام جو اس سورت میں بیان کیا گیا ہے اس کے ساتھ اس کی یہ کنیت زیادہ مناسبت رکھتی ہے، یہ شخص آپ ﷺ کا بے حد دشمن اور اسلام کا شدید مخالف تھا۔

شانِ نزول:

صحیحین میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ پر آیت "وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ" نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے کوہِ صفا پر چڑھ کر اپنے قبیلہ قریش کے لوگوں کو یَاصَبَاحَاہ، یا بنی عبد مناف اور یابنی عبد المطلب وغیرہ کہہ کر آواز دی، سب قریش جمع ہوگئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ دشمن تم پر صبح شام میں حملہ آور ہونے والا ہے تو کیا تم لوگ میری تصدیق کروگے؟ سب نے یک زبان ہوکر کہا ہاں! ضرور تصدیق کریں گے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں عذاب شدید سے ڈراتا ہوں، یہ سن کر ابولہب نے کہا "تَبًّا لَکَ اَلِھٰذا جَمَعْتَنَا" اور آپ ﷺ کو مارنے کے لئے ایک پتھر

اٹھالیا، اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔

تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَہَبٍ اس کے معنی بعض مفسرین نے "ٹوٹ جائیں ابولہب کے ہاتھ" بیان کئے ہیں، اور تبت کا مطلب بیان کیا ہے کہ وہ خود ہلاک ہو جائے یا وہ ہلاک ہو گیا، لیکن درحقیقت یہ کوئی کوسنا نہیں ہے جو اس کو دیا گیا ہو؛ بلکہ ایک پیشین گوئی ہے جس میں آئندہ پیش آنے والی بات کو ماضی کے صیغوں میں بیان کیا گیا ہے، گویا کہ اس کا ہونا ایسا یقینی ہے جیسے وہ ہو چکی، اور فی الواقع آخر کار وہی کچھ ہوا جو اس سورت میں چند سال پہلے بیان کیا جا چکا تھا، ہاتھ ٹوٹنے سے ظاہر ہے کہ جسمانی ہاتھ ٹوٹنا مراد نہیں ہے؛ بلکہ کسی شخص کا اپنے اس مقصد میں قطعی ناکام ہو جانا مراد ہے جس کے لئے اس نے اپنا پورا زور لگا دیا ہو اور ابولہب نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو زک دینے کے لئے واقعی اپنا پورا زور لگا دیا تھا؛ لیکن اس سورت کے نزول پر سات آٹھ سال ہی گذرے تھے کہ جنگ بدر میں قریش کے اکثر و بیشتر وہ بڑے سردار مارے گئے جو اسلام کی دشمنی میں ابولہب کے ساتھی تھے، مکہ میں جب اس شکست کی خبر پہنچی تو اس کو اتنا رنج ہوا کہ وہ سات دن سے زیادہ زندہ نہ رہ سکا، پھر اس کی موت بھی نہایت عبرتناک ہوئی، اسے عدسہ یعنی طاعون کی گلٹی یا (جدری) چیچک جو کہ ایک متعدی مرض ہے، لاحق ہو گیا، اس کی چھوت لگ جانے کے خوف سے گھر والوں نے بھی اسے الگ ڈال دیا یہاں تک کہ اسی بے کسی کی حالت میں وہ مر گیا، تین روز تک اس کی لاش یونہی پڑی رہی، جب سڑنے لگا تو مزدوروں سے اٹھوا کر دبوا دیا گیا، اس کی مزید اور مکمل شکست اس طرح ہوئی کہ جس دین کی راہ روکنے کے لئے اس نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا اسی دین کو اس کی اولاد نے قبول کر لیا، سب سے پہلے اس کی بیٹی ذرہ ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ پہنچیں اور اسلام لائیں پھر فتح مکہ کے موقع پر اس کے دونوں بیٹے عُتبہ اور مُعتب، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی وساطت سے حضور ﷺ کے سامنے پیش ہوئے اور ایمان لا کر آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی۔

مَا اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا کَسَبَ ابولہب بہت سخت بخیل اور زر پرست آدمی تھا، ابن اثیر کا بیان ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ایک مرتبہ اس پر یہ الزام بھی لگایا گیا تھا کہ اس نے کعبہ کے خزانے میں سے سونے کے دو ہرن چرا لئے ہیں، اگرچہ بعد میں وہ ہرن دوسرے شخص کے پاس سے برآمد ہوئے؛ لیکن بجائے خود یہ بات کہ اس پر یہ الزام لگایا گیا، یہ ظاہر کرتی ہے کہ مکہ کے لوگ اس کے بارے میں کیا رائے رکھتے تھے، اس کی مالداری کے متعلق قاضی رشید بن زبیر اپنی کتاب "الذخائر والتحف" میں لکھتے ہیں کہ وہ قریش کے ان چار آدمیوں میں سے تھا جو ایک قنطار سونے کے مالک تھے، اس کی زرپرستی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر جب کہ اس کے مذہب کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا تھا قریش کے تمام سردار لڑنے کے لئے گئے؛ مگر اس نے عاص بن ہشام کو اپنی طرف سے لڑنے کے لئے بھیج دیا اور کہا کہ یہ ان چار ہزار درہموں کا بدل ہے جو میرے تیرے ذمہ قرض ہیں، اس طرح اس نے اپنا قرض وصول کرنے کی ایک ترکیب نکال لی، کیونکہ عاص دیوالیہ ہو چکا تھا اور اس سے رقم ملنے کی کوئی امید نہ تھی۔

مَا کَسَبَ بعض مفسرین نے مَا کَسَبَ کے معنی کمائی کے لئے ہیں یعنی وہ نفع جو اس نے تجارت وغیرہ میں کمایا، اور بعض مفسرین نے اس سے اولاد مراد لی ہے؛ کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا "اِنَّ اَطْیَبَ مَا اَکَلَ مِنْ کَسْبِہٖ وَاِنَّ الْوَلَدَ مِنْ

کَسبه'' یعنی جو کھانا آدمی کھاتا ہے اس میں سب سے زیادہ حلال وطیب وہ چیز ہے جو آدمی اپنی کمائی سے حاصل کرے اور آدمی کی اولاد بھی اس کے کسب میں داخل ہے یعنی اولاد کی کمائی کھانا بھی اپنی ہی کمائی سے کھانا ہے۔ (قرطبی)

اس لئے حضرت عائشہ، مجاہد، عطا، ابن سیرین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ وغیرہ نے اس جگہ مَا کَسَبَ کی تفسیر اولاد سے کی ہے، ابولہب کو اللہ نے مال بھی بہت دیا تھا اور اولاد بھی، یہی دونوں چیزیں ناشکری کی وجہ سے اس کے فخر وغرور اور وبال کا سبب بنیں۔

وَامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ جس طرح ابولہب کو آپ ﷺ سے سخت غیظ وغضب اور دشمنی تھی اس کی بیوی بھی اس شر میں اس کی مدد کرتی تھی، اس کا نام اَرْوٰی تھا اور ام جمیل اس کی کنیت تھی، یہ ابوسفیان بن حرب کی بہن تھی، حضرت ابوبکر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی صاحبزادی حضرت اسماء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کا بیان ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی اور ام جمیل نے اس کو سنا تو غصہ میں بھری ہوئی رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں نکلی؛ اس کے ہاتھ میں پتھر تھے اور وہ حضور ﷺ کی ہجو میں اپنے ہی کچھ اشعار پڑھتی جارہی تھی، جب حرم میں پہنچی تو وہاں حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ساتھ حضور تشریف فرما تھے حضرت ابوبکر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! یہ آرہی ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ آپ ﷺ کو دیکھ کر کوئی بے ہودہ حرکت کرے گی، آپ ﷺ نے فرمایا مجھے دیکھ نہ سکے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ ﷺ کے موجود ہونے کے باوجود آپ ﷺ کو نہ دیکھ سکی، اور اس نے حضرت ابوبکر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے کہا میں نے سنا ہے کہ تمہارے صاحب نے میری ہجو کی ہے؟ حضرت ابوبکر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہا اس گھر کے رب کی قسم انہوں نے تیری کوئی ہجو نہیں کی، اس پر وہ واپس چلی گئی۔ (ابن ابی حاتم، ابن ہشام نے بھی اسی سے ملتا جلتا واقعہ نقل کیا ہے)۔

حَمَّالَةَ الْحَطَبِ اس کا لفظی ترجمہ ہے، ''لکڑیاں ڈھونے والی'' مفسرین نے اس کے متعدد معنی بیان کئے ہیں، ابن کثیر رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی نے کہا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ عورت جہنم میں اپنے شوہر کی آگ پر لکڑیاں لا لا کر ڈالے گی؛ تاکہ آگ مزید بھڑکے یعنی جس طرح دنیا میں یہ کفر وشرک میں اپنے شوہر کی مددگار تھی آخرت میں بھی عذاب میں اس کی مددگار ہوگی، حضرت عبداللہ بن عباس، ابن زید، ضحاک اور ربیع بن انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کہتے ہیں کہ وہ رات میں خاردار ٹہنیاں لا کر رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر ڈال دیتی تھی، اس لئے اس کو لکڑیاں ڈھونے والی کہا گیا ہے، قتادہ، عکرمہ، حسن بصری، مجاہد، سفیان ثوری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ، کہتے ہیں کہ وہ لوگوں میں فساد ڈلوانے کے لئے چغلیاں کھاتی پھرتی تھی، اس لئے اسے عربی محاورہ کے مطابق لکڑیاں ڈھونے والی کہا گیا ہے، فارسی محاورہ میں ایسے شخص کو، ''ہیزم کش'' کہتے ہیں، شیخ سعدی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی نے اسی مفہوم کو اس شعر میں ادا کیا ہے: ۔

میان دو کس جنگ چوں آتش است سخن چین بدبخت ''ہیزم کش'' است

اردو محاورہ میں اسی کو''جلتی پر تیل چھڑکنا'' کہتے ہیں، بہرحال اس سورت میں اس کی ہلاکت کو بیان کیا گیا ہے۔



سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اَرْبَعُ اٰيَاتٍ

سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ او مَدَنِيَّةٌ اَرْبَعُ او خَمْسُ اٰيَاتٍ.

سورۂ اخلاص مکی یا مدنی ہے، چار یا پانچ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ سُئِلَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم عَن رَبِّه فنَزَلَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○ فَاللّٰهُ خَبرُ هُو وَاَحَدٌ بَدَلٌ مِنه او خَبرٌ ثَانٍ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ○ مُبْتَدأٌ وَخَبرٌ اى المَقْصُودُ فِي الحَوَائِجِ على الدَّوام لَمْ يَلِدْ ○ لانتِفَاءِ مُجَانَسَتِهٖ وَلَمْ يُوْلَدْ ○ لانتِفَاءِ الحُدُوثِ عنه وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ○ اى مُكَافِيًا ومُمَاثِلًا فَلَهٗ مُتَعَلِّقٌ بِكُفُوًا وقُدِّمَ عَلَيه لِاَنَّهٗ مَحَطُّ القَصْدِ بالنَّفْيِ واُخِّرَ اَحَدٌ وهُو اِسْمُ يكُنْ عَن خَبرِها رِعَايَةً لِلْفَاصِلَةِ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، نبی ﷺ سے ان کے رب کے بارے میں سوال کیا گیا تو **قل هو اللّٰه احد** نازل ہوئی، کہو وہ اللہ یکتا ہے، **اللّٰه**، هُوَ کی خبر ہے اور اَحَدٌ اس سے بدل ہے یہ (مبتداء) کی خبر ثانی ہے، اللہ بے نیاز ہے یہ مبتدا خبر ہیں یعنی وہ حاجتوں میں ہمیشہ مقصود ہے، نہ اس کی کوئی اولاد مجانست کے منتفی ہونے کی وجہ سے نہ وہ کسی کی اولاد اس سے حدوث کے منتفی ہونے کی وجہ سے، اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے یعنی ہمسر اور مماثل نہیں، لَهٗ كُفُوًا سے متعلق ہے، لَهٗ کو كفوًا پر مقدم کردیا گیا ہے؛ اسلئے کہ وہی (مماثل سے) مقصود بالنفی ہے اور اَحَدٌ کو جو کہ يكن کا اسم ہے اس کی خبر سے مؤخر کردیا گیا ہے فواصل کی رعایت کی وجہ سے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

سورۂ اخلاص، اس سورت کے متعدد نام ہیں اور کثرت اسماء شرف مسمیٰ پر دلالت کرتے ہیں، صاوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے اس کے بیس نام شمار کرائے ہیں؛ ان میں سے چند یہ ہیں: **سورة التفريد، سورة التجريد، سورة التوحيد، سورة الاخلاص، سورة التحيات، سورة الولاية، سورة النسبة، سورة المعرفة، سورة الجمال، سورة**

المقشقشة، (تلك عشرة كاملة).

قَوْلُہٗ: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اس کی ترکیب میں چند صورتیں ہیں، ① هُوَ ضمیر شان مفسر مبتداء اور اللّٰه الصمد مفسرِ جملہ ہوکر خبر ② هُوَ مبتداء اول، اللّٰه مبتداء ثانی اور اَحَدٌ مبتداء ثانی کی خبر، مبتداء ثانی اپنی خبر سے مل کر جملہ ہوکر مبتداء اول کی خبر، اس صورت میں هُوَ کا مرجع وہ ہے جو سابق میں مذکور ہوا، اس لئے کہ قل هو الله احد، مشرکین کے سوال یا محمد! انسب لَنَا ربك، اے محمد ﷺ تو ہم سے اپنے رب کا نسب بیان کر، کے جواب میں ہے، اور یہ بھی درست ہے کہ اللّٰه، هُوَ سے بدل ہو۔

قَوْلُہٗ: اللّٰه الصمد، اللّٰه مبتداء الصمد اس کی خبر، الصَّمَدُ مَا يُصْمَد اليه فی الحاجات، کو کہا جاتا ہے، یعنی حاجتوں میں جس کی جانب قصد کیا جائے، فعل (يَصْمد) آتا ہے، مصدر بمعنی مفعول (مَصمودٌ) ہے۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

سورۂ اخلاص کی فضیلت:

یہ سورت اگر چہ بہت مختصر ہے، مگر بڑے فضائل کی حامل ہے آپ ﷺ نے اس کو ثلث قرآن قرار دیا ہے۔

شان نزول:

مشرکین نے آپ ﷺ سے کہا کہ اپنے رب کا نسب بیان کرو تب یہ سورت نازل ہوئی۔ (مسند احمد)

قُلْ هو الله احد اس حکم کے مخاطب اولین تو خود رسول اللہ ﷺ ہیں، اس لئے کہ آپ ﷺ ہی سے یہ سوال کیا گیا تھا کہ آپ ﷺ کا رب کون ہے اور کیسا ہے؟ اور آپ ﷺ ہی کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ ﷺ ان کے سوال کے جواب میں اللّٰه اَحَدٌ کہیں، لیکن حضور ﷺ کے بعد ہر مومن اس کا مخاطب ہے، اسے بھی وہی بات کہنا چاہئے جس کے کہنے کا حکم حضور ﷺ کو دیا گیا تھا۔

لفظ قُل، اس میں نبی ﷺ کی نبوت کی طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کا حکم ہو رہا ہے اور اللہ اس ذات کا نام ہے جو واجب الوجود اور تمام کمالات کی جامع اور تمام نقائص سے پاک ہے، اَحَدٌ اور وَاحد کا ترجمہ تو ایک ہی کیا جاتا ہے، مگر مفہوم کے اعتبار سے احد کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ ترکیب و تحلیل، تعدد اور تجزیہ اور کسی شئ کی مشابہت و مشاکلت سے پاک ہے یعنی وہ ایک یا متعدد مادوں سے نہیں بنا ہے اور نہ اس میں تعدد کا کوئی امکان ہے، اس کے سوا دنیا کی ہر شئ جفت اور طاق ہے، یہ جواب ہو گیا ان لوگوں کا جو اللہ تعالیٰ کے متعلق پوچھتے تھے کہ وہ سونے چاندی کا ہے یا کسی جوہر کا؟ اس ایک مختصر جملہ میں ذات و صفات کے سب مباحث آ گئے۔

اَللّٰهُ الصَّمَدُ لفظ صمد کے معنی میں بڑی وسعت ہے، اس کے بہت سے معنی ہو سکتے ہیں اور وہ سب صحیح ہیں، لیکن اصل معنی صمد کے ہیں وہ ذات کہ لوگ اپنی حاجات اور ضروریات میں جس کی طرف رجوع کریں اور جو بڑائی اور سرداری میں ایسا ہو کہ اس سے کوئی بڑا نہیں، خلاصہ یہ کہ سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ یہ ان لوگوں کا جواب ہے، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نسب نامہ کا سوال کیا تھا کہ اس کو مخلوق پر قیاس نہیں کیا جا سکتا جو توالد و تناسل کے ذریعہ وجود میں آتی ہے، نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ اس کی کوئی اولاد۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ، کفو کے لفظی معنی مثل اور مماثل کے ہیں، معنی یہ ہے کہ نہ کوئی اس کا مثل ہے اور نہ ہی کوئی اس سے مشاکلت و مشابہت رکھتا ہے۔ (معارف)

سورۂ اخلاص میں مکمل توحید اور ہر طرح کے شرک کی نفی ہے:

اللہ کے ساتھ کسی کو شریک سمجھنے والے، منکرین توحید کی دنیا میں مختلف اقسام ہوئی ہیں، سورۂ اخلاص نے ہر قسم کے مشرکانہ خیالات کی نفی کر کے مکمل توحید کا سبق دیا ہے؛ چنانچہ منکرین توحید میں ایک گروہ تو خود اللہ کے وجود ہی کا منکر ہے، جبکہ بعض وجود کے تو قائل ہیں مگر وجوب وجود کے منکر ہیں، بعض دونوں کے قائل ہیں مگر صفات کمالات کے منکر ہیں، بعض یہ سب کچھ مانتے ہیں، مگر پھر بھی غیر اللہ کو عبادت میں شریک ٹھہراتے ہیں، ان سب خیالات باطلہ کا رد اَللّٰهُ الصَّمَدُ میں ہو گیا، بعض لوگ عبادت میں بھی کسی کو شریک نہیں کرتے؛ مگر حاجت روا کارساز اللہ کے سوا دوسروں کو بھی سمجھتے ہیں، ان کے خیالات کا ابطال لفظ صمد میں ہو گیا، بعض لوگ اللہ کے لئے اولاد کے قائل ہیں ان کا رد لَمْ يَلِدْ میں ہو گیا۔ (معارف)

لہٰذا اس مختصر مگر جامع سورت سے ہر طرح کے شرک کی نفی ہو گئی جس کی طرف راہ نکالنے کی کسی قسم کی اب قطعاً کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

تمت

سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُ آيَاتٍ

سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ او مَدنية خمسُ اياتٍ.

سورۂ فلق مکی یا مدنی ہے، پانچ آیتیں ہیں۔

نَزَلَتْ هذه والتي بَعْدَها لمّا سَحَرَ لَبِيْدُ اليَهُودِيُّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم في وترٍ به إِحْدى عَشَرَةَ عُقْدَةً فَاَعْلَمَهُ اللّٰهُ بذلكَ وبمحلهِ فأُحضِرَ بَيْنَ يَدَيْهِ صلى الله عليه وسلم وأُمِرَ بالتَّعَوُّذِ بالسُّورَتَيْنِ فَكَانَ كُلَّمَا قَرَأَ ايَةً مِنهُما انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ وَوَجَدَ خِفَّةً حَتّٰى انْحَلَّتِ العُقَدُ كُلُّها وقَامَ كَاَنَّمَا نُشِطَ مِن عِقَالٍ.

یہ سورت اور اس کے بعد والی سورت اس وقت نازل ہوئی جب کہ لبید یہودی نے نبی ﷺ پر ایک تانت کی گیارہ گرہوں میں جادو کر دیا تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس سحر کی اور اس کی جگہ کی اطلاع فرما دی، آپ ﷺ کے سامنے اس کو لایا گیا اور دونوں سورتوں کے ذریعہ تعوذ (پناہ) کا حکم دیا گیا، جب آپ ﷺ ان دونوں سورتوں میں سے ایک آیت پڑھتے تھے، تو ایک گرہ کھل جاتی تھی اور آپ ﷺ ہلکا پن محسوس فرماتے، یہاں تک کہ تمام گرہیں کھل گئیں اور آپ ﷺ اس طرح اٹھ کھڑے ہوئے جیسا کہ آپ ﷺ کو بندشوں سے کھولا یا گیا۔

قَوْلُهٗ: فَاُحضِرَ بَيْنَ يَدَيْهِ ﷺ، یعنی لبید بن الاعصم کو آپ ﷺ کے سامنے حاضر کیا گیا، (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو بلا کر لائے تھے)۔

قَوْلُهٗ: فی وَتَرٍ! وَتَرٌ تانت جو کہ جانوروں کی آنت سے بنائی جاتی ہے، یہ ایک قسم کی رگ ہے جو مضبوط دھاگے جیسی ہوتی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿۱﴾ الصُّبحِ **مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿۲﴾** مِن حَيَوانٍ مُكَلَّفٍ وغيرِ مُكَلَّفٍ وجَمادٍ كالسَّمِّ وغيرِ ذلك **وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴿۳﴾** أي اللَّيلِ إذا أظلَمَ او القمرِ إذا غابَ **وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ** السَّواحِرِ تَنْفُثُ **فِي الْعُقَدِ ﴿۴﴾** الَّتِي تَعْقِدُهَا فِي الخَيْطِ تَنْفُخ فيها بشيءٍ تَقُولُه مِن غيرِ رِيقٍ وقالَ الزَّمَخْشَرِيُّ مَعَهُ كَبَناتِ لَبِيدِ المَذْكُورِ **وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾** أظهَرَ حَسَدَهُ وعَمِلَ بمُقتَضاهُ

كَلَبِيدِ الْمَذْكُورِ مِنَ الْيَهُودِ الْحَاسِدِينَ لِلنَّبِيِّ صلّى الله عليه وسلم وذِكْرُ الثَّلَاثَةِ الشَّامِلِ لَهَا مَا خَلَقَ بَعْدَهُ لِشِدَّةِ شَرِّهَا.

تَرجَمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم ولا ہے، کہو کہ میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں، ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی (یعنی) حیوان مکلف اور غیر مکلف کے شر سے اور جماد کے شر سے مثلاً زہر وغیرہ، اور رات کی تاریکی کے شر سے جب وہ چھا جائے، یعنی رات کے شر سے جب وہ تاریک ہو جائے، یا چاند کے شر سے جب وہ غروب ہو جائے، اور پھونکنے والی جادوگرنیوں کے شر سے جو گرہوں میں تھوک کے بغیر پھونکیں وہ گرہیں کہ جن کو وہ دھاگے میں لگاتی ہیں اور زمخشری نے کہا ہے، تھوک کے ساتھ، جیسا کہ لبید مذکور کی بیٹیاں اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے یعنی اپنے حسد کو ظاہر کرے اور اس کے مقتضیٰ پر عمل کرے جیسا کہ نبی ﷺ پر حسد کرنے والے یہود میں سے لبید مذکور ہے اور تینوں کو جن کو مَا خَلَقَ شامل ہے مَا خَلَقَ کے بعد ذکر کرنا ان کے شر کے شدید ہونے کی وجہ سے ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَولُهُ: اَلْفَلَقِ، اسم فعل: تڑکا، اول صبح، فَلَق، بمعنی مَفْلُوْق.

قَولُهُ: وَقَبَ، ماضی، واحد مذکر غائب (ض) وَقْبًا وُقُوْبًا، چھا جانا۔

قَولُهُ: غاسِق اسم فاعل، رات کی تاریکی غَسَقَ (ن) غُسُوْقًا رات کا تاریک ہونا۔

قَولُهُ: او القمر یہ غاسق کی دوسری تفسیر ہے۔

قَولُهُ: السَّوَاحِر یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نَفّٰثٰت کا موصوف محذوف ہے، مفسر علام نے موصوف، اَلسواحر محذوف نکالا ہے یعنی سحر کرنے والی عورتیں، مراد لبید بن اعصم یہودی کی لڑکیاں ہیں، اس کا موصوف نفوس بھی ہو سکتا ہے، نفّٰثٰت، نفاثة کی جمع اور مبالغہ کا صیغہ ہے نَفَثَ (ض ن) نَفْثًا: پھتکارنا، نفث اور تفل میں فرق یہ ہے کہ نفث میں تھوک کم ہوتا ہے اور تَفْل میں تھوک زیادہ ہوتا ہے۔

تفسیر وتشریح

سورۂ فلق اور سورۂ ناس کے فضائل:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ یہ (سورۂ فلق) اور اس کے بعد جو سورۂ ناس ہے، ان دونوں سورتوں کی مشترکہ فضیلت بعض احادیث میں بیان کی گئی ہے، ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا آج کی رات مجھ پر کچھ ایسی آیات نازل ہوئیں ہیں جن

کی مثل میں نے کبھی نہیں دیکھی یہ فرما کر آپ ﷺ نے یہ دونوں سورتیں تلاوت فرمائیں۔

(صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرها)

ابوحابس جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوحابس رضی اللہ تعالیٰ عنہ! کیا میں تجھے سب سے بہترین تعویذ نہ بتاؤں، جس کے ذریعہ پناہ طلب کرنے والے پناہ مانگتے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا، ہاں! ضرور بتایئے یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے ان دونوں سورتوں کا ذکر کرکے فرمایا کہ یہ دونوں "معوذتان" ہیں۔

جب آپ ﷺ پر جادو کیا گیا تو جبرئیل علیہ السلام یہی دو سورتیں لے کر حاضر ہوئے اور فرمایا کہ ایک یہودی نے آپ ﷺ پر جادو کیا ہے اور یہ جادو فلاں کنوئیں میں ہے، آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیج کر منگوایا (یہ ایک کنگھی کے دندانوں اور بالوں کے ساتھ ایک تانت میں گیارہ گرہ لگا کر کیا گیا تھا اور موم کا ایک پتلا تھا جس میں سوئیاں چبھوئی ہوئی تھیں)۔

آپ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ رات کو سوتے وقت سورۂ اخلاص اور معوذتین پڑھ کر ہتھیلیوں پر دم کرتے اور پھر انہیں پورے جسم پر ملتے پھر سر اور چہرے پر اور جسم کے اگلے حصہ پر پھیرتے، اس کے بعد جہاں تک آپ ﷺ کے ہاتھ پہنچتے یہ عمل آپ تین مرتبہ فرماتے۔ (صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن)

سحر، نظر بد اور تمام آفات کا علاج:

سورۂ فلق اور سورۂ ناس ایک ہی ساتھ ایک ہی واقعہ میں نازل ہوئی ہیں، ان دونوں سورتوں کو سحر، نظر بد اور تمام آفات روحانی وجسمانی کے دور کرنے میں عظیم تاثیر ہے۔

زمانۂ نزول:

ان دونوں سورتوں کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ، عکرمہ رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہما کا قول ہے کہ یہ سورتیں مکی ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بھی ایک روایت یہی ہے، مگر ان سے ہی ایک روایت مدنی ہونے کی بھی ہے، اور یہی قول حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی ہے، جن روایتوں سے اس قول کی تقویت ہوتی ہے ان میں سے یہ روایات بھی ہیں کہ جب مدینہ میں یہود نے رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا تھا تو اس کے اثر سے آپ ﷺ بیمار ہو گئے تھے، اس وقت یہ سورتیں نازل ہوئی تھیں، ابن سعد نے واقدی کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ یہ واقعہ ۷ھ کا ہے، نیز ابن سعد، محی السنۃ بغوی، امام نسفی، امام بیہقی، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہم نے روایت کیا ہے کہ مدینہ میں یہود نے رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا جس کے اثر سے آپ ﷺ بیمار ہو گئے تھے، اس وقت یہ سورتیں نازل ہوئی تھیں، ان روایات سے اس کی تقویت ہوتی ہے کہ یہ دونوں سورتیں مدنی ہیں۔

آپ ﷺ پر جادو کا اثر ہونا:

یہاں ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ روایات کی رو سے آپ ﷺ پر جادو کیا گیا تھا، اور اس کے اثر سے آپ ﷺ بیمار ہو گئے تھے، اور اس اثر کو زائل کرنے کے لئے جبرائیل علیہ السلام نے آ کر آپ ﷺ کو یہ سورتیں پڑھنے کی ہدایت کی تھی، اس پر قدیم اور جدید زمانے کے بہت سے عقلیت پسندوں نے اعتراض کیا ہے کہ اگر یہ روایات مان لی جائیں تو شریعت ساری کی ساری مشتبہ ہو جاتی ہے؛ کیونکہ اگر نبی ﷺ پر جادو کا اثر ہو سکتا ہے جیسا کہ روایات کی رو سے اثر ہو بھی گیا تھا، تو نہیں کہا جا سکتا کہ مخالفین نے جادو کے زور سے نبی سے کیا کیا کہلوالیا اور کروالیا ہو؟ اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ کیا درحقیقت مستند تاریخی روایات کی رو سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کا اثر ہوا تھا؟ اگر ہوا تھا تو وہ اثر کس حد تک تھا؟ اس کے بعد یہ دیکھا جائے کہ جو کچھ تاریخ سے ثابت ہے اس پر وہ اعتراضات وارد ہوتے ہیں یا نہیں جو کئے گئے ہیں؟

جہاں تک تاریخی حیثیت کا تعلق ہے نبی ﷺ پر جادو کا اثر ہونے کا تو یہ واقعہ قطعی طور پر ثابت ہے، اسے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بخاری و مسلم، نسائی، ابن ماجہ، امام احمد، عبد الرزاق، حمیدی، بیہقی، طبرانی، ابن سعد وغیرہم محدثین نے اتنی مختلف اور کثیر التعداد سندوں سے نقل کیا ہے، جس کا نفس مضمون تواتر کی حد کو پہنچا ہوا ہے، اس سلسلہ کی جو روایات آئی ہیں، انہیں اگر مجموعی طور پر مرتب کیا جائے تو اس سے ایک مربوط واقعہ کی شکل اس طرح بنتی ہے۔

واقعہ کی تفصیل:

صلح حدیبیہ کے بعد جب نبی کریم ﷺ واپس تشریف لائے تو محرم ۷ھ میں خیبر سے یہودیوں کا ایک وفد مدینہ آیا اور ایک مشہور جادوگر لبید بن الاعصم سے ملا جو انصار کے قبیلہ بنی زُرَیق سے تعلق رکھتا تھا (بعض روایتوں میں یہودی اور بعض میں منافق بھی مذکور ہے) ان لوگوں نے اس سے کہا کہ محمد ﷺ نے ہمارے ساتھ جو کچھ کیا ہے وہ تمہیں معلوم ہے، ہم نے ان پر بہت جادو کرنے کی کوشش کی؛ مگر کوئی کامیابی نہیں ملی، اب ہم تمہارے پاس آئے ہیں؛ کیونکہ تم ہم سے بڑے جادوگر ہو، لو یہ تین اشرفیاں حاضر ہیں، انہیں قبول کرو اور محمد ﷺ پر ایک زوردار جادو کر دو، اس زمانہ میں حضور ﷺ کے یہاں ایک یہودی لڑکا خدمت گار تھا، اس سے ساز باز کر کے ان لوگوں نے حضور ﷺ کی کنگھی کا ایک ٹکڑا حاصل کر لیا، جس میں آپ ﷺ کے موئے مبارک بھی تھے، ان ہی بالوں اور کنگھی کے دندانوں پر جادو کیا گیا، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی شکل کا موم کا ایک پتلا بھی بنایا اور اس میں گیارہ سوئیاں چبھودی گئی تھیں، ایک روایت میں یہ ہے کہ تانت میں گیارہ گرہ لگا کر ان گرہوں میں سوئیاں چبھوئی گئی تھیں، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ لبید نے خود جادو کیا تھا اور بعض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی لڑکیوں نے جادو کیا تھا اور بعض میں بہنوں کا ذکر ہے، ان میں کوئی تضاد نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ سب نے مل کر یہ

کام کیا ہو، ان تمام چیزوں کو ایک نر کھجور کے خوشے کے غلاف میں رکھ کر لبید نے بنی زُریق کے کنویں ذروان کی تہہ میں پتھر کے نیچے دبا دیا، ابتداء میں اس جادو کا اثر بہت ہلکا تھا؛ مگر بتدریج آپ کی طبیعت زیادہ خراب ہونی شروع ہوگئی، آخری چالیس روز سخت خراب ہوئی ان میں بھی آخری تین روز زیادہ سخت گزرے؛ مگر اس کا زیادہ سے زیادہ جو اثر آپ ﷺ پر ہوا وہ بس یہ تھا کہ آپ گھلتے چلے جا رہے تھے کسی کام کے متعلق خیال ہوتا کہ وہ کر لیا ہے؛ حالانکہ نہیں کیا ہوتا تھا اپنی ازواج کے متعلق خیال فرماتے کہ ان کے پاس گئے ہیں؛ حالانکہ نہیں گئے ہوتے تھے وغیرہ وغیرہ، یہ تمام اثرات آپ کی ذات تک محدود رہے؛ حتی کہ دوسرے لوگوں کو یہ معلوم تک نہ ہو سکا کہ آپ پر کیا گذر رہی ہے، رہی آپ کے نبی ہونے کی حیثیت تو اس میں آپ کے فرائض کے اندر کوئی خلل واقع نہیں ہونے پایا۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ آپ حضرت عائشہ صدیقہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا کے یہاں تھے کہ آپ نے بار بار اللہ سے دعاء مانگی، اسی حالت میں آپ کو نیند آگئی اور پھر بیدار ہو کر آپ نے حضرت عائشہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا سے فرمایا کہ میں نے جو بات اپنے رب سے پوچھی تھی وہ اس نے مجھے بتا دی، حضرت عائشہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا نے عرض کیا، وہ کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا دو آدمی (یعنی دو فرشتے آدمی کی صورت میں) میرے پاس آئے ایک سرہانے کی طرف تھا اور دوسرا پائنتی کی طرف، ایک نے دوسرے سے پوچھا انہیں کیا ہوا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا ان پر جادو ہوا ہے، اس نے پوچھا کس نے کیا ہے؟ جواب دیا لبید بن الاعصم نے پوچھا: کس چیز میں کیا ہے؟ جواب دیا کنگھی اور بالوں میں ایک نر کھجور کے خوشے کے غلاف کے اندر، پوچھا وہ کہاں ہے؟ جواب دیا بنی زریق کے کنوئیں ذروان کی تہہ میں پتھر کے نیچے ہے۔ پوچھا اب اس کے لئے کیا کیا جائے؟ جواب دیا کنویں کا پانی نکال دیا جائے اور پتھر کے نیچے سے اس کو نکال لیا جائے، اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت علی، حضرت عمار بن یاسر اور حضرت زبیر کو بھیجا ان کے ساتھ جبیر ایاس اور قیس بن محصن رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمْ بھی شامل ہو گئے، بعد میں خود حضور ﷺ بھی چند اصحاب کے ہمراہ وہاں پہنچ گئے پانی نکالا گیا، اور وہ غلاف برآمد کر لیا گیا اس کنگھی اور بالوں کے ساتھ ایک تانت کے اندر گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں اور موم کا ایک پتلا تھا جس میں سوئیاں چبھوئی ہوئی تھیں، جبرئیل عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ نے آکر بتایا کہ آپ ﷺ معوذتین پڑھیں؛ چنانچہ آپ ﷺ ایک ایک آیت پڑھتے جاتے تھے اور اس کے ساتھ ایک ایک گرہ کھولی جاتی اور پتلے میں سے ایک سوئی نکالی جاتی غرضیکہ سورتوں کے خاتمہ تک پہنچتے پہنچتے ساری گرہیں کھل گئیں اور تمام سوئیاں نکل گئیں اور آپ ﷺ جادو کے اثر سے نکل کر ایسے ہو گئے جیسے کوئی شخص بندھا ہوا تھا پھر کھل گیا، اس کے بعد آپ ﷺ نے لبید کو بلا کر باز پرس کی، اس نے اپنے قصور کا اعتراف کر لیا مگر آپ ﷺ نے اس کو چھوڑ دیا: کیونکہ اپنی ذات کے لئے آپ ﷺ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔

یہ ہے سارا قصہ جادو کا اس میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ جو آپ ﷺ کے منصب نبوت میں قادح ہو، ذاتی طور پر اگر آپ ﷺ کو زخمی کیا جا سکتا تھا جیسا کہ جنگ احد میں ہوا، اگر آپ ﷺ گھوڑے سے گر کر چوٹ کھا سکتے تھے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے، اگر آپ ﷺ کو بچھو کاٹ سکتا ہے جیسا کہ روایات میں وارد ہوا ہے، اور ان میں سے کوئی چیز بھی اس تحفظ کے منافی

نہیں ہے جس کا نبی ہونیکی حیثیت سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے وعدہ کیا تھا، تو آپ ﷺ اپنی ذاتی حیثیت میں جادو کے اثر سے بیمار بھی ہو سکتے تھے، نبی ﷺ پر جادو کا اثر ہو سکتا ہے، یہ بات تو قرآن کریم سے بھی ثابت ہے، سورۂ طٰہٰ میں ہے کہ جو لاٹھیاں اور رسیاں انہوں نے پھینکی تھیں، ان کے متعلق عام لوگوں ہی نے نہیں؛ بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی یہی سمجھا کہ وہ ان کی طرف سانپوں کی شکل میں دوڑی چلی آرہی ہیں اور اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام خوف زدہ بھی ہو گئے تھے۔

معوذتین کی قرآنیت:

معوذتین کے قرآن ہونے پر تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع ہے اور عہد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بتواتر ثابت ہے، اس میں قطعی کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، مگر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے عظیم المرتبہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعدد روایتوں میں یہ بات منقول ہوئی ہے کہ وہ ان دونوں سورتوں کو قرآن کی سورتیں نہیں مانتے تھے اور اپنے مصحف سے ان کو ساقط کر دیا تھا، امام احمد، بزار، طبرانی، ابن مردویہ، ابویعلی، عبد اللہ بن احمد بن حنبل، حمیدی، ابونعیم، ابن حبان رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ محدثین نے مختلف سندوں سے جن میں اکثر وبیشتر صحیح ہیں، یہ بات حضرت عبد اللہ بن مسعود سے نقل کی ہے۔

قرآن میں مخالفین کا طعن:

ان روایات کی بنا پر مخالفین اسلام کو قرآن کے بارے میں شبہات ابھارنے اور طعن کرنے کا موقع مل گیا کہ معاذ اللہ یہ کتاب تحریف سے محفوظ نہیں ہے؛ بلکہ اس میں جب یہ دو سورتیں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان کے مطابق الحاقی ہیں تو نہ معلوم اور کیا کیا حذف واضافے اس میں ہوئے ہوں گے؟

طعن کے جوابات:

قاضی ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ باقلانی اور قاضی عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ نے ان کے طعن کا یہ جواب دیا ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ معوذتین کی قرآنیت کے منکر نہ تھے؛ بلکہ صرف ان کو مصحف میں درج کرنے سے انکار کرتے تھے، کیونکہ ان کے نزدیک مصحف میں صرف وہی چیز درج کی جانی چاہئے تھی جس کے ثبت کرنے کی رسول اللہ ﷺ نے اجازت دی ہو اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک ان کے درج کرنے کی اجازت کی اطلاع نہیں پہنچی تھی۔

(فتح الباری صفحہ: ۵۷۱، ج: ۸)

یہ واضح رہے کہ ان کو بھی ان سورتوں کے کلام اللہ ہونے میں شبہ نہ تھا، وہ مانتے تھے کہ بلا ریب یہ اللہ کا کلام ہے اور بد شبہ آسمان سے نازل ہوا ہے، مگر ان کے نازل کرنے کا مقصد رقیہ اور علاج تھا، معلوم نہیں کہ تلاوت کی غرض سے نازل کی گئی ہے یا نہیں؟ اس لئے وہ یہ سمجھتے تھے کہ ان کو مصحف میں درج کرنا اور اس کو قرآن میں شامل کرنا جس کی تلاوت نماز وغیرہ میں مطلوب

ہے، خلافِ احتیاط ہے، روح البیان میں ہے "اِنَّـهٗ كَـانَ لَا يَعُدُّ الْـمُعَوِّذَتَيْـنِ مِـنَ الْقُرْآنِ وَكَانَ لَا يَكْتُبُهُمَا فِي مُصْحَفِهٖ يَقُوْلُ اِنَّهُمَا مُنْزَلَتَانِ مِنَ السَّمَاءِ وهما مِنْ كَلامِ رَبِّ الْعالمين ولكن النبي صلى الله عليه وسلم كَانَ يَرْقِي وَ يُعَوِّذُبِهِمَا، فَاشْتَبَهَ عَلَيْهِ اَنَّهُمَا مِنَ الْقُرْآنِ فَلَمْ يكتبهما في مصحفه.

(روح البيان، صفحه ۷۲۳، ج: ٤، فوائدعثمانی)

بہرحال ان کی یہ رائے بھی شخصی اور انفرادی تھی، اور جیسا کہ بزار نے نقل کیا ہے کہ کسی ایک صحابی رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے بھی ان سے اتفاق نہیں کیا، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں "واجيب باحتمال انّهٗ كانَ متواترًا في عصر ابن مسعود رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ لكن لَمْ يَتَواتر عند ابن مسعود فانحلت العقدة بعون الله تعالى" اورصاحب معانی فرماتے ہیں "وَلَعَلَّ ابنَ مسعودٍ رَجَعَ عَن ذٰلك". (فوائد عثمانی ملخصًا)



سُوْرَةُ النَّاسِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ سِتُّ آيَاتٍ

سُوْرَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ اومَدَنِيَّةٌ سِتُّ ايَاتٍ.

سورۂ الناس مکی یا مدنی ہے، چھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ خَالِقِهِم و مَالِكِهِم خُصُوا بالذِّكر تَشْرِيفًا لَهُمْ و مُنَاسَبَةً لِلِاسْتِعَاذَةِ مِن شَرِّ المُوَسْوِسِ فِي صُدُورِهم مَلِكِ النَّاسِ ۝ إِلٰهِ النَّاسِ ۝ بَدَلَانِ او صِفَتَانِ او عَطْفَا بَيَانٍ و أَظْهَرَ المُضَافَ إِلَيه فيهما زيادةً لِلْبَيَانِ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۝ الشَّيْطَانِ سُمِّيَ بالحَدَثِ لِكَثْرَةِ مُلَابَسَةٍ لَه الْخَنَّاسِ ۝ لِأَنَّهُ يَخْنُسُ وَيَتَأَخَّرُ عَنِ القَلْبِ كُلَّمَا ذَكَرَ اللّٰهَ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ قُلُوبِهِم إِذَا غَفَلُوا عَن ذِكْرِ اللّٰهِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝ بَيَانٌ لِلشَّيْطَانِ المُوَسْوِسِ أَنَّهُ جِنِّيٌّ وانسِيٌّ كَقَوْلِهِ تَعَالٰى شَيَاطِيْنَ الإِنْسِ والجِنِّ او مِنَ الجِنَّةِ بَيَانٌ لَه والنَّاسِ عَطْفٌ على الوَسْوَاسِ وعلى كُلٍّ يَشْمَلُ شَرَّ لَبِيْدٍ و بَنَاتِهِ المَذْكُورِينَ واعْتُرِضَ الأَوَّلُ بِأَنَّ النَّاسَ لَايُوَسْوِسُ فِي صُدُورِهم النَّاسُ إِنَّمَا يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِهِم الجِنُّ وأُجِيبَ بِأَنَّ النَّاسَ يُوَسْوِسُوْنَ أَيْضًا بِمَعْنًى يَلِيْقُ بِهِمْ فِي الظَّاهِرِ ثُم تَصِلُ وَسْوَسَتُهُمْ إِلَى القَلْبِ و تَثْبُتُ فِيه بِالطَّرِيْقِ المُؤَدِّيْ إِلٰى ذٰلِك وَاللّٰهُ اَعْلَمُ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، آپ کہیے کہ میں لوگوں کے رب، ان کے مالک کی پناہ میں آتا ہوں (یعنی) ان کے خالق کی اور ان کے مالک کی (پناہ میں آتا ہوں) انسانوں کا ذکر خاص طور پر ان کی شرافت اور ان کے سینوں میں وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے پناہ چاہنے کی مناسبت کی وجہ سے کیا گیا ہے، لوگوں کے بادشاہ کی، لوگوں کے معبود کی، دونوں بدل ہیں یا صفت ہیں یا عطف بیان ہیں، اور دونوں جگہ مضاف الیہ کو زیادتی بیان کے لئے ظاہر کیا ہے، وسوسہ ڈالنے والے، پیچھے ہٹ جانے والے شیطان کے شر سے (پناہ چاہتا ہوں) شیطان کا نام وسواس (یعنی معنی مصدری) رکھا گیا ہے، اس کے کثرت سے وسوسہ ڈالنے کی وجہ سے، اس لئے کہ وہ چھپ جاتا ہے اور قلب سے پیچھے ہٹ جاتا ہے جب بندہ اللہ کا ذکر کرتا ہے، جو لوگوں کے دلوں میں جب اللہ کے ذکر سے غافل ہوتے ہیں وسوسہ ڈالتا ہے (خواہ وہ)

ازقبیل جن ہو یا ازقبیل انسان، یہ وسوسہ ڈالنے والے شیطان کا بیان ہے کہ وہ جنی ہے اور انسی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول شیاطین الإنسِ والجِنّ، یا مِن الجنة (شیطان) کا بیان ہے اور الناس کا الوسواس پر عطف ہے، اور ہر صورت میں، سورت ماقبل میں مذکور لبید اور اس کی لڑکیوں کے شر کو مشتمل ہے، پہلی صورت میں اعتراض کیا جاتا ہے کہ انسان، انسانوں کے قلوب میں وسوسہ نہیں ڈالتے، انسانوں کے دلوں میں تو جنات وسوسہ ڈالتے ہیں؟ (تو اس اعتراض کا) جواب دیا گیا ہے کہ انسان بھی ایسے طریقوں سے وسوسہ ڈالتے ہیں جو بظاہران کے مناسب ہو، (مثلاً نمیمہ وغیرہ کے ذریعہ) پھر ان کا وسوسہ قلب تک ایسے طریقہ سے پہنچ جاتا ہے جو ثبوت تک مفضی ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

سورۂ فلق اور سورۂ الناس کی آیتوں کی مجموعی تعداد گیارہ ہے، یہ گرہوں اور سوئیوں کی تعداد کے مساوی ہے، جو آپ ﷺ پر سحر میں استعمال کی گئی تھیں۔

قِوْلَہٗ: قل اعوذ میں خطاب اگرچہ آپ ﷺ کو ہے؛ مگر امت کا ہر فرد اس کا مخاطب ہے۔

قِوْلَہٗ: الناس اس کی اصل اناس ہے، اس سے ہمزہ حذف کردیا گیا ہے۔

قِوْلَہٗ: ومناسبة للاستعاذة من شر الموسوس، کَاَنَّهٗ قِیْلَ، اَعُوْذُ مِنْ شَرِّ الْمُوَسْوِسِ اِلَی النَّاسِ بربهم الَّذِی یَمْلِكُ اَمْرَهُمْ۔

قِوْلَہٗ: ملك الناس یہاں تمام قراء کا حذف الف پر اتفاق ہے، بخلاف سورۂ فاتحہ کے کہ وہاں اختلاف ہے بعض الف کو حذف کرتے ہیں اور بعض باقی رکھتے ہیں۔

قِوْلَہٗ: زیادة للبیان مزید وضاحت کے لئے ہے، اس لئے کہ رب کا اطلاق بعض اوقات غیر اللہ پر بھی ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول "اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" اس لئے رب کی تین صفات لائی گئی ہیں؛ تاکہ غیر اللہ سے ممتاز ہو جائے، مذکورہ صفات میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے، اس لئے کہ مربی کے لئے ملک ہونا ضروری نہیں؛ مگر جو ملك ہوتا ہے وہ مربی بھی ہوتا ہے، اور الٰہ سب سے اعلیٰ ہے، اس لئے کہ ربّ اور مَلِك کے لئے اِلٰه ہونا ضروری نہیں؛ مگر الٰه کے لئے رب اور ملك ہونا ضروری ہے۔

قِوْلَہٗ: من شر الوسواس یہ اعوذ سے متعلق ہے۔

قِوْلَہٗ: سمی بالحدث یعنی موسوس کو وسواس کہا گیا ہے یہ زید عدل کے قبیل سے ہے، گویا کہ زید سراپا عدل ہے، اسی طرح شیطان اس قدر وسوسہ ڈالتا ہے گویا کہ وہ خود وسوسہ ہو گیا ہے۔

قِوْلَہٗ: الخناس یہ مبالغہ کا صیغہ ہے بہت زیادہ پیچھے پلٹنے والا، اور خَنَّاس شیطان کو بھی کہتے ہیں۔

قِوْلَہٗ: وَیَتَاَخَّر یہ الخناس کی تفسیر ہے۔

قَوْلُهٗ: بيان للشيطان الموسوس یعنی مِن الجنَّة و النَّاس، یُوَسْوِسُ کی ضمیر فاعل کا بیان ہے، مطلب یہ ہے کہ وسوسہ ڈالنے والا جن بھی ہوسکتا ہے اور انس بھی، اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ مِنَ الجنة و الناس، اس النَّاس کا بیان ہے جو فی صدور الناس میں ہے، مطلب یہ ہوگا کا ابلیس جس طرح انسانوں کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے، اسی طرح جنوں کے دلوں میں بھی وسوسہ ڈالتا ہے، اس صورت میں موسوس خاص اور مُوَسْوَس لَهٗ عام ہوگا، كَانَّهٗ قَالَ، اَعُوْذُ مِنْ شَرِّ الشيطان الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِی صدور الجن و الناس یہ معنی اس کے برعکس ہیں، جو شارح نے بیان کئے ہیں۔

قَوْلُهٗ: لا یُوَسْوِسُ فی صدورهم الناس یعنی انسان انسان کے قلوب میں وسوسہ نہیں ڈالتے ہیں مفسر علام اس کے بجائے اگر "لا یوسْوِسُونَ فی صدور الناس" کہتے تو زیادہ آسان ہوتا۔

قَوْلُهٗ: الموصل اِلیٰ ذٰلك، ای الی ثبوتها فی القلب یعنی شیطان اس طرح وسوسہ ڈالتا ہے کہ وہ قلب میں جاگزیں ہوجاتا ہے۔

تَفسیر و تَشریح

اس سورت کی فضیلت سابقہ سورت کے ساتھ بیان ہوچکی ہے۔

ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کو نماز میں ایک بچھو نے کاٹ لیا، نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے پانی اور نمک منگوا کر اس کے اوپر مَلا اور ساتھ ساتھ (قُلْ یٰاَیُّهَا الْكٰفِرُوْن، قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور قُلْ اعوذ برب الناس) پڑھتے رہے۔ (مجمع الزوائد)

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ، ربّ "پروردگار" کا مطلب ہے جو ابتداء سے ہی، جبکہ انسان رحم مادر ہی میں ہوتا ہے اس کی تدبیر و اصلاح کرتا ہے، اور یہ اصلاح و تدبیر کا سلسلہ زندگی بھر جاری رہتا ہے، پھر یہ اصلاح و تدبیر چند مخصوص افراد کے لئے نہیں؛ بلکہ تمام انسانوں؛ بلکہ اپنی تمام مخلوق کے لئے کرتا ہے؛ یہاں صرف انسانوں کا ذکر اس شرف و فضل کے اظہار کے لئے ہے جو تمام مخلوق پر اس کو حاصل ہے۔

مَلِكِ النَّاس، جو ذات تمام انسانوں؛ بلکہ تمام مخلوقات کی پرورش اور نگہداشت کرنے والی ہے، وہی اس لائق ہے کہ کائنات کی حکمرانی اور بادشاہی بھی اسی کے پاس ہو۔

اِلٰهِ النَّاس، اور جو تمام کائنات کا پروردگار ہو، پوری کائنات پر اسی کی بادشاہی ہو، وہی ذات اس کی مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور وہی تمام لوگوں کا معبود ہو، چنانچہ میں اسی عظیم برتر ہستی کی پناہ حاصل کرتا ہوں۔

مِن شر الوسواس، الوسواس بعض کے نزدیک اسم فاعل المُوَسوِسُ کے معنی میں ہے اور بعض کے نزدیک یہ ذی الوسواس ہے، وَسْوَسہ مخفی آواز کو کہتے ہیں، شیطان بھی نہایت غیر محسوس طریقہ سے انسان کے دل میں بری باتیں ڈال دیتا ہے، اسی کو وسوسہ کہا جاتا ہے، الخناس کھسک جانے والا یہ شیطان کی صفت ہے جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو یہ کھسک جاتا ہے اور ذکر

سے غفلت کی حالت میں واپس آکر دل پر چھا جاتا ہے۔

مِنَ الجنة و الناس، یہ وسوسہ ڈالنے والوں کی دوقسموں کا بیان ہے شیاطین الجن اور شیاطین الانس.

شیاطین الجن، کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو گمراہ کرنے کی قدرت دی ہے، اس کے علاوہ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان اس کا ساتھی ہوتا ہے جو اس کو گمراہ کرتا رہتا ہے، چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ جب آپ ﷺ نے یہ بات فرمائی تو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا وہ آپ ﷺ کے ساتھ بھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں! میرے ساتھ بھی ہے، لیکن اللہ نے میری مدد فرمائی ہے، وہ میرا مطیع ہوگیا ہے، وہ مجھے خیر کے علاوہ کسی بات کا حکم نہیں دیتا۔ (صحیح مسلم)

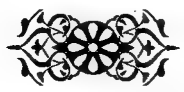
اسی طرح ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ اعتکاف میں تھے کہ آپ ﷺ کی زوجۂ مطہرہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ سے ملنے کے لئے آئیں، رات کا وقت تھا، آپ ﷺ انہیں چھوڑنے کے لئے ان کے ساتھ گئے، راستہ میں دو انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں سے گذرے، تو آپ ﷺ نے ان کو بلایا اور فرمایا یہ میری اہلیہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں، انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کی بابت ہمیں کیا بدگمانی ہوسکتی تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو ٹھیک ہے، لیکن شیطان انسان کی دلوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے، مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں وہ تمہارے دلوں میں کچھ شبہ نہ ڈال دے۔ (صحیح بخاری)

دوسرے شیطان انسی ہوتے ہیں، جو ناصح اور مشفق کے روپ میں انسانوں کو گمراہی کی ترغیب دیتے ہیں، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ شیطان، جنات کو بھی گمراہ کرتا ہے صرف انسان کا ذکر تغلیباً ہے۔

اے بسا ابلیس، آدم روئے ہست پس بہ ہر دستے نہ باید داد دست

دعاء ختم القرآن

اَللّٰهُمَّ آنِسْ وَحْشَتِيْ فِيْ قَبْرِيْ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ وَاجْعَلْهُ لِيْ اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّهُدًى وَّرَحْمَةً اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِيْ مِنْهُ مَا نَسِيْتُ وَعَلِّمْنِيْ مِنْهُ مَا جَهِلْتُ وَارْزُقْنِيْ تِلَاوَتَهٗ اٰنَاءَ اللَّيْلِ وَاٰنَاءَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لِيْ حُجَّةً يَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ اٰمِيْنَ



سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سَبْعُ اٰيَاتٍ

سُوْرَةُ الفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ، سَبْعُ ايَاتٍ.

سورۂ فاتحہ مکی ہے، مع بسم اللہ کے سات آیتیں ہیں۔

بِالبَسْمَلَةِ اِنْ كَانَتْ مِنْهَا وَالسَّابِعَةُ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اِلٰى اٰخِرِهَا واِنْ لم تَكُنْ مِنْهَا فَالسَّابِعَةُ غَيْرِ المَغْضُوْبِ، اِلٰى اٰخِرِهَا، يُقَدَّرُ فِي اَوَّلِهَا قُوْلُوْا لِيَكُوْنَ مَا قَبْلَ "اِيَّاكَ نَعْبُدُ" مُنَاسِبًا لَهٗ بكونِهٖ مِن مَقُوْلِ العِبَادِ.

اگر بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جز ہو، تو ساتویں آیت "صراط الذین" سے آخر تک ہے اور اگر بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جز نہ ہو، تو ساتویں آیت غیر المغضوب سے آخر تک ہے اور سورۂ فاتحہ کے شروع میں "قُوْلُوْا" مقدر مانا جائے گا؛ تاکہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ کا ماقبل، بندوں کا مقولہ ہونے میں اس کے مناسب ہوجائے۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ جُمْلَةٌ خَبَرِيَّةٌ قُصِدَ بِهَا الثَّنَاءُ على اللهِ بِمَضْمُوْنِها مِن اَنَّهٗ تَعَالٰى مَالِكٌ لِجَمِيْعِ الحَمْدِ مِنَ الخَلْقِ او مُسْتَحِقٌّ لاَنْ يَّحْمَدُوْهُ واللّٰهُ عَلَمٌ عَلى المَعْبُوْدِ بِحَقٍّ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اى مَالِكِ جميعِ الخَلْقِ مِنَ الاِنْسِ وَالْجِنِّ وَالمَلَائِكَةِ وَالدَّوَابِّ وَغَيْرِهِمْ، وَكُلٌّ مِنْهُمْ يُطْلَقُ عَلَيْهِ عَالَمٌ يُقَالُ عَالَمُ الْاِنْسِ وَعَالَمُ الْجِنِّ اِلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ و غُلِّبَ فى جَمْعِهٖ بِاليَاءِ وَالنُّوْنِ اُولُوا العِلْمِ عَلٰى غَيْرِهِمْ و هُوَ مِنَ العَلَامَةِ لِاَنَّهٗ عَلَامَةٌ عَلٰى مُوْجِدِه الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اى ذِى الرَّحْمَةِ وهِيَ ارادةُ الخَيْرِ لِاَهْلِه مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اى الجَزَاءِ وهُو يَوْمُ القِيٰمَةِ و خُصَّ بِالذِّكْرِ لِاَنَّهٗ لا مِلْكَ ظَاهِرًا فيه لِاَحَدٍ اِلَّا لِلّٰهِ تَعَالٰى بِدَلِيْلِ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ وَمَنْ قَرَأَ مَالِكِ فَمَعْنَاهُ مَالِكُ الاَمْرِ كُلِّهٖ فِي يَوْمِ القِيٰمَةِ اى هُوَ مَوْصُوْفٌ بِذٰلِكَ دَائِمًا كَغَافِرِ الذَّنْبِ فَصَحَّ وُقُوْعُهٗ صِفَةً لِلْمَعْرِفَةِ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اى نَخُصُّكَ بِالعِبَادَةِ مِنْ تَوحِيدٍ وغيره ونَطْلُبُ

مسلكَ المعونةَ على العبادةِ وغيرِ ها اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۝ اى اَرْشِدْنَا اِلَيهِ ويُبْدَلُ منه صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۙ بالهدايةِ ويُبْدَلُ من الَّذِينَ بصلته غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وهم اليهود وَلَا وغير الضَّآلِّيۡنَ ۝ وهُمُ النَّصارى ونُكْتَةُ البدلِ اِفادةُ اَنَّ المُهتدِينَ لَيْسُوا يَهُودًا ولا نصارى واللّٰه اَعْلَمُ بالصَّوابِ واليه المَرْجِعُ والمَآبُ وَصَلَّى اللّٰهُ على سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعلى آلِه وأصْحَابِه الطَّيِّبِينَ الطَّاهِرِينَ صَلوةً وسَلامًا دائِمَينِ مُتَلازِمَينِ اِلى يَوْمِ الدِّيْنِ والحمد للّٰهِ رَبِّ العٰلَمِينَ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، ہر تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے، یہ جملہ خبریہ ہے، اس جملہ سے اس کے مضمون کے ذریعہ خدا کی تعریف کا قصد کیا گیا ہے، بایں طور کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کی تعریف کا مالک ہے یا اس کا مستحق ہے کہ اس کی حمد بیان کی جائے، اور اللہ معبود حقیقی کا علم ہے جو تمام عالموں کا رب ہے یعنی وہ تمام مخلوق کا مالک ہے، خواہ انس ہوں یا جن اور ملائکہ اور حیوانات وغیرہ اور ان میں سے ہر ایک پر عالم کا اطلاق کیا جاتا ہے، کہا جاتا ہے، عالم الإنس، عالم الجن و على هذا القياس (عالم) کی ی اور ن کے ساتھ جمع لانے میں، ذوی العقول کو غیر ذوی العقول پر غلبہ دیا گیا ہے اور (عَالَمْ) علامة سے مشتق ہے، اس لئے کہ (عَالَمْ) اپنے ایجاد کرنے والے پر علامت ہے، بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے یعنی رحمت والا ہے اور ''رحمت'' مستحق خیر کے ساتھ خیر کے ارادے کا نام ہے، یوم جزاء کا مالک ہے، اور وہ (یوم جزاء) قیامت کا دن ہے اور یوم جزاء کو خاص کرنے کی یہ وجہ ہے کہ اس دن بظاہر اللہ کے سوا کسی کی ملک نہیں ہوگی، لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوم؟ لِلّٰهِ! کی دلیل سے اور جن لوگوں نے مالكِ يوم الدين پڑھا ہے تو اس کے معنی ہیں، قیامت کے دن وہ تمام امور کا مالک ہے یعنی وہ مالکیت کی صفت کے ساتھ ہمیشہ متصف ہے جیسا کہ غَافِرِ الذنب میں، لہٰذا اس کا معرفہ کی صفت واقع ہونا صحیح ہے، ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں، ہم تجھ ہی کو عبادت کے لئے خاص کرتے ہیں جو کہ وہ توحید وغیرہ ہے اور عبادت وغیرہ پر تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں، ہمیں سیدھی راہ دکھا، یعنی راہ مستقیم کی طرف رہنمائی فرما، اور صراط الذين، الصراط المستقيم سے بدل ہے، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے ہدایت کے ذریعہ انعام فرمایا اور الذين سے مع اس کے صلہ کے غَيْرِ الْمَغضُوبِ عَلَيْهِمْ بدل ہے، ان کی نہیں جن پر غضب کیا گیا اور وہ یہود ہیں اور نہ گمراہوں کی اور وہ نصاریٰ ہیں اور نکتہ بدل قرار دینے میں اس بات کا فائدہ پہنچانا ہے کہ یہود ہدایت یافتہ نہیں ہیں اور نہ نصاریٰ ہیں، واللّٰه اعلم بالصواب واليه المرجع والمآب وصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سيدنا محمد وعلى آلِهٖ واَصحابه الطَّيِّبِينَ الطَّاهِرِينَ صلوةً وسَلَامًا دائمَيْنِ مُتَلَازِمَيْنِ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ والحمد للّٰه رب العالمين. اور حقیقت حال سے اللہ ہی واقف ہے اور وہی مرجع اور ٹھکانہ ہے، اللہ کی رحمت ہو ہمارے سردار محمد ﷺ پر، اور آپ کی پاکیزہ اور ستھری آل اصحاب پر ہمیشہ باہم پیوستہ تا قیام قیامت درود و سلام ہو اور سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام عالموں کا رب ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلِكُ: سبعُ آياتٍ بِالْبَسْمَلَةِ امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ کے یہاں چونکہ بسم الله سورۂ فاتحہ کی ایک آیت ہے، اس وجہ سے ساتویں آیت، صراط الذین سے آخر تک ہے، اور احناف کے نزدیک بسم الله سورۂ فاتحہ کا چونکہ جز نہیں ہے، اس لئے ساتویں آیت غیر المغضوب علیهم سے آخر تک ہے۔

قِوْلِكُ: يُقَدَّرُ في اولها ، قُوْلُوْا ، سورۂ فاتحہ کے شروع میں لفظ قُولوا مقدر مانا جائے گا؛ اگر بسم الله سورۂ فاتحہ کا جز ہے تو قُولُوْا بسم الله سے پہلے مقدر مانا جائیگا، اور اگر بسم الله سورۂ فاتحہ کا جز نہیں ہے تو بسم اللہ کے بعد مقدر مانا جائے گا، قولوا کو مقدر ماننے کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ کا ماقبل، مقولۂ عباد ہونے میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ کے مناسب ہوجائے یعنی پوری سورۂ فاتحہ مقولۂ عباد ہوجائے۔ بکَوْنِهَا میں باء بمعنی فی ہے، یعنی فی کون الفاتحة ایک نسخہ میں بکَوْنِها کے بجائے بکونِهٖ ہے یہ زیادہ واضح ہے، ضمیر، ماقبل اياك کی طرف راجع ہوگی اور اگر قُولُوْا کی تقدیر کو ترک کردیا جائے تو احتمال یہ ہوگا کہ سورۂ فاتحہ بتمامها یہ اللہ کی خود اپنی تعریف ہے۔

قِوْلِكُ: الحمد لله خَبْرِية ، خَبرِيَة کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ ''الحمد للہ'' لفظاً جملہ خبریہ ہے، اس کی تقدیر الحمد ثابت لله ہے اور قُصِدَ بِهَا الثناء الخ کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مذکورہ جملہ معناً انشائیہ ہے، جس کے مضمون سے اللہ کی حمد بیان کرنے کا قصد کیا گیا ہے۔

قِوْلِكُ: مِنْ انه تعالیٰ مالك لجميع الحمد من الخلق اس جملہ کے اضافہ کا مقصد مضمون جملہ کی تعیین کرنا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی تمام ستائشوں کا مالک ہے، اس صورت میں للہ کا لام ملک کے لئے ہوگا۔

قِوْلِكُ: او مستحق اس اضافہ سے مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ للہ میں لام استحقاق کا ہے یعنی اللہ اپنی مخلوق کی تمام ستائشوں کا مستحق ہے۔

قِوْلِكُ: قُصِدَ بِهَا الثناء مفسر علام کا مقصد اس عبارت سے ایک مشہور سوال کا جواب دینا ہے۔

سِوَالٌ: خبر سے مخبر کا مقصد مخاطب کو یا تو خبر کا فائدہ پہنچانا ہوتا ہے، اس کو اصطلاحی زبان میں فائدۃ الخبر کہتے ہیں مثلاً ایک شخص کہتا ہے زید قائم اگر مخاطب قیامِ زید سے واقف نہیں ہے تو وہ اس خبر کے بعد قیامِ زید سے واقف ہوجائے گا، اور اگر مخاطب خبر سے واقف ہے اس صورت میں مخبر کا مقصد یہ بتانا ہے کہ میں اس خبر سے واقف ہوں اسے لازمِ فائدۃ الخبر کہتے ہیں، مثلاً مخبر کہتا ہے ''حَفِظْتَ القرآن'' تونے قرآن حفظ کرلیا، مخبر کا مقصد مخاطب کو یہ بتانا ہے کہ میں اس بات سے واقف ہوں کہ تونے قرآن حفظ کرلیا ہے، ظاہر ہے کہ جس نے قرآن حفظ کیا ہے اسے یہ بتانے کی کوئی ضرورت نہیں کہ تونے قرآن حفظ کرلیا ہے، بلکہ اسے اپنے باخبر ہونے کی خبر دینا ہے، جسے علم معانی کی زبان میں لازم فائدۃ الخبر کہتے ہیں۔ مذکورہ تفصیل کے بعد آپ غور کریں کہ ''الحمد للہ'' جملہ خبریہ ہے، مگر دونوں مذکورہ فائدوں سے خالی ہے، نہ تو اس

سے فائدۃ الخبر حاصل ہورہا ہے اور نہ لازم فائدۃ الخبر، اس لئے کہ یہ بات کہ جمیع محامد کا مستحق اللہ تعالیٰ ہی ہے، سب کو معلوم ہے، لہٰذا ''الحمد للہ'' کا مقصد اخبار بفائدۃ الخبر نہ ہوگا، اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ متکلم کا مقصد یہ بھی نہیں کہ وہ مخاطب کو یہ بتائے کہ میں اس بات سے واقف ہوں کہ جمیع محامد کا مستحق اللہ تعالیٰ ہے، تو معلوم ہوا کہ ''الحمد للہ'' جو کہ جملہ خبریہ ہے، دونوں قسم (فائدۃ الخبر اور لازم فائدۃ الخبر) سے خالی ہے اور جو جملہ خبریہ دونوں قسم کے فائدوں سے خالی ہو، وہ لغو ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا کلام اس سے منزہ ہے، لہٰذا اس جملہ کو انشائیہ ہونا چاہئے جیسا کہ قاضی مبارک شاہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے شرح تہذیب کے حاشیہ میرزادہ میں اختیار کیا ہے، حَیْثُ قال الحمد لله یحتمل الانشاء والاخبار والا ول اَوْفَقُ بالحدیث وَهُوَ قوله علیه السلام ''كُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ''. (الحدیث)

جَوَابٌ: حاصل جواب یہ ہے کہ جملہ خبریہ سے مذکورہ دونوں فائدوں میں سے کسی ایک فائدہ کا حاصل ہونا اس وقت ضروری ہوتا ہے جب کہ مخبر کا مقصد اعلام (اخبار) ہو، اور یہاں مقصد انشاءِ ثناء ہے نہ کہ اخبار، اور جملہ خبریہ بس اوقات فائدۃ الخبر اور لازم فائدۃ الخبر کے علاوہ دیگر مقاصد کے لئے بھی لایا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول ''رَبِّ اِنِّی وَضَعْتُهَا اُنْثٰی'' یہ جملہ خبر یہ ہے مگر مقصد اظہار حسرت ہے نہ کہ فائدۃ الخبر اور نہ لازم فائدۃ الخبر۔

قَوْلُہٗ: بمضمونها اس جملہ کا مقصد بھی ایک سوال کا جواب ہے، سوال کے سمجھنے سے پہلے بطور تمہید اس بات کا سمجھ لینا ضروری ہے کہ تسمیہ اور سورۂ فاتحہ کے نزول کا مقصد کیفیت تسمیہ وتحمید سکھانا ہے یعنی یہ بتانا ہے کہ کس طرح تسمیہ اور تحمید کی جائے، جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اب سمجھنا چاہئے کہ ''الحمد للہ'' دو حال سے خالی نہیں: کیوں کہ حمد یا تو بطریق انشاء ہوگی یا بطریق خبر، اگر بطریق انشاء ہو اس پر وہی اعتراضات ہوں گے جو سابق میں بیان کیے گئے ہیں اور اگر بطریق خبر ہو تو جو شخص بھی یہ جملہ یعنی ''الحمد للہ'' کہے گا تو وہ غیر کی جانب سے حمد کا مخبر ہوگا نہ کہ حامد بنفسہ؛ لہٰذا یہ شخص نماز میں حمد کرنے والا نہیں ہوگا؛ حالانکہ انشاء حمد اس پر نماز میں واجب ہے۔ اگر کوئی شخص اس کے جواب میں کہے کہ اخبار بالحمد بھی حمد ہے، لہٰذا الحمد للہ کہنے والا منجملہ حامدین سے ہوگا تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ ہمیں یہ مسلم نہیں اس لئے کہ حمد وصف بالجمیل کا نام ہے نہ کہ اخبار الوصف بالجمیل کا، لہٰذا یہ حمد نہ ہوگی؟

خلاصۃ الکلام:

قَوْلُہٗ: خَبَرِیَّة الخ، اس اضافہ کا مقصد ان لوگوں پر رد کرنا ہے جو کہتے ہیں کہ ''الحمد لله'' جملہ انشائیہ ہے، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ ''الحمد للہ'' جملہ فعلیہ سے معدول ہے جیسا کہ سَلَامٌ عَلَیْکُمْ جملہ فعلیہ سے معدول ہے کہ اصل میں سَلَّمْتُ سَلَامًا عَلَیْكَ تھا؛ لہٰذا جب معدول عنہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہے، تو معدول بھی جملہ فعلیہ انشائیہ ہوگا، اسی طرح ''الحمد لله'' اصل میں حَمِدْتُ حَمْدًا تھا، استمرار ودوام کے لئے جملہ فعلیہ سے جملہ اسمیہ کی طرف معدول کرلیا گیا، لہٰذا جملہ ''الحمد للہ'' بھی انشائیہ ہی ہوگا۔

رد کی پہلی دلیل:

رد کی پہلی دلیل یہ ہے کہ جملہ انشائیہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا مضمون زمانۂ استقبال سے متعلق ہے؛ لہٰذا الحمد لله کا مفہوم، ایجاد الحمد فی زمان المستقبل ہوگا اور یہ تعمیم زمان کے منافی ہے جو کہ "الحمد لله" میں معتبر ہے، اس لئے کہ جملہ فعلیہ سے معدول کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ دوام و استمرار پر دلالت کرے نہ کہ حدوث و تجدد پر۔

دوسری دلیل:

دوسری دلیل یہ ہے کہ جملہ انشائیہ خواہ اسمیہ ہو جیسے سلام علیکم یا فعلیہ ہو جیسا کہ نعم الرجل زید، وہ بہر حال قائل کی جانب سے حدوث مضمون پر دلالت کرتے ہیں، نہ کہ غیر قائل کی جانب سے؛ لہٰذا "سَلَامٌ عَلَيْكُمْ" کے معنی ہوں گے "سلام من قبلی اور نعم الرجل زید" کے معنی ہوں گے احداثُ المدح مِنَ المتکلم دون غیرہ اور یہ حامد کی حمد کے منافی ہے جو کہ "الحمد لله" میں حذف فاعل سے مفہوم ہے، لہٰذا علامہ جلال الدین محلی نے الخبر یۃ کہہ کر مذکورہ دونوں اعتراضوں کو دفع کر دیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

قَوْلُهُ: مِن انّهٗ تعالیٰ مالك لجمیع الحمد مِنَ الخلق اَوْ مُسْتَحِقٌّ لِاَنْ یَحْمَدُوْهُ اس اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے۔

اعتراض: تمام محامد کا اختصاص اللہ تعالیٰ کے لئے "الحمد" کے الف لام سے مستفاد ہے خواہ الف لام استغراق کا ہو یا جنس کا جس کی تفصیلی تقریر یوں ہے:

اعتراض کی تقریر:

لفظ "حمد" مصدر ہے، یا تو یہ مصدر معروف ہوگا یا مجہول، یعنی کسی کا حامد ہونا یا محمود ہونا، اور ان دونوں صورتوں میں حمد کا اختصاص باری تعالیٰ کے ساتھ صحیح نہیں ہے، اول صورت میں تو اس لئے کہ حمد کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا اہل سنت والجماعت کے نزدیک کسباً اور معتزلہ کے نزدیک خلقاً درست ہے، یعنی غیر اللہ کو کہا جا سکتا ہے کہ "انه حامدٌ علی سبیل الکسب" لہٰذا حصر باقی نہیں رہا، اور اگر ثانی صورت مراد ہو کہ الحمد کو مصدر مجہول مانا جائے، تو اس صورت میں حصر اس لئے درست نہیں ہوگا کہ اس صورت میں حمد کا تعلق غیر اللہ سے ہوتا ہے، مثلاً غیر اللہ کے لئے کہا جاتا ہے "انه محمودٌ" یا فُلَان عَالِمٌ یا فُلانٌ شجاع، وغیرہ، تو فلاں محمود ہوگا، خلاصہ یہ کہ الحمد للہ میں حمد کسی صورت میں بھی اللہ کے ساتھ محصور نہیں، حالانکہ الحمد میں حصر ہی مقصود ہے؟ اسی اعتراض کا جلال الملت والدین نے اول شق کو اختیار کر کے اپنے قول "مِنْ انه مالك الخ" سے جواب دیا ہے اور شق ثانی کو اختیار کر کے اس کا جواب اپنے قول "او مستحق لِاَنْ یَحْمَدُوْهُ" سے دیا ہے۔

پہلی شق کو اختیار کر کے جواب کی تقریر:

جواب یہ ہے کہ حمد کے تمام افراد اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں باعتبار ملک اور خلق کے، بایں طور کہ ہر حمد خواہ وہ خالق سے صادر ہو یا مخلوق سے وہ اللہ ہی کی مخلوق اور مملوک ہے، اس لئے کہ اہل حق کے نزدیک اللہ کی ذات اور اس کی صفات کے سوا ہر شئی کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور غیر اللہ حقیقۃً نہ کسی شئی کا خالق ہوسکتا ہے اور نہ مالک؛ لہٰذا جمیع محامد کا اختصاص باعتبار خلق اور ملک کے اللہ ہی کے ساتھ ہوگا، نہ کہ باعتبار نسبت کے؛ لہٰذا یہ اختصاص حقیقت کے اعتبار سے ہوگا نہ کہ ظاہر اور نسبت کے اعتبار سے۔

دوسری شق کو اختیار کرنے کی صورت میں جواب:

دوسری شق یہ ہے کہ حمد کے تمام افراد اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں، محمود ہونے کے اعتبار سے اور یہ اختصاص نفس الامری وقوع کے اعتبار سے نہیں ہے، (یعنی فی الواقع ایسا ہو یہ بات نہیں ہے) بلکہ استحقاق کے اعتبار سے ہے، یعنی تمام محامد کا استحقاق اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص ہے، اللہ کے علاوہ کوئی بھی، حمد کے کسی فرد کا مستحق نہیں، اس لئے کہ حمد کا استحقاق خیر کی وجہ سے ہوتا ہے اور خیر اللہ ہی کی طرف سے ہے، خواہ انسان کے کسب کے اعتبار سے ہو، بایں معنی کہ اس کے کسب میں بندے کے اختیار کو دخل ہو، یا بلا واسطہ ہو کہ اس میں بندے کے کسب و اختیار کو بالکل دخل نہ ہو (جیسے پیدائشی نعمتیں) جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اختصاص بطریق استحقاق ہے، تو یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ حمد کے بعض افراد غیر اللہ کے لئے ثابت ہوں؛ لہٰذا اگر کچھ لوگ بتوں کی یا کوکب یا دیگر مظاہر کی بندگی اور ان کی حمد وثناء کرتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کے لئے تمام افراد حمد کے استحقاقی طور پر اختصاص کے منافی نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: **وَاللّٰہ عَلَمٌ علی المعبود بحق**، یعنی اللہ معبود برحق کا عَلَمْ (نام) ہے، مفسر علام جلال الملۃ والدین نے لفظ اللہ کی تشریح **عَلَمٌ علی المعبود بحق** سے کر کے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے۔

اعتراض: اس مقام (یعنی الحمد للّٰہ) میں لفظ اللہ کو دیگر صفاتی ناموں (مثلاً خالق، رازق وغیرہ) کے مقابلہ میں کیوں اختیار کیا؟ باوجودیکہ صفاتی نام ذات مع الصفات پر دلالت کرتے ہیں؟

جَوَابٌ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ **اَللّٰہ** ایک معبود مشخص کا نام ہے، جو تمام صفات کمال کو جامع ہو، اللہ کے علاوہ دیگر تمام نام صفاتی ہیں اگر اللہ کے بجائے کسی صفاتی نام کو اختیار کرتے تو کسی کو یہ وہم ہوسکتا تھا کہ اللہ اسی صفت کی وجہ سے مستحق حمد ہے نہ کہ اپنی ذات کے اعتبار سے، اس لئے کہ کسی حکم کا کسی وصف سے متعلق ہونا، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ وصف ہی اس حکم کی علت ہے، اور یہ باطل ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح اپنی صفات کے اعتبار سے مستحق حمد ہے اسی طرح وہ اپنی مجرد ذات کے اعتبار سے بھی یکساں طور پر مستحق حمد ہے۔

قَوْلُہٗ: **رَبِّ الْعٰلَمِیْن، ای مَالِکِ، رَبّ** مصدر ہے بمعنی تربیۃ، رَبّ کو اللہ کی صفت بطور مبالغہ لایا گیا ہے، رب کے متعد

معانی آتے ہیں، سید، مالک، معبود، مصلح وغیرہ، مناسب مقام کی وجہ سے مفسر علام نے مالک کے معنی کو اختیار کیا ہے، لہٰذا رب کے اللہ پر حمل کے عدم جواز کا اعتراض نہیں ہوسکتا۔

سَوَال: عالم مفرد ہونے کے باوجود کائنات کے ہر فرد کو شامل ہے، اس لئے کہ عالم اسم جنس ہے تو اس کی جمع لانے کی کیا ضرورت تھی؟

جَوَاب: جمع کا صیغہ اس لئے لایا گیا تا کہ اپنے ماتحت اجناس مختلفہ کو صراحۃً شامل ہو جائے۔

سَوَال: عالمین کی جمع یا، ن کے ساتھ کیوں لائے ہیں، جب کہ عالم میں غیر ذوی العقول کی تعداد زیادہ ہے اور ذوی العقول کی کم؟

جَوَاب: ذوی العقول کی شرافت کی وجہ سے غیر ذوی العقول پر غلبہ دینے کی وجہ سے اس کی جمع یا، ن کے ساتھ لائی گئی ہے۔

قَوْلُہٗ: هُوَ اِرادة الخير، لِاَهْلِهٖ مفسر علام کا اس اضافہ سے مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: رحمٰن اور رحیم دونوں مبالغے کے صیغے ہیں اور رحمۃ سے مشتق ہیں، رحمة کے معنی ہیں رقت قلب اور یہ صفت باری تعالیٰ میں ممتنع ہے۔ اس لئے کہ رقت قلب کے لئے قلب کی ضرورت ہوگی اور قلب کے لئے جسم کی ضرورت ہوگی، اور جس کا جسم ہوتا ہے وہ مجسم ہوتا ہے؛ حالانکہ اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانیات سے منزہ اور پاک ہے؟

جَوَاب: اللہ تعالیٰ کے لئے رحمت کا اطلاق غایت اور انجام کے اعتبار سے ہے یعنی رقت قلبی کا انجام اور نتیجہ خیر پر آمادہ کرنا ہوتا ہے؛ لہٰذا رحمت بول کر انجام رحمت مراد ہے۔

قَوْلُہٗ: مَلِكِ يوم الدين، مَلِكِ میں دو قراءتیں ہیں، ایک الف کے ساتھ یعنی مَالِكِ يوم الدين اور دوسری حذف الف کے ساتھ، یعنی مَلِكِ يَوْمِ الدين، دوسری قراءت میں کوئی اشکال نہیں، یعنی وہ روز جزاء کا بادشاہ ہے، پہلی قراءت یعنی مَالِكِ يوم الدين میں اشکال ہے۔

اِشْكَال: مَالِكِ اسم فاعل ہے اس کی اضافت اضافت لفظیہ ہوتی ہے، جو کہ مفید تعریف نہیں ہوتی؛ لہٰذا اس کا اللہ کی صفت بننا درست نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ معرفہ ہے اور مالكِ يوم الدين نکرہ، اور نکرہ معرفہ کی صفت واقع نہیں ہوسکتا؟

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ اسم فاعل سے جب حال یا استقبال کا قصد کیا جائے تو اضافت لفظیہ ہوتی ہے اور اگر ماضی یا دوام واستمرار کا ارادہ کیا جائے تو یہ اضافت حقیقیہ ہوتی ہے جو کہ مفید تعریف ہوتی ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات میں استمرار ودوام ہی مراد ہوتا ہے؛ لہٰذا اب کوئی اشکال نہیں۔

قَوْلُہٗ: وخُصَّ بالذكر الخ اس عبارت سے بھی ایک سوال کا جواب مقصود ہے۔

سَوَال: مالك يومِ الدين میں یوم جزاء کی تخصیص کیوں کی گئی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ تمام زمان ومکان کا مالک ہے؟

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ یوم جزاء کے علاوہ دنیا میں انسانوں کی بھی ملکیت ہوتی ہے، اگرچہ مجازی اور عارضی ہی سہی اور یوم جزاء میں کسی کی ملکیت عارضی اور مجازی بھی نہ ہوگی، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سوال فرمائیں گے لِمَنِ المُلْكُ اليوم؟

اور اللہ تعالیٰ خود ہی اس کا جواب بھی عنایت فرمائیں گے "لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّار" مفسر علام نے اپنے قول: لا ملك ظاهرًا فيه لِاَحَدٍ اِلَّا لَهٗ تَعَالٰى سے اسی جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُهٗ: نخصُّكَ بالعِبَادةِ الخ اس اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ ایاك مفعول کی تقدیم، تخصیص پر دلالت کرنے کے لئے ہے، اصل میں نَعْبُدُكَ تھا۔

قَوْلُهٗ: ای ارشدنا الیه ای اثبتنا علیه، ارشاد بمعنی اثبات ہے اس لئے کہ ہدایت تو حاصل ہو چکی ہے، لہٰذا اب اس پر دوام عطا فرما۔

قَوْلُهٗ: وَیُبْدَلُ منه (صراط الذین انعمت علیهم) یہ بدل الکل من الکل ہے، اس کو الصراط المستقیم کی مدح و تاکید کے لئے لایا گیا ہے۔

قَوْلُهٗ: یُبْدَلُ من الَّذِیْنَ بِصلته الخ یعنی الذین مع اپنے صلہ کے مبدل منہ ہے اور غیر المغضوب علیهم اس سے بدل ہے، اس میں مبدل منہ معرفہ اور بدل نکرہ ہے جو کہ درست نہیں ہے۔

سُؤال: غیـــــر جب دو متضاد چیزوں کے درمیان واقع ہو، تو وہ معرفہ ہو جاتا ہے جیسا کہ یہاں واقع ہے اس لئے کہ انعمت علیهم اور مغضوب علیهم دونوں آپس میں متضاد ہیں، اور بعض حضرات نے غیر المغضوب کو الذین انعمت کی صفت قرار دیا ہے؛ مگر اس صورت میں یہ اشکال ہوگا کہ معرفہ کی صفت نکرہ درست نہیں ہے؟

جَوَابٌ: موصول، ابہام میں مشابہ بالنکرات ہے؛ لہٰذا اس کے ساتھ نکرہ جیسا معاملہ کیا گیا ہے۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ غَیْرِ جب بین الضدین واقع ہوتا ہے تو اس کی نکارت ختم ہو جاتی ہے جیسا کہ یہاں مابین الضدین واقع ہے، لہٰذا اب کوئی اشکال نہیں۔

تفسیر و تشریح

سورة الفاتحة مکیة سبع آیاتٍ بالبسملة.

سورۂ فاتحہ مکی ہے، مع بسم اللہ سات آیتیں ہیں۔

قرآنی سورتوں کو سورت کہنے کی وجہ تسمیہ:

سورۃ کے لفظی معنی بلندی یا بلند منزل کے ہیں، السُّوْرَةُ: الرفیعة (لسان) السورة المنزلة الرفیعة (راغب) گویا ہر سورت بلند مرتبہ کا نام ہے، سورۃ کے ایک معنی فصیل (شہر پناہ) کے ہیں، سورة المدینة، حَائِطُهَا (راغب) قرآنی

سورتوں کو سورت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے مضامین کا اسی طرح احاطہ کئے رہتی ہیں جس طرح فصیل شہر کا احاطہ کئے رہتی ہے۔

الفاتحة:

فاتحة کے لفظی معنی ہیں ابتداء کرنے والی، قرآن مجید کی اس پہلی سورت کو بھی فاتحہ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے، گویا کہ یہ دیباچۂ قرآن ہے، قرآنی سورتوں کے نام بھی توقیفی ہیں اور ایک ایک سورت کے کئی کئی نام بھی ہیں، (وقد ثَبَتَتْ جميعُ اسماءِ السُّوَرِ بِالتَّوْقِيْفِ مِنَ الْاَحَادِيْثِ وَالْآثَارِ). (اتقان)

سورۃ الفاتحہ کے متعدد نام احادیث میں آئے ہیں، بعض حضرات نے ان کی تعداد بیس تک پہنچائی ہے، ان میں سے چند مشہور نام یہ ہیں۔

① سورة الشفاء، ② سورة الوافية، ③ ام القرآن، ④ سورة الكنز، ⑤ الكافيه، ⑥ السبع المثانی.

سورۂ فاتحہ کے فضائل وخصوصیات:

سورۂ فاتحہ قرآن کی سب سے پہلی سورت ہے، اور مکمل سورت کی حیثیت سے نزول کے اعتبار سے بھی پہلی سورت ہے، غالبًا اسی وجہ سے اس سورت کا نام سورۂ فاتحہ رکھا گیا ہے، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ سورت ایک حیثیت سے پورے قرآن کا متن ہے اور پورا قرآن اس کی شرح؛ یہ سورت اپنے مضمون کے اعتبار سے ایک دعاء ہے، ایک طالب حق کو چاہئے کہ حق کی تلاش وجستجو کرتے وقت یہ دعاء بھی کرے کہ اسے صراط مستقیم کی ہدایت عطا ہو، دراصل یہ ایک دعاء ہے، جو ہر اس شخص کو سکھائی گئی ہے جو حق کا متلاشی ہو، اس بات کو سمجھ لینے کے بعد یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن اور سورۂ فاتحہ کے درمیان صرف کتاب اور اس کے مقدمہ کا سا ہی تعلق نہیں؛ بلکہ دعاء اور جواب دعاء کا سا بھی ہے، سورۂ فاتحہ بندے کی جانب سے ایک دعاء ہے، اور قرآن اس کا جواب ہے۔ خدا کی جناب میں، بندہ دعاء کرتا ہے کہ اے پروردگار! تو میری رہنمائی کر، جواب میں اللہ تعالیٰ پورا قرآن اس کے سامنے رکھ دیتا ہے کہ یہ ہے وہ ہدایت اور رہنمائی جس کی درخواست تو نے مجھ سے کی ہے۔

ایک تنبیہ:

اس سورت کی ابتداء، الحمد لله رب العالمين سے کر کے اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ دعاء جب مانگو، تو مہذب طریقہ سے مانگو یہ کوئی تہذیب نہیں، کہ منہ کھولتے ہی جھٹ اپنا مطلب پیش کر دیا، تہذیب کا تقاضہ یہ ہے کہ

جس سے دعاء کر رہے ہو پہلے اس کی خوبیوں کا، اس کے احسانات اور اس کے مرتبے کا اعتراف کرو پھر جو کچھ مانگنا ہو شوق سے مانگو۔

بسم اللہ سے متعلق مباحث:

بسم اللہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا یہ ہر سورت کی مستقل آیت ہے یا ہر سورت کی آیت کا حصہ ہے یا صرف سورۂ فاتحہ کی ایک آیت ہے، یا کسی بھی سورت کی مستقل آیت نہیں ہے بلکہ ایک سورت کو دوسری سورت سے ممتاز کرنے کے لئے ہر سورت کے آغاز میں لکھی جاتی ہے؟ قراء مکہ وکوفہ نے اسے ہر سورت کی آیت قرار دیا ہے، جب کہ قراء مدینہ بصرہ وشام نے اسے کسی بھی سورت کی آیت تسلیم نہیں کیا سوائے سورۂ نمل کی آیت ۳۰/ کے کہ اس میں بالاتفاق بسم اللہ سورت کا جز ہے، اسی طرح جہری نمازوں میں اس کے اونچی آواز سے پڑھنے میں بھی اختلاف ہے بعض اونچی آواز سے پڑھنے کے قائل ہیں اور بعض سری آواز سے، امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اور اکثر علماء سری آواز سے پڑھنے کو راجح قرار دیتے ہیں۔

سورۂ فاتحہ کے مضامین:

سورۂ فاتحہ سات آیتوں پر مشتمل ہے جن میں سے پہلی تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء ہے اور آخری تین آیتوں میں انسان کی طرف سے دعاء ودرخواست کا مضمون ہے جو اللہ رب العزت نے اپنی رحمت سے خود ہی انسان کو سکھایا ہے اور درمیانی آیت دونوں چیزوں میں مشترک ہے، اس میں کچھ حمد کا پہلو ہے اور کچھ دعاء ودرخواست کا۔

اهدنا الصراط المستقيم یہ ایک بڑی اور جامع دعاء ہے جس چیز کی اس میں دعاء کی گئی ہے اس سے کوئی فرد بے نیاز نہیں، اور وہ ہے "**صراط مستقيم**" صراط مستقیم کی ہر کام میں ضرورت ہوتی ہے خواہ دین کا ہو یا دنیا کا، اب رہی یہ بات کہ وہ صراط مستقیم ہے کیا؟ اس کی نشاندہی اگلی آیت میں کی گئی ہے۔

صراط الذين انعمت عليهم یعنی ان لوگوں کا راستہ کہ جن میں افراط وتفریط نہ ہو، اور وہ، وہ لوگ ہیں جن پر تو نے انعام فرمایا، اور ان **منعم عليهم** کو ایک دوسری آیت "**اَلَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ**" (الآية) میں بیان کیا گیا ہے یعنی وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا، یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین۔ مقبولین بارگاہ کے یہ چار درجات ہیں جن میں سب سے اعلیٰ انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَامُ ہیں۔

اس آیت میں پہلے مثبت اور ایجابی طریق سے صراط مستقیم کو متعین کیا گیا ہے کہ ان چار طبقوں کے لوگ جس راستہ پر چلیں وہ

صراط مستقیم ہے، اس کے بعد آخری آیت میں سلبی طریقہ پر اس کی تعیین کی گئی ہے؛ چنانچہ ارشاد فرمایا:

غیر المغضوب علیھم ولا الضالین یعنی نہ راستہ ان لوگوں کا جن پر آپ کا غضب نازل ہوا، اور نہ ان لوگوں کا جو راستہ سے بھٹک گئے، **مغضوب علیھم** سے وہ لوگ مراد ہیں جو دین کے احکام کو جاننے پہچاننے کے باوجود شرارت یا نفسانی اغراض کی وجہ سے ان کی خلاف ورزی کرتے ہیں، جیسا کہ عام طور پر یہود کا یہی حال تھا کہ دنیا کے ذلیل مفاد کی خاطر دین کو قربان کرتے اور انبیاء علیہم السلام کی توہین کرتے تھے۔ اور **ضالین** سے وہ لوگ مراد ہیں جو ناواقفیت اور جہالت کے سبب دین کے معاملہ میں غلط راستہ پر پڑ گئے ہیں، جیسا کہ نصاریٰ کا عام طور پر یہی حال تھا کہ نبی کی تعظیم میں اتنے بڑھے کہ انہیں خدا بنالیا، اور دوسری طرف یہ ظلم کہ اللہ کے نبیوں کی بات نہ مانی؛ بلکہ انہیں قتل کرنے تک سے گریز نہ کیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

دُعَاء

الحمد للہ، کہ تفسیر جلالین کے نصف ثانی کی تشریح و توضیح آج بتاریخ ۱۹ صفر المظفر بروز چہار شنبہ بعد نماز عشاء ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۲/اپریل ۲۰۰۳ء اختتام پذیر ہوئی۔

خدا کی دی ہوئی مہلت کو غفلتوں اور گناہوں میں ضائع کرنے پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے، مگر قدم قدم پر انعامات اور رحمتوں کی بارش اور اپنی کتاب کی خدمت کی توفیق کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہی ہے، آخر میں دست بدعاء ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس حقیری کاوش کو قبولیت سے نواز کر قبول عام عطا فرمائے، اور اسے اس سیاہ کار کی بخشش اور والدین کے رفع درجات کا ذریعہ بنائے اور نصف اول کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

بندۂ ناچیز

محمد جمال سیفی بن حکیم شیخ سعدی سیفی

استاذ دارالعلوم دیوبند، سہارنپور

یوپی، انڈیا

